دل پھولوں کی بستی



نگہت عبداللہ

دل دکھوں کی بستی

نکہت عبداللہ

خواتین ڈائجسٹ

اردو بازار کراچی

دِل پُھولوں کی بستی

صبح کے لیے کپڑے استری کرتے ہوئے اُس نے اچانک چھا جانے والی خاموشی کو محسوس کیا اور بالکل غیر ارادی طور پر سر اونچا کر کے چھت کو دیکھنے لگی۔ اصل میں سارا ہنگامہ اوپر برپا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہی بڑے بھیا اور بھابی کا آپس کا جھگڑا جس نے سارے گھر کا سکون غارت کر رکھا تھا۔ اور دونوں میں سے کسی کو احساس نہیں تھا حالانکہ شادی کو تو دس سال ہو چکے تھے۔ ایک ہی بچہ نبیل جو کہ سات آٹھ سال کا تھا۔ اُس کی خاطر بھی دونوں آپس میں سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں تھے۔ بڑے بھیا اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے اور بھابی اپنی ضد چھوڑنے کو تیار نہیں تھیں۔ امّاں جی اور ابّا جی بھابی کو تو کچھ نہیں کہتے تھے البتہ بڑے بھیا کو سمجھانے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اور پتا نہیں کیوں ماں باپ کی ہر بات پر سر جھکانے والے بڑے بھیا ایک یہی بات ماں کے نہیں دے رہے تھے۔ سر جھکا کر عاجزی سے کہتے

"ابّا جی! آپ اس معاملے میں نہیں بولیں۔"

حالانکہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اصل میں بھابی بہت بڑے گھر کی تھیں۔ زمانۂ طالب علمی میں ہی غالباً اُن کی بھیا کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی اور شادی کا پیغام بھی اُن کی ہی طرف سے آیا تھا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ بڑے بھیا تھے ہی بہت لائق فائق۔ محنتی اور بہت ہینڈسم۔ اس کے ساتھ اپنی ذمے داریوں کو بھی بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ماں باپ۔ اُن سے چھوٹے تین بھائی خلیل، شکیل، عدیل اور ایک بہن آسیہ۔ گو کہ اُس وقت ابّا جی بھی ملازمت کرتے تھے اور ڈیڑھ دو سال میں اُن سے چھوٹے خلیل بھی ابّا کا سہارا بننے والے تھے۔ ایسے میں اگر بھیا چاہتے تو اپنا الگ گھر بسا سکتے تھے لیکن ایک تو اُن میں خود غرضی نہیں تھی دوسرے انہیں ماں باپ، بہن بھائیوں کا خیال بھی تھا اور خصوصاً اپنے بھائیوں کے لیے وہ مثال بننا چاہتے تھے۔ یعنی اُن کے خیال میں اگر آج وہ اپنا گھر بسا کر الگ ہو گئے تو اپنی باری آتے پر اُن کے بھائی بھی ایسا ہی کریں گے اور آخر میں اُن کے ماں باپ اکیلے رہ جائیں گے۔

گویا دُور اندیشی سے سوچتے ہوئے انہوں نے نبیلہ بھابی کو شادی سے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر اپنے ماں باپ اپنا گھر نہیں چھوڑیں گے اور اس وقت یقیناً محبت پوری شدتوں پر تھی۔ جب ہی نبیلہ بھابی نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ بڑے بھیا سے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ اُن کے ساتھ اسی گھر میں خوش رہیں گی اور بس ابتدائی چند ماہ ہی انہوں نے ہنسی خوشی گزارے تھے اس

کے بعد انہیں یہ گھر بہت چھوٹا لگنے لگا۔ پہلے دبے لفظوں میں پھر واضح الفاظ میں کہ وہ یہاں نہیں رہ سکتیں۔ یہاں اُن کا دم گھٹتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اُس وقت وہ یعنی آسیہ اصلاح الدین کافی چھوٹی تھی۔ غالباً ساتویں آٹھویں میں پڑھتی تھی تب اُسے نبیلہ بھابی کا روز روز واویلا مچانا اور بڑے بھیا کو تنگ کرنا سخت بُرا لگتا تھا اور اب جبکہ وہ میڈیکل کے آخری سال میں تھی تو اُسے بڑے بھیا پر غصہ آتا تھا کہ آخر وہ نبیلہ بھابی کی بات مان کیوں نہیں لیتے۔ خوامخواہ اپنی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ کم از کم نبیل کا ہی خیال کر لیں۔ بے چارا بچہ ہر روز کے جھگڑوں سے کیسا سہم کر رہ گیا ہے۔ خلیل بھائی کے بچوں کی طرح شرارتی ہے نہ اُن کی طرح ہنستا کھیلتا ہے پتا نہیں پڑھائی میں کیسا ہے۔

وہ سوچتے ہوئے استری شدہ کپڑے ہینگر کر رہی تھی کہ میمونہ بھابی دروازے سے جھانک کر آہستہ آواز میں پوچھنے لگیں۔

"اے۔ چائے پیو گی؟"

اُس نے چونک کر دیکھا اور اُن کے سرگوشیانہ انداز پر مسکرا کر بولی۔

"ضرور پیوں گی لیکن کیا چائے پینے پر پابندی لگ چکی ہے؟"

"نہیں تو۔" میمونہ بھابی کا انداز نہ سمجھنے والا تھا۔

"پھر اتنی رازداری سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"ابھی بتاتی ہوں، پہلے چائے لے آؤں۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے وہیں سے پلٹ گئیں۔ کچھ دیر بعد دو مگ لے کر آئیں اور ایک اُسے تھما کر کہنے لگیں۔

"جسے تم رازداری کہہ رہی ہو وہ خوف ہے۔"

"کیسا خوف؟"

"تو سنا نہیں تم نے۔ ابھی اوپر کتنا شور تھا مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ آج نبیلہ بھابی کچھ زیادہ ہی غصے میں تھیں۔"

میمونہ بھابی ابھی بھی آواز دبا کر بول رہی تھیں۔ قصداً وہ ذرا سا ہنسی پھر اُن کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"یہ اُن کا معاملہ ہے بھابی! آپ کیوں ڈر رہی ہیں۔ پھر یہ تو روز کا معمول ہے۔ اتنے سالوں سے آپ خود دیکھ رہی ہیں اور اب تک تو آپ کو عادی ہو جانا چاہیے۔"

"عادی تو میں ہو چکی ہوں اور اتنی کہ اگر کسی دن اُن کا جھگڑا نہ ہو تو مجھے تشویش ہونے لگتی ہے۔"

اپنی بات پر میمونہ بھابی خود ہی ہنسیں پھر کہنے لگیں۔ "نبیلہ بھابی کو تکلیف کیا ہے۔ ابا جی نے اوپر کا پورا پورشن انہیں دے دیا ہے۔ ہم لوگوں سے تو بالکل الگ تھلگ ہی ہیں پھر اُن کا الگ گھر کا مطالبہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اُن کا مسئلہ الگ گھر نہیں ہے بھابی! اصل بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ ہی نہیں ہو پائیں۔ ہے تو تلخ حقیقت لیکن سچ یہی ہے کہ وہ آزادی چاہتی ہیں۔"

وہ تاسف بھرے انداز میں سیدھی سادی میمونہ بھابی کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"کلب، پارٹیز، آزادانہ مردوں سے میل جول یہ ساری باتیں ہمارے ہاں معیوب سمجھی جاتی ہیں اور نبیلہ بھابی یہاں رہ کر یہ سب نہیں کر پا رہیں۔ اس لیے الگ گھر چاہتی ہیں۔ وہ بھی ہم سے بہت دُور۔"

"لیکن چندا! اُن کی شادی کو نو دس سال ہو گئے ہیں۔ پھر بچے کی ماں بھی ہیں۔"

"یہ ساری باتیں ہم، ہمارے طبقے کی عورتیں سوچتی ہیں بھابی۔ انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آپ نے اُن کے انداز نہیں دیکھے اور اسمارٹنس، کہیں سے بھی شادی شدہ عورت لگتی ہیں؟" میمونہ بھابی نفی میں سر ہلانے لگیں۔ اُن کی نگاہوں میں نبیلہ بھابی کا سراپا سمایا ہوا تھا۔ تب وہ موضوع بدلنے کی خاطر پوچھنے لگی۔

"خلیل بھائی اور بچے سو گئے کیا؟"

"نہیں، خلیل دونوں کو ہوم ورک کروا رہے تھے۔" میمونہ بھابی کو جیسے ہی احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہیں۔ فوراً چائے کے خالی مگ اُٹھا کر کھڑی ہو گئیں تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"آپ کو بھی ہوم ورک کرنا ہے؟"

"نہیں میرا آج کا ہوم ورک ختم ہو گیا۔" میمونہ بھابی ہنستی ہوئی چلی گئیں تو کچھ دیر تک وہ اُن کے بارے میں سوچتی رہی پھر اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔

صبح کاذب کے وقت شاہ سکندر حیات نے اُٹھتے ہی کھڑکی کے پردے سمیٹ دیے اور تازہ ہوا میں چند گہرے سانس لینے کے بعد واش روم کا رُخ کیا۔ اُسے تیار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی اور کم وقت میں ہی اُس کی تیاری بھرپور ہوتی تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد قد آدم آئینے میں اُس نے خود پر بس ایک نظر ڈالی ـــــ آسمانی شلوار سوٹ پر سیاہ ویسٹ کوٹ نے اُس کی وجاہت میں اضافہ کر دیا تھا۔ قیمتی رسٹ واچ کلائی پر سجاتا ہوا اپنے کمرے سے نکل کر بابا جان کے کمرے میں آیا تو جا نماز پر بیٹھے ہوئے بابا جان نے آہٹ پر گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

"السلام علیکم بابا جان!" اس نے مؤدبانہ سلام کیا۔

"جیتے رہو۔ کہاں کی تیاری ہے؟" دُعا دینے کے ساتھ ہی بابا جان نے پوچھا۔

"میں ایک کام سے کراچی جا رہا ہوں۔ آپ کوئی کام ہو تو بتلایئے؟"

"کراچی کا تو کوئی کام نہیں ہے البتہ زمینوں پر جانا تھا۔ تم کب تک لوٹو گے؟"

بابا جان نے قدرے سوچتے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے اُس سے واپسی کا پوچھا۔

"شاید شام تک۔"

"یقین سے کہو تو پھر ہم کل تمہارے ساتھ چلیں گے ورنہ آج ہاردن کو بھیج دیتے ہیں۔"

"اگر میرا آپ کے ساتھ جانا ضروری ہے تو پھر میں یقیناً شام تک آجاؤں گا۔" اُس نے کہا تو بابا جان مسکرا کر بولے۔

"ٹھیک ہے۔ ہم کل چلیں گے۔"

"مجھے اجازت ہے؟"

"ہوں۔ اپنی بی بی جان سے پوچھ لو۔ انہیں شہر سے کوئی کام ہو تو۔"

"جی بہتر۔"

وہ انہیں سلام کرتے ہوئے کمرے سے نکل آیا۔ پھر بی بی جان سے بہت عجلت میں بات کر کے باہر آیا تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی گرے لینڈ کروزر میں کراچی جا رہا تھا اور اُسے اپنا تو کوئی کام نہیں تھا بلکہ اُس کے دوست احمد حسن کی بہن کو کچھ نمبروں کی کمی کے باعث میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں مل رہا تھا اور احمد حسن نے سفارش کے طور پر اُسے بلایا تھا۔ وہ کیونکہ وعدہ کر چکا تھا اس لیے آج اُس کا جانا ناگزیر تھا۔ پھر دوست کا معاملہ تھا ورنہ اپنے معمولی کاموں کے لیے وہ خود زحمت نہیں کرتا تھا۔ بہر حال تین گھنٹے کا سفر ڈھائی گھنٹے میں طے کر کے وہ احمد حسن کے گھر پہنچا تو وہ منتظر تھا۔ اور چاہتا تھا کہ پہلے اُس کی کچھ خاطر مدارت کرے لیکن وہ منع کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں احمد حسن! جو ضروری کام ہے پہلے وہ کر لینا چاہیے۔ تم چلو گے یا؟"

"میں چل رہا ہوں۔" احمد حسن فوراً دوسری طرف سے آ کر اُس کے برابر بیٹھ گیا تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی پھر پوچھنے لگا۔

"گھر میں سب خیریت ہے ناں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ بس وہ نائلہ نے ایڈمیشن نہ ہونے کی وجہ سے رو رو کر بُرا حال کیا ہوا ہے۔"

احمد حسن نے بتاتے ہوئے اُسے یوں دیکھا جیسے اس کی طرف سے کوئی یقین چاہتا ہو لیکن اُس نے قصداً خاموشی اختیار کر لی۔ اور جب اُس کا کام ہو گیا یعنی نائلہ کا ایڈمیشن تب مسکرا کر بولا۔

"میرا خیال ہے۔ نائلہ کے لیے یہ بڑی خوشخبری ہو گی۔"

"واقعی، وہ تو خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔" نائلہ کی خوشی کے خیال سے احمد حسن خوش ہو کر بولا۔

"چلو پھر اُس روتی ہوئی لڑکی کو ہنسائیں۔" اُس نے کہا پھر معاً خیال آنے پر رُک کر بولا۔ "ایسا کرو احمد حسن تم جا کر نائلہ کو خوشخبری سناؤ اور اُس سے کہنا اپنے ہاتھوں سے میرے لیے شامی کباب بنا رکھے۔ میں دوپہر کے کھانے تک پہنچ جاؤں گا۔"

"ابھی کہاں جا رہے ہو؟" اُس کے عجلت بھرے انداز پر احمد حسن نے فوراً پوچھا۔

"بی بی جان کا ایک کام ہے۔ بس نمٹا کر آتا ہوں۔ کہو تو تمہیں ڈراپ کرتا جاؤں۔" اس نے گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے پوچھا۔

"میں چلا جاؤں گا۔ نو پرابلم۔ بس تم یہ یاد رکھنا کہ کھانا تمہیں ہمارے ساتھ کھانا ہے۔" احمد حسن نے تاکید کرنی ضروری سمجھی۔

"یاد رکھوں گا۔" وہ مسکراتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

پھر بی بی جان کے کام سے فارغ ہو کر اُس کا دل چاہا وہیں سے واپسی کی راہ لے۔ احمد حسن سے اگلی ملاقات پر معذرت کر لے گا۔ پھر نائلہ کا خیال آیا جس نے یقیناً اُس کے لیے خاص اہتمام سے شامی کباب بنا رکھے ہوں گے۔ یوں بھی بقول احمد حسن وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی اور اُس کے نہ جانے پر پھر رونے بیٹھ جائے گی۔ بس اسی باخیال کے لیے اُس نے واپسی کا خیال ترک کر دیا اور گاڑی احمد حسن کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔

دو بج رہے تھے اور اُسے واپس بھی آج ہی جانا تھا کیونکہ بابا جان سے کہہ چکا تھا۔ اسی حساب سے وہ واپسی کا سوچنے لگا کہ چار بجے نکلنے پر وہ ساڑھے چھ سات بجے تک حویلی پہنچ جائے گا۔ اور گرمیوں کے دن تھے۔ سات بجے تو شام بھی پوری طرح نہیں اُترتی تھی۔ گویا وہ اطمینان سے ہو گیا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تاکہ سگنل بند ہونے سے پہلے نکل جائے۔ لیکن اس سے پہلے ہی ریڈ سگنل آن ہو گیا۔ اُس نے کچھ جھنجلا کر گھڑی پر نظر ڈالی پھر یونہی دائیں جانب گردن موڑی تو یکلخت ساری جھنجلاہٹ دور ہو گئی۔ حالانکہ وہ کوئی دل پھینک قسم کا نوجوان نہیں تھا نہ ہی کسی خوبصورت لڑکی کو پہلی بار دیکھ رہا تھا اور وہ کوئی بہت زیادہ حسین و جمیل بھی نہیں تھی لیکن کوئی بات تو ضرور تھی اُس میں جو شاہ سکندر حیات کی نظریں اُس پر ٹھہر گئی تھیں۔ سگنل آن ہو گیا۔ پیچھے گاڑیوں کے ہارن شور مچانے لگے تب اُس نے چونک کر گاڑی آگے بڑھائی لیکن سارا دھیان وہیں رہ گیا تھا۔

پریکٹیکل کی وجہ سے آج اُسے آنے میں خاصی دیر ہو گئی تھی۔ سب لوگ کھانا کھا چکے تھے۔ کپڑے بدل کر کچن میں آ گئی اور کھانا گرم کرنے لگی۔ پھر ایک پلیٹ میں سالن اور ہاٹ پاٹ سے ایک روٹی نکال کر وہ ڈائننگ روم کے بجائے اماں جی کے کمرے میں آ گئی۔

"آ گئیں بیٹا؟" اماں جی اُسے دیکھ کر بولیں۔

"جی اور دیکھ لیں، کھانا بھی کھا رہی ہوں۔ پھر آپ کہیں گی میں نے کچھ کھایا نہیں۔" وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اتنی سی روٹی کھاؤ گی تو یہی کہوں گی۔" اماں جی نے اُس کی مٹھی میں دبی روٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی بہت ہے اماں جی! گرمی میں تو کھانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔" تبھی نبیل دروازے میں رُک کر پوچھنے لگا۔

"اماں جی! میں آپ کے پاس سو جاؤں، اُدھر احمر اور سونیا مجھے سونے نہیں دے رہے۔"

"آ جاؤ میرے بچے۔ میری جان!" اماں جان نے پچکارتے ہوئے نبیل کے لیے بانہیں پھیلا دیں اور

اُس نے کھانا چھوڑ کر نبیل کو اماں جی کی آغوش میں سماتے ہوئے دیکھا پھر دھیمی آواز میں پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا اماں جی۔ نبیلہ بھابی کہاں ہیں؟"

"میکے گئی ہوں گی۔" یعنی اماں جی کو خود پتا نہیں تھا۔ اپنے طور پر فرض کر لیا۔ وہ اُن کی بے بسی محسوس کرتے ہوئے نبیل سے کہنے لگی۔

"نبیل بیٹا! آپ میرے کمرے میں چلے جاؤ۔ ابھی میں بھی آ رہی ہوں پھر ہم مل کر سوئیں گے۔"

"پھوپھو! کہانی بھی سنائیں گی؟" نبیل اماں جی کی آغوش سے نکل کر پوچھنے لگا تو وہ اُس کا گال تھپک کر بولی۔

"کہانی رات میں۔ ابھی ہم سوئیں گے۔ چلو شاباش۔"

نبیل دوسرے بچوں کی طرح کبھی ضد نہیں کرتا تھا۔ جو کہہ دیا مان لیا۔ پتا نہیں یہ بات اُس کی فطرت میں شامل تھی یا اپنے ماں باپ کی طرف سے نظر انداز ہونے پر عدم تحفظ کا شکار ہونے کے ساتھ اندر سے خائف تھا۔ ابھی بھی چپ چاپ چلا گیا تو قدرے توقف سے وہ اماں جی سے کہنے لگی۔

"اماں جی! آپ بڑے بھیا کو سمجھائیں۔ اُن کے لیے بھابی کی بات مان لینا ہی بہتر ہے۔ آخر وہ کیوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ بچے کا بھی کوئی خیال نہیں۔"

"میں کیا کروں۔ اتنی دفعہ تو کہہ چکی ہوں۔ اور اُن کا کہنا بھی ٹھیک ہے کہ یہاں تو نبیل کو دیکھنے والے ہم سب ہیں۔ اکیلے گھر میں نبیلہ اُسے چھوڑ کر جائے گی تب بچے کا کیا حال ہو گا۔" اماں جی اس معاملے میں خاصی مجبور نظر آئیں۔

"عجیب مشکل میں ہیں بڑے بھیا۔ پتا نہیں کیا ہو گا۔" وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اللہ بہتر کرنے والا ہے۔" اماں جی نے گہری آہ کھینچی۔ پھر اُسے نبیل کے پاس جانے کا کہا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ نبیل کی آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی لیکن اس کے انتظار میں زبردستی آنکھیں کھولے ہوئے تھا۔

"کیا بات ہے چاند! تم سوئے نہیں؟" وہ اس کے پاس لیٹتے ہوئے بولی۔

"میں آپ کا انتظار کر رہا تھا پھوپھو۔"

"سوری بیٹا! میں اماں جی سے بات کرنے بیٹھ گئی۔ چلو سو جاؤ۔"

وہ اُس کی پیشانی چوم کر آہستہ آہستہ تھپکنے لگی۔ نبیل فوراً سو گیا اور کچھ دیر بعد اُسے بھی نیند آ گئی تھی۔ شام میں اچانک شور سے اُس کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا کیونکہ نیند میں سے اُٹھی تھی اس لیے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ سوئے ہوئے نبیل کی طرف سے اطمینان کر کے کمرے سے نکل کر آئی تو اُدھر سے آتی میمونہ بھابی نے بتایا کہ اسلام آباد سے شکیل بھائی بھابی بچوں سمیت آئے ہیں۔ اُس نے خوش ہو کر اماں جی کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اور کمرے میں بھی اسی تیزی سے داخل ہوئی تو اماں جی اُسے دیکھ کر بولیں۔

"لو آ گئی آسیہ۔"

"السلام علیکم۔" اُس نے سلام کیا پھر پہلے بھائی سے ملی اس کے بعد سیما بھابی کے گلے لگ گئی۔

"بھئی بچوں سے تو ملو۔ اتنا یاد کرتے ہیں تمہیں۔" شکیل بھائی نے کہا تو سیما بھابی سے الگ ہو کر اُس نے ثمینہ اور راشد کو ایک ساتھ بازوؤں میں لے لیا پھر اُن سے پوچھنے لگی۔

"سچ بتانا۔ تم دونوں میں سے کون زیادہ یاد کرتا ہے مجھے؟"

"دونوں۔" بچوں سے پہلے سیما بھابی بول پڑیں۔ "دونوں بہت یاد کرتے ہیں تمہیں۔"

"اور آپ؟" اُس نے شرارت سے پوچھا تو سیما بھابی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"مجھے فرصت ہی نہیں ملتی۔" وہ ہنس پڑی۔

تب ہی میمونہ بھابی چائے اور بچوں کے لیے اسکواش لے کر آ گئیں تو وہ اس کے بعد کے کام

سوچ کر کمرے سے نکل آئی۔ پھر پہلے نبیل کو اٹھا کر اُس کا منہ ہاتھ دھلایا اس کے بعد خود منہ ہاتھ دھو کر سیدھا کچن کا رُخ کیا۔

شکیل بھائی ابھی چھ ماہ پہلے ہی ٹرانسفر ہو کر اسلام آباد گئے تھے۔ اس سے پہلے یہیں کراچی میں ان کی جاب تھی اور اسی گھر میں سب کے ساتھ رہتے تھے۔ سوائے نبیلہ بھابی کے اس گھر میں سب مل جل کر محبت سے رہتے تھے۔ جبھی تو سیما بھابی کا اسلام آباد میں دل نہیں لگتا تھا۔ ہر تیسرے دن اُن کا فون آتا اور تنہائی کا رونا روتی تھیں۔ لیکن کیا کرتیں مجبور تھیں۔ رہنا بہر حال انہیں میاں کے ساتھ تھا۔ ابھی بھی شکیل بھائی آفس ٹور پر صرف دو دن کے لیے آئے تھے اور وہ بھی ضد کر کے ساتھ چلی آئیں۔ رات میں شکیل بھائی، اماں جی کے سامنے باقاعدہ اُن کی شکایت لے کر بیٹھ گئے۔

”میں آفس کے کام سے آرہا تھا اماں جی! یہ خوامخواہ تیار ہو گئیں۔ بتایئے دو دن میں ان کی طبیعت سیر ہو جائے گی۔“

”صرف دو دن۔“ اماں جی نے تعجب سے پوچھا۔

”جی، اس سے زیادہ ایک دن نہیں اور بچوں کے اسکول کی وجہ سے انہیں یہاں چھوڑ بھی نہیں سکتا!“ شکیل بھائی نے کہا تو اماں جی اُن کے بجائے بھابی کی طرفداری میں کہنے لگیں۔

”کیا کرے بچی بے چاری۔ وہاں اکیلی گھبراتی ہوگی۔“

”بھئی آپ تو انہیں اور شہ دے رہی ہیں۔“ شکیل بھائی نے سر پیٹا اور سیما بھابی ہنسنے لگیں۔

دو دن گھر میں خوب رونق رہی۔ احمر اور سونیا بھی سمیہ اور اشعر کے آنے سے بہت خوش تھے۔ البتہ نبیل اسی طرح چپ چپ سا رہا۔ گو کہ ان سے بڑا تھا پھر بھی وہ چاروں اس پر رعب جمار ہے تھے۔ اس وقت وہ یہی دیکھ رہی تھی۔ سمیہ نے کہا۔

”نبیل! تم وہاں بیٹھ جاؤ۔“ وہ بیٹھ گیا۔ پھر احمر نے کہا۔

”نبیل وہ کرسی اٹھا لاؤ۔“ اور وہ اُس کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہو گیا۔ بالآخر اس سے رہا نہیں گیا۔ سب کو بلا کر انہیں سے کھڑا کرتے ہوئے بولی۔

”کتنی بری بات ہے۔ نبیل تم سب سے بڑا ہے اور تم لوگ بجائے اس کی عزت کرنے کے اس پر رعب جمار ہے ہو۔“

”پھوپھو! نبیل نے۔“ سمیہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ وہ فوراً ٹوک کر بولی۔

”اوں ہوں۔ نبیل نہیں۔ نبیل بھائی کہو۔“

”نہیں پھوپھو! میں نبیل بھائی نہیں کہوں گی۔“ سمیہ بسور کر بولی۔ تو اُس نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

”کیوں؟“

”پھر یہ مجھے مارے گا۔“ سمیہ کی معصومیت جو غالباً یہ سمجھ رہی تھی کہ بڑا بھائی مارتا ضرور ہے۔

”بالکل نہیں۔“ اُس نے سمیہ کو قریب بلایا اور بازو کے حلقے میں لے کر بولی۔ ”نبیل بہت اچھا بچہ ہے کسی کو نہیں مار سکتا۔ آپ اسے نبیل بھائی کہو گی تو یہ آپ کا خیال رکھے گا۔“

”اشعر کا بھی؟“ سمیہ کو فوراً چھوٹے بھائی کا خیال آیا۔

”ہاں اشعر کا بھی، احمر اور سونیا کا بھی سب کا خیال رکھے گا۔“

”اور پھوپھو، نبیل بھائی کا خیال کون رکھے گا؟“

ننھی سی سونیا نے اتنی سمجھداری سے پوچھا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑی پھر نبیل کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولی۔

”میں۔ بلکہ ہم سب نبیل کا خیال رکھیں گے۔“

تبھی میمونہ بھابی اور سیما بھابی لاؤنج سے نکلیں اور اُسے بچوں میں گھرے دیکھ کر سیما بھابی ہنستے ہوئے بولیں۔

”لو یہ مستقبل قریب کی ڈاکٹر صاحبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہی ہیں۔“

”جناب! میں ان پر ریسرچ کر رہی ہوں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”ماشاء اللہ۔“ دونوں بھاوجیں کرسیاں اُس کے قریب کھینچ کر بیٹھ گئیں تو اُس نے پہلے بچوں کو آرام سے کھیلنے کی تاکید کی پھر اُن کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

”تو صبح آپ جا رہی ہیں؟“

”ہاں دیکھو اپنے بھیا کو۔ ایک دن اور نہیں رُک رہے۔“ سیما بھابی کا بالکل جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ منہ پھلا کر بولیں۔

”آپ نے غلطی کی ناں بھابی! اگلے مہینے بچوں کی چھٹیاں ہو رہی ہیں تب اطمینان سے آتیں۔ شکیل بھائی تو جب بھی آئیں گے ایسے ہی آئیں گے۔“ وہ بھابی کی مجبوری کا احساس کر کے بولی۔

”ہاں تمہارے بھائی بھی یہی کہہ رہے تھے۔ خیر تم چلو ہمارے ساتھ۔ آج کل اسلام آباد کا موسم بہت اچھا ہے۔“

سیما بھابی نے محبت سے اُسے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

”میں کیسے جا سکتی ہوں بھابی! آپ کو پتا ہے یہ میرا آخری سال ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ ضرور آؤں گی۔“ اس نے کہا تبھی نبیلہ بھابی انگلی میں کی رنگ گھماتی اپنے مخصوص انداز میں اونچی ہیل کی ٹک ٹک کرتی آئیں اور جیسے بادل نخواستہ اُن کے قریب رُک کر سیما بھابی سے پوچھنے لگیں۔

”تم صبح جا رہی ہو؟“

”جی۔“ سیما بھابی مختصر جواب دے کر خاموش ہو گئیں۔ تب وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

”بیٹھیں بھابی!“

”نہیں۔ بس تم بیٹھو۔ اچھا سیما! صبح تو جب تم جاؤ گی میں سو رہی ہوں گی۔“ اس کے بعد کچھ کہا نہیں لیکن انداز گویا اسی وقت خدا حافظ کا سا تھا۔ اور جانے لگیں کہ نبیل دیکھ کر بھاگا آیا۔

”ممی!“ نبیل نے اُن کی ٹانگوں سے لپٹ کر پکارا تو وہ اُسے بازو سے پکڑ کر پرے دھکیلتے ہوئے بولیں۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے۔ اپنے باپ کے ساتھ کیا کر دیے جو نخلے۔“

اس کے ساتھ ہی ٹک ٹک کرتی سیڑھیاں چڑھ گئیں تو وہ جو بلا ارادہ اُن کے پیچھے دیکھنے لگی تھی سر جھٹک کر دوبارہ بیٹھنے لگی۔ کہ نظر نبیل پر پڑی۔ بچہ ماں کی بے رخی کو شدت سے محسوس کر رہا تھا اس نے اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے اُسے بلا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

وہ ابھی بابا جان کے ساتھ زمینوں سے لوٹا تھا۔ شاور لینے کے بعد چائے اُس نے اپنے کمرے میں ہی منگوا لی تھی۔ اور رُک رُک کر چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ کھڑا ہوا تو سلونی شام میں اُسے وہ بڑی شدت سے یاد آئی جسے تین روز پہلے اُس نے تپتی دھوپ میں سڑک کے کنارے غالباً بس کے انتظار میں کھڑے دیکھا تھا اور ان تین دنوں میں مسلسل تو نہیں لیکن وقفے وقفے سے ضرور اُس کا دھیان اُس کی طرف گیا تھا۔ اور وہ خود حیران ہو رہا تھا کہ اس طرح تو اُس نے کبھی کسی کے بارے میں نہیں سوچا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صنفِ نازک کو اُس نے کبھی اہمیت دی ہی نہیں تھی۔ گزشتہ سال جب شہر بانو اور شاہ ہارون کی منگنی کے ساتھ بدلے میں اُس کی مہر النساء سے نسبت طے ہوئی تھی تب بھی اُس کے اندر کوئی خوشگوار احساس نہیں جاگا تھا۔ نہ ہی اس کے بعد مہر النساء کا اس کے سامنے آنے سے گریز کرنا یا اچانک سامنا ہو جانے پر لجانا اُسے متوجہ کر سکا۔ جبکہ وہ بہت خوبصورت بھی تھی لیکن ساری بات تو دل کی ہے۔ کب کہاں بے اختیار ہو جائے کچھ پتا نہیں چلتا اور شاہ سکندر حیات

پہلی بار اپنے دل کو اپنے اختیار سے باہر محسوس کر رہا تھا۔

"بھائی! آپ کو بی بی جان بلا رہی ہیں۔" عقب سے شہر بانو نے پکار کر کہا تو اس نے اپنے خیال سے چونک کر پلٹ کر دیکھا اور یونہی پوچھ لیا۔

"خیریت؟"

"خیریت نہیں لگتی بھائی! بی بی جان کچھ ناراض لگ رہی ہیں۔" شہر بانو نے کہا تو وہ اپنی طرف اشارا کر کے بولا۔

"مجھ سے؟"

"پتا نہیں آپ سے یا کسی اور سے۔ آپ چلیں تو۔"

"ہاں چل رہا ہوں۔" وہ چائے کا خالی کپ اُسے تھما کر بی بی جان کی ناراضگی سوچتا ہوا سیڑھیاں اتر کر آیا تو وہ بڑے ہال کمرے میں بیٹھی نظر آئیں۔ اُس نے قریب آ کر سلام کیا تو بی بی جان اُسے دیکھ کر قدرے خفگی سے بولیں۔

"ماشاءاللہ۔ تین دن بعد لوٹے ہو، اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ پہلے ماں کو اپنی صورت دکھا دو۔"

"سوری بی بی جان!" وہ اپنی کوتاہی پر نادم ہوا اور اُن کے قریب بیٹھ کر اُن کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا بنا کر صفائی پیش کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "اصل میں راستوں کی گرد سے طبیعت بوجھل ہو رہی تھی سوچا پہلے نہا لوں پھر آپ کی خدمت میں پیش ہوں گا۔"

"کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟" بی بی جان نے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

"چائے پی چکا ہوں، اور کھانا رات میں ہی کھاؤں گا۔" گویا اس وقت اُس نے کچھ بھی کھانے سے انکار کر دیا۔

"اتنی گرمی میں چائے، کتنی بار منع کیا ہے، کم از کم گرمی میں چائے نہیں پیا کرو، صحت خراب کرتی ہے۔" بی بی جان نے حسبِ عادت چائے کا سن کر ٹوکنا ضروری سمجھا۔

"بی بی جان جس چیز کی عادت ہو وہ پھر گرمی سردی نہیں دیکھتی، خیر یہ بتائیے خاموشی کیسی ہے میرا مطلب ہے بچے سب کہاں ہیں؟"

اُس نے اچانک خاموشی محسوس کرتے ہوئے اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے بارے میں پوچھا۔

"بچے سب شاہ جہانگیر کے ساتھ تمہارے بڑے چچا جان کی طرف گئے ہیں۔"

"خیریت؟"

"ہاں صبح مہر النساء آئی تھی تو شہر بانو نے اُسے روک لیا ابھی سب اُسے چھوڑنے گئے ہیں جہانگیر جا رہا تھا تو بچے بھی ساتھ تیار ہو گئے۔"

بی بی جان نے بتایا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر رہ گیا۔ پھر قدرے توقف سے پُرسوچ انداز میں بولا۔

"میں صبح کراچی جاؤں گا۔"

"کیوں، ابھی اُس دن تو گئے تھے؟" بی بی جان نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"بی بی جان! سو کام ہوتے ہیں، پھر کراچی کون سا دور ہے۔ ابھی جاؤ ابھی آؤ۔"

اُس نے کام کی نوعیت نہیں بتائی، پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں اپنے کمرے میں ہوں، جہانگیر بھائی آئیں تو مجھے بلا لیجیے گا۔"

"جہانگیر کو تمہارے چچا اتنی جلدی تو نہیں آنے دیں گے۔" بی بی جان نے کہا تو وہ جاتے جاتے رک کر بولا۔

"کیا مطلب؟ رات وہیں رکیں گے؟"

"نہیں خیر۔ رات تو وہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ سب بچے ساتھ ہیں اُس کے اور شاہ یونس کے بھی۔"

اُس نے بی بی جان کی بات سن کر مزید کچھ نہیں کہا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

اُسی روز کی طرح وہ تپتی ہوئی دھوپ میں بس کے انتظار میں کھڑی نظر آئی اور اُسے دیکھتے ہی شاہ سکندر حیات کو اپنے کراچی آنے کا مقصد سمجھ میں آیا۔ اور واقعی وہ حیران رہ گیا یعنی صرف اس لڑکی کو دیکھنے کی خاطر وہ شاہ پور سے یہاں آیا تھا۔

"نہیں۔" اُس نے اس حقیقت کو جھٹلانا چاہا لیکن کسی طرح حقیقت جھٹلائی نہیں گئی۔ اُسے دیکھ کر ہی تو اُس کا اضطراب اچانک تھم گیا تھا۔ ورنہ گزشتہ دو گھنٹے سے انتہائی مضطرب حالت میں گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑاتے ہوئے وہ مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ وہ یہاں کس کام سے آیا ہے۔ حالانکہ کل شام بی بی جان کے استفسار پر اُس نے کہا تھا سو کام ہوتے ہیں اور ہوتے بھی تھے، لیکن آج تو کوئی کام نہیں تھا پھر بھی اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی خاص مقصد سے آیا ہو اور اب مقصد کا ادراک اُسے سخت حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ تحیر سے نکلتا وہ بس میں سوار ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئی اور اپنے پیچھے منظر میں جو وہ خلا چھوڑ گئی تھی اُسے شدت سے محسوس کرتے ہوئے وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اور وہ تو کہیں نظر نہیں آئی البتہ نائلہ اُسے دیکھ کر بھاگی آئی۔

"ارے سکندر بھائی آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ ایک کام سے آیا تھا؟" وہ سنبھل کر بولا۔

"سمجھ گئی، کسی کا ایڈمیشن کروانے آئے ہوں گے۔" نائلہ نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"خیر ایسا اندھیر بھی نہیں مچا کر میرے کہنے پر وہ تم جیسی نالائق لڑکیوں سے کالج بھر دیں۔"

"جی، میں نالائق نہیں ہوں۔" نائلہ منہ پھلا کر بولی۔

"اچھا چلو بیٹھو، میں تمہاری طرف جا رہا ہوں۔" اُس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو نائلہ رک کر شوق سے پوچھنے لگی۔

"اپنی دوستوں کو بھی بلا لوں؟"

"کیا؟ میں تمہیں اتنا فالتو نظر آتا ہوں، چلو بیٹھو۔"

اُس نے ناگواری اور رعب سے کہا تو نائلہ بڑبڑاتی ہوئی دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خاموشی سے ڈرائیو کرنے کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

"تمہاری کلاسز شروع ہو گئیں؟"

"جی!" نائلہ ابھی اُس کے رعب سے نکلی نہیں تھی جبھی اُس کے حلق سے مشکل سے آواز نکلی اور وہ سمجھ کر قصداً انجان سا بن گیا۔

پھر اُس نے چاہا کہ نائلہ کو اُس کے گھر پر اُتار کر چلا جائے کیونکہ احمد حسن اس وقت گھر پر نہیں تھا لیکن نائلہ نے اُسے جانے نہیں دیا۔ گو کہ اس گھر میں اُس سے کوئی پردہ نہیں تھا پھر بھی نائلہ اور اُس کی امی کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتے ہوئے وہ کچھ جھجک رہا تھا۔ کھانے کے دوران نائلہ کی امی نے اُس کے گھر کے ایک ایک فرد کی خیریت پوچھی پھر کہنے لگیں۔

"کبھی اپنی بی بی جان اور بہنوں کو لے کر آؤ۔ کیا وہ بالکل بھی حویلی سے باہر نہیں نکلتیں۔"

"نہیں اُن کا کراچی آنا جانا رہتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار البتہ مری اسلام آباد سال میں دو بار جاتی ہیں وہ بھی بچوں کی وجہ سے۔"

اُس نے بتایا تو اُنہوں نے ناسمجھی کے عالم میں کہا۔

"بچوں کی وجہ سے؟"

"جی۔ اصل میں میرے بھائیوں کے بچے مری کانوینٹ میں پڑھتے ہیں۔ چھٹیوں کے علاوہ جب بی بی جان کا دل چاہتا ہے خود جا کر اُن سے مل آتی ہیں۔"

"اچھا اچھا!" انہوں نے سمجھ کر سر ہلایا پھر کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولیں۔ "گرمی بہت ہے تم ایسا کرو سکندر، کچھ دیر آرام کر لو۔ احمد حسن کے کمرے میں یا نائلہ سے کہو گیسٹ روم کھول دے۔"

"جی۔!" وہ اسی قدر کہہ کر سوچنے لگا کہ آیا اُسے یہاں رکنا چاہیے یا واپسی کی راہ لے۔

"چلیں سکندر بھائی! کہاں چلنا ہے احمد بھائی کے کمرے میں یا۔!"

"میرا خیال ہے مجھے گیسٹ روم میں پہنچا دو۔" ایک پل میں فیصلہ کر کے وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

میمونہ بھابی کے ہاں تیسرے بچے کی آمد تھی۔ اماں جی انہیں لے کر ہاسپٹل گئی ہوئی تھیں اور نبیلہ بھابی تو یوں بھی گھر پر نہیں رہتی تھیں۔ وہ کالج سے لوٹی تو تینوں بچے نبیل احمر اور سونیا۔ ابا جی کے پاس بیٹھے نظر آئے۔ اُسے دیکھتے ہی سونیا وہیں سے پکار کر بولی۔

"پھوپھو! اماں جی اور امی نہیں ہیں۔"

"کہاں گئی ہیں؟" اُس نے پوچھا لیکن پھر فوراً ہی اُسے میمونہ بھابی کی کنڈیشن یاد آئی تو اس سے پہلے کہ سونیا ابا جی کے سامنے کچھ اُلٹا سیدھا بولتی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو پہلے ابا جی اور بچوں سے کھانے کا پوچھا۔

"ہم کھا چکے ہیں بیٹی۔ تم کھا لو۔" ابا جی نے کہا۔

"مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔" اُس نے کہا پھر ابا جی کے آرام کے خیال سے تینوں بچوں کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"چلو اب تم سب آرام سے سو جاؤ۔ شام میں اٹھو گے تو میں تمہیں ایک پیارا سا گول مٹول سا مُنا دکھاؤں گی۔"

اپنے تئیں اُس نے بچوں کو لالچ دیا لیکن سونیا بڑے آرام سے بولی۔

"مجھے پتا ہے۔ امی لینے گئی ہیں۔"

"چلاکو ماسی! تمہیں کیسے پتا ہے؟" وہ سونیا کے پھولے گال پر ہلکے سے چٹکی کاٹ کر بولی۔

"اماں جی نے بتایا ہے۔ کہہ رہی تھیں۔ ہم تمہارے لیے منا سا بھائی لینے جا رہے ہیں۔"

یقیناً اماں جی انہیں بہلا کر گئی ہوں گی اور سونیا نے اُن کا حرف بہ حرف دہرا دیا۔ پھر پوچھنے لگی۔

"پھوپھو! وہ منا سا بھائی میرا ہوگا ناں۔ نبیل کا تو نہیں ہوگا!"

"کیوں نبیل کا کیوں نہیں ہوگا؟" اس نے نبیل کے معصوم چہرے پر نظر ڈال کر پوچھا۔

"اس لیے ہماری امی لے کر آئیں گی۔ نبیل کی امی تو۔!"

"سونیا۔!" اُس نے فوراً ٹوک دیا۔ "بُری بات ہے بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ نبیل بھی تمہارا بھائی ہے اور تم سب کو مل جل کر رہنا ہے۔"

"پھوپھو! سونیا گندی بچی ہے، یہ نبیل بھائی کو نبیل کہتی ہے۔" احمر نے خود کو سمجھدار ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں گندی بچی نہیں ہوں۔" سونیا کو سخت بُرا لگا۔ رونے لگی تو وہ اُسے اپنے بازوؤں میں لے کر بولی۔

"نہیں احمر! سونیا بہت اچھی بچی ہے۔"

مگر تبھی نبیل پر نظر پڑی۔ وہ سونیا کو روتے ہوئے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ تب وہ بہت پیار سے اُسے مخاطب کر کے بولی۔

"کیا بات ہے نبیل تم کیوں خاموش ہو؟" جواب میں معصوم بچے کے سینے میں جانے کب سے دبی ہوئی گہری سانس آہ کی صورت خارج ہوئی تو اُس نے تڑپ کر اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"میری جان۔" وہ بس یہی کہہ سکی کیونکہ اسی وقت عدیل بھائی آ گئے اور زوردار سلام کے ساتھ بولے۔

"نیا بھتیجا مبارک ہو۔!"

"نیا بھتیجا۔" اُس نے چونک کر دیکھا پھر پوچھنے لگی۔ "آپ ہاسپٹل سے آ رہے ہیں۔؟"

"نہیں آفس سے!" عدیل بھائی سونیا کو گود میں اٹھا کر اُس کی جگہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"پھر آپ کو کیسے پتا چلا۔؟"

"اماں جی کا فون آیا تھا غلطی سے۔ یعنی نمبر ملانا چاہ رہی تھیں خلیل بھائی کے مل گئے میرے۔" عدیل بھائی محظوظ انداز میں بتا کر ہنسے تو وہ بھی ہنس پڑی پھر پوچھنے لگی۔

"اور کچھ کہا اماں جی نے۔؟" عدیل بھائی سونیا کو گدگدانے میں لگ گئے تھے۔ جب ہی اُس کی بات سنی نہیں۔ اُس نے کچھ دیر انتظار کیا پھر قدرے اونچی آواز میں اُن سے کھانے کا پوچھا۔

"ہاں، کھانا کھاؤں گا۔" انہوں نے کہا تو وہ اُٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

اگلے دن صبح اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کیونکہ اماں جی اور میمونہ بھابی دونوں نہیں تھیں اور اس کا کالج جانا ناگزیر تھا۔ بچوں کو تو اُس نے آرام سے اسکول بھیج دیا۔ اس کے بعد مسئلہ دوسرے کاموں کا تھا خصوصاً بچوں کے اسکول سے واپس آنے پر انہیں اٹینڈ کرنا اور اُس وقت تک وہ کالج سے نہیں لوٹتی تھی۔

"کیا بات ہے تمہیں کالج نہیں جانا!" عدیل بھائی نے اُسے تیار نہ دیکھ کر پوچھا۔ روزانہ صبح وہ انہی کے ساتھ جاتی تھی۔

"کیا کروں بھائی! جانا بھی ضروری ہے۔" وہ پریشانی سے گویا ہوئی۔

"پھر کیا مسئلہ ہے۔؟"

"اماں جی اور بھابی نہیں ہیں۔ بچے اسکول سے آئیں گے تو پریشان ہوں گے، کیا کروں، چھٹی کر لوں۔؟"

"نہیں چھٹی کرنے سے تمہارا نقصان ہوگا۔ ایسا کرو نبیلہ بھابی سے کہہ آؤ۔ وہ دیکھ لیں گی بچوں کو۔" عدیل بھائی بڑے آرام سے کہہ کر تیار ہونے چلے گئے اور وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

"ناممکن۔ نبیلہ بھابی ایک اپنے بچے کا تو خیال کرتی نہیں ہیں۔"

اُس نے نبیلہ بھابی کے پاس جانے کا خیال جھٹک دیا اور ابا جی کے پکارنے پر کچن سے نکل کر برآمدے میں آئی تو وہ کہنے لگے۔

"بیٹا! بچوں کی فکر نہیں کرو، میں ہوں ناں!"

"لیکن ابا جی! آپ کھانا تو نہیں پکا سکتے۔ اور بچے تو آتے ہی کھانا مانگیں گے۔"

"کھانا بازار سے آ جائے گا۔ اور خلیل میاں بھی ابھی ہاسپٹل کا چکر لگا کر آ جائیں گے۔ کوئی پریشانی نہیں ہوگی، تم جاؤ۔"

ابا جی نے اُسے اطمینان دلایا، اُدھر سے عدیل بھائی چلّائے۔

"جلدی کرو آسیہ! صرف دس منٹ ہیں!"

"دس منٹ۔!" وہ تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

اور جب یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ صرف اُس لڑکی کی خاطر میلوں مسافت طے کر کے آیا تھا تو اب خود اُس نے طے کر لیا تھا کہ اُس تک رسائی حاصل کیے بنا وہ واپس نہیں جائے گا کیونکہ گزشتہ شام اُس نے جتنی بار واپسی کا قصد کیا اُسے لگا وہ کل پھر آئے گا۔ اور روزانہ شاہ پور سے آنا جانا اس کے لیے کوئی اتنا مشکل تو نہیں تھا لیکن بس یہ خیال کہ وہاں بابا جان اُسے کسی کام میں مصروف کر سکتے تھے۔ اور وہ جانتا تھا کہ اب وہ کوئی کام نہیں کر سکے گا۔ جب تک اُس کے بارے میں جان نہ لے۔

وہ جو کوئی بھی تھی پہلی نظر میں نہ صرف اُسے اچھی لگی بلکہ اُس کے حواسوں پر چھا گئی تھی اور شاہ سکندر حیات کے لیے یہی تو حیران کن بات۔ اس کے ساتھ وہ اپنی کیفیات سے لطف بھی لے رہا تھا

اور اُسے عجیب سا بھی لگ رہا تھا۔ کیونکہ اُس نے صنفِ نازک کو کبھی اتنی اہمیت نہیں دی تھی۔ حالانکہ وہ کوئی کھردرا یا جذبات سے عاری شخص نہیں تھا۔ البتہ مغرور ضرور تھا۔ اور شاید یہ اس کا حق بھی تھا۔ بے پناہ وجاہت کے ساتھ نوابزادوں جیسی شان و شوکت ہر ایک کے حصے میں تو نہیں آتی۔ پھر خود سے واقف بھی تھا۔ جانتا تھا کہ جس راستے پر قدم رکھتا ہے وہ خود پر رشک کرتا ہے۔ بہرحال یہ اُس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ وہ خود کسی لڑکی کی تلاش میں جا رہا تھا۔ پوری تدبیر کے ساتھ اور یہ تہیہ کر کے کہ اپنی تین راتوں کی بے خوابی اور دِلوں کا اضطراب اُس کے کھاتے میں ڈال آئے گا۔

اتنا زعم۔ یعنی اُسے یقین تھا کہ اُسے دیکھ کر وہ اپنی نیندیں گنوا بیٹھے گی۔

اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ میڈیکل کالج کی اسٹوڈنٹ ہے۔ کیونکہ اوّل روز وہ سفید کوٹ میں نظر آئی تھی، اور کل اُسے دیکھنے کے بعد یہیں سے اُس نے نائلہ کو پک کیا تھا۔ اور وہ چاہتا تو نائلہ کے ذریعے آسانی سے اُس کا نام پتا جان سکتا تھا لیکن اپنے دل پر گزرنے والی واردات میں فی الحال وہ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر اس جستجو کا ایک الگ مزہ تھا۔

گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے اُس نے گاڑی کی اسپیڈ کم کر دی۔ پھر جیسے ہی سامنے دیکھا، وہ بہت عجلت میں روڈ کراس کرتی نظر آئی، اور اسی پل وہ اسپیڈ بڑھا کر گاڑی یوں اُس کے قریب لے گیا جیسے اُسے کچلتا ہوا نکل جائے گا۔ حقیقتاً دیکھنے والوں کو بھی یہی لگا اور وہ جو اسی طرف دیکھ کر چل رہی تھی، وہ ایک گاڑی کو اتنی اسپیڈ سے اپنی طرف آتے دیکھ کر بوکھلا گئی اور بہت کوشش سے بھی اپنے حواس قابو میں نہیں رکھ سکی۔ اِدھر اُدھر کتنی گاڑیوں کے بریک چرچرائے اور اس نے بھی گاڑی روکی تو لیکن اُسے ہلکی سی ضرب لگانے کے بعد۔

پھر بجلی کی سی تیزی سے اُتر کر اُس کے قریب آیا تو تپتی ہوئی سڑک پر گرتے ہی وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اُس کے گرد لوگ جمع ہونے لگے تب اُس نے جلدی سے اُسے بازوؤں پہ اٹھایا اور اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹا دیا۔ پھر ایک ہی نظر میں سب کو دیکھ کر بولا۔

”زیادہ چوٹ نہیں ہے۔ میں انہیں ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی ڈرائیونگ پر بیٹھ کر اُس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اور راستے میں جو پہلا کلینک نظر آیا۔ وہ وہیں رُک گیا۔

ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد اُسے طبی امداد ملنے تک وہ قدرے بے چین رہا۔ پھر سکون سے ہو کر اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے کے ساتھ اُس کا تفصیلی جائزہ لینے لگا، کہ آخر اس میں ایسی کیا بات ہے اور کوئی بات تو تھی جو اُس کی جستجو بڑھتی جا رہی تھی۔ کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے۔

وہ اگر بیڈ پر بے حس و حرکت پڑی تھی تو وہ بھی اپنی جگہ جم کر رہ گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں وہاں زندگی ہے ہی نہیں محسوس کی جانے والی خاموشی تھی۔ معاً اُس کی پلکوں نے ذرا سی حرکت کی تو جیسے ہر شے متحرک ہو گئی۔

وہ جو ایک ٹک اُسے دیکھ رہا تھا۔ تیزی سے اُس کے بیڈ کے قریب آ گیا۔ دوسرے پل اُس نے آنکھیں کھولیں تو نظروں کے عین سامنے ایک اجنبی کو دیکھ کر فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا بلکہ وہ چپ چاپ اُسے دیکھے گئی۔ تب بیڈ کی پٹی پر ایک ہاتھ جما کر وہ قدرے جھک کر پوچھنے لگا۔

”کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ گو کہ اُس کی آواز دھیمی تھی پھر بھی اُس کا سویا ہوا ذہن یکلخت بیدار ہونے کے ساتھ بے شمار سوالات کی زد میں آ گیا۔ بولی تو پیشانی پر ہلکی سی ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئیں۔

”کون ہیں آپ؟“

”خاکسار کو سکندر کہتے ہیں۔ شاہ سکندر حیات۔“

گھنی مونچھوں تلے اُس کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی کہ وہ اندر ہی اندر جِز بز سی ہو کر اُس پر سے نظریں ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، پھر اٹھنا چاہتی تھی کہ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”پلیز، ابھی آپ آرام کریں۔“

”شکریہ، میں ٹھیک ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور کہیں چوٹ کا احساس ہوا تو لیکن قصداً اُس نے خود کو دیکھنے اور جاننے کی کوشش نہیں کی۔

”ابھی آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ پلیز آپ۔“

”مجھے یہاں کون لایا ہے؟“ وہ اُس کی بات کاٹ کر پوچھنے لگی۔

”ظاہر ہے میں۔ اور پلیز اب آپ یہ مت کہیے گا کہ کیوں لائے ہیں۔ مجھے وہیں مر جانے دیتے وغیرہ وغیرہ۔“

اُس نے کہا تو وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی، تب سکندر حیات سوچ کر بولا۔

”میرا خیال ہے۔ میں ڈاکٹر کو لے آؤں۔ وہی بتائیں گے کہ آپ گھر جا سکتی ہیں یا نہیں۔“

وہ خاموش رہی اور جب وہ کمرے سے نکل گیا تب اپنے بدن کو جگہ جگہ سے چھو کر دیکھنے لگی کہ کہاں چوٹ آئی ہے۔ بایاں بازو کلائی سے کہنی تک چھل گیا تھا اور گاڑی کی ٹکر کے باعث کمر میں شدید درد کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ بظاہر کہیں چوٹ کا نشان نہیں تھا پھر بھی کمر کے علاوہ بھی اُسے کہیں درد کا احساس ہو رہا تھا۔ اور ابھی وہ ٹھیک سے دیکھ نہیں پائی تھی کہ کوریڈور میں قدموں کی آواز سن کر دوبارہ اسی طرح بیٹھ گئی۔ سکندر حیات ڈاکٹر کے ساتھ اندر آیا اور خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

”کہیں تکلیف تو نہیں ہے۔؟“ ڈاکٹر نے معائنہ کرتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

”کمر میں درد ہے اور شاید میرے پیر میں موچ آ گئی ہے۔“

وہ یوں بولی جیسے پیر کی موچ اُسے تکلیف کے ساتھ شدید کوفت میں مبتلا کر رہی ہو۔ ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد اُس کے شبے کی تصدیق کی۔ پھر میڈیسن لکھنے کے ساتھ سکندر حیات سے کہنے لگا۔

”کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ شکر کریں معمولی ایکسیڈنٹ تھا۔ یہ میڈیسن فوراً لے لیں۔ اور چاہیں تو ابھی انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔“

وہ ڈاکٹر کی آخری بات پر سٹپٹا کر دیکھنے لگی۔

”تھینک یو۔“ سکندر حیات نے ڈاکٹر کے ہاتھ سے پرچا لے لیا پھر اُس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گیا تو وہ خود کو دوبارہ اُس کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ پورے اعتماد سے کمرے میں داخل ہوا جیسے وہ اس کی قریبی عزیزہ ہو، لیکن جب اُس پر نظر پڑی تو ٹھٹھک گیا۔ کیونکہ اُس کے ہر انداز سے ناگواری ظاہر ہو رہی تھی۔

”آئی ایم سوری۔ میں ناک کرنا بھول گیا۔“ وہ کچھ نہیں بولی تو قدرے رُک کر کہنے لگا۔

”اب کیا پروگرام ہے آپ کا۔ میرا مطلب ہے گھر چلیں گی تو چلیں، میں آپ کو چھوڑ دوں؟“

”بہت بہت شکریہ سکندر حیات صاحب! آپ کو پہلے ہی اتنی زحمت اٹھانا پڑی۔“

اُسے رسمیات نبھانے کا خیال آیا تو فوراً اپنی ناگواری چھپا گئی۔

”مجھے بالکل زحمت نہیں ہوئی مس۔“ وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہہ کر رُکا اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ جیسے ناچار بولی تھی۔

”آسیہ۔“ پہلے مرحلے کی کامیابی پر اُس کی آنکھیں ایک لحظہ کو چمکیں پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے مس آسیہ! مجھے آپ کو گھر تک چھوڑنے میں کوئی زحمت نہیں ہو گی۔“

”ہو سکتا ہے، پھر بھی میں چلی جاؤں گی۔“ اُس نے ایک طرح سے انکار کر دیا۔

”کیسے جائیں گی۔ آپ تو چل بھی نہیں سکتیں۔ میرا مطلب ہے آپ کے پیر میں موچ۔“

اُس نے فوراً احساس دلایا تو وہ خاموش ہو کر اپنے پیر کو دیکھنے لگی۔ واقعی چلنا مشکل تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اُس کے ساتھ جانا مناسب نہیں لگ رہا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

"آپ کیا سوچنے لگیں؟" بالآخر اُسے ٹوکنا پڑا۔ اندر ہی اندر پریشان ہونے کے ساتھ خود کو یقین بھی دلا رہا تھا کہ اس لڑکی کے پاس اُس کے ساتھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

"جی...!" اُس نے چونک کر دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"کچھ نہیں۔"

"چلیں پھر۔ آپ کے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

اُس نے کہا تو اُسے ایکدم سے گھر کا خیال آیا اور وہ پریشان ہو گئی۔ کیونکہ آج تو یوں بھی اُسے جلدی گھر جانا تھا۔ بچے ابا جی کو تنگ کر رہے ہوں گے اور پتا نہیں کھانا بھی کھایا ہوگا کہ نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ان ساری باتوں کا خیال آنے کے باوجود وہ اُسے دیکھ کر حتمی انداز میں بولی۔

"سوری! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

❁ ❁ ❁

اس صاف انکار پر شاہ سکندر حیات کو سخت توہین کا احساس ہوا۔ اس کی پیشانی پر گہری لکیریں نمودار ہوئیں۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتی یا ہوتا تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اُسے اُٹھا کر باہر پھینک دیتا لیکن اس کے سامنے وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اور یہی بے بسی ہی تو اُس کی کھوج کا سبب بنی تھی۔ تھوڑی کوشش سے خود پر قابو پا کر قدرے خوشگوار لہجے میں بولا۔

"اوکے، جیسے آپ کی مرضی، اور میرا خیال ہے اس سے پہلے کہ آپ مجھے گیٹ لاسٹ کہیں، مجھے خود ہی چلے جانا چاہیے۔"

"نہیں پلیز۔ آپ کچھ دیر رُک جائیں۔" اس نے کچھ منت سے کہا تو وہ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔ سمجھ کچھ نہیں پایا تھا کہ وہ کیوں روک رہی ہے۔ کوئی سوال نہیں کیا تب وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"وہ میری کتابیں اور میرا بیگ؟"

"میری گاڑی میں ہے۔ لے کر آتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے جانے لگا تو وہ فوراً بولی۔

"ایک منٹ، ایک فون کرنا ہے اگر آپ۔"

"جی نمبر بتائیے۔" وہ دروازے کے قریب رُک کر پوری توجہ سے دیکھنے لگا تو وہ نمبر بتا کر کہنے لگی۔

"عدیل صاحب ہوں گے۔ ان سے کہیے گا مجھے یہاں سے لے جائیں۔"

"عدیل صاحب۔" اُس نے سوچتے ہوئے انداز میں دُہرایا اور کمرے سے نکل گیا۔ تو وہ بیڈ کی پُشت پر سر رکھ کر سوچنے لگی۔

یعنی یہ حادثہ بھی آج ہی ہونا تھا۔ کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے ابا جی اور بچے۔ پریکٹیکل کے دنوں میں بھی وہ اتنی لیٹ نہیں ہوتی تھی۔ بہت دیر ہو گئی۔

اُس نے وقت دیکھنے کے لیے کلائی پر نظر ڈالی۔ گھڑی نہیں تھی۔ اور پہلا خیال یہی آیا کہ وہیں روڈ پر کہیں گر گئی ہوگی۔ اُسے افسوس نہیں بلکہ دُکھ ہونے لگا۔ کیونکہ وہ گھڑی اُسے بہت عزیز تھی۔ جب اُس نے میٹرک میں فرسٹ کلاس تھرڈ پوزیشن لی تھی تب ابا جی نے اُسے دی تھی۔ گو کہ اس کے بعد مختلف موقعوں پر بھائیوں نے اُسے بہت اچھی اور خوبصورت گھڑیاں دی تھیں لیکن اس سب سے پہلی اور ابا جی کی دی ہوئی گھڑی کی اہمیت اس کے نزدیک سب سے زیادہ تھی کہ اُسے دیکھتے ہوئے جہاں وہ اپنی پہلی شاندار کامیابی پر اُسی روز کی طرح مسرور ہوتی وہاں اُس کے اندر مزید کامیابیاں حاصل کرنے کا عزم پختہ ہو جاتا تھا۔ گزشتہ چھ سالوں سے وہ اس کی ساتھی تھی۔ اپنی خالی کلائی کو بہت نرمی سے وہ

دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں سے چھونے لگی۔ معاً خیال آیا کہ وہ جو عدیل بھائی کو فون کرنے گیا تھا وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔

"کہیں چلا تو نہیں گیا؟"

وہ اُس کے جانے کا سوچ کر کچھ اُلجھنے لگی کیونکہ یہی بہت تھا کہ وہ اُسے یہاں تک لایا تھا۔ اس کے بعد میڈیسن اور ڈاکٹر کی فیس غالباً اُس نے ادا کر دی تھی اور اُس نے عدیل بھائی کو بلایا ہی اس لیے تھا کہ وہ جو خرچ کر چکا ہے اُسے لوٹا دیں۔ خوامخواہ ایک اجنبی کا مقروض ہونا اُسے بالکل اچھا نہیں لگا۔ اور اگر وہ چلا گیا ہوگا تو واقعی بہت مشکل ہو جائے گی۔ وہ اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ کوریڈور میں قدموں کی آواز سن کر فوراً دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ عدیل بھائی کے ساتھ اندر داخل ہوا تو اُسے کچھ اطمینان ہوا۔

"کیا ہوا آسیہ؟ تم خیریت سے تو ہو؟"

عدیل بھائی کی پریشانی فطری تھی۔ لپک کر اُس کے پاس بیٹھے اور سر سے پاؤں تک اُسے دیکھنے لگے۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی، زیادہ چوٹ نہیں آئی۔" اُس نے مسکرا کر عدیل بھائی کی پریشانی کم کرنے کی کوشش کی۔ پھر کہنے لگی۔ "اگر پیر میں موچ نہ آتی تو میں آپ کو زحمت نہ دیتی۔ خود ہی گھر پہنچ جاتی۔"

"تھینکس گاڈ، لیکن یہ ہوا کیسے، اتنی لاپروا تو تم نہیں ہو۔" عدیل بھائی نے شکر کرنے کے ساتھ پوچھا۔

"بس وہ۔" وہ جاتے کیا کہنے جا رہی تھی کہ نظر خاموش کھڑے سکندر حیات پر پڑی تو عدیل بھائی کو اُس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے بھائی! پہلے آپ ان کا شکریہ ادا کریں۔"

اور عدیل بھائی کو جیسے اُس کی موجودگی کا احساس ہوا فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر اُس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

"میں بہت ممنون ہوں شاہ سکندر حیات آپ کا۔ بہت احسان کیا ہے آپ نے ہم پر۔"

"کوئی احسان نہیں۔ آپ پلیز مجھے شرمندہ نہیں کریں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور بالکل اچانک عدیل بھائی سے ہوتی ہوئی اُس کی نظریں اُس پر جا ٹھہری تھیں۔

"پتا ہے شہر بانو! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے شاہ سکندر کو میری ذرہ برابر پروا نہیں ہے بلکہ شاید میرے وجود کو ہی تسلیم نہیں کرتا۔"

فوارے کے گرد سنگ مرمر کی بنی چار دیواری کے قریب رُک کر مہر النساء نے افسردگی سے کہا تو بانو چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ پھر اُس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"پگلی ہو تم، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائی سکندر کو تمہاری پروا نہ ہو۔"

"ایسا ہی ہے شہر بانو۔ وہ کسی اور دُنیا میں رہتا ہے۔" مہر النساء نے جھک کر پانی میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"بھائی سکندر کی دُنیا صرف اور صرف تم ہو مہر! اور تمہاری دُنیا سے نکل کر وہ کہیں نہیں جا سکتے۔" بانو نے اُسے یقین دلایا۔

"پھر وہ مجھ سے ناراض کیوں ہے؟" مہر النساء اُس کا یقین کر کے بھی بے یقین سی تھی۔

"جسے تم ناراضگی سمجھ رہی ہو وہ محبت کا ایک انداز ہے۔" شہر بانو نے اُسے چھیڑا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ہارون بھائی سے کہوں گی وہ بھی محبت کا ایسا ہی انداز اپنا لیں۔" مہر النساء نے فوراً بدلہ اتارا۔

"ناممکن۔ شاہ ہارون کبھی تمہاری بات نہیں مانے گا۔" شہر بانو کے لہجے کا زعم بتا رہا تھا کہ اُسے اپنی ذات پر کتنا بھروسا ہے۔ مہر النساء نے پانی میں سے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر اُسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"کتنا یقین ہے تمہیں ہارون بھائی پر۔ میں بھی ایسا ہی یقین چاہتی ہوں جو شاہ سکندر نے کبھی میری جھولی میں نہیں ڈالا۔ بتاؤ یہ محبت کا کون سا انداز ہے؟"

"تم ناحق بدگمان ہو رہی ہو مہرو۔ ساری بات مزاج کی ہے۔ کوئی اظہار کرتا ہے اور کسی کو اظہار کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن جذبے کسی اظہار کے محتاج نہیں ہوتے شہر بانو۔ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ ہارون بھائی نے کبھی تم سے یہ نہیں کہا ہوگا کہ انہیں تم سے محبت ہے۔ اس کے باوجود تمہیں ان کی محبت کا یقین ہے۔ بتاؤ کیوں؟"

مہرالنساء براہِ راست اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوالیہ نشان بن گئی۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔"

شہر بانو کو کوئی جواب نہیں سوجھا تو دامن بچایا۔ اور مہرالنساء ذرا سا ہنسی۔ تاسف بھری ہنسی تھی۔ جس پر شہر بانو اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

"سنو۔ میں پھر کہوں گی کہ تم ناحق بدگمان ہو رہی ہو۔ کیا سکندر بھائی کی انگلی میں تمہارے نام کی انگوٹھی نہیں ہے؟"

"ایک اسی خیال کے سہارے تو اپنے تمام خدشات کو مات دینے میں لگی ہوئی ہوں۔"

مہرالنساء کے لہجے کی شگفتگی چھپائے نہیں چھپی۔ دوبارہ پانی پر جھکنا چاہتی تھی کہ گیٹ سے داخل ہوتی گرے لینڈ کروزر کو دیکھ کر اپنا دوپٹا سنبھالنے میں لگ گئی۔ اُس کے ہر انداز سے گھبراہٹ عیاں تھی جسے محسوس کر کے شہر بانو نے پلٹ کر دیکھا۔ شاہ سکندر حیات گاڑی سے اُتر رہا تھا۔ تب کچھ سوچ کر شہر بانو نے اُسے اس طرف آنے کا اشارہ کیا پھر مہرالنساء کی طرف پلٹ کر سرگوشی میں بولی۔

"دیکھو لو۔ کچے دھاگے سے بندھے چلے آرہے ہیں۔"

"کون؟" مہرالنساء نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"جن سے اتنی بدگمان ہو۔" شہر بانو نے شرارت سے کہا اور جواب میں وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سکندر حیات کے قریب آنے پر ذرا سا رُخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم بھائی۔" شہر بانو نے فوراً سنبھل کر اُسے سلام کیا۔

"وسلام۔ کیسی ہو؟" سکندر حیات نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں بھائی۔ البتہ لوگوں کو آپ سے بڑی شکایتیں ہو گئی ہیں۔"

شہر بانو کا اشارہ مہرالنساء کی طرف تھا۔ وہ سمجھ گیا اور اتفاق سے بہت اچھے موڈ میں تھا بلکہ سرمستی کے عالم میں عجیب ہی شوخی سے بولا۔

"لوگ براہِ راست شکایت کریں تو بات بھی بنے۔"

"ابھی بات بن جاتی ہے۔" شہر بانو ہنستے ہوئے بولی اور مہرالنساء کو کندھوں سے تھام کر اُس کی طرف موڑنا چاہتی تھی لیکن مہرو جلدی سے اُس کا ہاتھ ہٹا کر چند قدم آگے چلی گئی کیونکہ اس طرح وہ شاہ سکندر حیات کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ جب دل پوری قوت سے دھڑکنے لگا تھا اور اپنے چہرے پر اترتی قوس قزح وہ خود بھی محسوس کر رہی تھی۔ شاہ سکندر نے بہن کو دیکھ کر ذرا سے کندھے اچکائے کہ بی بی جان کا پوچھ کر اندر چلا گیا تب شہر بانو نے لپک کر زور سے مہرالنساء کے بازو میں چٹکی کاٹی۔

"اب بتاؤ، کون کس سے ناراض ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتے میں مصروف مہرالنساء دھیرے سے بولی۔

"بڑی بے ایمان ہو تم۔ خوامخواہ میرے بھائی پر شک کرتی ہو۔" شہر بانو اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اُسے وہم سے نکالنا چاہتی تھی کہ شاہ سکندر کو اُس کی پروا نہیں اور وہ چھیڑ کر بولی۔

"خوامخواہ تو نہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" شہر بانو نے آنکھیں نکالیں تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بڑی دلآویز ہنسی تھی۔

وہ جو اُن دنوں اپنی کوئی ایک کلاس مس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پیر میں موچ کے باعث تین دن سے بستر پر پڑی تھی اور بے حد جھنجلا کر سوچ رہی تھی کہ اگر اُس روز کالج نہ جاتی تو حادثہ بھی نہ ہوتا لیکن زندگی میں آنے والے حادثوں کو کون روک سکتا ہے۔ اُس روز نہ سہی پھر کسی دن یہ حادثہ تو اُس کے ساتھ ہونا ہی تھا۔ جس میں کسی گاڑی سے ٹکرانا شرط نہیں۔ اُس کے ساتھ بس اتفاق تھا ورنہ اصل حادثے کی خبر تو کسی کو نہیں تھی۔ جو اُس کی نیندیں اُڑا لے گیا تھا۔ اس وقت اس سے ہٹ کر وہ صرف اپنے تعلیمی نقصان کا سوچ کر جھنجلا رہی تھی۔ ظاہر ہے میڈیکل میں اُس کا آخری سال تھا۔

"پھوپھو! کیا بہت درد ہو رہا ہے؟"

اُس کی جھنجلاہٹ سے نبیل یہی سمجھا کہ وہ درد سے بے چین ہو رہی ہے۔ اُس کا چہرا ہاتھوں میں لے کر یوں پوچھنے لگا جیسے اُس کی تکلیف کو محسوس کر رہا ہو۔

"نہیں بیٹا! کوئی درد وَرد نہیں ہو رہا۔" وہ بچے کی اُتری شکل دیکھ کر قصداً مسکرائی۔ "دیکھو بالکل ٹھیک ہوں میں۔ بس ذرا چلنے میں پاؤں میں تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے۔ صبح تک وہ بھی نہیں ہوگی۔ پھر میں آرام سے کالج جا سکوں گی۔"

"نہیں پھوپھو! اب آپ کالج نہیں جائیں۔"

"کیوں؟" وہ سمجھ گئی تھی نبیل کیوں منع کر رہا ہے پھر بھی انجان بن کر پوچھا۔

"پھر آپ کی ٹکر ہو جائے گی۔" نبیل کا خدشہ فوراً ظاہر ہو گیا۔

"ارے نہیں میری جان! بار بار تھوڑی ایسا ہوتا ہے۔" اُس نے نبیل کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا اور اُس کے گرد اپنے دونوں بازو لپیٹ کر معاً کسی خیال میں گھر کر بولی۔

"وہ تو جس سے ٹکرانا ہوتا ہے، بس اُسی سے ٹکر ہوتی ہے اور پتا نہیں دوبارہ کبھی۔ لاحول ولا قوۃ یہ تم نے مجھے کہاں اُلجھا دیا۔ جاؤ دیکھو احمر اور سونیا کیا کر رہے ہیں۔"

نبیل نے حیران ہو کر اُسے دیکھا پھر چپ چاپ کمرے سے نکل گیا تو اپنی حماقت پر پہلے اُس نے خود کو ڈانٹا پھر آپ ہی آپ ہنس پڑی۔

گزشتہ تین دنوں سے اُس سے ایسی ہی حماقتیں سرزد ہو رہی تھیں۔ بات کرتے کرتے اچانک ذہن بھٹک جاتا اور پھر اُسے پتا ہی نہ چلتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ اور یہ بھی غنیمت تھا کہ ابھی زیادہ تر بچے ہی اُس کے آس پاس رہتے تھے۔ میمونہ بھابی تو ہاسپٹل سے آ کر ابھی اپنے کمرے تک ہی محدود تھیں اور بے چاری اماں جی کو گھر کے سارے کام کرنے پڑ رہے تھے۔ کسی وقت اُس کے کمرے میں آ کر کھڑے کھڑے اُس کا احوال پوچھ جاتیں۔ رات میں پتا نہیں کیسے نبیلہ بھابی بڑی فراغت سے اُس کے پاس آ بیٹھیں۔ کتنی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر اُس سے آئندہ کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

"یہ تمہارا آخری سال ہے اس کے بعد کیا کرو گی؟"

"ظاہر ہے ہاؤس جاب۔" اُس نے سیدھا سادا جواب دیا تو نبیلہ بھابی نخوت سے بولیں۔

"مشکل ہے۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے تمہارے ہاں لڑکیاں سارا پڑھا لکھا چولہے میں جھونکتی ہیں۔"

اُس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ اور وہ مزید گویا ہوئیں۔

"تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ اِدھر امتحانوں سے فارغ ہوئی نہیں کہ اماں جی اور ابا جی تمہاری شادی کی فکر میں لگ جائیں گے، ہے ناں؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ جزبز سی ہو کر بولی۔

"یہی تو غلط ہے۔ پڑھ لکھ کر بھی وہی جاہلوں جیسی بات کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

نبیلہ بھابی پہلے تیز ہو کر بولیں پھر جیسے موڈ میں آ کر اُسے سمجھانے لگیں۔

"دیکھو، تم بہت ذہین لڑکی ہو۔ اپنے پیشے میں بہت نام کما سکتی ہو۔ تمہیں گائے بکری بننے کی ضرو نہیں ہے کہ ماں باپ جس کھونٹے سے چاہیں باندھ دیں۔ تمہیں اپنے بارے میں سوچنے کا حق ہے ا اس حق کو ضرور استعمال کرنا۔ سمجھ رہی ہو ناں۔"

وہ ایک لفظ جی تک نہیں کہہ سکی۔ کچھ گم صم سے انداز میں دیکھے گئی۔ تب نبیلہ بھابی اُس کا ہاتھ ہلا کہنے لگیں۔

"مجھے غلط مت سمجھو۔ میں تمہیں اکسا نہیں رہی بلکہ تم پر تمہاری اہمیت واضح کر رہی ہوں۔ میٹرک سے پوزیشن لیتی آ رہی ہو۔ مزید کامیابیاں تمہاری منتظر ہیں۔ اسکالرشپ پر ایف آر سی ایس کے لیے باہر جا سکتی ہو لیکن میں جانتی ہوں اماں جی اور ابا جی ہرگز تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔ اس کے برعکس دیکھنا وہ تمہاری شادی پر زور دیں گے اور میں یہ نہیں کہہ رہی کہ شادی نہیں کرنا، ضرور کرنا لیکن ایسے شخص کے ساتھ، جو تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ انہیں استعمال کرنے کی تمہیں پوری آزادی اور ایسا شخص تمہارا ہم پیشہ ہی ہو سکتا ہے۔"

انہوں نے کچھ دیر خاموش ہو کر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا پھر رازداری سے پوچھنے لگیں۔

"اس عرصے میں کسی نے پروپوز تو کیا ہوگا تمہیں؟" اُسے بہت شرم آئی کیونکہ نبیلہ بھابی کے سا اُس کی بے تکلفی نہیں تھی۔ سر جھکا کر دھیرے سے بولی۔

"نہیں بھابی!"

"اس میں قصور کس کا ہے۔ سراسر تمہارا کیونکہ کتابوں سے ہٹ کر کبھی اِدھر اُدھر دیکھا ہی نہیں ہوگا تم نے۔"

نبیلہ بھابی یوں افسوس سے بولیں جیسے اُس نے وقت گنوایا ہو۔

"شاید ایسا ہی ہے۔" اُس نے اعتراف کیا۔

"شاید نہیں یقیناً۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں تمہیں۔ اور بتاؤ تو کون سا تمغہ مل جائے گا تمہیں ڈگری کے ساتھ اعزازی سند ملے گی۔"

نبیلہ بھابی جل کر بولیں اور وہ بمشکل اپنی ہنسی روک پائی۔ پھر ایک طرح سے اپنی جان چھڑانے کی خاطر اُن کے ہاتھ تھام کر بولی۔

"بھابی! آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا ضرورت ہے اپنے بارے میں سوچنے کی۔"

"صدقے تمہاری سعادت مندی کے۔" نبیلہ بھابی کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں اُس کی بات پسند نہیں آئی۔ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئیں پھر دروازے تک جا کر پلٹ کر بولیں۔

"سنو! میری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا۔"

"جی۔" اُس نے فوراً سر ہلایا اور اُن کے جاتے ہی گہری سانس کھینچ کر بیڈ کی پٹی پر سر رکھ لیا۔ اُسے نبیلہ بھابی کی باتوں سے اختلاف نہیں تھا لیکن اتفاق کرتے ہوئے بھی وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ گزشتہ چار سالوں میں اُس نے کتابوں سے ہٹ کر کبھی اِدھر اُدھر دیکھا ہی نہیں تھا اور گو کہ ابھی وقت اُس کی دسترس میں تھا لیکن اب وہ کہاں دیکھتی۔ یہاں وہاں ہر طرف ایک ہی چہرا تھا جس کے بارے میں وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اُس کا نام شاہ سکندر حیات ہے۔ حالانکہ اُس روز وہ کلینک سے ہی رخصت نہیں ہو گیا تھا بلکہ اُسے اور عدیل بھائی کو گھر تک چھوڑنے آیا تھا اور عدیل بھا اُس سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ نہ صرف اسے بٹھایا بلکہ اُس کی خاطر مدارت بھی کی تھی۔ ابا جی بھی اُس سے ملے تھے اور ظاہر ہے اُس نے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا ہوگا لیکن وہ کیونکہ اُس روز سے اپنے کمرے ہی تک محدود تھی۔ اس لیے کچھ زیادہ نہیں جان سکی تھی۔ البتہ اپنے آپ اُس کے بارے میں

بہت کچھ سوچ ڈالا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ اس کی ہر سوچ پر اپنا نام لکھ گیا تھا۔

کلاسز آف ہوتے ہی اُس نے لائبریری کا رُخ کیا۔ پانچ دن کی غیر حاضری سے واقعی اُس کا بہت نقصان ہوا تھا۔ اور اماں جی تو آج بھی اُسے نہیں آنے دے رہی تھیں لیکن وہ ضد کر کے چلی آئی۔ ساتھ ہی اماں جی سے یہ بھی کہہ آئی تھی کہ اُس کی واپسی دیر میں ہوگی کیونکہ اُسے گزشتہ دِنوں کے نوٹس اتارنے تھے۔

لائبریری میں اس وقت خاصا سکون تھا۔ جتنے اسٹوڈنٹس موجود تھے سب اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہ ایک نظر میں سب کا جائزہ لے کر آخری ٹیبل پر آ بیٹھی اور فائل کھول کر اپنے کام میں مصروف ہوئی تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ چار بج چکے تھے اور مسلسل لکھتے لکھتے اُس کی انگلیاں دُکھنے لگی تھیں۔ پھر بھی اُس نے ہاتھ نہیں روکا کیونکہ اب دو تین صفحے لکھنے رہ گئے تھے اور کل پر چھوڑنے کے بجائے اُس نے سوچا اسی وقت مکمل کر لے۔ وقت گزرنے کا احساس بھی تھا جبھی وہ اور تیز ہاتھ چلانے لگی۔ تبھی اُس کی نظروں کے عین سامنے وہ گھڑی آ گئی جس کے کھونے یا کہیں روڈ پر گرنے کا ملال اُس کے اندر سے رخصت نہیں ہوا تھا۔ اُس کا چلتا ہوا ہاتھ رُک گیا اور بے اختیار سر اونچا کیا تو بہت قریب شاہ سکندر حیات ہونٹوں میں دلفریب مسکراہٹ دبائے کھڑا تھا۔

"آ۔۔" سراسیمہ سی آپ کہنے کی کوشش میں اُس کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔

"جی شاہ سکندر حیات!" وہ ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر ذرا سا جھکا تو وہ اُس پر سے نظریں ہٹا کر اپنی گھڑی ہاتھ میں لے کر پوچھنے لگی۔

"یہ آپ کو کہاں سے ملی؟"

"اُس روز میرے پاس رہ گئی تھی بلکہ میں نے قصداً اپنے پاس رکھ لی تھی۔" شاہ سکندر نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیوں؟"

"دوبارہ ملاقات کو بہانا چاہیے تھا۔" اتنی جرأت پر اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ لیکن وہ کمزور لڑکی نہیں تھی نہ ہی اتنی جلدی خود کو اُس پر عیاں کرنا چاہتی تھی جبھی لہجے میں قدرے ناگواری سمو کر بولی۔

"کیوں؟"

"یہ تو آپ اپنے آپ سے پوچھیں۔" وہ کہتے ہوئے اُس کے دائیں جانب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تو اُس نے ایک لحظے کو اُسے دیکھا پھر گویا بات ختم کرنے کی غرض سے بولی۔

"بہرحال آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"کس بات کا؟"

"گھڑی لوٹانے کا۔" وہ کچھ بے نیازی سے کہہ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ انداز ایسا تھا جیسے ابھی اُٹھ کر چل دے گی۔ اور واقعی فائل سینے سے لگا کر کھڑی ہو گئی تو وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

"سنیں مس! میں اتنی دُور سے آپ کو صرف گھڑی لوٹانے نہیں آیا۔" وہ پھر کچھ کہتے کہتے رہ گئی اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔

"میرا خیال ہے۔ یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ دونوں باہر نکل کر آئے تب وہ کہنے لگا۔

"میں پہلے آپ کے گھر گیا تھا۔ وہاں آپ کے ابا جی سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے میں نے آپ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا۔ آپ یہاں ملیں گی۔"

"جی!" وہ واقعی بے حد حیران ہوئی۔ "آپ نے ابا جی سے میرے بارے میں پوچھا۔"

"کیوں نہیں پوچھنا چاہیے تھا؟"

وہ بظاہر بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا لیکن اُس کی آنکھوں میں چمکتی شوخی چھپی نہیں رہ سکی۔ جس پر وہ خفگی سے دیکھنے لگی۔ تو ذرا سا ہنس کر وہ کہنے لگا۔

"بس ذرا سی غلطی ہو گئی ہے۔ اصل بات کچھ یوں ہے کہ میں نے آپ کے ابا جی سے آپ کی خیریت معلوم کی تھی جس پر انہوں نے بتایا کہ آپ اب بالکل ٹھیک ہیں اور آج کالج بھی گئی ہیں۔"

"اور آپ سیدھے یہاں چلے آئے؟" وہ فوراً بولی۔

"بُرا لگا آپ کو میرا آنا؟"

ایک پل میں وہ اُسے اپنی گرفت میں لے گیا اور اُس کے لیے خود کو چھپانا ممکن نہیں رہا۔ جان گئی خواہ کتنی بھی کوشش کرے کامیابی نہیں ہوگی۔ سر جھکا کر دھیرے سے بولی۔

"نہیں۔"

"شکریہ۔" وہ بے حد سرشار ہو گیا پھر اپنی گاڑی کی طرف اشارا کر کے بولا "چلیے آپ کو گھر ڈراپ کر دوں۔"

"نو تھینکس۔ میں چلی جاؤں گی۔" اُس نے سہولت سے منع کیا تو شاہ سکندر نے مزید اصرار نہیں کیا اور کچھ دیر رُک کر کہنے لگا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے لیکن ابھی نہ وقت ہے نہ یہ جگہ مناسب ہے۔ میں پھر آؤں گا۔ کب؟ دن اور وقت آپ بتا دیں۔ جگہ میں طے کروں گا۔"

اُس کی بات پر وہ کشمکش میں پڑ گئی۔ وہ جذباتی لڑکی نہیں تھی جو آنکھ بند کر کے اُس کی بات مان لیتی اور مشکل یہ تھی کہ اُسے مایوس بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بہت سوچ کر بولی۔

"میرا خیال ہے آپ میرے گھر کا راستہ دیکھ چکے ہیں۔ کسی دن بھی آ جائیے۔"

"آپ نے شاید ٹھیک سے میری بات سنی نہیں۔ جگہ میں طے کروں گا۔ آپ صرف دن اور وقت بتائیں۔" اُس نے زور دے کر کہا تو وہ بے بسی سے بولی۔

"میں نہیں بتا سکتی۔" اور اُس نے کیوں کا سوال ہی نہیں اُٹھایا خود ہی طے کر کے بولا۔

"ٹھیک ہے آج ہی کے دن۔ جب گھڑی کی سوئیاں AM سے نکل کر PM کی طرف پہلا قدم بڑھائیں گی۔ یاد رکھیے گا، خدا حافظ۔"

وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور بہت خاموشی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تب اپنے اطراف دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ اور گھر آنے تک وہ سوچ کر خود کو سخت سُست کہتی رہی کہ اتنی دیر باتیں کرنے کے باوجود بھی وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جان سکی تھی۔ یعنی ابھی بھی وہ اس کے لیے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ پھر گھر کے گیٹ میں داخل ہوتے ہو معاً اُسے یاد آیا کہ اُس کے پاس آنے سے پہلے وہ یہاں سے ہو کر گیا ہے۔ اُس نے تو یہی کہا تھا۔ اب پتا نہیں سچ کہا تھا یا محض اُسے چھیڑنا مقصود تھا۔ وہ بہرحال کچھ کنفیوز سی ہو گئی کہ اُس کی آمد کو کہیں کوئی اُس سے تو منسوب نہیں کر رہا۔ یہ شاید اُس کے دل کا چور تھا جو وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کپڑے بدلنے اور منہ ہاتھ دھونے میں قصداً دیر لگائی۔ اس کے بعد بالوں میں برش کر رہی تھی کہ میمونہ بھابی اُس کے لیے چائے لے کر آ گئیں۔ وہ سچ مچ بے حد شرمندہ ہوئی۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں بھابی۔ میں خود بنا لیتی۔"

"اتنی تو تھکی ہوئی آئی ہو۔" میمونہ بھابی کپ کارنر پر رکھ کر آرام سے اُس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ تو وہ پوچھ

"وہ چھوٹا کہاں ہے؟"

"امّاں جی کے پاس۔ تیل کی مالش کر رہی ہیں اُسے اور ہاں اُس چھوٹے کا نام ابا جی نے عمر رکھا ہے۔" بھابی نے بتایا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

"ماشاء اللہ اور آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہوں، بس ذرا۔" میمونہ بھابی جانے کیوں خاموش ہو گئیں تو اُس نے فوراً ٹوکا۔

"ذرا کیا؟"

"چھوڑو۔ اب کنواری لڑکی سے کیا کہوں۔"

"جناب، یہ کنواری لڑکی تقریباً ڈاکٹر بن چکی ہے۔ بتائیے کیا تکلیف ہے؟" وہ اپنی اہمیت جتلاتے ہوئے فوراً اُٹھ بیٹھی اور اُن کی کلائی تھامنا چاہتی تھی کہ وہ اپنا ہاتھ کھینچ کر بولیں۔

"بس رہنے دو۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ چلو تم اپنی چائے پیو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے آپ مجھے۔"

"نہیں نہیں، میں تمہیں پوری ڈاکٹر مان چکی ہوں۔" میمونہ بھابی نے درمیان ہی میں اُس کی بات اُچک لی۔

"تو اس ڈاکٹر کا مشورہ یہ ہے کہ ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"

"خدا کے لیے اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔ سارا دن امّاں جی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں۔ ایمان سے اتنی شرم آتی ہے۔ ابھی عمر کو اُن کے حوالے کر کے میں چپکے سے کچن میں آئی تھی۔" میمونہ بھابی باقاعدہ اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولیں۔

"بہت اچھا کرتی ہیں امّاں جی اور آپ کو کچن میں کیا کام تھا؟" اُس نے ان کی جھنجلاہٹ کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

"کام تو اب کروں گی۔ یعنی رات کا کھانا پکاؤں گی۔" میمونہ بھابی نے بھی جیسے اُسے چڑایا لیکن وہ ہنس پڑی۔

"آپ بھی کمال ہیں۔ لوگ تو کام نہ کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ لوگوں کی وہ قسم اس گھر میں نہیں پائی جاتی۔ تم بھی تو چار دن میں بیزار ہو گئی تھیں۔" میمونہ بھابی نے کہا تو وہ تائید کرتے ہوئے بولی۔

"واقعی۔ وہ تو شکر ہے معمولی چوٹیں تھیں۔ اگر کہیں سیریس ایکسیڈنٹ ہوتا تو۔"

"اللہ نہ کرے۔ ارے ہاں ایکسیڈنٹ پر یاد آیا آج وہ آیا تھا۔ کیا نام ہے اس کا۔ وہ جو تمہیں روڈ سے اُٹھا کر کلینک لے گیا تھا۔ کیا نام تھا بھلا اُس کا؟"

میمونہ بھابی بتا کر اُس سے پوچھنے لگیں تو وہ اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں سے گھبرا کر اُن کے پاس سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں۔ شاید سکندر۔"

"ہاں سکندر۔ یاد آیا۔ شاہ سکندر حیات۔"

"کیوں۔ میرا مطلب ہے کیوں آیا تھا؟" اُس نے کن اکھیوں سے میمونہ بھابی کو دیکھ کر پوچھا۔

"پتا نہیں، یونہی ملنے چلا آیا ہوگا۔ ابا جی تو بہت تعریف کر رہے تھے اُس کی۔"

میمونہ بھابی کا انداز سرسری تھا جس پر وہ قدرے اطمینان سے ہو گئی تھی۔

اچانک چھا جانے والی خاموشی کو محسوس کرتے ہی شاہ سکندر حیات چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس کے بھتیجے بھتیجیاں ابھی یہاں آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے بہت شور مچا رہے تھے۔ اور اب کوئی بھی نہیں تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی اور یقیناً انہیں بی بی جان نے اندر بلا لیا ہوگا۔ کیونکہ دونوں وقت ملنے پر بی بی جان خصوصاً بچوں کو بارہ دری کی طرف نہیں جانے دیتی تھیں۔ شاہ سکندر کا ذہن کچھ دیر کو اِدھر اُدھر بھٹکا پھر وہ یکسوئی سے اُس لڑکی کو سوچنے لگا جس سے ملنے کے بعد سے اُسے اپنی زندگی میں کچھ ہلچل کا احساس ہونے لگا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے سیدھی سپاٹ زندگی جس میں روزمرہ کے معمولات جیسے ہمیشہ سے طے تھے۔ اور بظاہر وہ مطمئن بھی تھا لیکن اب اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود کو بہلاتا رہا ہے۔ جب بھی اُس

کے اندر کسی بے نام سی آرزو نے انگڑائی لی۔ وہ یہ کہہ کر خود کو اطمینان دلاتا کہ کیا کمی ہے، میرے پاس سب کچھ تو ہے۔ اور واقعی سب کچھ تھا لیکن دل کی دُنیا خالی۔ ویران کھنڈر جس میں مہرالنساء کی محبت بھی پھول نہیں کھلا سکی تھی۔ حالانکہ وہ بے خبر نہیں تھا۔ لیکن کیا کرتا۔ اُس کا دل کبھی مہرالنساء کی طرف مائل نہ ہو سکا۔ اس وقت بھی نہیں جب باباجان نے اُن دونوں کی نسبت طے کی تھی اور اس نے احتجاج نہیں کیا تھا کہ کسی اور کا خیال نہیں تھا۔ اور اب خیال، خواب بلکہ دل کی دُنیا میں بھی جو ہلچل مچی تھی وہ اُسے لگ رہی تھی۔ بڑے پُرکیف لمحات تھے جب وہ تصور میں اُسے مخاطب کر رہا تھا۔ تبھی ملازمہ جیراں کی آواز سے اُس کا تصور چکنا چُور ہو گیا۔ بے حد ناگواری سے اُسے دیکھ کر غصّے سے بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"او جی، تساں نوں وڈے شاہ جی نے یاد کیتا اے۔"

جیراں اُس کے غصّے سے سہم کر بولی تو وہ مزید سوال جواب کیے بغیر اُٹھ کر اندر چلا آیا۔ باباجان خلافِ معمول اس وقت ہال کمرے میں بی بی جان کے پاس بیٹھے نظر آئے۔ وہ انہیں سلام کرتے ہوئے فاصلے پر بیٹھ گیا تو بی بی جان فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر بولیں۔

"ہم تمہاری آپا نور بانو کی طرف جا رہے ہیں۔ تم بھی چلو۔"

"ابھی۔ میرا مطلب ہے اس وقت۔ خیریت تو ہے؟" اُس نے کھوجتی ہوئی نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"سب خیریت ہے بیٹا، بس تمہاری بی بی جان کو اچانک بیٹی کی یاد ستانے لگی ہے۔"

باباجان نے اُس کی تشویش پر تسلی دیتے ہوئے کہا تو بی بی جان کچھ ناراض سی ہو کر بولیں۔

"اچانک تو نہیں شاہ جی، اتنے دنوں سے کہہ رہی ہوں نور بانو کی کوئی خیر خبر نہیں آئی اور اب تو دل گھبرا رہا ہے۔"

"نہ نہ یونس کی ماں۔ بچوں کے سامنے روتے نہیں ہیں۔" بی بی جان کی آواز بھرّانے پر باباجان انہیں ٹوکا پھر اُس سے پوچھنے لگے۔

"چل رہے ہو سکندر؟"

"اگر آپ کا حکم ہے تو ٹال نہیں سکتا۔" وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"جیتے رہو بیٹا! لیکن یہ میرا حکم نہیں ہے۔ چلنا چاہو تو چلو۔" باباجان نے اُس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

"شکریہ باباجان! پھر آپ ہو آئیں۔ میں پھر کسی دن چلا جاؤں گا۔" اُس نے فوراً شکریے کے ساتھ سے معذرت کر لی۔

"اچھی بات ہے۔ ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ ہم آتے ہیں۔"

باباجان نے کہا تو وہ باہر نکل آیا۔ اور ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کا کہہ کر وہیں رُک کر باباجان اور بی بی جان کا انتظار کرنے لگا۔ پھر انہیں رخصت کرنے کے بعد اندر آ رہا تھا کہ معاً شہر بانو کا خیال آیا جو بی بی جان کے ساتھ نہیں گئی۔ یہی پوچھنے وہ اُس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

"شہر بانو!" شاہ سکندر نے پہلے پکارا پھر اُس کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ دوپٹا سنبھالتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

"جی بھائی!"

"تم بی بی جان کے ساتھ نہیں گئیں۔ آپا کی طرف؟" اُس نے پوچھا۔

"میں تو جانا چاہتی تھی لیکن بی بی جان نے منع کر دیا۔" شہر بانو نے کہا۔ انداز سے ظاہر تھا کہ اُسے افسوس ہے۔

"کیوں۔ کیوں منع کیا بی بی جان نے؟"

"پتا نہیں۔"

"اچھا جانے دو، میں تمہیں کراچی لے چلوں گا۔ وہ میرا دوست ہے ناں احمد حسن، اُس کی امی اکثر کہتی ہیں کہ بی بی جان اور شہر بانو کو لے کر آؤ۔ اس بار میں تمہیں ضرور لے جاؤں گا۔"

اُس نے مسکرا کر ایک طرح سے اُسے بہلانے کی کوشش کی لیکن وہ مُنہ پھُلا کر بولی۔

"بی بی جان نہیں جانے دیں گی۔"

"میں کہوں گا بی بی جان سے اور دیکھنا وہ منع نہیں کریں گی۔ چلو اب جلدی سے موڈ ٹھیک کرو۔" وہ اُس کا سر ہلا کر بولا تو وہ ذرا سا ہنسی پھر پوچھنے لگی۔

"آپ کب جائیں گے کراچی؟"

"چار دن رہ گئے ہیں۔" وہ جیسے دن گن رہا تھا۔ بے دھیانی میں اُسی حساب سے کہہ گیا پھر فوراً احساس ہونے پر قدرے پٹپٹا کر بولا۔ "میرا مطلب ہے۔ تین چار دن میں چلیں گے۔ تمہیں کچھ لینا ہے وہاں سے؟"

"جی، میں بہت ساری شاپنگ کروں گی۔" شہر بانو خوش ہو کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔" وہ اُس کے خوش ہونے پر اطمینان سے ہو گیا۔ پھر جاتے جاتے رُک کر بولا۔ "اب ذرا اچھی سی چائے میرے کمرے میں بھجوا دو۔"

"ایک منٹ رُکیں بھائی!" شہر بانو کچھ یاد آنے پر اُسے روکتے ہوئے الماری کی طرف بڑھ گئی۔ وہ خاموشی سے دیکھنے لگا۔ شہر بانو الماری میں سے ایک پیکٹ نکال کر اُس کے قریب آئی اور دونوں ہاتھوں پر پیکٹ رکھ کر اُس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"یہ مہرالنساء نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔"

"کیا ہے اس میں؟" اُس کا سارا اشتیاق پل میں رخصت ہو گیا۔

"بخدا میں نے کھول کر نہیں دیکھا۔ ہزار تجسس کے باوجود۔"

شہر بانو شوخی سے مسکرا رہی تھی۔ اور وہ ایک سرسری نظر پیکٹ پر ڈال کر کہنے لگا۔

"میری طرف سے اجازت ہے۔ بے شک کھول کر دیکھ لو۔ اس کے بعد مہرالنساء کو لوٹا کر کہنا کہ اسے کسی ایسے شخص کے لیے سنبھال رکھے جو اس کی قدر کر سکے۔"

"بھائی!" شہر بانو کا دل انجانے اندیشوں سے کانپ کر رہ گیا اور وہ فوراً اُس کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

اماں جی آج کل سارا وقت عمر کے ساتھ لگی رہتی تھیں۔ اُسے تیل کی مالش کرنا پھر نہلانا اس کے بعد پاؤڈر، آنکھوں میں بھر بھر سرمہ۔ پھر اپنے پاس ہی سُلا لیتیں۔ بس دودھ کے اوقات میں ہی وہ میمونہ بھابی کے پاس نظر آتا تھا۔ اور میمونہ بھابی بڑے آرام سے تھیں۔ اس وقت کچن میں اُس کے پاس کھڑی کہہ رہی تھیں۔

"میں نے تو صرف بچے پیدا کیے ہیں۔ ان کی پرورش کی تکلیفیں تو میں جانتی ہی نہیں۔"

"دعائیں دیں اماں جی کو۔" اُس نے کھولتا ہوا پانی ٹی پاٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اماں جی کو میری دعاؤں کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ تمہارے لیے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تمہیں اماں جی جیسی ساس دے۔"

میمونہ بھابی نے بڑے خلوص سے کہا۔

"لیجیے۔ اگر میری قسمت میں سرے سے ساس ہی نہ ہو تب؟"

اُس نے شرارت سے کہا اور میمونہ بھابی اپنی دُھن میں بول گئیں۔

"کیوں نہ ہو، ضرور ہو گی۔"

"اب کہہ دیجیے بھلا ساس کے بنا بھی کوئی زندگی ہے۔"

"بالکل، اپنے لیے تو میں یہی کہوں گی۔ پتا ہے اسلام آباد سے سیما کا فون آیا تھا۔ بہت اصرار سے

امّاں جی اور ابا جی کو بُلا رہی تھی۔ اور میں اُس وقت سے یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ اگر امّاں اور ابا جی کچھ دنوں کے لیے بھی اسلام آباد چلے گئے تو ہمارا کیا ہوگا۔"

میمونہ بھابی نے ساس سسر کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔

"فکر نہیں کریں، ہم بھی ساتھ چلیں گے۔"

"ہاں سارا گھر جائے گا۔ یہیں تو کھڑا ہے اسلام آباد۔"

"اچھا چلیں، پہلے چائے پی لیں۔"

وہ ٹرے اُٹھا کر بولی اور میمونہ بھابی کے ساتھ کچن سے نکل کر امّاں جی کے کمرے میں آئی تو وہاں امرا سونیا امّاں جی کی گود سے عمر کو لینے کی ضد کر رہے تھے اور امّاں جی انہیں ڈانٹ رہی تھیں۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو امّاں جی کو۔ چلو بھاگو یہاں سے۔"

میمونہ بھابی نے سختی سے ڈانٹ کر دونوں کو بھگایا تو امّاں جی اُن پر ناراض ہونے لگیں۔

"ہائیں دُلہن! اس طرح ڈانٹتے ہیں بچوں کو۔ دیکھو تو کیسے چھوٹا سا منہ لے کر گئے ہیں۔"

میمونہ بھابی تو کچھ نہیں بولیں لیکن وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

"اور جو آپ ڈانٹ رہی تھیں امّاں جی۔"

"میں کب ڈانٹ رہی تھی۔"

"خیر چھوڑیں، چائے پئیں۔" وہ ٹرے میں کپ سیدھے کرتے ہوئے بولی۔ پھر چائے بنا کر پہلے امّاں پھر میمونہ بھابی کو دی۔ اور اپنا کپ لے کر تخت پر آرام سے بیٹھ گئی۔ تب ایک دم نبیل کا خیال آ پوچھنے لگی۔

"نبیل نظر نہیں آیا۔ اوپر ہے کیا؟"

"نہیں، بڑی دُلہن آج اُسے اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔"

امّاں جی نے ناگواری سے انداز میں بتایا تو اُس نے مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور قدرے سے محض امّاں جی کو خوش کرنے کی خاطر کہنے لگی۔

"امّاں جی! اب عدیل بھائی کی شادی کر دیں۔ گھر کی رونق میں اضافہ ہو جائے گا۔"

"ہاں امّاں جی! اب تو ماشاءاللہ عدیل اچھی پوسٹ پر ہے۔ اس کی شادی ہو جانی چاہیے۔" میمو نے فوراً اُس کی تائید کرتے ہوئے کہا، لیکن امّاں جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جانے کیا سوچنے لگ

"آپ کو پتا ہے عدیل بھائی باہر جانے کا سوچ رہے ہیں۔" اُس نے کہا تو امّاں جی چونک کر لگیں۔

"تم سے کس نے کہا؟"

"خود عدیل بھائی نے۔ کسی جرمن فرم میں اپلائی کر رکھا ہے انہوں نے۔ مجھ سے کہہ رہے تھے میرا اپائنٹمنٹ ہو جائے تو پھر میں جرمنی چلا جاؤں گا۔ آپ کو نہیں بتایا انہوں نے؟"

آخر میں اُس نے کچھ تعجب سے پوچھا پھر خود ہی کہنے لگی۔

"آپ پریشان ہو جاتی ہیں ناں۔ اس لیے نہیں بتایا ہوگا۔"

"حالانکہ یہ پریشانی کی نہیں خوشی کی بات ہے۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھیں اد اُٹھا کر کمرے سے نکل گئیں۔

"بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں امّاں جی!"

"ہاں تم سب ٹھیک کہتے ہو۔ ایک میں ہی غلط سوچتی ہوں۔"

امّاں جی رنجیدہ ہو کر بولیں۔ انہیں افسوس اس بات کا تھا کہ عدیل بھائی نے انہیں نہیں بتا وہ اندر ہی اندر پشیمان ہونے لگی کہ ناحق یہ موضوع چھیڑا۔ پھر اُن کی دلجوئی کی خاطر اُن کے گلے ڈال کر بولی۔

"آپ کبھی غلط نہیں سوچ سکتیں امّاں جی۔ خیر چھوڑیں اس قصّے کو عدیل بھائی کی شادی کی بات کریں۔ کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں؟"

"ہاں۔ ایک دو لڑکیاں تو ہیں نظر میں لیکن میں سوچ رہی ہوں تم امتحانوں سے فارغ ہو جاؤ پھر تم دونوں کی ایک ساتھ کہیں بات چلاؤں گی۔"

امّاں جی نے پُرسوچ انداز میں کہا تو وہ کچھ ٹھٹک سی گئی۔ بہت دھیرے سے اُن کے گلے میں سے بازو کھینچ کر قدرے سمٹ کر پیچھے ہٹی تو نبیلہ بھابی کی بات یاد آ گئی۔

"تمہارے ہاں لڑکیاں سارا پڑھا لکھا چولہے میں جھونکتی ہیں۔ دیکھنا تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ ادھر امتحانوں سے فارغ ہوئیں نہیں کہ امّاں جی تمہاری شادی کی فکر میں لگ جائیں گی۔"

امّاں جی اب اسی موضوع پر بول رہی تھیں۔ وہ کچھ غائب دماغی سے سنتی رہی پھر اسی خاموشی سے اُن کے پاس سے اُٹھ کر آ گئی اور اُس رات وہ بہت سنجیدگی سے نبیلہ بھابی کی باتوں کو سوچ رہی تھی ورنہ اس سے پہلے وہ بڑے آرام سے نظر انداز کر چکی تھی۔ کیونکہ نبیلہ بھابی خودسری و ہٹ دھرمی کے باعث اپنا وقار کھو چکی تھیں۔ اس لیے خیال یہی آتا تھا کہ جو عورت اپنا گھر نہیں بنا پا رہی۔ وہ دوسرے کو کیا اچھا سبق سکھائے گی۔ اور اب اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں اور انہوں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ۔

"تمہیں اپنے بارے میں سوچنے کا حق ہے اور اس حق کو ضرور استعمال کرنا۔"

اور جب وہ اپنے بارے میں سوچنے لگی تو اس کا دل اندر ہی اندر ٹھہرنے لگا کہ ہر سوچ پر وہ قابض تھا جو اس کے ساتھ دن اور رات طے کر گیا تھا۔ گو کہ وہ جذباتی لڑکی نہیں تھی نہ ہی آئیڈیلزم پر یقین رکھتی تھی لیکن کیا کرتی کہ مقابل شاہ سکندر حیات آ گیا تھا جس کی وجاہت میں ایسا سحر تھا کہ اگر کہیں وہ سرِ راہ نظر آتا تب بھی شاید وہ ایک پل کو ٹھہر کر اُسے ضرور دیکھتی جبکہ اب تو وہ خود چل کر آیا تھا اور مزید ربط بڑھانے کا خواہش مند بھی تھا۔ وہ چاہتی بھی تو اُسے نہیں روک سکتی تھی۔ جیسے اب بہت کوشش کے باوجود اُس سے ہٹ کر نہیں سوچ پا رہی تھی۔ حالانکہ ابھی تک وہ اس کے لیے سوالیہ نشان تھا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا، آسیہ صلاح الدین اُس سے متاثر ہو چکی تھی۔ اور اپنی ہر کوشش میں ناکامی کے بعد بالآخر اُس نے ہار مان لی اور نبیلہ بھابی کی باتوں کی روشنی میں سوچتے ہوئے اس نے پہلے ہی قدم پر شاہ سکندر حیات کا ہاتھ تھامنے کی خواہش کو دبایا نہیں تھا۔ جیسا کہ نبیلہ بھابی نے کہا تھا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ شادی نہیں کرنا، ضرور کرنا لیکن ایسے شخص کے ساتھ، جو تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ انہیں استعمال کرنے کی تمہیں پوری آزادی دے اور ایسا شخص تمہارا ہم پیشہ ہی ہو سکتا ہے۔"

اور نبیلہ بھابی کی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ اگر شاہ سکندر حیات اُس کا ہم پیشہ ہے تب بھی وہ پہلے مقام پر اُسے اپنے ارادوں سے آگاہ کر دے گی اور اگر وہ اُس کے لیے سنجیدہ ہوا تو پھر یقیناً اُس کی مزید تعلیم اور پھر پریکٹس پر اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یوں اپنے طور پر وہ سارے پہلوؤں پر سوچ کر اطمینان سے ہو گئی تھی۔

اور جس روز شاہ سکندر حیات کو آنا تھا۔ اُس روز پہلی بار اُس کا دھیان لیکچر کے بجائے اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ کبھی نظریں کھڑکی سے باہر اور کبھی گھڑی پر آ ٹھہرتیں۔ جس کی سوئیاں پی ایم کی حدود میں داخل ہو چکی تھیں۔ اور وہ قصداً خود پر جبر کیے بیٹھی تھی۔ پیریڈ آف ہونے کے بعد بھی وہ فوراً باہر نہیں نکلی۔ پتا نہیں اُس کی آزمائش مطلوب تھی یا اپنی بہرحال اُس کے طے کیے ہوئے وقت کے پورے ایک گھنٹے بعد وہ باہر نکل کر آئی تو پہلی نظر اُسی پر پڑی جو اُس کے اسٹاپ سے چند قدم آگے اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ کچھ دیر کو واقعی وہ بُری طرح نروس ہوئی لیکن پھر بہت جلد خود پر قابو پا کر قدم اُس کی طرف بڑھا دیے۔ اور اُس کے قریب پہنچ کر فوراً معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"سوری مجھے پتا ہی نہیں چلا وقت کا۔ آپ کو شاید کافی انتظار کرنا پڑا۔"
"مجھے آپ کا انتظار کرنا اچھا لگا۔ پلیز۔" اُس نے کہتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بنا کسی پس و پیش کے بیٹھ گئی۔
"کیسی ہیں آپ؟" وہ ڈرائیونگ پر بیٹھا تو اُسے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔
"ٹھیک ہوں۔" اُس نے قصداً سیدھا سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔
"میری آمد کا یقین تھا آپ کو؟" شاہ سکندر نے بڑی خوبصورتی سے اُسے گھیرنے کی کوشش کی لیکن وہ سہولت سے دامن بچا کر بولی۔
"میرا خیال ہے۔ ان باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آپ اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیں۔"
"جلدی کیا ہے۔ کہیں اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"
شاہ سکندر نے قدرے بے نیازی سے کہہ کر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی اور وہ کیونکہ خود کو بہت پُراعتماد ظاہر کر رہی تھی اس لیے ذرا سے کندھے اچکا کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ تمام راستے اُس کے دیکھے ہوئے تھے۔ جب شاہ سکندر نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی تو وہ یونہی گردن موڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔
"کیا بات ہے، کچھ پریشان ہیں؟" شاہ سکندر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا اور وہ اُس کی بات نظر انداز کر کے بولی۔
"میں زیادہ دیر نہیں رُکوں گی۔"
"آپ کا اختیار صرف آنے نہ آنے تک تھا اور اب۔"
وہ بات ادھوری چھوڑ کر نیچے اُتر گیا، پھر آ کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ خود کو اُس کے رحم و کرم پر محسوس کر کے کچھ پریشان سی ہو گئی لیکن جب اُس کے ساتھ چلنے لگی تو اپنا آپ بہت محفوظ بہت اچھا لگا۔ گزشتہ دنوں کا سارا اضطراب ساری بے چینی ختم گئی اور اُس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ پہلی بار اُسے دیکھ کر ذرا سا مسکرائی تو وہ خوشگوار سے احساس میں گھر کر بولا۔
"شکریہ۔"
"کس بات کا؟" اُس نے یونہی پوچھ لیا۔
"تمہاری مسکراہٹ نے میرے اس یقین پر مہر ثبت کر دی ہے آسیہ کہ تمہاری زندگی میں میں اس مقام پر فائز ہو چکا ہوں جہاں مجھ سے پہلے کوئی تھا نہ میرے بعد کوئی ہو سکتا ہے۔"
شاہ سکندر نے بہت یقین سے کہا پھر ٹیبل پر اپنا ہاتھ پھیلا کر رکھ دیا۔ اُس نے دزدیدہ نظروں سے اُس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور سوچ کر کہنے لگی۔
"میرا ہاتھ تھامنے سے پہلے سوچ لیجیے شاہ سکندر۔ اگر میں کوئی بہت عام سی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے خواب میری سوچیں صرف ایک خوبصورت گھر تک محدود نہیں ہیں۔ جس مقصد کے تحت میں نے تعلیم حاصل کی اُسے میں پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ میرے نزدیک یہ سراسر بددیانتی ہوگی۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں ناں؟"
آخر میں اُس نے اچانک سر اُٹھا کر پوچھا تو وہ جو بہت غور سے اُس کی بات سُن رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگا اور کچھ دیر رُک کر بولا۔
"میں تمہارے مقصد کی راہ میں حائل نہیں ہوں گا بلکہ تم ہر قدم پر مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔ اور کچھ۔"
"اور۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ گلاس ڈور سے داخل ہوتی نبیلہ بھابی کو دیکھ کر الفاظ اُس کے ہونٹوں میں ہی رہ گئے۔ نبیلہ بھابی اکیلی نہیں تھیں اُن کے ساتھ جو کوئی بھی تھا بہت بے تکلفی سے اُن کی کمر میں بازو ڈالے ہوئے تھا اور وہ یہ تو جانتی تھی کہ نبیلہ بھابی آزاد ماحول کی پروردہ آزاد خیال خاتون ہیں لیکن

...زاد خیالی بے راہ روی کی حد چھو لے گی یہ اُس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ کوئی اور اگر نبیلہ بھابی کے ...ایسی بات کرتا تو شاید وہ کبھی یقین نہ کرتی اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی وہ جھٹلانے کی کوشش ...تی لیکن سامنے منظر بہت واضح تھا۔ آف وائٹ سلک کے شلوار سوٹ میں دوپٹے سے بے نیاز ...ی کہیں سے بھی نبیل کی ماں نہیں لگ رہی تھیں۔ نہ انہیں بڑے بھیا کی عزت کا خیال تھا۔ غیر کے ...ا اخلاقی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ اور وہ سناٹے میں بیٹھی تھی۔
...ے ڈاکٹر! تم کہاں کھو گئیں؟" شاہ سکندر نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا تو وہ یونہی گم صم سی ...ہنے لگی۔
...محبت تو تمہارے سامنے موجود ہے۔" شاہ سکندر نے مسکرا کر اپنی بات پوری کی تو وہ ذرا سا چونکی ...وں طریقے سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کو ذرا سا جھٹکا دینے کے بعد کہنے لگی۔
...را خیال ہے چلنا چاہیے۔"
...تم نے تہیہ کر رکھا ہے کہ میری ہر بات کو یونہی نظر انداز کر دو گی۔" شاہ سکندر کا موڈ یکلخت بگڑ گیا۔ ...نے میری بات نہیں سُنی یا سمجھی نہیں کہ تمہارا اختیار آنے نہ آنے تک تھا۔ اب جب میں چاہوں گا تب ...اسکو گی۔ انڈر اسٹینڈ۔"
...یرے خدا!" وہ اندر ہی اندر سہم کر رہ گئی۔

❂ ❂ ❂

...شاہ سکندر نے کچھ دیر خاموش ہو کر اُسے دیکھا۔ پھر اپنے لہجے پر نادم ہو کر کہنے لگا۔
...آئی ایم سوری۔ مجھے تم سے اس طرح بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اصل میں میں۔"
...پلیز شاہ سکندر۔" وہ عاجزی سے ٹوک کر بولی۔ "میں یہاں بہت ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔ آپ میری کیفیت ...ں سکتے۔ چلیں باقی باتیں راستے میں۔"
...آؤ کے۔ تم چلو میں آتا ہوں۔" وہ اُس کی عاجزی نظر انداز نہیں کر سکا۔ بلکہ کچھ ٹھٹھک سا گیا تھا۔ جبھی ...س کی بات مان کر جانے کا کہا تو وہ ممنون نظروں سے دیکھتی ہوئی جلدی سے باہر نکل آئی اور ...کندر کے آنے تک وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔

...شاہ سکندر کا ارادہ آسیہ کو گھر تک چھوڑنے کا تھا۔ لیکن وہ راستے ہی میں اُتر گئی تب اُس سے اگلی ملاقات ...طے کر کے وہ احمد حسن کے گھر کی طرف چل پڑا۔ جہاں سے اُسے شہر بانو کو لینا تھا۔ اپنے وعدے کے ...وہ شہر بانو کو ساتھ لے آیا تھا۔ لیکن ابھی اُسے شاپنگ کرانی باقی تھی۔ اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی چار ...ے تھے۔ تب وہ اسپیڈ بڑھا کر منٹوں میں احمد حسن کے گھر پہنچ گیا۔ شہر بانو شدت سے اُس کی منتظر تھی۔ ...ئلہ کی کمپنی میں وہ بالکل بور نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اُسے واپسی کا خیال تھا۔ بی بی جان نے بہت تاکید ...ا تھا کہ شام ڈھلنے سے پہلے واپس آ جانا۔ اس لیے شاہ سکندر کو دیکھتے ہی وہ منہ پھلا کر بولی۔
...بھائی! اتنی دیر لگا دی۔ اب ہم بازار تو نہیں جا سکیں گے۔"
...فکر نہیں کرو، یہاں بازار بہت دیر تک کھلے رہتے ہیں۔ تمہاری شاپنگ آرام سے ہو جائے گی۔" شاہ سکندر ...ے اطمینان دلایا۔
...میری شاپنگ تو آرام سے ہو سکتی ہے اور جو بی بی جان نے جلدی آنے کو کہا تھا۔" شہر بانو نے اُسے ...ایا۔
...اب کیا کروں، دیر ہو گئی۔ چلو نائلہ جلدی سے چائے پلاؤ پھر ہم چلتے ہیں۔ اور ہاں احمد حسن آفس سے ...ہیں؟" وہ شہر بانو سے بات کرتے ہوئے ایکدم نائلہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"احمد بھائی ابھی نہیں آئے۔ آتے ہی ہوں گے۔" نائلہ نے کہا تو وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا تم جائے تو پلاؤ۔"

"چائے کو تو میں آپ کو پلا رہی ہوں۔ سکندر بھائی اور وہ بھی بہت اچھی سی لیکن آپ کو میری ایک بات ماننی ہوگی۔" نائلہ جاتے جاتے رُک کر بولی۔

"کیا؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آج آپ لوگ یہیں رُک جائیں۔ کل چھٹی کا دن ہے۔ ساحل پر چلیں گے بہت مزہ آئے گا۔" نائلہ نے خوش ہوکر پروگرام بتایا تو وہ فوراً شہر بانو کو دیکھنے لگا کہ آیا دونوں نے پہلے سے یہ پروگرام بنایا ہے یا یہ نائلہ کی خواہش ہے۔ اور اُس کے دیکھنے پر شہر بانو نے اشارے سے منع کر دیا۔ تب وہ نائلہ سے معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"سوری نائلہ۔ آج ہمارا رُکنا ممکن نہیں ہے۔ پھر کسی دن بلکہ خاص چھٹی ہی کے دن میں شہر بانو کو لے آؤں گا۔"

"مجھے پتا تھا آپ میری بات نہیں مانیں گے۔" نائلہ روٹھ کر بولی۔

"اور اب تم مجھے چائے بھی نہیں پلاؤ گی۔"

"نہیں خیر چائے تو ضرور پلاؤں گی۔" نائلہ فوراً خفگی بھول کر چائے بنانے چلی گئی تو وہ شہر بانو سے کہنے لگا۔

"تم آنٹی سے مل لو اور اُن سے جانے کی اجازت بھی لے لو۔" شہر بانو خاموشی سے چلی گئی تب وہ دونوں ٹانگیں پھیلا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ اُس نے سوچا تھا۔ وہ آج ہی شہر بانو کو آسیہ کے گھر سے جائے گا۔ لیکن وقت ہی نہیں تھا۔ چائے پینے کے بعد اُس نے احمد حسن کا انتظار بھی نہیں کیا اور اُس کی امی سے دو۔ جلد آنے کا کہہ کر شہر بانو کو شاپنگ کے لیے طارق روڈ لے گیا۔

شہر بانو بی بی جان کے ڈر سے بہت جلدی کر رہی تھی۔ حالانکہ اُس نے بار بار اطمینان دلایا کہ بی بی جان کی ناراضگی کو وہ خود فیس کرے گا۔ وہ آرام سے خریداری کر لے۔ لیکن شہر بانو بہت جلدی فارغ ہوگئی۔

"بس بھائی، مجھے اور کچھ نہیں لینا۔" شہر بانو نے مزید کچھ بھی خریدنے سے انکار کر دیا۔

"چلو پھر کسی دن صرف اور صرف تمہاری شاپنگ کے لیے آئیں گے۔" وہ سمجھ گیا شہر بانو کو بی بی جان کی ناراضگی کا خیال پریشان کر رہا ہے۔ جبھی مزید اصرار نہیں کیا۔

"شام تو یہیں ہوگئی۔ ہم رات میں پہنچیں گے۔" شہر بانو نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا۔

"ہوں۔" اُس نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ اور احتیاط سے گاڑی بیک کرنے لگا۔ پھر جب کشادہ سڑک پر آیا تب اُس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھنے لگا۔

"کیسا وقت گزرا تمہارا نائلہ اور اُس کی امی کے ساتھ؟"

"بہت اچھا۔ کبھی آپ انہیں شاہ پور لے کر آئیں ناں۔"

"تم نے دعوت دی انہیں؟"

"ہاں۔"

"پھر ضرور آئیں گی۔" اُس نے کہا تو شہر بانو تعجب سے پوچھنے لگی۔

"کیوں آپ نے کبھی نہیں بلایا انہیں؟"

"یہ بات نہیں ہے اصل میں وہ شاید اس انتظار میں تھیں کہ پہلے میرے گھر سے کوئی آئے۔ آ ہو تو اب وہ بھی آئیں گی۔" اُس نے کہا تو شہر بانو فوراً بولی۔

"پھر تو مجھے بہت پہلے آنا چاہیے تھا۔"

"ہوں۔" وہ ہوں کہہ کر خاموش ہوگیا۔ اصل بات شروع کرنے سے پہلے کی خاموشی تھی۔ ایک طرح سے ذہن کو تیار کر رہا تھا اور یہ کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ پھر ایکدم سے یاد آنے پر بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

"سنو۔ تم نے مہرالنساء کو اُس کا پیکٹ لوٹا دیا تھا؟"

"نہیں۔" شہر بانو چور سی بن گئی۔

"کیوں؟" ہنوز سرسری انداز لیکن پیشانی پر گہری لکیر نمودار ہوگئی تھی۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ اُس کا اتنی محبت سے دیا ہوا تحفہ کیوں لوٹانا چاہتے ہیں؟" شہر بانو نے اُلٹا سوال کر کے گویا اُس کی مشکل آسان کر دی۔ بڑے آرام سے بولا۔

"یہی بتانے کے لیے تو میں تمہیں لے کر آیا تھا۔ لیکن افسوس تمہاری اُس سے ملاقات نہیں کرا سکا۔"

"کس سے؟" شہر بانو کو اپنی آواز کہیں بہت دور سے سنائی دی۔ شبہ تو اُسے اُسی روز ہوگیا تھا۔ لیکن مسلسل خود کو بہلا رہی تھی کہ شاہ سکندر کسی قیمت پر مہرالنساء سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ کیونکہ بدلے میں وہ شاہ مردان سے منسوب ہے۔ اُس کا بھائی اتنا خود غرض نہیں ہوسکتا کہ اپنی کسی خواہش سے مغلوب ہوکر بہن کے ارمانوں کا خون کر دے۔ کتنا مان تھا بہن کو اپنے بھائی پر جسے ٹوٹنے میں ایک پل لگا۔

"آسیہ سے۔" وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہوگیا۔ بلکہ انتظار کرنے لگا کہ وہ سوال پر سوال کرے گی۔ کون ہے کہاں رہتی ہے۔ آپ کو کہاں ملی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دوسری طرف سناٹا تھا۔ جسے محسوس کر کے شاہ سکندر نے اپنے طور پر آخری بات کہی۔

"خیر آسیہ سے تمہاری کبھی ملاقات ہو جائے گی۔ لیکن بی بی جان کو تم ابھی بتا دینا کہ میں مہرالنساء سے شادی نہیں کروں گا۔" اور مارے صدمے کے شہر بانو سے بولا ہی نہیں گیا۔ ورنہ اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور کہتی کہ وہ یہ بات خود بی بی جان سے کہہ دے، اُسے درمیان میں نہ لائے۔ اور شاہ سکندر نے اس کے بعد کچھ کہنا ضروری ہی نہیں سمجھا۔ پتا نہیں شہر بانو کی کیفیت سمجھ نہیں رہا تھا یا قصداً نظرانداز کر رہا تھا۔ باقی دو گھنٹے کے سفر میں یوں انجان بنا رہا جیسے وہ اُس کے ساتھ موجود ہی نہ ہو۔

پھر حویلی کے بڑے گیٹ سے داخل ہو کر گاڑی ابھی ڈرائیو وے پر رینگ رہی تھی کہ شہر بانو بہت عجلت میں اُتر کر تیز تیز قدموں سے اندر چلی گئی۔ وہ ہونٹ بھینچے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر گل خان کو پکار کر اُسے گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کا کہہ کر اندر آیا تو سیدھا بی بی جان کے کمرے کا رُخ کیا۔ بی بی جان عشاء کی نماز پڑھنے میں مصروف تھیں۔ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ کر اُن کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

میمونہ بھابی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وہ ایکدم خاموش ہوگئی۔ کیونکہ اُدھر سے نبیلہ بھابی آ رہی تھیں۔ اور اُن پر نظر پڑتے ہی اُسے دوپہر کا واقعہ یاد آگیا تھا۔ حسب عادت نبیلہ بھابی سرسری انداز میں ہیلو کہتی ہوئی اُن دونوں کے قریب سے گزر کر سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ تب بھی وہ ایسے ہی کچھ گم سم سی بیٹھی تھی۔

"کیا انداز ہیں۔ ایمان سے مجھے تو رشک آتا ہے۔" میمونہ بھابی نے کہا تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"کیا کہا۔ ہم؟"

"میں کہہ رہی ہوں اصل زندگی تو نبیلہ بھابی کی ہے۔ کوئی فکر ہی نہیں۔ آرام سے دن چڑھے تک سوتی ہیں۔ اس کے بعد جہاں دل چاہے جانے کو تیار کوئی مردک ٹوک نہیں اور ابھی دیکھو کس شان سے آئی ہیں۔" میمونہ بھابی کے لہجے میں حسرت نہیں تھی بلکہ کچھ مذاق کا عنصر تھا۔ وہ ذرا سا مسکرائی اور اس موضوع سے ہٹنے کی خاطر بولی۔

"ہم کیا باتیں کر رہے تھے۔ ہاں عدیل بھائی کی شادی، اماں جی بتا رہی تھیں اُن کی نظر میں ایک دو لڑکیاں ہیں۔"

"اچھا! کون ہے؟" میمونہ بھابی نے دلچسپی سے پوچھا۔ تو اُس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"پتا نہیں۔"

"ہائیں تم نے پوچھا نہیں اماں جی سے؟" میمونہ بھابی نے تعجب سے کہا۔

"کیسے پوچھتی۔ انہوں نے عدیل بھائی کے ساتھ میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ اس لیے میں خاموشی سے اُن کے پاس سے اُٹھ گئی تھی۔" اُس نے اپنی مجبوری بتائی تو میمونہ بھابی ہنسنے لگیں۔

"آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟"

"بس یونہی۔ ویسے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہمارے ہاں لڑکیاں اتنا پڑھ لکھ کر بھی اپنی شادی کے ذکر

پر خاموش کیوں ہو جاتی ہیں؟" میمونہ بھابی نے بڑے محظوظ سے انداز میں کہا۔
"پھر کیا کریں؟" اُسے میمونہ بھابی کے محظوظ ہونے پر ہنسی آئی۔
"کبھی کم از کم اپنی مرضی تو ضرور بتایا کریں۔ ویسے تمہاری کیا مرضی ہے؟" میمونہ بھابی نے اتنا اچانک پوچھا کہ وہ سٹپٹا سی گئی۔
"میری کیا مرضی ہو سکتی ہے!"
"کیوں نہیں۔ آخر اپنے بارے میں کچھ سوچا تو ہو گا تم نے؟"
"ابھی تک تو نہیں سوچا۔ لیکن اب ضرور سوچوں گی۔" اُس نے ہلکے پھلکے انداز میں بات اُڑائی تبھی عدیل بھائی اپنے کمرے سے نکل کر آئے اور انہیں دیکھ کر بولے۔
"توبہ، دو خواتین جہاں بیٹھ جائیں۔"
"تم بھی آ جاؤ۔" میمونہ بھابی نے کہا تو اُس نے کرسی کھینچ کر آگے کر دی۔
"بچہ پارٹی کہاں ہے؟" عدیل بھائی نے بیٹھتے ہی پوچھا۔
"بچے سب سو گئے۔" میمونہ بھابی نے بتایا تو وہ تعجب سے بولے۔
"اتنی جلدی؟"
"بہت شور کر رہے تھے، تمہارے خلیل بھائی نے ڈانٹ کر سلایا ہے۔"
"یہ زیادتی ہے۔ مجھ سے کہا ہوتا میں انہیں باہر لے جاتا، یوں بھی کل چھٹی ہے۔ نبیل بھی سو گیا؟" عدیل بھائی نے آخر میں اُس سے پوچھا۔
"نبیل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شام میں بڑے بھیا اُسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے وہاں سے واپسی پر کچھ دیر اتاں جی کے پاس لیٹا پھر بڑے بھیا اُسے اوپر لے گئے۔" اُس نے بتایا تو عدیل بھائی تشویش سے پوچھنے لگے۔
"زیادہ طبیعت خراب تو نہیں ہے؟"
"نہیں سوسمی بخار ہے۔ صبح تک انشاءاللہ اُتر جائے گا۔" اُس نے تسلی دی پھر پوچھنے لگی۔ "آپ کے لیے چائے لاؤں؟"
"نہیں پہلے ہی نیند نہیں آ رہی۔" عدیل بھائی نے منع کیا تو میمونہ بھابی انہیں دیکھ کر شرارت سے ہنستے ہوئے بولیں۔
"بچہ جوان ہو گیا ہے اب اکیلے میں اسے نیند نہیں آتی۔"
"اُف یہ میمونہ بھابی!" اُسے بے حد شرم آئی اور عدیل بھائی بھی اُس کی موجودگی کے باعث سٹپٹا کر بولے۔
"آپ تو خاموش ہی رہا کریں۔"
"کیوں خاموش رہا کروں۔ خلیل کہتے ہیں۔ تم بولتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔" میمونہ بھابی نے ایک ادا سے کہا جس پر وہ بے ساختہ ہنسی اور ہنسی تو عدیل بھائی کو بھی آئی لیکن منہ بنا کر بولے۔
"اوں ہوں بڑے بدذوق ہیں خلیل بھائی یا پھر انہوں نے آپ کو خاموش دیکھا نہیں ہو گا۔"
"تمہارا مطلب ہے"
"جناب آپ خاموش بیٹھی بہت اچھی لگتی ہیں۔ کیوں آسیہ؟" عدیل بھائی نے اُس سے تائید چاہی۔
"بھائی! مجھے تو میمونہ بھابی ہر حالت میں اچھی ہی لگتی ہیں۔" اُس نے کہا تو عدیل بھائی مصنوعی حیرت سے بولے۔
"ہائیں تم جھوٹ بھی بولتی ہو؟"
"کوئی جھوٹ نہیں۔ بالکل سچ کہہ رہی ہے یہ۔" قدرے جوش میں میمونہ بھابی کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔ غالباً اُن کی آواز پر ہی خلیل بھائی کی آنکھ کھلی اور انہوں نے وہیں سے انہیں پکار لیا۔
"جائیے۔ آپ کے جوان کو نیند نہیں آ رہی۔" عدیل بھائی کو بدلہ اُتارنے کا موقع مل گیا۔ سرگوشی میں

بھاوج کو چھیڑ کر کہا تو وہ انہیں گھورتے ہوئے اُٹھ کر چلی گئیں۔ تب عدیل بھائی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔
"چلو بھئی آسیہ، تم بھی سو جاؤ جا کر۔"
"جی بھائی، میں ذرا کچن دیکھ لوں۔" وہ کہتے ہوئے اُٹھ کر کچن میں آ گئی۔ دو چار برتن میلے رکھے تھے انہیں دھویا پھر لائٹ آف کر کے نکلی تو سیڑھیوں پر بڑے بھیا کو دیکھ کر ٹھٹھک کر وہیں رُک گئی۔
"کیا بات ہے بڑے بھیا۔ کچھ چاہیے؟" بڑے بھیا آخری سیڑھی تک آئے تو اُس نے پوچھ لیا۔
"ہاں۔ نہیں!" بڑے بھیا کا ذہن جیسے کام نہیں کر رہا تھا۔ پھر سوچ کر بولے۔ "ہاں وہ تم ذرا نبیل کو دیکھ لو، بہت بے چین ہو رہا ہے۔ بخار بھی تیز ہو گیا ہے۔"
"چلیں۔" وہ کچھ پریشان سی ہو کر بڑے بھیا سے پہلے ہی سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اوپر آ گئی۔ اس بخار کی حالت میں بھی نبیل کمرے میں اکیلا تھا۔ اُسے معصوم بچے پر بہت رحم آیا۔ جس کی ماں دوسرے کمرے میں اطمینان سے سو رہی تھی۔ وہ اندر رہی اندر کڑھتی ہوئی نبیل کو چیک کرنے لگی۔ بخار بہت تیز تھا لیکن بڑے بھیا کے سامنے اُس نے تشویش ظاہر نہیں کی۔ بلکہ تسلی دی۔
"پریشانی کی بات نہیں ہے بڑے بھیا۔ بخار اُتر جائے گا، اسے میں اپنے پاس لے جاتی ہوں۔"
"نہیں بیٹا۔ اسے یہیں رہنے دو۔ تمہیں تنگ کرے گا۔"
"نہیں بھیا! میرے پاس یہ آرام سے سوئے گا۔" وہ کہہ کر نبیل کو اٹھانے لگی کہ بڑے بھیا آگے بڑھ آئے۔
"رُکو۔ میں لے چلتا ہوں۔ تم سے اٹھایا نہیں جائے گا۔" وہ پیچھے ہٹ گئی پھر اسی طرح بڑے بھیا کے پیچھے چلتی ہوئی سیڑھیاں اُتر کر اپنے کمرے میں آئی اور جب بڑے بھیا نبیل کو اُس کے بیڈ پر لٹا کر چلے گئے۔ تب وہ کٹورے میں ٹھنڈا پانی لے کر آئی اور اُس میں کپڑا بھگو بھگو کر نبیل کے ماتھے پر رکھنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد جا کر کہیں بخار کم ہوا۔ تب وہ قدرے اطمینان سے ہو کر اُس کے ساتھ لیٹ گئی۔ ابھی بھی اُسے نیند نہیں آ رہی تھی اور اُس نے سونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ کچھ دیر تک نبیلہ بھابی کے بارے میں سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر اُن کی طرف سے دھیان ہٹایا تو ذہن کے دریچوں پر شاہ سکندر حیات دستک دینے چلا آیا۔ اب وہ اُس کے لیے سوالیہ نشان نہیں تھا۔ واپسی کے راستے میں اُس نے اپنے بارے میں اُسے بتایا تھا۔
چار سال سے وہ امریکہ میں تھا۔ وہاں سے ایگریکلچر میں ماسٹر کر کے گزشتہ سال لوٹا تھا اور ظاہر ہے بڑے زمیندار کا بیٹا تھا۔ اُسے نوکری کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک طرح سے شاہی زندگی گزار رہا تھا۔ اور اب اُسے اُس نے یقین دلایا تھا کہ شاہ پور میں وہ اُسے پورا ہاسپٹل تعمیر کروا دے گا۔ اور یہ اُس کے لیے کوئی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ اس وقت اُسے سوچتے ہوئے وہ خود کو کبھی حویلی اور کبھی ہاسپٹل میں چلتا پھرتا محسوس کر رہی تھی۔
صبح تک نبیل کا بخار اُتر چکا تھا۔ بڑے بھیا اُٹھتے ہی نیچے اُتر کر آئے۔ اُس وقت وہ نبیل کو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کرا رہی تھی۔ بڑے بھیا کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھنے لگی کہ انہوں نے ہاتھ سے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا پھر نبیل کے قریب آ کر پوچھنے لگے۔
"اب کیسی طبیعت ہے بیٹا؟"
"پاپا! میں تو رات کو آپ کے پاس سویا تھا پھر پھوپھو کے پاس کیسے آ گیا؟" اُن کی بات کا جواب دینے کی بجائے نبیل غالباً جو سوچ رہا تھا وہی پوچھ لیا۔
"آپ کو میں لے کر آئی تھی۔" بڑے بھیا سے پہلے وہ بول پڑی۔
"اب بخار تو نہیں ہے اسے؟" بڑے بھیا اُس سے پوچھنے لگے۔
"نہیں بھیا! بالکل نہیں ہے۔ آپ بیٹھیں ناں۔" اُس نے پھر اُٹھنا چاہا۔
"بس چلتا ہوں، تم اس کا خیال رکھنا۔" بڑے بھیا جاتے کیوں نظریں چرا کر بولے اور فوراً کمرے سے

نکل گئے۔

"پھوپھو! مما کہاں ہیں؟" نبیل نے پوچھا تو وہ جو بڑے بھیا کے جانے پر اُن کے پیچھے دیکھ رہی تھی چونک کر بولی۔

"سو رہی ہیں۔ چلو تم جلدی سے یہ ختم کرو پھر احمر اور سونیا آجائیں گے تو تم اُن کے ساتھ باتوں میں لگ جاؤ گے۔"

"بس پھوپھو۔ اچھا نہیں لگ رہا۔" نبیل نے منہ بنایا تو اُس نے چمچ واپس ٹرے میں رکھ دیا۔ اور اُسے آرام سے بیٹھنے کی تاکید کرتے ہوئے ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس کے امتحانوں میں صرف دو مہینے رہ گئے تھے۔ اور وہ بالکل اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی۔ سب جانتے تھے امتحانوں کی وجہ سے وہ سب سے کٹ جاتی ہے اور کوئی اُسے ڈسٹرب بھی نہیں کرتا تھا۔ پھر اب تو اُس کا آخری سال تھا۔ اس لیے میمونہ بھابی بھی اس کے کمرے میں کم ہی آتی تھیں۔ ورنہ انہیں کہاں چین آتا تھا جب تک گھنٹوں کے حساب سے اُس سے باتیں نہ کریں۔ اُن کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔

اب بیچاری سارا وقت اماں جی کے پاس بیٹھی اُن کی سُنتی رہتی تھیں۔ کسی کسی وقت اُسے چائے دینے جاتیں تو اُس کی بیزار شکل دیکھ کر وہ مسکرا کر کہتی۔

"بس بھابی کچھ دِنوں کی بات ہے پھر ہم بہت فراغت سے مل بیٹھیں گے۔"

"یہ کچھ دن ہی تو نہیں گزر رہے۔" اُس وقت اُس کے تسلی دینے پر وہ اُکتا کر بولیں۔

"اچھا چلیں میرے چائے پینے تک آپ یہیں بیٹھ جائیں۔ اور اتنے وقت میں جتنا بول سکتی ہیں بولیں۔" اُسے اُن پر رحم آگیا۔ کتاب بند کر کے ایک طرف رکھی اور چائے کا کپ اٹھا کر پوری طرح اُن کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میمونہ بھابی بہت خوش ہو کر بیٹھیں لیکن پھر فوراً ہی کھڑی ہو گئیں۔

"کیا ہوا؟" وہ حیران ہوئی۔

"اس وقت نہیں بیٹھ سکتی۔ مہمان کو چائے وغیرہ بھجوانی ہے۔" میمونہ بھابی نے عجلت میں بتایا۔

"کون آیا ہے؟" اُس نے یونہی پوچھ لیا۔

"وہ آیا ہے عدیل کے ساتھ۔ کیا نام ہے اس کا شاہ سکندر۔" میمونہ بھابی ایسے ہی عجلت میں بتاتے ہوئے چلی گئیں۔ اگر ایک لمحہ بھی ٹھہرتیں تو اُس کی دھڑکنوں کی آواز سن سکتی تھیں۔

کیسا انوکھا خوشگوار سا احساس تھا کہ وہ یہیں اس کے آس پاس موجود ہے۔ ایک پل کو پلکیں موند کر اُس نے اُس کی موجودگی کو شدت سے محسوس کیا۔ پھر جلدی سے چائے پی کر خالی کپ رکھنے کے بہانے کچن میں آئی تو عدیل بھائی میمونہ بھابی سے کہہ رہے تھے۔

"چائے فرسٹ کلاس ہونی چاہیے بھابی اور یہ ٹرالی میں کیا سجا رکھا ہے آپ نے۔ ہٹائیے یہ سب میں اور سامان لے کر آتا ہوں۔"

"اوفوہ۔ تم تو یوں کر رہے ہو، جیسے کوئی نواب آیا ہو۔" میمونہ بھابی کچھ جھنجھلا کر بولیں۔

"نواب سے کم بھی نہیں۔" عدیل بھائی کہتے ہوئے بہت تیزی میں باہر نکل گئے۔ تب وہ آگے بڑھ کر آئی اور ٹرالی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

"یہ سب ٹھیک تو ہے اور کیا چاہیے عدیل بھائی کو!"

"پتا نہیں، ایسے ہی اس کے آنے پر بوکھلا جاتا ہے۔ خیر تم ہٹاؤ یہ سب۔" میمونہ بھابی نے کہا تو وہ ٹرالی میں رکھی مختلف لوازمات سے بھری پلیٹیں نکال کر ریک پر رکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد عدیل بھائی جانے کیا کچھ لے کر آگئے۔ اور شاپر اُسے تھما کر میمونہ بھابی سے کہنے لگے۔

"بھابی پلیز۔ اب آپ اندر لے آئیے گا۔"

"نہیں بھئی، میں تمہیں پکار لوں گی، خود ہی آکر لے جانا۔" بھابی نے خود پر نظر ڈالتے ہوئے گویا اپنے خراب حلیے کا احساس دلایا۔ تب وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

"میں لے آؤں گی بھابی۔ آپ جائیں۔" عدیل بھائی نے کچھ چونک کر اُسے دیکھا لیکن وہ شاپر کھولنے میں مصروف ہو چکی تھی۔ پھر نئے سرے سے ٹرالی سجا کر میمونہ بھابی کو اس میں چائے رکھنے کا کہا اور ہاتھوں سے بال ٹھیک کرنے لگی۔

"میرا خیال ہے دوپٹہ کوئی ڈھنگ کا اوڑھ لو۔" میمونہ بھابی نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" پھر ٹرالی دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئی تو سامنے ابا جی کو بیٹھے دیکھ کر قدرے جھجک کر دروازے کے پاس ہی رک گئی۔ پھر وہیں سے پلٹنا چاہتی تھی کہ ابا جی نے آگے آنے کا اشارہ کر دیا۔

"السلام علیکم۔" شاہ سکندر اُسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں جو چمک لہرائی تھی اُسے یکسر نظر انداز کر کے وہ سادہ سے انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" اُس نے ذرا سا سر ہلانے کے ساتھ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر عدیل بھائی کو یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو میرے لیے کیا حکم ہے۔ اور عدیل بھائی اُسے میزبانی کے فرائض سونپ کر خود اطمینان سے اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پتا نہیں دونوں کس موضوع پر بات کر رہے تھے۔ جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا دوبارہ وہیں سے شروع ہو گیا۔ اُس نے ٹرالی میں سے نکال کر تمام لوازمات ٹیبل پر رکھے پھر چائے بنانے کے لیے ٹرالی کھینچتے ہوئے ابا جی کے پاس آبیٹھی۔

"یہ اتنا تکلف کر ڈالا آپ نے۔" عدیل بھائی کے کہنے پر وہ ٹیبل کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں ہے آپ لیں تو۔" عدیل بھائی نے پلیٹ اٹھا کر اُس کی طرف بڑھائی تو وہ کہنے لگا۔

"پہلے ابا جی کو۔"

"تم لو بیٹا! میں بس چائے پیوں گا۔" ابا جی نے کہا تو اُس نے ایک اچٹتی نظر اُس پر ڈالی جو ٹرے میں کپ سیدھے کر رہی تھی پھر ایکدم سر اونچا کر کے اُس سے پوچھنے لگی۔

"آپ چینی کتنی لیں گے؟"

"ایک چمچ۔" وہ اُس کے اجنبی انداز پر محظوظ ہو کر بولا۔ پھر پوچھنے لگا۔ "آپ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"بس اب تو ڈاکٹر بننے والی ہے۔" اُس سے پہلے عدیل بھائی بول پڑے۔

"اچھا۔ مرہم پٹی وغیرہ کر لیتی ہیں۔" شاہ سکندر نے ازراہِ مذاق کہا تو وہ بھی اُسی کے انداز میں بولی۔

"مرہم پٹی نہیں چیر پھاڑ بھی کر لیتی ہوں۔" شاہ سکندر کے ساتھ عدیل بھائی بھی بے ساختہ ہنسے اور ابا جی اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"میری بیٹی بہت قابل ہے۔"

"اسی لیے میں کہتا ہوں ابا جی کہ اسے ایف آر سی ایس کے لیے باہر بھیج دیں۔" عدیل بھائی نے کہا تو اُس نے چونک کر انہیں دیکھا لیکن دھیان ابا جی کی طرف تھا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں اور ابا جی نے اُن کے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ موضوع ہی بدل گئے۔

"شاہ سکندر کچھ لے نہیں رہے۔ لو ناں بیٹا۔" اور اُس نے دیکھا شاہ سکندر اطمینان سے ہو گیا تھا۔

تب وہ باری باری سب کو چائے تھما کر کمرے سے نکل آئی۔ احمر اور نبیل برآمدے میں بیٹھے کیرم بورڈ کھیل رہے تھے۔ اُس نے کچھ دیر رُک کر اُن کے کھیل کو دیکھا پھر اماں جی کے کمرے میں آگئی۔ میمونہ بھابی بھی وہیں موجود تھیں۔ اُسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

"مہمان چلا گیا؟"

"نہیں میں چلی آئی۔" اپنے ہی کسی خیال میں رہ کر اُس نے کہا اور اماں جی کے پاس بیٹھ گئی۔

تپتی ہوئی طویل دوپہریں ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھیں۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے شہر بالو نے ٹیرس پر رک کر دور تک نظر ڈالی تیز دھوپ میں ہر شے چمک رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں زیادہ دیر تک دھوپ میں نہیں دیکھ سکیں۔ اس طرف سے رخ موڑا تو آنکھوں کے سامنے دائرے سے بننے لگے۔ کچھ دیر بعد منظر صاف ہوا تو تب وہ سست روی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ ان طویل دوپہروں میں ہمیشہ وہ بھرپور نیند لیا کرتی تھی۔

لیکن جب روز سے شاہ سکندر نے اپنا بوجھ اُس کے کاندھوں پر ڈالا تھا۔ دوپہر تو کیا رات کی نیندیں بھی اُچاٹ ہو گئی تھیں۔ اور خود شاہ سکندر کتنے آرام سے تھا۔ اُس کا اطمینان دیکھ کر تو شہر بالو کے اندر الاؤ دہک اٹھتا تھا۔ یعنی اُسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کتنی محبتوں کا خون کرنے جا رہا ہے۔ اپنی محبت میں اتنا خود غرض ہو گیا کہ بہن کا بھی خیال نہیں اُلٹا اپنا بوجھ اُس پر ڈال دیا۔

”بی بی جان سے کہہ دینا میں مہر النساء سے شادی نہیں کروں گا۔“ آج صبح بھی وہ اُسے بہت تاکید سے کہہ گیا تھا اور اُس کے لیے بی بی جان تک اُس کا پیغام پہنچانا کچھ مشکل تو نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد اٹھنے والے طوفان کو سوچ کر ہی وہ اب تک خاموش تھی۔ جانتی تھی کہ اس طوفان میں اس کا بھی اتنا ہی نقصان ہو گا جتنا مہر النساء کا۔ اتنے دن اُس نے بہت کوشش کی خود کو فریب دینے کی کہ شاہ سکندر کا انکار اُس کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ نہیں تھا کہ اُسے اپنی یا شاہ ہارون کی محبت پر بھروسا نہیں تھا۔ بہت یقین تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی خاندانی روایات کو بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لیے اپنے دل میں کسی خوش فہمی کو جگہ نہیں دے سکی۔

مسلسل ذہنی انتشار کے باعث اُسے اپنا وجود کسی نامعلوم شکنجے میں جکڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ شام میں بی بی جان کے بلانے پر وہ اُن کے کمرے میں آئی تو دل چاہا اُن کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ کم از کم دل کا بوجھ تو ہلکا ہو ہی جائے گا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکی۔ کیونکہ بی بی جان پہلے ہی کچھ برہم دکھائی دے رہی تھیں۔

”سکندر آج پھر کراچی گیا ہے۔“ وہ جیسے ہی بیٹھی بی بی جان کہنے لگیں: ”میں نے تمہارے بابا جان سے پوچھا ہے اُن کا تو ایسا کوئی کام نہیں ہے پھر سکندر کس کام سے ہر چوتھے دن کراچی بھاگا جاتا ہے۔“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ فوری طور پر وہ یہی کہہ سکی کیونکہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ بی بی جان اُسے شاہ سکندر کا یہ نیا معمول بتا رہی ہیں یا اُس سے سوال کر رہی ہیں۔

”کیوں اُس روز تمہیں بھی تو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ کوئی خاص خریداری بھی نہیں کی تم نے پھر سارا دن کہاں رہے؟“ بی بی جان نے اُسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

”میں سارا دن بھائی کے ساتھ نہیں تھی بی بی جان! وہ مجھے اپنے دوست احمد حسن کے گھر چھوڑ کر کسی کام سے چلے گئے تھے۔ سہ پہر میں واپس آئے تب مجھے شاپنگ کے لیے لے گئے اور وہاں سے ہم سیدھا یہاں چلے آئے تھے۔“ اُس نے کچھ رُک کر صاف گوئی سے بتایا تو بی بی جان پوچھنے لگیں۔

”احمد حسن کے گھر کون کون ہے؟“

”اُن کی والدہ اور چھوٹی بہن۔ دونوں بہت اچھی ہیں۔ مجھ سے بہت محبت سے ملیں۔“ اُس نے بتانے کے ساتھ تعریف بھی کی۔

”سکندر کے سامنے آتی ہیں وہ خواتین، پردہ نہیں کرتیں۔“ بی بی جان کے مشکوک انداز پر وہ جز بز ہو کر بولی۔

”نہیں۔“

”ہوں۔“ بی بی جان ہنکارا بھر کر جانے کیا سوچنے میں لگ گئیں۔ اُسے اُلجھن ہونے لگی۔ قدرے توقف سے ہمت کر کے بولی۔

”آپ شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں بی بی جان سکندر بھائی نائلہ کو بالکل بہنوں کی طرح سمجھتے ہیں۔“ بی بی جان نے ایسی تیز نظروں سے گھورا کہ وہ اندر ہی اندر سہم کر رہ گئی۔ اور وہاں سے اٹھنے کا بہانہ

سوچنے لگی۔

”شہر بالو! میں تمہاری ماں ہوں۔ مجھ سے اگر تم کچھ چھپانا بھی چاہو گی تو نہیں چھپا سکو گی۔“ بی بی جان نے پہلے اُسے گویا تنبیہہ کی پھر کہنے لگیں۔

”میں دیکھ رہی ہوں۔ جس روز سے تم سکندر کے ساتھ کراچی سے ہو کر آئی ہو پریشان ہو۔ ایسی کیا بات ہوئی ہے وہاں یا تم نے کیا دیکھا ہے؟“

”میں کچھ نہیں جانتی بی بی جان!“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

”کیا نہیں جانتیں؟“ بی بی جان نے اُس کا رونا قصداً نظر انداز کر دیا۔ اور ایسے چبھتے لہجے میں پوچھا کہ وہ ڈر کر جلدی سے بولی۔

”آسیہ کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔ بھائی نے بھی زیادہ کچھ نہیں بتایا بس اتنا کہا ہے کہ وہ مہر النساء سے شادی نہیں کریں گے۔“

”کیا؟“ بی بی جان چکرا گئیں۔ ”یہ۔ یہ کب کہا سکندر نے تم سے؟“

”اُسی روز، جب میں اُن کے ساتھ کراچی گئی تھی۔“ بمشکل مرحلے سے گزر کر اب وہ قدرے پُرسکون ہو گئی تھی۔

”اور تم نے اُسی روز مجھے کیوں نہیں بتایا؟“

”بتانا چاہتی تھی اور بھائی نے تو بہت تاکید کی تھی کہ میں فوراً آپ کو بتا دوں لیکن میری ہمت نہیں پڑی۔“ اُس نے صاف گوئی سے اپنی بے بسی ظاہر کی تو بی بی جان کچھ دیر تک اُسے دیکھتی رہیں پھر گہری سانس کے ساتھ جیسے اپنے آپ سے بولیں۔

”تو شاہ سکندر کسی لڑکی کے چکر میں ہر تیسرے چوتھے روز کراچی بھاگتا ہے۔“ پھر ایکدم نرم پڑ کر اُس کا ہاتھ تھپک کر کہنے لگیں۔

”تم اپنے دل و دماغ پر کوئی بوجھ مت ڈالو۔ ماں باپ کے ہوتے تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ اور سنو ابھی یہ بات اپنے تک ہی رکھنا۔“

”جی۔“ اُس نے جھکے ہوئے سر کو آہستہ سے ہلایا پھر پوچھنے لگی۔ ”میں جاؤں بی بی جان؟“

”ہاں اور دیکھو سکندر آئے تو اُسے میرے پاس بھیج دینا۔“ بی بی جان کی اجازت ملتے ہی وہ اُن کے کمرے سے نکل آئی۔

بڑی بھابی پتا نہیں کس بات پر جیراں کو ڈانٹ رہی تھیں۔ وہ یکسر نظر انداز کر کے راہداری میں مُڑ گئی اور وہاں سے برآمدے میں نکل آئی۔ شاہ سکندر نے صبح اُسے اپنے جانے کا بتایا تھا لیکن واپسی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا اور جانے آج اُس کی واپسی ممکن تھی یا نہیں۔ وہ کتنی دیر تک روش پر ٹہل کر اُس کا انتظار کرتی رہی۔ پھر تھک کر فوارے کی منڈیر پر آ بیٹھی۔ دن بھر کی گرمی کے بعد اب کچھ ہوا چلنے لگی تھی۔ شاہ یونس حیات اور شاہ جہانگیر حیات کے بچے یوں بھاگتے ہوئے کمروں سے نکلے جیسے انہیں قید سے رہائی ملی ہو۔ اُن کے شور پر وہ آپ ہی آپ اُن کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور کچھ دیر تک انہیں کھیلتے اور ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اُکتا کر اٹھنے کو تھی کہ بڑے گیٹ سے داخل ہوتی جیپ کو دیکھ کر اُس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اُس کا دھیان شاہ سکندر کی طرف تھا۔ اور وہ انتظار بھی اُسی کا کر رہی تھی۔ لیکن اُس کی بجائے شاہ ہارون کے ساتھ مہر النساء کو دیکھ کر اُس کا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا۔ ہمیشہ کی طرح وہ بے اختیار مہر النساء کی طرف لپکی بھی نہیں بلکہ اسی طرح اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ شاہ ہارون نے اندر جاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اُسے سلام کیا تب وہ کچھ ہوش میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اور مہر النساء کو دیکھ کر کوشش سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”آنا ہی تھا تو صبح سے آ تیں۔“

”باقاعدہ پروگرام کے تحت نہیں آئی۔ وہ تو ابھی ہارون بھائی آ رہے تھے مجھ سے پوچھا چلو گی اور میں چل پڑی۔“ مہر النساء نے یوں بتایا جیسے اُس کے من کی مراد بر آئی ہو۔

"اچھا کیا۔ آؤ اندر چلیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح مہرالنساء کو چھیڑنے کی بجائے نظریں چرا کر بولی۔

"تم یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی تھیں؟" مہرالنساء نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے یونہی پوچھ لیا اور وہ بلاارادہ سچ بول گئی۔

"میں سکندر بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔"

"کہاں گئے ہیں؟" مہرالنساء کے لہجے میں ہمیشہ والی بے قراری تھی۔ اور اس بار وہ سنبھل کر بولی۔

"کراچی۔ اصل میں، میں نے اُن سے کچھ چیزیں منگوائی تھیں خصوصاً دو تین ناول جن کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ اور میں نے بھائی سے کہا بھی تھا کہ آج مجھے ہر حال میں مل جانے چاہئیں۔ لیکن دیکھو ابھی تک نہیں آئے۔"

"بہت غیر ذمہ دار ہیں تمہارے بھائی اور لاپرواہ بھی۔" مہرالنساء نے کہا تو وہ ہمیشہ کی طرح اُسے جھٹلا نہیں سکی۔ بلکہ یوں بن گئی جیسے اُس کی بات سُنی ہی نہیں۔ اور اندر داخل ہو کر کہنے لگی۔

"تم بی بی جان سے مل تو پھر اوپر آ جانا۔ بی بی جان اپنے کمرے میں ہوں گی۔" مہرالنساء کچھ کہے بغیر بی بی جان کے کمرے کی طرف مُڑ گئی اور وہ اوپر چلی آئی۔

اس وقت مہرالنساء کی آمد نے اُسے خاصا پریشان کر دیا تھا۔ کیونکہ ذہنی طور پر وہ بہت اپ سیٹ تھی۔ اور اُسے خدشہ تھا کہ کہیں مہرالنساء کے سامنے بے دھیانی میں وہ کوئی ایسی بات نہ کہہ جائے جو اُسے شبے میں مبتلا کر دے۔ جبھی اُس کے اوپر آنے تک وہ مسلسل خود پر قابو پانے میں لگی رہی۔

"اُف، اتنی گرمی میں کیسے بیٹھی ہو۔ پردے تو ہٹا دو۔" مہرالنساء نے کمرے میں آتے ہی کہا تو اُس نے جلدی سے پہلے پنکھے کا بٹن آن کیا پھر کھڑکی سے پردے ہٹانے لگی۔ مہرالنساء نے اپنا بڑا سا دوپٹہ اُتار کر ایک طرف رکھا پھر کھڑکی کے قریب آ کر اندھیرے میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"بارش ہونے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ لیکن شکر ہے ہوا چلنے لگی ہے۔ دن میں کتنی گرمی تھی۔"

"ہوں۔" وہ اپنے ذہن کو حاضر رکھنے کی خاطر پوری توجہ سے اُس کی بات سن رہی تھی۔ لیکن جواب میں صرف ہوں کہہ کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟" کچھ دیر بعد مہرالنساء اُس کی خاموشی محسوس کر کے ٹوکتے ہوئے بولی۔ "آج تم کچھ چُپ چُپ سی ہو۔ بی بی جان نے بھی زیادہ بات نہیں کی۔"

"بی بی جان آج کچھ غصے میں ہیں۔" اُس نے یونہی بات بنا ڈالی۔

"خیریت؟"

"ہاں بس۔" وہ اسی قدر کہہ سکی پھر فوراً موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگی۔ "یاد آیا مہرو۔ میں کراچی سے بہت اچھے گانوں کی کیسٹیں لائی ہوں سنو گی؟"

"ضرور۔" مہرالنساء نے اشتیاق سے کہا تو وہ فوراً ریک کے پاس آ کر کیسٹ دیکھنے لگی۔ لیکن پھر یاد آیا کہ اُس روز اُس نے ساری چیزیں الماری میں رکھ دی تھیں۔ ریک چھوڑ کر الماری کھولی اور جیسے ہی شاپر نکالنے لگی آگے رکھا مہرالنساء کا پیکٹ جو اُس نے شاہ سکندر کے لیے دیا تھا۔ نیچے آ رہا جسے اُس سے پہلے ہی مہرالنساء نے لپک کر اُٹھا لیا اور بہت خاموش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہارا وقت کتنا قیمتی ہے۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب جب تک تم امتحانوں سے فارغ نہیں ہو جاؤ گی تب تو کیا تمہارے خیالوں میں بھی نہیں آؤں گا۔" شاہ سکندر کے بلانے پر وہ آ تو گئی تھی لیکن خفا بھی تھی جبھی وہ اُس سے آئندہ احتیاط کا وعدہ کرتے ہوئے بولا۔ تو اُس کی آخری بات پر وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کی خاطر چہرہ موڑ کر لہروں کی سرکشی دیکھنے لگی۔ لیکن وہ اُس کی مسکراہٹ دیکھ چکا تھا۔ پھر بھی قصداً انجان بن کر چند قدم آگے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ قریب آ کر پوچھنے لگی۔

"جب آپ جانتے ہیں میرا لمحہ لمحہ قیمتی ہے پھر ملنے پر اتنا اصرار کیوں تھا؟"

"میں شاہ پور جانے سے پہلے یہ یقین چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے حالات میں تم میرا ساتھ دو گی۔" شاہ سکندر

اُس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ کچھ اُلجھ سی گئی۔ اور اُس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ اِدھر اُدھر یوں دیکھنے لگا۔ جیسے بیٹھنے کی جگہ تلاش کر رہا ہو۔ پھر جیسے اپنے آپ سے بولا۔

"میرا خیال ہے یہاں ٹھیک نہیں ہے آؤ اُدھر ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔" وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے اُس کے ساتھ چل پڑی۔ ریسٹورانٹ میں داخل ہو کر شاہ سکندر نے ایک ٹیبل کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اُسے وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اپنی مدد آپ کے تحت ٹرے اٹھا کر اُس میں سینڈوچز اور ڈرنکس رکھنے لگا۔ پھر آ کر ٹرے اُس کے سامنے رکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"لیجیے مادام آپ کے لیے۔"

"پلیز۔" آسیہ نے ہاتھ اٹھا کر اُسے مزید بولنے سے روک دیا اور اُس کے بیٹھنے پر کہنے لگی۔

"میرے صبر کا امتحان آپ پھر کبھی لے لیجیے گا۔ اس وقت میں سخت اُلجھن محسوس کر رہی ہوں۔"

"سوری! میں تمہیں اُلجھانا یا پریشان کرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی تم پریشان ہونا۔" وہ ایکدم سنجیدہ ہو کر بولا۔

"کیا کوئی ایسی بات ہے؟" آسیہ کے لہجے میں آپ ہی آپ اندیشے سمٹ آئے تو وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر قصداً مسکرایا پھر کہنے لگا۔

"پتا نہیں تم کیا سمجھ رہی ہو۔ میں تو تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے امتحانوں کے فوراً بعد میں اپنے گھر والوں کو لے آؤں گا۔ تمہیں یا تمہارے گھر والوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا ناں۔" وہ جو اُس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اُس کی بات پر نہ شرمائی نہ لجائی اسی طرح اُسے دیکھتی رہی پھر پلکیں جھکا کر بولی۔

"میرا خیال ہے اصل بات کچھ اور ہے۔"

"اصل بات یہی ہے۔ باقی ساری باتیں اس کے بعد کی ہیں۔" وہ فوراً بولا۔

"میں سُن رہی ہوں۔ آپ بلاجھجک باقی ساری باتیں بھی کہہ ڈالیے۔" وہ میز کی شفاف سطح پر انگلی سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے بولی تو وہ کچھ دیر تک اُس کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھتا رہا پھر سوچ کر کہنے لگا۔

"مجھے غلط نہیں سمجھنا آسیہ! میں تمہارے ساتھ اتنا ہی مخلص ہوں جتنا اپنے آپ کے ساتھ۔ میں نے تمہیں دیکھا، پسند کیا اور پھر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر کے ہی میں نے تمہاری طرف پیش رفت کی۔ اگر محض دوستی یا وقت گزاری کا خیال ہوتا تو میں کبھی تمہارے گھر تک نہ پہنچتا۔ بہرحال مجھے یقین ہے تمہارے گھر میں کوئی بھی مجھے ناپسند نہیں کرتا۔ لیکن اصل مسئلہ میرے گھر کا ہے۔ جہاں برادری سے باہر شادی کا تصور ہی نہیں ہے۔" وہ جو سر جھکائے سکون سے اُس کی بات سُن رہی تھی۔ ذرا سی پلکیں اٹھا کر اُسے دیکھنے لگی لیکن وہ اُسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ جبھی رُکا نہیں۔

"صرف جائیداد کی وجہ سے آپس ہی میں رشتے طے کر دیے جاتے ہیں۔ اگر اچانک تم نے آ کر میری زندگی میں ہلچل نہ مچائی ہوتی تو شاید بلکہ یقیناً میری زندگی کی ناؤ بھی ایک مخصوص دھارے پر بہہ نکلتی لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں تم سے ہٹ کر سوچ بھی نہیں سکتا اور میری پہلی کوشش یہی ہو گی کہ میرے والدین خوشی سے میرے فیصلے کو قبول کر لیں۔ دوسری صورت میں۔" وہ خاموش ہو کر ایکدم اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ تو وہ ہونٹ بھینچ کر نظروں کا زاویہ بدل گئی۔ شاہ سکندر سمجھ نہیں پایا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ قدرے توقف سے کہنے لگا۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ دوسری صورت میں کیا ہو گا؟"

"میں جانتی ہوں، دوسری صورت میں آپ سب چھوڑ کر چلے آئیں گے۔" اُس نے کہا تو وہ فوراً بے تابی سے بولا۔

"اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس صورت میں تم میرا کتنا ساتھ دو گی۔" اُس کی بے تابی شدت سے محسوس کرنے کے باوجود وہ فوراً جواب دینے کی بجائے سوچ کر بولی۔

"گو کہ میرے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار میرے والدین کو ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں میری مرضی کے بغیر وہ خود سے کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، اور شاہ سکندر حیات آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ میری زندگی میں اُس مقام پر فائز ہو چکے ہیں۔ جہاں آپ سے پہلے کوئی تھا نہ آپ کے بعد کوئی ہو سکتا ہے۔"

"آسیہ!" شاہ سکندر نے بے اختیار اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ تو وہ گھبرا کر بولی۔

"پلیز، کچھ خیال کریں۔"

"سوری!" وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"میرا خیال ہے چلنا چاہیے۔" وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔ اور فوراً کھڑی بھی ہو گئی تو مجبوراً شاہ سکندر کو اٹھنا پڑا۔

واپسی کے راستے میں وہ قصداً اس موضوع سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ اور جب وہ اسٹاپ پر اُترنے لگی تب رُک رُک کر کہنے لگا۔

"سنو، تم ابھی کچھ مت سوچنا۔ میرا مطلب ہے اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالنا۔ ہو سکتا ہے تمہارے امتحانوں کے بعد جب میں آؤں تو میرے ساتھ بی بی جان اور بابا جان بھی ہوں۔" وہ کیا کہتی۔ ذرا سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ پھر نیچے اُتر کر اُسے دیکھنے لگی تو وہ مسکرا کر بولا۔

"جلدی آؤں گا۔ خدا حافظ۔" اس کے ساتھ ہی گاڑی آگے بڑھائی اور ویو مرر میں اُسے دیکھتا رہا۔ لمحہ بہ لمحہ دور ہونے کے باوجود اُسے اپنے ساتھ ساتھ محسوس ہو رہی تھی۔

شاہ سکندر تمام راستہ یہی سوچتا آیا تھا کہ اگر شہر بانو نے بی بی جان کو آسیہ کے بارے میں بتایا ہو گا تو اب وہ خود ہی پہلی فرصت میں بی بی جان سے بات کرے گا۔ کیونکہ اب زیادہ دن نہیں تھے۔ اور وہ جانتا تھا کہ بی بی جان اور بابا جان آسانی سے نہیں مانیں گے، اگر مہر النساء سے اس کی بات طے نہ ہوئی ہوتی تب بھی اُن کا ماننا مشکل تھا۔ اور اب تو ظاہر ہے اُن کے پاس جواز موجود تھا۔ حویلی آتے ہی اُس نے سیدھا اپنے کمرے کا رُخ کیا۔ خیال تھا شاور لینے کے بعد پہلے شہر بانو سے بات کرے گا۔ لیکن جیسے ہی شاور لے کر نکلا اُسی وقت بی بی جان اُس کے کمرے میں آگئیں۔ انہیں دیکھ کر وہ حیران ہونے کے ساتھ کچھ نادم ہو کر بولا۔

"میں ابھی آپ ہی کے پاس آ رہا تھا بی بی جان ——" بی بی جان اُس کے بیڈ پر آرام سے بیٹھ گئیں اور اُس کی بات یکسر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"کراچی سے آ رہے ہو؟"

"جی۔" وہ دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ لیکن اُن کے چہرے پر کوئی غیر معمولی تاثر نہیں تھا۔

"ٹھہرے کہاں تھے؟"

"جی ہوٹل میں۔"

"وہاں کوئی بنگلہ کیوں نہیں خرید لیتے۔ اکثر جانا ہوتا ہے۔ تمہارے بابا جان بھی جاتے رہتے ہیں اپنا گھر ہونا چاہیے۔ میں کہوں گی تمہارے بابا جان سے۔" بی بی جان نے سرسری سے انداز میں کہا پھر کہ وہ اُن کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"بیٹھیں ناں بی بی جان، کہاں جا رہی ہیں؟"

"میں تمہارے لیے چائے بھجواتی ہوں۔ سفر سے آ رہے ہو۔"

"ہاں چائے کی خواہش تو ہے۔ لیکن آپ بیٹھیں میں جیراں سے کہہ آتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ زینہ اُترتے ہی جیراں نظر آگئی۔ اُسے جلدی سے چائے لانے کا کہہ کر وہ وہیں سے پلٹ آیا اور بی بی جان کے پاس بیٹھتے ہی بس اچانک بلا ارادہ ہی کہنے لگا۔

"بی بی جان! وہ شہر بانو نے آپ کو بتایا ہو گا۔ میرا مطلب ہے۔ آسیہ کے بارے میں۔"

بی بی جان بہت خاموش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی تھیں۔ وہ اپنے آپ رُک گیا۔ اور محض اُن کی نظروں سے بچنے کی خاطر اُٹھ کر کھڑکی سے ذرا سا پردہ سرکایا پھر وہیں سے کہنے لگا۔

"اگر نہیں بتایا تو میں بتا رہا ہوں کہ میں آسیہ کو پسند کرتا ہوں۔ اور اُس سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

کتنی دیر بعد اُسے احساس ہوا کہ بی بی جان نے کچھ کہا نہیں۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک پل کو اُس کی رگوں میں لہو کی گردش تھم گئی تھی۔ سامنے بابا جان کھڑے تھے۔

❁ ❁ ❁

شاہ سکندر نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں خود پر قابو پا لیا اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"بڑی مبارک ساعت ہے کہ بی بی جان اور بابا جان میرے کمرے میں موجود ہیں۔ ایسے موقع پر وہ کیا کہتے ہیں، کبھی ہم اُن کو۔"

"سکندر حیات! ہمیں چکر دینے کی کوشش مت کرو، تم جانتے ہو ہم ہیرا پھیری پسند نہیں کرتے۔" بابا جان نے ٹوکتے ہوئے غضب ناک لہجے میں کہا تو وہ اُن کے غضب سے مرعوب ہوا بھی تو ظاہر نہیں کیا بلکہ بہت سنبھل کر بولا۔

"میں بھی ہیرا پھیری پسند نہیں کرتا بابا جان، پوچھ لیجیے بی بی جان سے۔ سیدھے صاف لفظوں میں میں نے انہیں بتایا ہے کہ۔"

"ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے برخوردار۔ ہم تمہاری بات سن چکے ہیں۔ اب تم سن لو کہ ہمارے فیصلے پتھر کی لکیر ہوتے ہیں۔"

بابا جان نے فوراً ہی اس انداز میں اُس پر واضح کیا کہ مزید اس سلسلے میں کچھ نہیں سنیں گے اور وہ بھی فوراً بول پڑا۔

"میں آپ کے فیصلے کو چیلنج نہیں کر رہا بابا جان!"

"پھر تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"آپ دھیرج سے میری بات سنیں۔" وہ چاہتا تھا سہولت سے بیٹھ کر اپنا مدعا بیان کرے۔ لیکن بابا جان آمادہ نہیں ہوئے۔

"ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔ اس لیے کہ مہر النساء سے تمہاری نسبت ہم نے بالا ہی بالا طے نہیں کی تھی۔ تم سے پوچھ کر تمہاری مرضی سے یہ رشتہ طے ہوا تھا۔ کیوں بولیں نہیں کی ماں؟" بابا جان نے ایکدم بی بی جان کو مخاطب کیا تو وہ جو بہت خاموشی سے باپ بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں۔ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"تو پوچھو اس سے کہ اب اسے مہر النساء میں کون سے عیب نظر آنے لگے جو۔"

"خدا کے لیے بابا جان! ایسی باتیں نہیں کریں۔" وہ عاجزی سے بولا۔ "میں ایسے کسی سبب سے مہر النساء کو ریجیکٹ نہیں کر رہا۔ بلاشبہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"اور وہی اچھی لڑکی اس گھر کی بہو بنے گی۔" بابا جان کے حتمی انداز پر وہ ہونٹ بھینچ کر بی بی جان کو دیکھنے لگا۔ شاید وہ کچھ کہیں گی پھر اُن کی طرف سے مایوس ہو کر قدرے جرأت سے بولا۔

"کم از کم میں تو اُسے بیاہنے نہیں جاؤں گا۔"

"کیا کہا؟" انتہائی غصے سے بابا جان کی آواز پھٹ گئی۔ سُرخ آنکھوں سے اُسے دیکھتے ہوئے چند قدم آگے آ کر رُک گئے۔ اور کچھ دیر تک اُس پر نظریں جمائے رکھنے کے بعد کہنے لگے۔

"ہم اسی وقت تمہیں شوٹ کر سکتے ہیں۔ یا اگر چاہیں تو عاق کر کے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے نکال دیں۔ بات تو ایک ہی ہے۔ لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے، جانتے ہو کیوں؟"

اس قدر ٹھہرا ہوا سفاک لہجہ تھا کہ اس کڑیل جوان کا پورا وجود سن ہو گیا۔ بہت کوشش کے باوجود وہ

اُن کی طرف دیکھ نہیں سکا۔

"کیونکہ ابھی مہرالنساء کو اس حویلی کی بہو بننا ہے۔ جسے تم بیاہ کر لاؤ گے۔"

باباجان اُسے شوٹ نہ کرنے کا سبب بتا کر فوراً اُس کے کمرے سے چلے گئے۔ اور جب بی بی جان پیچھے جانے لگیں تب ایکدم ہوش میں آ کر وہ ایک ہی جست میں اُن کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اور اُن کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"بی بی جان! میں آپ کو اور باباجان کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔"

"اور کس طرح ناراض کرو گے؟" بی بی جان کے شاکی لہجے پر وہ زچ ہو کر بولا۔

"آپ میری بات تو سنیں۔"

"نہیں سکندر حیات! جو کچھ تمہارے باباجان کہہ گئے ہیں اُسے حرفِ آخر سمجھو۔"

بی بی جان نے اُس کی بات سننے سے صاف انکار کر دیا۔ تو گہری سانس کھینچتے ہوئے اُس نے اُن کے کندھوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے پھر اُن کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بولا۔

"کہہ دیجیے باباجان سے کہ مہرالنساء کو بیاہنے میں نہیں میری لاش جائے گی۔"

بی بی جان نے دہل کر اُسے دیکھا تھا۔

شاہ سکندر کے لیے کوئی بات غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا باباجان اور بی بی جان کو رام کرنا آسان نہیں ہوگا پھر بھی وہ مایوس نہیں تھا۔ اور ابھی تو بات شروع ہوئی تھی۔ اُس کے خیال میں پہلے مرحلے پر ہی باباجان اُسے شوٹ کرنے کی دھمکی دیں گے۔ پھر کچھ دن ناراضگی کا اظہار، اس کے بعد آپ ہی آپ مان جائیں گے۔ اُس وقت وہ یہی سب سوچتا ہوا اپنے کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ کھڑا ہوا۔ شام اُتر رہی تھی۔ پہلے اُسے بے پناہ خاموشی کا احساس ہوا یوں جیسے اُس کے آس پاس بلکہ پوری حویلی میں اور کوئی نہ ہو۔ پھر اچانک ہلچل مچ گئی۔ اُس نے ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر نیچے جھانک کر دیکھا۔ باباجان شاہ یونس کے ساتھ بہت تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اُن کے پیچھے دو تین ملازم بھاگنے کے باوجود درمیانی فاصلہ کم نہیں ہونے دے رہے تھے۔

اُس نے بہت خاموشی سے باباجان اور شاہ یونس کو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا اور جب گاڑی ہوتی حویلی کی حدود سے نکل کر سیاہ چمکتی ہوئی سڑک پر فراٹے بھرنے لگی تب اُسے پہلا خیال یہی آیا کہ اس وقت باباجان کہاں گئے ہیں۔ اور اس خیال کے ساتھ ہی وہ کچھ ٹھٹک گیا۔ کیونکہ یہ باباجان کے جانے کا وقت نہیں تھا۔ اور ابھی وہ اس غیر معمولی بات پر غور کر ہی رہا تھا کہ عقب سے شاہ جہانگیر نے اُسے پکارا۔

"سکندر!"

"جی بھائی!" وہ بے اختیار فوراً پلٹ کر انہیں دیکھنے لگا تو قریب آ کر انہوں نے یونہی پوچھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں، باباجان کو دیکھ رہا تھا، کہاں گئے ہیں؟" اُس کی سوچ آپ ہی آپ سوال کی صورت آ گئی۔

"باباجان! کہاں گئے ہیں؟" شاہ جہانگیر نے اُلٹا اُس سے پوچھا۔ انداز ایسا تھا جیسے انہیں جانے کی خبر ہی نہیں۔

"پتا نہیں، میں نے ابھی انہیں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ یونس بھائی بھی ساتھ تھے۔"

"اچھا، مجھے نہیں معلوم۔" شاہ جہانگیر کے بے نیازی دکھانے پر وہ خاموش ہو رہا تو اُس سے نظریں دوڑاتے ہوئے شاہ جہانگیر نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"شام ہو رہی ہے۔" پھر اُسے دیکھ کر بولے۔ "آؤ اندر چلتے ہیں۔"

"جی...!" وہ اُن کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔ ٹیوب لائیٹ آن کی پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"لگتا ہے۔ آپ کو بچے یاد آ رہے ہیں۔"

"ہاں یار! بس اب جلدی سے چھٹیاں ہوں تو جا کر انہیں لے آؤں۔" شاہ جہانگیر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"میرا تو خیال ہے بھائی! بچوں کو کراچی کے کسی اچھے اسکول میں داخل کروا دیں۔ قریب بھی ہے، ہر ویک اینڈ پر آ سکتے ہیں۔"

اُس نے کہا تو شاہ جہانگیر منہ بناتے ہوئے بولے۔

"نہیں یار! مجھے کراچی کی آب و ہوا پسند نہیں ہے۔ موسموں کا پتا ہی نہیں چلتا۔"

"ہوں۔" وہ کیا کہتا بس اُن کی تائید کر کے رہ گیا۔

"سنا ہے۔ تمہیں کراچی کا موسم راس آ گیا ہے۔"

شاہ جہانگیر نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ ذرا سا چونکا پھر اُن کا اشارہ سمجھ کر اُس کے ہونٹ بے ساختہ مسکراہٹ کی گرفت میں آ گئے۔ جبکہ نظروں میں وہ خوبصورت سراپا آن سمایا تھا جس کی خاطر وہ اپنی خاندانی روایات تو کیا ساری دنیا سے لڑ سکتا تھا۔ شاہ جہانگیر نے گہری نظروں سے اُسے کھوجا پھر کہنے لگے۔

"سخت حماقت کی ہے تم نے، جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"زیادہ سے زیادہ باباجان مجھے شوٹ کر دیں گے۔" اُس نے اتنے آرام سے کہا کہ شاہ جہانگیر کو واقعی مزید جھٹکا لگا۔ بے حد تاسف سے بولے۔

"بس اپنے بارے میں سوچ لیا تم نے، اور ہم سب؟ ہم سب کی کوئی اہمیت نہیں تمہاری نظر میں۔"

"یہ بات نہیں ہے بھائی!" وہ نظریں چرا گیا۔

"پھر؟"

"میں نے کوئی جرم، کوئی گناہ نہیں کیا۔ اپنی زندگی جینا چاہتا ہوں۔ آپ اگر جان ہی گئے ہیں تو میرے بجائے بی بی جان اور باباجان کو سمجھائیں۔"

"کیا سمجھاؤں؟" شاہ جہانگیر نے اپنی نشست کا انداز بدلتے ہوئے پوچھا تو وہ انہیں اپنی بات توجہ سے سننے پر آمادہ دیکھ کر کہنے لگا۔

"میں کوئی لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھنا چاہتا بھائی، سیدھی صاف بات یہ ہے کہ میں آسیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے اگر بی بی جان اور باباجان خوشی سے راضی ہو جائیں تو اچھی بات ہے دوسری صورت میں میں خود یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"گویا فیصلہ کر چکے ہو۔" شاہ جہانگیر نے کہتے ہوئے سگریٹ ہونٹوں میں دبایا اور سلگانے کے بعد کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں کچھ حادثات اچانک زندگی کا رُخ موڑ دیتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ ایک دم سے ہتھیار ڈال دے۔ اُس لڑکی کی طرف پیش رفت سے پہلے تمہیں کم از کم یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ بہن شہربانو اُس گھر میں منسوب ہے جہاں تمہاری نسبت ٹھہر چکی ہے۔"

"میں اگر یہ سب سوچتا تب بھی خود کو اُس کی طرف بڑھنے سے نہیں روک سکتا تھا۔"

اُس نے صاف گوئی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو شاہ جہانگیر نے بھنویں اچکا کر تعجب سے اُسے دیکھا پھر کہنے لگے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے جذباتی ہو، اور اب تو نادان بھی کہوں گا۔ کیا ضرورت تھی اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کی۔ کچھ حکمتِ عملی سے کام لیتے۔" اُس نے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا تو کہنے لگے۔

"ایکدم سے یہ کہہ دینا کہ مہرالنساء سے شادی نہیں کروں گا، حماقت کے ساتھ خود غرضی بھی ہے۔ کتنی زندگیاں متاثر ہوں گی تمہارے انکار سے اگر پہلے نہیں سوچا تو اب سوچو۔ چلو دوسروں کو چھوڑو صرف اپنے

بارے میں سوچ کر بتاؤ کہ یہاں سے نکل کر کیا کرو گے؟"
"ظاہر ہے آسیہ سے شادی۔" وہ بنا سوچے بول گیا تو شاہ جہانگیر ذرا سا مسکرائے۔
"تمہارے ذہن پر صرف آسیہ سوار ہے۔ بائی دا وے کیا کرتی ہے؟"
اُنہوں نے پہلی بار اُس لڑکی کے بارے میں اشتیاق سے پوچھا۔
"میڈیکل کے آخری سال میں تھی۔ میرا مطلب ہے آج کل فائنل امتحان دے رہی ہو گی۔"
وہ اُن کے سوال کا جواب دینے کے ساتھ آسیہ کی تعریف کرنے لگا۔
"بہت ذہین لڑکی ہے۔ میٹرک سے پوزیشن لیتی آ رہی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے مستقبل قریب کی کامیاب ڈاکٹر۔" اُنہوں نے سوچتے ہوئے انداز میں جیسے اپ
آپ سے کہا۔ پھر اُسے دیکھ کر تاسف سے بولے۔
"اسی لیے اتنے اطمینان سے ہو تم، بابا جان عاق کر دیں یا تم خود سب چھوڑ کر چلے جاؤ۔ آگے کوئی
نہیں کرنا پڑے گا تمہیں۔"
"نہیں جہانگیر بھائی۔" جوشِ جذبات سے اچانک اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
"اتنا بے غیرت نہیں ہوں میں کہ عورت کی کمائی پر تکیہ کرنے لگوں۔ میں اُسے نوکری کی اجازت
اُس وقت دوں گا جب میرے گھر میں اُس کے پیسے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"
"اور اس سے پہلے کیا کرو گے؟" شاہ جہانگیر کا انداز ہنوز تھا۔ ٹھہرا ہوا، دوستانہ، جیسے اُس سے
اگلوانے کا سوچ کر آئے ہوں۔
"میں خود کماؤں گا۔ نوکری یا کوئی چھوٹا موٹا بزنس۔"
"ہوں، یہی میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہاں سے نکل کر کیا کرو گے اور تم نے فوراً آسیہ سے
کی بات کر دی۔"
اُنہوں نے کہا تو وہ اپنی جلد بازی پر خجل سا ہو کر سر کھجانے لگا۔
"بہرحال، یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ اس لیے میرا مشورہ مانو، بابا جان
مت کرو۔" اُنہوں نے کہا تو وہ پھر فوراً بول پڑا۔
"میں آسیہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔"
"میں اُسے چھوڑنے کو نہیں کہہ رہا۔ اور نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ اُس کے لیے تم یہاں سے سارے
توڑ کر چلے جاؤ۔ بلکہ کوئی اور راستہ سوچو۔"
"تمہارے پیشِ نظر صرف اپنی ذات نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سراسر خود غرضی ہے۔ سمجھ رہے ہو ناں؟"
پتا نہیں اُسے کیا سمجھانا چاہتے تھے۔ وہ بے حد خاموش نظروں سے اُنہیں دیکھنے لگا۔

آسیہ کو اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھنا تھا۔ اس لیے امتحانوں کے دوران اُس نے کسی خیال
قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ پوری یکسوئی اور دلجمعی سے پڑھنے میں لگی رہی تھی۔ خدا خدا کر کے امتحان ختم ہو
جہاں اُس نے سکون کا سانس لیا وہاں اُس کے بھتیجے بھتیجیاں خوش ہو گئے۔ کیونکہ امتحانوں کے دو
کو اُس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اور سب بچے اُس سے اتنے مانوس تھے، جب
دن بھر کی روداد اُسے سنا نہ لیتے اُنہیں چین نہیں آتا تھا۔
وہ سب سے محبت بھی تو بہت کرتی تھی۔ اکثر اُن کے ساتھ بچہ بن جاتی۔ اُن کے کھیل میں
ہوتی۔ اور اِدھر اتنے دن وہ اپنے کمرے میں بند رہی تو ظاہر ہے بچے پریشان ہو گئے تھے۔ میمو
الگ بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔ اور وہ جو آخری پیپر کے بعد یہ سوچ کر سوئی تھی کہ اب اگلے دن ت
گی، میمونہ بھابی نے سرِ شام ہی اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔
"بس اب فوراً اُٹھ جاؤ۔ بچے بیچارے تمہاری صورت دیکھنے کو ترس گئے ہیں۔"

"لو یہ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔ پھر اُنہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "کہاں
ں بچے؟"
"ارے احمر اور سونیا تو یہیں دھا دا بولنے والے تھے۔ بڑی مشکل سے اُنہیں روکا ہے۔ چلو اب تم
دی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔ چائے بھی تیار رکھی ہے۔"
میمونہ بھابی جاتے جاتے پنکھے کا بٹن بند کر گئیں۔ غالباً اس خیال سے کہ کہیں وہ دوبارہ نہ سو جائے
ر نا چار اُسے اُٹھنا پڑا۔ منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلی تو اُسے دیکھتے ہی احمر اور سونیا نے شور مچا دیا۔
"پھپھو آ گئیں، پھپھو آ گئیں۔" وہ کھل کر مسکرائی اور باری باری اُن کے گال چھو کر اماں جی کے پاس
ت پوش پر بیٹھی اور اُن کی گود سے عمر کو اُٹھاتے ہوئے بولی۔
"ماشاء اللہ، یہ تو بہت پیارا ہو گیا ہے کس پر گیا ہے؟"
"تم بتاؤ۔" اماں جی نے کہا تو وہ غور سے عمر کو دیکھنے کے بعد بولی۔
"مجھے تو نبیل کی طرح لگ رہا ہے۔"
"ہاں پیشانی اور آنکھیں نبیل جیسی ہیں۔"
"نبیل ہے کہاں؟" اُسے اچانک نبیل کی کمی محسوس ہوئی اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔
"ابھی تمہارے ابا جی کے ساتھ باہر گیا ہے۔" اماں جی نے بتایا تبھی میمونہ بھابی چائے لے کر آ گئیں۔
ے درمیان میں رکھی پھر بیٹھیں تو کہنے لگیں۔
"بچوں کی چھٹیاں ہونے والی ہیں۔ کیوں نہ اماں جی اسلام آباد چلیں۔"
"ہاں پرسوں سیما کا فون آیا تھا۔ وہ بھی بہت اصرار سے بُلا رہی تھی۔ اب دیکھو تمہارے ابا جی کیا کہتے ہیں۔"
ں جی نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔
"ابا جی منع کریں گے کیا؟"
"نہیں، منع کیوں کریں گے۔ لیکن سارا گھر ایک ساتھ بھی تو نہیں جا سکتا ناں۔ یہاں خلیل اور عدیل نوکری
ے ہیں اُنہیں چھٹی کہاں ملے گی اور اُن کے لیے گھر میں ایک عورت کا ہونا بھی ضروری ہے۔"
اماں جی کی بات بھی ٹھیک تھی، وہ تائید کرتے ہوئے میمونہ بھابی کو دیکھ کر شرارت سے بولی۔
"یہ تو ہے۔ بس میمونہ بھابی یہیں رہ جائیں گی۔"
"کیا؟" میمونہ بھابی چیخ پڑیں۔
"میرا مطلب ہے، ابھی اماں جی اور ابا جی کو جانے دیں۔ ہم بعد میں چلیں گے میں، آپ اور بچے۔"
فوراً وضاحت کر کے خود ہی ہنس پڑی۔
"نہیں اگر جانا ہوا تو پہلے تم دونوں چلی جانا بچے خوش ہو جائیں گے۔"
اماں جی نے کہا تو میمونہ بھابی کے اشارے پر اُسے خاموش رہنا پڑا۔ ورنہ وہ منع کرنا چاہتی تھی۔
لہ اُسے شاہ سکندر کا خیال تھا۔ جانتی تھی کہ وہ بے خبر نہیں ہو گا۔ آج امتحان ختم ہوئے ہیں تو اب
کا آنا جانا رہے گا۔ اور جب تک کچھ طے نہ ہو جائے، وہ کہیں نہیں جانا چاہتی تھی۔
امتحانوں کی وجہ سے اُس نے ہر سوچ کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ لیکن یہ نہیں تھا کہ اُسے شاہ سکندر
یال آیا ہی نہیں۔ بلکہ اُس کا خیال تو محو ہی نہیں ہوا تھا۔ البتہ اُس کے بارے میں کچھ بھی سوچنے سے وہ گریز
رہی تھی۔ اور اب وہ آزاد تھی۔ اُس رات دیر تک وہ یہی سوچتی رہی کہ وہ جو کہہ کر گیا تھا کہ اس بار
ے والدین سے بات کرے گا۔ وہ مان گئے تو ٹھیک ورنہ سب چھوڑ آئے گا۔ تو جانے اُس کی آمد کس
ح ہو گی، اپنے والدین کو لے کر آئے گا یا تنہا۔
ہر دو صورتوں میں اُس نے اُسی وقت سے اپنا دل انتظار کی دہلیز پر رکھ چھوڑا تھا۔
صبح وہ معمول کے مطابق اُٹھ گئی۔ اور جب تک میمونہ بھابی بچوں کو اسکول کے لیے تیار کرتیں اُس نے
ستا تیار کر لیا۔ بڑے بھیا نبیل کے ساتھ نیچے اُترے تو میمونہ بھابی نے احمر اور سونیا کے ساتھ نبیل کو

بھی بٹھا لیا۔ اور تینوں کو ناشتا کرا کر اسکول بھیجا۔ اس کے بعد خلیل اور عدیل کی باری آئی تو اس کی نظر بڑے بھیا کو تلاش کرنے لگیں لیکن وہ جا چکے تھے۔ پھر بھی وہ میمونہ بھابی سے پوچھنے لگی۔

"بڑے بھیا چلے گئے کیا؟"

"ہاں شاید۔" میمونہ بھابی ٹی پاٹ میں چائے دم کر رہی تھیں۔ مصروف انداز میں جواب دیا۔

"ناشتا بھی نہیں کیا؟" اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے جب بڑے بھیا کو دیکھا تھا تو اُسی وقت انہیں روک کیوں نہیں لیا۔

"وہ ناشتا نہیں کرتے، شاید انہیں ضد ہو گئی ہے کہ اپنی بیوی ناشتا بنا کر دے گی تو کریں۔ ورنہ نہیں۔"

میمونہ بھابی نے اپنا خیال ظاہر کیا پھر ٹی پاٹ اٹھا کر اُسے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"میں یہ اندر دے آؤں۔ تم اب اپنے اور میرے لیے ناشتا بنا لو۔"

"اماں جی اور ابا جی۔؟"

"وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔"

میمونہ بھابی کہتے ہوئے چلی گئیں۔ تو اُس نے جلدی سے دو انڈے فرائی کیے پھر کیتلی میں مزید پانی ڈال کر چولہا تیز کر دیا۔ اور جب تک میمونہ بھابی، خلیل بھائی کو سی آف کر کے آئیں، وہ ٹرے میں ناشتا رکھ چکی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"کہاں بیٹھیں گی؟"

"اپنے کمرے میں چلو، کیونکہ میرا کمرہ اس وقت بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔"

میمونہ بھابی یونہی بولتی ہوئی چل رہی تھیں اُس نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ اُن کے پیچھے اپنے کمرے میں داخل ہو کر ناشتے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ٹیبل بیڈ کے قریب کھینچ لی۔ پھر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے۔ ایک کپ چائے نبیلہ بھابی کو دے آؤں ہو سکتا ہے انہیں کچھ احساس ہو۔"

"اس کے لیے پہلے تمہیں حلیہ کاٹنا پڑے گا۔ تاکہ تمہاری چائے کی پیالی میں کچھ اثر ہو۔"

میمونہ بھابی نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا پھر بھی اُسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"آپ بھی بس کمال ہیں۔"

"اچھا چلو ناشتا کرو، اُس کے بعد جو دل چاہے کرنا۔"

میمونہ بھابی نے ٹوک کر خود کھانا شروع کر دیا تو وہ کپ سیدھے کر کے اُن میں چائے ڈالنے لگی۔ پھر ناشتے کے بعد وہ واقعی چائے کا کپ لے کر اُوپر چلی آئی۔ نبیلہ بھابی بے خبر سو رہی تھیں۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا انہیں کیسے اٹھائے۔ اندر ہی اندر ڈر بھی رہی تھی کہ پتا نہیں اٹھائے جانے پر اُن کا ردِ عمل کیا ہو۔ گو کہ اُس کے ساتھ اُن کا رویہ ٹھیک ہی تھا۔ لیکن جس طرح وہ بڑے بھیا کے ساتھ تلخ کلامی کر رہی تھیں اُس سے وہ اپنے آپ اُن سے خائف رہتی تھی۔ کچھ دیر شش و پنج میں کھڑی رہی۔ پھر پکارا تو آواز ہی نہیں نکلی یا شاید بے خبر سوئی نبیلہ بھابی تک نہیں پہنچی۔ تب آہستہ سے اُن کا کندھا ہلا کر بولی۔

"بھابی جان! چائے لے لیجیے۔"

"ہوں۔" نبیلہ بھابی نے کسمسا کر ذرا سی آنکھیں کھول کر اُسے دیکھا پھر وال کلاک پر نظر ڈالی جس پر نو بجا رہی تھیں۔ اور غالباً وہ ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوئی تھیں جب ہی اٹھتی ہوئی بولیں۔

"بارہ بج رہے ہیں۔"

"نہیں، ابھی نو بجے ہیں۔" وہ چائے کا کپ انہیں تھماتے ہوئے بولی۔

"تمہارا آج پیپر نہیں ہے؟" انہوں نے چائے کا سپ لے کر پوچھا۔

"نہیں، کل آخری پیپر تھا۔"

"اچھا، کیسے ہوئے پیپرز؟"

"بہت اچھے۔"

"اس کا مطلب ہے اس بار بھی ٹاپ کرو گی، ویری گڈ۔ اور یہ تم کھڑی کیوں ہو، بیٹھو ناں۔ اب تو فارغ ہی ہو۔"

انہوں نے اُسے سرہانے کے ساتھ بیٹھنے کو کہا تو وہ قدرے تکلف سے بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں نے آپ کو جلدی اٹھا دیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ ویسے کوئی کام ہے مجھ سے؟" انہوں نے پوچھا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

"نہیں، ابھی سب ناشتے سے فارغ ہوئے ہیں، میں نے سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں۔"

"میں ناشتا نہیں کرتی۔ خیر تم سناؤ۔ اب کیا ارادے ہیں۔ بڑے آرام سے اسکالرشپ پر باہر جا سکتی ہو۔ گولڈن چانس ہے مِس نہیں کرو۔" انہوں نے اس کا ارادہ پوچھنے کے ساتھ مشورہ بھی دے ڈالا تو وہ قصداً مسکرا کر بولی۔

"یہیں پریکٹس کر لوں، بڑی بات ہے۔"

"ہاں تمہارے لیے یہی بڑی بات ہے۔" نبیلہ بھابی قدرے استہزائیہ ہنسیں تو وہ وہاں سے اٹھنے کے بہانے ڈھونڈنے لگی، اور فوری طور پر یہی بہانا سوجھا۔

"آپ کے لیے اور چائے لاؤں؟"

"نہیں بس۔ اب شاور لوں گی۔" نبیلہ بھابی کہتے ہوئے بیڈ سے اُتریں تو وہ بھی اُن کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ چائے کا خالی کپ اٹھایا اور آنے لگی تو وہ پکار کر بولیں۔

"سنو، نبیل آئے تو ذرا اُسے چیک کر لینا۔ مجھے اُس کی آواز بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔"

"جی۔" وہ اختصار سے کام لیتی اُن کے کمرے سے نکل آئی۔ پھر کتنے دن گزر گئے۔ بچوں کی چھٹیاں ہو گئیں تو میمونہ بھابی سنجیدگی سے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنانے لگیں، جبکہ وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح اُس کا جانا نہ ہو سکے۔ لیکن اُس روز جب خلیل بھائی نے میمونہ بھابی کے ساتھ اُسے بھی تیاری کرنے کو کہا تو وہ سچ مچ پریشان ہو گئی تھی۔

"میں آسیہ کو چھوڑنے کو نہیں کہہ رہا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ اُس کے لیے تم یہاں سے سارے ناتے توڑ کر چلے جاؤ۔ بلکہ کوئی اور راستہ سوچو۔" شاہ جہانگیر نے اُس سے کہا تھا اور اُس وقت سے وہ اُلجھ رہا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد بھی اُسے کوئی تیسرا راستہ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہی دو راستے تھے کہ شہر بانو کی خاطر اپنی محبت قربان کر دے یا سب چھوڑ کر چلا جائے۔ کیونکہ بابا جان اور پھر بی بی جان بھی اُس کی مزید کوئی بات سننے پر تیار نہیں ہوئی تھیں۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ ہر قیمت پر مہر النساء کو بہو بنا کر لائیں گی۔ اس لیے تین دنوں کی مسلسل ذہنی کشمکش کے بعد بالآخر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اُس لڑکی کی خاطر سب چھوڑ دے گا۔ جس نے اسے خوبصورت اور پُر کیف لمحات بخشے تھے گو کہ وہ ساحرہ تھی نہ کوئی اپسرا پھر بھی اُس میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ پہلی نظر میں ہی شاہ سکندر حیات اپنی ہستی کا غرور تک بھلا بیٹھا تھا۔ اور اب یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہ اُسے اپنی زندگی سے ہی نکال دے۔ جبھی اُس کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور کیونکہ شاہ جہانگیر نے اس روز سہولت سے اُس کی بات سنی تھی اس لیے اُس نے سوچا وہ انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کر دے۔ اسی خیال سے وہ اُن کے کمرے میں آیا تو بھابی جان کو ایک چھوٹا سوٹ کیس تیار کرتے دیکھ کر یونہی پوچھ لیا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟"

"تمہارے بھائی جا رہے ہیں مری، بچوں کو لینے۔" بھابی جان بتاتے ہوئے الماری کی طرف بڑھ گئیں۔ تو وہ سوٹ کیس پر نظر ڈال کر پوچھنے لگا۔

"صرف بچوں کو لانا ہے یا کوئی اور کام بھی ہے؟"
"پتا نہیں۔ لو وہ آ گئے ان ہی سے پوچھ لو۔" بھابی جان الماری بند کر کے پلٹیں تو اندر آتے شاہ جہا[نگیر] کو دیکھ کر بولیں۔
"کیا پوچھنا ہے؟" شاہ جہانگیر نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"وہ، آپ کی واپسی کب ہوگی، میرا مطلب ہے مری سے؟"
"پرسوں یا اُس سے اگلے دن، کیوں؟" شاہ جہانگیر تکنے کے ساتھ پھر سوالیہ نشان بن گئے تو وہ رُک کر بولا۔
"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔ خیر آپ مری سے ہو آئیں۔ تب تک میں بھی کراچی کا چکر لگا آ[ؤں]" شاہ جہانگیر سمجھ گئے اُسے کیا بات کرنی ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ فیصلہ بھی کر چکا ہے۔ کچھ [دیر] گہری نظروں سے اُسے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔
"کراچی جانے کے بجائے میرے ساتھ چلو۔" اُس نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا تو مسکرا کر بولے۔ "وہیں اط[مینان] سے بات کریں گے۔"
"یہاں اطمینان سے بات نہیں ہو سکتی کیا؟" وہ بھی مسکرایا تو وہ اس کا کندھا تھپک کر بولے۔
"جاؤ، اپنے ایک دو سوٹ لاکر اسی سوٹ کیس میں رکھ دو پھر نکلتے ہیں۔"
"لیکن۔۔۔"
"لیکن ویکن چھوڑو، جلدی کرو، چھ بجے کی فلائیٹ ہے۔ ابھی نکلیں گے تو پانچ ساڑھے پانچ تک پہنچیں گے۔" وہ اُسے ٹوک کر بہت عجلت میں بولے، تو وہ کچھ سوچتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا، اپنے کمرے [سے] دو سوٹ نکالے اور جیراں کو پکار کر اُس کے ہاتھ بھابی جان کو بھجوا دیے۔ پھر فوراً واش روم کا رُ[خ کیا]۔ کچھ دیر بعد نیچے آیا تو شاہ جہانگیر، بی بی جان کے پاس کھڑے غالباً انہیں یہی بتا رہے تھے کہ وہ بھی [ان] کے ساتھ جا رہا ہے۔ قریب آکر اُس نے سلام کیا تو بی بی جان نے صرف جواب دینے پر اکتفا کیا [اور] شاہ جہانگیر کی طرف متوجہ ہو گئیں، تو وہ باہر نکل آیا۔ جہاں ڈرائیور گاڑی لیے منتظر کھڑا تھا۔

شاہ پور سے کراچی اور وہاں سے بائی ایئر اسلام آباد تک کے سفر میں اُس نے آسیہ سے متعلق کوئی با[ت] نہیں کی، کیونکہ پہلے ہی اُسے بے صبری اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کے بعد خجالت کا سامنا کرنا پڑا تھا، [اس] لیے خاصا محتاط ہو گیا تھا۔ پھر رات میں شاہ جہانگیر نے خود ہی بات چھیڑی۔
"ہاں، اب بتاؤ، کیا سوچا ہے تم نے؟" اور وہ مایوسی سے سر ہلا کر کہنے لگا۔
"مجھے ایسا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آیا جو مجھے بیک وقت دونوں مقام پر سرخرو کر سکے۔ بابا جان کہ[یں] پر نہیں مانیں گے اور میں آسیہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بے شک بابا جان مجھ پر اپنے گھر کے دروازے [بند کر] دیں، میں۔۔۔"
"ایک منٹ۔" شاہ جہانگیر ٹوک کر بولے۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے پیش نظر صرف [اپنی] ذات نہیں ہونی چاہیے۔ کیا تمہیں شہر بانو سے ذرا محبت نہیں یا اپنی محبت میں اتنے خود غرض ہو گئے [ہو]؟"
"شہر بانو کے لیے کمی نہیں ہے جہانگیر بھائی۔" وہ چڑ گیا کہ آخر یہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُسے شہ[ر بانو سے] محبت نہیں یا اُس کا خیال نہیں اور اُس کے برعکس شاہ جہانگیر کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔
"کمی تو مہرالنساء کو بھی نہیں ہے سکندر۔"
"پھر؟"
"پھر تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہم شاہ (سید) ہیں۔ اور شاہوں کی بیٹیاں غیر خاندان میں نہیں بیا[ہی جاتیں]۔ اپنے خاندان میں اور کون ہے جس کے ساتھ ہم شہر بانو کا رشتہ جوڑیں۔ اُس کے جوڑ کا نہیں تو کوئی ہے [تو] بتاؤ۔ جیسے نور بانو کے ساتھ ہوا۔ کیا کمی تھی اُس میں، لولی لنگڑی تھی جو چار بچوں کے باپ سے بیاہی گئی؟"

[شاہ جہانگیر] نے بہت طریقے سے اُس کے احساسات کو جھنجھوڑا۔
"قسمت سے شہر بانو کا اچھا جوڑ ملا ہے تو اب تم۔ نہیں سکندر، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بہن پر زندگی کے [ر]استے تنگ کر کے تم اپنی زندگی جینا چاہتے ہو؟" اُس نے بے حد خاموش اور کچھ شاکی نظروں سے دیکھا تو شاہ جہانگیر [سم]جھاتے ہوئے کہنے لگے۔
"دیکھو، میں تمہیں آسیہ کو چھوڑنے کو نہیں کہہ رہا۔ تم اُس سے شادی کرنا چاہتے ہو ناں، اس پر بھی مجھے [کو]ئی اعتراض نہیں۔ بلکہ میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔" اُس کی آنکھوں میں غیر یقینی کے سائے جھلملانے لگے تو شاہ جہانگیر مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔
"یقین کرو، آسیہ سے شادی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل مسئلہ تو اپنے گھر کا ہے۔ تمہارے جانے سے صرف شہر بانو کی زندگی متاثر نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ مہرالنساء، شاہ ہارون، پھر بابا جان اور بی بی جان کتنے [لو]گوں کو ناراض کرو گے، اس لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ کوئی اور راستہ سوچو اور تمہاری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ [م]یں تمہیں بتاتا ہوں۔" شاہ جہانگیر سگریٹ سلگانے کے لیے رکے تو یہ چند لمحے اس پر بے حد گراں گزرے تھے۔

آسیہ کے پاس ظاہر ہے اب کوئی بہانا نہیں تھا۔ اس لیے اُسے میمونہ بھابی اور بچوں کے ساتھ اسلام آباد آنا پڑا۔ سیما بھابی اُن کی آمد پر واقعی بہت خوش ہو گئیں۔ ابھی تک اُن کا یہاں دل نہیں لگا تھا۔ جب نند بھاوجیں فراغت سے بیٹھیں تو سیما بھابی اُس سے کہنے لگیں۔
"آسیہ! اب تم یہاں سے جانے کی بات نہیں کرنا۔ میں نے شکیل سے کہہ دیا ہے کہ یہیں کسی ہاسپٹل میں تمہیں جاب دلا دیں۔"
"کیا؟" وہ اُچھل پڑی۔ "ابا جی سے بھی پوچھا ہے آپ نے؟"
"وہ منع تھوڑی کریں گے۔ یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے کیوں میمونہ؟" سیما بھابی نے آخر میں میمونہ بھابی سے [تا]ئید چاہی تو وہ اُسے دیکھ کر معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔
"اپنا گھر تو اس کا یہ ہے نہ وہ۔ وہ تو کوئی اور ہی گھر ہوگا جسے یہ اپنا کہے گی۔"
"وہ تو جب ہوگا تب۔ ابھی تو یہی اس کے گھر ہیں۔" سیما بھابی نے کہا تو وہ فوراً بولی۔
"بالکل یہی میرے گھر ہیں۔ میں اماں جی کے پاس رہوں یا آپ کے پاس کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہاں [بھ]ی سب محبت کرنے والے ہیں، یہاں بھی کبھی کبھی تو مجھے خود پر رشک آتا ہے۔ زندگی میں کبھی مجھے بہن [کی] کمی محسوس ہوتی تھی۔ اللہ نے آپ دونوں کی صورت وہ بھی پوری کر دی۔"
"تیسری بھاوج کا نام نہیں لیا تم نے۔" سیما بھابی نے شوخی سے کہا تو اُس نے چونک کر دیکھا پھر سنبھل [کر] بولی۔
"اصل میں جب بڑے بھیا کی شادی ہوئی اُس وقت میں کافی چھوٹی تھی اس لیے نبیلہ بھابی کے ساتھ [ب]ے تکلف نہیں ہو سکی۔ پھر اُن کا مزاج بھی کچھ الگ ہے۔"
"ابھی بھی الگ گھر کا مطالبہ کرتی ہیں؟" سیما بھابی نے پوچھا تو اُس سے پہلے میمونہ بھابی بول پڑیں۔
"اب مطالبہ نہیں کرتیں، دھمکی دیتی ہیں کہ چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"
"بڑے بھیا غلطی کر رہے ہیں۔" اس سے پہلے کہ دونوں بھاوجیں تیسری کے خلاف بولتیں اُس نے سارا [ال]زام بڑے بھیا کے سر رکھ دیا۔
"نبیلہ بھابی کا مطالبہ ناجائز نہیں ہے۔ بڑے بھیا کی ضد ناجائز ہے۔ جب وہ افورڈ کر سکتے ہیں تو پھر [کیو]ں نہیں انہیں الگ گھر میں رکھتے۔ جبکہ اماں جی اور ابا جی بھی اجازت دے رہے ہیں۔"
"لو، تم بھاوج کے مقابلے میں بھائی کو غلط کہہ رہی ہو۔" میمونہ بھابی تعجب سے بولیں۔
"میں حق بات کر رہی ہوں۔ خیر چھوڑیں۔ یہ اُن کا معاملہ ہے وہی جانیں۔" اُس نے اس موضوع کو ختم کر دینا

ہی مناسب سمجھا پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "بچوں کی آواز نہیں آ رہی، لگتا ہے سو گئے۔؟"

"ہاں اور اب ہمیں بھی سونا چاہیے، ورنہ صبح آنکھ نہیں کھلے گی۔" سیما بھابی وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے ہوئیں تو اُس نے اُن کی تقلید کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں کہاں سوؤں گی؟"

"اُدھر سمیہ اور اشعر کے کمرے میں چلی جاؤ۔ اُن دونوں کو ایک بیڈ پر کردو اور نبیل تمہارے ساتھ

"ہاں، وہ اکثر میرے پاس سوتا ہے۔" وہ کہتے ہوئے سمیہ کے کمرے میں آئی تو ایک بیڈ پر نبیل اشعر سو رہے تھے، دوسرے پر سمیہ اکیلی تھی وہ اُسی کے پاس لیٹ گئی۔ اُس وقت سے باتوں میں چلا تھا۔ اب لیٹتے ہی لمبے سفر کی تکان محسوس ہو رہی تھی۔ بدن میں ہلکے ہلکے درد کے باعث نیند بھی تھی۔ کچھ دیر بے چینی سے کروٹیں بدلنے کے بعد اُس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ کر پلکیں موند لیں۔ تو دھیان کی طرف منتقل ہو گیا جہاں اُن کے چلے آنے کے بعد خاموشی چھا گئی ہوگی۔ اور پھر اس خاموشی میں اُن سنائی دینے لگیں، جن کی وہ شدت سے منتظر تھی۔ جیسا کہ آخری ملاقات میں شاہ سکندر نے کہا سکتا ہے اس بار میں آؤں تو میرے ساتھ بی بی جان اور بابا جان بھی ہوں۔ اور اُس کی بات یاد آنے نہج پر سوچنے لگی، کہ شاید وہ اپنے گھر والوں کو ہموار کرنے میں لگا ہوگا۔ جبھی نہیں آیا۔ اور پتا نہیں گھر والے مانیں گے بھی یا نہیں۔ پھر ہر دو صورتوں میں وہ اماں جی اور ابا جی کا ردعمل سوچنے لگی، گو اور عدیل بھائی اُس کی بہت تعریف کرتے تھے، وہ آتا تو اُس کی بہت عزت کرتے اور اُس کے کے بعد کتنی دیر تک اُس کی باتیں کرتے تھے، پھر بھی اُسے خدشہ ہوا کہ اگر شاہ سکندر اپنے گھر والوں میں ناکام رہا تو شاید ابا جی کبھی نہیں مانیں گے۔ لیکن اگر ابا جی اور عدیل بھائی کو بھی یہ معلوم ہو جا اُسے پسند کرتی ہوں تو!" اس مقام سے آگے نیند نے اُسے سوچنے کی مہلت نہیں دی تھی۔

صبح وہ بہت دیر سے اٹھی۔ اُس وقت تک سب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے سیما بھابی کے منع باوجود اُس نے اپنے لیے خود ہی ناشتا بنایا۔ دو سلائس گرم کیے، ایک انڈا فرائی اور چائے لے بھاوجوں کے پاس لاؤنج میں آ بیٹھی۔ وہ دونوں جانے کس موضوع پر بات کر رہی تھیں۔ اُس نے ناشتے تک اُن کی طرف دھیان نہیں دیا۔ نہ ہی اُن دونوں نے اُسے مخاطب کیا۔ جب وہ خالی برتن کچن آئی تب سیما بھابی اُسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"گو کہ تم یہاں مہمان نہیں ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آتے ہی کام میں لگ جاؤ۔"

"اور میں یہاں پلنگ توڑنے بھی نہیں آئی۔ خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں بچے کہاں ہیں؟"

"اُدھر برآمدے میں کھیل رہے ہیں!"

"اتنی خاموشی سے کیسے کھیل رہے ہیں؟" وہ تعجب سے کہتی وہیں سے پلٹ کر برآمدے میں آئی بچے دائرے کی شکل میں بیٹھے بڑے انہماک سے سمیہ کی سنہرے بالوں والی گڑیا کو دیکھ رہے تھے اور سمیہ بارے میں بتا کر اپنے طور پر انہیں حیران کر رہی تھی۔

"دیکھو، یہ روتی بھی ہے۔" سمیہ نے گڑیا کے منہ سے چوسنی نکالی تو گڑیا رونے لگی جس پر بچوں کے چہرے حیرت و خوشی سے چمکنے لگے۔

"اب اسے چپ کراؤ۔" سونیا نے کہا تو سمیہ نے گڑیا کے منہ میں دوبارہ چوسنی لگا دی۔ گڑیا گئی تو نبیل پوچھنے لگا۔

"یہ ہنستی بھی ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔ بس روتی ہے۔" سمیہ نے لاعلمی کا اظہار افسوس کے ساتھ کیا۔

"تمہاری طرح اور سونیا کی طرح۔" نبیل نے کہا تو سونیا تڑخ کر بولی۔

"میں کب روتی ہوں؟"

"جب میں تمہارے بال نوچتا ہوں۔" احمر نے کہتے ہوئے سونیا کے بال پکڑ کر کھینچ لیے جس سے وہ واقعی نے لگی تو وہ جو خاموشی سے اپنی موجودگی کا احساس دلائے بغیر اُن کی باتیں سن رہی تھی۔ فوراً آگے بڑھ آئی سونیا کو گود میں اٹھا کر اُس کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے احمر کو ڈانٹنے لگی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، تم نے اس کے بال کیوں نوچے؟"

"زور سے تھوڑی نوچے ہیں، پوچھ لیں اس سے۔"

"اس سے کیا پوچھوں، میں خود دیکھ رہی تھی۔ بہت بُری بات ہے۔ آئندہ خبردار اسے ہاتھ نہیں لگانا۔" نے سونیا کو چپ کرانے کے ساتھ احمر کو تنبیہہ کی، تو وہ تیز ہو کر بولا۔

"یہ جھوٹ کیوں بولتی ہے؟"

"کیا جھوٹ بولا ہے اس نے؟" احمر کے تیز بولنے پر اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کہتی ہے میں کب روتی ہوں اور اب رو رہی ہے۔" احمر نے سونیا کا جھوٹ بتایا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

"بیوقوف ہو تم۔" پھر سب کو اٹھا کر اندر لے آئی۔ دونوں بھاوجیں سبزی، گوشت پر بات کر رہی تھیں۔ ی کھانے میں کیا پکنا چاہیے اور یہ بڑا ٹیڑھا مسئلہ تھا جبھی وہ اُن سے کترا کر اِدھر اُدھر سے اخبار اکٹھا نے میں لگ گئی۔

دوپہر میں کھانے کے بعد سیما بھابی نے سب بچوں کو سلا دیا۔ میمونہ بھابی بھی عمر کو بغل میں دبائے آرام سے ی تھیں۔ اور اُس نے پورا گھر چھان مارا، کوئی ایک کتاب نہیں ملی، جسے پڑھنے میں وہ وقت گزارتی، سخت بور رہی تھی۔ اس وقت ٹی وی بھی بس شام ہی چلتا تھا۔ یعنی صبح کی نشریات کا آغاز نہیں ہوا تھا نہ ہی وی سی آر ام تھا۔ بلکہ سخت پابندی تھی۔ اس لیے مطالعے کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ متوسط گھرانوں کی لڑکیاں ایسے فراغت ے دنوں میں ناولز پڑھتیں۔ اُن دنوں رضیہ بٹ اور سلمیٰ کنول کے ناولوں کا بڑا چرچا تھا۔ اُس نے سیما بھابی سے پوچھا تو وہ مسکین سی شکل بنا کر بولیں۔

"کہاں اب بچوں میں کہاں فرصت ملتی ہے پڑھنے کی۔"

"مجھے نہیں پتا، آپ اسی وقت مجھے کہیں سے منگوا کر دیں۔" وہ بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے بولی۔ "میں بہت بور ہو رہی ہوں اور اگر یہی عالم رہا تو دو دن میں واپس چلی جاؤں گی۔"

"ارے رے۔ یعنی بلیک میلنگ۔" سیما بھابی ہنسیں پھر معاً کچھ یاد آنے پر کہنے لگیں۔ "اچھا ٹھہرو ابھی چلتے ہیں، مجھے درزی سے اپنے کپڑے لینے ہیں، تم کچھ میگزین وغیرہ لے لینا۔"

"چلیں۔" وہ فوراً تیار ہو گئی پھر اپنے حلیے پر نظر ڈال کر پوچھا۔ "دور تو نہیں جانا!"

"نہیں پیدل کا راستہ ہے۔ جاؤ میمونہ سے کہو سوئے نہیں ہم ابھی آتے ہیں۔" سیما بھابی کہتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اُس نے میمونہ بھابی کے پاس جا کر بس کھڑے کھڑے انہیں بتایا پھر اپنا پرس اٹھا کر واپس آئی تو سیما بھابی اپنے پرس میں جانے کیا تلاش کرتی ہوئی آ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ کچھ بول رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟" اُن کے قریب آنے پر اُس نے پوچھ لیا۔

"میرے کپڑوں کی رسید اسی میں رکھی تھی۔ مل گئی۔" انہوں نے رسید ہاتھ میں لے کر پرس بند کیا پھر اُسے دیکھ کر بولیں۔ "چلو۔"

گھر کے قریب ہی مارکیٹ تھی۔ گو کہ زیادہ بڑی نہیں تھی پھر بھی ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ اور کیونکہ قاعدہ شاپنگ کا پروگرام نہیں تھا۔ اس لیے جو پہلی کتابوں کی دکان نظر آئی وہ اُسی میں داخل ہونے لگی کہ سیما بھابی روک کر بولیں۔

"سنو، وہ اس رو میں جو چوتھی دکان ہے۔ میں وہاں ہوں۔ تم اطمینان سے رسالے وسالے دیکھ ، اور ہاں پیسے چاہییں؟"

"نہیں، ہیں میرے پاس۔"

"اچھا، میں اپنے کپڑے لے کر آتی ہوں۔" سیما بھابی آگے بڑھ گئیں تو اُس نے رک کر انہیں دور
دکان میں داخل ہوتے دیکھا پھر قدم آگے بڑھائے، اور شیشے کے ریک کے پاس رُک کر اُس میں ترتیب سے رکھی کتابیں دیکھنے لگی۔ حالانکہ چند نام سوچ کر آئی تھی۔ لیکن اب انتخاب کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر جب اُس نے دیکھا سیلز مین کی نظریں اُسی پر جمی ہیں تب جلدی سے ایک دو کتابوں کے نام بتا کر دوسری طرف گئی۔ اور ابھی فیض کا مجموعہ تلاش کر رہی تھی کہ مانوس آواز سماعتوں سے یوں ٹکرائی کہ وہ بے اختیار پلٹ لگی، شاہ سکندر، کاؤنٹر پر کھڑے شخص سے مخاطب تھا۔

"ایکسکیوزمی، فون کر سکتا ہوں؟" اور وہ جس طرح بے اختیار پلٹی تھی اُسی بے اختیاری سے اُ قریب آکر بولی۔

"ہیلو۔" شاہ سکندر نے چونک کر دیکھا پھر خوشگوار حیرت میں گھِر کر بولا۔

"آ۔ں۔ تم یہاں کیسے؟"

"کچھ کتابیں لینی تھیں۔" اُس نے قصداً اُس کے سوال کو دوسرے معنی پہنا کر جواب دیا۔

"نہیں میرا مطلب ہے یہاں اسلام آباد میں؟" اُس نے وضاحت کی تو ایک نظر گلاس ڈور سے باہر ڈ بولی۔

"بھائی کے پاس آئی ہوں۔"

"کون عدیل صاحب؟"

"نہیں، وہ تو وہیں کراچی میں ہوتے ہیں۔ اُن سے بڑے شکیل بھائی، ابھی کچھ عرصہ قبل یہاں سیٹل ہیں۔ اور آپ؟" آخر میں اُس نے اُس کی یہاں موجودگی کا سبب پوچھا تو وہ ذرا سے کندھے اُچکا کر بولا۔

"میں اپنے بھائی کے ساتھ آیا ہوں۔ شاید میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرے بھتیجے بھتیجیاں مری کانونٹ پڑھتے ہیں۔ اب چھٹیاں ہوئی ہیں تو ہم انہیں لینے آئے ہیں۔"

"لیکن آپ تو یہاں موجود ہیں۔" اُس نے کہا تو وہ اُسے نظروں کی گرفت میں لیتا ہوا بولا۔

"تمہارے لیے!"

"اچھا!" وہ ذرا سا ہنسی۔ "آپ کو کیسے معلوم کہ میں یہاں ہوں؟"

"معلوم تو نہیں تھا لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ تم یہیں آس پاس کہیں موجود ہو۔" وہ اطراف سے بیگانہ تھا تب اُس نے ذرا سا کھانس کر احساس دلایا پھر کہنے لگی۔

"آپ شاید فون کرنا چاہتے تھے؟"

"اب نہیں کرنا، البتہ تم اپنی کتابیں لے لو۔" اُس نے کہا تو وہ پلٹ کر سیلز مین کو دیکھنے لگی۔ وہ منتظر تھا۔ فوراً کتابوں کا پیکٹ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ جسے لے کر وہ پرس میں سے پیسے نکالنے لگی۔ لیکن اُ پہلے ہی شاہ سکندر نے پے منٹ کر دی۔ وہ بس دیکھتی رہ گئی۔ پھر اُس کے ساتھ دکان سے نکلتے ہوئے اُسے یاد نہیں رہا کہ اُس کے ساتھ سیما بھابی بھی ہیں اور اُسے ایک اجنبی کے ساتھ دیکھ کر جانے د

"چلو کسی اچھی پُرسکون جگہ بیٹھتے ہیں۔" شاہ سکندر نے کہا تب اچانک اُسے سیما بھابی کا خیال آیا اور وقت وہ آگئیں۔ اپنی دھن میں تھیں۔ شاہ سکندر کو اگر دیکھا بھی تو یہ خیال نہیں آیا کہ وہ اُس کے سا ہے۔ اپنے انداز میں اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگیں۔

"مل گئیں تمہیں ناولز؟" اور وہ سیما بھابی کو دیکھتے ہی کشمکش و پیچ میں گرفتار ہو گئی تھی کہ آیا اُن کا تع کرائے یا خاموشی سے چل پڑے۔ جبھی اُن کی بات کا جواب نہیں دے سکی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ لوٹتیں نے اُن کی توجہ کھینچ لی۔

"آداب!" سیما بھابی نے چونک کر شاہ سکندر کو دیکھا پھر ہلکے سے اُس کا کندھا دبایا تو وہ سنبھل

"بھابی! یہ شاہ سکندر حیات ہیں۔ عدیل بھائی کے دوست، وہاں گھر میں ان کا آنا جانا رہتا ہے۔"

"اچھا۔ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" سیما بھابی نے براہِ راست شاہ سکندر سے پوچھا۔

"یہاں میں ایک کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ میرا قیام ہوٹل میں ہے اگر آپ آنا چاہیں تو!"

"شکریہ!" سیما بھابی درمیان میں ٹوک کر پھر اُس سے بولیں۔

"چلو آسیہ! یا ابھی کچھ اور لینا ہے؟"

"نہیں اور تو کچھ نہیں لینا۔" اُس نے یوں کہا جیسے اُسے کچھ نہ لینے کا افسوس ہو رہا ہو۔

"چلو پھر، اچھا سکندر صاحب!" سیما بھابی نے ایک طرح سے اُسے خدا حافظ کہہ دیا۔ جبکہ وہ اندر ہی اندر خاصی جز بز ہو رہی تھی۔ بہت سست روی سے اُس کے قریب سے گزرنے لگی تو وہ دھیرے سے بولا۔

"کل اسی جگہ۔" وہ اُس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔ لیکن نفی میں سر ہلا کر معذوری کا اظہار کرتے ہوئے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ اور جب تک موڑ نہیں آیا وہ اُس کی نظروں کی گرفت سے نکل نہیں سکی۔ اس دوران سیما بھابی جانے کیا بول رہی تھیں اُس نے سُنا ہی نہیں۔

"کہاں کھوئی ہو؟ میری بات کا جواب تو دو۔" سیما بھابی نے اُس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر کہا تب وہ اپنے دھیان سے نکل کر سٹپٹا گئی۔

"کیا۔ کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟"

"میں ان صاحب کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔ میں تو جب کراچی میں تھی۔ اسے کبھی گھر آتے جاتے نہیں دیکھا۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" وہ اپنا بازو سہلاتی ہوئی بولی۔

"اچھا غلط بیانی کر کے کہتی ہو میرا کیا قصور ہے؟"

"میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ میمونہ بھابی سے پوچھ لیجیے گا۔" وہ اُن کی گھورتی نظروں کے جواب میں ہنستی ہوئی بولی اور سامنے گھر دیکھ کر بھاگ کر گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

اچانک پہلی محبت کا نشہ سارے احساسات پر چھا گیا تھا۔ وہ کچھ نہ کہتی تب بھی اُس کا انگ انگ بول رہا تھا۔ اور اس مقام پر اس کا دل چاہا کوئی ہو جسے وہ اپنی زندگی کے اس خوبصورت راز میں شریک کر سکے۔ اور یہ دونوں بھاوجیں ہی اُس سے بہت محبت کرنے والی اُس کی بہترین دوست تھیں۔

شاہ جہانگیر بچوں کو مری سے لے کر آئے تو جیسا کہ اُس کے ساتھ طے کر کے گئے تھے، سیدھا ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ جہاں وہ ٹکٹیں لیے اُن کا منتظر تھا۔ سب بچوں کو باری باری پیار کرنے کے بعد وہ ٹکٹیں شاہ جہانگیر کو تھماتا ہوا بولا۔

"فلائٹ جانے میں بس آدھا گھنٹہ ہے۔ آپ لاؤنج میں چلے جائیں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" شاہ جہانگیر نے اُس کے ہاتھ سے ٹکٹ لیتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"کہیں نہیں، میرا مطلب ہے میں ابھی آپ کے ساتھ نہیں جا رہا۔" اُس نے کہا تو شاہ جہانگیر ٹھٹھک کر بولے۔

"کیوں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے بھائی، بس میں کچھ دن تنہا رہنا چاہتا ہوں۔" شاہ جہانگیر نے بغور اُسے دیکھا پھر کہنے لگے۔

"دیکھو، جتنا سوچو گے، اُلجھتے جاؤ گے!"

"بے فکر رہیں۔ میں خواہ کتنا سوچوں، کتنا اُلجھوں، آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ بلکہ آپ پر بھروسا کر کے میں ایک طرح سے آپ کی بات مان چکا ہوں۔ اب آپ مجھ پر بھروسا کریں۔"

"اچھی بات ہے۔" شاہ جہانگیر نے اُس کا کندھا تھپکا پھر پوچھنے لگے۔ "کتنے دن رہو گے یہاں؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ دو دن، چار دن یا!"

"بس چار دن سے زیادہ نہیں۔ ٹھیک پانچویں دن تمہیں اپنے گھر ہونا چاہیے۔" شاہ جہانگیر نے ٹوک

کر کہا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر جب شاہ جہانگیر بچوں کو لے کر لاؤنج میں چلے گئے تب خاصا مطمئن سا ہو کر وہ ہوٹل چلا آیا۔

اُس کا خیال تھا ان چار دنوں میں وہ آسیہ سے مل کر اُس کے بھائی تک بھی رسائی حاصل کرے گا۔ اس کا مقصد گو کہ اس کے لیے اُسے کسی تردد کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کی شخصیت تھی ہی اتنی متاثر کن کہ سب پر چھا جاتا تھا۔ ملاقات میں ہی مقابل پر گہرا اثر ڈالتی تھی۔ جیسے ابا جی اور عدیل بھائی اُس کے گرویدہ تھے۔ اسی طرح وہ چاہتا تھا یہاں جو آسیہ کے بھائی، بھاوج ہیں اُن پر بھی وہ اپنا اثر چھوڑ جائے تاکہ بعد میں جب وہ آسیہ سے شادی کی بات کرے تو اس طرف سے سب اُس پر اعتماد کریں۔ ورنہ اگر کسی ایک نے بھی بی بی جان اور بابا جان کے شرکت نہ کرنے پر اعتراض کیا یا یہ شرط رکھ دی کہ اُس کے والدین ہی آکر بات کریں تو اس کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔

اور وہ اپنے گھر میں تو مشکل میں اور پریشان تھا ہی اس طرف سے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور آسیہ سے یہاں ملاقات کو وہ جو ایک خوبصورت اتفاق سمجھ رہا تھا تو اب اس اتفاق کو بھی اپنے مفاد میں سوچنے لگا تھا۔ لیکن اپنی سوچوں کے برعکس اُسے شدید کوفت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ یعنی اگلے تین دن وہ گھنٹوں کے حساب سے اسی بک شاپ کے آس پاس موجود رہا اور وہ نہیں آئی۔ گو کہ اس نے آنے کا وعدہ تو کیا ہامی بھی نہیں بھری تھی پھر بھی اُسے یقین تھا اور اُس کا یقین ابھی ٹوٹا نہیں تھا نہ ہی وہ مایوس ہوا۔ اور اس آخری دن پھر اسی جگہ جا پہنچا۔

عجیب سی بے قراری تھی۔ اور اسی بے قراری میں وہ قرار ڈھونڈ رہا تھا تبھی اُس پر نظر پڑی۔ نبیل کا ہاتھ تھامے اسی طرف آ رہی تھی۔ وہ مزید صبر نہیں کر سکا۔ تیز قدموں سے لمحوں میں درمیان کا فاصلہ سمیٹ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تو گزشتہ تین دنوں کی ساری کوفت بھلا کر بولا۔

"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔" اور وہ جو اُس کے اچانک سامنے آنے پر حیران تھی۔ نبیل کی موجودگی میں اُس کے والہانہ انداز پر پریشان ہو گئی۔ اور کچھ گھبرا کر نبیل کو دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

"پھوپھو! یہ وہ والے انکل ہیں ناں جو ابا جی کے پاس آتے ہیں!"

"ہاں بیٹا! آپ نے انہیں سلام نہیں کیا۔" آسیہ نے اُسے محتاط رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے نبیل سے کہا۔

"السلام علیکم!" نبیل نے فوراً سلام کیا۔

"وسلام، کیسے ہو بیٹا۔" سراسر رسمی انداز تھا۔ پھر اُسے دیکھ کر بولا۔ "چلو کہیں بیٹھ کر بات کریں گے!"

"نہیں سکندر۔ میں..."

"پلیز!" وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگا۔ "میں بس آج کا دن یہاں ہوں کل صبح کی فلائیٹ سے واپس جا رہا اور یہ اتنے دن میں صرف تمہارے لیے یہاں رکا۔ روزانہ یہاں آکر تمہاری راہ دیکھتا رہا ہوں اور تم۔"

"میں کیا کروں؟" وہ اُس کے خفا ہونے پر بے بسی سے بولی۔

"میرے ساتھ چلو!"

"نہیں شاہ سکندر! میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں، میرا بھتیجا سیڑھیوں سے گر گیا ہے۔ اُس کے لیے بینڈیج اور میڈیسن لینی ہے۔" اُس کی مجبوری سن کر وہ گہری سانس کھینچتا ہوا بولا۔

"اس کا مطلب ہے اب تم سے کراچی میں ملاقات ہوگی؟" اُس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔

"آپ خفا تو نہیں ہیں؟" وہ خاموشی سے اُسے دیکھنے لگا اور جب اُس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا تب اُس کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"شکریہ!" وہ ممنونیت سے کہتی آگے بڑھنے لگی۔ کہ وہ راستہ روک کر پوچھنے لگا۔

"یہاں کتنے دن ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ پندرہ دن۔ اگر اس سے پہلے کراچی سے بلاوا آگیا تو پھر ظاہر ہے پہلے چلی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر میں اسی حساب سے آؤں گا۔" اُس نے کہا تو وہ بے اختیار پوچھ گئی۔

"اکیلے؟"

"نہیں بارات کے ساتھ۔" وہ قدرے شوخ ہو کر بولا تو وہ جھینپ کر آگے بڑھ گئی۔ شاہ سکندر نے اُسے ایک میڈیکل اسٹور میں داخل ہوتے دیکھا پھر اُس کی واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے قریب سے گزرتی ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گیا۔

اگلے روز جب وہ پہلی فلائیٹ سے کراچی پہنچا تو ڈرائیور گاڑی لیے موجود تھا۔ وہ سمجھ گیا اُسے شاہ جہانگیر نے بھیجا ہوگا۔ اور اُن کا خدشہ سوچ کر وہ اپنے آپ مسکرایا تھا۔ پھر ڈرائیور نے اُس سے پوچھ کر گاڑی شاہ پور کے راستے پر پوری اسپیڈ سے دوڑانی شروع کر دی۔

اور تین گھنٹوں کے اس سفر میں وہ پوری یکسوئی سے شاہ جہانگیر کی ایک ایک بات کو سوچتا رہا۔ ویسے اُن کے سامنے تو وہ اُن کی کسی ایک بات سے بھی اختلاف نہیں کر سکا تھا اور اب ہر بات عجیب سی لگ رہی تھی۔ آخر میں اُس نے سوچا وہ سب سے پہلے شاہ جہانگیر سے بات کرے گا۔ اُن سے کہے گا کہ وہ ہرگز بھی کٹھ پتلی نہیں بن سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد ایک آخری کوشش کے طور پر وہ خود بابا جان سے بات کرے گا۔ اگر وہ آسیہ کے ساتھ اُس کی شادی کرنے پر رضامند ہو گئے تو ٹھیک ورنہ!

گاڑی رکنے سے اُس کی سوچیں بھی اسی مقام پر ٹھہر گئیں۔ ڈرائیور نے فوراً اُتر کر اُس کی طرف کا دروازہ کھولا تو گاڑی سے اترتے ہی اُسے غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔ اپنے طور پر قیاس کرتا ہوا وہ اندر آیا تو اُسے دیکھتے ہی بی بی جان کے پاس بیٹھی لڑکیوں میں ہلچل مچ گئی۔ وہ قصداً نظرانداز کرتا ہوا بی بی جان کی طرف بڑھا۔ اور ابھی سلام اُس کے ہونٹوں میں تھا کہ بی بی جان خوش ہو کر بولیں۔

"ماشاء اللہ بڑی عمر ہے تمہاری۔ ابھی سب تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ تھکے ہوئے لگ رہے ہو جاؤ جلدی سے غسل سے لو پھر میں کھانا تمہارے کمرے میں بھجواتی ہوں۔" وہ اس پر حیران ہوتا اپنے کمرے میں جانے لگا کہ بی بی جان کی آواز نے اُس کے قدم روک لیے۔ وہ لڑکیوں سے کہہ رہی تھیں۔

"اب تو دیکھ لیا دولہا کو۔ جاؤ اب ڈھولک سنبھالو، اور کوئی جمیراں سے کہو بڑے شاہ جی کو خبر کرے شاہ سکندر آگیا ہے۔"

خوشی سے بھرپور بی بی جان کی کھنکتی ہوئی آواز نے اُسے چکرا دیا تھا۔

❂ ❂ ❂

فوری طور پر اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بی بی جان اُس کے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں۔ بے حد متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

کھلکھلاتی لڑکیاں۔ ڈھولک اور۔ اور۔ اُس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ تب ہی عقب سے شاہ جہانگیر نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور خوش دلی سے بولے۔

"آ گئے یار! گاڑی پہنچ گئی تھی ایئرپورٹ؟"

"جی!" وہ جو خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ ان کی بات کے جواب میں جی کہہ کر فوراً ادھر اُدھر اشارا کر کے پوچھنے لگا۔

"یہ۔ یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے بھائی؟"

"شادی۔" شاہ جہانگیر مختصر جواب دے کر غالباً اُس کے اگلے سوال سے بچنے کی خاطر سامنے سے گزرتی

جیراں کو پکار کر اُس سے جانے کیا بات کرنے لگے لیکن وہ صبر نہیں کر سکا۔ اُن کا بازو کھینچ کر پوچھنے لگا۔
"کس کی شادی؟" شاہ جہانگیر نے پہلے جیراں کو جانے کا اشارہ کیا پھر اُسے دیکھ کر بولے۔
"شہر بانو کی، چلو اُس سے مل لو۔ پھر شام تک تو گھر کے مردوں سے بھی اُس کا پردہ ہو جائے گا۔"
"کیوں؟"
"پتا نہیں یار! یہ رسمیں وسمیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"
شاہ جہانگیر خود کو خاصا انجان ظاہر کرتے ہوئے اس کے بازو میں بازو ڈال کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ پھر شہر بانو کے کمرے کے سامنے رک کر پہلے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا تو اُس نے دستک کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن پھر اچانک کسی خیال کے تحت رک کر بولا۔
"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ ابھی بی بی جان تو لڑکیوں سے کچھ اور کہہ رہی تھیں۔"
"بی بی جان جو کہہ رہی تھیں، وہ بھی ٹھیک ہے۔" شاہ جہانگیر یکدم سنجیدہ ہو گئے۔ "شادی صرف شہر بانو کی نہیں تمہاری بھی ہو رہی ہے، اور تم اس وقت کوئی اعتراض نہیں اُٹھاؤ گے کیونکہ تم یہ وعدہ کر چکے ہو۔"
"وعدہ میں نے خاموش رہنے کا کیا تھا، شادی کا نہیں۔" اُس نے تلملا کر احتجاج کیا اور شاہ جہانگیر بڑے آرام سے بولے۔
"تو خاموش رہو۔"
"کیا مطلب ہے آپ کا؟"
ضبط کرتے کرتے بھی وہ چیخ پڑا تو شاہ جہانگیر نے انگوٹھے سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے اُسے بہن کی موجودگی کا احساس دلایا پھر ایک دم اُس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ سامنے بیڈ پر شہر بانو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے پیشانی گھٹنوں پر ٹکائے بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی اُس نے سر اونچا نہیں کیا۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ ان کی باتیں نہیں تو آواز سن چکی ہے۔
"شہر بانو!" شاہ جہانگیر نے پکارا تب اُس نے ذرا سا سر اونچا کیا لیکن ان دونوں کی طرف دیکھا اور اس وقت شاہ سکندر کو اُس کا نہ دیکھنا ہی غنیمت لگا۔ فوراً پلٹ کر جانے لگا کہ شاہ جہانگیر نے اس کا بازو تھام لیا اور بہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔
"جب تک شہر بانو اس گھر سے رخصت نہیں ہو جاتی، تمہیں خاموش رہنا ہے۔ یہی وعدہ لیا تھا نا میں نے تم سے۔" اُس نے بے حد خاموش نظروں سے انہیں دیکھا تو کہنے لگے۔
"اب یہ تمہاری قسمت کہ اس کی رخصتی سے پہلے اس گھر میں مہر النساء کی ڈولی اُترنا طے پائی ہے۔"
ذہن ماؤف ہونے لگا۔
"مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا۔ تمہیں کچھ کہنا ہو تو شہر بانو سے کہو۔ یہ سن سکتی ہے البتہ بولنے کا حق اسے نہیں دیا گیا۔"
شاہ جہانگیر اُسے سناٹے میں چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے تو کتنی دیر بعد اُس نے دھیرے دھیرے گردن موڑ کر شہر بانو کو دیکھا۔ اُس نے دوبارہ پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی تھی۔ اُس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ پھر بھی اُس کا رونا محسوس کر کے وہ اُس کے پاس چلا آیا اور آہستہ سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔
"روؤ نہیں شہر بانو! بس۔ جہانگیر بھائی سے کیا وعدہ نہیں توڑوں گا۔" پھر فوراً اُس کے کمرے سے نکل آیا۔
پھر شام اُترتے ہی حویلی کی رونق اور چہل پہل میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے بظاہر لان میں جگمگاتے رنگین قمقموں کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا یعنی اُسے اپنے محاذ پر لڑنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ کتنا بھروسا تھا اُسے

آپ پر کہ اگر یہاں اپنی بات منوانے میں ناکام ہو گیا تو سب چھوڑ کر چلا جائے گا اور اس کے لیے وہ نہ صرف خود تیار تھا بلکہ آسیہ کو بھی آگاہ کر آیا تھا۔ آسیہ کا خیال آتے ہی وہ یوں مضطرب ہوا کہ اُس کی نظریں یہاں وہاں اُسے تلاش کرنے لگی تھیں تبھی زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور اُس کے کزنز شور مچاتے ہوئے اندر آ گئے۔
"یار! تم بھی لڑکیوں کی طرح مایوں بیٹھے ہو۔ چلو باہر نکلو۔"
ابرار نے آتے ہی اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔
"لگتا ہے اسے ڈنڈا ڈولی کر کے لے جانا پڑے گا۔"
"بڑی بے عزتی ہو گی سکندر! نیچے ساری لڑکیاں موجود ہیں۔ شرافت سے چلے چلو۔"
نادر نے اُس پر صورت حال واضح کرتے ہوئے چلنے کو کہا۔ وہ تب بھی اسی طرح کھڑا رہا۔ خاموش، کیونکہ خاموش رہنے کا وعدہ کر چکا تھا۔
پھر سب کے اصرار پر اسی خاموشی سے نیچے اُتر کر آیا تو اچانک ڈھولک کی تھاپ تیز ہو گئی لیکن اُس کے اندر کے سناٹے میں کوئی ہلچل نہیں مچی تھی۔

اگر تم مل جاؤ زمانہ چھوڑ دیں گے ہم
تمہارے واسطے یہ ساری دُنیا چھوڑ دیں گے ہم
اگر تم مل جاؤ
نہ ہو جس میں تم شامل وہ بہاریں ہم نہیں لیں گے
نظر جس میں نہ تم آئے وہ شیشہ توڑ دیں گے ہم
اگر تم مل جاؤ

ریڈیو کے قریب بیٹھی وہ مغنیہ کے ساتھ ساتھ خود بھی گنگنا رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا جیسے اچانک کسی نے اُس کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو۔ آنکھوں میں کوئی حسین خیال یوں جھلملایا کہ گنگناتے لبوں پر شرمیلی مسکان سج گئی تھی۔

بدن کے سائے تمہارے رنگ میں رنگ ڈالیں
جدا کیا کر سکیں گے تم کو مجھ سے یہ جہاں والے
محبت کی قسم تقدیر کا رُخ موڑ دیں گے ہم
اگر تم مل جاؤ۔

سیما بھابی نے کہنی مار کر میمونہ بھابی کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں لیکن وہ اتنی محو تھی کہ اُسے ہنسی کی آواز سنائی ہی نہیں دی تھی۔ نہ یہ احساس کہ اس کے بعد دوسرا گانا شروع ہو چکا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی اگر تم مل جاؤ تھا۔
"مل جائے گا لیکن خدارا زمانہ چھوڑنے کی بات نہیں کرو۔"
سیما بھابی سے آخر رہا نہیں گیا اتنی اونچی آواز میں ٹوکا کہ وہ اُچھل پڑی۔ پھر دونوں بھاوجوں کی شوخ و معنی خیز ہنسی سے جھینپ کر بولی۔
"کیا کہہ رہی ہیں آپ۔"
"ہمارے کہنے کو کیا رہ گیا ہے۔ سب کچھ تو تم نے خود ہی کہہ دیا۔ کیوں بھابی؟"
میمونہ بھابی نے باقاعدہ اُسے چھیڑنے کا آغاز کرنے کے ساتھ ہی سیما بھابی سے تائید چاہی تو وہ فوراً بولیں۔
"اور کیا، ہمارا کام تو اب دُعا کرنا ہی رہ گیا ہے۔"
وہ سمجھ گئی اب یہ دونوں اس کا ناک میں دم کر دیں گی۔ اس لیے فوراً خود پر قابو پا کر مسکین سی شکل

بنا کر بولی۔

"صرف دُعا۔"

"ارے کیا سمجھتی ہو ہماری دُعاؤں کو۔ ابھی ہاتھ اُٹھا دوں تو کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا تمہارا وہ، کیا نام ہے اس کا؟" میمونہ بھابی ہمیشہ اُس کے نام پر اٹک جاتی تھیں۔

"شاہ سکندر حیات" بھابی نے یاد دلایا۔

"ہاں شاہ سکندر۔ بتاؤ اُٹھاؤں ہاتھ؟"

"نہیں" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنس پڑی۔

"کیوں؟" سیما بھابی نے تعجب سے پوچھا تو اس سے پہلے میمونہ بھابی بول پڑیں۔

"اسے پتا ہے۔ میری دُعاؤں میں اثر نہیں ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے" وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان دونوں کے پاس آ بیٹھی اور ایکدم سنجیدہ ہو کر کہنے لگی۔

"دُعا کا مرحلہ بعد میں آئے گا بھابی! پہلے آپ اماں جی اور ابا جی سے تو بات کریں۔"

"ارے اُن سے تو میں جاتے ہی بات کر لوں گی۔ مجھے یقین ہے اِدھر سے کوئی اعتراض نہیں اُٹھے گا، کیونکہ ابا جی اور عدیل بھی اُس کی کتنی تعریف کرتے ہیں۔"

میمونہ بھابی نے کہا تو وہ یونہی بے خیالی میں انہیں دیکھے گئی جس پر وہ پوچھنے لگیں۔

"میں غلط کہہ رہی ہوں یا تمہیں کوئی اور خدشہ ہے۔"

"خدشہ!" وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگی۔

"دیکھو آسیہ! جو بھی بات ہے صاف کہو کیونکہ ہمیں تمہاری وکالت کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو بے خبری کی بنا پر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے۔"

سیما بھابی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر کہنے لگی۔

"مجھے کوئی خدشہ نہیں ہے بھابی، البتہ شاہ سکندر کہہ رہے تھے کہ ان کے والدین شاید ہی راضی ہوں، کیونکہ اُن کے ہاں شادیاں خاندان ہی میں ہوتی ہیں۔"

"پھر تو اُسے تمہاری طرف نہیں بڑھنا چاہیے تھا۔" سیما بھابی بلاارادہ فوراً کہہ گئیں لیکن پھر اپنی بات کی نفی کرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں خیر۔ یہ تو بے اختیاری جذبہ ہے۔ بندے کو کچھ یاد نہیں رہتا۔ ہاں تم بتاؤ۔ ایسی صورت میں کیا کرے گا؟"

"کہہ رہے تھے ان کے والدین نہیں مانے تو وہ چلے آئیں گے اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ زیادہ عرصے تک اُن کے والدین ناراض نہیں رہ سکیں گے۔"

وہ یونہی سر جھکائے رُک رُک کر بول رہی تھی۔ سیما بھابی معاملے کی تہہ تک پہنچ کر پوچھنے لگیں۔

"وہ اپنے والدین کے ماننے تک انتظار کرے گا یا پہلے ہی شادی کرنا چاہتا ہے؟"

وہ کچھ نہیں بولی لیکن جن نظروں سے سیما بھابی کو دیکھا اس سے وہ سمجھ کر بولیں۔

"ہوں۔ پہلے شادی۔ اور تم میرا مطلب ہے۔ تم نے سوچ لیا ہے؟"

"میں تو بس اتنا جانتی ہوں بھابی! کہ میری زندگی میں آنے والا وہ پہلا اور آخری شخص ہے۔ اُس سے میری شادی اب ہو یا دس سال بعد یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا آپ سب کا کام ہے۔"

اس کے مضبوط لہجے پر دونوں بھاوجیں ایک لحظے کو ٹھٹک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ بات مذاق سے شروع ہو کر سنجیدگی کا روپ دھارتے ہی ماحول کو بوجھل کر گئی تھی۔

تب اچانک اُسے احساس ہوا کہ اتنی محبت کرنے والی بھابیوں کو اُس نے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اُس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپک کر اُس کے ہاتھوں کی پشت پر گرنے لگے۔

"ارے!" میمونہ بھابی کی نظر پڑی تو تڑپ کر اُس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر ٹوکا "اس میں رونے کی کیا بات ہے۔"

اُس کے آنسو اور روانی سے بہنے لگے۔

"بس پگلی! روؤ گی تو ہم دس سال بعد کا فیصلہ سنائیں گے۔"

سیما بھابی نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا ساتھ ہی میمونہ بھابی کو جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ اچھل کر بولیں۔

"دس سال، نہیں بھئی۔ میں تو جاتے ہی اماں جی کی منتیں شروع کر دوں گی کہ فوراً آسیہ کو رخصت کر دیں۔"

"شاہ سکندر کے ساتھ" سیما بھابی نے مزید لقمہ دے کر اُکسایا۔

"ہاں، چاہے اُس کے اماں ابا آئیں یا نہ آئیں۔ کیوں آسیہ؟"

آخر میں اُسے گدگدایا تو وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔

"ایسے نہیں، ہنس کر دکھاؤ۔"

"ساتھ گانا بھی سناؤ۔ اگر تم مل جاؤ لیکن دیکھو زمانہ چھوڑنے کی بات نہیں کرنا۔"

سیما بھابی کی پیار بھری وارننگ پر وہ ہنس پڑی تو بھاوجوں کی چھیڑ چھاڑ سے ماحول پھر سے خوشگوار ہو گیا تھا۔

"اماں جی۔ میں نبیلہ کو طلاق دے رہا ہوں۔"

بڑے بھیا کا پُرسکون انداز بتا رہا تھا کہ یہ اچانک فیصلہ نہیں ہے بلکہ سارے طوفانوں سے گزرنے کے بعد ہی وہ اماں جی اور ابا جی کے پاس آئے ہیں۔ اور اپنی بات کے ردِعمل پر ٹھٹکے بھی نہیں۔ یعنی اماں جی اور ابا جی سناٹے میں آ گئے تھے اور وہ ہنوز اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"میں جانتا ہوں میرا یہ اقدام آپ کو دُکھ دے گا۔ اتنا عرصہ اگر میں خاموش رہا تو صرف یہی سوچ کر لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ دس سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ میں سمجھوتے پر سمجھوتا کرتا گیا اس امید پر کہ شاید کبھی وہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے لگے لیکن۔"

ٹھہر ٹھہر کر بولتے بولتے انہوں نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا پھر ہونٹ بھینچ لیے تو ابا جی دُکھ سے بولے۔

"اگر تم شروع ہی میں اُسے الگ گھر لے دیتے تو تمہیں اتنے سمجھوتے نہ کرنے پڑتے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ تب تو دس دن میں ہی فیصلہ ہو جاتا۔"

اُن کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔

"کیونکہ وہ اپنے ہر فعل میں آزاد ہو جاتی۔ اُس نے اپنی سوسائٹی کے لوگوں کو اگر اس گھر کا راستہ نہیں دکھایا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُسے آپ کا، اماں جی کا یا میرا خیال رہا نہیں۔ ہم سب کی عزتوں کی تو اُس کے نزدیک سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔ وہ اپر کلاس کی عورت کسی طرح مڈل کلاس سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔ اس لیے کسی کو اس گھر کا راستہ نہیں دکھایا اور اگر میں اُسے الگ گھر لے دیتا تو جو کچھ وہ باہر کرتی پھرتی ہے۔ وہی میرے گھر میں بھی ہوتا۔"

"اُسے اتنی ڈھیل بھی تو تم ہی نے دی بیٹا! جہاں مرضی آئی گئی۔ کبھی ٹوکا تم نے۔ ارے تم نے تو یوں اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں جیسے تمہارا اُس سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔"

اماں جی بھی انہیں الزام دینے بیٹھ گئیں۔

"اور اب اتنے عرصے بعد تمہاری غیرت جاگی ہے تو ایکدم سے اسے چھوڑنے کی بات کر رہے ہو۔ نہ بیٹا! ایسا ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہوا۔ اُسے آرام سے، پیار سے سمجھاؤ۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ ہر طرح سے سمجھا کر دیکھ لیا ہے اماں جی۔

اب تو میری قوتِ برداشت جواب دے چکی ہے۔"

ان کی بے بسی پر ابّا جی کُڑھ کر رہ گئے۔

"صبر سے بیٹا۔ صبر سے۔"

"بہت صبر کر لیا۔ مزید کی طاقت نہیں۔ اگر آپ لوگوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا تو کسی دن میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔"

"اللہ نہ کرے۔" امّاں جی نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"تو چھوڑ دیں اُس کی طرف داری۔ مت کریں اُس کے ساتھ ہمدردی۔ وہ عورت ہرگز اس قابل نہیں ہے۔ نبیل کی وجہ سے میں نے اس کا بہت لحاظ کیا لیکن اُسے اس کی بھی پروا نہیں ہے۔ کتنے دن ہو گئے ہیں نبیل کو گئے ہوئے۔ ایک دن بھی اُس نے آپ سے پوچھا کہ وہ کب آئے گا؟"

ایک طویل عرصے بعد وہ اتنا بول رہے تھے۔ گویا برسوں کا غبار تھا۔

"پھر بھی بیٹا! نبیل کا خیال کر کے تم ٹھنڈے دل سے سوچو۔"

امّاں جی کسی طرح ان کے فیصلے کے حق میں نہیں تھیں۔ ایک آخری کوشش کے طور پر انہیں بچے کا احساس دلایا تو وہ کہنے لگے۔

"نبیل کا خیال ہی تو کر رہا ہوں۔ ماں کی بے توجہی سے مرجھا کر رہ گیا ہے اور جس دن اُس نے ماں کی بے راہ روی محسوس کر لی بالکل ٹوٹ جائے گا۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کی زبان پر نبیلہ کی بے راہ روی کا ذکر آ گیا۔

"بچے کی شخصیت کو بنانے اور بگاڑنے میں ماں کے کردار کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کل کو میرا بچہ اپنے وجود پر ہی نادم ہو اور کسی سے سر اُٹھا کر بات نہ کر سکے۔"

اس کے بعد اگر اُن کے پاس کہنے کو کچھ تھا بھی تو ابّا جی کو سر جھکائے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے بولے تھے۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کو دُکھ دے رہا ہوں۔"

ان کے جانے کے بعد ابّا جی نے سر اُٹھا کر امّاں جی کو دیکھا تو وہ رونے لگیں۔ پتا نہیں ان کے آنسو بیٹے کے دُکھ پر چھلکے تھے یا اس عورت کے لیے جو دُکھ کا باعث تھی۔ ابّا جی نے بہرحال انہیں رونے سے منع نہیں کیا۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولے۔

"یہ سچ ہے میرے بیٹے نے اپنی طاقت سے زیادہ برداشت کیا۔ دُعا کرو اللہ اسے سکون دے۔"

امّاں جی دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

"شاید اسی میں خدا کی مصلحت ہو گی۔"

ابّا جی اُٹھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے بولے۔ تبھی عدیل نے آ کر سلام کیا تو جواب دے کر ابّا اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ امّاں جی نماز کی نیت سے اُٹھتیں عدیل نے کھانا مانگ لیا۔

"نماز سے پہلے مجھے کھانا دے دیں امّاں جی!" پھر بیٹھتے ہوئے امّاں جی پر نظر پڑی تو ٹھٹک گئے۔

"کیا بات ہے امّاں جی! آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں۔"

امّاں جی اُٹھنے لگیں تو عدیل نے جلدی سے اُن کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ اور انہیں بتانے پر مجبور کرنے لگے۔ اسی وقت ادھر سے نبیلہ بھابی گھر میں داخل ہوئیں اور اُدھر سے بڑے بھیّا بہت تیزی سے سیڑھیاں اُترتے ہوئے آ گئے یوں جیسے انتظار میں تھے۔ یقیناً انہوں نے اوپر سے نبیلہ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور بجائے اُن کا اوپر انتظار کرنے کے خود ہی نیچے آ کر اُن کا راستہ روک لیا۔

"کیا بات ہے؟" نبیلہ کا اپنا انداز تھا۔ غیر معمولی بات پر بھی اُس کے تفاخر میں فرق نہیں آتا تھا۔

پیشانی پر بل ڈال کر بولی "اس طرح راستے میں کھڑے ہونے کا مطلب؟"

"واپس لوٹ جاؤ، جہاں سے آئی ہو اور جس کے ساتھ آئی ہو۔"

اُن کے لہجے کا ٹھہراؤ اس بات کا غماز تھا کہ وہ ضبط کی انتہا پر کھڑے ہیں۔

نبیلہ نے تذبذب سے پلٹ کر امّاں جی اور عدیل کو دیکھا پھر اُن سے بولی۔

"میں ہرگز تمہیں اپنی انسلٹ کی اجازت نہیں دوں گی۔ جو کچھ کہنا ہے، اوپر چل کر کہو۔"

"کہنے سننے کا وقت نکل گیا ہے نبیلہ بیگم۔ ایک ہفتہ پہلے میں نے تمہیں وارننگ دی تھی۔ اپنی روش بدلو۔ اگر نہ بدل سکو تو اس گھر میں مت آنا۔ آج کی تاریخ دیکھ لو۔ یہی دن طے ہوا تھا ناں؟"

انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اُسے یاد دلایا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"تو تم نے فیصلہ کر لیا؟"

انہوں نے ہونٹ بھینچ کر اثبات میں سر ہلایا تو اُس نے اُن پر سے نظریں ہٹا کر امّاں جی کو روتے ہوئے اور عدیل کو گم صم دیکھا پھر در و دیوار پر نظر ڈالنے کے بعد آخر میں انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر میں نچلے درجے کی کوئی عام سی عورت ہوتی عقیل احمد تو تمہاری منتیں کرتی یا پھر کوستی کہ جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا، وہ تمہاری ـــ"

"خبردار۔" وہ جو بہت ضبط کر رہے تھے، چیخ پڑے۔ "تمہاری زبان پر میرے گھر کی کسی عورت کا نام نہ آئے۔"

"بہت پارسا ہیں تمہارے گھر کی عورتیں۔ ہا۔" وہ تلملا کر ہنسی۔ بڑی زہریلی ہنسی تھی۔ عدیل اپنی جگہ سے اُٹھ کر دونوں کے درمیان آ کھڑے ہوئے۔

"بڑے بھیّا، پلیز، آپ اوپر جائیں۔" پھر اس کی طرف پلٹے۔ "بھابی پلیز۔"

"مت کہو اسے بھابی! طلاق دے رہا ہوں میں اسے۔"

"طلاق دے رہا ہوں۔"

"طلاق۔"

نبیلہ کو اگر افسوس نہیں تھا تب بھی ایک لمحے کو دل کا نپا ضرور تھا۔ اس کے بعد کچھ نہ کہہ کر خود کو نچلے درجے کی عورت ثابت کرنے سے روکتے روکتے بھی دہلیز پر کھڑی ہو کر وہ چیخ کر بولی تھی۔

"عقیل احمد! مت بھولنا کہ تمہاری ایک بہن بھی ہے۔"

اتنے شور اور ہنگامے میں اُس کا دم گھٹ رہا تھا۔ بی بی جان کی رسمیں بھی تو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔ جانے کس کس چیز پر اُس کا اور اُس کے پہلو میں کھڑی مہرالنساء کا ہاتھ لگوا کر دونوں کے اوپر سے وار رہی تھیں۔

اگر یہ سب اُس کی خواہش کے مطابق ہو رہا ہوتا تو وہ کتنا خوش ہوتا۔ بھاوجوں اور کزنز کی چھیڑ چھاڑ پر نہ صرف محظوظ ہوتا بلکہ برابر سے جواب بھی دیتا لیکن وہ تو ایسا گم صم کھڑا تھا کہ پہلو میں کھڑی مہرالنساء کے وجود کا احساس بھی نہیں تھا۔

"بس کریں بی بی جان! دُلہن تھک گئی ہے۔" آخر بڑی بھابی کو احساس ہوا تو بڑھ کر مہرالنساء کو تھام لیا جو واقعی بھاری کپڑوں اور زیورات کے بوجھ سے جھکی جا رہی تھی۔ بی جان نے ہاتھ میں پکڑا تھال جیراں کو تھمایا پھر ایک طرف ہٹتے ہوئے مہرالنساء سے بولیں۔

"سنبھل کے۔ پہلے دایاں پاؤں آگے بڑھاؤ۔"

"چل بھئی شہزادے! تو بھی آگے بڑھ۔" چھوٹی بھابی نے اُس کے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے کہا اور اُس نے قدم کیا بڑھایا کہ پھر رُکا ہی نہیں۔ پیچھے سے سب شور مچاتی رہ گئیں۔

"ارے اپنی دُلہن تو لیتے جاؤ۔" اُس نے جیسے سُنا ہی نہیں۔ راہداری سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے

کے بجائے پچھلی طرف بارہ دری میں نکل آیا۔

دن بھر کی جھلسا دینے والی گرمی کے بعد ابھی بھی گو کہ ہوا نہیں چل رہی تھی پھر بھی قدرے سکون تھا۔ وہ ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ایک تو ذہنی انتشار دوسرے تھکا دینے والی رسمیں اُس کے اعصاب شل کر گئی تھیں۔ کتنی دیر تک وہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے خود کو سہارا دینے کی کوشش کرتا رہا پھر اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔

جب ذہن کسی حد تک سوچنے کے قابل ہوا تب بھی وہ یکسوئی سے کچھ نہیں سوچ سکا۔ البتہ اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی آسانی سے کیسے سازش کا شکار ہو گیا۔ شاید اُس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہ جہانگیر نے جو اُس سے شہر بانو کی شادی تک خاموش رہنے کا وعدہ لیا تھا تو اس سے پہلے وہ اسے بھی پابند کر دیں گے اور اُسے پابند کر کے سب لوگ کتنے خوش تھے۔ اندر سے آتی قہقہوں کی آوازیں اُس کے ذہن پر ہتھوڑے برسانے لگیں تو اُس کا دل چاہا وہ اسی وقت سب کی خوشیوں کو روندتا ہوا چلا جائے لیکن ابھی شہر بانو رخصت نہیں ہوئی تھی۔ کل تک اُسے انتظار کرنا تھا۔ اس کے بعد ایک پل یہاں نہیں ٹھہرے گا۔

اُس کا ذہن اچانک اپنے کل کے بارے میں سوچنے لگا تو پھر اُسے کچھ خبر نہیں ہوئی۔ کتنی رات بیت گئی۔ اندر باہر ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید سب کو یقین تھا کہ وہ اپنے کمرے میں جا چکا ہے جبھی کوئی اُسے ڈھونڈتا ہوا اس طرف نہیں آیا بلکہ سب اطمینان سے سو گئے تھے۔ اور وہ اپنا اگلا اقدام سوچنے کے بعد جب پوری طرح مطمئن ہو گیا تب وہاں سے اُٹھ کر اندر آیا۔

اس وقت گھڑی کی سوئیاں دو بجا رہی تھیں۔ وہ مہرالنساء کے سو جانے کا یقین کر کے اپنے کمرے میں آیا اور قصداً اُس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

اس کا خیال تھا کپڑے بدل کر اسی خاموشی سے اس کمرے سے نکل کر نیچے کہیں جا کر سو جائے گا۔ اپنی تئیں اُس نے بہت احتیاط کی یعنی کوئی آہٹ نہیں ہونے دی۔ آیا بھی دبے پاؤں تھا۔ پھر کپڑے بدل کر اسی احتیاط سے ڈریسنگ روم سے نکلا تھا کہ بے اختیار نظر سیج پر بیٹھی اُس لڑکی پر جا ٹھہری جس کا غیر معمولی حسن کبھی اُسے متاثر نہیں کر سکا تھا لیکن اس ایک پل میں جانے کیا سحر تھا جس کی گرفت میں وہ یوں آیا کہ اُس پر سے نظر ہی ہٹا ہی نہیں سکا۔ پتا نہیں اُس کا انتظار کرتے کرتے وہ سو گئی تھی یا یونہی پلکیں موند لی تھیں۔ خود سے قدرے بے نیاز اور قدرے بے ترتیب سی ہو کر ہوش اُڑائے دے رہی تھی۔ اور اسی مدہوشی کے عالم میں اُس نے درمیانی فاصلہ سمیٹا تو اُس کے ہونٹ بے آواز جنبش کر رہے تھے۔ ”مہرو.... مہرو....!“

اور یہ محبت کا نشہ نہیں تھا جس کا کیف ساری زندگی پر محیط ہو جاتا۔ اس کے برعکس وقتی جذبات تھے۔ نفسیاتی خواہش جس سے مغلوب ہو کر وہ اپنی اولین شب اُس کے نام کر گیا تھا جس کے ساتھ زندگی گزارنے پر اس کا دل آمادہ ہی نہیں تھا۔ اور گو کہ اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ پھر بھی صبح ہونے سے پہلے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اور بے حد وحشت زدہ سا مہرالنساء کو دیکھنے لگا جو پالینے کے احساس سے نیند میں بھی مسکرا رہی تھی۔ جس سے وہ جنونی سا ہو کر اُسے جھنجھوڑنے لگا۔

”مہرو۔ مہرالنساء....!“

”جی....!“ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔

”تم یہاں کیوں آئی ہو؟“ عجیب سوال تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔

”جی....!“

”تم نے مجھے روکا کیوں نہیں۔ تم نے مجھے روکا کیوں نہیں؟“ وہ اُسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑنے لگا۔ تو بڑی مشکل سے اپنا آپ چھڑا کر وہ بیڈ سے اُتر کر بولی۔

”آپ.... شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ پھر جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر لے آئی۔

”لیجیے۔ پانی پی لیں۔“

اُس نے گلاس لے کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا پھر بیڈ کی پشت پر سر رکھتا ہوا بولا۔

”یہ اچھا نہیں ہوا مہرالنساء! یہ اچھا نہیں ہوا۔“ اُس کے لہجے میں بے بسی تھی۔ مہرالنساء کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اُس نے کے ہاتھ سے گلاس لے کر ٹیبل پر رکھا پھر قریب آ کر بولی۔

”آپ لیٹ جائیں، میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔“

اُس کے اندر اچانک تنفر بھر گیا۔ ذرا سی آنکھیں کھول کر اُسے دیکھتا ہوا زہرخند سے بولا۔

”کیا سمجھتی ہو تم، اس طرح میرا دل جیت لو گی۔“

”جیتے تو آپ ہیں شاہ! میں تو ہار گئی۔“ بڑا خوبصورت بڑا دلنشیں انداز تھا اس کا لیکن شاہ سکندر حیات اب ہوش میں آ چکا تھا۔ کچھ دیر تک اُس کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

”ہارنے کا دکھ نہیں ہے تمہیں؟“

”دکھ....“ مہرالنساء نے زیرِ لب دہرایا پھر جیسے اپنی ہار سوچ کر مسکرائی۔ اور ایسے ہی جھکی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”آپ کو جیتنے کی خوشی نہیں ہے؟“

شاہ سکندر کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ کیا کہے اُس سے کہ جسے وہ جیت کہہ رہی ہے۔ وہ اس کی سب سے بڑی ہار ہے۔

کل جب مہرالنساء کی ڈولی اس حویلی میں اُتری تھی تو حویلی کی رونق میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا اور وہ ساری رونقیں شہر بانو کے رخصت ہوتے ہی ماند پڑ گئی تھیں۔

رواج کے مطابق مہرالنساء بھی اُس کے ساتھ میکے چلی گئی تھی۔ اور تین دن اُسے وہیں رہنا تھا۔ بہرحال شاہ سکندر کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ شہر بانو کی رخصتی تک خاموش رہنے کا وعدہ نبھا چکا تھا اور مزید خاموش رہنا اُس کے اختیار میں نہیں تھا نہ ہی صبح ہونے کا انتظار کر سکا۔ اُسی وقت جا کر شاہ جہانگیر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

”کون ہے، آ جاؤ۔“ اندر سے شاہ جہانگیر کی آواز آئی تو اُس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن سامنے بھابی پر نظر پڑی تو وہیں رُک کر بولا۔

”بھائی! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

”ہاں ہاں۔ مجھے معلوم ہے بلکہ یاد ہے۔ کچھ دن صبر کر لو۔ پھر اطمینان سے۔“

”یہاں ایک ایک پل بھاری ہے۔“ وہ درمیان میں بول پڑا تو شاہ جہانگیر نے اپنی بیگم کو دیکھ کر گویا اسے اُن کی موجودگی کا احساس دلایا پھر اُسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

”کیا صبح تک انتظار بھی نہیں کر سکتے!“

”ارے ابھی تو وہ گئی ہے۔ اتنی بے قراری۔“

بھابی اپنی سمجھ کے مطابق مہرالنساء کے حوالے سے اُسے چھیڑ کر ہنسیں تو اُس نے شاہ جہانگیر کو دیکھا۔

”صبح۔“ انہوں نے اسی قدر کہا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ اُن کا دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آ گیا۔

رات کے پُرفسوں لمحات کی خوشبو ابھی اُس کے کمرے سے گئی نہیں تھی، جو اُس کے سوچنے کی راہ میں حائل ہو کر بار بار اُس کا دھیان بٹا دیتی۔ تب جھنجھلا کر اُس نے تکیے میں منہ چھپا لیا تھا۔

پھر صبح ناشتے کے بعد وہ بی بی جان کے پاس آ بیٹھا۔ اُس کی بڑی بہن نور بانو بھی وہیں موجود تھیں اور اپنے جانے کی بات کر رہی تھیں۔ وہ سن کر کہنے لگا۔

”اتنی جلدی کیوں جا رہی ہیں آپا۔ ابھی رہیں ناں۔“

"تم کہاں میرے پاس بیٹھتے ہو، سارا وقت تو اپنے کمرے میں بند رہتے ہو۔" نور بانو گلہ کرنے بولیں۔ "میرے پاس آنے بھی نہیں ہو۔ اب مہرالنساء کو لے کر آنا۔"

"جی۔" وہ اسی قدر کہہ کر فوراً بی بی جان کو مخاطب کرکے پوچھنے لگا۔ "جہانگیر بھائی نے نا لیا؟"

"ہاں، وہ تو سویرے ہی نکل گیا ہے۔" بی بی جان نے بتایا تو وہ چونک گیا۔

"کہاں؟"

"رقبے پر گیا ہے!"

"اکیلے؟"

"نہیں۔ تمہارے بابا جان بھی ساتھ گئے ہیں۔" پھر سرسری انداز میں پوچھنے لگیں۔ "تمہیں کوئی کا اُس سے؟"

"جی۔ جی نہیں۔" وہ ایکدم اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جاتے جاتے رُک کر بولا۔ "بھائی آئیں تو اُن سے گا۔ میں اس سے زیادہ انتظار نہیں کرسکتا تھا۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" بی بی جان نے ٹھیک سے سُنا نہیں یا سمجھیں نہیں اور وہ اچانک سار مصلحتوں کا دامن چھوڑ کر چیخ پڑا۔

"میں جا رہا ہوں بی بی جان یہاں سے، ہمیشہ کے لیے، آپ نے اور بابا جان نے میری با سنی ہی نہیں تھی اور جہانگیر بھائی نے اتنا احسان کیا کہ نہ صرف میری بات سنی بلکہ سمجھ کر مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ میرے حق میں آپ لوگوں کو ہموار کریں گے۔ لیکن وہ میرے ساتھ فاؤل کھیل اس سے زیادہ میں اپنی زندگی کے ساتھ کھیلنے کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا۔"

"ک۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" بی بی جان نے بوکھلا کر کہا اُس سے، اور دیکھا نور بانو صورت حال کو نہ سمجھتے ہوئے بھی پریشان ہوگئی تھیں۔

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے بھائی پر اعتبا اُن سے کہیے گا میں شہر بانو کی طرح گونگا بہرا نہیں ہوں نہ ہی ان کے سہارے کا محتاج۔ یہاں نکل کر اگر کچھ نہ کر دوں گا، تب بھی پلٹ کر یہاں نہیں آؤں گا۔"

اُس نے جانے کا فیصلہ سنا کر بی بی جان کے حواس چھین لیے۔

"بابا جان کے الفاظ حرف آخر تھے ناں تو میرا فیصلہ بھی اٹل ہے۔ اُن ہی کی اولاد ہوں میں نے اپنا شوق پورا کر لیا اب میری باری ہے۔ جا رہا ہوں میں۔"

وہ اپنے آپے میں نہیں تھا۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی بی بی جان کے سامنے اتنی اونچی آواز بات نہیں کی تھی۔ جانے کیسے سارے لحاظ بھلا گیا۔

"سکندر۔ سکندر میرے بھائی!" نور بانو اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کی طرف لپکیں۔ "کہاں جا رہے

"بی بی جان جانتی ہیں۔" وہ نور بانو کے قریب آنے سے پہلے ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا بی بی جان ایکدم ہوش میں آکر پکار کر بولیں۔

"سکندر! اپنے بابا جان کو تو آنے دو!" وہ ان سنی کرتا آگے بڑھ گیا۔ تو بی بی جان شاہ یونس ا بھوؤں کو پکارنے لگیں۔

"کوئی روکو اسے۔ میں تمہارے بابا جان کو کیا جواب دوں گی۔"

اور غلطی شاہ جہانگیر کی تھی۔ اگر اُس کی بات سن لیتے تو آرام سے سمجھا بھی سکتے تھے۔ جیسے پہلے رام کر لیا تھا۔ شاید اپنے طور پر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کچھ نہیں کرسکتا اور وہ اس ہوگیا تھا کہ بڑی بہن اور بھاوجیں منتیں کرتی رہ گئیں، شاہ یونس نے ہر طرح روکنے کی کوشش وہ نہیں رُکا۔ اسی وقت اپنا ضروری سامان لے کر حویلی سے نکل گیا تھا۔

"آسیہ!" اُس نے شکیل بھائی کی پکار سن کر سب بچوں کو آرام سے کھیلنے کی تاکید کی پھر کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو وہ اُسے دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"بیٹا! وہ عدیل کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا اماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ہوا اماں جی کو؟" اُدھر سے سیما بھابی سنتی ہوئی آرہی تھیں۔ فوراً پوچھنے لگیں۔

"پتا نہیں، زیادہ کچھ نہیں بتایا عدیل نے۔ میرا خیال ہے اکیلے میں گھبرا گئی ہوں گی۔" شکیل بھائی بیوی کو جواب دے کر اُسے دیکھنے لگے۔

"تو ہم چلے جاتے ہیں۔" اُس نے کہا تو شکیل بھائی پُرسوچ انداز میں ذرا سا سر ہلا کر بولے۔

"ہوں۔ عدیل یہی کہہ رہا تھا کہ ابا جی سب کو واپس بلا رہے ہیں۔"

"عدیل نے یہاں فون کیوں نہیں کیا۔ کم از کم ہم اماں جی کے بارے میں تفصیل سے تو معلوم کر لیتے۔"

"اسی لیے اُس نے یہاں فون نہیں کیا۔ کیونکہ وہاں گھر کا فون خراب تھا اور آفس میں بیٹھ کر وہ تم خواتین سے لمبی چوڑی بات نہیں کرسکتا تھا۔" شکیل بھائی نے زور دے کر بیوی کو جتایا پھر اُس سے کہنے لگے۔

"بیٹا! تم تیاری کرلو۔ کل صبح کی ٹرین ہے۔"

"یعنی آپ ٹکٹ بھی لے آئے۔" سیما بھابی نے تعجب کا اظہار کیا۔

"ٹھیک تو ہے بھابی! ہمیں فوراً جانا چاہیے۔ پتا نہیں اماں جی!"

اُس کا دھیان اماں جی کی طرف تھا۔ اس بحث سے اُکتا کر بولی۔ تو شکیل بھائی نے چونک کر اُسے دیکھا، پھر تسلی دیتے ہوئے بولے۔

"زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بس وہی اکیلے میں گھبرا گئی ہیں، تم جاؤ تیاری کرو۔"

اُسے محسوس ہوا۔ جیسے شکیل بھائی کچھ چھپا رہے ہیں۔ تب اندر ہی اندر اُس کا دل بیٹھنے لگا۔ اور کیونکہ بات اماں جی کی تھی۔ اس لیے کسی اور طرف اُس کا دھیان ہی نہیں گیا۔ فوراً جا کر پہلے میمونہ بھابی کو بتایا پھر آکر اپنا سوٹ کیس پیک کرنے لگی جیسے اسی وقت روانگی ہو۔ اور اُس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اسی وقت اماں جی کے پاس پہنچ جائے بڑی مشکل سے رات کٹی تھی اور پھر آگے طویل سفر تھا۔ گو کہ شکیل بھائی اور پھر سیما بھابی بھی وقتاً فوقتاً یہی کہتی رہی تھیں کہ یہ صرف تم لوگوں کو بلانے کا بہانا ہے۔ لیکن اُس کا دل ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"ابا جی ایسے نہ بلاتے تب بھی ہمیں جانا تھا۔ ضرور کوئی بات ہے۔"

تمام راستہ وہ یہی سوچتی آئی تھی۔ آگے کراچی اسٹیشن پر عدیل موجود تھے۔ اور وہ جو شکیل بھائی کے سامنے کسی بے قراری یا تشویش کا اظہار نہیں کرسکی تھی عدیل بھائی سے اپنی کیفیت چھپا نہیں سکی۔

"سچ بتائیں عدیل بھائی، کیا بات ہے؟"

"کیا بات ہے؟" وہ اُلٹا اُس سے پوچھنے لگے۔

"اماں جی تو ٹھیک ہیں ناں؟"

"ہاں ٹھیک ہیں اور بڑی بے قراری سے تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں۔" پھر فوراً میمونہ بھابی کی طرف گھوم کر کہنے لگے۔

"آپ نے بھی تو حد کر دی بھابی! سب بچوں کو لے کر چل پڑیں۔ ایک دو کو اماں جی کے پاس چھوڑ جاتیں۔"

"ایک کو چھوڑ تو گئی تھی۔" میمونہ بھابی کا اشارا اپنے میاں کی طرف تھا۔ عدیل سمجھ کر زور سے ہنسے تبھی نبیل پر نظر پڑی تو اُسے اپنے ساتھ لگا کر بولے۔

"اور پارٹنر کیسے ہو، یہ بیگ اُٹھا لو گے؟"

"میں اٹھالوں گا۔" احمر نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔ تو میمونہ بھابی ٹوکتے ہوئے بولیں۔

"کنجوس آدمی، قلی بلالو۔ پیسے میں دے دوں گی۔"

"گواہ رہنا آسیہ! یہ بعد میں مکر جاتی ہیں۔"

وہ بھاوج کو شرارت سے دیکھتے ہوئے بولے۔ تو اس چھیڑ چھاڑ میں آسیہ بہت حد تک دسوسوں سے نکل آئی۔ ظاہر ہے اگر کوئی سیریس بات ہوتی تو عدیل بھائی اتنے آرام سے ہنس نہیں سکتے تھے۔ تمام راستہ وہ میمونہ بھابی کے ساتھ اسی طرح مذاق کرتے رہے اور میمونہ بھابی بھی گو کہ برابر سے جواب دے رہی تھیں۔ لیکن سفر کی تھکان کے باعث اُن کے لہجے میں شگفتگی نہیں تھی۔

اپنے گھر آنے کی خوشی ہی الگ ہوتی ہے۔ بچوں نے دروازے سے داخل ہوتے ہی اماں جی اور ابا جی کو پکارنا شروع کر دیا۔ احمر اور سونیا بھاگ کر اماں جی کے تخت — پر چڑھ کر اُن سے لپٹ گئے۔ نبیل بھی اُن کی تقلید کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی ابا جی نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے کر سینے میں بھینچ لیا۔

"اف اماں جی! میں تو پریشان ہو گئی تھی۔" جب اُس کی باری آئی تو اماں جی کے گلے لگتی ہوئی بولی۔ "عدیل بھائی نے آپ کی بیماری کا کیوں کہا؟"

"میں نے منع بھی کیا تھا آسیہ۔ خیر تم سناؤ۔ وہاں شکیل کے ہاں سب خیریت ہے ناں۔ بچوں کی چھٹیاں تھیں۔ سما بھی آجاتی تم لوگوں کے ساتھ۔" اماں جی موضوع بدل گئیں۔

"ہاں، سما بھابی کا دل بھی چاہ رہا تھا۔ لیکن شکیل بھائی کو کھانے وغیرہ کی پرابلم ہو جاتی۔ اس لیے نہیں آئیں۔ اب آپ جائیے گا۔"

اُس نے کہا تو اماں جی قصداً ان سنی کر کے عدیل سے کہنے لگیں۔

"عدیل! یہ لوگ تھکی ہوئی آئی ہیں۔ اِس وقت چائے تم بنالو۔"

"نہیں اماں جی!" وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ "عدیل بھائی کیوں بنائیں گے!"

"بنانے دو۔ بنانے دو۔" میمونہ بھابی کو موقع مل گیا۔ "چلو عدیل شاباش کام کیا کرو۔"

"نہیں بھابی! یہ کام میرا ہے۔"

وہ کہہ کر جانے لگی کہ نبیل کو سیڑھیاں اُترتے دیکھ کر وہیں رُک گئی۔ پتا نہیں کس وقت وہ اوپر چلا گیا تھا۔ حالانکہ اُسے اچھی طرح پتا تھا کہ اس وقت اوپر کوئی نہیں ہوتا۔ پھر بھی آخری سیڑھی تک آکر کہنے لگا۔

"پھپھو! اوپر کوئی نہیں ہے۔"

"بابا تو شام میں آتے ہیں بیٹا اور ممی بھی آجائیں گی۔ آپ جاؤ اماں جی کے پاس بیٹھو، چائے پیو گے ناں؟"

وہ اُسے نرمی سے سمجھا کر کچن میں آگئی۔ اور ابھی چولہا جلا کر کیتلی میں پانی رکھ رہی تھی کہ عدیل بھائی اُس کے پیچھے آگئے۔

"میں بنالوں گی بھائی!" وہ یہی سمجھی اُس کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔

"نبیل کیا کہہ رہا تھا؟" انہوں نے اُس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔ تو وہ معروف سے انداز میں بولی۔

"بچہ ہے ناں، اتنے دن ماں باپ سے دور رہا۔ انہی کا پوچھ رہا تھا۔"

"سنو۔" عدیل بھائی اُسے مصروفیت سے نکال کر کہنے لگے۔ "اس بچے کو تمہیں کسی طرح بہلانا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ اُن کے لہجے پر ٹھٹھک گئی۔ اور انہوں نے پہلے اپنے پیچھے دیکھ کر گویا کسی کے نہ ہونے کا یقین کیا پھر آواز دبا کر بولے۔

"بڑے بھیا نے نبیلہ بھابی کو طلاق دے دی ہے۔"

"کیا؟" اُسے شدید دھچکا لگا تھا۔ انتہائی دُکھ سے بولی۔ "کیوں عدیل بھائی؟ بڑے بھیا نے ایسا کیوں کیا؟"

"میرے حساب سے تو بڑے بھیا کو یہ قدم بہت پہلے اٹھانا چاہیے تھا۔ پتا نہیں اتنی دیر کیوں کی!"

عدیل بھائی بڑے آرام سے کہہ کر کچن سے نکل گئے۔ اور اُس کے آنسو چھلک پڑے۔ حالانکہ نبیلہ بھابی اُس گھر میں اجنبیوں کی طرح رہتی تھیں۔ پھر بھی اُسے دُکھ ہو رہا تھا۔

اُس کے خیال میں نبیل کو بہلانا مشکل نہیں تھا۔ کیونکہ پہلے بھی وہ سارا وقت اُس کے اور اماں جی کے پاس رہتا تھا۔ بس رات میں سونے کے لیے ہی اوپر جاتا۔ تب بھی نبیلہ بھابی کو اُس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ اور ابھی بھی اُن کی طرف سے نبیل کو ملنے یا لینے کا کوئی مطالبہ نہیں ہوا تھا۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ اُسے اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بنانا چاہتیں۔ اور حیرت انگیز طور پر نبیل کے دل میں اُس عورت کے لیے اتنا گداز تھا کہ اُس کی کمی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے بیمار پڑ گیا۔ رات رات بھر جاگ کر انتظار کرتا پھر اُس سے پوچھتا۔

"پھپھو! ممی کیوں نہیں آئیں؟"

"ممی کہاں چلی گئیں؟"

"بابا کہہ رہے تھے۔ ممی اب کبھی نہیں آئیں گی۔ ہیں پھپھو؟"

وہ اُس کے سوالوں سے کبھی پریشان ہو جاتی کبھی حیران۔ اور حیرت اُسے اسی بات پر تھی کہ وہ کیسے اُس عورت سے اتنی محبت رکھتا ہے، جو اُسے صرف جنم دینے کی سزاوار تھی۔ بہرحال وہ جو سوچ رہی تھی کہ اسے بہلانا مشکل نہیں ہے۔ تو یہ آسان بھی نہیں تھا۔ اُس کا سارا وقت اس کا دھیان اِدھر اُدھر رکھنے میں گزر جاتا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو چکی تھی، ورنہ اماں جی کسی طرح نبیل کو نہیں سنبھال سکتی تھیں۔

بڑے بھیا نے پتا نہیں کونسی مصروفیت ڈھونڈ لی تھی۔ رات میں اتنی دیر سے آتے تو اُس کے کمرے میں بس دروازے میں کھڑے کھڑے پوچھتے۔

"نبیل سو گیا؟"

"تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کرتا؟"

اور وہ جی اور جی نہیں سے زیادہ کچھ نہیں کہتی تھی۔ لیکن اندر ہی اندر کڑھتی ضرور تھی کہ ماں نے تو چھوڑا ہی، باپ بھی اتنا لاپروا ہو گیا ہے۔

"کم از کم بڑے بھیا کو تو احساس ہونا چاہیے۔" اُس وقت وہ میمونہ بھابی کے سامنے کڑھ رہی تھی۔ "اسی لیے نبیل زیادہ حساس ہو رہا ہے کہ ماں باپ دونوں میں سے کوئی اُسے نظر نہیں آتا۔ ہم اس سے کتنی محبت کریں۔ اس کے ماں باپ تو نہیں ہو سکتے۔"

"ہوں!" میمونہ بھابی گو کہ دیکھ اُسے ہی رہی تھیں لیکن جانے دھیان کہاں تھا۔

"ایمان سے بھابی! مجھے بڑا ترس آتا ہے۔ رات میں کتنی بار چونک کر اٹھتا ہے۔ پھر سہم کر میرے سینے میں منہ چھپا لیتا ہے۔"

"ہوں۔" میمونہ بھابی کا انداز ابھی بھی سوچتا ہوا تھا جس پر اُس نے رُک کر انہیں دیکھا پھر اُن کا ہاتھ ہلا کر پوچھنے لگی۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

"میں نبیل کا سوچ رہی ہوں اور ساتھ تمہارا بھی۔" میمونہ بھابی نے بغیر چونکے کہا تو وہ متعجب ہوئی۔

"میرا؟"

"ہاں تم جو نبیل کو اپنا اتنا عادی بنا رہی ہو تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ کل کو جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو وہ کیا کرے گا؟"

میمونہ بھابی اُسے سمجھاتے ہوئے بولیں "میں یہ نہیں کہتی کہ اس کا خیال نہیں رکھو۔ البتہ اُسے بالکل اپنا محتاج نہیں بناؤ۔ ورنہ وہ ایک بار پھر ٹوٹ جائے گا۔ اُس سے تمہاری دُوری برداشت نہیں ہو گی۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟"

"ہوں ..." اُس نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگی "میں کیا کروں۔ وہ سارا وقت میرے ساتھ لگا رہتا ہے۔"

"تھوڑا نظر انداز کرو گی، تب وہ اِدھر اُدھر کھیلنے میں لگے گا، اور میں اماں جی سے کہوں گی، اُسے اپنے پاس سُلایا کریں۔"

"نہیں بھابی! ابھی نہیں" اس کا اپنا دل بھی تو ایسا ہی نرم تھا۔

"پاگل مت بنو۔ تمہارے جانے کے بعد ہم سب کو مشکل ہو گی۔" میمونہ بھابی نے ٹوکا۔ پھر اُسے متوجہ کر کے پوچھنے لگیں "سنو۔ ابھی تک وہ آیا نہیں۔ کب آنے کو کہا تھا اُس نے؟"

"کوئی وقت تو مقرر نہیں کیا تھا۔ بس یہ پوچھا تھا کہ میں کراچی کب جاؤں گی؟" وہ اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کراچی آئے ہوئے بھی ہمیں پندرہ بیس دن ہو گئے ہیں۔ اُسے کم از کم فون تو کرنا چاہیے تھا۔ کچھ حالات کا پتا چلتا کہ وہ اپنے ماں باپ کو راضی کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا، میں غلط تو نہیں کہہ رہی ناں!"

اُس کے دیکھتے پر میمونہ بھابی نے پوچھا تو ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اچھا سنو، میں اپنے طور پر اماں جی سے ذکر کروں، میرا مطلب ہے یونہی پہلے تمہاری شادی کی بات چھیڑوں گی پھر اُس کا نام لوں گی۔"

میمونہ بھابی نے اچانک کسی خیال کے تحت کہا۔

وہ کچھ نہیں بولی، بس سر جھکا لیا گویا ان کی بات سے اتفاق کر لیا تھا۔

اور اُس رات نبیل کو کہانی سناتے ہوئے، وہ اپنی ہی کہانی میں کھو گئی۔ میمونہ بھابی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ شاہ سکندر کو فون ضرور کرنا چاہیے تھا۔ پتا نہیں کن کاموں میں اُلجھ گیا ہے۔ اور جانے اُس نے اپنے گھر میں میرا ذکر کیا بھی ہے یا نہیں۔ یا شاید!

"پھپھو!" نبیل اُس کی ادھوری کہانی میں اُلجھ رہا تھا۔ "شہزادہ نہیں آئے گا تو شہزادی کی شادی کس سے ہو گی!"

"شہزادہ، کیوں نہیں آئے گا۔ ضرور آئے گا!"

وہ اپنے خیال میں بولی پھر چونکی تو ہنس پڑی اور نبیل کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی تھی

"شہزادہ ضرور آئے گا بیٹا!"

"اور اگر وہ راستہ بھول گیا؟"

"محبت کرنے والے راستہ نہیں بھولتے البتہ اُن کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں جنہیں دور کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔"

اُس نے سوچتے ہوئے پلکیں موند لیں۔

شاہ سکندر سیدھا احمد حسن کے پاس آیا تھا۔ کیونکہ اُس کے اکاؤنٹ میں جو رقم تھی۔ اُسے وہ اِدھر اُدھر رہائش اور دوسرے اخراجات میں خرچ نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی بہت احتیاط سے چلنے کی ضرورت تھی۔ اور اُس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جو کسی بھی خرچ سے پہلے اُسے سوچنا پڑ رہا تھا۔ ورنہ وہ لٹانے کا عادی تھا۔ اور کبھی حساب بھی نہیں رکھا۔ جبھی اب اُسے مشکل پیش آ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی رقم میں وہ کوئی چھوٹا موٹا گھر خریدے یا کاروبار شروع کرے اور کاروبار کا بھی اُسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔

بالآخر اُسے اپنا مسئلہ احمد حسن کے سامنے رکھنا پڑا۔ گو کہ اُس نے آتے ہی اُسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنے والدین سے ناراض ہو کر سب کو چھوڑ آیا ہے اور سبب بھی بتایا البتہ اپنی شادی چھپا گیا تھا۔ اس کی وجہ صرف اس کا احساس برتری تھا۔ جسے وہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ وہ کسی ایک پہلو سے کمزور نظر آئے۔

"میں اپنی زندگی خود بناؤں گا۔ آسیہ کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ گو کہ میرے اور بھی بہت دوست ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ تم پر بھروسا ہے۔ اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں احمد حسن کہ تم پورے خلوص سے میرا ساتھ دو گے۔"

اُس نے احمد حسن سے کہا تو جواب میں وہ بولا تھا۔

"تم نے میرا مان بڑھا دیا ہے شاہ سکندر! میں ہر پل تمہارے ساتھ ہوں۔"

"میں تمہیں زیادہ تنگ نہیں کروں گا۔" اُس نے کہا۔

اور پھر دو تین روز وہ خود ہی سوچتا رہا کہ پہلے اُسے کیا کرنا چاہیے۔ جب سمجھ میں نہیں آیا تب احمد حسن کو بلا لیا۔ اور اپنی چیک بک اُس کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔

"میرے پاس کل اتنی رقم ہے۔ جبکہ فوری حل طلب مسئلے دو ہیں گھر اور کاروبار۔ بتاؤ اتنی رقم میں یہ دونوں مسئلے حل ہو سکتے ہیں؟"

احمد حسن اُس کی چیک بک کا جائزہ لے کر سوچ میں پڑ گیا اور غالباً فوری طور پر اُس کی سمجھ میں بھی نہیں آیا، جب ہی کہنے لگا۔

"اتنی جلدی کیا ہے یار! اطمینان سے سوچیں گے۔"

"نہیں احمد! میرے پاس اطمینان سے سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ اُدھر آسیہ انتظار میں ہو گی اور میں اُس کے پاس اُسی وقت جاؤں گا جب میری اپنی کوئی حیثیت ہو گی!"

اُس نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ احمد حسن کو پھر سے سوچنا پڑا اور کتنی دیر بعد اُسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ فوراً پوچھنے لگا۔

"کچھ سمجھ میں آیا؟"

"ہاں ایک صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ فی الحال گھر خریدنے کے بجائے کوئی اپارٹمنٹ کرائے پر لے لو، اُس میں کچھ زیادہ خرچ نہیں ہو گا۔ باقی رقم سے کوئی بزنس شروع کر دو۔"

احمد حسن دونوں مسئلوں کا فوری حل بتا کر پوچھنے لگا۔

"کوئی بزنس ہے تمہارے ذہن میں یا وہ بھی مجھے سوچنا پڑے گا۔"

"مل کر سوچیں گے۔" وہ ہنسا۔ اُس کی ہنسی اس بات کی غماز تھی کہ اُسے احمد حسن کا مشورہ پسند آیا تھا۔

پھر اگلے کئی دن اُسے گھر دیکھنے میں لگ گئے۔ اب تک اُس کا جو معیارِ زندگی رہا تھا ظاہر ہے وہ ایکدم سے اُس سے بہت نیچے نہیں آ سکتا تھا اور اُس معیار کو برقرار رکھنا بھی مشکل تھا۔ اس لیے اُس نے ایک اچھے صاف ستھرے علاقے میں تین کمروں کا اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا۔ پھر اُسے ڈیکوریٹ کرنے میں گو کہ اپنے حساب سے اُس نے بہت بخل سے کام لیا تھا۔ پھر بھی بہت خوبصورتی سے سجا لیا۔

اس کے بعد یوں اطمینان سے ہو گیا جیسے سارے مسئلے حل ہو گئے ہوں۔ یا شاید اُس کے نزدیک اصل مسئلہ یہی تھا۔ اور روزگار کی کیونکہ پہلے کبھی اُسے فکر نہیں کرنی پڑی تھی اس لیے لاشعوری طور پر وہ

کچھ مطمئن سا تھا۔ جیسے یہ مسئلہ اپنے آپ حل ہو جائے گا۔ یا ہو سکتا ہے اتنی بڑی جائیداد میں اُسے اپنے حصّے کا خیال ہو۔

بہرحال گھر کی سیٹنگ کرتے ہی وہ آسیہ سے ملنے کو بے چین ہو گیا۔ لیکن وہ اس طرح نہیں جانا چاہتا تھا۔ بلکہ جیسا کہ اُس سے کہہ آیا تھا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر آئے گا اور اب گھر والے نہیں تھے تو اُس نے احمد حسن اُس کی والدہ اور بہن نائلہ کو اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ نائلہ کیونکہ ٹین ایج بھی تھی اس لیے بڑے شوق سے تیار ہو گئی اور تیار تو اُس کی امی بھی ہو گئی تھیں لیکن انہیں دھڑکا لگا ہوا تھا۔

"بیٹا! تمہارے ماں باپ ہم سے ناراض نہیں ہوں گے کہ اُن کی اجازت کے بغیر ہم نے تمہاری شادی کرا دی۔"

"آپ سے کیوں ناراض ہوں گے آنٹی! آپ اپنی مرضی سے تو نہیں جا رہیں۔ میں آپ کو لے جا رہا ہوں۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ میرے والدین کو خبر ہی نہیں انہیں سب پتا ہے۔ بس یہ ہے وہ یہاں میری شادی کے حق میں نہیں ہیں۔ اسی لیے تو میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میرے گھر والے زیادہ عرصہ میری دوری نہیں سہہ سکیں گے، میرے پاس آنے کے لیے انہیں بہانہ چاہیے ہو گا۔ اور وہ بہانا ظاہر ہے اُن کی بہو ہو گی۔"

اُس نے بڑے اعتماد سے انہیں یقین اور اطمینان دلایا۔ حالانکہ اُسے ایک فی صد بھی یقین نہیں تھا۔

"ہاں، ماں باپ کو اولاد کی خوشی کے سامنے جھکنا ہی پڑتا ہے۔" آنٹی نے کہا تو وہ اندر ہی اندر اطمینان سے ہو کر بولا۔

"جی۔ اور اُن لوگوں سے بھی آپ نے یہی کہنا ہے۔"

"فکر نہیں کریں سکندر بھائی! اُن کے سامنے میں آپ کی وہ تعریفیں کروں گی وہ تعریفیں۔" نائلہ کے جوش کے سامنے اس نے بند باندھ دیا۔

"بس۔ تم براہ مہربانی خاموش ہی رہنا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ تم خاموش اچھی لگتی ہو۔" اُس نے مذاق میں ٹالا پھر احمد حسن کو چلنے کا اشارا کیا تو وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

شام اُتر رہی تھی جب اُس نے آسیہ کے گھر میں قدم رکھا۔ حسب سابق آبا جی بڑی خندہ پیشانی سے اُس سے ملے پھر اُس کے ساتھ اور لوگوں کو دیکھ کر کچھ ٹھٹکے تو وہ فوراً تعارف کرواتا ہوا بولا۔

"یہ میرے عزیز ہیں احمد حسن، یہ ان کی والدہ اور سسٹر۔"

"اچھا۔ اچھا۔ بہت خوشی ہوئی، بیٹھیں، بیٹھیں آپ لوگ۔"

آبا جی پر قدرے بوکھلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔ انہیں بٹھا کر فوراً کمرے سے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد واپس آئے تو عدیل ساتھ تھے اور پیچھے اماں تھیں۔ ایک بار پھر تعارف ہوا اور جب اماں جی بیٹھیں تو بولنے لگیں۔

"آپ شاہ پور سے آئی ہیں؟" پہلا سوال ہی غیر متوقع تھا۔ آنٹی نے بے اختیار شاہ سکندر کو دیکھا لیکن اُس سے پہلے نائلہ بول پڑی۔

"نہیں، ہم لوگ یہیں رہتے ہیں اور اب تو سکندر بھائی بھی یہیں آ گئے ہیں۔"

شاہ سکندر نے واقعی حیران ہو کر اس لڑکی کو دیکھا جس نے پہلے مرحلے پر ہی اصل موضوع کی پیش رفت کر دی تھی۔ پھر بات کو مزاح کا رنگ دے کر بولا۔

"جی ہاں۔ ایک بھائی پر رعب جما کر اس لڑکی کا دل نہیں بھرتا تھا اس لیے مجھے بھی یہیں

بہنوں کا بھائیوں پر ہی تو بس چلتا ہے۔ اور محبت بھی بہت کرتی ہیں۔" اماں جی نے پیار سے نائلہ کو دیکھتے ہوئے کہا پھر پوچھنے لگیں۔

"پڑھتی ہو بیٹی!"

"جی۔ اب میڈیکل کے دوسرے سال میں گئی ہوں۔"

"ماشاء اللہ!"

"آپ کی بیٹی بھی تو غالباً۔" آنٹی آسیہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے قدرے جھجک گئیں۔

"جی میری بیٹی کا بس آخری امتحان تھا۔" اماں جی سادہ عورت تھیں، اپنے انداز میں جواب دیا تو نائلہ شوق سے پوچھنے لگی۔

"کہاں ہیں وہ۔ میں مل سکتی ہوں اُن سے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، اندر چلی جاؤ یا میں بلاتی ہوں اُسے۔"

"نہیں، میں جا رہی ہوں۔"

نائلہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ اور کچھ شوخ نظروں سے شاہ سکندر کو دیکھا۔ لیکن وہ عدیل سے کوئی بات کر رہا تھا۔ تب وہ احمد حسن کو کچھ اشارہ کر کے ڈرائنگ روم سے نکل کر برآمدے تک آ گئی۔ اس کے بعد سمجھ میں نہیں آیا کہاں جائے۔ سامنے کوئی نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ کچھ کشمکش و پیچ میں پڑ گئی۔ تبھی اپنے پیچھے قدموں کی آواز سن کر پلٹی تو عدیل کو دیکھ کر قدرے نروس ہو گئی۔ وہ غالباً چائے وغیرہ کا کہنے آ رہے تھے۔ رک کر پوچھنے لگے۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟"

"وہ۔ مجھے آسیہ باجی کے پاس جانا ہے!" اُس نے کہا تو عدیل "آئیے" کہہ کر آگے چل پڑے۔ وہ ذرا اُن کے پیچھے چل پڑی۔ اور آسیہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو عدیل بہن کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"آسیہ! یہ شاہ سکندر کی سسٹر ہیں۔"

آسیہ کا دل یکبارگی بڑے زور سے دھڑکا اور چہرے پر ایسے رنگ اُترے جنہیں عدیل نے چونک کر دیکھا پھر قصداً نظریں چرا کر کمرے سے نکل گئے۔

"اُف! مجھے آپ سے ملنے کا اتنا شوق تھا۔"

عدیل کے جاتے ہی نائلہ نے اپنے جذبات کا برملا اظہار کیا۔ اور بڑھ کر آسیہ کے گلے لگ گئی پھر بیٹھی تو کہنے لگی۔

"آپ واقعی بہت اچھی ہیں۔"

"شکریہ۔" آسیہ اُس کے انداز پر بے ساختہ مسکرائی۔ "نام تو بتایا نہیں تم نے اپنا۔"

"نائلہ۔ میڈیکل میں پڑھتی ہوں۔" اُس نے نام کے ساتھ تعلیم بھی بتائی تو آسیہ نہ صرف چونکی بلکہ الجھ بھی گئی کہ شاہ سکندر نے تو نہیں بتایا تھا کہ اُس کی کوئی بہن میڈیکل میں پڑھتی ہے۔

"آپ کو بھی یقین نہیں آیا۔" اُس کے چونکنے اور اُلجھنے پر نائلہ جو سمجھی اُسی حساب سے کہنے لگی۔ "سکندر بھائی بھی یقین نہیں کرتے حالانکہ انہوں نے خود میرا ایڈمیشن کروایا تھا۔"

"اچھا!" اُسے کچھ تو کہنا تھا۔

"بہت اچھے ہیں سکندر بھائی۔ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اور اُن کی محبت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ آپ کی خاطر شاہ پور سے اپنے سارے ناتے توڑ آئے ہیں۔"

نائلہ، شاہ سکندر کی تعریف کے ساتھ پُرجوش انداز میں اُس کی محبت کو سراہ رہی تھی۔ اور وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

مہرالنساء حیران تھی کہ شاہ سکندر کس بات پر ناراض ہو کر گیا ہے۔ کون اُسے بتاتا بھی نہیں
بس اُسی روز جب وہ تین دن میکے رہ کر آئی تھی تو باباجان نے اُسے اپنے کمرے میں بلا کر کہا تھا۔
"اب یہی تمہارا گھر ہے۔ یہاں کی ہر شے پر تمہارا حق ہے تو عزت و ناموس کی پاسداری
فرض ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرو گی۔
اور اب جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو، شاہ سکندر مجھ سے ناراض ہو کر یہاں سے
چلا گیا ہے۔ اُس کی ناراضگی مجھ سے ہے تم سے نہیں۔ اس لیے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں
ہے۔ وہ جہاں بھی گیا ہے۔ تمہیں اپنے پاس بلائے گا۔ اس کے لیے تمہیں صبر سے انتظار کرنا
ہے کیونکہ جب اُس کا غصہ ٹھنڈا ہوگا۔ تب ہی تمہارے بارے میں سوچے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے
غصہ اُترنے پر وہ خود ہی یہاں آجائے۔ بہرحال تم کسی سے ذکر نہیں کرنا۔ تمہارے ماں باپ تک
یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ شاہ سکندر یہاں سے چلا گیا ہے۔ وہ یہیں موجود ہے سمجھ رہی ہو نا
اور وہ نہ سمجھتی تب بھی اُسے سمجھنا تھا کہ وہ کہیں باہر سے نہیں آئی تھی۔ اسی خاندان کی لڑکی تھی
ایسی ہی حویلی کی پروردہ جہاں پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کے ہونٹوں پر قفل لگا دیے جاتے ہیں۔
حقوق و فرائض سمجھانے والے باباجان یہ بھول گئے کہ اُس کے سینے میں ایک دل بھی ہے جس نے
بدقسمتی سے بہت پہلے محبت کی لے پر دھڑکنا سیکھ لیا تھا۔
کاش باباجان شاہ سکندر کی ناراضگی کا سبب بھی بتاتے۔ وہ اپنے طور پر قیاس کرتے کرتے تھک
گئی تھی۔ پھر انتظار کے دن بھی طویل ہوتے جا رہے تھے، جس سے اُس کی سوچیں نیا رُخ اختیار کرنے
لگیں۔ یعنی اُس نے جو باباجان کی بات پر یقین کر لیا تھا کہ شاہ سکندر کی ناراضگی اُس سے نہیں۔
اور یہ کہ وہ اُسے اپنے پاس بلائے گا۔ تو اب اُسے لگ رہا تھا جیسے باباجان نے اُس سے غلط بیانی
کی تھی۔ یا محض اُسے بہلایا تھا۔ ورنہ اگر یہی سچ ہوتا تو شاہ سکندر کم از کم اُسے ضرور بتا کر جاتا۔
ایک رات کی دلہن کو چھوڑ کر جانے والا۔ اُس کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا تھا۔
"ہرجائی۔!"

❁ ❁ ❁

"ہاں ہرجائی ہی ہو سکتا ہے۔" مہرالنساء اس خیال پر گرفت مضبوط کر کے اپنی شب عروس کے ان لمحوں کو
سوچنے لگی، جب شاہ سکندر اس کے پاس آیا تھا۔ ورا سے یاد آیا اس کے اندر پالینے کا احساس نہیں کھو دینے کا خوف
تھا۔ پشیمانی اور وحشت تھی۔
"یہ اچھا نہیں ہوا مہرالنساء! تم نے مجھے روکا کیوں نہیں۔؟"
"کیا سمجھتی ہو تم اس طرح میرا دل جیت لو گی۔"
شاہ سکندر کے لہجے کی تلخی اسے اب محسوس ہوئی تھی تو سارے ارادوں پر سے پردے سرکنے لگے۔
اگر وہ اپنی روایات سے بغاوت کا حوصلہ رکھتی تو اسی وقت چیخ چیخ کر حویلی سر پر اٹھا لیتی لیکن اس کے برعکس وہ
سے سوچ رہی تھی۔
"تم نے میرے جذبوں کو پامال کر کے اچھا نہیں کیا شاہ سکندر حیات! اس کے باوجود میں تمہارا انتظار کروں گی
کہ یہ میری مجبوری نہیں ضد ہے۔"
اور جب ایک کمزور عورت کسی بات کو اپنی ضد بنا لے تو پھر وہ اتنی کمزور نہیں رہتی۔ فوراً تو نہیں لیکن دھیرے
دھیرے مہرالنساء کو احساس ہو گیا کہ وہ اتنی کمزور نہیں ہے بلکہ اگر چاہے تو اس حویلی کے در و دیوار ہلا
بدلے میں شہربانو کی خوشیاں چھین کر اور اس نہج پر اس نے بس کچھ دیر کو سوچ کر سر جھٹک دیا۔ اس کے
اس طرح وہ شاہ سکندر سے اپنی توہین کا بدلہ نہیں لے سکتی تھی۔ وہ تو اسے وہ زخم لگائے گی جو اس کے ا

...نے طور پر اس نے فیصلہ کر لیا۔ لیکن اپنے کسی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ شاہ سکندر کے حویلی
...نے کا سبب جان چکی ہے۔
...مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا اسے گئے ہوئے۔ اس دوران شہربانو اور شاہ ہارون دو تین بار آ چکے تھے۔ دونوں
...وش تھے۔ شاہ ہارون نے ہر بار اس سے شاہ سکندر کا پوچھا تھا۔ اور اس نے بڑی خوبصورتی سے اسے
...ن کیا تھا جیسے ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہیں تھا۔ اور ابھی کہیں گیا ہے۔ یہاں تک کہ شہربانو کو بھی معلوم نہیں
...ب ہی وہ اتنی مطمئن تھی ورنہ دھڑکا تو لگا رہتا کہ کہیں مہرالنساء راز فاش کر کے اس کی ہنستی بستی زندگی میں
...لگا دے۔ اس وقت بڑی شوخی سے اسے گدگداتی ہوئی کہہ رہی تھی۔
...ہوں ری مہو! تو تو کہتی تھی میرے بھائی کو تیری پروا نہیں۔ اب یہ کیا ہے۔؟"
...نہیں کس نے بتایا۔۔۔؟" مہرالنساء بے اختیار اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹی تو شہربانو کھلکھلائی ہنسی کے
...دلی۔
...بابی جان نے۔۔۔"
...ف یہ بی بی جان کوئی بات چھپا نہیں سکتیں۔"
...م کب تک چھپا سکتی تھیں۔ خیر بیٹا ہونا چاہیے۔ بالکل میرے بھائی جیسا۔" شہربانو نے اترا کر کہا تو وہ بے
...بولی۔
...ہرگز نہیں۔۔۔" پھر فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا۔

——*

...ت کا کھانا بناتے ہوئے اس کا دھیان مسلسل اندر اباجی، اماں جی اور بھائیوں کے درمیان ہونے والی میٹنگ
...ہوا تھا۔ یقیناً شاہ سکندر کے پرپوزل پر بات ہو رہی تھی۔ اور پتا نہیں میمونہ بھابھی اپنے کمرے میں کیا کر
...ہیں۔ ان ہی سے تو وہ سب کے خیالات معلوم کر سکتی تھی۔ لیکن جب انہیں خود ہی معلوم نہیں ہوگا تو
...یا بتائیں گی، یہی سوچ کر اس نے چولہا دھیما کیا اور ان کے کمرے میں آ کر قدرے جھنجلا کر پوچھنے لگی۔
...یا کر رہی ہیں آپ۔؟"
...یکھ لو۔ استری کر رہی ہوں۔" میمونہ بھابھی اپنے مخصوص لاپرواہ سے انداز میں بولیں تو اس نے آگے بڑھ کر
...کا پلگ نکال دیا۔
...یکھ لیا۔ اب بس کریں۔"
...رے یہ بچوں کے یونیفارم صبح انہیں اسکول جانا ہے۔" میمونہ بھابھی کے احتجاج پر وہ انہیں خاموشی کا اشارا
...تے ہوئے آواز دبا کر بولی۔
...یہ کام بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی آپ اماں جی کے کمرے میں جائیں، وہاں سب جمع ہیں۔"
...سب کون۔۔۔؟"
...بڑے بھیا، خلیل بھائی، عدیل بھائی۔"
...پھر۔۔۔؟" میمونہ بھابھی کے سیدھے سادے انداز پر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔
...ف ایک تو آپ کو ہر بات پوری تفصیل سے سمجھانی پڑتی ہے۔"
...نہیں۔ آپ بڑی عقلمند خاتون ہیں۔" وہ فوراً ٹوک کر بولی "وہیں کھڑے کھڑے جان لیں گی کہ وہاں شاہ
...کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔"
...وہ! یہ بات ہے۔ میں ابھی سن کر آتی ہوں۔ تم ذرا عمر کا خیال رکھنا کہیں نیچے نہ گر جائے۔"
...مونہ بھابھی بہت عجلت میں بات ختم کر کے چلی گئیں۔ تو اس نے گہری سانس کھینچ کر گویا شکر کیا پھر عمر کو اٹھا کر
...ے میں لے آئی اور نبیل کو اس کا خیال رکھنے کو کہا پھر کچن میں آ کر دوبارہ مصروف ہو گئی۔ لیکن اب اس کا
...ن اندر کے بجائے نبیل اور عمر کی طرف تھا۔ بار بار کچن کی کھڑکی سے جھانک کر دونوں کو دیکھ لیتی۔ تب ہی اندر

سے سونیا بھاگتی ہوئی آئی۔ اس کے پیچھے احمر بھی تھا۔
”پھوپھو! احمر کو دیکھیں' میرے بال نوچ رہا ہے۔“ سونیا نے اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر احمر سے بچنے کی کوشش کی لیکن احمر کا ہاتھ اس کے بالوں تک پہنچ چکا تھا۔
”پھوپھو...!“ سونیا زور سے چیخی تو وہ جو اس اچانک افتاد سے پریشان ہوگئی تھی۔ احمر کی بدتمیزی پر اسے کر پیچھے ہٹایا پھر دونوں کو ڈانٹنے لگی۔
”ہر وقت لڑتے رہتے ہو۔ کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں؟“
”اس نے میری لڈو کیوں پھاڑی ہے۔“ احمر کا ابھی بھی بس نہیں چل رہا تھا اسے کھینچ کر مارے۔
”یہ بے ایمانی کر رہا تھا۔ میری گوٹ...“
”بس خاموش۔“ وہ سختی سے ٹوکتے ہوئے بولی۔ ”چلو جاؤ۔ اپنے اپنے بیگ ٹھیک کرو' صبح سے اسکول ہے۔“
”میں نہیں جاؤں گا۔“ احمر کے روٹھے لہجے پر وہ قدرے نرم پڑ گئی۔
”کیوں۔ تم کیوں نہیں جاؤ گے۔“
”اس نے میری لڈو کیوں پھاڑی۔“
”لڈو اور آجائے گی۔ اتنی سی بات پر لڑتے نہیں ہیں۔ چلو جاؤ شاباش۔ اسی وقت اپنے بیگ وغیرہ ٹھیک کرو۔“ اس نے احمر کو پچکارتے ہوئے کہا پھر برآمدے میں آئی تو نبیل اس سے کہنے لگا۔
”پھوپھو! میں نے اپنا بیگ ٹھیک کر لیا ہے لیکن میرا یونیفارم نہیں مل رہا۔ پتا نہیں ممی نے کہاں رکھا ہے۔“
”وہیں الماری میں ہوگا۔ اچھا میں خود نکال دوں گی۔“
”پھوپھو! نبیل بھائی کی ممی کہاں چلی گئیں؟“ ایسے موقعوں پر سونیا یہ سوال ضرور کرتی تھی۔
”پتا نہیں۔“ وہ قصداً لاپروائی سے کہہ کر عمر کی طرف متوجہ ہوگئی اور اس کی زبان میں اس سے بولی۔
”عمر بھی اشکول جائے گا لیکن ابھی تو یہ بہت ٹوٹا (چھوٹا) ہے۔“
معصوم بچہ پیار کی زبان پر کھلکھلانے لگا تو نبیل' احمر اور سونیا کے چہروں پر بھی مسکراہٹیں دوڑ گئیں شوق سے اسے دیکھنے لگے۔
پھر سب سے پہلے بڑے بھیا۔ اماں جی کے کمرے سے نکل کر آئے اور ان سب پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر سیدھے اوپر چلے گئے۔ ان کے بعد خلیل بھائی آئے تو اسے سب بچوں میں گھرے دیکھ کر کہنے لگے۔
”میمونہ تو فارغ ہو چکی ہیں۔ کوئی کام نہیں کرتیں' بچوں کو بھی تمہارے سر پر چھوڑ دیتی ہیں۔“
”یہ کس کی تعریف ہو رہی ہے۔“ میمونہ بھابھی پیچھے سے سنتی ہوئی آگئیں۔
”آپ کی...“ وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی تو میمونہ بھابھی نے ناک سکیڑ کر شوہر کو دیکھا پھر اس سے کہا۔
”یہ میری ایسی ہی تعریف کر سکتے ہیں۔“
”ایسی یا ویسی۔ تعریف ہی کی ہے ناں۔“ خلیل بھائی مسکراہٹ ہونٹوں میں چھپا کر بولے۔
”ارے آپ کیا تعریف کریں گے میری۔ میں تو...“ شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے میمونہ بھابھی کو پیچھے سے عدیل بھائی ان کی بات پوری کرتے ہوئے بولے۔
”سراپا تعریف ہیں' چلیے اسی بات پر کھانا لگا دیں اگر تیار ہے تو...“
”جی بھائی! کھانا تیار ہے۔ میں لگاتی ہوں۔“ وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ اور کچن کی طرف جاتے جاتے خلیل بھائی کہہ رہے تھے۔
”جب آسیہ چلی جائے گی تب کیا کرو گی۔“
پتا نہیں میمونہ بھابھی نے کیا جواب دیا۔ وہ سن نہیں سکی۔ کوشش بھی نہیں کی۔ اور کچن میں آکر لگی۔

پھر کھانے کے بعد نبیل نے اسے اپنا یونیفارم یاد دلایا تو وہ اسی وقت اوپر چلی آئی۔ بڑے بھیا کھلی چھت پر اکیلے تھے۔ انہیں دیکھ کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ جانے انہوں نے خود کو اتنا تنہا کیوں کر لیا تھا۔ اس نے سوچا وہیں واپس پلٹ جائے لیکن جس کام سے آئی تھی' وہ بھی ضروری تھا۔ کچھ شش و پنج میں کھڑی تھی کہ بڑے بھیا نے اسے دیکھ لیا اور پکار کر بولے۔
”آسیہ! کیا بات ہے بیٹا...؟“
”وہ...“ وہ قدم بڑھا کر روشنی میں آکر بولی۔ ”میں نبیل کا یونیفارم لینے آئی تھی۔ صبح اسے اسکول جانا ہے۔“
”اسکول کھل گئے؟“ انہوں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔
”جی کل سے کھل رہے ہیں۔“ اس نے بتایا اور ان کے خاموش رہنے پر پوچھا۔
”میں اس کا یونیفارم لے لوں...؟“
”ہاں ہاں...!“ وہ اپنے خیال سے نکل کر بولے۔ ”دیکھو وارڈ روب ہی میں ہوگا۔ اور اس کے شوز وغیرہ۔“
”جی میں لے لیتی ہوں۔“ وہ کہتی ہوئی اندر چلی گئی اور کچھ دیر بعد نبیل کی ساری چیزیں لے کر نکلی تو بڑے بھیا موجود نہیں تھے۔ پتا نہیں کہاں چلے گئے تھے۔ وہ یونہی دیوار کے پاس رک کر باہر دیکھنے لگی تبھی عقب سے آواز سنائی دی۔
”مل گئے کپڑے...“
”جی...!“ وہ نہ صرف چونکی بلکہ اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ عجیب سا خوف محسوس ہوا جیسے بڑے بھیا انسان نہیں جن ہوں ادھر غائب ہوئے ادھر پھر حاضر۔ وہ ان کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے یونہی دھڑکتے دل کے ساتھ نیچے آئی تو میمونہ بھابھی چائے لیے اس کے کمرے میں موجود تھیں۔ دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔
”کہاں چلی گئی تھیں...؟“
وہ فوراً جواب نہیں دے سکی۔ نبیل کا بیگ ریک پر رکھا پھر الماری کھول کر کپڑے ہینگر میں لٹکائے۔ اس کے بعد ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔
”میں اوپر گئی تھی۔ نبیل کی چیزیں لینے۔“ پھر ایک دم ان کے ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔ ”مجھے بڑے بھیا سے بہت ڈر لگا۔ اتنے پراسرار لگ رہے تھے۔“
”اس کا مطلب ہے' جلدی ان کی شادی کرانی پڑے گی۔“ میمونہ بھابھی ہنستے ہوئے بولیں تو وہ ان کے ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔
”آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔“
”یہی تو مشکل ہے کہ تم لوگوں کو میری ہر بات مذاق لگتی ہے۔ حالانکہ میں بہت کم مذاق کرتی ہوں۔“ میمونہ بھابھی ایک دم سنجیدہ ہو کر بولیں اور اس بار اسے ہنسی آگئی۔
”واقعی...؟“
”جناب! ذرا بتاؤ بڑے بھیا کی شادی میں مذاق کی کیا بات ہے' ساری زندگی انہیں ایسے تو نہیں رہنا۔ ماشاءاللہ جوان جہان ہیں۔ دوسری بیوی آئے گی تو پہلی کا زخم بھرے گا۔ اور وہ یوں پراسرار نظر نہیں آئیں گے۔“
میمونہ بھابھی باقاعدہ اسے لیکچر دینے بیٹھ گئیں اور کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔ جبھی وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔
”یہ ضرور ہے کہ میری بات میں مزاح کا رنگ شامل ہوتا ہے لیکن وہ مذاق نہیں ہوتا۔ سمجھیں تم یا مزید وضاحت کروں۔“
”نہیں بس۔ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔“ وہ فوراً بول پڑی۔
”ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔“ میمونہ بھابھی اٹھتے ہوئے بولیں تو اس نے پہلے بے ساختہ سر ہلا کر گویا انہیں جانے کی اجازت دی لیکن پھر اچانک خیال آنے پر ان کا ہاتھ پکڑ کر روکتی ہوئی بولی۔

"اصل بات تو بتائیں کیا فیصلہ ہوا۔۔۔؟"
"اتنی جلدی فیصلے نہیں ہوتے۔ ابھی تو سب اپنی اپنی رائے دے رہے تھے بس وہی بار
والدین کو آنا چاہیے یا اگر وہ بعد میں بھی نہیں مانے تو' وغیرہ وغیرہ۔۔۔" میمونہ بھابھی نے کہا
بولی۔
"یہ خدشہ تو مجھے بھی ہے۔"
"سب کو ہے سوائے عدیل کے نہ صرف شاہ سکندر کی پرزور حمایت بلکہ مسلسل سب
کوشش کرتا رہا۔"
"عدیل بھائی۔ کیا کہہ رہے تھے۔؟" اس نے چونک کر پوچھا تو میمونہ بھابھی مسکرا کر بولیں
"وہی سب جو میں کہنا چاہتی تھی۔ یعنی اول تو شاہ سکندر کے والدین کی ناراضگی زیادہ
دوسری صورت میں کوئی خاص فرق تو نہیں پڑے گا کیونکہ شاہ سکندر یہاں سیٹ ہو رہا ہے
لکھی ہے۔ دونوں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔"
میمونہ بھابھی نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر کہنے لگیں۔
"اس کے علاوہ جو ایک بات عدیل نے کہی اور جسے سن کر سب خاموش ہو گئے۔ وہ اس ط
میں نہیں کہہ سکتی تھی۔"
"کون سی بات۔۔۔؟" اس کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ اور میمونہ بھابھی جیسے خود بھی حیرا
اسی حیرت سے بولیں۔
"کہہ رہا تھا۔ ان ساری باتوں سے زیادہ ہمیں آسیہ کی پسند اور خوشی کا خیال کرنا چاہیے۔ ا
چلا کہ تمہاری پسند اور خوشی شاہ سکندر حیات ہے۔"
"میرے خدا!" اس کا دل رکنے لگا۔ کہ اس نے تو صرف میمونہ بھابھی اور سیما بھابھی کو شر
عدیل بھائی نے کیسے جان لیا اور سب کے سامنے کہہ بھی دیا۔ وہ کیسے سامنا کرے گی اماں جی اور ا

*_*_*

وہ احمد حسن کا انتظار کرتے کرتے اب بالکونی میں آکر باقاعدہ اس کی راہ دیکھنے لگا تھا۔ دوپہر میں
یہی کہا تھا کہ آفس کے بعد وہ سیدھا اس کے پاس آئے گا اور اب چھ بج رہے تھے۔ اسے تشویش
احمد حسن نہ تو لاپروا اور غیر ذمہ دار تھا اور نہ بھولنے والا۔ اگر کسی کام میں الجھ گیا ہوتا تب بھی ا
بتاتا۔ اس نے سوچا اسے خود ہی اس کے گھر فون کر کے معلوم کرنا چاہیے شاید وہ بھولنے کی غلطی
اس سوچ کے ساتھ ہی وہ اندر آیا تو پہلے تمام کمروں کی لائٹیں آن کیں پھر احمد حسن کے نمبر
کال بیل بجنے لگی۔ اس نے فوراً" فون رکھ دیا اور آکر دروازہ کھولا تو سامنے عدیل کو دیکھ کر وہ پتا
ہوا یا خوش۔ کچھ ملی جلی سی کیفیات تھیں جو غالباً" ظاہر بھی ہو رہی تھیں جب ہی عدیل پوچھنے لگے
"کیا میری آمد غیر متوقع ہے۔۔۔؟"
"نہیں آیئے پلیز۔۔۔" اس نے فوراً" سنبھل کر خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں راست
انہوں نے ایک طائرانہ نظر سے سارے گھر کا جائزہ لیا پھر قصداً" بے نیاز سے ہو کر کہنے لگے۔
"ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے ملتا چلوں۔ ڈسٹرب تو نہیں کیا آپ کو؟"
"بالکل نہیں۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں کیا پئیں گے چائے یا۔" شاہ سکندر کو حقیقتاً" عد
ایک گونہ اطمینان دے گئی تھی۔
"چائے کون بنائے گا۔؟" عدیل نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً" بولا۔
"میں خود۔"
"چلیں پھر کسی وقت خاص طور سے آپ کے ہاتھ کی چائے پینے آجاؤں گا۔" عدیل نے ایک

منع کر دیا تو وہ پوچھنے لگا۔
"اس وقت کیوں نہیں؟"
"اصل میں میں ابھی چائے پی کر آرہا ہوں۔ البتہ سگریٹ۔"
عدیل نے کہتے ہوئے اپنی جیب سے سگریٹ نکالنی چاہی' لیکن اس سے پہلے ہی اس نے پیکٹ ان کی طرف
ھا دیا۔
"تھینک یو۔" عدیل ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگے تب ہی بیل کی آواز پر وہ ایکسکیوزمی کہہ کر دروازہ
ھولنے چلا گیا۔ واپس آیا تو احمد حسن ساتھ تھا۔ وہیں سے اپنے دیر سے آنے کا سبب بتاتا ہوا آرہا تھا جب عدیل پر
پڑی تو ایک دم خاموش ہو گیا۔ پھر بڑھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔
"بڑی خوشی ہوئی آپ سے دوبارہ مل کر۔ اور اب تو اکثر ملاقات رہے گی۔"
"انشاءاللہ۔" عدیل اپنی بے ساختگی پر خود ہی جز بز ہو کر رہ گئے جبکہ احمد حسن نے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ جلدی
ے بولا۔
"تم عدیل صاحب کے پاس بیٹھو۔ میں چائے لاتا ہوں۔"
"خدا کے لیے میرے لیے مت لانا۔" احمد حسن اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "تم پانی میں زہر گھول کر دے
۔ میں شوق سے پی لوں گا لیکن تمہاری چائے۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا۔" اس نے بری طرح احمد حسن کو گھور کر عدیل کی موجودگی کا احساس دلایا۔ تو وہ اپنی
ت سنبھالتا ہوا بولا۔
"میرا مطلب ہے۔ تمہاری چائے اتنی عمدہ ہوتی ہے کہ ایک کپ سے دل نہیں بھرتا۔ اور تین چار کپ پینے
ے لیے میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"
عدیل بمشکل اپنی ہنسی روک پائے۔
"چلو پھر کسی وقت فرصت سے آنا۔ تب تمہیں۔"
"ہاں ہاں پھر کسی وقت۔۔۔" احمد حسن جلدی سے بول پڑا پھر اسے بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس
ت تو تم اپنے کام کی بات سن لو۔ میں تمہارے لیے شوروم دیکھ آیا ہوں۔ تم کل گیارہ بجے میرے آفس آجانا تو
ں ڈیلر سے تمہاری ملاقات کرادوں گا۔ باقی معاملات اس کے ساتھ تم خود طے کر لینا۔"
"اچھی بات ہے۔ ویسے شوروم میں کتنی گاڑیاں تھیں۔؟"
اس نے ہامی بھرتے ہوئے پوچھا تو احمد حسن ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولا۔
"میرا خیال ہے تین چار یا ہو سکتا ہے۔"
"خیر کل دیکھ لیں گے۔" اس نے عدیل کا خیال کر کے اس موضوع کو یہیں روک دیا۔ تو احمد حسن بھی سمجھ کر
ہ کھڑا ہوا۔
"مجھے اجازت دو۔ کل ملاقات ہوگی۔" پھر عدیل کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "اوکے عدیل بھائی! آپ سے تو
نشاءاللہ ملاقات رہے گی۔"
"جی۔۔۔!" اس بار عدیل بس اس قدر کہہ سکے۔
پھر جب وہ احمد حسن کو رخصت کر کے دوبارہ آکر بیٹھا تو عدیل اس سے کہنے لگے۔
"آپ نے اچھے بزنس کا انتخاب کیا ہے۔ ابتدا میں تھوڑی مشکل تو ہوگی' لیکن جلدی سیٹ ہو جائیں گے۔"
"میں بھی جلدی سیٹ ہونا چاہتا ہوں۔" اس نے بے اختیار کہا تو جواباً" عدیل کا جملہ بھی بے ساختہ تھا۔
"تاکہ چائے بنانے سے جان چھوٹے۔"
وہ قدرے خجل سا ہو کر ہنس پڑا۔ تو عدیل نے بغور اسے دیکھا پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر اصل موضوع چھیڑتے
ہوئے کہنے لگے

”آپ جانتے ہیں شاہ سکندر! ہماری ایک ہی بہن ہے۔ اچھی تربیت کے ساتھ ہم نے اسے بہترین تو
اور آئندہ بھی اس کے لیے بہتری کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس کے لیے آپ ہمیں کیا ضمانت دیں گے۔“
شاہ سکندر کو غالباً امید نہیں تھی کہ اس سے براہ راست بھی بات ہو سکتی ہے۔ جب ہی اندر ہی
پریشان ہو گیا لیکن بظاہر سکون سے ان کی بات سنی پھر پوچھنے لگا۔
”آپ کیسی ضمانت چاہتے ہیں۔ آئی مین شخصی مالی یا.....“ عدیل کو نفی میں سر ہلاتے دیکھ کر اس
ادھوری چھوڑ دی اور ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد عدیل کہنے لگے۔
”مجھے صرف اپنی بہن کی خوشیوں کی ضمانت چاہیے۔ اور خوشیاں ان ضمانتوں کی مرہون منت نہیں
جن کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ زندگی میں نشیب و فراز تو آتے ہیں۔ ساری عمر بندہ صرف چھاؤں میں نہیں
صرف دھوپ میں۔ دھوپ چھاؤں کے سنگم سے ہی زندگی کا حسن نکھرتا ہے۔
جہاں تک شخصی ضمانت کی بات ہے تو اپنی ضمانت آپ خود ہیں۔ دوسرے یہاں کوئی کاروبار نہیں ہو
آپ سے مالی ضمانت طلب کروں۔ شادی ایک مقدس بندھن ہے اور مجھے اس بندھن کی مضبوطی و پائی
یقین چاہیے۔ کیونکہ میرے نزدیک آپ کا گھربار، دھن دولت چھوڑ آنا کوئی معنی نہیں رکھتا اکثر انسان
میں ایسے فیصلے کر گزرتا ہے لیکن بعد میں پچھتاوے صرف عورت کے حصے میں آتے ہیں.....“
عدیل ذرا دیر کو خاموش ہوئے تھے کہ وہ بول پڑا۔
”میرا فیصلہ جذباتی نہیں ہے۔ نہ ہی میں اپنے گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا ہوں لیکن یہ طے ہے کہ
اسی وقت جاؤں گا جب میری بیوی کو اس گھر میں وہی مقام دینے کا اعلان ہو گا جو اس گھر کی دوسری بہوؤں کا
”رہی بندھن کی مضبوطی و پائیداری کی بات تو اس کے لیے میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔ لکھ کر دوں
زبان پر بھروسا کریں گے آپ.....؟“
آخر میں وہ بڑی بے تاب نظروں سے انہیں دیکھنے لگا جیسے فوراً جواب سننا چاہتا ہو۔ اور اس پل عد
کے جذبوں کی سچائیوں کا نہ صرف اندازہ ہوا بلکہ ایمان بھی لانا پڑا تو قدرے توقف سے مسکرا کر بولے تھے
”مجھے یقین مل گیا ہے۔“

——*

وہ کتنی دیر سے نائلہ کی خوشامد کر رہا تھا کہ فون پر آسیہ کو بلا دے۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن نا
کے نہیں دے رہی تھی۔ مقصد محض اسے تنگ کرنا تھا۔ اور احمد حسن نے پہلے تو نائلہ کا ساتھ دیا پھر ا
کھاتے ہوئے بولا۔
”بے چارے کو اس کی آواز سنوا دو نائلہ! ورنہ رات بھر جاگتا رہے گا۔“
”اچھا ہے جاگتے رہیں۔“ نائلہ نے لاپروائی سے کہا تو وہ احمد حسن کو دیکھ کر بولا۔
”یہ نہیں مانے گی۔“
”تو یار! تم خود ٹرائی کر لو ناں۔ کیا پتا قسمت یاوری کر جائے اور ادھر سے وہی ریسیو کریں۔“
احمد حسن نے کچھ جھنجھلا کر مشورہ دیا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
”او کے میں چلتا ہوں۔“
”کیا مطلب.....؟“ احمد حسن سمجھا۔ وہ ناراض ہو گیا ہے۔ ”کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے۔“
”نہیں بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ میں خواہ مخواہ اتنی دیر سے اس لڑکی کی خوشامد کر رہا ہوں۔“ اس نے نا
کر کہا۔
”تو جا کہاں رہے ہو.....؟“
”تمہارے مشورے پر عمل کرنے یعنی گھر بیٹھ کر اطمینان سے ٹرائی کروں گا۔“
”وہ ملیں گی نہیں۔“ اس کی مسکراہٹ پر نائلہ نے جل کر کہا تو وہ اسے مزید چڑا کر بولا۔

پہلی بار میں نہیں ملیں گی اور مجھے افسوس ہے تم نے چانسز کا بڑا اچھا موقع گنوا دیا۔
”میں رشوت کو حرام سمجھتی ہوں۔“ نائلہ کہتی ہوئی جلدی سے کمرے سے نکل گئی تو اسکے ساتھ احمد حسن کا
بھی بے ساختہ تھا۔
پھر اپنے اپارٹمنٹ میں آتے ہی۔ وہ آسیہ کے نمبر ڈائل کرنے لگا اور یہ سلسلہ رات تک چلتا رہا کیونکہ دوسری
ف کبھی میمونہ بھابھی فون اٹھاتی تھیں کبھی عدیل اور ایک بار ابا جی کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ جس کی آواز سننا
تا تھا۔ وہ پتا نہیں کہاں تھی۔ اسے سچ مچ اس پر غصہ آنے لگا کہ وہ اتنی بے خبر کیوں ہے۔ فون کی بیل پر اسے یہ
ن کیوں نہیں ہوتا کہ کوئی اسے پکار رہا ہے۔ اور اسی کیفیت میں وہ ایک بار پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جب دوسری
ف اس کی آواز سنائی دی تو وہ بے اختیار چیخ پڑا۔
”کہاں ہو تم میں اتنی دیر سے تمہیں۔“ غالباً سوچ کے مطابق کہنے جا رہا تھا پکار رہا ہوں۔“ کہ احساس ہونے
خاموش ہو گیا۔
”میں جانتی ہوں۔ آپ بہت دیر سے فون کر رہے ہیں اور میں ریسیو اس لیے نہیں کر سکی کہ ابا جی اور اماں جی
مرے میں بیٹھے تھے۔“ اس نے مجبوری بتائی تو وہ پوچھنے لگا۔
”کیوں ان کی طرف سے کوئی پابندی ہے.....؟“
”اس کا جواب دینے سے پہلے میں یہ پوچھوں گی کہ جب ابا جی نے فون اٹھایا تھا تو آپ نے ان سے یہ کیوں
ں کہہ دیا کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ فوراً فون بند کیوں کر دیا۔“
ادھر سے براہ راست جواب نہ دے کر بھی جواب آیا تو وہ جو پہلے ہی اس کی ذہانت کا قائل تھا۔ مسکرا کر بولا۔
”میں تم سے نہیں جیت سکتا۔“
”ایسی کوئی خواہش ہو تو بتائیں۔“ آسیہ کی آواز میں ہلکی سی شوخی تھی۔
”اوں ہوں۔ میں تم سے ہار کر خوش رہتا ہوں۔“
”بس کریں شاہ سکندر! کہیں میں خود کو بہت بلندیوں پر نہ محسوس کرنے لگوں۔ جس مقام پر ہوں۔ مجھے وہیں
ہنے دیں۔“ اس کے لہجے کی انکساری پر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا پھر پکار کر بولا۔
”سنو آسیہ! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ منع نہیں کرنا، کل دن میں کسی وقت۔“
”لیکن.....“ وہ بوکھلا گئی۔
”کوئی مشکل نہیں ہے۔ میں گیارہ بجے تمہارے قریبی اسٹاپ پر انتظار کروں گا۔“
وہ غالباً تہیہ کر چکا تھا کہ اس کا کوئی عذر نہیں سنے گا جب ہی اسے مشکل میں ڈال کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور پھر
ں کی بوکھلاہٹیں سوچ سوچ کر مسکراتا رہا تھا۔
اور اس کے نہ آنے کا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس پختہ یقین کے ساتھ اگلے روز مقررہ وقت پر
رہ جگہ پہنچ گیا۔ اور اسے زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔ دس منٹ بعد ہی وہ اسے دور سے آتی ہوئی نظر آ گئی۔
نہ پر اعتماد نظر آنے والی اس وقت بہت محتاط ہو کر چل رہی تھی۔ وہ اس کا ایک ایک قدم گننے لگا تو جانے کیوں
ے یوں محسوس ہوا جیسے درمیانی فاصلہ بجائے سمٹنے کے بڑھتا جا رہا ہو۔ تب فوراً سر جھٹک کر اس نے اسپیڈ
ے گاڑی بھگا کر اس کے قریب جا روکی تو وہ اچھل کر ایک طرف ہو گئی پھر جب اسے دیکھا تو یوں سر ہلایا جیسے اس کی
ت کو نامناسب قرار دیا ہو
”سوری۔!“ وہ اس کی طرف کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔ ”میرا مقصد تمہیں ہراساں کرنا نہیں تھا۔“
”کیسے ہیں آپ.....؟“ وہ اس کی بات یکسر نظرانداز کر گئی۔
”اس و نراش کی کیفیت میں ہوں۔“ اس نے کہا۔ تو وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپا نہیں سکی۔ جس پر وہ
ٹھے لہجے میں بولا۔
”بڑے افسوس کی بات ہے۔ تمہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ نہ میری پروا ہے۔“

"پروانہ ہوتی تو آتی کیوں۔۔۔؟"

وہ کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تو اسے متوجہ کرنے کی خاطر وہ پوری اسپیڈ سے گاڑی دوڑانے لگا۔ لیکن اس کی یہ ترکیب کامیاب نہیں ہوئی کیونکہ وہ بڑے سکون سے بیٹھی رہی تھی۔

"مان لیا تمہیں خود پر بڑا اختیار ہے۔" ریسٹورنٹ کے خوبصورت ماحول میں بیٹھتے ہی وہ اس کے کمال ضبط کو سراہ کر کہنے لگا۔ "اچھی بات ہے لیکن پلیز تھوڑی دیر کے لیے خود کو ان دیکھی بندشوں سے آزاد کر دو۔ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے آپ کو منع تو نہیں کیا۔" وہ قصداً مسکرائی تو کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھنے کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

"تمہیں پتا ہے۔ ابھی دو تین روز پہلے عدیل بھائی میرے پاس آئے تھے۔؟"

"اچھا!" اسے جیسے حیرت ہوئی۔

"ہوں۔" وہ پرسوچ انداز میں سرہلا کر کہنے لگا۔ "تمہارے گھر والوں کے خدشات اپنی جگہ درست ہیں کوئی بھی شخص ایسے حالات میں بہت سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرے گا۔ گو کہ عدیل بھائی میرے پاس سے بہت مطمئن ہو کر گئے تھے پھر بھی میں خاصا پریشان سا ہوں۔"

"کیوں۔۔۔؟" وہ اسے الجھتے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں۔" اس نے ذرا سے کندھے اچکا کر گویا اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو وہ فوراً کچھ نہیں بولی۔ ٹرے اپنی طرف کھینچ کر چائے پیالیوں میں ڈالنے لگی، پھر ایک کپ اس کے سامنے رکھا اور اپنے کپ میں چمچ چلاتے ہوئے بولی۔

"کیا مجھے ہمیشہ آپ ہی کی بات دہرانی پڑے گی۔ کہ میرے دل میں آپ اس مقام پر فائز ہو چکے ہیں جہاں آپ سے پہلے کوئی تھا نہ آئندہ کوئی ہوگا۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ اور وہ یونہی سر جھکائے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

"جس یقین سے آپ نے کہا تھا۔ اسے ٹوٹنا نہیں چاہئے شاہ سکندر! کہ اسی یقین پر میں نے اپنے دل کی زمین میں آپ کے نام کا پہلا بیج بویا تھا اور پھر ہر روز ایک نیا بیج اس یادگار کے نام کرتی گئی۔ اب تو آپ شمار بھی نہیں کر سکتے کہ میرے دل کی زمین پر یہاں سے وہاں تک کتنے پھول کھلے ہیں۔ جن کی ہر پتی پر آپ کا نام ہے اور اس پھولوں کی بستی کو اجاڑنے کی سعی وہی کر سکتا ہے جسے مجھ سے 'میری زندگی سے پیار نہ ہو۔"

شاہ سکندر کو اپنے دل سے بوجھ سرکتا محسوس ہوا اور ہونٹوں پر پھیلتی مسکراہٹ لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی گئی تھی۔

*_*_*

اس نے اماں جی سے تو کالج میں کسی کام کا بہانا کیا تھا لیکن میمونہ بھابھی کو بتا کر گئی تھی کہ وہ شاہ سکندر کے بلانے پر جا رہی ہے۔ اس لیے دیر ہو جانے پر بھی اطمینان سے تھی کہ میمونہ بھابھی نے اماں جی کا دھیان لگا دیا ہوگا اور وہی ہوا۔ اماں جی نے اس سے پوچھا ہی نہیں کہ اتنی دیر کیوں ہوئی۔ الٹا کہنے لگیں۔

"پتا نہیں کب تمہاری کالج سے جان چھوٹے گی۔ اتنا ہلکان ہوتی ہو۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ۔"

"آپ نے کھا لیا۔۔۔؟" اس نے میمونہ بھابھی کی معنی خیز مسکراہٹ سے نظریں چرا کر پوچھا۔

"ہاں میں نے تو کھا لیا البتہ دلہن بچوں کا انتظار کر رہی ہے۔"

"کیا مطلب، بچے ابھی تک اسکول سے نہیں لوٹے؟" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے تعجب سے کہا۔ "دو بج رہے ہیں بھابھی ابھی تک آئے کیوں نہیں۔"

"پتا نہیں۔ مجھے لگتا ہے۔ راستے میں کہیں دین خراب ہو گئی ہوگی۔" میمونہ بھابھی نے پہلے لاعلمی کا اظہار کیا پھر قیاس کیا جس پر وہ پوچھنے لگی۔

"پہلے بھی کبھی ایسا ہوا ہے؟"

"اکثر، اماں جی سے پوچھو، ہفتے میں ایک بار تو ضرور ان کی دین خراب ہوتی ہے۔"

"تو آپ ان کے اسکول جا کر بات کریں۔ یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہے، بچے بیچارے پریشان ہو جاتے ہوں گے میں۔۔۔"

سونیا کی آواز پر اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ وہیں سے چلاتی ہوئی آرہی تھی۔

"امی۔۔۔ پھوپھو۔۔۔؟" پھر کمرے میں آکر پھولی سانسوں کے ساتھ بولی۔ "وہ ناں نبیل بھائی، وہ ہمارے ساتھ نہیں آئے۔"

"کیا؟" وہ چیخ پڑی۔ "کہاں ہے نبیل؟"۔

"پتا نہیں۔" اس کی چیخ پر سونیا سہم گئی اور میمونہ بھابھی کی ٹانگوں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگی، تو اچانک کسی خیال کے تحت اس نے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ باہر ڈرائیور احمر سے پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا وہ اس کے سر پر جا کھڑی ہوئی۔

"نبیل کہاں ہے۔۔۔؟"

"پتا نہیں بی بی! اسکول میں تو نہیں ہے۔ میں نے سارا اسکول چھان مارا۔" ڈرائیور نے حد درجہ عاجزی دکھائی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہنوز تیکھے لہجے میں بولی۔

"اسکول میں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے۔ صبح تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا۔"

"صبح تو جی اسکول میں ہی چھوڑا تھا۔ آپ ان بچوں سے پوچھ لیں۔"

"تم نے پرنسپل سے معلوم کیا۔۔۔؟" اس کے جارحانہ انداز میں اندرونی اضطراب بھی شامل ہو گیا تھا۔

"جی بی بی۔" نبیل کی مس کہہ رہی تھیں کہ چھٹی میں وہ ان کے سامنے نکلا ہے۔ لیکن بی بی! وہ دین میں آکر نہیں بیٹھا پتا نہیں کس طرف۔۔۔"

ڈرائیور اپنی غفلت پر سخت پشیمان اور گھبرایا ہوا تھا لیکن وہ اس سے کوئی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھی تبھی گیٹ کے اندر سے اماں جی نے اسے پکار لیا۔

"اماں جی! پوچھیں اس سے نبیل کو کہاں چھوڑ آیا ہے۔"

اندر آتے ہی وہ بے قابو ہو گئی تو میمونہ بھابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آئیں اور زبردستی بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"آجائے گا نبیل۔ تم پہلے اپنے حواسوں پر قابو پاؤ پھر سوچو کہ وہ کہاں جا سکتا ہے۔" میمونہ بھابھی نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر کہا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی پھر فوراً نفی میں سرہلا کر بولی۔

"وہ ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا کہ خود کہیں جا سکے؟"

"لے جایا تو جا سکتا ہے اور ایک ہی ہستی لے جا سکتی ہے۔" میمونہ بھابھی کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

"نبیلہ بھابھی۔" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی اور بے حد خاموش نظروں سے وہ دیکھنا میمونہ بھابھی کو چاہتی تھی لیکن دروازے سے داخل ہوتی اماں جی سامنے آگئیں۔ بے حد مضمحل جیسے ابھی ڈھے جائیں گی۔

"اماں جی۔" وہ سارے حوصلے یکجا کر کے اٹھی اور بڑھ کر اماں جی کو تھام لیا پھر انہیں بٹھا کر کہنے لگی۔ "پریشانی کی بات نہیں ہے اماں جی! میں ابھی عدیل بھائی کو فون کرتی ہوں۔ وہ آتے ہوئے نبیل کو لیتے آئیں گے۔"

"کہاں سے لے آئے گا۔۔۔؟"

"وہ۔۔۔" اس نے سٹپٹا کر میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے اس سے بولیں۔

"تم جاؤ کھانا کھاؤ، احمر اور سونیا کو بھی کھلاؤ۔"

پھر انہوں نے اسے "میں سنبھال لوں گی۔" کا اشارہ کیا تب کچن میں آکر اس نے کھانا نکالا لیکن اس کا اپنا بالکل نہیں چاہا کھانے کو۔ احمر اور سونیا کو آرام سے کھانے کی تاکید کرتی ہوئی لابی میں آکر سوچنے لگی کہ کسے فون کرے۔ عدیل بھائی یا بڑے بھیا کو۔

اور ابھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اپنے پیچھے بہت ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی تو یونہی اپنے خیال میں رہ کر نے پیچھے گردن موڑی اور نبیل کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں سے چیخ نما آواز بلند ہونا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے اس نے اپنی آواز کا گلا گھونٹ دیا البتہ بے اختیار چھلک آنے والے آنسوؤں کو نہیں روک سکی۔ اور بڑھ کر کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر اس کے سر پر کبھی اپنی پیشانی ٹکاتی کبھی ہونٹ۔ گو کہ وہ اس کی ماں نہیں لیکن اس وقت اس کے احساسات ایسے ہی ہو رہے تھے۔ جیسے کسی ماں کو اس کا کھویا ہوا بچہ مل گیا ہو۔ تڑپتے ہوئے دل کو کسی حد تک قرار آگیا تب فرش پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پو لگی۔

"کہاں چلے گئے تھے۔"

نبیل چپ چاپ اس کے بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"کس کے ساتھ آئے ہو' کون چھوڑ گیا ہے تمہیں۔۔۔۔؟"

نبیل کی خاموشی نہیں ٹوٹی تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اماں جی کے کمرے میں لے اور اسے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"نبیل آگیا ہے اماں جی۔۔۔؟"

اماں جی اور میمونہ بھابھی نے ایک ساتھ چونک کر دیکھا پھر اماں جی نے لپک کر نبیل کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اس سے پہلے کہ اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کرتیں۔ وہ اس کا دفاع کرتے ہوئے بولی۔

"اماں جی! ابھی بچہ ہے' نا سمجھ ہے۔ کہیں ادھر ادھر چھپ گیا ہو گا۔"

"ارے ہماری تو جان نکال کے رکھ دی۔" اماں جی کہتے ہوئے نبیل کو جھنجھوڑنے لگیں۔ "کہاں رہ گیا ارے تیرا باپ آجاتا تو میں کیا جواب دیتی اسے۔"

"چھوڑیں اماں جی! میں سمجھاتی ہوں اسے۔ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ نبیل! تم کمرے میں جاؤ۔۔۔"

اس نے نبیل کو الگ کر کے جانے کو کہا پھر اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اس طرح نہیں کریں اماں جی' وہ پہلے ہی سہما ہوا ہے اور ڈر جائے گا۔ میں آرام سے اس سے معلوم گی۔ میرا خیال ہے۔ نبیلہ بھابھی اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور شاید وہی چھوڑ گئی ہیں۔"

اماں جی یوں پریشان ہو گئیں جیسے قیامت آئی نہیں تو آنے والی ہو۔

"پریشانی کی بات نہیں ہے اماں جی۔" وہ انہیں سمجھاتے ہوئے کہنے لگی۔ "وہ نبیل کی ماں ہیں اور ہم می کوئی بھی انہیں نبیل سے ملنے سے نہیں روک سکتا۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن انہیں اس طرح بغیر بتائے نبیل کو نہیں لے جانا چاہئے تھا۔ کتنے پریشان ہم لوگ۔" میمونہ بھابھی نے کہا۔ تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"ہاں۔ یہ بات ان سے کہلوائی جا سکتی ہے۔ کوئی دن یا وقت جو بھی ہو طے کر لیں اور یہ معاملات تو بڑے طے کر سکتے ہیں۔"

وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور جانے لگی کہ اچانک خیال آنے پر رک کر پوچھا۔ "ابا جی کہاں ہیں۔۔۔؟"

"تمہارے چچا نے بلوا بھیجا تھا وہیں گئے ہیں۔"

"خیریت۔۔۔۔؟"

"آئیں گے تو خیریت معلوم ہو گی۔"

اماں جی کے جواب پر وہ یونہی سر ہلاتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی اور گو کہ اس کا اپنا دل یہ چاہ رہا فوراً نبیل سے ساری بات معلوم کرے۔ کہ وہ کس کے ساتھ گیا تھا اور نبیلہ بھابھی نے اس سے کیا باتیں وغیرہ وغیرہ' ظاہر ہے یہ ایک فطری تجسس تھا لیکن وہ فوراً خود کو باز رکھتے ہوئے کچن میں آکر کھانا گرم کر کیونکہ ابھی میمونہ بھابھی نے بھی نہیں کھایا تھا۔ پھر اس نے وہیں سے انہیں پکار لیا۔

"سچ بہت بھوک لگی ہے۔" میمونہ بھابھی آتے ہی شروع ہو گئیں۔

"ہاتھ تو دھو لیں اور چلیں ادھر برآمدے میں بیٹھتے ہیں۔" اس نے ٹرے اٹھانی چاہی لیکن میمونہ بھابھی روکتے ہوئے بولیں۔

"بس یہیں ٹھیک ہے۔ تم بیٹھنا چاہو تو اسٹول کھینچ لو۔"

"اف پتا نہیں کب سے بھوکی ہیں۔" اس نے اسٹول کھینچ کر انہیں بٹھا دیا اور خود کھڑے کھڑے کھانے لگی۔

"نبیل کو کھلا دیا۔۔۔؟" میمونہ بھابھی کو اچانک خیال آیا تو ہاتھ روک کر پوچھا۔

"نہیں۔ میں ابھی اس کے پاس نہیں گئی۔ اور کھانا تو اسے نبیلہ بھابھی نے کھلا دیا ہو گا۔"

"وہ تمہاری بھابھیوں کی لسٹ سے خارج ہو چکی ہیں۔" میمونہ بھابھی نے احساس دلایا تو وہ دکھ سے بولی۔

"برسوں کی عادت چند دن میں کیسے چھوٹ جائے گی پھر میں انہیں صرف نبیلہ بھی نہیں کہہ سکتی۔ ویسے میرا خیال ہے۔ بھابھی کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔"

آخر میں اس نے جیسے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا پھر ہاتھ دھو کے کیتلی اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "چائے پئیں گی آپ۔۔۔؟"

"بنا رہی ہو تو پی لوں گی۔" میمونہ بھابھی بقیہ روٹی دسترخوان میں لپیٹتی ہوئی بولیں پھر ٹرے ایک طرف رکھ کر دوبارہ بیٹھیں تو اپنے مخصوص انداز میں شروع ہو گئیں۔

"جان میں جان آگئی۔ دماغ بھی فریش ہو گیا ہے۔ اب مزہ آئے گا تم سے بات کرنے میں۔ بھوک میں تو کچھ سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا۔ خیر اب تم جلدی سے بتاؤ کیا باتیں ہوئیں شاہ سکندر سے۔۔۔؟"

"جی نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔" وہ ان کے انداز پر ہنستے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ وہ جو آج اماں جی اور ابا جی اپنی منظوری دینے کے لیے شاہ سکندر کے عزیزوں کو بلوانے کی باتیں کر رہے تھے تو میں منع کر دیتی ہوں اماں جی کو کہ اتنی جلدی نہ کریں۔ تم ہم پر بھاری تھوڑی ہو۔"

میمونہ بھابھی نے بڑی بے نیازی سے اسے اس کی خوشیوں کی نوید دی اور وہ اپنی جگہ اچھل پڑی۔

"کیا کہا بھابھی آپ نے' کیا باتیں کر رہے تھے ابا جی اور اماں جی۔؟"

"جی نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

میمونہ بھابھی نے فوراً بدلہ لیا تبھی اندر سے عمر کے رونے کی آواز آئی تو "میرا لال اٹھ گیا۔" کہتی ہوئی کھڑی ہو گئیں پھر جاتے جاتے اسے دیکھ کر شرارت سے بولیں۔

"جمعہ کا دن طے ہوا ہے۔ تمہاری بات پکی کرنے کے لئے۔"

"اف چائے تو لیتی جائیں۔" ان کی عجلت پر اس نے جلدی سے مگ اٹھا کر ان کی طرف بڑھایا۔ جسے لے کر وہ اندر چلی گئیں اپنے پیچھے اس کے لئے سوچنے کو زندگی کا خوبصورت موڑ چھوڑ گئی تھیں۔ ان ہی سوچوں کے دھارے پر بہتی وہ اپنے کمرے میں آئی تو نبیل کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھا دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلائے جانے کس سوچ میں تھا۔ اس کے ہونٹ ساکت تھے اور نظریں ہتھیلیوں پر جمی ہوئیں۔ وہ کچھ سمجھ نہیں سکی تو اس کے پاس آکر بیٹھی اور آہستہ سے اس کی کلائیاں تھام کر پوچھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہے ہو بیٹا۔۔۔۔"

نبیل نے اپنی ہتھیلیاں اس کے سامنے پھیلا دیں تو ان پر نظر ڈالنے کے بعد وہ قدرے الجھ کر بولی۔

"کیا ہوا ہے۔ مجھے تو کچھ نظر نہیں آرہا۔"

پھر یونہی اپنے ہونٹوں سے اس کی ہتھیلیوں کو چوما تو وہ بے چین سا ہو کر اٹھ بیٹھا پھر ایک دم اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اس سے لپٹ گیا تو اس محبت اور والہانہ انداز پر اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا اور جواباً اسے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

نبیل اسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔ کتنی دیر بعد اس نے بہت آہستہ سے اسے خود سے الگ کیا اور

ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کر رہی تھی کہ وہ کہنے لگا۔

"پھوپھو! میں ممی کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اسکول آئی تھیں مجھے لینے۔"

وہ فوراً" ہاتھ نیچے گرا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ممی کہہ رہی تھیں۔ وہ یہاں نہیں آسکتیں۔ پھر ممی رو رہی تھیں آپ کی طرح۔ انہوں نے میرے ہا[تھ] چوما اور آنکھوں سے لگایا تھا۔ پتا نہیں وہ کیوں رو رہی تھیں۔ آپ کیوں رو رہی ہیں پھوپھو۔"

وہ جس سادگی سے بول رہا تھا۔ اسی سادہ معصوم انداز میں پوچھا تو وہ بس ذرا سا نفی میں سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

--*

شام میں اماں جی نے سب کے سامنے نبیلہ کا اسکول سے نبیل کو لے جانے کا بتایا تو ایک ہنگامہ اٹھ کھ[ڑا ہوا۔] بڑے بھیا کے ساتھ عدیل بھائی بھی غصے میں آگئے تھے اور نبیلہ کے اس اقدام میں کوئی انتقامی پہلو تلاش [کر رہے] تھے۔ غالباً" ان کے خیال میں وہ عورت محبت کے ہاتھوں تو مجبور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ یقیناً" اس کے ا[رادے] خطرناک ہوں گے۔

"نبیل ہے کہاں؟ میں اس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کس کی اجازت سے اس کے ساتھ گیا تھا۔"

بڑے بھیا کا بقیہ غصہ اب نبیل کی طرف منتقل ہونے والا تھا کہ ابا جی فوراً" ٹوک کر بولے۔

"نہیں بیٹا! اس میں بچے کا کوئی قصور نہیں۔ اس نے ماں کو دیکھا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ تم اگر روک[نا چاہتے ہو] تو اس کی ماں کو روکو۔"

"اس طرح تو وہ اور ضد میں آجائے گی۔" بڑے بھیا۔ ابا جی کی بات سمجھتے ہی اپنی بے بسی پر تلملائے۔

"اسی لیے غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ آرام سے ٹھنڈے دماغ سے بیٹھ کر سوچو۔ اس طرح غصے میں ت[م] نقصان کرو گے۔"

ابا جی نے نرمی سے ان کا کندھا سہلاتے ہوئے سمجھایا تو وہ جیسے ٹوٹ گئے۔

"میں کیا کروں ابا جی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ بتائیے وہ جب تک یہاں تھی۔ اسے نبیل[کی پروا] نہیں تھی۔ اب کیسے وہ۔"

"حوصلے سے بیٹا! حوصلے سے۔" ان کی آواز بھرانے پر ابا جی نے پھر انہیں سہارا دیا۔ "اپنے آپ پر قا[بو رکھو] اور اس بات کو زیادہ اہمیت مت دو۔"

"کیسے نہ دوں۔"

"مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔ ابھی تم نے خود کہا کہ منع کرنے سے وہ اور ضد میں آجائے گی۔ اسے ض[د مت] دلاؤ۔ ضدی عورت بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ کسی کو نقصان پہنچانے کی ٹھان لے تو پھر اپنا نفع نقصان [نہیں] سوچتی۔"

وہ باتیں جو کتابیں نہیں سکھاتیں ابا جی اپنے پڑھے لکھے بیٹوں کو سمجھا رہے تھے۔

"پھر وہ کوئی جاہل گنوار عورت نہیں ہے جسے تم ڈرا دھمکا سکو۔ پڑھی لکھی ہے۔ اگر اس نے ماں کا حق ا[ستعمال] کر لیا تو پھر نبیل کو یہاں سے لے جانے سے اسے کوئی نہیں روک سکے گا اس لئے بہتر یہی ہے کہ خاموشی [اختیار] کر لو بلکہ ڈھیل دے دو اسے کہ وہ جب چاہے۔ نبیل سے مل لے۔ البتہ یہ ضرور طے ہونا چاہئے کہ وہ کب [آئے گی] وقت اسے لے جائے گی تاکہ یہاں کسی کو پریشانی نہ ہو۔ سمجھ رہے ہو ناں۔"

بڑے بھیا جو ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہے تھے پہلے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔

"لیکن ابا جی! میں نہیں چاہتا۔ نبیل اس سے ملے۔"

"یہ سلسلہ زیادہ عرصہ نہیں چلے گا بیٹا! اس کا مقصد صرف تمہیں پریشان کرنا ہے۔ جب وہ دیکھے گی [کہ] کوئی نوٹس نہیں لیا تب خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔"

ابا جی نے کہا تو عدیل بھائی فوراً" ان کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں بڑے بھیا۔ ان کا مقصد صرف آپ کو پریشان کرنا ہے۔ نبیل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ بس آپ ایک بار ان سے رابطہ کر کے نبیل سے ملنے کے اوقات طے کر لیں۔ اس کے بعد نبیل کو ان کے پاس لے جانے لانے کی ذمہ داری میری ہو گی۔"

"ہوں۔ یہ ذمہ داری تو تمہیں قبول کرنی ہو گی کیونکہ میں۔"

بڑے بھیا جانے کیوں خاموش ہو گئے۔ پھر کن انکھیوں سے خاموش بیٹھی اماں جی کو دیکھ کر اپنے تئیں آواز دبا کر بولے۔

"میں باہر جا رہا ہوں ابا جی۔"

"ہائیں۔" اماں جی نے پھر بھی سن لیا۔ "باہر کاہے کو جا رہے ہو۔"

"ظاہر ہے روزگار۔"

"یہاں بے روزگار تو نہیں ہو۔" اماں جی نے ان کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ اور وہ اس وقت مزید کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے اٹھتے ہوئے بولے۔

"ابا جی! میں پھر بات کروں گا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔ ماشاءاللہ یہیں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔" اماں جی اپنی کہے جا رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئے۔ تب ابا جی ٹوکتے ہوئے بولے۔

"بس کرو۔ وہ کون سا ابھی جا رہا ہے۔"

"ابھی نہ سہی، سمجھا دیں اسے۔"

"سمجھاؤں گا تم نہ جی ہلکان کرو بلکہ اس کا گھر بسانے کی سوچو۔ کیوں عدیل میاں۔؟" ابا جی نے اچانک عدیل کو مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولے۔

"جی۔ جی ابا جی۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔؟"

"کیا ٹھیک کہہ رہا ہوں۔؟" ابا جی سمجھے۔ عدیل نے ان کی بات سنی ہی نہیں اور یونہی تائید کر رہے ہیں۔

"وہی بڑے بھیا کی شادی' میرا خیال ہے آسیہ کے ساتھ ساتھ ان کا گھر بھی بس جائے تو اچھا ہے۔"

عدیل نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشورہ بھی دے ڈالا پھر اماں جی سے کہنے لگے۔

"آپ کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے اماں جی! اسما بھابھی اور میمونہ بھابھی جیسی ان کے لئے بھی لے آئیں۔ پھر وہ باہر نہیں جائیں گے۔"

اماں جی کے چہرے پر مسکراہٹیں دوڑنے لگیں۔

"سوچ تو میں بھی کئی دنوں سے رہی ہوں اور میری نظر میں ایک لڑکی ہے بھی۔"

"کون۔؟" ابا جی فوراً" متوجہ ہوئے۔

"سائرہ آپ کی بھتیجی۔" اماں جی نے بتایا تو ابا جی یوں مطمئن ہو گئے جیسے ان کے دل کی بات کہہ دی گئی ہو۔ بلکہ عدیل برملا خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ کا انتخاب لاجواب ہوتا ہے۔ بڑے بھیا کے لئے سائرہ جی بہت مناسب ہیں۔ بس آپ پہلی فرصت میں جا کر بات کریں۔"

"میں تو آج جانے کو تیار ہوں لیکن تمہارے بھائی کا تو پتا چلے۔ وہ کیا چاہتا ہے اور ادھر سائرہ کے لئے پتا نہیں ہمارے چچا نے کیا سوچ رکھا ہے۔ ایک جگہ بات چل تو رہی تھی اس کی۔"

اماں جی نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا پھر ابا جی سے پوچھنے لگیں۔

"آپ آج گئے تھے۔ کچھ بتایا۔ ضیاء نے سائرہ کے رشتے کے بارے میں' طے ہوا یا نہیں۔"

"ہاں۔ بتا رہا تھا۔ وہاں بات نہیں بنی۔"

"چلیں تو پھر آپ عقیل سے بات کریں پھر ہم چلیں گے۔"

ابا جی اثبات میں سرہلانے لگے' پھر معاً" خیال آنے پر عدیل کو مخاطب کر کے پوچھنے لگے۔
"عدیل! وہ تم احمد حسن کی طرف گئے تھے۔"
"نہیں ابا جی! میرا جانا نہیں ہو سکا لیکن میں نے انہیں فون کر دیا تھا۔ جمعہ کو رات کے کھانے کی دعوت دی ہے۔"
عدیل بتا کر اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ ادھر میمونہ بھابھی پکار رہی تھیں۔ وہ عجلت میں باہر نکل گئے۔

*_*_*

مہرانساء نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے شہربانو اور شاہ ہارون کو آتے دیکھا تھا۔ دونوں کتنے خوش تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے قسمت کی دیوی نے مہربان ہو کر ساری رعنائیاں ان کی جھولی میں ڈال دی ہوں۔ شہربانو کے ہونٹوں پر ہنسی کھلی پڑ رہی تھی اور شاہ ہارون کی سنگت کا غرور اس کے انگ انگ سے عیاں تھا۔ جس نے مہرانساء کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ جو اگر وہ اس وقت نیچے اتر کر آتی تو اس آگ کی تپش سے شہربانو ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ اسی خیال کے تحت وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلی اور ادھر سے ادھر ٹہل کر اپنے اندر دہکتے الاؤ کو سرد کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ خود اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ساتھ سب کو جلا ڈالے گی' بڑی مشکل سے وہ خود کو نیچے جانے سے باز رکھے ہوئی تھی۔ پھر اپنا دھیان بٹانے کی خاطر اس نے ٹیپ ریکارڈ میں کیسٹ لگا کر آن کیا اور مسہری پر آبیٹھی۔ چند لمحوں بعد سوگوار سی دھن نے کمرے کی خاموش فضا میں اداسی کا رنگ شامل کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ٹیپ ریکارڈ پر نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر نیم دراز ہو کر مسہری کی بیک پر سر رکھ کر پلکیں موندلیں۔

اک آگ غم تنہائی کی سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو تو دامن دل کو بچا میں کیا

اچانک ٹیپ بند ہونے کی آواز کے ساتھ شہربانو کی کھلکھلاتی ہنسی نے جیسے بجھتے انگاروں کو پھر سے ہوا دی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کی پذیرائی کو اٹھنے کے بجائے ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔
"خیر تو ہے' کون روٹھ گیا۔۔۔؟" شہربانو اپنی دھن میں تھی۔
"کہاں ہیں سکندر بھائی؟ میں پوچھتی ہوں ان سے۔"
"بیٹھ جاؤ شہربانو!" اس کے ٹھہرے ہوئے سرد لہجے پر شہربانو نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کے پاس بے تکلف سے بیٹھتی ہوئی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔
"کیا ہوا مہو؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔"
"ہوں۔۔۔ بہت ہلکی سی ہوں کی آواز اس کے بند ہونٹوں کے اندر دم توڑ گئی۔
شہربانو اس کی پراسراریت سے کچھ خائف سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تو اسے سارا ماحول ہی پراسرار لگا جیسے بچپن میں کہانیاں پڑھا کرتی تھی کہ ظالم دیو نے شہزادی کو قید کر کے پتھر کا بنا دیا۔ اسے مہرانساء پر اسی پتھر کا گمان ہو رہا تھا۔ جس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ بے حد گھبرا کر شہربانو اسے غور سے دیکھنے لگی تو اس کے ہونٹ پہلے ذرا سے نیم وا ہوئے پھر جیسے وہ خود کو بولنے پر آمادہ کر کے کہنے لگی۔
"ایک بات پوچھوں شہربانو' سچ سچ بتاؤ گی۔"
"ہاں' ہاں۔ کیا بات ہے؟" شہربانو فوراً" بولی۔
"کیا وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے؟" اس نے اتنے یقین سے پوچھا کہ شہربانو سٹپٹا گئی۔
"کون۔۔۔؟"
"وہی جس نے شاہ کو میرا نہیں ہونے دیا۔ چند لمحے بس چند لمحے شاہ نے میری جھولی میں خیرات کے ڈالے تھے۔ شاید اپنی محبت کا صدقہ اتارا تھا۔ کیوں کیا یہی میری حیثیت ہے۔" مہرانساء اچانک پھٹ پڑی۔ "شہربانو! تم اس کی بہن ہو' سب جانتی ہو گی۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں گیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم مہو! جو چاہے قسم لے لو۔۔۔" شہربانو سچ مچ پریشان ہو گئی۔
"دکھاؤ شاہ ہارون کی قسم کہ تمہیں کچھ معلوم نہیں۔" اس نے شہربانو کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ جس سے وہ اور
ان ہو گئی اور قدرے روہانسی ہو کر پوچھنے لگی۔
"کب۔۔۔ کب گئے ہیں سکندر بھائی اور تم سے کیا کہہ کر گئے ہیں؟"۔
"مجھ سے' ارے مجھے تو اس نے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ میرے آنے کا انتظار ہی کر لیتا۔ نہ میرے نام کوئی
م چھوڑا جو بابا جان کی بات کو سچ ثابت کرتا کہ وہ مجھ سے نہیں ان سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ اس کی ناراضگی
ے نہیں تھی۔ اسے ناراض کیا گیا ہے۔ سبب تم جانتی ہو شہربانو۔ اور جان تو میں بھی گئی ہوں پھر بھی
رے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔"
تنفر سے بولتی ہوئی مہرانساء نے سناٹے میں بیٹھی شہربانو کا ہاتھ زور سے ہلایا پھر کہنے لگی۔
"شادی کی رات شاہ اس کمرے میں آیا تھا۔ وہ بھی اس وقت جب میں اس کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی
۔ اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔ خیر یہ میرا اور شاہ کا معاملہ ہے۔ مجھے تو تم اس حرافہ کا نام بتاؤ جو شاہ کو
ے چھیننے کی جرات کر بیٹھی ہے۔"
"میرا یقین کرو مہو! میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تو سکندر بھائی کے جانے کا بھی ابھی تمہارے منہ سے سن رہی
۔ بی بی جان نے بھی نہیں بتایا۔"
"وہ نہیں بتائیں گی اور سنو۔ تم بھی ان پر ظاہر مت کرنا کہ تم جان چکی ہو کیونکہ یہ اس گھر کا مسئلہ ہے اور تم
اس گھر کی فرد نہیں ہو۔"
ہرانساء نے ہلکی سی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جانے اسے کیا باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اگر نہیں سمجھی'
بھی یوں سر جھکا لیا جیسے اب مہرانساء کی ہر جائز ناجائز پر اسے اسی طرح سر جھکانا ہے ورنہ دوسری صورت میں
، بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

*_*_*

"سکندر بھائی! آپ کے لئے گڈ نیوز۔۔۔"
ائلہ نے اسے دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔ لیکن وہ ایک تو تھکا ہوا تھا دوسرے شوروم کا سودا نہ ہونے کے باعث کچھ
ں سا بھی تھا۔ جب ہی نائلہ کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور تھکے تھکے انداز میں بیٹھا تو احمد حسن نائلہ کو ٹوکتے
ے بولا۔
"تنگ نہیں کرو۔ جاؤ پہلے چائے لے کر آؤ۔"
"میں چائے سے زیادہ اچھی خبر سنانے والی ہوں۔ جو سکندر بھائی کی ساری تھکن پل میں دور کر دے گی اور ان
ایوس چہرے پر مسکراہٹیں دوڑنے لگیں گی۔ اب بتایئے پہلے چائے یا گڈ نیوز۔"
ائلہ نے شاہ سکندر کے سامنے آکر شوخی سے پوچھا تو اس نے پہلے احمد حسن کو دیکھا اور اس کا اشارہ سمجھ کر
ے آرام سے بولا۔
"چلو چائے۔۔۔"
"ہرگز نہیں۔۔۔" نائلہ چیخ پڑی۔ کیونکہ وہ خود اچھی خبر سنانے کو بے چین تھی اور جانے کب سے ان دونوں کا
ار کر رہی تھی۔
"اچھی زبردستی ہے۔ اچھا خیر سناؤ۔ جلدی سناؤ۔" شاہ سکندر نے جیسے اس پر احسان کیا۔ تو وہ منہ پھلا کر بولی۔
"آسیہ باجی کے گھر سے فون آیا تھا۔ انہوں نے ہم سب کو کھانے پر بلایا ہے۔"
"کب۔۔۔ آج۔۔۔" شاہ سکندر کی ساری بے نیازی رخصت ہو گئی۔
"جی نہیں جمعہ کو۔" نائلہ کا انداز ہنوز تھا۔ جس پر احمد حسن ٹوکتے ہوئے بولا۔
"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ کیا تمہیں نہیں بلایا۔"

"جی نہیں۔ مجھے سب سے پہلے بلایا ہے لیکن میں جاؤں گی نہیں۔"

وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی تو کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر احمد حسن اسے دیکھ کر مسکرایا۔
مسکراہٹ تھی۔

"جمعہ کے دن۔۔۔ ضرور چلیں گے۔ اور اب جلدی سے بتاؤ۔ کیا طے کرنا ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ سمجھا نہیں۔

"مائی ڈیر ان کی طرف سے بلاوے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ رشتہ منظور ہے اور ہم جا کر باقی م
کریں یعنی شادی کی تاریخ وغیرہ۔" احمد حسن نے مطلب سمجھایا تو وہ کچھ الجھ کر بولا۔

"لیکن یار؟ تیاری تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"کیا تیاری کرنی ہے۔ کپڑے' زیورات' یہ سب امی اور نائلہ پر چھوڑ دو۔ وہ سب خریداری کر لیں
سیٹ کر چکے ہو۔ باقی رہا بزنس تو۔۔۔" یہاں احمد حسن خود اٹک گیا تو اسے کہنا پڑا۔

"بزنس نہیں ہو سکتا۔ آئی مین شادی کے اخراجات کے بعد بزنس کے لئے پیسہ نہیں بچے گا۔"

احمد حسن یہی بات کہنے سے رک گیا تھا اور جب شاہ سکندر اس حقیقت کا اعتراف کر کے مایوس
تب اس کا کندھا تھپک کر بولا۔

"کم آن یار! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پہلے ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو جائے اس کے بعد ہم طے کر
آیا شادی پہلے ہونی چاہئے یا بزنس۔"

"ہوں۔" شاہ سکندر نے پر سوچ انداز میں سر ہلایا پھر رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو چونک کر بولا۔ "ار
بجے ایک دوست سے ملنا تھا۔"

"رکو۔۔۔ چائے پی کر جانا۔ یہ نائلہ کہاں رہ گئی؟" احمد حسن اٹھتے ہوئے بولا تو وہ بھی اس کے ساتھ کھڑ

"رہنے دو احمد! دیر ہو جائے گی۔" وہ احمد حسن سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

پانچ بجنے میں دس منٹ تھے۔ وہ اسپیڈ سے گاڑی بھگانے لگا' لیکن جگہ جگہ ٹریفک جام ہونے کے با
گھنٹہ لیٹ ہو گیا۔ پھر بھی مبہم سی امید کے سہارے اس نے مطلوبہ چیمبر کے سامنے گاڑی روک دی
لاک لگا رہا تھا کہ اسے اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ کچھ بے دھیانی میں اس نے گردن موڑ کر د
پل کو اسے اپنا وجود سن ہوتا لگا۔
جن پر اعتبار کیا تھا۔ وہی شاہ جہانگیر اس کے بے حد قریب کھڑے مسکرا رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

"تم بڑے جلد باز ہو سکندر! میرا انتظار بھی نہیں کیا۔"
شاہ جہانگیر اُس کے گم صم انداز کو قصداً نظر انداز کر کے ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔
"میں کہیں بہت دُور تو نہیں گیا تھا۔ بابا جان کے ساتھ رہتے ہو اور اُسی شام لوٹ بھی آ
وہ یونہی خاموش کھڑا رہا تو شاہ جہانگیر نے ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔
"یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟"
اُس کا سر آپ ہی آپ نفی میں ہل گیا۔
"چلو پھر کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں بلکہ میرے ساتھ آؤ۔ میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"
شاہ جہانگیر نے اُس کے کندھے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے وہ چلنے کو تیار کھڑا ہو۔ تب اُس نے
لب کشائی کی۔
"سوری بھائی۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

میرا تمہیں اعزاز کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ چلو خیر، جہاں تم کہو وہیں چلتے ہیں۔ یا مجھ سے بات ہی نہیں
رنا چاہتے؟"
شاہ جہانگیر نے محبت بھرے انداز میں اُس کی ناراضگی کو جتا کر پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔
"یہ بات نہیں ہے بھائی! اصل میں، میں یہاں ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ اگر آپ کو کوئی کام
ہے تو کچھ دیر انتظار کریں۔ میں اُس سے مل کر آتا ہوں۔ پھر گھر چلیں گے۔"
"گھر" شاہ جہانگیر چونکے تھے کہ وہ بول پڑا۔
"میرے گھر۔"
"اچھا ہاں۔ تم جاؤ مل آؤ دوست سے۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"
شاہ جہانگیر نے خوشدلی اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔ پھر اطمینان سے گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر اُسے
تے ہوئے دیکھنے لگے اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تب ان کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں
نے لگی تھیں۔

وہ جب شاہ جہانگیر کے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں آیا، اُس وقت تاریکی پر پھیلا چکی تھی۔ وہ ایک
بعد ایک تینوں کمروں میں ٹیوب لائٹیں آن کرتا ہوا دوبارہ لاؤنج میں آیا تو شاہ جہانگیر شوق
اُس کے گھر کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر اُسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔
"گھر والی کہاں ہے؟"
"آنے والی ہے۔" اُس نے بڑے اعتماد سے مسکرا کر جواب دیا۔
"کیا مطلب۔ کہیں گئی ہوئی ہے یا ابھی شادی ہی نہیں ہوئی؟"
شاہ جہانگیر نے بیٹھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ الٹا ان سے پوچھنے لگا۔
"آپ کو کیا لگ رہا ہے؟"
شاہ جہانگیر نے یوں کندھے اچکائے جیسے کہہ رہے ہوں "میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" تب وہ اُن کے سامنے
تے ہوئے کہنے لگا۔
"اتنی جلدی شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ جب تک آسیہ کے گھر والوں کو میری طرف سے اطمینان نہیں ہو
وہ اپنی بیٹی"
"کیسا اطمینان چاہتے ہیں وہ؟" شاہ جہانگیر فوراً بول پڑے۔ "تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو۔ شاہ پور کے
رداسکے بیٹے ہو۔ ساری زندگی نہ صرف خود بلکہ آنے والی نسل کو بھی بٹھا کر کھلا سکتے ہو۔ کیا تم نے اُن پر اپنی
ت واضح نہیں کی؟"
"سب جانتے ہیں وہ۔ یہ بھی کہ جس جاگیر کے بل پر میں اپنی نسل تک کو بٹھا کر کھلا سکتا تھا وہ میں چھوڑ
دل۔ اور آپ غلط سمجھ رہے ہیں بھائی۔ اُن کے پیش نظر میری مالی حیثیت کبھی نہیں رہی۔ اب بھی
ہے۔ بس وہ ۔۔۔ بات سے خائف ہیں کہ کہیں یہ میرا جذباتی فیصلہ نہ ہو۔"
اُس نے بڑے ۔۔۔ اور تحمل سے کہا تو شاہ جہانگیر کچھ دیر پُر سوچ انداز میں سر ہلاتے کے بعد
لگے۔
"یہ سب تمہاری جلد بازی کا نتیجہ ہے، ورنہ اس وقت آسیہ اس گھر میں موجود ہوتی۔"
"ہر بات کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے بھائی!" اُس نے کہا تو شاہ جہانگیر ذرا سا مسکرائے پھر کہنے لگے۔
"یہ بات تم نے پہلے کیوں نہ سوچی۔ نہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا یا آسیہ پر، بلکہ میرا خیال ہے تمہیں خود
اپنے پر بھروسا نہیں تھا۔ بہرحال تم نے گھر چھوڑ کر سخت غلطی کی ہے۔ وہاں سے تعلق توڑے
بغیر آرام سے دوسری شادی کر سکتے تھے۔ میں تمہارے ساتھ تھا۔ کیونکہ مجھے اپنا وعدہ ہر حال میں نبھانا
تھا۔ بابا جان کی ناراضگی مول لے کر تم نے اپنے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی مشکل کھڑی کر دی ہے۔"

بابا جان کا حکم ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی واسطہ، کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ اور حکم عدولی کی سزا [...] ہو۔ اس کے باوجود ان تین مہینوں میں، میں کئی بار تمہاری تلاش میں اس شہر کے چکر لگا چکا ہ[وں]"

"کیوں؟" شاہ جہانگیر ایک لحظے کو رُکے تھے کہ وہ صرف "کیوں" کہہ کر ہونٹ بھینچ گیا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ آسیہ کے گھر والے تمہیں گھر سے نکلا ہوا اکیلا شخص سمجھ کر شادی [میں] پس و پیش کریں۔ بابا جان کا حکم اپنی جگہ، تمہیں اکیلا چھوڑنا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ بتا[ؤ کیا] چاہتے ہیں آسیہ کے گھر والے؟ ہم ان کی ساری ڈیمانڈ پوری کریں گے۔"

شاہ جہانگیر کے لہجے میں اپنی حیثیت کا تفاخر تھا جسے وہ چھوڑ آیا تھا۔ لیکن بھولا ہرگز نہیں [تھا] بلکہ اس کے اندر شاید یہ خواہش موجود تھی کہ وہ آسیہ کو اسی شان سے بیاہ لائے۔ جو اُس کی خ[...] کا خاصا رہی تھی۔ جب ہی شاہ جہانگیر کی آخری بات اور ان کے لہجے پر اُس کی گردن آپ [ہی] تن گئی اور تسخیر کر لینے کا احساس جاگنے لگا تھا۔

"ابھی تک تو انہوں نے کوئی ڈیمانڈ نہیں کی۔ اس جمعے کو رات کے کھانے پر بلایا ہے۔ آ[پ] آپ چلیں گے ناں ہمارے ساتھ؟" اُس نے قدرے بے تابی سے پوچھا۔

"نہ صرف چلوں گا بلکہ شادی طے کر کے آؤں گا۔" شاہ جہانگیر نے صوفے کے بازو پر مکا [...] ہوئے کہا۔

"لیکن بھائی! ابھی میرا کوئی کاروبار تو سیٹ ہوا نہیں اور پیسہ میرے پاس اتنا ہے کہ ..." اُس کی باقی بات شاہ جہانگیر کے قہقہے میں دب گئی۔

"ہا ہا۔ یہ تم پیسے کا حساب کب سے رکھنے لگے۔ یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے۔ تم تو [بس] شادی کر کے عیش کرو۔"

"عیش پیسے کے بل پر کیا جاتا ہے اور پیسہ مجھے کمانا ہے۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا لیکن [وہ] اسی محظوظ انداز میں بولے۔

"کمانے کا شوق بھی پورا کر لینا۔ پہلے شادی تو کر دو۔ گھر میں عورت ہو گی تو مجھے چائے پا[نی] پوچھے گی۔"

"سوری۔" وہ شرمندہ ہو کر فوراً کھڑا ہو گیا۔ "میں بس ابھی ..."

"بس رہنے دو چائے والے، چلو کہیں باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔" شاہ جہانگیر اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ پھر پوچھنے لگے۔

"تمہارے کھانے کا کیا انتظام ہے؟"

"باہر ہی کھ[...] ہے۔" اُس نے اپارٹمنٹ کی چابیوں کی تلاش میں نظریں دوڑاتے [...]

"کوئی خانساماں رکھ لو۔ کیونکہ نئی دلہن کو آتے ہی کام سے لگا دینا اچھی بات نہیں ہے۔" اُن کے فراخدلانہ مشورے پر وہ ذرا سا کندھے اچکا کر بولا۔

"فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"تمہیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں سکندر! اپنی ہمیشہ والی آن بان اور شان سے رہو۔ [...] نہیں کرنا۔ میں کبھی تمہارا اکاؤنٹ خالی نہیں ہونے دوں گا۔"

شاہ جہانگیر نے اتنے مضبوط لہجے میں کہا کہ اُس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا تھا۔

بابا جان کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مہرالنساء نے دوپٹے کو اچھی طرح سر [...] اندر داخل ہو کر سلام کر کے یوں کھڑی ہو گئی جیسے اب اُسے صرف بابا جان کی بات سن[...] کچھ بھی نہیں۔ جبکہ کہنے کو اُس کے پاس بہت کچھ تھا۔

"یہاں آ کر بیٹھو مہرالنساء!" بابا جان نے اپنے برابر اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ دھیر[ے] [...] ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"ہم نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ ہم تمہیں سکندر کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں۔"

مہرالنساء چونکی نہ اُس کے اندر کوئی ہلچل مچی۔ اس کے برعکس جیسے اُسے یقین تھا کہ بابا جان اُس [...] غلط بیانی کریں گے۔

"سکندر کراچی میں ہے اور میں نے جہانگیر کو اُس کے پاس بھیجا ہے۔ امید ہے وہ اُسے سمجھا بجھا کر [...] آئے گا۔ نہیں بھی آیا تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ کم از کم تمہارے لیے۔ جہانگیر اُس کا ٹھکانا دیکھ آئے [...] تم جب جی چاہے اُس کے پاس چلی جانا۔ تم سے تو اُس کی کوئی ناراضگی نہیں ہے اور ہمارا خیال ہے تم ہی [...]سے منا کر لا سکتی ہو۔"

مہرالنساء کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ایک لحظے کو جھب دکھلا کر غائب ہو گئی تھی۔ پھر اُس [...] دکھ سے سوچا۔

"کاش وہ مجھ سے ناراض ہوتا۔ میں اُسے منانے کے سو جتن کرتی۔ اُس کے سامنے اپنی ہستی مٹا ڈالتی۔"

"تمہاری بی بی جان بتا رہی تھیں، تم کھانے پینے میں لاپروائی کرتی ہو۔ اپنا خیال رکھا کرو۔"

بابا جان نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت کا اظہار کیا تو اُس کی بے بسی ٹوٹنے لگی اور اس [...] پہلے کہ آنکھیں چھلکتیں، اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جاؤں بابا جان؟"

"ہوں۔ اور دیکھو شاہ جہانگیر جیسے ہی آئے اُسے ہمارے پاس بھیج دینا۔" بابا جان نے اجازت [...]ینے کے ساتھ کہا۔

"جی!" وہ اُن کے کمرے سے نکل آئی اور راہداری میں رُک کر آنکھوں میں اُتری نمی دوپٹے [...] جذب کی پھر اپنے کمرے میں آتے ہوئے جیراں پر نظر پڑی تو اُسے اسکوائش لانے کا کہا۔ اور [...]ند کمرے کا رُخ کیا۔

اپنے اندر کے بوجھل پن سے وہ خود کسی کسی وقت بہت پریشان ہو جاتی تھی۔ ایسی حالت میں [...]رت یوں بھی اکتائی اکتائی رہتی ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اور اُس کے تو اپنے ساتھ اچھا نہیں ہوا [...]ما۔ اوّل روز سے جو ذہن اُلجھا تھا تو اب تک مختلف سوچوں کے تانے بانے میں اُلجھا ہی رہتا تھا۔ [...]ادی سے پہلے سجائے خوبصورت سپنوں کی کرچیاں سمیٹتے سمیٹتے اُس کی انگلیاں فگار ہو گئی تھیں۔ اور [...]باجان ابھی بھی کہہ رہے تھے کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہے۔

اسکوائش گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار کر وہ اپنے اندر کی تپش کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن [...]ہ فرق نہیں پڑا۔ پورا گلاس خالی ہو گیا۔

"اور ڈالوں بی بی جی؟"

جیراں جگ لیے انتظار میں کھڑی تھی۔ اُس نے گلاس سامنے کر دیا۔ اور جیسے ہی جیراں نے اسکوائش [...] پھر اس بار وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گئی۔ تو قدرے ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ کچھ دیر کے لیے [...]ڈ کی بیک پر سر رکھ کر اُس نے پلکیں موند لیں۔ خالی گلاس ابھی اُس کے ہاتھ میں تھا جب ہی جیراں [...] کھڑی رہ گئی۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو قدرے ناگواری سے بولی۔

"تم ابھی یہیں ہو؟"

"[...] شربت۔" جیراں نے جگ سامنے کر کے اپنے کھڑے رہنے کا سبب بتایا تو وہ کارنر ٹیبل کو دیکھ کر [...]

"یہاں رکھ دو۔"

جیراں نے جگ رکھ دیا۔ پھر جانے کے بجائے اُس کے سامنے ہاتھ باندھ کر بولی۔

"بی بی جی! ایک بات کہوں۔ آپ بُرا تو نہیں مانیں گی۔"

"کیا بات ہے؟" اُس کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہوئیں تو جیراں کچھ ڈرتے ڈرتے کہنے لگی۔
"وہ جی۔ جہاں میری نانی کا گھر ہے وہاں ایک سائیں جی رہتے ہیں۔ بڑے پہونچے (پہنچے) ہوئے ہیں سائیں جی، ساری عورتیں اُن کے پاس جاتی ہیں۔"

"پھر؟" اُس کی پیشانی کی لکیریں گہری ہوگئیں لیکن اُن میں غصہ یا ناگواری نہیں تھی جب ہی آرام سے کہہ گئی۔

"اگر آپ کہیں تو میں چھوٹے شاہ جی کے لیے تعویذ لا دوں۔"

"شاہ کے لیے؟" وہ ایک جھٹکے سے مسہری کی بیک چھوڑ کر سیدھی بیٹھی۔ "کیا ہوا شاہ کو؟"

"اللہ نہ کرے بی بی! جو اپنے چھوٹے شاہ جی کو کچھ ہو۔" جیراں اُس کے تیوروں سے سہم کر جلدی بولی۔

"پھر تم نے اُن کا نام کیوں لیا؟"

"غلطی ہوگئی بی بی جی! معاف کردیں۔" کانپتی آواز میں کہہ کر جیراں نے پیچھے یوں دیکھا جیسے اُس کا اشارہ ملتے ہی بھاگ کھڑی ہوگی۔ مہرالنساء کچھ دیر تک اُسے گھورتی رہی پھر دھیرے دھیرے اُس کی پیشانی کی لکیریں صاف ہونے لگی تھیں۔ اس کے بعد جب اُس نے جیراں کو بیٹھنے کے لیے کہا تو اس کے لہجے میں ملال دہرا نہیں تھا۔

"کیا کہوگی سائیں جی سے؟" وہ اب دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"میں انہیں بتاؤں گی بی بی جی کہ چھوٹے شاہ جی گھر نہیں آتے۔ پھر وہ ایسا تعویذ دیں گے کہ چھوٹے شاہ جی بھاگے آئیں گے۔ ساری زندگی غلامی کریں گے آپ کی۔"

جیراں قدرے جوش سے کہہ رہی تھی اور اس تصور سے ہی اُس کی گردن اکڑی جا رہی تھی۔

جمعے کی نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ اور میمونہ بھابی کچن میں مصروف ہوگئیں۔ دوپہر کا کھانا تو نماز سے پہلے ہی کھا لیا تھا اور اب رات کے کھانے کی تیاری تھی۔ وہ بھی مہمانوں کے لیے۔ اور خاصا اہتمام کرنا تھا۔ کباب، کوفتے، بریانی، قورمہ اور سویٹ ڈش میں بھی دو آئٹم شامل تھے پر بھی عدیل بھائی نے کچن میں جھانک کر ایک آدھ ڈش کا مزید اضافہ کرنے کو کہا تو میمونہ بھابی پڑیں۔

"ہرگز نہیں۔ مجھے تو آج کی تاریخ میں یہ سب بھی پکتا نظر نہیں آرہا۔"

"صبح سے کیا کر رہی تھیں آپ؟" عدیل نے قیمہ پیستی آسیہ پر نظر ڈال کر کہا تو میمونہ بھابی لڑنے کے لیے تیار ہوگئیں۔

"کیوں دوپہر کا کھانا تم نے پکایا تھا۔ گھر کی صفائی بھی تم نے کی اور بچوں کو بھی تم نے نہلایا تھا۔ ہم تو ابھی بستر سے نکل کر کچن میں آئے ہیں۔ ویسے تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو۔ تمہارے والے تو نہیں آرہے۔"

"میرے سسرال والوں کو آپ بے شک چائے بھی نہیں پلوائیے گا۔"

عدیل نے کہا تو قیمہ پیستے ہوئے آسیہ کے ہاتھ ایک لحظے کو رُکے تھے۔

"اچھا بس، جاؤ یہاں سے، ہمیں کام کرنے دو۔"

میمونہ بھابی نے انہیں دھکیل کر باہر نکالا۔ پھر آسیہ سے کہنے لگیں۔

"سنو۔ تم کوفتے بنالو کیونکہ مجھے کوفتے بنانے میں کوفت ہوتی ہے۔"

"مجھے آپ سے زیادہ کوفت ہوتی ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے یہ آئٹم گول کر جائیں۔" وہ ڈونگا انہیں تھماتے ہوئے بولی۔

"اور عدیل کو؟"

"انہیں بتانے کی کیا ضرورت ہے اور مہمانوں کے سامنے تو وہ کچھ کہنے سے رہے۔ بعد میں آپ پٹ لیجیے گا۔ ابھی تو کباب بنا کر فریج میں رکھیے۔ میں جب تک قورمے کا مسالا تیار کرتی ہوں۔" وہ خاصی عجلت میں اور مصروف رہ کر بول رہی تھی۔ تب میمونہ بھابی بھی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کام میں مصروف ہوگئیں۔

شام تک سب کھانا تیار ہوگیا۔ صرف کباب تلنے باقی تھے جنہیں اُس نے کھانے کے وقت ہی تلنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد میمونہ بھابی کے کہنے پر نہانے اور کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں آگئی۔ گو کہ اس کا مہمانوں کے سامنے جانا متوقع نہیں تھا۔ البتہ نائلہ اور اُس کی امی اُس کے کمرے میں آسکتی تھیں۔ اسی خیال کے تحت پہلے اُس نے اپنا کمرا ٹھیک ٹھاک کیا پھر نہانے چلی گئی۔

پھر جب شام گہری ہو کر تاریکی میں ڈوب رہی تھی تب مہمانوں کی آمد نے خوشگوار سی ہلچل مچا دی تھی۔ شاہ سکندر سے مصافحہ کرتے ہوئے عدیل کی نظریں شاہ جہانگیر کو دیکھ رہی تھیں۔ جن کے انداز میں وہی تفاخر اور زعم تھا جو اوّل روز شاہ سکندر میں نظر آیا تھا۔

"یہ میرے بھائی ہیں۔ بڑے بھائی، شاہ جہانگیر حیات۔"

شاہ سکندر نے اُن کا تعارف کرایا تو سب کی نظریں بے اختیار اُن کی طرف اُٹھی تھیں۔ یقیناً چونکا دینے والا سرپرائز تھا۔ جس نے خدشوں کے درمیان اطمینان کی لہر دوڑا دی تھی۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" عدیل کے بعد ابا جی پھر خلیل بھائی نے شاہ جہانگیر کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے انہیں بٹھایا۔

"مجھے بہت پہلے آنا چاہیے تھا۔ اُس وقت جب شاہ سکندر نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔" شاہ جہانگیر بیٹھتے ہی ابا جی کو دیکھ کر کہنے لگے۔ "لیکن ایک تو مصروفیات نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ دوسرے میں پہلے اپنے والدین کو کنونس کرنا چاہتا تھا۔ میری والدہ اور بہنیں تو بہت خوش ہیں۔ البتہ والد صاحب۔

نو پرابلم، وہ بھی زیادہ دیر ناراض نہیں رہیں گے۔ سکندر نے یہاں آکر انہیں سوچنے پر تو مجبور کر ہی دیا ہے لیکن ظاہر ہے وہ بڑے ہیں اور انہیں اپنی بات تو رکھنی ہی ہے۔ اس لیے انہوں نے والدہ اور بہنوں پر پابندی لگادی ہے ورنہ والدہ صاحبہ آنے کو تیار تھیں۔"

ابا جی کیا کہتے۔ بس اُن کی باتوں پر سر ہلائے جا رہے تھے۔

"البتہ والدہ صاحبہ نے۔"

شاہ جہانگیر نے کچھ کہتے ہوئے شاہ سکندر اور احمد حسن کو دیکھ کر جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ دونوں اُٹھ کر باہر چلے گئے۔

"میں آسیہ باجی سے مل لوں؟"

نائلہ کو اتنی دیر سے بولنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ذرا دیر کی خاموشی سے فائدہ اُٹھا کر فوراً کھڑی ہوگئی۔

"ضرور۔ چلی جاؤ گی یا میں۔" میمونہ بھابی اُٹھنے لگیں کہ وہ بول پڑی۔

"میں چلی جاؤں گی۔"

"آپ کھانے سے پہلے کچھ لیں گے۔ سیون اَپ وغیرہ۔" خلیل بھائی نے شاہ جہانگیر کو متوجہ کر کے پوچھا۔

"نو تھینکس۔" شاہ جہانگیر نے منع کرتے ہوئے دروازے کی سمت دیکھا جہاں سے شاہ سکندر اور احمد حسن بہت سامان کے ساتھ داخل ہو رہے تھے۔ سیمسونائٹ سوٹ کیس اور چھوٹے بڑے کئی پیکٹ

جنہیں اماں جی کے سامنے رکھ کر وہ دوبارہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ تب شاہ جہانگیر کہنے لگ

"یہ ہماری والدہ صاحبہ نے کچھ تحائف بھیجے ہیں۔"

"ہمارے لیے سب سے بڑا تحفہ ان کی خوشی ہے۔ یہ سب تو۔" عدیل کی سمجھ میں نہیں آیا، کہیں۔

"اپنی خوشی کا اظہار انہوں نے کسی طرح تو کرنا ہی تھا بلکہ انہوں نے تاکید کی تھی کہ شادی کی طے کرنے سے پہلے ہم یہ آپ کی نذر کریں کیونکہ یہ ہمارے ہاں کا دستور ہے۔"

شاہ جہانگیر بہت اعتماد سے پوری محفل پر اپنی گرفت مضبوط کیے ہوئے تھے۔ یوں کہ اپنی با میں کہیں بھی کوئی اختلاف کا پہلو نہیں چھوڑ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے۔ اب کھانا ہو جائے۔ باقی باتیں۔"

خلیل بھائی کے اشارے پر میمونہ بھابی اٹھتے ہوئے بولیں تو شاہ جہانگیر نے فوراً ہاتھ ا

"سمیہ گود میں لے کر اس کا سر سہلانے لگی، تو سیما بھابی جو اس کی طرف سے سمیہ کو ڈانٹے تھیں۔ اس کے برعکس دیکھ کر یہ کام انہوں نے کر ڈالا۔

انہیں روک دیا۔

"ایک منٹ خاتون! تشریف۔"

میمونہ بھابی جس طرح کھڑی ہوئی تھیں۔ اسی طرح بیٹھ گئیں۔

"کھانے سے پہلے ہم میٹھا پسند کریں گے۔" شاہ جہانگیر نے نشست میں آرام دہ انداز اختیار کرتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو میمونہ بھابی تو سمجھیں نہیں لیکن ابا جی فوراً سمجھ پوچھنے لگے۔

"آپ کا معمول ہے پہلے میٹھا کھانا یا۔"

"معمول سے ہٹ کر صرف اس وقت، وہ بھی آپ کی اجازت سے ہم پہلے منہ میٹھا کریں شاہ جہانگیر نے جواب دینے کے ساتھ اپنی بات کی وضاحت بھی کر دی۔

ابا جی نے پہلے اماں جی پھر باری باری بیٹوں کو دیکھا اور ان کی آنکھوں میں رضامندی دیکھ بولے تھے۔

"عدیل! جاؤ پہلے مٹھائی لے آؤ۔"

"آپ نے کمال کر دیا بھائی۔" رات سے شاہ سکندر کی ہر بات کا اختتام اسی جملے پر ہو رہا "مجھے بالکل یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی قریبی تاریخ پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

"مجھے اگر اسلام آباد نہ جانا ہوتا تو میں اس سے بھی قریبی تاریخ طے کرتا۔ خیر پندرہ دن بھی نہیں ہیں۔ اتنا وقت تو تمہیں بھی تیاری کے لیے چاہیے۔ دلہن کے زیورات اور کپڑوں کی خ کے لیے احمد حسن کی والدہ سے کہو۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا کہ شادی سے دو پہلے آ سکوں۔ بس دعا کرو بابا جان کا کوئی کام نہ نکل آئے۔"

شاہ جہانگیر اُسے ہدایات دینے کے ساتھ اپنی طرف سے اطمینان بھی دلا رہے تھے۔ پھر ا کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"پیسوں کی بالکل فکر نہیں کرنا۔ اور ہاں کوئی چھوٹا موٹا کام کرنے کا بھی نہیں سوچو۔ شادی کر کے ہو جاؤ پھر اپنے لیے کوئی بڑا بزنس سوچنا۔ اپنے شایانِ شان۔ اوکے۔"

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شاہ سکندر کے ہونٹوں پر چمکتی ہوئی مسکراہٹ تھی۔

"اب میں چلتا ہوں۔ دوپہر کے کھانے تک گھر پہنچ جاؤں تو اچھا ہے۔"

شاہ جہانگیر گھڑی دیکھتے ہوئے کھڑے ہو گئے تو اُس نے بھی ان کی تقلید کی۔ اور اُن کے

ہوا دروازے تک آیا۔

"کسی کے لیے کوئی پیغام ہو تو۔" شاہ جہانگیر نے دروازے میں رُک کر اُسے شوخ نظروں سے دیکھا لیکن وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

"نہیں بھائی! کسی کے لیے کوئی پیغام نہیں۔"

"اوکے۔ خدا حافظ۔" شاہ جہانگیر اُس کا کندھا تھپک کر باہر نکل گئے۔ تو کچھ دیر وہ اُن کے پیچھے نظریں جمائے کھڑا رہا پھر دروازہ بند کر کے اندر آتے ہی آسیہ کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رات سے اُس کا دل اُس سے بات کرنے کو مچل رہا تھا۔ دوسری بیل پر جیسے ہی اُس کی آواز سنائی دی۔ وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"تھینکس گاڈ، میں ڈر رہا تھا کہیں سارا دن تمہارے نمبر ڈائل کرنے میں نہ گزر جائے۔"

"اس کے لیے آپ کو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" وہ کھنکتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں، کیا تمہیں یقین تھا کہ میں فون ضرور کروں گا۔"

"جی۔ اور اسی لیے میں صبح سے فون کے آس پاس موجود ہوں۔" اُس نے کہا تو وہ جلدی سے بولا۔

"بہت بہت شکریہ لیکن ایک شکایت ہے تم سے۔"

"کیا؟"

"رات سب کے بلانے پر بھی تم کھانے میں ہمارے ساتھ شریک کیوں نہیں ہوئیں۔"

"کیا مجھے آنا چاہیے تھا؟" وہ الٹا اُس سے پوچھنے لگی۔

"کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ خیر تم نے جو کیا ٹھیک کیا۔ یہ بتاؤ ان پندرہ دنوں کے دوران کسی دن ملاقات ہو سکتی ہے؟" وہ بڑی آس سے پوچھ کر اُس کا جواب سننے کو بے تاب ہو گیا۔

"نہیں شاہ سکندر! یہ ممکن نہیں ہے اور پلیز آپ مجھے مجبور نہیں کیجیے گا۔"

اُس نے عاجزی سے کہا تو وہ خاموش ہو گیا اور قدرے توقف سے پکار کر کہنے لگا۔

"سنو آسیہ! میں بہت خوش ہوں۔ حالانکہ اپنی اب تک کی زندگی میں میں نے جو چاہا، پا لیا۔ پھر بھی یوں لگ رہا ہے جیسے میری زندگی کی اولین تمنا پوری ہوئی ہو۔ اور پانے کے احساس نے میری روح تک کو سرشار کر دیا ہے۔ اتنا خوش شاید میں کبھی نہیں ہوا۔"

"اپنی خوشی میں یہ نہیں بھولیے گا شاہ سکندر! کہ میں کوئی بہت عام سی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے خواب، میری سوچیں صرف ایک خوبصورت گھر تک محدود نہیں ہیں۔"

آسیہ نے بڑی خوبصورتی سے اپنی بات دُہرا کر اُسے اُس کا وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی۔ اور وہ بھولا نہیں تھا۔

"مجھے یاد ہے آسیہ! میں تمہارے مقصد کی راہ میں حائل نہیں ہوں گا لیکن تمہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد تم ہر قدم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔"

"شکریہ شاہ سکندر! مجھے یقین ہے میرا انتظار زیادہ طویل نہیں ہو گا۔"

آسیہ نے ممنونیت سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تو اُس نے ہونٹ بھینچ کر ریسیور کو دیکھا پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جانے کس سوچ کی پرچھائیاں اترنے لگی تھیں۔

گو کہ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اُسی وقت سے اُس کی رخصتی کی تیاریاں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔ اماں جی نے اُس کے لیے بہت کچھ بنا رکھا تھا۔ اس کے باوجود بہت کچھ باقی تھا۔ اور اتنے کم دنوں میں سب کچھ کرنا تھا کہ وہ اس گھر کی اکیلی لڑکی تھی۔ بھائیوں کی لاڈلی، بھابیوں کی چہیتی اور صحیح معنوں میں ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت۔

اماں جی سچ مچ بوکھلا گئی تھیں۔ اسلام آباد فون کر کے شکیل بھائی اور سیما بھابی کو فوراً آنے کو کہا

اور شکیل بھائی ظاہر ہے نوکری والے تھے۔ البتہ سیما بھابی کو انہوں نے اگلے دن ہی بھیج دیا ہ
سے میمونہ بھابی کو بڑا سہارا ہو گیا۔ فرنیچر وغیرہ کے لیے شاہ سکندر نے منع کروا دیا تھا کیونکہ
اس کے اپارٹمنٹ میں گنجائش نہیں تھی۔ اور اس نے تو اور بھی بہت چیزوں کو منع کیا۔ لیکن
جی نہیں مانیں۔

"میری کون سی دس بیٹیاں ہیں جن کے لیے سنبھال رکھوں۔ یہ سب جو آسیہ کے لیے ہے
کے ساتھ جائے گا۔"

بھائیوں اور بھابیوں نے ان کی تائید کی۔ میمونہ بھابی کا کہنا تھا کہ لوگ شادی میں آسیہ
زیادہ اس کا جہیز دیکھنے آئیں گے۔ کہ چار لائق فائق بھائیوں کی بہن کیا کچھ لے کر جا رہی ہے۔

"پھر تو آپ کو جہیز پر ٹکٹ لگا دینا چاہیے۔ سارے پیسے وصول ہو جائیں گے۔"
اُس نے میمونہ بھابی کی بات سن کر شرارت سے کہا۔

بہرحال پہلا ہفتہ تو سیما بھابی اور میمونہ بھابی کا بازاروں کے چکر کاٹنے میں نکل گیا۔ اس کے
پیکنگ کا مرحلہ آیا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتی کیونکہ گھر کے کام کاج اماں جی اسے
نہیں دے رہی تھیں۔ اور فارغ بیٹھنا اس کے لیے مشکل ترین کام تھا۔ اس وقت وہ بھا
ہاتھ بٹانے کی غرض سے ان کے پاس آکر بیٹھی تھی کہ میمونہ بھابی اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"تم جب چلی جاؤ گی تو سب سے زیادہ تمہاری کمی مجھے محسوس ہو گی۔ سچ مجھے تو سوچ کر و
ہو رہی ہے۔ پتا نہیں میرے دن کیسے کٹیں گے۔ اُف میں تو بولے بغیر رہ بھی نہیں سکتی ا
جی سے میں کیا باتیں کروں گی۔"

"وہی باتیں جو مجھ سے کرتی ہیں۔" اُس نے بڑے آرام سے کہا تو میمونہ بھابی بے سا

"شاہ سکندر کی؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ اُچھل پڑی۔

سیما بھابی پہلے ہی شاہ سکندر کا نام لیے جانے پر ہنس رہی تھیں۔ اس کے اُچھلنے پر
بھابی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئیں تو وہ جز بز سی ہو کر سوٹ کیس کھولنے لگی۔

"اُسے مت چھیڑو، بڑی مشکل سے پیک کیا ہے۔"

میمونہ بھابی ہنسی روک کر چلائیں تو اُس نے سوٹ کیس چھوڑ دیا اور گھٹنوں کے گرد بازو
بیٹھ گئی۔ کچھ روٹھا روٹھا سا انداز تھا۔ تبھی بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے آئے
لگنے سے سمیہ اُس کے اوپر آن گری۔

"اُف۔" سمیہ کا سر بڑی زور سے اُس کے سر سے ٹکرایا تھا۔ ایک لحظہ کو وہ چکرا گئی

"ایک جگہ چین سے نہیں بیٹھا جاتا تم لوگوں سے۔ ایسی کیا افتاد آن پڑی تھی کہ بھاگے

"نہیں ڈانٹیں بھابی! بچے ہیں۔" اُس نے ڈرے ہوئے معصوم چہروں کو دیکھ کر اُن کی

"بچوں کو آرام سے بیٹھنا منع ہے کیا۔ چلو سب ادھر آ کر بیٹھو۔"

سیما بھابی نے لاؤنج سے اشارا کر کے سب کو ایک جگہ بٹھایا پھر انہیں ہونٹوں پر انگلی
تو اُس نے فوراً احتجاج کیا۔

"یہ زیادتی ہے بھابی!"

"نہیں تو، یہ خاموش بیٹھیں گے۔" سیما بھابی رعایت برتنے کو تیار نہیں ہوئیں۔

"ٹھیک ہے میں انہیں اپنے کمرے میں لے جاتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھنے لگی
نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی، یہیں بیٹھو، بچوں نے کون سا ہماری بات
ہے۔ ابھی دیکھنا کیسے بولیں گے۔"

اُس نے باری باری سب بچوں کو دیکھا۔ سب کے ہونٹوں میں شریر مسکراہٹ دبی تھی اور ایک دوسرے
کہنیاں بھی مار رہے تھے۔ اُسے ہنسی آ گئی۔

"دیکھ لیا اپنے لاڈلوں کو، یہ آرام سے بیٹھنے والے ہیں۔" سیما بھابی نے کہا اور سر جھٹک کر اپنے
م میں مصروف ہو گئیں۔ جبکہ اُس نے اشارے سے سمیہ کو اپنے پاس بلایا اور گود میں بٹھا کر آہستہ آواز
ں اُس سے جانے کیا باتیں کرنے لگی تھی کہ دوسرے بچوں میں بے چینی پھیل گئی کہ پھوپھو اُن سے بات
وں نہیں کر رہیں۔ احمر سے رہا نہیں گیا تو پکار کر پوچھنے لگا۔

"پھوپھو! آپ کی شادی ہو رہی ہے؟"

اُس بے ساختہ سوال پر وہ جھینپ گئی تو میمونہ بھابی اُس کے پہلو میں چٹکی کاٹ کر بولیں۔

"احمر! تم سے پوچھ رہا ہے، جواب دو۔"

"مجھے پتا ہے، پھوپھو دلہن بنیں گی۔"

وہ میمونہ بھابی کو گھورنے لگی تھی کہ ادھر سونیا نے اپنی قابلیت جتانی شروع کر دی۔

"اماں جی نے لال غرارہ بنایا ہے۔ وہ پہنیں گی پھوپھو، اتنی پیاری لگیں گی۔"

"اور دولہا کون بنے گا؟" اشعر نے یوں پوچھا جیسے کوئی ڈراما کھیلا جا رہا ہو۔ جس پر بھابیوں کے
ساتھ وہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔

"میں بنوں گا۔" سب کے درمیان خاموش بیٹھنے والا نبیل جانے کیسے بول پڑا۔

"اوفوہ۔ نہیں نبیل بھائی! پھوپھو کی شادی آپ کے ساتھ تھوڑی ہو رہی ہے۔ وہ تو۔ وہ اچھے والے
انکل ہیں ناں۔ اُن کے ساتھ ہو گی۔"

سونیا کی بات پر وہ تینوں ادھر متوجہ ہو گئی تھیں۔

"وہی انکل دولہا بن کر آئیں گے اور پھوپھو کو اپنے ساتھ لے جائیں گے، ہیں ناں پھوپھو۔"

سونیا نے بات کے اختتام پر اُس سے تائید چاہی تو وہ گردن موڑ کر میمونہ بھابی کو دیکھتے ہوئے
بولی۔

"اس چالاک ماسی کو سب پتا ہے۔ بڑی تیز ہو گئی ہے۔"

"کس پر گئی ہے؟" سیما بھابی متعجب تھیں۔

"مجھ پر نہیں گئی۔ میں بہت سیدھی سادی ہوں اور اس کی عمر میں تو مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ شادی
کس چڑیا کا نام ہے۔"

میمونہ بھابی نے ہنستے ہوئے کہا۔ تبھی نبیل آسیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگا۔

"پھوپھو! آپ چلی جائیں گی؟"

"ہیں!" اُس نے چونک کر نبیل کو دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور بہت کوشش
سے بھی اُس کی بات کا جواب دے سکی نہ کوئی اور بات۔ کیونکہ نبیل کے چہرے پر انجانا سا خوف
تھا۔ میمونہ بھابی اور سیما بھابی بھی دیکھ رہی تھیں۔

"بتائیں ناں پھوپھو، آپ کہاں جائیں گی؟" نبیل نے پھر اس کا بازو ہلا کر پوچھا۔

"پھوپھو اپنے گھر جائیں گی بیٹا! ان کی شادی ہو رہی ہے ناں اور یہ تو خوشی کی بات ہے۔"

سیما بھابی نے قصداً خوشی کا اظہار کر کے نبیل کو بہلانے کی کوشش کی۔

"ہاں دیکھو، سب خوش ہو رہے ہیں۔" میمونہ بھابی بھی اپنے انداز میں شروع ہو گئیں۔ "یہ اتنے
اچھے اچھے کپڑے دیکھ رہے ہو، یہ سب تمہاری پھوپھو کے ہیں، جب تم سے ملنے آئیں گی تو یہی
اچھے کپڑے پہن کر آئیں گی، بہت اترائیں گی۔ ہاتھوں میں چوڑیاں کھنکھنا کر کھلکھلا کر ہنسیں گی، ہے
ناں آسیہ!"

اور آسیہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"ارے، میں ہنسنے کی بات کر رہی ہوں، تم رو رہی ہو۔" میمونہ بھابی نے سرزنش کے انداز میں کہا تو وہ دھیرے سے بولی تھی۔
"نبیل کا خیال رکھیے گا بھابی!"

جب تک وہ ابا جی، اماں جی، بھائیوں اور بھابیوں کے حصار میں کھڑی تھی اُس کی آنکھیں اُن سے دوری کے خیال سے ساون برسانی رہی تھیں۔ باری باری سب نے اُسے گلے لگا کر ڈھیروں دعائیں دیں۔ ساری زندگی وہ ان ہستیوں کی محبتیں سمیٹتی آئی تھی۔ کہیں کوئی تشنگی کوئی محرومی نہیں تھی۔ اور اُسے رخصت کرنے والی ہستیوں نے اُسے شاہ سکندر کے سنگ رخصت کرتے ہوئے اُس کے سارے دکھ اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ اس کا ادراک اُسے بابل کی دہلیز پار کرتے ہی ہو گیا تھا کہ جو آنکھیں برسا رہی تھیں۔ اُن میں یکلخت نئے سفر کی رعنائیاں سمٹ آئی تھیں۔ اور پیچھے رہ جانے والوں پر تڑپنے کی بجائے اس کا دل اس شخص کی محبت پر سوچتے ہوئے دھڑکنے لگا تھا جو اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔
شاہ جہانگیر نے پہلے جا کر دروازہ کھول دیا تھا اور نائلہ بھاگ کر دروازے کے بیچ میں کھڑی ہو گئی۔
"میرا نیگ۔"
"نہیں دوں گا تو کیا کرو گی؟" شاہ سکندر کا انداز چڑانے والا تھا۔ جیسے اب وہ کچھ نہیں دے گا۔
"میں آپ سے ہمیشہ کے لیے روٹھ جاؤں گی!"
"اور میں تمہیں روٹھنے نہیں دوں گا۔" شاہ سکندر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر لال لال نوٹ نکالے پھر اُس کے سامنے لہرا کر بولا۔
"پہلے راستہ چھوڑو۔"
نائلہ نے راستہ چھوڑنے سے پہلے اُس کے ہاتھ سے نوٹ جھپٹ لیے۔ اور بھاگ کر لائٹ کا بٹن آن کر دیا۔
"بہارو پھول برساؤ، میرا محبوب آیا ہے"
شاہ جہانگیر بے حد خاموش نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگے۔ جس کا چہرہ حقیقی مسرتوں سے دمک رہا تھا۔
"سکندر!" بلا ارادہ انہوں نے اُسے آواز دے ڈالی۔ جو شاید شاہ سکندر نے سنی نہیں۔ ایک تو ٹیپ کی آواز تیز تھی۔ دوسرے اُس کا سارا دھیان پہلو میں سمٹی آسیہ کی طرف تھا جسے گھونگھٹ کے باعث چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔
"دیکھو تمہیں شاید بھائی بلا رہے ہیں۔"
احمد حسن کی امی نے آگے آ کر آسیہ کو تھامتے ہوئے اُس سے کہا تو اُس نے فوراً گھوم کر پیچھے دیکھا۔ شاہ جہانگیر احمد حسن کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا رہے تھے۔ وہ آسیہ کے کندھے کو ہلکے سے دبا کر اُن کے پیچھے چلا گیا۔
"اب تو میں دلہن دیکھ سکتی ہوں ناں؟" وہ مسہری پر بیٹھی تھی کہ نائلہ نے بڑھ کر بڑے سے اُس کا گھونگھٹ اُلٹ دیا۔ اور بے اختیار واہ کہتے ہوئے بولی۔
"اسی لیے آپ کی بھابیاں دیکھنے نہیں دے رہی تھیں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ بہت پیاری لگ رہی ہیں آپ۔"
"ماشاءاللہ کہو۔" نائلہ کی امی نے عقب سے ٹوکا۔
"ماشاءاللہ۔ ماشاءاللہ، ماشاءاللہ!" نائلہ ایک ہی سانس میں کہے گئی پھر کھلکھلا دی۔ آسیہ کے ہونٹ ذرا سی مسکراہٹ کی گرفت میں آ گئے۔

"چلو اب بھائی کو تنگ نہیں کرو، جا کر احمد حسن سے پوچھو۔ گھر کب چلنا ہے۔" آنٹی نے نائلہ کو کندھا تھپک کر اُسے اٹھا دیا۔ پھر اُس کی جگہ خود بیٹھیں تو آسیہ کی ٹھوڑی چھو کر پوچھنے لگیں۔
"تم نے کھانا بھی کھایا ہے کہ نہیں؟"
اُس نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ٹھیک سے تو نہیں کھایا ہو گا۔ خیر دودھ اور پھل یہاں رکھے ہیں۔ اور کچن میں کھانا بھی موجود ہے۔ بھوک لگے تو کھا لینا۔ اپنے گھر میں ہو، اب تو سب تمہیں ہی سنبھالنا ہے۔ اور میرا خیال ہے تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔"
آنٹی اپنی ذمہ داری نبھا کر اور اُسے اُس کی ذمہ داری کا احساس دلا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔
پھر کچھ دیر تک اُسے ملی جلی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ جن میں نائلہ کی آواز نمایاں تھی۔ اس کے بعد خاموشی چھا جانے پر وہ یہی سمجھی کہ سب چلے گئے ہیں۔ جبھی اطمینان سے ہو کر اُس نے اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کیا پھر اُس کے ساتھ اپنی اکڑی ہوئی کمر لگانا چاہتی تھی کہ قدموں کی آواز پر دوبارہ اسی پوزیشن میں بیٹھ گئی۔ تبھی دروازہ کھلنے کے ساتھ شاہ سکندر کی آواز سنائی دی۔
"آسیہ! جہانگیر بھائی آ رہے ہیں۔"
اُس کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔ چند لمحوں بعد شاہ جہانگیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سلام لیا۔ پھر مسہری کے قریب رک کر کہنے لگے۔
"اصولاً مجھے اس وقت یہاں آنا تو نہیں چاہیے تھا۔ لیکن مجبوری ہے کہ مجھے ابھی واپس شاہ پور جانا ہے۔ اور آپ کو شادی کا تحفہ دینا بھی ضروری تھا۔ جس کے لیے سکندر کا اصرار ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے آپ کو دوں۔ لیجیے قبول فرمائیے۔"
آسیہ بمشکل ذرا سا سر اونچا کر سکی پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر پیکٹ تھام لیا۔
"خوش رہو۔" شاہ جہانگیر نے آسیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا پھر فوراً کمرے سے نکل گئے تو اُن کے پیچھے شاہ سکندر کو اُس نے لپکتے دیکھا پھر ہاتھوں میں تھاما پیکٹ ایک طرف رکھ کر آرام دہ انداز میں بیٹھ گئی۔ کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے۔ گود میں رکھے اپنے حنائی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے وہ کسی خوبصورت خیال میں محو تھی کہ اچانک شاہ سکندر نے اُس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔
ع "میں نے قسمت کی لکیروں سے چرایا ہے تجھے"
آسیہ نے ذرا سی پلکیں اٹھائیں لیکن اُس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکی۔ تب وہ اُس کی جھکی ہوئی نظروں کے سامنے لیٹ گیا۔ اور دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے بولے۔
"مجھے یقین دلاؤ آسی کہ تم میری ہو چکی ہو۔ اور اگر یہ خواب ہے تو مجھے ہمیشہ کی نیند سلا دو۔"
"اُف!" اُس کا دل بڑی زور سے دھڑکنے لگا۔ اور بہت دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اُس کی پیشانی پر آئے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں پھر اچانک زور سے جکڑ کر بولی۔
"یقین کر لیں۔"
"بڑی ظالم ہو۔" شاہ سکندر نے اُس کی کلائی تھام کر جھٹکے سے اُسے اپنے سینے پر گرا لیا تھا۔

صبح صادق کی نرم، لطیف اور قدرے خنک ہوا نے براہ راست اُس کے چہرے کو چھوا تھا۔ جبھی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ نظروں کے عین سامنے کھڑکی کھلی ہونے کے باعث پردہ لہرا رہا تھا۔ اس نے شاہ سکندر کی نیند کے خیال سے اُس کے بازو کے حلقے سے نکلنے میں بہت احتیاط سے کام لیا پھر اسی طرح مسہری سے اتر کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اور پردہ سمیٹ کر دھیرے دھیرے اترتے اجالے میں پلٹ کر اپنی زندگی میں اجالے بکھیرنے والے کو دیکھنے لگی۔ گہری اور پرسکون نیند میں وہ ہمیشہ سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر وہ اُس پر نظریں جمائے کھڑی رہی پھر الماری

میں سے کپڑے نکال کر واش روم میں چلی گئی۔
جب نہا کر نکلی تب بھی وہ گہری نیند میں تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ پتا نہیں
کب اٹھتا تھا۔ اور وہ اُسے اٹھانے کے خیال سے جھجک رہی تھی۔ پھر اسی کشمکش و پنج میں کمرے
سے نکل کر آئی تو پہلے پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا اس کے بعد کچن میں آ کر چائے بنانے لگی
اور چائے بناتے ہوئے اس نے قصداً کچھ برتنوں کو اٹھانے رکھنے میں آواز پیدا کی کہ شاید
وہ ان آوازوں سے اٹھ جائے۔ لیکن وہ پتا نہیں مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا۔ تب وہ اُس
نیند پر رشک کرتی ہوئی دونوں مگ ٹرے میں رکھ کر لے آئی۔ اور جیسے ہی اُس کے قریب
پر ٹرے رکھنے کے لیے جھکی پشت پر کھلے لانبے گیلے بال اُس کے چہرے پر بکھر گئے۔
شاہ سکندر اُس کے بالوں میں سے جھانک کر مسکرایا تو وہ گھبرا کر اپنے بال سمیٹتی
"صبح بخیر۔"
ہوئی سیدھی کھڑی ہو گئی۔
"چائے لیجیے۔"
"چائے۔" شاہ سکندر کہنیوں پر وزن ڈال کر اونچا ہوا اور اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے
کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھنے کے بعد اُسے دیکھ کر کہنے لگا۔
"چائے تم نے کیوں بنائی۔ مجھے اٹھا دیا ہوتا۔"
"آپ گہری نیند میں تھے۔"
"ہاں۔" وہ اپنے آپ محظوظ ہو کر اور جیسے بہت خوشگوار احساس میں گھر کر بولا۔ "زندگی
پہلی بار میں نے ہار کا مزہ چکھا ہے۔ تمہاری محبت میں ہار کر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔"
"اور میں نے جیت کر بھی ہوش نہیں کھوئے۔" وہ زیرِ لب مسکرائی۔ اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں
سر اونچا تھا۔
شاہ سکندر نے چونک کر اُسے دیکھا اور اس تمام عرصے میں پہلی بار اُس کی ذہنی رو
"جیتے تو آپ ہیں شاہ، میں تو ہار گئی۔"
"ہارنے کا دکھ نہیں ہے تمہیں؟" وہ بے اختیار کہہ گیا۔
"نہیں۔" وہ چونکی، حیران ہوئی پھر نیچے کارپٹ پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور کہنیاں مسہری کا
ٹکا کر ایک ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہوئے بولی۔
"آپ تو سچ مچ ہوش کھو بیٹھے ہیں۔ چلیے آپ جیتے، میں ہاری اور مجھے ہارنے کا دکھ نہیں
ہے۔"
شاہ سکندر اپنی بے اختیاری پر جز بز ہو رہا تھا۔ جبھی اُس کی بات کے جواب میں فوراً کچھ
سکا تو ہاتھ بڑھا کر چائے کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ تب ہی کال بیل کی آواز پر وہ ا
نظروں سے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"میں دیکھتا ہوں۔" وہ فوراً مگ رکھ کر کمرے سے نکل گیا چند لمحوں بعد میمونہ بھا
سنائی دی تھی۔
"اُف۔ شادی کے گھر میں اتنی خاموشی۔"
وہ جلدی سے بیڈ کی چادر ٹھیک کر کے قصداً دروازے کی طرف پشت کر کے بیٹھ
میمونہ بھابی کا پتا تھا۔ کسی کا کوئی لحاظ نہیں کرتی تھیں جو منہ میں آتا کہہ دیتیں۔
"ارے یہاں تو گھٹا چھائی ہے۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی میمونہ بھابی کی نظر
کھلے بالوں پر پڑی تھی۔
"دیکھو مینہ برس چکا یا۔" سیما بھابی کی معنی خیز ہنسی پر وہ لجا کر کھڑی ہو گئی اور دوپٹے
ہوئی اُن کی طرف پلٹ کر بولی۔

"آداب!"
"خوش رہو۔ سدا سہاگن رہو۔ اور وہ کیا کہتے ہیں دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔" کھلکھلاتی ہنسی
کے ساتھ میمونہ بھابی کی زبان چل پڑی تھی۔
اُس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکان کھلنے لگی۔ دوپٹے کا کونا دانتوں میں دبا کر بولی۔
"کچھ دعائیں بعد کے لیے بھی رہنے دیں۔"
"بعد کب؟ یعنی بچوں کے لیے۔ ارے انہیں آنے تو دو پھر۔"
اُس نے ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں مزید بولنے سے روکا اور سیما بھابی کو دیکھ کر کہنے
لگی۔
"ان کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ شاہ سکندر کے سامنے یونہی اُلٹا سیدھا بولتی رہیں گی۔"
"گئے کہاں شاہ سکندر؟" سیما بھابی نے اپنے پیچھے دیکھا پھر اُسے دیکھ کر بولیں۔ "ہم ناشتا لائے
ہیں، چلو پہلے ناشتا کر لو۔"
"نہیں پہلے انہیں سمجھائیں۔ یہ خاموش بیٹھیں گی۔" اُس نے میمونہ بھابی کے ہونٹوں پر سے ہاتھ
ہٹاتے ہوئے کہا۔ پھر اچانک خیال آنے پر پوچھنے لگی۔
"آپ دونوں آئیں کس کے ساتھ ہیں؟"
"عدیل کے ساتھ۔ اور دیکھو اُس نے کہا بھی تھا کہ زیادہ دیر نہیں رکنا اور ہم ابھی یہیں کھڑے
ہیں۔ چلو میمونہ ناشتا لگا دیں۔"
عدیل کا نام لیتے ہی سیما بھابی جلدی جلدی کہتے ہوئے میمونہ بھابی کا ہاتھ کھینچ کر کمرے سے نکل
گئیں۔
پھر سب نے ساتھ ناشتا کیا۔ اس کے بعد دونوں بھابیوں نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا
تو جانے شاہ سکندر نے پہلے سے طے کر رکھا تھا یا اُسی وقت سوچ کر کہنے لگا۔
"اس وقت آپ کے ساتھ جانا اگر رسم، رواج میں شامل ہے تب بھی مجھے معذرت کرنی پڑے
گی، کیونکہ ہم آج لاہور روانہ ہو رہے ہیں۔"
وہ چونکی ضرور لیکن یوں بن گئی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔
"ہنی مون کے لیے لاہور؟" میمونہ بھابی کو جانے کیوں تعجب ہوا۔
"فرسٹ اسٹیج پہلا قیام ——— لاہور اُس کے بعد مری، ایبٹ آباد سوات اور جہاں
یہ کہیں گی۔"
شاہ سکندر نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے اُسے دیکھا تھا۔
"اسلام آباد ضرور آنا ہے ہمارے پاس۔" سیما بھابی نے کہا تو میمونہ بھابی فوراً احتجاج کرتے
ہوئے بولیں۔
"یہ غلط ہے۔ جو دور ہیں، ان کے پاس آپ پہلے جائیں گے۔"
"آپ کے پاس تو پھر آنا جانا رہے گا، کیوں آسیہ؟"
"جی۔" اُس نے بس جی کہنے پر اکتفا کیا۔

شاہ جہانگیر نصف شب کے بعد شاہ پور پہنچے تھے۔ اس لیے صبح بہت دیر سے سو کر اٹھے۔
اور جب معلوم ہوا کہ بابا جان دو تین بار اُن کا پوچھ چکے ہیں تو بہت عجلت میں ناشتا ختم کر کے
وہ سیدھا اُن کے کمرے میں چلے آئے اور ابھی سلام اُن کے ہونٹوں میں تھا کہ بابا جان پوچھنے
لگے۔
"کرا آئے اُس کی شادی؟"

"جی باباجان!" شاہ جہانگیر بڑے محظوظ انداز میں مسکرائے۔
"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟"

"نہیں، سب ٹھیک ہو گیا۔ بہت خوش تھا سکندر۔ میں نے اُسے پیسے بھی دے دیے اور ساتھ آج کی تاریخ کے ٹکٹ بھی۔ میرا خیال ہے ایک مہینہ ضرور گھومنے پھرنے میں گزارے" شاہ جہانگیر کا انداز رپورٹ پیش کرنے والا تھا۔

"ہوں" باباجان نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر انہیں دیکھ کر کہنے لگے۔ "ٹھیک ہے فریش ہونے دو۔ گھومنے پھرنے دو۔ کر لے اپنے شوق پورے۔ مہینہ دو مہینہ چھ مہینے، پیسے کی تنگی نہیں ہونے دینا اُسے، سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی باباجان! لیکن کیا مہرالنساء اتنا عرصہ خاموش رہ سکے گی؟" شاہ جہانگیر نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اُسے خاموش کرانا مشکل نہیں ہے۔ البتہ اُسے سکندر کی شادی کا معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ تم یہی ظاہر کرنا کہ تمہاری ابھی اُس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک دو مہینے کی بات ہے وہ میکے چلی جائے گی اور بچے کی پیدائش تک وہیں رہے گی۔ اس کے بعد بھی ہم سنبھال لیں گے کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔"

باباجان سرے سے مہرالنساء کو اہمیت دینے کو تیار ہی نہیں ہوئے۔
"اصل مسئلہ وہ شہری لڑکی ہے۔ کیا بتایا تھا تم نے کتنا پڑھی ہوئی ہے؟"
"ڈاکٹر ہے" شاہ جہانگیر کی نظروں میں آسیہ کا چہرہ گھوم گیا۔ جس کی آنکھوں میں بلا کی ذہانت
"ڈاکٹر۔ شہر میں ڈاکٹر بھرے پڑے ہیں۔ ایک کم ہو جائے گی تو شہر والوں کو فرق تو نہیں پڑے گا۔"

سوچتے ہوئے انداز میں باباجان جیسے اپنے آپ سے بولے تھے۔
شاہ جہانگیر چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔ تو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد باباجان موضوع بدل گئے۔

"تمہیں اس بار الیکشن میں کھڑا ہونا ہے۔ میں نے راؤ صاحب سے بات کر لی ہے۔ ان کے ہاتھ مضبوط ہیں اور معقول بھی۔ گزشتہ بار انہوں نے یونس پر بہت زور دیا تھا کہ کم از کم اسے لوٹ لے لیکن یونس کو سیاست سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ تمہیں تو ہے ناں!"
شاہ جہانگیر بے ساختہ مسکرائے۔ جانے اُن کی مسکراہٹ میں کس بات کا اظہار تھا۔ جسے وہ ہی سمجھ سکے اور قہقہہ لگا کر بولے تھے۔
"تم کامیاب سیاست دان ہو سکتے ہو۔"
"میں چلوں۔ بی بی جان صبح سے پوچھ رہی تھیں، اُن سے مل لوں۔"
شاہ جہانگیر اُٹھ کھڑے ہوئے اور باباجان کی اجازت ملتے ہی اُن کے کمرے سے نکلے۔ بی بی جان اُس وقت بڑے کمرے میں ہوتی تھیں۔ شاہ جہانگیر اسی سمت جا رہے تھے کہ سامنے سے نکل کر مہرالنساء سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور بے حد خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ قصداً انجان بن کر بولے۔
"کیا بات ہے مہرو؟"
"شاہ کا کوئی اتا پتا ملا؟" مہرالنساء نے بغیر جھجکے براہِ راست اُن کی آنکھوں میں دیکھ کر کیا تو ایک لحظہ کو وہ ٹھٹھک گئے کیونکہ ایسی بے باک جرأت کا مظاہرہ اس گھر کی عورت نہیں کرتی تھی۔ بمشکل سنبھل کر بولے تھے۔
"مل جائے گا تمہارے شاہ کا اتا پتا۔"
"کب؟" مہرالنساء کا استفسار جارحانہ تھا۔ جیسے صبر اور ضبط کی حد ختم ہو رہی ہو۔

"کوشش کر تو رہا ہوں۔ دیکھو کب کامیابی ہوتی ہے" شاہ جہانگیر اس متنفر لڑکی کے سامنے بڑے بے بس محسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اور بڑے کمرے میں داخل ہونے تک اس کی چبھتی ہوئی نظریں اپنی گردن پر محسوس ہو رہی تھیں۔

جب زندگی مہربان ہو جائے تو جانے وقت بھاگنے کیوں لگتا ہے۔ خوبصورت دلفریب لمحے پل میں چلے جاتے ہیں۔ ان دنوں لاہور کا موسم بھی غضب کا تھا اور ادھر دل کی بستی میں بھی بہاریں اُتری ہوئی تھیں۔ سارا دن اُن کا گھومنے پھرنے میں گزر جاتا۔ تاریخی مقامات میں وہ سب سے زیادہ شاہی قلعے سے متاثر ہوئی تھی۔ اور وہاں سے آنے کے بعد بھی اُس کا ذہن وہیں بھٹک رہا تھا۔

"سچ مچ مجھے ایسا لگا جیسے جنت کا کوئی گوشہ زمین پر اُتر آیا ہو۔ سبزے اور پھولوں پر کیسا نکھار تھا۔ کیا اُس زمانے میں بھی یہ اتنا خوبصورت تھا؟" وہ جن خوبصورتیوں کو شدت سے محسوس کر رہی تھی، اُس وقت انہی کا حصہ لگ رہی تھی۔
"کس زمانے میں؟" شاہ سکندر بڑے اشتیاق سے اُسے دیکھ رہا تھا۔
"بادشاہوں کے زمانے میں۔"
"نہیں" شاہ سکندر نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔ جس پر وہ مسکرا کر بولا "اُس وقت تم نہیں تھیں اور ساری خوبصورتیوں کا تصور تمہارے ساتھ بنتا ہے۔"
"اچھا!" وہ ذرا سا ہنسی۔
"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اس سے پہلے تو مجھے یہ جگہیں بلکہ دنیا میں کہیں اتنی خوبصورتی نظر نہیں آئی تھی۔ اور آج مجھے ہر شے حسین لگ رہی ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی سمت اُٹھنے سے پہلے نظر تمہارے چہرے پر پڑتی ہے۔
تمہاری آنکھوں کی گہرائیوں میں اُتر کر میں نے جانا تھا کہ سمندر کے اندر کتنے سیپ چھپے ہیں۔
"تمہاری پلکوں کی جھالروں نے اوّل روز تپتی دھوپ میں مجھے پُرکیف چھاؤں کا احساس بخشا تھا۔
"اور میں نے کلیاں چٹکتی ہوئی بارہا دیکھی تھیں لیکن اُن کی خوبصورتی کا ادراک تمہاری مسکراہٹ دیکھنے کے بعد ہی ہوا تھا۔"
اُس کے لہجے میں جذبوں کی شدتیں تھیں اور پوری طرح اُس کی محبت میں ڈوب کر بول رہا تھا۔ وہ گم صُم اُسے دیکھے گئی۔ جبکہ دل اتنی محبت پر رکنے لگا تھا۔ اور پھر بے اختیار اُس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو پڑی۔
"بس کریں سکندر! میں مر جاؤں گی۔"
"ارے" شاہ سکندر نے حیران ہوتے ہوئے اُسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ "تم رونے کیوں لگیں؟ کیا میری کسی بات سے تمہیں دُکھ ہوا ہے؟"
اُس کے آنسو اور شدت سے بہہ کر اُس کی قمیص میں جذب ہونے لگے تو اپنے سینے پر نمی محسوس کرتے ہی شاہ سکندر اُس کے گرد بازوؤں کا حلقہ تنگ کرتا ہوا بولا۔

"بتاؤ آسی! میں پریشان ہو رہا ہوں۔"
"مجھے ڈر لگ رہا ہے" اُس کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔
"کس سے؟ مجھ سے؟" شاہ سکندر نے ایک پل میں اُسے خود سے الگ کر کے اُس کا چہرہ اپنے سامنے کیا تو وہ ذرا سا نفی میں سر ہلا سکی۔

"پھر؟" وہ اچانک کسی خیال سے خائف ہو کر بولا۔
"وقت سے، جس نے میری جھولی میں اتنی محبت، اتنی خوشیاں ڈال دی ہیں اور وقت کا اعتبار۔!"

وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ شاہ سکندر اُس کا مطلب سمجھ کر شانت ہو گیا۔ اور پھر سے اُسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر بولا تھا۔

"وقت خواہ کتنے ہی پہلو بدلے، میری محبت میں کمی نہیں ہو گی، تمہیں مجھ پر اعتبار ہے کہ نہیں؟"

"آپ پر تو اپنے آپ سے بڑھ کر اعتبار ہے۔"

"پھر وقت سے کیا ڈرنا۔ چلو منہ دھو کر فریش ہو جاؤ۔ میں چائے منگواتا ہوں۔ اور اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے؟"

شاہ سکندر نے خوشگوار موڈ میں آ کر فضا کو یکسر بدل دیا۔

"پیکنگ۔!" وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"جناب اور پہلے ہم مری جائیں گے۔" شاہ سکندر نے اپنا اگلا اسٹیشن بتایا تو وہ واش روم کی طرف جاتے جاتے رُک کر بولی۔

"اسلام آباد کیوں نہیں؟"

"اسلام آباد۔ ہم صرف تمہارے بھائی بھابی سے ملنے جائیں گے، وہاں قیام کرنے کا پروگرام نہیں ہے۔"

شاہ سکندر اپنا پروگرام بتا کر یوں دیکھنے لگا جیسے وہ اُس کے پروگرام میں کوئی ردّ و بدل کرے گی۔ لیکن وہ جانے کیوں سوچ کر خاموش ہو رہی تھی۔

مری میں اُن کا استقبال سرد ہواؤں نے کیا تھا۔ اس کے بعد بارش کا جو سلسلہ شروع ہوا دو دن وہ ہوٹل کے کمرے سے نکل نہیں سکے۔ سردی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ سارا دن سامنے بیٹھ کر جانے کب کب کے واقعات دہرائے گئے۔ اور جب وہ اپنے لندن کے واقعات سنا رہا تھا۔ تب وہ درمیان میں بول پڑی۔

"پہلے مجھے اپنے گھر کے بارے میں بتائیں۔"

"گھر کے بارے میں کیا بتاؤں؟" وہ کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"میرا مطلب ہے گھر والوں کے بارے میں، بابا جان، بی بی جان اور کون کون ہے؟"

اُس نے جتنے اشتیاق سے پوچھا۔ وہ اس قدر سرسری انداز میں بتانے لگا۔

"سب سے بڑے یونس بھائی اور اُن کی بیگم اور اُن کے چار بچے جن میں سے تین کانونیٹ میں ہوتے ہیں۔ پھر آپا نور بانو ہیں جو اپنے گھر ہوتی ہیں۔ اُن کے بعد جہانگیر بھائی تم مل چکی ہو۔ اُن کے تینوں بچے بھی یہیں ہیں۔ پھر میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں اور میرے ابھی آئے نہیں۔"

وہ بُری طرح جھینپ گئی۔ لیکن وہ اسی روانی سے بول رہا تھا۔

"آخر میں مہر بانو ہے وہ بھی اپنے گھر کی ہو چکی۔ یعنی اس وقت حویلی میں زیادہ افراد یونس بھائی، بھابی اور اُن کی چھوٹی بچی جہانگیر بھائی، بھابی، بابا جان، بی بی جان اور مہر النساء۔"

"مہر النساء کون؟" وہ اس اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

بے حد بوکھلا کر شاہ سکندر نے سگریٹ کا جلتا ہوا سرا ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

❁ ❁ ❁

"اُف!" آسیہ نے جھپٹنے کے انداز میں اُس کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر ایش ٹرے میں پھینکا پھر اُس کے ہونٹ پر ننھا سا آبلہ دیکھ کر خفگی سے بولی۔ "یہ کیا کیا آپ نے۔ سارا ہونٹ جلا دیا۔"

"بس وہ۔ بے دھیانی میں سگریٹ اُلٹا۔" وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اُس سے نظریں چُرا کر بولا۔

"بس آج سے سگریٹ بند۔" وہ قطعیت سے کہہ کر غالباً ڈسٹ بن میں ڈالنے کی غرض سے سگریٹ کا پیکٹ اُٹھانے لگی تھی کہ شاہ سکندر نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اوں ہوں، یہ نہیں چھوڑ سکتا۔ اب خدارا یہ مت کہہ دینا کہ اسے نہیں چھوڑ سکتے تو مجھے چھوڑ دیں۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ تو کہہ سکتی ہوں کہ سگریٹ دھیان سے پیا کریں۔"

"سارا دھیان تو تم چُرا لیتی ہو۔" شاہ سکندر بڑی خوبصورتی سے اُس کا دھیان بٹا کر خود بھی اطمینان سے ہو گیا تھا۔

اگلی صبح بارش تھم چکی تھی لیکن بادل اُسی طرح موجود تھے۔ ناشتے کے بعد وہ کچھ دیر گلاس ونڈو سے باہر کا نظارہ کرتی رہی۔ پھر آ کر اخبار لے کر بیٹھ گئی۔ اُس وقت ذوالفقار علی بھٹو کا دور ختم ہو رہا تھا اور نئے الیکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سارا اخبار انہی خبروں سے بھرا پڑا تھا اور اُسے سیاست سے دلچسپی نہیں تھی لیکن ہر شہری کی طرح یہ ضرور جاننا چاہتی تھی کہ آئندہ حکومت کس کی ہو گی۔

"کوئی خاص خبر ہے؟" شاہ سکندر واش روم سے ڈریس اپ ہو کر نکلا تھا۔ اُسے اخبار میں مصروف دیکھ کر یونہی پوچھ لیا۔

"تمام سیاسی جماعتوں نے اتحاد کر لیا۔ اِدھر بھٹو صاحب کا کہنا ہے کہ سب مل کر بھی اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ عوام اُن کے ساتھ ہیں۔" وہ اونچی آواز میں سرخیاں پڑھنے لگی۔

شاہ سکندر اُس کے ہاتھ سے اخبار لے کر سمیٹتے ہوئے بولا۔

"جاؤ تم تیار ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ دوبارہ بارش شروع ہو ہم محسن گیلانی کے گھر پہنچ جائیں۔"

"یہ کون ذات شریف ہیں؟" اُس نے پوچھا تو وہ جو اخبار پر نظریں دوڑانے لگا تھا، سرسری انداز میں بولا۔

"میرا دوست ہے محسن۔ آکسفورڈ میں ہم ساتھ پڑھتے تھے۔"

آسیہ نے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور چوٹی کے بل کھولتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اُس نے تیار ہونے میں دیر نہیں لگائی اور جب وہ دونوں ہوٹل سے نکلے اُس وقت بھی بادل گھر گھر کر آ رہے تھے۔ کچھ فاصلہ پیدل طے کرنے کے بعد شاہ سکندر نے ٹیکسی کو اشارہ کیا تھا۔

پھر پہلے مرحلے پر محسن گیلانی بہت پُرجوش انداز میں شاہ سکندر سے بغل گیر ہوا لیکن جب اُس کا تعارف ہوا تو فوراً ناراض بھی ہو گیا۔

"یار! تم نے شادی کر لی اور مجھے خبر تک نہیں کی۔ ایمان سے اگر بھابی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں کھڑے کھڑے نکال دیتا۔"

"پہلے میری بات سن لو پھر بے شک نکال دینا۔" شاہ سکندر دھیرج سے اُسے رام کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "میری شادی اُس طرح نہیں ہوئی جیسے تم سمجھ رہے ہو۔ میرے اپنے گھر سے کوئی شریک نہیں ہوا سوائے جہانگیر بھائی کے۔"

"لو میرج؟" محسن نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

شاہ سکندر نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور آسیہ قصداً انجان بن کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"پھر تو مجھے تمہیں موسٹ ویلکم کہنا چاہیے۔ بیٹھو میں امّاں کو بلاتا ہوں۔" محسن ساری ناراضگی بھول کر خوشدلی سے بولا۔ پھر کمرے سے نکل گیا تو وہ اُس سے کہنے لگی۔

"کیا ضرورت تھی انہیں یہ سب بتانے کی؟"

"نہ بتاتا تو یہ میرا بہت بُرا حشر کرتا۔ ویسے کوئی غلط بات تو نہیں کہی میں نے؟"

شاہ سکندر نے اُسے شوخ نظروں سے دیکھا تو وہ جھینپ کر اُس سے دُور ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ محسن اپنی والدہ کے ساتھ اندر آیا۔ اور انہیں کھڑے دیکھ کر تعجب سے بولا۔

"تم ابھی تک کھڑے ہو۔ ارے کم از کم بھابی کو تو بٹھاؤ۔"

"السلام علیکم۔" شاہ سکندر نے محسن کی بات اَن سنی کر کے اس کی اماں کو سلام کیا تو آسیہ نے فوراً اُس کی تقلید کی اور آگے بڑھ کر اُن کے گلے لگ گئی۔

"جیتی رہو، خوش رہو، اللہ عمر دراز کرے۔" اماں نے ڈھیروں دعائیں دیں۔ پھر اُسے اپنے پاس بٹھا کر پوچھنے لگیں۔ "شاہ پور سے آ رہی ہو۔ کیسی ہیں تمہاری بی بی جان اور وہ ان کی بچی شہر...؟"

"جی۔" کچھ گھبرا کر وہ بس جی کہہ سکی۔

"میں ایک بار گئی تھی تمہارے سسرال۔ کوئی چار سال ہونے کو آئے ہیں۔" بڑی بی ذہن پر زور دیتے ہوئے بتانے لگیں۔ "ماشاء اللہ بڑے ملنسار بڑے مہمان نواز لوگ ہیں۔ بڑی خاطر مدارت کی تم نے ہماری۔ پھر میرے محسن کی شادی پر تمہاری ساس آئی تھیں۔ بہت اچھی خاتون ہیں۔"

"جی!" وہ ابھی بھی گھبرا رہی تھی کہ کہیں بڑی بی اُن کے بارے میں اُس سے کوئی سوال نہ کر دیں۔

"تم اُن کی سب سے چھوٹی بہو ہو ناں؟"

"جی اور آپ کی بہو کہاں ہے؟" اُس نے فوراً روئے سخن ان کی طرف موڑ دیا۔

"یہیں اپنی بہن کے گھر گئی ہے۔ میں نے بلوایا ہے اُسے ابھی آتی ہو گی۔" ابھی بات اُن کے ہونٹوں میں تھی کہ محسن کی بیوی بچے کو بغل میں دبائے دروازے سے پوچھتے ہوئے آ گئی۔

"کون آیا ہے۔ ارے سکندر بھائی۔ السلام علیکم۔"

"آپ اتنی سردی میں کہاں گھوم رہی ہیں؟" شاہ سکندر نے سلام کا جواب دینے کے ساتھ...

"میں نہیں گھوم رہی۔ یہ بچہ گھما رہا ہے مجھے۔" وہ بچے کو محسن کی گود میں ڈالتے ہوئے بولی تو سکندر نے فوراً آسیہ کی طرف اشارہ کیا۔

"پہلے بھابی سے ملو، وہ اماں کی باتوں سے بور ہو رہی ہیں۔"

"بھابی؟" وہ فوراً آسیہ کی طرف متوجہ ہوئی لیکن اُس کی طرف بڑھنے سے پہلے سوالیہ نظروں سے شاہ سکندر کو دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"بیگم سکندر حیات۔"

آسیہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور اُس سے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔

"بڑے بے مروت ہیں سکندر بھائی۔ یعنی اپنی شادی میں نہیں بلایا۔ خیر اُن سے تو بعد میں نمٹوں گی پہلے یہ بتاؤ چائے وغیرہ بھی پی یا نہیں۔" وہ آسیہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں بیٹی! ایروین کو تو میں نے تمہیں بلانے بھیج دیا تھا۔ جائے کون بناتا۔" اماں نے جائے نہ بننے کا سبب بھی بتا دیا۔

"یہ تو زیادتی ہے مہمانوں کے ساتھ۔" وہ کہتے ہوئے جانے لگی پھر غالباً آسیہ کے بور ہونے کا خیال کر کے اُسے دیکھ کر بولی۔ "مہرو! تم بھی آ جاؤ۔"

آسیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کسے مخاطب کر رہی ہے، جبکہ دیکھ اُسے رہی تھی۔ کچھ شش و پنج میں اپنی طرف اشارہ کیا تو وہ کہنے لگی۔

"اماں کی باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اُس نے شاہ سکندر کو دیکھا وہ محسن کے ساتھ سیاست پر بات کر رہا تھا تب وہ اماں سے اجازت لیتے کرتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابھی آپ نے مجھے مہرو کہہ کر پکارا تھا۔ میرا نام مہرو تو نہیں ہے۔"

کچن میں آتے ہی آسیہ نے اُس سے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی پھر فوراً سنبھل کر ہنستے ہوئے بولی۔

"سوری، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب جلدی سے اپنا نام بتاؤ تاکہ دوبارہ غلطی نہ ہو۔"

"آسیہ۔"

"اچھا نام ہے۔" وہ پلٹ کر چولہا جلانے لگی تو آسیہ کو لگا جیسے وہ اس کے اگلے سوال سے بچنے کی خاطر رُخ موڑ گئی ہے اور اگر یہ پہلی ملاقات نہ ہوتی تو وہ سوال ضرور کرتی۔

شاہ سکندر نے کہا تھا کہ اُس کا اسلام آباد میں قیام کا کوئی پروگرام نہیں اور اُس وقت وہ بھی خاموش ہو رہی تھی۔ ابھی بھی اُس نے سکندر سے کچھ نہیں کہا۔ خود ہی سوچ رہی تھی کہ اس طرح تو شکیل بھائی اور خصوصاً سیما بھابی ناراض ہوں گی کیونکہ انہوں نے بہت اصرار سے بلایا تھا اور جانے شاہ سکندر کو اسلام آباد ٹھہرنے پر اعتراض کیوں تھا۔

"ہیلو، کس سوچ میں ہو؟" شاہ سکندر نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ اُسے دیکھ کر ذرا سا مسکرائی۔

"وقت کے بھاگنے پر حیران ہو رہی ہوں۔ آخر یہ اُسی وقت کیوں بھاگتا ہے جب ہم اسے روکنے کی خواہش رکھتے ہیں؟"

"یہ تو وقت سے پوچھنا پڑے گا۔ ویسے تم اسے روکنا کیوں چاہتی ہو؟" شاہ سکندر نے شوخ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر پوچھا۔

"روکنا نہیں چاہتی، بس یہ بے فکری کے لمحات کچھ طویل ہو جائیں۔" وہ برف مٹھی میں دبا کر اوپر اچھالتے ہوئے بولی تو شاہ سکندر قدرے رُک کر کہنے لگا۔

"یہ تو ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ ہم کچھ دن اور یہاں رُک سکتے ہیں بلکہ جب تک تم چاہو۔"

"بے فکری کا تعلق یہاں وہاں سے نہیں ہے شاہ سکندر۔" وہ اُس کی بات پر محظوظ ہو کر بولی تو وہ کھسیانے لگا۔

"کبھی کبھی تم بہت گہری باتیں کرنے لگتی ہو۔ میں ٹھہرا سیدھا سادا بندہ۔ پریشان ہو جاتا ہوں۔"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ہنسی۔

"پریشانی کی بات یہ ہے کہ ہم بہت دُور نکل آئے ہیں اور یہاں سے کوئی ٹیکسی وغیرہ بھی نہیں ملے گی۔" شاہ سکندر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہاں سے ٹیکسی لینے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ سامنے کانونٹ نظر آ رہا ہے۔ چلیں پہلے بچوں سے مل لیں۔"

اُس نے سامنے اسکول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو شاہ سکندر اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولا۔

"بچوں سے مل کر کیا کرو گی۔ بہت شرارتی ہیں جیسے تمہارے بھتیجے بھتیجیاں بلکہ اُن سے بھی زیادہ۔ ایسے سوالوں سے تمہیں پریشان کر کے رکھ دیں گے۔"

"میں پریشان نہیں ہوں گی۔ بس آپ چلیں۔" اُس کا اشتیاق فطری تھا۔ مجبوراً شاہ سکندر نے ہار ڈال دیے۔

غالباً شدید سردی کے باعث ہی اسکول کے لان اور برآمدے میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ ہال کے برآمدے میں چوکیدار مل گیا۔ جس نے شاہ سکندر کو دیکھتے ہی سلام کرنے کے ساتھ ویٹنگ روم کا دروازہ کھول دیا تھا۔

"یہاں آ کے ہی مجھے اپنا بچپن یاد آ جاتا ہے۔" شاہ سکندر نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "جب بابا جان مجھ سے ملنے آتے تھے تو میں کتنی دیر اُن سے خفا رہتا تھا کہ انہوں نے مجھے یہاں کیوں چھوڑ دیا ہے۔ پھر میں ان کے ساتھ جانے کو مچلتا تھا تو وہ مجھے بہلاتے بہلاتے پریشان ہو جاتے تھے لیکن اُس وقت تک نہیں جاتے تھے جب تک میں بہل نہیں جاتا تھا اور خوشی سے

انہیں خدا حافظ کہتا۔ تب وہ میری طرف سے مطمئن ہو کر جاتے تھے۔ کیا دن تھے وہ بھی۔ سوچ تو حیرت ہوتی ہے کہ میری ہر خوشی کا خیال رکھنے والے بابا جان اب۔"

وہ اچانک خاموش ہو گیا اور اس کی خاموشی کا بھرم رکھنے اس کے بھتیجے بھتیجیاں آ گئے۔

"سکندر چاچا!" خوشی سے چلاتے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں اس کے اوپر آن گرے۔

آسیہ کے ہونٹ بے ساختہ مسکراہٹ کی گرفت میں آ گئے۔ اور وہ بہت شوق اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"لائن سے۔ چلو سب لائن سے کھڑے ہو جاؤ۔" شاہ سکندر نے ہلکی سی ڈانٹ کے ساتھ لائن سے کھڑا کیا پھر آسیہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "پہلے انہیں سلام کرو۔"

"السلام علیکم، یہ کون ہیں؟" سلام کے ساتھ ہی بچوں کی طرف سے سوال آ گیا تو شاہ سکندر سے پہلے وہ بول پڑی۔

"میں تمہاری چچی ہوں۔"

"دلہن چچی۔" ایک بچے نے شوق سے کہا تھا کہ دوسرا فوراً بول پڑا۔

"یہ دلہن چچی تھوڑی ہیں، وہ تو۔"

"ہمایوں!" شاہ سکندر بہت سنبھل کر بچے کو ٹوکتے ہوئے بولا۔ "یہی دلہن چچی ہیں اور دیکھو شوق سے تم سب سے ملنے آئی ہیں۔ تم اس طرح بدتمیزی کرو گے تو یہ کیا سوچیں گی۔"

"اُفوہ! کہاں بدتمیزی کر رہے ہیں۔" وہ بول پڑی۔ "اتنے پیارے بچے ہیں۔ آؤ بیٹا میرے پاس آؤ۔"

سب بچے ایک دوسرے کو دیکھ کر آسیہ کے پاس جانے کا اشارہ کرنے لگے۔ جبکہ چھوٹی بچی ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر ہنسنے لگی تھی۔ آسیہ نے بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے گود میں اٹھا لیا اور اس کے پھولے پھولے گال پر پیار کرتے ہوئے بولی۔

"یہ تو بالکل گڑیا سی ہے۔ کس کی بیٹی ہے؟"

"جہانگیر بھائی کی۔ اور یہ بھی انہی کا بیٹا ہے۔" شاہ سکندر نے ایک چھ سات سالہ بچے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا تو آسیہ اسے دیکھ کر بولی۔

"ماشاءاللہ۔ بہت پیارا بچہ ہے، کیا نام ہے اس کا؟"

"اسی سے پوچھو۔" شاہ سکندر بچے کا ہاتھ چھوڑ کر آرام سے بیٹھ گیا تو آسیہ نے پہلے گود میں بچی کو صوفے پر بٹھایا پھر اس بچے کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟"

"شاہ علی جہانگیر۔ ون میں پڑھتا ہوں۔" بچے کے فخریہ بتلانے پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔

"ویری گڈ۔"

"یہ بہت اسمارٹ ہے اور مجھ سے بہت مانوس۔" شاہ سکندر بچے کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں بھی سب بچوں کی نسبت اس سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔ اور پتا ہے میں نے کیا سوچ رکھا ہے۔"

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو شاہ سکندر قدرے اس کی طرف جھک کر بولا۔

"ہماری پہلی بیٹی اس کے ساتھ منسوب ہو گی۔"

آسیہ کا چہرا سرخ ہو گیا اور کچھ بوکھلا کر اس کی طرف سے رخ موڑا تھا کہ نظریں بچے پر ٹھہر گئیں۔ چمکتی ہوئی روشن آنکھیں، خوبصورت پیشانی، سرخی مائل گندمی رنگت۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جیسے وہ بڑا ہونے لگا۔

"میں نے غلط تو نہیں سوچا ناں؟" شاہ سکندر کی سرگوشی قریب سے سنائی دی تو وہ بری طرح چونکی تھی۔

"اماں جی پھوپھو کیوں چلی گئیں۔ پھوپھو کو بلائیں۔" نبیل غنودگی میں بول رہا تھا۔

اماں جی نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھیں۔ نبیل کی بڑبڑاہٹ سن کر انہوں نے جلدی سے ہاتھ منہ پر پھیرے اور اٹھ کر نبیل کے چہرے اور سینے پر دم کرنے کے بعد اس کی پیشانی چھو کر پکارنے لگیں۔

"نبیل! کیا بات ہے بیٹا۔ مجھ سے کہو۔"

"پھوپھو کو۔"

"آ جائیں گی بیٹا۔ تمہاری پھوپھو بھی آ جائیں گی۔ تم اچھے تو ہو۔" اماں جی اس کا سر گود میں رکھ کر اسے بہلانے لگیں۔ تبھی میمونہ بھابی سوپ لے کر آ گئیں۔

"اماں جی! کسی طرح یہ نبیل کو پلائیں۔ صبح بھی اس نے بس دو چمچے لے کر چھوڑ دیا تھا۔"

"کیا کروں۔ میرے ہاتھ سے تو کچھ لے ہی نہیں رہا۔ کہتا ہے میں نے اس کی پھوپھو کو بھیج دیا۔ پہلے اسے بلاؤں پھر یہ میرا کہنا ماننے گا۔" اماں جی بے بسی سے گویا ہوئیں۔

"منع کرتی تھی آسیہ کو کہ نہ بچے کو ہر وقت اپنے ساتھ لگائے رکھو۔ شادی ہو کر چلی جاؤ گی تو سب سے زیادہ یہی محسوس کرے گا۔ دیکھ لیں کتنے دنوں سے بخار میں پڑا ہے۔"

میمونہ بھابی تاسف سے کہتے ہوئے نبیل کے پاس جگہ بنا کر بیٹھیں اور سوپ کا پیالہ نبیل پر رکھا پھر ہلکے سے اس کا چہرا تھپک کر بولیں۔

"نبیل! اٹھو بیٹا! یہ تھوڑا سا سوپ پی لو۔"

"پھوپھو!" نبیل نے ذرا سی آنکھیں کھول کر پکارا تو میمونہ بھابی اس پر جھک کر بولیں۔

"ابھی پھوپھو کا فون آیا تھا۔ بہت ناراض ہو رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں اگر نبیل نے کچھ کھایا پیا نہیں اور دوا نہیں لی تو میں نہیں آؤں گی۔"

"کب آئیں گی پھوپھو؟"

"تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ پھر دیکھنا وہ آ جائیں گی۔" میمونہ بھابی اس کے سر کے نیچے ہاتھ ڈال کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں تو نبیل نے فوراً اماں جی سے تصدیق چاہی۔

"ہیں اماں جی؟"

"ہاں بیٹا! تمہاری چچی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ چلو اٹھ کر بیٹھو۔ شاباش لاؤ دلہن! یہ پیالہ مجھے دو میں اسے پلاتی ہوں۔"

نبیل کے ہوشیار ہونے پر اماں جی کے ہاتھوں میں بھی تیزی آ گئی۔ فوراً میمونہ بھابی سے پیالہ لے کر چمچ سے نبیل کو سوپ پلانے کے ساتھ ساتھ بولتی بھی جا رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے، پھوپھو کو بیمار بچے اچھے نہیں لگتے۔ اس کے آنے سے پہلے ٹھیک ہو جاؤ ورنہ وہ بہت ناراض ہو گی۔"

"اور مجھ سے تو لڑے گی کہ میں نے تمہارا خیال نہیں رکھا۔ ہیں ناں اماں جی۔" میمونہ بھابی بھی اس کا دھیان بٹانے میں لگ گئیں۔ "لیکن میں تو صاف کہہ دوں گی اس سے کہ نبیل نے میرا کہنا نہیں مانا۔ نہ وقت پر کھانا کھایا نہ دوائی۔ پھر وہ تم سے ناراض ہو گی۔"

"میں آپ کا کہنا مانوں گا چچی!" نبیل فوراً بول پڑا۔ "آپ پھوپھو کو نہیں بتلائیے گا۔"

"ٹھیک ہے دیکھتی ہوں کتنا کہنا مانتے ہو۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد پانی کا گلاس اور اس کی دوائیں لے کر آئیں تو ان کے کہنے سے پہلے ہی نبیل بول پڑا۔

"میں دوا پیوں گا۔"

"شاباش بیٹا! مجھے پتا ہے تم بہت اچھے بچّے ہو۔" میمونہ بھابی نے خوش ہو کر کہا اور اُس کر امّاں جی کو یوں دیکھا جیسے بہت مشکل مرحلہ سر کر لیا ہو۔

"خوش رہو دُلہن! اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔"

امّاں جی کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔ میمونہ بھابی کی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ جلدی سے لٹا کر کمرے سے نکل گئیں اور دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

"کیا بات ہے میمونہ!" ادھر سے گزرتے بڑے بھیّا ٹھٹک کر رُک گئے۔

"جی!" میمونہ بھابی نے چونک کر ہاتھ نیچے گرا لیے "کچھ نہیں بڑے بھیّا۔"

"نبیل کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"قدرے بہتر ہے۔ ابھی دوا پلائی ہے اُسے۔ آپ دیکھ لیں۔ میرا مطلب ہے، وہ جاگ... وہ بڑے بھیّا کے سامنے یونہی گڑبڑا جاتی تھیں۔

"ہوں۔" بڑے بھیّا جانے کیا سوچتے ہوئے امّاں جی کے کمرے کی طرف دیکھنے لگے تو موقع جان کر وہ وہاں سے کھسکنے لگی تھیں کہ بڑے بھیّا اچانک مڑ کر بولے۔

"سنو۔ وہ۔ اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ چائے۔ میں اُدھر ڈرائنگ روم میں ہوں..." بھیّا ہمیشہ کسی بھی کام کے لیے کہتے ہوئے جھجکتے تھے۔

"کوئی اور بھی ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی مہمان؟" میمونہ بھابی نے رُک کر پوچھا۔

"نہیں۔" بڑے بھیّا اختصار سے کام لیتے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے کچن میں جانے سے پہلے اپنے... میں جھانک کر دیکھا۔ احمر اور سونیا اپنا ہوم ورک کر رہے تھے اور عمر جھولے میں آرام سے تھا... طرف سے مطمئن ہو کر انہوں نے چائے بنائی اور کپ ٹرے میں رکھ کر بڑے بھیّا کے پاس لے گئ... انہیں دیکھتے ہی وہ سیدھے ہو بیٹھے۔

"بہت تکلیف دیتا ہوں میں تمہیں۔"

"واقعی۔" میمونہ بھابی نے بے ساختہ کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور جلدی سے ٹو... جانا بلکہ بھاگنا چاہتی تھیں کہ بڑے بھیّا سامنے اشارہ کر کے بولے۔

"بیٹھو۔ مجھے کچھ بات کرنی ہے۔"

"الٰہی رحم۔" وہ جتنی زندہ دل تھیں اتنا ہی ان کا دل کمزور بھی تھا۔ یوں سہم کر بیٹھیں جیسے... ان کی کلاس لینے والے ہوں۔

"میں نبیل کی طرف سے پریشان ہوں۔" بڑے بھیّا چائے کے دو تین سپ لینے کے بعد گ...

"اُس کی ماں کا کئی بار فون آ چکا ہے۔ وہ چاہتی ہیں۔ نبیل کو کچھ دنوں کے لیے اُن کے پاس... جائے۔"

"آپ نے انہیں بتایا نہیں کہ نبیل بیمار ہے؟" اس سنجیدہ موضوع نے میمونہ بھابی کو ایک... کر دیا تھا۔

"بیماری کا سُن کر ہی تو کہہ رہی ہیں بلکہ دعوا کر رہی ہیں کہ ماں سے بہتر اُس کی کوئی دیکھ... کر سکتا۔ اُن کا دعوا صحیح ہے لیکن خود اُن پر صادق نہیں آتا۔" بڑے بھیّا نے تاسف سے کہہ کر... بھینچ لیے تو قدرے توقف سے میمونہ پوچھنے لگیں۔

"پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"مجبوری ہے۔ بھیجنا پڑے گا نبیل کو۔ اور میرا خیال ہے نبیل جانے کے لیے تیار بھی ہو جا... البتہ امّاں جی۔ انہیں سمجھانا بہت مشکل ہے۔ وہ رونے لگتی ہیں اس لیے میں ان سے ... کر سکتا۔ تم کہو اُن سے۔"

بڑے بھیّا نے یہ ذمے داری انہیں سونپ کر سچ مچ انہیں مشکل میں ڈال دیا تھا۔ کتنی... کے بعد پوچھنے لگیں۔

"میں کیا کہوں امّاں جی سے؟"

بڑے بھیّا اپنی سوچ میں تھے۔ اُن کی بات سنی ہی نہیں۔ البتہ آواز پر چونک کر دیکھنے لگے تو وہ ... بات دہرانے کے بجائے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور خالی کپ ٹرے میں رکھ کر اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"میں کوشش کرتی ہوں۔"

"ہاں دیکھو، کل شاید نبیلہ خود بچے کو لینے آ جائیں۔ اس سے پہلے امّاں جی کو ذہنی طور پر تیار کر لینا۔" بڑے بھیّا نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے نکل آئیں۔

امّاں جی مسلسل رو رہی تھیں اور رونا اس بات کا نہیں تھا کہ نبیل ماں کے ساتھ چلا گیا تھا بلکہ اُس کی بے پرواہیاں رُلا رہی تھیں۔ آٹھ سال وہ عورت اس گھر میں جس طرح نبیل کو نظر انداز کرتی تھی، وہ سب کے سامنے تھا پھر بھی سب خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔

"امّاں جی آپ خوامخواہ رو رہی ہیں۔ ہم نے نبیل کو زبردستی تو نہیں بھیجا۔ آپ کے سامنے اُس نے خود جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔"

امّاں جی کی مسلسل گریہ وزاری سے بڑے بھیّا زچ ہو کر بولے تھے۔

"ارے وہ تو بچہ ہے۔ تم تو بچے نہیں ہو۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ عورت اس کی دیکھ بھال نہیں کر... " امّاں جی کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھیں۔ "اُس نے تو کبھی ہنستے کھیلتے بچے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ بچے کا کیا خیال کرے گی۔"

"آپ کی بات ٹھیک ہے پھر بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" بڑے بھیّا نے بات ختم کرنے کی غرض سے ... دیا جس پر امّاں جی تاسف سے بولیں۔

"تم کچھ کر سکتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔"

بڑے بھیّا کا چہرا یکلخت سُرخ ہو گیا۔

"بس کریں امّاں جی! دو چار دن کی تو بات ہے۔" عدیل سے بڑے بھائی کی لاچاری دیکھی نہیں گئی... تو بول پڑے۔ "نبیلہ بیگم کچھ بھی سہی، بہرحال نبیل کی ماں ہیں۔ ایسے دھوپ میں نہیں ڈال دیں... اُسے۔"

امّاں جی کو غالباً احساس ہو گیا تھا جب ہی خاموش ہو رہیں۔ اور ابّا جی جو اس تکرار کے دوران ... خاموش تھے انہوں نے پہلے ہنکارا بھر کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے بعد گویا خود کو بولنے پر تیار ... پھر بڑے بھیّا کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"عقیل میاں! تم نے باہر جانے کی بات کی تھی۔ پھر کیا ارادہ بدل گیا تمہارا؟"

"نہیں۔ بس اپنی باری کا انتظار کر رہا ہوں۔" بڑے بھیّا نے کن انکھیوں سے امّاں جی کو دیکھا جو پوری ... متوجہ ہو گئی تھیں۔

"کیا مطلب؟" ابّا جی نے پوچھا تو وہ تفصیل بتلاتے ہوئے کہنے لگے۔

"ہماری فرم کی ایک شاخ جدّہ میں قائم ہوئی ہے۔ اور اسے ایک بڑا پروجیکٹ بھی مل گیا ہے ... اس سے کچھ لوگ جا چکے ہیں۔ ہم یہاں سے ہی لیبر بھرتی کر کے بھیج رہے ہیں۔ جب یہ سلسلہ ... ہو گا تو ظاہر ہے ہماری باری آئے گی۔ تین چار سال کا ایگریمنٹ ہے۔ اس کے بعد کوئی نیا ... پروجیکٹ مل گیا تو اس کے لیے ہماری اپنی چوائس ہو گی کہ ہم اس پر کام کریں یا یہاں آ جائیں۔ بہرحال ... بعد کی بات ہے۔ ابھی میں چار سال کا ایگریمنٹ کر چکا ہوں۔"

"ہوں!" ابّا جی کچھ دیر پُرسوچ انداز میں سر ہلانے کے بعد کہنے لگے۔

"اچھی بات ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم کچھ عرصے کے لیے باہر چلے جاؤ۔"

"ہائیں!" امّاں جی کچھ بولنے لگی تھیں کہ ابّا جی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔ اور اپنی بات ... جاری رکھتے ہوئے بولے۔

"تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ بہت عرصہ تم نے ٹینشن میں گزارا ہے۔ اور ابھی نہیں ہو۔ اس لیے تمہارا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ لیکن تم اکیلے نہیں جاؤ گے"

"نبیل ابھی چھوٹا ہے ابا جی پھر مجھ سے زیادہ"

"میں صرف نبیل کی بات نہیں کر رہا" ابا جی نے درمیان میں ٹوک کر نہ صرف ان کو خاموش کر دیا۔ بلکہ حیران بھی۔ پھر ایک نظر اماں جی پر ڈال کر بولے تھے۔

"میں تمہاری شادی کر رہا ہوں۔ تمہاری چچا زاد سائرہ کے ساتھ اور یہاں سے تم شروع کرو گے"

بڑے بھیا پہلے اپنی پسند منوا چکے تھے اور اس کے بعد دس سال بھگت بھی چکے۔ اب اگر کوئی اختلاف یا اعتراض تھا بھی تو ان کے پاس احتجاج کا حوصلہ نہیں تھا۔ بس ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ پہلے تمہارا انتخاب غلط تھا" قدرے توقف سے ابا جی بولے "بس تمہیں زندگی گزارنے کا ڈھنگ نہیں آیا۔ اپنی اپنی انا میں تم لوگوں نے ایک دوسرے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس لیے اپنے گھر کو نہیں بچا سکے۔ بہرحال جو غلطیاں پہلے کیں انہیں دوبارہ مت دہرانا۔ مجھے یقین ہے سائرہ کے ساتھ تم خوشگوار زندگی گزارو گے۔ ایگریمنٹ میں اپنی فیملی کو بھی شامل کر لو"

بڑے بھیا اسی طرح سر جھکائے بیٹھے رہے تو اگلے کئی پل خاموشی کی نذر ہو گئے۔ اماں کیوں خاموش تھیں۔ تب عدیل انہیں مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"کیوں اماں جی! ابھی بھی آپ بڑے بھیا کے باہر جانے پر اعتراض کریں گی؟"

"میں کیوں اعتراض کروں گی" اماں جی چونک کر بولیں تو عدیل ابا جی کو دیکھ کر منہ بڑے بھیا اسی طرح خاموش تھے۔

اسلام آباد میں شکیل بھائی اور سیما بھابی نے ان کا پرجوش استقبال کیا تھا۔ اشعر پھوپھو کو دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ اور مسلسل اس کا طواف کر رہے سیما بھابی رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوئیں تب وہ دونوں بچوں کو آرام کرنے کی تاکید کرتے ہوئے سیما بھابی کے پاس کچن میں آ گئی۔

"اب سنائیں بھابی، آپ کراچی سے کب آئیں؟" اس نے بیٹھنے کے لیے اسٹول پوچھا تو سیما بھابی یکسر ان سنی کر کے اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ پھر جیسے ہی وہ ٹھوڑی چھو کر بولیں

"بہت پیاری ہو گئی ہو۔ ماشاءاللہ۔"

"اچھا!" وہ جھینپ کر ذرا سا ہنسی۔

"میں اس وقت سے دل ہی دل میں تمہاری نظر اتار رہی ہوں۔ محبت نے تمہیں بنا دیا ہے۔ یقین کرو۔ جب تم شاہ سکندر کے ساتھ گیٹ سے داخل ہو رہی تھیں تو میں نے تمہیں پہچانا ہی نہیں تھا۔"

"جی نہیں" وہ سچ مچ نروس ہوئی جا رہی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں، تمہارے تو انداز ہی بدل گئے ہیں۔ لگتا ہے شاہ سکندر نے جادو کر دیا ہے" سیما بھابی کو وہ نروس ہوتی اور اچھی لگی۔

"محبت سے بڑا جادو اور کیا ہو گا۔" وہ کلائی میں پڑی سرخ سبز کانچ کی چوڑیوں کو دھیرے سے بولی۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ خیر یہ بتاؤ کہاں کہاں گئیں؟" سیما بھابی نے کسی چیز کی تلاش میں کیبنٹ میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"لاہور اور مری۔ اب یہاں سے سوات جانے کا پروگرام ہے۔ سکندر کہہ رہے تھے صبح ہی نکل چلیں گے" اس نے بتایا تو سیما بھابی کام چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ یعنی لاہور اور مری میں اتنے دن اور ہمارے پاس نہیں، خبردار جو صبح جانے کا نام لیا تو۔ تمہارے بھائی جان بھی ناراض ہوں گے"

"اچھا آپ تو ناراض نہ ہوں۔ لائیے یہ پیاز میں کاٹ دوں" اس نے اس موضوع سے ہٹنے کی خاطر پیاز کی ٹوکری اٹھالی۔ جسے سیما بھابی فوراً جھپٹتے ہوئے بولیں۔

"کوئی ضرورت نہیں کسی کام کو ہاتھ لگانے کی۔ آرام سے بیٹھی رہو۔ تمہارے میاں نے دیکھ لیا پھر وہ صبح بھی نہیں ہونے دے گا۔ ابھی کہے گا چلو"

وہ ہنس پڑی پھر اچانک خیال آنے پر کہنے لگی۔

"بھابی! میں مری میں سکندر کے بھتیجے بھتیجیوں سے بھی ملی ہوں۔ مری کانونٹ میں پڑھتے ہیں سب"

"اچھا۔ ویسے یہ زمیندار لوگ اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلاتے ہیں البتہ" سیما بھابی نے قصداً بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"کہہ دیں جو کہنا ہے۔ میں برا نہیں مانوں گی"

"نہیں۔ بھئی، اب تم بھی انہی وڈیروں میں شامل ہو گئی ہو اور تمہاری سوچ بدلتے دیر نہیں لگے گی۔"

"جی نہیں۔ میری سوچ نہیں بدلے گی، آپ دیکھیے گا۔ میں جب بھی شاہ پور گئی سب سے پہلے وہاں کے بچوں کو تعلیم دلانے پر زور دوں گی۔ اور شاہ سکندر نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا" اس نے عزم سے کہا۔

"اچھی بات ہے، ویسے تمہارا شاہ پور جانا کب تک متوقع ہے۔ میرا مطلب ہے سکندر کا بارے میں کیا کہتا ہے۔" سیما بھابی نے اپنے کام میں مصروف رہ کر پوچھا۔

"میں نے ابھی اس موضوع کو نہیں چھیڑا بھابی اور نہ ہی اسے مسئلہ بناؤں گی۔ کیونکہ سکندر نے سب کچھ پہلے ہی بتا دیا تھا اور اس وقت تو انہیں جہانگیر بھائی کے آنے کی امید بھی نہیں تھی۔ البتہ ضرور کہتے ہیں کہ ان کے گھر والے زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہ سکیں گے اور میرا خیال ہے ٹھیک کہا تھا کہ اب صرف بابا جان ہی رہ گئے ہیں۔ باقی سب گھر والے تو اس شادی پر خوش ہیں۔ لطف بھی بھیجے اور جہانگیر بھائی شریک بھی ہوئے"

وہ بہت مطمئن انداز میں بول رہی تھی۔ تبھی شکیل بھائی نے لاؤنج سے ہی اسے پکار لیا۔

"آسیہ! تم وہاں کیا کر رہی ہو؟"

"بھاگو یہاں سے، نہیں تو میری شامت آ جائے گی" سیما بھابی نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ وہ باہر آ گئی۔

"جی بھائی!"

"بیٹا! اگر کھانا پکنے میں دیر ہے تو سکندر کو چائے ہی پلا دو" شکیل بھائی نے کہا تو اس نے بے اختیار شاہ سکندر کو دیکھا۔ کچھ تھکا تھکا سا، اتنی دیر تک اس کی نظروں سے اوجھل ہونے پر شاکی بھی ہو رہا تھا۔ وہ فوراً اس سے نظریں چرا کر بولی۔

"کھانے میں دیر نہیں ہے بھائی۔ اور چائے کھانے کے بعد ملے گی"

"اچھا۔ تم یہاں میرے پاس بیٹھو" شکیل بھائی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر اس

کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے: "میں ابھی سکندر سے کہہ رہا تھا کہ تمہیں ہاؤس جاب کرا
تمہارا کیا پروگرام ہے؟"
"جی، یہی پروگرام ہے۔" اُس نے شاہ سکندر کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھتی تو شاید
میں خاموشی اختیار کر لیتی۔
"ہاں، وقت ضائع نہیں کرنا، جب تک شاہ سکندر کسی بزنس میں سیٹ ہوں گے تب
تم" فون کی بیل سے شکیل بھائی کی بات ادھوری رہ گئی۔ اور وہ ایکسکیوزمی کہتے ہوئے اُٹھ
اٹینڈ کرنے چلے گئے تو شاہ سکندر فوراً بول پڑا۔
"سنو، صبح یہاں سے نکل چلیں گے۔"
"کیوں؟" وہ انجان بنتے بنتے بھی ہنس پڑی۔
"تمہاری کیوں کا جواب ابھی بھی دے سکتا ہوں۔" شاہ سکندر اپنی جگہ سے اُٹھنے لگا تو
نے گھبرا کر ہاتھ جوڑ دیے۔
"پلیز، وہیں بیٹھے رہیں۔"
"صبح چلنا ہے۔" شاہ سکندر اسی وقت اپنی بات منوا سکتا تھا۔
"کہو ہاں۔ ورنہ!"
"ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔"
"ہائیں، یہ دوبارہ تین بار ہاں کہلوانے کی نوبت کیوں آئی؟" سیما بھابی سنتی ہوئی آگئیں
اس کے بجائے اُنہوں نے براہِ راست شاہ سکندر کو ٹوکا تو وہ خجل سا ہو کر سر کھجانے
"ہاں بھئی، کھانا تیار ہو گیا؟" عقب سے شکیل بھائی کی آواز پر سیما بھابی اُن کی طرف
پوچھنے لگیں۔
"آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"وہ ابا جی کا فون تھا!" اُنہوں نے ابھی اس قدر کہا تھا کہ آسیہ نے سوالوں کی بوچھاڑ
"ابا جی تھا، کیا کہہ رہے تھے۔ ٹھیک تو ہیں ناں اور اماں جی۔"
"سب ٹھیک ہیں۔ سب ٹھیک ہیں۔" شکیل بھائی نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بولنے سے
لگے۔ "اچھی خبر ہے، لیکن کھانے کے بعد سناؤں گا۔"
"نہیں بھائی! پہلے سنائیں ورنہ کھانا نہیں کھایا جائے گا۔" اُس نے اپنی بے تابی
سے کہا تو شکیل بھائی دوبارہ اسی جگہ پر بیٹھ گئے اور سیما بھابی کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کر
بولے۔
"بڑے بھیا کی شادی ہے اسی جمعہ کو۔"
"سچ۔!" آسیہ کی آواز میں خوشی کی کھنک تھی — اور سیما بھابی خوشی کے ساتھ تعجب
"اسی جمعہ کو؟"
"ہاں۔ بس سادہ سی تقریب ہے۔ اور جلدی میں یوں طے پائی ہے کہ اگلے ایک
میں بڑے بھیا باہر جانے والے ہیں" اور میرا خیال ہے سائرہ جی بھی ان کے ساتھ
آخر میں شکیل بھائی نے اپنا خیال ظاہر کیا تو آسیہ فوراً پوچھنے لگی۔
"اور نبیل؟"
"ظاہر ہے وہ بھی جائے گا۔"
آسیہ نے چند لمحے توقف کیا پھر شاہ سکندر کو دیکھ کر بولی تھی۔
"بس تو کل ہم پہلی فلائیٹ سے کراچی جائیں گے۔"

شاہ سکندر نے اُس کے پروگرام سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ شاید اس کی خوشی کی خاطر ورنہ
اسے افسوس تھا کہ زندگی کے یہ خوبصورت دن دوبارہ لوٹ کر نہیں آنے تھے۔ بہرحال اُس
نے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنا ہنی مون پیریڈ مختصر ہونے پر ناخوش ہے۔ اُس کے
آسیہ کی خوشی میں شریک رہا۔ گو کہ بڑے بھیا نے سادگی پر اصرار کیا تھا پھر بھی اچھی خاصی رونق
تھی۔ تین چار دن آسیہ ابا جی کے گھر میں بے حد مصروف رہی۔ اُس کے باوجود شاہ سکندر کی
سے غافل نہیں ہوئی تھی۔ وہ جہاں گھر میں داخل ہوتا اُس کی طرف لپک کر جاتی۔ چائے، کھانا
روم میں کپڑے تیار یعنی ہر بات کا خیال۔ اپنی طرف سے اُس نے شکایت کا کوئی موقع نہیں
پھر اُسے یہ بھی احساس تھا کہ وہ اُس کی خاطر سب چھوڑ آیا ہے۔ جبھی دلہن کے گھر آتے
وہ اپنے گھر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ شاہ سکندر جانے کہاں تھا۔ وہ اُسے چلنے کا کہنے کے
کمرے سے نکل کر آئی تو برآمدے میں میمونہ بھابی مل گئیں۔
"شاہ سکندر کو دیکھا ہے؟" اُس نے میمونہ بھابی کو روک کر پوچھا۔ تو وہ اپنے مخصوص انداز
بولیں۔
"ہاں بہت بار۔"
"میں ابھی کی بات کر رہی ہوں۔ کہاں ہیں وہ؟"
"اُدھر ڈرائینگ روم میں، سب وہیں بیٹھے ہیں۔" میمونہ بھابی عجلت میں بتا کر جانے لگیں
اُس نے راستہ روک لیا۔
"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"
"چائے بنانے۔"
"ہمارے لیے مت بنائیے گا کیونکہ ہم اب گھر جا رہے ہیں۔" اُس نے "ہم" اپنے اور شاہ سکندر
لیے استعمال کیا تھا اور میمونہ بھابی کچھ کچھ سمجھ گئیں پھر اُس کی نقل اُتارتے ہوئے بولیں۔
"ہم اس وقت شوق میں چائے بنانے نہیں جا رہے۔ آپ کے شاہ سکندر نے فرمائش
ہے۔ ورنہ ہم تو بہت تھکے ہوئے ہیں۔"
"آپ بھی بس۔" اُس نے ذرا سا سر جھٹکا پھر کہنے لگی۔ "رہنے دیں جائے وائے۔ میں منع کرتی
شاہ سکندر کو۔"
"ارے رے، دو منٹ کا کام ہے۔ اور اب تو سب ہیں گے۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے
کی طرف بڑھیں تو وہ بھی اُن کے ساتھ چل پڑی۔
"تم ابھی جانے کی بات کیوں کر رہی ہو۔ صبح جانا۔" میمونہ بھابی نے کیتلی میں پانی ڈالتے ہوئے
۔
"ابھی کیا اور صبح کیا۔ بس جانے دیں۔ صبح سے میں اپنے گھر کے معمولات سیٹ کروں گی۔
نہیں سکندر نے بزنس کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ اب اپنے گھر میں اطمینان سے بیٹھیں
تو سنجیدگی سے سوچیں گے۔"
وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ میمونہ بھابی نے مسکرا کر اُسے دیکھا تو
پہلے خاموش ہوئی پھر ایکدم موضوع بدل گئی۔
"نبیل سے نہیں ملی ہوں تو عجیب سا لگ رہا ہے۔ کب سے گیا ہوا ہے صبح عدیل بھائی سے
کہا ہے لے کر میری طرف آئیں گے۔"
میمونہ بھابی نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹرے اُتاری پھر اُس میں کپ رکھتے ہوئے
نے لگیں۔
"نبیل کا تمہیں نہیں پتا۔ تمہارے جانے کے بعد بہت بیمار ہو گیا تھا۔ ابھی بھی پتا نہیں
بات ہے۔ کیونکہ اسی بیماری کی حالت میں جمیلہ اُسے لے گئی تھیں۔ اس دعوے کے ساتھ کہ

ماں سے بہتر اُس کی نگہداشت کوئی نہیں کر سکتا۔"

"کیا کہہ رہی ہیں بھابی! یہ سب تو مجھے کسی نے نہیں بتایا۔" وہ ایکدم پریشان ہوگئی۔ "میں تو سمجھ رہی تھی بڑے بھیا کی شادی کی وجہ سے۔"

"نہیں بلکہ اُس کی وجہ سے بڑے بھیا شادی پر رضامند ہوئے ہیں۔ کیونکہ صرف نبیل کو دا... ساتھ باہر نہیں لے جا سکتے تھے۔ ویسے ابا جی نے بڑے موقعہ پر بڑے بھیا کو گھیرا تھا ... کے پاس ہامی بھرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔"

میمونہ بھابی کی بات اُس نے بے دھیانی میں سُنی، سارا دھیان نبیل کی طرف تھا۔ فوراً پو... لگی۔

"نبیل کی طبیعت اب کیسی ہے۔ کوئی اُس کے پاس گیا بھی؟"

"ایک بار عدیل گیا تھا۔ لیکن نبیلہ نے اُس سے ملنے نہیں دیا۔ کہنے لگیں، جب ٹھیک ... گا بھیج دوں گی، یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میمونہ بھابی نے ٹی پاٹ میں چائے دم کرتے ہوئے بتایا پھر سر اٹھا کر اُس کی طر... رُخ موڑا تو اُسے پریشان دیکھ کر کہنے لگیں۔

"زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ اور تم ابھی اماں جی کے سامنے نبیل کا ذکر نہیں چھیڑنا۔ رونے لگتی ہیں۔ اور اس خوشی کے موقعہ پر رونا دھونا اچھی بات نہیں ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں!"

اُس نے یونہی ذرا سا اثبات میں سر ہلا دیا اور اُن کے جانے کے بعد پہلے خود پر قابو پایا ... ڈرائنگ روم کا رُخ کیا تھا۔

چائے کے دوران اُس نے ابا جی اور اماں جی کو اس وقت اپنے گھر جانے کا بتایا تو شاہ سکندر کا مایوس چہرہ یکلخت دمکنے لگا۔ اتفاق تھا کہ میمونہ بھابی اُسے ہی دیکھ رہی تھیں ... ہی بے ساختہ زور سے ہنس پڑیں۔ سب اُن کی طرف متوجہ ہو گئے تو فوراً بولی تھیں۔

"اب کوئی یہ نہ پوچھے کہ میں کیوں ہنسی۔"

عدیل نے شاہ سکندر کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں، جواب نہیں۔ جواباً شاہ سکندر نے ... انداز میں سر ہلایا پھر بقیہ چائے ایک ہی گھونٹ میں ختم کر کے کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ابا جی کو دیکھ کر بولا۔

"اجازت دیجیے ابا جی! گیارہ بج چکے۔ چلیں آسیہ!"

"جی۔" وہ اماں جی کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نبیل کا سن کر کچھ مضمحل سی ہو... شاہ سکندر نے بغور اُسے دیکھا۔ پھر سب کو سلام کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اپنے اپارٹمنٹ میں آکر بھی وہ کچھ چپ چپ سی تھی۔ دل چاہ رہا تھا اسی وقت فون ... نبیل کی خیریت معلوم کرے۔ لیکن اس خیال سے خود کو روک رہی تھی کہ کہیں نبیلہ بھابی ا... بھی یہ نہ کہہ دیں کہ یہاں فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

"کیا بات ہے، تھک گئی ہو؟" شاہ سکندر مسلسل اُسے نوٹ کر رہا تھا۔ بہت سے... جب اپنی جگہ پر آکر لیٹی تو اُس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر پوچھنے لگا۔

"نہیں۔" وہ قصداً مسکرائی کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لے کہ اپنے گھر آکر وہ خوش نہیں۔ پھر اُس کا ہاتھ بالوں میں سے نکال کر اپنے ہونٹوں سے چھو کر بولی۔

"آپ کی محبت میری ساری تھکن سمیٹ لیتی ہے۔ پتا ہے ابھی یہاں آتے ہوئے سوچ رہی تھی۔"

"کیا؟" شاہ سکندر خاصا متجسس ہو کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کہ میں تو بہت عام سی لڑکی تھی پھر آپ۔"

"اوں ہوں۔" شاہ سکندر نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ "خود کو عام سی لڑکی کہ...

...ت کرو۔" شاہ سکندر حیات نے کسی عام سی شے کو کبھی در خورِ اعتنا نہیں سمجھا۔"

وہ اُس کے لہجے کے زعم پر سُن سی ہوگئی تھی۔

"ایک عام سی لڑکی کا میری زندگی میں کیا دخل، نہیں آسیہ ایسا کبھی نہیں سوچنا، تمہارے لیے ... ایک طرح سے تخت و تاج چھوڑ آیا ہوں۔"

"آپ بھی کمال ہیں۔" وہ بہت سنبھل کر اُسے ٹوکتے ہوئے بولی۔ "میں کیا کہنے جا رہی تھی آپ مجھے... خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں صبح ناشتے میں کیا لیں گے؟"

"صبح کی بات صبح اور رات کی بات۔" وہ شوخ نظروں سے دیکھتا اُس پر جھک گیا۔

کوئی دو گھنٹے پہلے مہر النساء نے جیراں کو اپنے کمرے میں آنے کو کہا تھا۔ اُس وقت وہ بڑی ... کا کوئی کام کر رہی تھی۔ اُس کے بعد پتا نہیں وہ بھول گئی تھی یا بی بی جان نے اُسے کسی کام سے ... دیا تھا۔ جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ مہر النساء کا انتظار کے بعد اب پارہ ہائی ہو گیا تھا۔ انتہائی ... میں وہ اپنے کمرے سے نکل کر اُس کی تلاش میں نیچے آئی تھی کہ شاہ سکندر کا نام سن کر ٹھٹک ... شاہ جہانگیر فون پر غالباً اُسی سے بات کر رہے تھے۔ وہ دبے پاؤں اُن کی پشت کی طرف ... سننے لگی۔

"میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں ایک اور چیک جمع کرا دیا ہے۔ فی الحال تم آرام سے رہو۔"

"نہیں سکندر۔ ابھی کوئی بزنس نہیں ہو سکتا۔ اگلے مہینے الیکشن ہیں پتا نہیں نئی حکومت کیا پالیسی ... رہی ہے۔ اس لیے اس وقت کسی بھی بزنس میں پیسہ لگانا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں ایک مہینے کی تو بات ہے۔ اس کے بعد دیکھیں گے۔"

"نہیں، میں ابھی تمہارے پاس نہیں آسکتا۔"

"اور۔ اور سب ٹھیک ہے۔"

"پھر بات کروں گا۔ خدا حافظ۔"

شاہ جہانگیر نے فون بند کر دیا۔ اور پلٹتے ہی مہر النساء کی طنز آمیز تاسف بھری نظروں کا سامنا ... بس ایک پل اس کے بعد مہر النساء فوراً پلٹ کر جانے لگی۔

"رکو مہر النساء۔" انہوں نے بھی فوراً پکارا لیکن رکنے کے بجائے مہر النساء کے قدموں میں ... آگئی، اور اُن کی نظروں کے سامنے وہ سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ کچھ دیر ... اُسے جیراں پر غصہ تھا اب اُس کی نوعیت بدلتے ہی وہ پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ ایک ایک ... اٹھا کر پھینکنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے کمرے کا نقشہ بدل گیا اُس کے بعد چیخ چیخ کر ... رونا چاہتی تھی کہ اُسی وقت شاہ جہانگیر اُس کے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہی ... آگئے اور ایک اچٹتی نظر کمرے پر ڈال کر قدرے سخت لہجے میں بولے۔

"یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے تم نے۔ اس گھر کی دوسری عورتوں کو بھی دیکھا ہے کبھی ایسی حرکتیں ... کرتے ہوئے۔"

"میں، میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔" وہ اُن کی بات یکسر نظر انداز کر کے چیخی۔

"کہاں جاؤ گی؟" شاہ جہانگیر کی پیشانی پر بے شمار شکنیں پڑ گئیں۔

"اپنے بابا سائیں کے گھر، انہیں بتاؤں گی میں کہ شاہ اوّل روز مجھے چھوڑ گیا تھا۔ اور آپ ... لوگ بھی اُس کے ساتھ ہیں۔"

وہ کس طرح شاہ جہانگیر سے مرعوب نہیں ہوئی۔ بلکہ ایک طرح سے انہیں دھمکی دی جس سے ... وہ اندر ہی اندر تلملا کر بولے۔

"پھر کیا کر لیں گے تمہارے بابا سائیں۔ زیادہ سے زیادہ شہر بانو کو یہاں بھجوا دیں گے۔ ... جگہ ہے یہاں شہر بانو کے لیے۔ اور ہم تو تمہارے لیے بھی جگہ بنانا چاہتے ہیں لیکن

"تم۔ تم شاید یہاں رہنا ہی نہیں چاہتیں۔" مہرالنساء سچ مچ چکرا گئی کہ جس بات پر وہ اکڑ رہی تھی۔ اُسے اُنہوں نے سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

"اگر رہنا ہے تو طریقے سے رہو صبر کے ساتھ۔ ہم میں سے کوئی بھی تم سے غافل نہیں ہے اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ شاہ سکندر کو لانا کوئی مشکل بات نہیں۔ میں اسی وقت لے کر آسکتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد اگر وہ دوبارہ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا تو میری ذمہ داری نہیں ہوگی۔"

شاہ جہانگیر نے خاموش ہوکر اُسے دیکھا وہ شاید اُن کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی تب قدرے نرم پڑ کر سمجھاتے ہوئے بولے۔

"اس طرح واویلا مچا کر ہمارے لیے مشکلات کھڑی مت کرو مہرالنساء، جتنا عرصہ تم نے اس گھر میں گزارا ہے اتنا عرصہ اور۔ پھر دیکھنا شاہ خود چل کر تمہارے پاس آئے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔" پھر بڑھ کر اُس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"خوش رہا کرو۔ تمہاری خوشی ہم سب کی خوشی ہے۔"

مہرالنساء کی آنکھوں میں پانی اُتر آیا۔ جس سے نظریں چرا کر شاہ جہانگیر کمرے سے نکلے تو وہ جو کچھ دیر پہلے چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی۔ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں دباتے وہیں بیٹھ گئی۔ اور گھٹنوں پر سر رکھا تھا کہ آنسو تواتر سے بہہ نکلے۔ کتنی دیر بعد جب آنسو آپ ہی آپ تھم گئے، تب اُسے کمرے میں کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا۔ گھٹنوں سے سر اٹھا کر دیکھا۔ جیراں خاموشی سے کمرے کا حلیہ ٹھیک کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ کچھ دیر اُسے دیکھنے کے بعد وہ اُٹھی الماری میں سے کپڑے نکال کر واش روم میں بند ہوگئی۔

"جتنا عرصہ میں نے یہاں گزارا۔ اتنا عرصہ اور۔" نہانے کے دوران اور پھر باہر آنے تک وہ اس عرصہ کا ہر ایک پل شمار کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

"بی بی جی!" جیراں نے کچھ ڈرتے ڈرتے پکارا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"آپ کے بالوں میں کنگھی کر دوں؟" جیراں نے کنگھی والا ہاتھ اُس کے سامنے کیا تو اُس نے پہلے سارے کمرے پر نظر ڈالی، پھر آرام سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اور سر پر سے تولیہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ سنہری بالوں سے اُس کی پوری کمر چھپ گئی تھی۔ جیراں نے بہت احتیاط سے بالوں کو تھام کر سلجھانا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ اُس کے تیور بھی دیکھتے جا رہی تھی۔ اور وہ پتا نہیں کس سوچ میں تھی۔ کتنی دیر بعد جیراں اُسے مخاطب کرنے کی ہمت کر پائی تھی۔

"بی بی جی۔ اُس وقت میں آپ کے پاس آ رہی تھی۔ لیکن بڑی بی بی جی نے مجھے کام سے لگا دیا تھا۔ آپ نے کس کام سے بلایا تھا مجھے؟"

"میں نے!" مہرالنساء نے چند لمحے سوچا پھر پوچھنے لگی۔ "تم سائیں جی کے پاس گئی تھیں؟"

"ہاں جی!" جیراں ایکدم اُس کے بال چھوڑ کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور رازداری سے بولی۔ "سائیں جی کو سب پتا ہوتا ہے بی بی جی!" اُنہوں نے چھوٹے شاہ جی کے بارے میں سب بتایا ہے۔"

"وہ بتا رہے تھے چھوٹے شاہ جی ادھر شہر میں کسی عورت کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ عورت بڑی خطرناک ہے۔" جیراں کا انداز سنسنی خیز تھا۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔" مہرالنساء نے بڑے آرام سے بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائی تو جیراں کو سخت مایوسی ہوئی کیونکہ اپنے تئیں اُس نے دھماکہ کیا تھا۔

"ہاں اور بتاؤ۔ اور کیا کہہ رہے تھے سائیں جی۔ شاہ اُس عورت کے چنگل سے نکل آئیں گے؟" اُس نے پوچھا تو جیراں پھر پُرجوش ہوگئی تھی۔

"کیوں نہیں جی، اپنے سائیں جی ایسا چلّہ کاٹیں گے کہ چھوٹے شاہ جی اُسے ٹھوکر مار کر آپ کے پاس آئیں گے۔ سائیں جی کہہ رہے تھے کہ بس آپ اجازت دے دیں پھر دیکھیں اُن کا کمال۔ ادھر چالیس دن پورے ہوئے نہیں کہ۔"

"چالیس دن!" مہرالنساء جانے کیا سوچنے لگی تھی۔

"ہاں جی، چالیس دن زیادہ تو نہیں ہوتے، یوں گزر جائیں گے۔ بس آپ دو کالے بکروں کے پیسے دے دیں۔ سائیں جی کہہ رہے تھے آپ کی گود بھرنے والی ہے۔ پہلے اُس کا صدقہ اتاریں گے۔ چاند سا بیٹا ہوگا۔"

جیراں کی آخری بات پر وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

وہ کتنی بار شاہ سکندر کے سامنے نبیل کے لیے تشویش ظاہر کر چکی تھی۔ اور اب اُسی کے مشورے پر نبیلہ بھابھی کے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ پھر دوسری طرف بیل جانے کے ساتھ ہی ریسیور اٹھایا گیا تو وہ فوراً بول پڑی۔

"نبیلہ بھابی ہیں۔؟"

"کون آسیہ!" دوسری طرف اتفاق سے وہی تھیں۔

"جی السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! بھئی شادی مبارک ہو۔" وہی انداز تھا اُن کا۔

"جی!" آسیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اُس کی شادی کی مبارکباد دے رہی ہیں یا بڑے بھیا کی۔

"ابھی تک ویسی کی ویسی ہو تم۔ ارے اب تو شادی ہو چکی ہے تمہاری پابندیوں سے نکل گئی ہو۔ پھر کیا جی جی لگا رکھی ہے، کھل کر بات کرو۔" اُنہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ٹوکا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہوکر بولی۔

"وہ نبیل کیسا ہے؟"

"نبیل کی طبیعت نہیں سنبھل رہی۔ دو دن ٹھیک ہوتا ہے پھر پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ بہت اچھے سپیشلسٹ کو دکھا رہی ہوں۔ اور یہاں کسی چیز کی کمی بھی نہیں ہے پھر پتا نہیں۔"

اُن کے لہجے میں تشویش سے زیادہ اکتاہٹ تھی، جیسے بچے کی بیماری سے عاجز آگئی ہوں۔ تب ہی وہ کہنے لگی۔

"آپ اُسے یہاں بھیج دیں۔ میرا مطلب ہے اماں جی کے پاس۔"

"نہیں آسیہ، جب تک تم تھیں مجھے اطمینان تھا۔ اب میں اپنے بچے کو وہاں نہیں بھیجوں گی۔" اُنہوں نے نہ صرف ابھی بلکہ آئندہ کے لیے بھی صاف منع کر کے آسیہ کو چکرا دیا تھا۔ کہ وہ ذرا کچھ بول ہی نہیں سکی۔ اور ادھر سے وہ مزید گویا ہوئیں۔

"اماں جی! بوڑھی عورت صرف واری صدقے جا سکتی ہیں نبیل کا خیال نہیں رکھ سکتیں۔ وہ اپنے بچوں میں گھری ہوئی ہے اور۔ ہاں سنا ہے تمہارے بھائی صاحب نے بھی دوسری شادی کر لی ہے۔"

"جی!" بولنے کی کوشش میں اُس کے حلق سے ایسی ہی آواز نکلی تھی۔

"خیر! اُن کے شادی کرنے نہ کرنے سے نبیل کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اُنہوں نے پہلے کب اس کا خیال کیا جو اب ہیں کیونکہ دوسری عورت کی وجہ سے وہ بچے سے غافل ہو جائیں گے۔ وہ تو پہلے ہی غافل تھے۔"

اُنہوں نے بڑے بھیا کی شادی کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ پھر بھی پوچھنے لگیں۔

"ویسے کہاں کی ہے اُن کی شادی؟"

"وہ سائرہ، چچا جان کی بیٹی۔" وہ اب جیسے مجبوراً یا مروّتاً جواب دے رہی تھی۔

"سائرہ۔ اچھا ہاں۔ اُس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی؟" پھر قہقہہ لگا کر بولیں: "تمہارے بھائی کے لیے وہی ٹھیک ہے۔ نیک پروین۔"

آسیہ کا دل چاہا فون پٹخ دے لیکن نبیل کی وجہ سے ضبط کر گئی۔

"خیر تم سناؤ۔ سب پڑھا لکھا چولہے میں جھونک دیا ہو یا۔"

"میری نبیل سے بات کرا دیں۔" وہ فوراً بول پڑی۔

"وہ سو رہا ہے۔" اُدھر سے عذر تیار تھا۔

"اچھا میں پھر فون کروں گی۔" اُس نے فون رکھ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ جا کس احساس کے تحت اُس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

"آسی! کیا ہوا؟" شاہ سکندر کمرے سے نکلا تھا اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر قدرے پریشان ہو گیا۔ تو اُس نے آہستہ سے دونوں ہاتھ نیچے گرا کر اُسے دیکھا اور یوں سر ہلایا جیسے کوئی بات نہیں۔

"وہ کیا نام ہے اُس کا۔ تمہارا بھتیجا ٹھیک ہے۔ بات ہو گئی تمہاری اُس سے۔" شاہ سکندر جانتا تھا کہ وہ ابھی نبیل کو فون کر رہی تھی۔

"ہاں نہیں۔ میرا مطلب ہے نبیل سے بات نہیں ہوئی۔" وہ کچھ کنفیوز ہو گئی۔ شاید اُسے بتانا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا چلو۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔" شاہ سکندر اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے بولا تو اُس نے بے دھیانی میں پوچھ لیا۔

"کہاں جانا ہے؟"

"کیا مطلب، تمہیں یاد نہیں احمد حسن نے کھانے پر بلایا ہے اور دوپہر میں نائلہ کا فون بھی تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔" وہ قصداً مسکرائی۔ "آپ کی یادداشت کا امتحان مطلوب تھا۔ پاس ہو گئے صرف اس امتحان میں۔" وہ اُس کے ہاتھ کو زور سے دباتے ہوئے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ

"نہیں۔ اب تک جتنے بھی امتحان آئے۔ البتہ آئندہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وہ اُس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی پھر چیخ پڑی۔ "اُف میرا ہاتھ توڑنے کا ارادہ ہے کیا؟"

"ارے۔!" شاہ سکندر نے فوراً اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پھر قدرے نادم ہو کر بولا۔ "کچھ زور سے دب گیا۔ لاؤ دکھاؤ۔"

"بس رہنے دیں۔" وہ ہاتھ جھٹکتی ہوئی تیار ہونے چلی گئی۔

احمد حسن نے اگر خصوصاً کھانے پر نہ بلایا ہوتا تو وہ اس وقت آپا جی کے گھر جانے کی کرتی۔ کیونکہ اُسے نبیل کی فکر ستا رہی تھی۔ اور وہ بھائیوں کو نبیلہ کے خیالات سے آگاہ کر تھی۔ بے شک وہ ماں تھیں اس کے باوجود نبیل اُن کے پاس جا کر ٹھیک نہیں ہوا وہ نبیل کو کسی سے ملنے بھی نہیں دے رہی تھیں۔ آج اُسے بھی ٹال دیا تھا۔ وہ اگر فون پر کی آواز سُن لیتی تو اتنی پریشان نہ ہوتی۔ احمد حسن کے گھر نائلہ اور اُس کی امی سے دوران بھی وقفے وقفے سے اُس کا ذہن بھٹکتا رہا جس پر خود اُسے کتنی بار شرمندگی ہوئی کہ سوال کیا کیا اور اُس نے جواب کیا دیا تھا۔

پھر کھانے کے بعد شاہ سکندر اور احمد حسن کے درمیان سیاست کا موضوع چھڑتے سمجھ گئی کہ اب یہ نشست خاصی طویل ہو جائے گی، اس لیے نائلہ کے ساتھ اُس کے کمرے

"بہت بور ٹاپک ہے۔ مجھے بھی سخت وحشت ہوتی ہے۔" نائلہ اُس کے لیے رکھتے ہوئے بولی۔ "آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔ میں چائے نہیں لے آتی ہوں۔"

"آنٹی کہاں ہیں؟" اُسے اچانک احساس ہوا کہ وہ انہیں وہیں چھوڑ کر آ گئی ہے۔ "انہیں بھی یہیں لے آؤ۔"

"امی اب نماز پڑھیں گی۔ اگر آپ کو کوئی بات کرنی ہے تو۔"

"نہیں، میں ان کے اکیلے ہونے کے خیال سے کہہ رہی تھی۔ بس ٹھیک ہے انہیں نماز پڑھنے دو۔" وہ جلدی سے بول تھی۔

"او کے میں چائے لاتی ہوں۔" نائلہ مسکرائی پھر جاتے جاتے کارنر پر سے اپنا البم اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "آپ جب تک یہ دیکھیں۔ بور نہیں ہوں گی۔"

اُس نے البم تھام لیا۔ پھر آرام سے بیڈ پر بیٹھ کر دیکھنے لگی۔ شروع میں نائلہ کی تصویریں تھیں اس کی اسکول اور کالج کی دوستوں کے ساتھ۔ پھر کچھ گھریلو تقریبات کی۔ وہ عدم دلچسپی سے پلٹتی چلی گئی۔ پھر کچھ اکتا کر البم بند کر دیا۔ جب نائلہ چائے لے کر آئی۔ وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔

"اتنی جلدی آپ نے تصویریں دیکھ لیں۔" نائلہ نے تعجب کا اظہار کیا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں اکیلے دیکھنے میں مزہ نہیں آ رہا تھا۔ تمہارے ساتھ دیکھوں گی۔"

نائلہ نے چھوٹی سی ٹرے اُس کے قریب رکھی پھر بیڈ پر چڑھ کر بیٹھی اور درمیان میں البم کھولتے ہوئے بولی۔

"چلیں میں آپ کو بتاتی ہوں، میرے ساتھ کون کون ہے۔" پھر وہ اپنی ایک ایک سہیلی کا نام بتلانے لگی۔ اس کے بعد گھریلو تقریبات کی تصاویر میں اپنے خاندان کے ہر فرد سے متعارف کرایا۔ پھر ایک تصویر پر انگلی رکھ کر بولی۔

"اور جناب یہ ہیں آپ کے سسرال والے۔"

وہ بے اختیار تصویر پر جھک گئی۔ شاہ سکندر کے بھتیجے بھتیجیوں سے وہ مل چکی تھی۔ اس لیے تصویر میں جتنے بچے نظر آ رہے تھے۔ انہیں وہ پہچان گئی۔ پھر لڑکیوں کے بارے میں نائلہ سے پوچھا تو وہ ایک چہرے پر انگلی سے اشارہ کر کے کہنے لگی۔

"یہ شہر بانو ہیں۔ ایک بار سکندر بھائی انہیں لے کر آئے تھے۔ یہ تصویر میں نے انہی سے لی تھی۔ تیج بھابی بہت مشکل سے دی تھی انہوں نے۔ کہہ رہی تھیں۔ سکندر بھائی کو پتا نہ چلے آپ بھی نہیں بتائیے گا بھابی۔"

"اچھا۔!" وہ ذرا سا ہنستی۔ اور شہر بانو کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد اس کے ساتھ کھڑی دوسری لڑکی کے غیر معمولی حسین چہرے پر اُس کی نظریں جم کر رہ گئی تھیں۔

"کتنی پیاری ہے ناں بھابی یہ لڑکی؟" نائلہ اُس کی نظروں کے پیچھے دیکھ کر کہنے لگی۔ "میں بھی جب کبھی اس تصویر کو دیکھتی ہوں تو میری نظریں اس چہرے سے ہٹتی نہیں ہیں۔"

"کون ہے یہ؟" اُس نے اسی مبہوت عالم میں پوچھا۔

"پتا نہیں۔ شاید سکندر بھائی کی چچا زاد بہن ہیں۔ شہر بانو نے ان کے بارے میں بتایا تو تھا۔ وہ کیا شہزادیوں والا نام ہے ان کا۔"

نائلہ سوچنے لگی تھی کہ اچانک جانے ذہن کے کس گوشے سے نکل کر ایک نام آسیہ کے ہونٹوں پر آ گیا تھا۔

"مہرالنساء۔!"

❁ ❁ ❁

"ہاں۔ مہرالنساء۔" نائلہ خوش ہو کر بولی پھر پوچھنے لگی۔ "آپ جانتی ہیں انہیں؟"

آسیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ وہ خود حیران ہو کر سوچ رہی تھی کہ یہ نام اُس کی زبان پر آیا۔

"کہاں کھو گئیں آپ؟" نائلہ نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو چونکنے کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔

"حویلی میں زیادہ افراد نہیں رہتے۔ بابا جان، بی بی جان اور مہرالنساء۔"

اُسی وقت احمد حسن نے وہیں سے نائلہ کو پکارا تو وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے سکندر چلنے کا کہیں گے۔ تم آؤ ناں کسی دن۔ صبح سے آؤ۔ سارا دن میرے ساتھ..."

"اُف۔ سارا دن آپ برداشت کر لیں گی مجھے۔" نائلہ اُس کے ساتھ بیڈ سے اُترتے ہوئے بو...

"تم آؤ تو۔" اُس نے ہلکے سے نائلہ کا رخسار تھپکا۔

پھر کمرے سے نکل کر آئی۔ تو شاہ سکندر چلنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ اُسے رُکنے کا کہہ... کی امّی سے ملنے اُن کے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں سے آئی تو شاہ سکندر، احمد حسن کے ساتھ باہر نکل... اُس نے نائلہ کو گلے لگا کر خدا حافظ کہا اور اپنے ہاں آنے کی تاکید کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔

"اچھی فیملی ہے۔ بہت پُرخلوص اور مہربان۔" راستے میں وہ ایمانداری سے احمد حسن کے گھر کی تع... کرتے ہوئے بولی۔

"ایسے مخلص لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ ذرا بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا اور نائلہ تو اتنی... ہے کہ۔" وہ اچانک کسی خیال کے تحت ایک لمحے کو چپ ہوئی پھر ایک دم شاہ سکندر کا بازو... کر بولی۔

"سکندر، مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے، نائلہ، عدیل بھائی کے لیے کیسی رہے گی۔ وہ کہیں انگیج... ہے ناں؟"

شاہ سکندر نے مسکرا کر اُسے دیکھا پھر یونہی ذرا سا سر ہلا کر بولا۔

"ساری بہنوں کے جذبات اپنے بھائیوں کے لیے یکساں ہوتے ہیں۔ جہاں کسی اچھی لڑکی... فوراً بھائی کا خیال آ گیا۔ بے چارے شوہروں کا خیال کسی کو نہیں آتا۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" وہ جو اُس کا بازو تھامے بیٹھی تھی اُس میں ناخن چبھو کر بولی۔

"اُف، ظالم بیوی۔ مجھے جوابی کارروائی پر مجبور مت کرو۔ ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔" وہ اس کی گ... سے بازو چھڑا کر پھر اس کی گردن میں ڈالنا چاہتا تھا کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

"راستے میں ایسی حرکتیں میں پسند نہیں کرتی۔"

"پہل تمہاری طرف سے ہوئی تھی۔" وہ اُس کی گردن میں بازو نہیں ڈال سکا تو بالوں کو ہا... جھٹکا دے کر بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ گھورنے لگی۔

"بہت کچھ۔ تفصیل گھر جا کر بتاؤں گا۔ اس وقت تم اپنی بات کرو کیا کہہ رہی تھیں۔ عدیل... اور نائلہ۔" وہ اُس کی کھلی آنکھوں میں ایک نظر ڈال کر کہنے لگا۔ "اچھا خیال ہے لیکن۔"

"لیکن کیا؟" وہ فوراً بول پڑی۔

"ایک منٹ۔" شاہ سکندر نے پہلے گاڑی پارک کی۔ پھر اُس کے ساتھ اپارٹمنٹ کی سی... چڑھتے ہوئے کہنے لگا۔

"نائلہ ابھی پڑھ رہی ہے اور میرا خیال ہے مزید دو سال تک احمد حسن اور آنٹی اُس کی ش... نہیں سوچیں گے۔"

"نائلہ کو پڑھنے سے کوئی نہیں روکے گا۔ میں کل امّاں جی سے بات کروں گی۔" وہ لاک ک... اندر داخل ہوتے ہوئے کہنے لگی "بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

شاہ سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ یوں جیسے سُنا ہی نہیں اور سیدھا چلتا چلا گیا۔ وہ... بند کر کے اُس کے پیچھے آئی تو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رُک کر ہاتھوں، کانوں اور گلے سے زیو... ہوئے کہنے لگی۔

"بس سکندر، ہم نے بہت گھوم پھر لیا۔ بہت دعوتیں اُڑا لیں۔ اب ہمیں اپنی زندگی میں سیٹ ہونا چاہیے۔"

شاہ سکندر نے کوٹ ہینگر کرتے ہوئے رُک کر اُسے دیکھا پھر قصداً خاموش رہ کر اُس کی طرف سے وضاحت کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ بڑے آرام سے زیورات دراز میں ڈال کر واش روم میں چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تب بھی اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ جس سے وہ یہی سمجھا کہ اُس کا دھیان کہیں اِدھر اُدھر ہو گیا ہے جبکہ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اپنی زندگی میں سیٹ ہونے سے اُس کا کیا مطلب ہے۔ بھی پہلے ڈریس چینج کر کے آیا پھر آرام سے بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم کیسی سیٹنگ ہونی چاہیے۔"

"میرا مطلب اپنے اپنے کام سے لگنے کا ہے۔ یوں وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔ آپ کو جو بھی کاروبار کرنا ہے اُس کا سوچیں اور میں ہاؤس جاب۔" بات ابھی اُس کے ہونٹوں میں تھی کہ وہ فوراً بول پڑا۔

"نہیں۔"

"کیا نہیں؟" وہ کچھ سمجھی نہیں اور کچھ حیران ہو کر دیکھنے لگی تھی۔

"تم ابھی کچھ نہیں کرو گی۔ ہاؤس جاب بھی نہیں۔" وہ قطعیت سے کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"کیوں؟" اُس کی حیرت میں قدرے اُلجھن بھی شامل ہو گئی۔

"بس میں نہیں چاہتا کہ تم ابھی سے گھر کے علاوہ دوسری مصروفیات میں اُلجھ جاؤ بلکہ جب تک میں پوری طرح اسٹیبلش نہیں ہو جاتا تم سوچنا بھی نہیں۔ اسے تم میری خواہش سمجھ لو اور مجھے یقین ہے کہ تم میری خواہش کا احترام ضرور کرو گی۔" حتمی انداز میں کہتے ہوئے آخر میں شاہ سکندر اُسے دیکھ کر مسکرایا۔

اور وہ مسکرانے کی کوشش میں ناکام ہو کر سر جھکا گئی تھی۔

شاہ سکندر نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اُسے کام کے سلسلے میں کچھ دوستوں سے ملنا ہے۔ اس لیے وہ اس وقت اُسے ابا جی کے گھر اُترنے پر اصرار کرے بلکہ اُس کی طرف سے معذرت بھی کرے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر وہ احتجاج کرتی اس لیے جب اُس نے ابا جی کے گھر کے سامنے گاڑی روکی تو وہ اُتر کر اُس کی واپسی کا پوچھنے لگی۔

"دوپہر کے کھانے تک آ جائیں گے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ تم بہرحال کھانے پر انتظار نہیں کرنا۔ اوکے۔" وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلاتا گاڑی بڑھا لے گیا تو کچھ دیر اُس کے پیچھے دیکھنے کے بعد وہ اندر آ گئی۔ ابا جی اور عدیل بھائی حسبِ معمول برآمدے میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ اُس نے قریب آ کر سلام کیا تو دونوں چونکے اور عدیل بھائی فوراً کھڑے ہو کر گیٹ کی طرف دیکھنے لگے۔

"سکندر بہت عجلت میں تھے اس لیے نہیں آ سکے۔ معذرت کر رہے تھے۔ آپ بیٹھیں ناشتا کریں۔" اُس نے عدیل بھائی کے انداز سے سمجھ کر کہا۔

"تم نے ناشتا کیا؟" ابا جی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ابا جی۔ ناشتا کر کے آ رہی ہوں۔ امّاں جی کمرے میں ہوں گی؟" وہ جواب دینے کے ساتھ امّاں جی کا پوچھتے ہوئے ان کے کمرے میں آ گئی۔

"السلام علیکم امّاں جی۔"

"جیتی رہو، خوش رہو۔ بڑی عمر ہے تمہاری۔ ابھی میں تمہیں یاد کر رہی تھی۔" امّاں جی اُسے دیکھ کر کھل اُٹھیں۔

"خیریت۔ صبح ہی صبح کس سلسلے میں یاد کر رہی تھیں۔" وہ اُن کے گلے لگ کر پوچھنے لگی۔

"روزانہ یاد کرتی ہوں، بلکہ صبح آنکھ کھلتے ہی پہلا خیال تمہارا آتا ہے۔ خوش تو ہو ناں؟" اماں جی نے بہت محبت سے اُس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا۔

"جی۔"

"اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے، ہمیشہ خوش رہو۔" اماں جی نے اُس کی پیشانی چوم لی پھر لگیں۔ "سکندر کہاں؟ تمہارے ابا جی کے پاس ہے"

"نہیں اماں جی، انہیں کام تھا باہر ہی سے چلے گئے ہیں۔" اُس نے جواب دیا تھا کہ میمونہ سنتی ہوئی آگئیں۔

"بہت غلط کیا، ایک کپ چائے پینے میں کیا دیر لگتی۔"

"السلام علیکم۔ لائیے چائے مجھے پلا دیں۔" اُس نے میمونہ بھابی کے ہاتھ سے چائے کا کپ پھر پوچھنے لگی۔ "یہ کس کے لیے ہے؟"

"تمہارے لیے۔ اور اگر ناشتا کرنا ہو تو میرے ساتھ آؤ۔" میمونہ بھابی جاتے جاتے رُک کر

"شکریہ بھابی۔ ناشتا کر چکی ہوں۔ آپ بچوں کو کرائیں۔" اُس نے کہا تو میمونہ بھابی ہوئے بولیں۔

"بس بڑا بچہ رہ گیا ہے۔ چھوٹے تو اسکول جا چکے۔"

اُس نے مسکرا کر کپ ہونٹوں سے لگا لیا اور اُن کے جانے کے بعد اماں جی سے پوچھنے لگی۔

"بڑے بھیا ٹھیک ہیں اماں جی، آفس چلے گئے کیا؟"

"نہیں آج کل دیر سے جاتا ہے۔" اماں جی نے بتایا تو وہ کیوں کہتے کہتے رہ گئی۔ معاً سائرہ خیال آگیا تھا۔ اور وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

"میں آتی ہوں اماں جی۔"

"ارے چائے تو آرام سے پی لو۔" اماں جی نے ٹوکا لیکن وہ ان سُنی کرتی اُن کے کمرے سے نکل سیڑھیاں چڑھ گئی۔ کھلی چھت پر سردیوں کی چمکتی ہوئی دھوپ میں بڑے بھیا اخبار مصروف تھے۔ اُس نے قریب جا کر سلام کیا تو وہ اسے دیکھ کر خوش دلی سے بولے۔

"وسلام، کیسے ہو بیٹا، آؤ بیٹھو۔" پھر اخبار رکھ کر وہیں سے پکارا۔

"سائرہ! آسیہ کے لیے بھی ناشتا۔"

"نہیں نہیں، بھابی جان۔" وہ بھی بے اختیار وہیں سے چلائی پھر بھاگ کر کچن میں جا کر ملی اور انہیں اپنے ناشتے کا منع کر کے دوبارہ بڑے بھیا کے پاس آکر بیٹھی تو اُسے اُن میں تبدیلی نظر آئی۔ جیسے روٹھی ہوئی بہاریں لوٹ آئی ہوں۔ اُن کے چہرے پر قلبی سکون کا تھا۔ آنکھوں میں وہی چمک اور ہونٹوں سے مسکراہٹ جُدا نہیں ہو رہی تھی۔ جسے دیکھنے اُس کی آنکھیں ترس گئی تھیں بلکہ شاید جب سے اُس نے ہوش سنبھالا تھا انہیں اتنا خوش تھا۔ نبیلہ بھابی کے ساتھ ہو سکتا ہے ابتدائی دنوں میں وہ خوش رہے ہوں۔ بہر حال یاد نہیں نے تو ہمیشہ انہیں ایک مجرمانہ احساس میں گھرے ہوئے دیکھا تھا۔ نہ اونچی آواز میں بولتے بغیر ناشتا کیے چپ چاپ گھر سے نکل جاتے اور اکثر اُن کی واپسی بھی ایسے ہی ہوتی تھی۔ کسی کو چلتا تھا کہ وہ کب آئے۔ پھر نبیلہ بھابی کو طلاق دے کر تو وہ اور زیادہ ڈسٹرب ہوگئے سے لگنے لگے تھے۔ جس پر میمونہ بھابی نے کہا تھا کہ اُن کی فوراً شادی کرانی پڑے گی۔ اس یاد آنے پر وہ بے ساختہ مسکرائی اور دزدیدہ نظروں سے انہیں کچن کی طرف جاتے دیکھ کر ہوئی۔ اس وقت نبیل کا ذکر چھیڑنا اُسے مناسب نہیں لگا۔ حالانکہ اتنی جلدی وہ اسی مقصد تھی، لیکن مصلحتاً خاموشی اختیار کر کے نیچے چلی آئی۔

زندگی میں کبھی کبھی یوں بھی سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں کہ وہ جس نے نبیل کو صرف جنم نہیں باقی ماں کے سارے تقاضے تو اسی نے نبھائے تھے پھر بھی مصلحت کا دامن تھامنے

کہیں نبیل کا نام سن کر بڑے بھیا کا ہنستا مسکراتا چہرا تاریک نہ ہو جائے۔

دوپہر میں جب احمر اور سونیا اسکول سے آتے تو انہیں دائیں بائیں اپنے بازوؤں میں سمیٹے ہوئے بھی اُسے نبیل شدت سے یاد آیا کس خاموشی سے وہ اپنی باری کا انتظار کرتا تھا۔ جب اُس کی نظر پڑتی تو وہ احمر کو ایک طرف کر کے اُسے اپنے ساتھ لگا لیتی تھی۔ کبھی کبھی ٹوکتی بھی تھی کہ تم ان دونوں سے پہلے بھاگ کر آیا کرو۔ اور وہ بھاگتا بھی تھا پھر جانے کیوں رُک جاتا۔ ماں باپ کی عدم توجہی اور لڑائی جھگڑے نے اُسے سہما کر رکھ دیا تھا کہ وہ بہت کوشش کے باوجود اُس کے اندر دوسرے بچوں جیسا اعتماد پیدا نہیں کر سکی تھی۔

کھانے کے بعد جب میمونہ بھابی فراغت سے اُس کے پاس آکر بیٹھیں تب وہ اُن سے پوچھنے لگی۔

"بڑے بھیا نبیل کو لینے گئے تھے؟"

"نہیں۔ نبیلہ بیگم نے صاف منع کروا بھیجا ہے کہ نبیل کو لینے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اب اُن کے پاس رہے گا۔" میمونہ بھابی نے بتایا تو وہ دبے دبے لہجے میں چیخ پڑی۔

"تو اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا؟"

"ہمارا تمہارا اعتراض کوئی معنی نہیں رکھتا بی بی۔ کیونکہ بڑے بھیا بخوشی ان کی بات مان گئے ہیں۔" میمونہ بھابی کو افسوس تھا۔

"کیا؟" دُکھ اور تاسف سے اُس کی آواز پھٹ گئی۔ "بڑے بھیا مان گئے؟"

"ہاں، بڑے آرام سے کہہ رہے تھے کہ ٹھیک تو ہے وہ اس کی ماں ہے۔ اُن سے زیادہ حق رکھتی ہے۔" میمونہ بھابی نے قدرے طنز سے کہہ کر سر جھٹکا پھر اُس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگیں۔

"تم ابھی نہیں سمجھو گی۔ مرد پیدائشی خود غرض ہوتا ہے۔ صرف اپنی خوشی چاہتا ہے اور اس میں کسی کی شراکت بھی برداشت نہیں کرتا۔ پھر بے چارے بڑے بھیا کو تو اب کہیں جا کر ناز اُٹھانے والی بیوی ملی ہے۔ اس لیے اُن کی نبیل کی طرف سے لاپروائی کم از کم میری نظر میں قابل گرفت نہیں ہے۔ اور میں تم سے بھی یہی کہوں گی کہ اس مسئلے کو مت اُٹھاؤ۔ نبیل ماشاء اللہ سمجھدار ہے۔ تین چار سال میں خود ہی یہاں آنے جانے لگے گا۔"

"یہ تو بعد کی بات ہے بھابی۔ ابھی آپ کو نہیں پتا وہ کتنا بیمار ہے۔" وہ بے حد تشویش سے بولی۔

"تمہیں کیسے پتا؟" میمونہ بھابی نے چونک کر پوچھا تو اُس نے نبیلہ بھابی کو فون کرنے اور اُن سے ہونے والی تمام گفتگو کہہ سنائی۔ جس پر میمونہ بھابی بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

"تو اس لیے نبیل اسکول نہیں جا رہا۔ اُس کا نام بھی کٹ چکا ہے۔ اور میں یہ سمجھتی رہی کہ نبیلہ بھابی نے اُسے کسی اور اسکول میں ڈال دیا ہوگا۔ بہر حال ہے تو تشویش کی بات لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا بھابی۔ بتائیے میں کیا کروں؟" اُس نے اتنی عاجزی سے میمونہ بھابی کے ہاتھ تھامے کہ وہ کچھ دیر تک اُسے دیکھتی رہیں پھر کتنی دیر سوچنے کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

"دیکھو آسیہ۔ تمہاری ابھی شادی ہوئی ہے۔ شاہ سکندر ہرگز نہیں چاہے گا کہ تم خود کو میکے کے مسئلوں میں اُلجھاؤ۔ تمہاری ساری توجہ اُسی کی طرف ہونی چاہیے کیونکہ وہ تمہاری خاطر سب چھوڑ آیا ہے اور ایسا مرد اگر بیوی سے سب کو چھوڑ دینے کی توقع نہیں رکھتا تو بھی یہ ضرور چاہتا ہے کہ اُس کی ہر ارادی و غیر ارادی سوچ پر صرف وہ قابض ہو۔ اس لیے تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کم از کم شاہ سکندر کے سامنے۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔"

وہ اثبات میں سر بھی نہیں ہلا سکی بس چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

"اور رہا نبیل، تو یہ سچ ہے کہ وہ سب سے زیادہ تم سے اٹیچ رہا ہے" اور تمہاری دوری کو ہی اُس نے دل پر لے لیا ہے۔ جبھی ٹھیک ہو کے نہیں دے رہا۔ اب یہ ہو سکتا ہے کہ تم اُس سے فون پر رابطہ رکھو۔ وہ تمہاری بات مانتا ہے اور تمہاری ناراضگی سے بھی خائف رہتا ہے۔ پتا ہے جب وہ

یہاں تھا تو میں اُس کو یہ کہہ کر دوائی پلاتی تھی کہ اگر تم نے دوائی نہیں پی تو پھوپھو ناراض ہوں گی۔ وہ فوراً پی لیتا تھا۔ تم اسی طرح وقتاً فوقتاً اُسے بہلاؤ۔ حوصلہ دو اُسے۔ مجھے لگتا ہے وہ تمہاری سن کر ہی جی اُٹھے گا۔ بہت پیار کرتا ہے تم سے۔ ہے ناں" میمونہ بھابی نے اُسے گم صم حالت سے نکالنے کے لیے ——————— آخر میں زور سے اُس کا ہاتھ دبایا۔

وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"میں جانتی ہوں۔ سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"جی نہیں، سب میں، میں شامل نہیں ہوں۔" میمونہ بھابی کی شوخی فوراً لوٹ آئی۔ پتا نہیں اتنی سنجیدہ گفتگو کیسے کر لی تھی انہوں نے۔

"آپ بھی شامل ہیں۔" وہ زور دے کر بولی تو میمونہ بھابی کھلکھلا کر ہنسیں۔ تبھی برآمدے سے عدیل بھائی کے پکارنے پر وہ ہنسی روک کر کچھ تعجب سے بولیں۔

"یہ عدیل اس وقت کیسے آ گیا۔"

"آسیہ" دوسری آواز کے ساتھ ہی عدیل بھائی کمرے میں آ گئے۔

"جی بھائی" وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"وہ۔ دیکھو تمہیں ابا جی بلا رہے ہیں۔"

عدیل بھائی جس طرح رُک رُک کر بولے اُس سے وہ سمجھ گئی کہ اُسے وہاں سے ہٹانا مقصود تھا اور اگر وہ صاف لفظوں میں کہتے تو وہ متجسس نہ ہوتی بلکہ چپ چاپ چلی جاتی جبکہ اب دروازے تک جا کر فوراً پلٹی تھی۔

"میں آسیہ کو لے کر ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ شاہ سکندر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" عدیل بھائی بہت آہستہ آواز میں میمونہ بھابی کو بتا رہے تھے۔

آسیہ نے متوقع چیخ کو روکنے کے لیے ایک ہاتھ ہونٹوں پر اور دوسرے ہاتھ سے چوکھٹ کا سہارا لیا تھا۔

بی بی جان کا معمول تھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد تسبیح لے کر جو بڑے کمرے میں بیٹھتیں تو پھر دن ڈھلنے تک اُن کی بیٹھک وہیں رہتی تھی۔ اس دوران مزارعوں کی عورتیں انہیں سلام کرنے آتیں اور اسی بہانے اپنے دکھ سکھ انہیں سنا جاتی تھیں۔ کسی وقت کوئی بھی آ بیٹھتی۔ یہی اُن کی روٹین تھی لیکن اُس روز وہ اپنے کمرے سے نکلی ہی نہیں۔ بڑی بہو ناشتے کا کہنے آئیں تو خلافِ معمول بڑے کمرے کے بجائے اُدھر دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگیں۔

"بی بی جان خیر تو ہے؟"

"خیر ہے بیٹی۔ بس پتا نہیں کیوں دل گھبرا رہا ہے۔" بی بی جان نے انہیں تسلی دینے کے ساتھ اپنی کیفیت بھی بتا ڈالی۔

"چلیں آپ آرام کریں۔ میں ناشتا یہیں لے آتی ہوں۔" بڑی بہو جانے لگیں کہ وہ بولیں۔

"نہیں میرے لیے کچھ مت لاؤ، میرا دل نہیں چاہ رہا۔ تم سب آرام سے ناشتا کرو پھر مہرو کو میرے پاس بھیج دینا۔"

"جی اچھا۔" بڑی بہو چلی گئیں اور بی بی جان مہرالنساء کی شادی سے دن اور مہینے انگلیوں پر گننے میں لگ گئیں۔ غالباً حساب لگا رہی تھیں کہ مہرالنساء کی ڈیلیوری میں کتنے دن باقی ہیں۔ اس خاندان کے رواج کے مطابق دو مہینے پہلے ہی مہرالنساء کو اپنے میکے چلے جانا تھا اور بچے کی پیدائش تک وہیں رہنا تھا لیکن اُس نے خود ہی منع کر دیا تھا۔ بس جس روز سے اُس نے شاہ جہانگیر پر شاہ سکندر رہے باتیں کرتے سُنا تھا تب سے وہ کچھ اپنی منوانے لگی تھی۔ آخر کہیں تو اُسے

جتانی تھی۔ شاہ جہانگیر پر تو بس نہیں چلا تھا نہ وہ اُس کی دھمکی سے مرعوب ہوئے تھے۔ بہرحال جب اُس نے میکے جانے سے منع کر دیا تو ظاہر ہے کوئی زبردستی نہیں تھی۔ البتہ بی بی جان اُس کی طرف سے فکرمند رہنے لگی تھیں کہ ایک تو پہلا بچہ تھا دوسرے وہ اپنا خیال نہیں رکھتی تھی۔ کھانے پینے سے حد درجہ لاپروائی کی بنا پر بہت کمزور بھی ہو گئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر جب بھی چیک اپ کے لیے آتی اُس کی کمزوری کا سبب خوراک کی کمی بتاتی تھی۔ پھر بی بی جان سے کہتی کہ اُسے زبردستی کھلائیں پلائیں ورنہ کیس میں مشکل ہو گی۔ اور بی بی جان اُس پر ہر حربہ آزما چکی تھیں۔ آرام سے، پیار سے اور کسی وقت بُری طرح ڈانٹتی بھی تھیں لیکن اُس کا ایک ہی جواب ہوتا۔

"بس میرا دل نہیں چاہتا۔"

"آخر کیا چاہتا ہے تمہارا دل؟" ایک بار بی بی جان نے اسی طرح غصے میں پوچھ لیا تھا اور جواب میں اُس نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ بی بی جان اپنے آپ مجرم سی بن گئی تھیں۔ اُس کے بعد انہوں نے اُسے ٹوکنا چھوڑ دیا لیکن اُس کی فکر ہر وقت رہتی تھی۔

گزشتہ ہفتے جب لیڈی ڈاکٹر آئی تھی تو اُس نے مہرالنساء کی ڈیلیوری میں بیس بائیس دن بتلائے تھے۔ اور آج کے دن اُسے ڈرپ لگانے کا کہا تھا۔ کچھ دیر میں اُس کی آمد متوقع تھی کہ وہ یہیں اُن کے پاس لیٹ جائے گی۔ اصل میں وہ اُس کے ساتھ ساتھ اپنا دھیان بھی بٹانا چاہتی تھیں۔ جانے کیوں صبح سے دل گھبرا رہا تھا۔ بابا جان بھی کل سے شاہ جہانگیر کے ساتھ زمینوں پر گئے ہوئے تھے اور اپنی واپسی کے بارے میں بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

"لیں بی بی جان یہ دودھ پی لیں۔ گلوکوز ملا کر لائی ہوں۔" بی بی جان نے ناشتے کو منع کیا تھا تو بڑی بہو دودھ کا گلاس لے کر آ گئی تھیں۔

"خوش رہو۔" بی بی جان محض اُن کا دل رکھنے کی خاطر گلاس تھامنا چاہتی تھیں کہ مہرالنساء کی دلدوز چیخ سے دودھ کا گلاس دینے اور لینے والے ہاتھوں کے درمیان سے نیچے جا رہا۔

"الٰہی خیر۔" بی بی جان نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ تبھی جیراں بھاگتی ہوئی آئی۔

"وڈی بی بی، وہ چھوٹی بی بی سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔"

"کون مہرو۔" بڑی بہو بھاگ گئیں اُن کے پیچھے حواس باختہ بی بی جان تھیں۔

مہرالنساء کا جانے کون سی سیڑھی پر پاؤں مڑنے سے توازن بگڑا تھا کہ وہ فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔ بی بی جان کے سچ مچ ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ ایک تو وہ پورے دنوں سے تھی دوسرے کوئی ہاسپٹل بھی قریب نہیں تھا۔

بڑی بہو نے جیراں کی مدد سے مہرو کو اُٹھا کر وہیں صوفے پر لٹایا پھر پریشان کھڑی بی بی جان سے کہنے لگیں۔

"بی بی جان۔ آپ دیکھیں اسے۔"

"ارے میں کیا دیکھوں۔ وہ ڈاکٹر آنے ہی والی تھی۔ پتا کراؤ اُس کا۔ شاہ سکندر کہاں ہے۔ بھیجو اُسے۔" گھبراہٹ میں بی بی جان کے ہونٹوں پر شاہ سکندر کا نام آیا تھا۔

مہرالنساء بے ہوشی کے عالم میں ہی کراہنے لگی۔ شاید وجود میں درد کی لہریں اُٹھنے لگی تھیں۔ بڑی بہو نے جیراں کو بیٹے کے کمرے کی طرف دوڑایا کہ شاہ یونس حیات کو بلا لائے اور اتفاق سے اسی وقت ڈاکٹر آ گئی۔ بڑی بہو نے فوراً اُسے مہرالنساء کے سیڑھیوں سے گرنے کا بتایا تو وہ اسی تیزی سے مہرالنساء پر جھک گئی۔ چیک اپ کے دوران ہی اُس نے سمجھ لیا کہ اب یہ کیس اُس کے اختیار سے باہر ہو چکا ہے۔ بس ایک انجکشن لگایا پھر بی بی جان سے کہنے لگی۔

"زچہ بچہ دونوں کی حالت تشویشناک ہے آپ انہیں کسی ہاسپٹل لے جائیں۔ ہو سکتا ہے آپریشن کرنا پڑے۔"

"میرا صبح سے دل گھبرا رہا تھا۔ کچھ ہونے کو ہے۔" بی بی جان وہیں بیٹھ گئیں۔

"حوصلہ رکھیں بی بی جان!" بڑی بہو نے کہا اور شاہ یونس کو آتے دیکھ کر اُن کے پاس چلی گئیں۔
کچھ دیر بعد بی بی جان اور بڑی بہو، مہرالنساء کو لے کر شہر روانہ ہو رہی تھیں۔ لیڈی ڈاکٹر بھی ساتھ تھی۔ سفر خاصا طویل تھا۔ عام حالات میں ڈھائی تین گھنٹے بھاری لگتے ہیں اور اب تو پر بنی تھی۔ تمام راستہ بی بی جان قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی تھیں۔ انہیں اور بڑی بہو کو پتا نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ ڈاکٹر نے ڈرائیور کی راہنمائی کی تھی۔
اور ایک پرائیویٹ کلینک میں دو دن موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد مہرو نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا تھا۔
"پوتا مبارک ہو بی بی جان! ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے۔ بالکل اپنے باپ پر گیا ہے۔" بڑی بہو نے بچہ بی بی جان کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا تو وہ نہال ہو گئیں۔
"خیر مبارک۔ تمہیں بھی مبارک ہو۔ مہرو کیسی ہے؟"
"مہرو ابھی ٹھیک نہیں ہے۔" بڑی بہو، بی بی جان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔ "اتنی کمزور ہو گئی تھی۔ بالکل سفید پڑی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر پوچھ رہی تھی، اسے کھانے کو نہیں دیتے؟"
"بتاؤ، کھانے کی کمی ہے کیا۔ وہ خود نہیں کھاتی۔" بی بی جان نے ناگواری سے سر جھٹکا پھر بولیں۔
"گھر کب چلنا ہے؟"
"مہرو اُٹھنے کے قابل ہو گی تب تو۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھی کم سے کم ایک ہفتہ لگے گا۔" بڑی بہو نے بتایا تو بی بی جان اچنبھے سے بولیں۔
"اتنے دن۔"
"کیا کریں مجبوری ہے۔ البتہ آپ جانا چاہیں تو شاہ یونس آئیں گے۔ اُن کے ساتھ آپ چلی جائیے گا۔"
"ہاں۔ میں کہاں اتنے دن گھر چھوڑ کر بیٹھ سکتی ہوں۔" بی بی جان نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

آسیہ کو خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ تمام راستے وہ کسی سہمی ہوئی بچی کی طرح عدیل کا بازو مضبوطی سے تھامے رہی تھی۔ اور عدیل خود بھی پریشان تھے پھر بھی اُسے مسلسل تسلی دیتے رہے۔ پھر اُسے بازو کے حلقے میں لے کر کلینک میں داخل ہوئے تو احمد حسن انہیں دیکھ کر آگے آیا تھا۔
"ارے بھابی، آپ کو کیا ہوا۔ ہمت کریں۔ آپ تو خود۔"
"سکندر کیسے ہیں؟" اُس نے ساری ہمتیں یکجا کر کے ٹوک دیا۔
"ٹھیک ہو جائیں گے۔ چلیں آپ خود دیکھ لیں۔" احمد حسن نے کہتے ہوئے لفٹ کی طرف رُخ کیا تو عدیل پوچھنے لگے۔
"کہاں۔ اوپر ہیں؟"
"ہاں۔ یہاں میٹرنٹی ڈیپارٹمنٹ میں تو نہیں ہو سکتے۔" احمد حسن نے قصداً ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔ جسے نظر انداز کر کے وہ فوراً لفٹ کی طرف بڑھی تھی کہ گردن میں ہلکا سا جھٹکا لگا اور اس کے قدم آپ ہی آپ رُک گئے۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک نرس اسٹریچر دھکیلتی ہوئی جا رہی تھی جس کے کونے میں اُس کا دوپٹہ اُلجھ گیا تھا۔
"سسٹر پلیز" وہ اُسے روک کر اپنا دوپٹہ نکالنے لگی اور اس دوران بس ایک سرسری نظر اسٹریچر پر بے سدھ پڑی لڑکی پر ڈالی۔ اگر اس وقت اُس کا ذہن اس بری طرح متاثر نہ ہوتا تو ایک پل کو ٹھٹکتی ضرور اور پھر "کہاں دیکھا ہے" میں اُلجھتی ہوئی آگے بڑھتی۔ لیکن اُسے اپنا ہوش نہیں تھا۔

"جلدی کرو بی بی۔ ہمیں اور بھی کام ہیں۔" سسٹر نے کہا تو وہ اپنا دوپٹہ کھینچتے ہوئے عدیل بھائی کے پیچھے چل پڑی۔
شاہ سکندر ابھی تک آپریشن تھیٹر میں تھا۔ اور اُسے کہاں کہاں اور کتنی چوٹیں آئی تھیں اس بارے میں احمد حسن بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ تو وہ بے اختیار چیخ پڑی۔
"کیا آپ سکندر کے ساتھ نہیں تھے؟"
"آرام سے آسیہ! تم اس طرح کرو گی تو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں گا۔" عدیل بھائی نے دھیرے سے اُسے ڈپٹا تو اُس نے دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا لیا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن آنسو آپ ہی آپ چھلکے جا رہے تھے۔
"میرے خدا! مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی کم ہمت ہو۔ چلو یہاں بیٹھو۔"
عدیل بھائی نے اُسے کندھوں سے تھام کر بینچ پر بٹھایا پھر اُس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے احمد حسن سے پوچھنے لگے۔
"آپ بتائیں احمد حسن، آپ کو شاہ سکندر کہاں اور کس حالت میں ملے؟"
آسیہ نے احمد حسن کا جواب سننے کے لیے فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر ہاتھ نیچے گرا لیے۔
"مجھے سکندر کہیں نہیں ملا۔ میں تو اپنے آفس میں تھا۔ وہاں ڈاکٹر احسن کا فون آیا اور انہوں نے بتایا کہ سکندر یہاں ہے۔ پھر میں آپ کو فون کرتے ہوئے یہاں آیا تھا۔ اور آسیہ بھابی کو ساتھ لانے کا یوں کہا کہ یہ خود ڈاکٹر ہیں ہم سے زیادہ سمجھ سکتی ہیں لیکن۔" احمد حسن نے یکدم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔
"سنا تم نے، تم ہم سے زیادہ سمجھ سکتی ہو۔ جاؤ معلوم کرو سکندر کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔" عدیل بھائی نے اُس کا کندھا تھپک کر کہا تو اُس نے کاؤنٹر پر کھڑی نرس کو دیکھا پھر مایوسی سے سر ہلا کر بولی۔
"وہ سسٹر کچھ نہیں بتا سکے گی۔ ڈاکٹر باہر آ جائیں۔ اُن سے معلوم کریں گے۔" پھر کسی خیال کے تحت اُٹھ کر کاؤنٹر پر چلی گئی اور سسٹر کو متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔
"سنیں سسٹر! آپریشن تھیٹر میں جو پیشنٹ ہے اُسے کتنی دیر ہوئی ہے۔ آئی مین یہاں آئے ہوئے؟"
"آدھا۔ پون گھنٹہ ہو گیا ہے۔" سسٹر نے گھڑی دیکھتے ہوئے بتایا۔
"کوئی سیریس۔" آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلنے پر اُس کی بات ادھوری رہ گئی اور ڈاکٹر کے باہر آنے کا انتظار کرنے کے بجائے وہ بھاگ کر اندر چلی تو گئی لیکن پھر اُسے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔
شاہ سکندر کا سر اور آدھا چہرا سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ پھر ایک کندھے سے پیٹ تک اور دائیں ٹانگ پلاستر کی قید میں تھی۔
"آسیہ۔" وہ گرنے کو تھی کہ ایک ہاتھ اُس کے کندھے پر آن ٹھہرا۔ "تم آسیہ ہو ناں؟"
"جی۔" اُس نے گم صم انداز میں دیکھا۔ وہ ڈاکٹر عبدالوہاب تھے۔ جن سے پریکٹیکل کے دوران سول ہسپتال میں اُس کی کئی بار ملاقات ہوئی تھی۔ بہت مہربان اور مشفق، جن کے بارے میں وہ کہا کرتی تھی کہ اگر کبھی میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گئی تو میری آخری امید ڈاکٹر عبدالوہاب ہوں گے۔
"سسٹر۔" فوراً اسی گم صم انداز میں اُس نے شاہ سکندر کی طرف اشارہ کیا تو وہ پوچھنے لگے۔
"یہ آپ کے ساتھ ہو رہا؟"
"جی۔"
"ڈونٹ وری۔ ہی از آؤٹ آف ڈینجر۔ (یہ خطرے سے باہر ہے) کم آن گرل، بی بریو۔" ڈاکٹر وہاب اس کا کندھا تھپک کر بولے پھر اسی طرح اُسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے آپریشن تھیٹر سے باہر آئے تو منتظر کھڑے عدیل اور احمد حسن سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

آسیہ نے ذرا سا سر ہلا کر انہیں اطمینان دلایا تھا۔

پھر شاہ سکندر کو کمرے میں منتقل کرنے تک وہ ایک طرف چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔ اُن کا ابھی تک کام نہیں کر رہا تھا اور اندر گہری خاموشی چھائی تھی۔ عدیل بھائی شاید ڈاکٹر عبدالوہاب کے اُن کے کمرے میں چلے گئے تھے اور احمد حسن میل نرسز کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے کو کمرے کی طرف لے جایا گیا تب بھی وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی، پھر عدیل بھائی نے اُسے اُٹھایا تھا۔

رات میں میمونہ بھابی اور خلیل بھائی آ گئے اور آسیہ کے حالات کے پیش نظر انہوں نے بہت اُسے اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہا۔ عدیل بھائی نے بھی بہت زور دیا لیکن وہ نہیں مانی اور وہ پوری اُس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر گزاری تھی۔ صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے شاہ سکندر کو ذرا سا ہوش آیا تو وہ اسی انتظار میں بیٹھی تھی۔ فوراً اُٹھ کر اُس پر جھک گئی۔

"سکندر! آپ ٹھیک ہیں ناں؟"

شاہ سکندر ایک آنکھ ذرا سی کھول کر کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر آنکھ بند کر لی تو اُس نے آہستہ سے ہاتھ تھام کر پکارا۔

"سکندر!" پھر اُس کی نبض چیک کی اور قدرے مطمئن سی ہو کر اُس کے پاس سے ہٹ آئی۔ بعد ہی اندھیرے چھٹنے لگے اور کھڑکی کے شیشوں پر اجالے کی دستک کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں اُترنے لگی تو اُس نے واش روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ ابھی بھی وہ سونا نہیں لیکن نیند غالب آ رہی تھی جسے بھگانے کے لیے وہ ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ بہت مشکل گھڑی سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ سر الگ درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ دروازے کے باہر قدموں کی آواز تو وہ رُک کر دیکھنے لگی۔

عدیل بھائی کے ساتھ ڈاکٹر عبدالوہاب اندر آئے تھے۔ اُس پر نظر پڑتے ہی مسکرا کر بولے۔

"گڈ مارننگ۔ کیسا ہے تمہارا پیشنٹ؟"

"سر! ایک گھنٹہ پہلے انہیں ہوش آیا تھا۔ بس تھوڑی دیر کے لیے۔" اُس نے قریب آ کر بتایا۔ صاحب کوئی تبصرہ کیے بغیر شاہ سکندر کو چیک کرنے میں لگ گئے۔ پھر سسٹر کو ہدایات دینے کے بعد عدیل بھائی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ گو کہ چوٹیں کافی آئی ہیں لیکن شکر کریں کوئی گہری چوٹ نہیں۔" پھر آسیہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگے۔ "آپ اس کے کون ہیں؟"

"بھائی۔" عدیل اس غیر متوقع سوال پر اُسے دیکھ کر بولے تھے۔

"بڑے یا چھوٹے؟" ڈاکٹر صاحب انتہائی سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے جس پر عدیل کو بھی جواب دینا پڑا۔

"بڑا۔"

"کیسے بڑے بھائی ہیں جو انہیں ڈانٹ نہیں سکتے۔ ان کی حالت دیکھ رہے ہیں آپ۔ فوراً پہنچائیں ورنہ اس مریض کی جگہ یہ لیٹی نظر آئیں گی۔"

ڈاکٹر وہاب عدیل کو تنبیہ کرنے کے بعد اُس سے قدرے رُعب سے بولے۔

"چلو آسیہ گھر جاؤ۔ آرام کرو اور پھر فریش ہو کر یہاں آنا۔"

"میں ٹھیک ہوں سر۔" وہ کمزور سی آواز میں بولی۔

"کوئی ٹھیک نہیں ہو۔" ڈاکٹر صاحب سے پہلے عدیل بھائی بول پڑے۔ "ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چلو میں تمہیں گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔"

وہ بے بسی سے شاہ سکندر کو دیکھنے لگی۔ دل کسی طرح بھی اُس کے پاس سے جانے کو تیار

پھر ملتجی نظروں سے عدیل بھائی کو دیکھا تو وہ اُس کی کیفیت سمجھنے کے باوجود چلنے کا اشارہ کرنے لگے۔

میمونہ بھابی سے کہہ کر سوئی تھی کہ اُسے دو گھنٹے بعد اُٹھا دیں۔ غالباً اُس کے خیال میں دو گھنٹے کی نیند اُسے فریش کر دے گی اور میمونہ بھابی نے ہامی تو بھر لی تھی لیکن اُٹھایا نہیں کیونکہ عدیل سختی سے منع کر گئے تھے۔ پھر وہ خود بھی اُس کی حالت دیکھ رہی تھیں، بھوکی پیاسی رات بھر کی جاگی ہوئی۔ اماں جی نے زبردستی اُسے ناشتا کرایا تھا اور پھر جو وہ دو گھنٹے کا کہہ کر سوئی تو دوپہر ڈھلنے پر ہی اُٹھی تھی اور زندگی میں پہلی بار میمونہ بھابی سے اُلجھ پڑی۔

"آپ کو پتا ہے میں سکندر کو کس حال میں چھوڑ کر آئی تھی پھر آپ نے مجھے اُٹھایا کیوں نہیں۔ بہت فکر ہے میری۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

میمونہ بھابی اُس کے تیز بولنے پر بالکل خاموش رہیں۔ ایک لفظ نہیں کہا۔ یہاں تک کہ اُسے خود احساس ہو گیا۔ خاموش ہوئی تو آنسو بہنے لگے۔

"دیکھو، رومت۔ بے شک گالیاں دے لو مجھے۔" میمونہ بھابی نے فوراً ٹوکا۔

"بات نہیں کریں مجھ سے۔" وہ روٹھے لہجے میں کہتے ہوئے اُن کے پاس سے اُٹھ گئی۔ ابا جی بھی ہاسپٹل گئے ہوئے تھے۔ اس لیے اُسے انتظار کرنا پڑا کہ عدیل بھائی انہیں چھوڑنے آئیں گے تب وہ اُن کے ساتھ جائے گی۔ اس دوران میمونہ بھابی نے اُسے کھلانے کے بعد چائے اور ساتھ میں اپنی باتوں سے بہت حد تک اُسے ذہنی انتشار سے نجات دلا دی تھی کہ پھر وہ سکندر کے پاس بہت نارمل حالت میں گئی تھی۔

شاہ سکندر کو مکمل ہوش میں آنے میں تین دن لگے تھے۔ اور اسی روز اُس کے سر اور چہرے کی بینڈیج کھول دی گئی۔ چہرے پر معمولی زخم تھے البتہ سر میں کافی ٹانکے آئے تھے۔ آسیہ نے ڈاکٹر وہاب کے کہنے پر خود معائنہ کیا پھر مطمئن سی ہو کر بولی تھی۔

"میرا خیال ہے سر! یہ زخم جلدی بھر جائیں گے۔"

"ہوں، جب میں یہ بات کہہ رہا تھا تو تم یقین کیوں نہیں کر رہی تھیں؟" ڈاکٹر وہاب نے مسکرا کر کہا تو وہ قدرے سٹپٹا گئی۔

"میں ان کی بے ہوشی سے خائف تھی۔"

"اب تو مطمئن ہو ناں؟"

"یس سر۔" وہ شاہ سکندر کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"گڈ۔" ڈاکٹر وہاب نے اپنے مشفق انداز میں ہلکے سے اُس کا سر تھپکا پھر شاہ سکندر کو دیکھ کر کچھ محظوظ انداز میں اُس سے کہنے لگے۔ "ہمارے ہاں جب لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے تو پھر وہ صرف بیوی بن کر رہ جاتی ہیں۔ گزشتہ تین دنوں سے میں اس لڑکی کو دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔ کسی ایک لمحے بھی یہ وہ نظر نہیں آئی جیسا میں اسے پریکٹیکل کے دوران دیکھتا تھا۔ بہت ایکٹو، بہت اسمارٹ۔ اور ابھی اگر میں اسے ایک انجکشن بھی تیار کرنے کو کہتا تو یہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ بھول گئی کہ یہ ایک ڈاکٹر بھی ہے۔"

مبہم مسکراہٹ سے شاہ سکندر کے ہونٹ ذرا سے پھیلے تھے۔ جبکہ آسیہ نے قدرے جھینپ کر سر جھکا یا تو ڈاکٹر وہاب جاتے جاتے بولے تھے۔

"یہ اچھی بات ہے لیکن اس سے اچھی بات یہ ہو گی کہ تم بیوی کے ساتھ اپنا ڈاکٹر ہونا بھی یاد رکھو۔"

آسیہ نے پلکیں اُٹھا کر ڈاکٹر صاحب کو جاتے ہوئے دیکھا پھر احتیاط سے شاہ سکندر کے پاس بیٹھی اور اُس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر آہستگی سے پوچھنے لگی۔

"آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟"

"تم پاس ہو تو کوئی غم، کوئی تکلیف نہیں۔" شاہ سکندر اُس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں مجھے

اس حال میں دیکھ کر تمہیں دُکھ ہو رہا ہے لیکن میں نے جان بوجھ کر تمہیں دُکھ نہیں دیا۔"

"بس آپ زیادہ باتیں نہیں کریں۔" آسیہ نے اسے بولنے سے روک دیا پھر خیال آنے پر کہنے لگی: "سکندر! ہمیں جہانگیر بھائی کو اطلاع دینی چاہیے نہیں تو بعد میں وہ ناراض ہوں گے۔"

شاہ سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا اور یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے اب اس میں بولنے کی سکت نہ ہو۔ وہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی پھر اسی احتیاط سے اس کے پاس سے اٹھ گئی اور اپنے آپ سے کہنے لگی کہ وہ شاہ جہانگیر کو فون ضرور کرے گی۔ آخر وہ سکندر کے بڑے بھائی ہیں اور ناراض بھی نہیں ہو سکتا ہے اسی بہانے بی بی جان اور بابا جان بھی آجائیں۔ شاید قسمت میں ان سے ملنے اور ان کو منوانے کا یہی بہانا لکھا ہو۔ اتنے سنگدل تو وہ نہیں ہو سکتے کہ شاہ سکندر کے ایکسیڈنٹ کا سن کر بھی نہ آئیں۔ ضرور آئیں گے۔

کھڑکی کی چوکھٹ پر دونوں کہنیاں ٹکائے نیچے دیکھتے ہوئے وہ مسلسل اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ سیاہ چمکتی ہوئی لمبی سی گاڑی میں بیٹھی لڑکی پر نظر پڑتے ہی اس کے ذہن کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اس نے مزید آگے جھک کر اس لڑکی کا پورا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی کیونکہ لڑکی اپنی گود میں نوزائیدہ بچے کو دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ اسے گرد و پیش کا بالکل ہوش نہیں تھا یا وہ قصداً پرواہ نہیں کر رہی تھی۔

"کون ہے؟ کہیں دیکھا ضرور ہے۔" آسیہ الجھنے لگی تھی۔ تبھی گاڑی چلنے سے لڑکی نے یونہی سر اٹھایا تو بس ایک پل کو اس کا چہرا سامنے آیا تھا اس کے بعد گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

"کہاں دیکھا ہے؟" آسیہ ابھی بھی الجھ رہی تھی اور شاید تھوڑی کوشش سے اسے یاد آجاتا لیکن اس سے پہلے ہی عقب سے عدیل بھائی نے پکار لیا تھا۔

"آپ کب آئے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"کمال ہے۔ تمہارے سامنے ہی تو آیا ہوں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا؟" عدیل بھائی نے مسکرا کر کہا تو اس نے بے اختیار پلٹ کر کھڑکی سے باہر دیکھا پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

"نہیں، میں کسی اور کو دیکھ رہی تھی۔"

"کسے؟" عدیل بھائی نے لنچ بکس ٹیبل پر رکھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔

"وہ ایک لڑکی۔ شاید میرے ساتھ پڑھتی تھی یا پتا نہیں۔"

اس کا دھیان عدیل بھائی کے آنے سے ہی ہٹ گیا تھا۔ جبھی سرسری انداز میں کہتے ہوئے کھولنے لگی۔

"سکندر کی طبیعت اب کیسی ہے؟" عدیل کی نظریں شاہ سکندر کے چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

"کافی بہتر ہیں۔ ابھی باتیں بھی کر رہے تھے پھر سو گئے۔ آپ پکار کر دیکھیں شاید۔"

"نہیں سونے دو۔" عدیل بھائی نے فوراً ٹوک کر اسے ڈسٹرب کرنے سے منع کر دیا تھا۔

شاہ سکندر ابھی گھر آنے کو تیار نہیں تھا۔ گو کہ دس دنوں میں اس کے تمام زخم بھر چکے تھے، ٹانگ پر پلاسٹر باقی تھا اور وہ اسی کی وجہ سے منع کر رہا تھا کہ آسیہ کو پریشانی ہوگی۔ اس کے ہر کام کے لیے دوڑتی رہے گی۔ اپنے تئیں وہ اسے پریشانی سے بچانا چاہتا تھا لیکن اسے دوسری پریشانی کا خیال نہ تھا۔ صبح شام اسے کھانا پہنچانا، پھر عیادت کو آنا۔ گو کہ بھابیوں نے کہیں بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ انہیں اپنا دفتر چھوڑ کر آنا پڑتا ہے لیکن اسے خود احساس تھا اس لیے ڈاکٹر کی اجازت ملتے ہی وہ شاہ سکندر کو گھر لے آئی اور آتے ہی بولی تھی۔

"اب آپ صرف میرے پیشنٹ ہیں۔ اور جیسا میں کہوں گی ویسا کریں گے۔"

"میں پہلے بھی تمہارے حکم کا غلام رہا ہوں۔"

شاہ سکندر کی شوخ مسکراہٹ پر وہ انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں بولی۔

"مذاق نہیں، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"یہ مذاق ہے۔ بتاؤ میں نے کب تمہاری بات نہیں مانی۔ میری جان تم دن کو رات کہو میں وہ بھی مان لوں گا۔" شاہ سکندر نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔

"میری سانسوں کی ڈور آپ کے ساتھ بندھی ہے سکندر! اگر آپ اپنا خیال نہیں رکھیں گے تو..." اس کی آواز بھرا گئی۔

"بے وقوف!" شاہ سکندر نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ "میں جانتا ہوں تمہارا دل پھولوں کی بستی ہے۔ جس کی نگہبانی مجھے سونپ کر تم نے مجھے اتنا پابند کر دیا ہے کہ میں چاہوں بھی تو خود سے غافل نہیں ہو سکتا۔"

"صرف نگہبانی نہیں حکمرانی بھی۔" وہ اس کے سینے پر سے سر اٹھا کر اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

ہاسپٹل میں گو کہ ساری سہولتیں موجود تھیں لیکن گھر پھر گھر ہوتا ہے اور اپنے گھر کی اضافی مصروفیت بھی کم از کم ذہنی کوفت میں مبتلا نہیں کرتی اور اس کے پاس تو یوں بھی ابھی کوئی زیادہ مصروفیات نہیں تھیں۔ صبح دو آدمی کا ناشتہ منٹوں میں بن جاتا۔ پھر وہ شاہ سکندر کو اخبار تھما کر صاف ستھرے گھر کی برائے نام صفائی کرتی، اس کے بعد اس سے دوپہر کے کھانے کا پوچھنے آتی تو وہ کئی گھنٹے اسے ادھر اُدھر کی باتوں میں لگائے رکھتا اور آخر میں کہتا جو تمہارا دل چاہے پکا لو میں سب کھا لوں گا۔ پیر پٹختی اٹھ جاتی۔

شام میں عدیل بھائی ضرور چکر لگاتے تھے جن سے وہ ضرورت کی اشیاء منگوا لیتی تھی۔ چھٹی کے دن خلیل بھائی، میمونہ بھابی اور بچوں کے ساتھ آئے تھے اور ایک شام بڑے بھیا، سائرہ بھابی کو لے کر آئے تھے تو انہیں دیکھ کر ہی اسے نبیل کا خیال آیا تھا، جسے فون کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا تھا یا شاید اپنی پریشانی میں گھر کر یاد ہی نہیں رہا تھا۔ اور ایک احمد حسن تھا جو شاہ سکندر کو کمپنی دینے آتا۔ کسی روز آنے سے مجبور ہوتا تو فون پر اس سے بہت دیر باتیں کرتا تھا۔ اس شام وہ نائلہ کو لے کر آیا تو وہ اسے دیکھ کر خوش ہونے کے ساتھ ناراض بھی ہوئی۔

"میں نے تمہیں صبح سے آنے کو کہا تھا۔"

"احمد بھائی سے پوچھیں۔ روز ان سے کہتی ہوں مجھے آپ کے ہاں چھوڑ دیں۔ لیکن انہیں [illegible] جلدی ہوتی ہے۔" نائلہ نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنا دامن بچا لیا۔

"یعنی احمد بھائی۔ کیا آپ ہماری خاطر ایک دن آفس سے لیٹ نہیں ہو سکتے؟" اس نے احمد حسن سے کہا تو وہ فوراً بولا تھا۔

"آپ کی خاطر ہی تو جلدی جاتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ سمجھی نہیں۔

"مطلب یہ کہ اس نائلہ کی بچی کی عادتیں کچھ بگڑی ہوئی ہیں۔ جتنی اونچی آواز میں بولتی ہے اس سے زیادہ اونچی آواز میں ٹیپ بجاتی ہے۔ اگر یہ صبح سے یہاں آگئی تو شام تک آپ دونوں پورے نہیں تو آدھے گل ضرور ہو چکے ہوں گے۔ اس لیے میں صبح آفس جلدی بھاگتا ہوں تاکہ اسے یہاں نہ چھوڑنا پڑے۔"

احمد حسن کی وضاحت پر نائلہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی تو وہ جلدی سے اس کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

"مجھ سے نہیں روٹھنا نائلہ، میں نے احمد بھائی کی کسی بات پر یقین نہیں کیا۔"

"میں تو یقین کر رہا ہوں۔" شاہ سکندر نے احمد حسن کو آنکھ مارتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے سکندر! آپ کو نائلہ کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔" آسیہ نے ٹوکنے کے ساتھ شاہ سکندر کو اشارے سے بھی منع کیا پھر نائلہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "آؤ ہم اُدھر چلتے ہیں۔"

"کہاں؟" شاہ سکندر نے فوراً پوچھا۔

"میں چائے بنانے جا رہی تھی۔ عدیل بھائی پتا نہیں کہاں رہ گئے۔ میں نے ان سے دودھ منگوایا تھا۔" یہ بولتے ہوئے نائلہ کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔

"سکندر بھائی کی ٹانگ کا پلاسٹر کب اُترے گا۔ آپ تو خاصی پابند ہوگئی ہوں گی۔" نائلہ نے کچن کے دروازے پر رُک کر کہا۔

"ہاں بس، ویسے اب ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے۔ پلاسٹر اُتر جائے گا۔" اُس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے بتایا۔

"دودھ تو ہے نہیں۔ چائے کیسے بنائیں گی۔" نائلہ نے اُس کے چولہا جلانے پر ٹوکا۔

"آنے والے ہوں گے عدیل بھائی۔" اُس نے کہا تبھی اندر سے شاہ سکندر نے اُسے پکارا تو وہ نائلہ کو "آتی ہوں" کہہ کر اندر چلی آئی۔

"فرمائیے۔"

"وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کھانے میں وہی دوپہر والا سالن ہوگا یا کچھ اور بھی۔" شاہ سکندر نے غالباً بتانا چاہا کہ احمد حسن اور نائلہ یہیں کھانا کھائیں گے۔

"اور بھی بہت کچھ۔" وہ اس کا مطلب سمجھ کر بولی تھی۔

"نہیں۔ ہمارے لیے کوئی تکلف نہیں۔" احمد حسن بھی سمجھ گیا اور فوراً منع کرتے ہوئے بولا۔ "کھانا پکانے کی ضرورت نہیں ہے بھابی۔ بس چائے ٹھیک ہے۔"

"تم سے کسی نے پوچھا ہے۔" شاہ سکندر، احمد حسن کو ٹوک کر اُس سے کہنے لگا۔ "ہاں آسیہ! میرے لیے کسٹرڈ ضرور بنا لینا۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتے، دوبارہ کچن میں آئی تو عدیل بھائی کو نائلہ کے ساتھ کھڑے دیکھ کر ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی اور کوئی بات نہ ہوتے ہوئے بھی عدیل بھائی قدرے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو شاپر کی طرف اشارا کر کے بولے۔

"دیکھو، کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔"

"اس وقت ضرورت صرف دودھ کی ہے اور وہ موجود ہے۔" وہ بڑے سے شاپر سے دودھ کا پیکٹ نکالتے ہوئے بولی۔ پھر اُسے نائلہ کو تھما دیا۔

"وہ دودھ کی پتیلی رکھی ہے پلیز اسے کھولا دو۔"

"تم مہمانوں سے کام کرواتی ہو۔" عدیل بھائی نے جاتے جاتے رُک کر اُسے ٹوکا۔

"مہمان کسے کہہ رہے ہیں آپ، مجھے یا اپنے آپ کو؟" آسیہ سے پہلے نائلہ نے بول کر انہیں لاجواب کر دیا تھا۔ "کام تو وہ بھی ابھی کر کے آ رہے تھے وہ بھی باہر کا۔"

"کوئی مہمان نہیں ہے یہاں، سب میرے اپنے ہیں۔ یہ بھائی ہیں اور تم۔" آسیہ نے رُک کر دیکھا پھر معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دھیمی آواز میں پوچھنے لگی۔ "تمہیں کیا کہوں؟"

نائلہ نے اُس کی معنی خیز مسکراہٹ سے بوکھلا کر بے اختیار اُس کے پیچھے کھڑے عدیل کو دیکھا۔

خلافِ رسم شاہ سکندر کے بچے کے عقیقے پر خاندان بھر کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو بھی نہیں بلایا تھا۔ اتفاق سے شہر بانو خود ہی اُس روز بھتیجے کو دیکھنے اور مبارک باد دینے آ گئی تھی۔ یہاں آ کر جب اُسے بچے کے عقیقے کا معلوم ہوا تو جہاں وہ حیران ہوئی وہاں اُسے یہ بھی لگا کہ ایسا شاہ سکندر کے یہاں نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر بھی بی بی جان سے کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

"بی بی جان! خوشیاں اتنی خاموشی سے نہیں منائی جاتیں۔ آپ کو کم از کم میرے سسرال میں تو اطلاع کرنی چاہیے تھی۔ آخر وہ بچے کے نانا نانی ہیں۔"

"شاہ سکندر آ جائے پھر بہت خوشیاں منائیں گے۔ بڑی دھوم کے ساتھ۔ آنے والا ہے۔" بی بی جان نے وضاحت سے اور یقین سے کہا تھا۔

"اگر واقعی سکندر بھائی آنے والے ہیں تو یہ خوشی اُن کی آمد پر ہونی چاہیے تھی۔ ابھی کیوں؟" شہر بانو کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

مجبوری ہے۔ آج بچہ سات دن کا ہوگیا ہے۔ صدقہ دینا ہے اس کا۔ اور نام بھی رکھنا ہے۔" بی بی جان مجبوری بتا کر فوراً بات بدل گئیں۔ "تم جاؤ مہرو کے پاس۔ دیکھو وہ بچے کا کیا نام بتاتی ہے۔"

وہ سمجھ گئی اُسے وہاں سے اُٹھانا مقصود ہے اور بی بی جان نے اُسے بھیجا بھی اُس کے پاس جس کے سامنے وہ خود کو مجرم محسوس کرتی تھی۔

"بیٹا مبارک ہو مہرو۔" شہر بانو کو خوشی کے اظہار میں بھی کوشش کرنی پڑی تھی۔ "لاؤ میری گود میں دو۔"

مہر النساء نے چپ چاپ بچہ اپنی گود سے اُٹھا کر اُس کی گود میں ڈال دیا۔

"ارے یہ تو بالکل۔" شہر بانو اپنی بے اختیاری پر فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی۔

"تم تو یوں خاموش ہوگئیں جیسے شاہ سکندر کا نام لینا گناہ ہو۔" مہر النساء نے سلگ کر جتایا، پھر اُسی کے انداز میں سر جھٹک کر بولی۔

"گناہ صرف میرے لیے ہے۔ میں گناہ گار ہوتی ہوں اُس کا نام لے کر، اُس کے بارے میں کوئی سوال کر کے۔"

شہر بانو اُس سے نظریں چرا کر بچے پر جھک گئی اور قدرے توقف سے اُس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھنے لگی۔

"کیا نام سوچا ہے اس کا؟"

"میں نے۔" مہر النساء نے کسی خیال سے چونک کر شہر بانو کو دیکھا پھر تلخ آمیز استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہنے لگی۔ "بچہ۔ بچے کا نام۔ میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ میں تو اس عرصے میں صرف اس کے باپ کو سوچتی رہی ہوں۔"

"آنے والے ہیں سکندر بھائی۔" شہر بانو کو غالباً کچھ اور نہیں سوجھا تو بی بی جان کی بات دہرا دی لیکن اُن جیسا یقین اس کے لہجے میں نہیں تھا۔

"اچھا۔ کیا انہیں اطلاع مل چکی ہے اس کے آنے کی؟" مہر النساء نے بچے کی طرف اشارا کر کے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" شہر بانو نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر ایک دم اُس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔ "مہرو! تم مجھ سے بہت دور ہوگئی ہو۔ ہمارے درمیان ایسی تلخ اور رسمی باتیں تو کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ سچ بتاؤ کیا ہم دونوں کی محبت اور دوستی سکندر بھائی کی وجہ سے تھی جو اُن کی بے مہری سے تم نے مجھ سے بھی وہ سارے ناتے توڑ لیے ہیں۔"

مہر النساء اچانک گم صم ہو کر اُسے دیکھنے لگی تھی۔

"ہم صرف عم زاد ہی نہیں ہم راز بھی تھیں۔ گھنٹوں کبھی بارہ دری میں، کبھی آم کے گھنے پیڑ تلے اور گرمیوں کی راتوں میں تاروں کی چھاؤں میں ہم کیسے راز و نیاز کرتی تھیں۔ ہمارے دل شفاف آئینے تھے پھر ان پر کدورتوں کی دھول کیوں جمی۔ اگر سکندر بھائی کی وجہ سے تو آج میں تمہارے سامنے قسم کھاتی ہوں کہ میں زندگی بھر اس بھائی کی۔" اُس کی آواز بھرا گئی۔

مہر النساء نے بھی اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"کتنے دور مجھے، انہی کی وجہ سے تم مجھ سے دور ہوئی ہو۔" شہر بانو اپنے ہونٹوں سے اُس کا ہاتھ ہٹا کر مزید گویا ہوئی۔ "میرے ساتھ تو شاید تمہارا کوئی ناتا تھا ہی نہیں۔ نہ محبت نہ دوستی کا ورنہ سب سے پہلے تم مجھے بتاتیں کہ شاہ سکندر حویلی چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی تم نے اپنی تنہائیوں کے دکھ مجھے نہیں سنائے۔ کیونکہ تم نے مجھے ہمیشہ صرف شاہ سکندر کی بہن سمجھا، اور اگر اُس کے جرم کی سزا مجھے دے رہی ہو تو۔"

"نہیں شہر بانو!" مہر النساء نے فوراً ٹوک دیا۔ "میں تمہارا گھر نہیں اُجاڑ سکتی۔"

"کیوں؟" بجائے خوش ہونے کے شہر بانو نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"تم اجڑ گئیں تو پھر میرا گھر کبھی نہیں بسے گا۔" اس کے ساتھ ہی مہرالنساء ہاتھوں میں چہرا چھپا کر رو (دی)۔ شہربانو نے اسے چپ نہیں کرایا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دل کے آئینوں پر جمی کدورتوں کی دھول آنسوؤں سے ہٹے گی اور اس نے اپنی پلکوں کے بند بھی توڑ دیے تھے۔

اور جب آنسو آپ ہی آپ تھم گئے تو آنکھوں کی طرح دل کے آئینے بھی دھل کر شفاف ہو (گئے) تب مہرالنساء بچے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس شاہ کو دیکھو، کیسا بے خبر سو رہا ہے، ماں اور پھوپھو کے آنسوؤں کی پروا ہی نہیں۔"

"بہت پروا کرے گا۔ بڑا تو ہونے دو۔" شہربانو بھی کھل کر مسکرائی۔ اور کچھ دیر بعد ان دونوں (کی) ہنسی کا ترنم کمرے کے باہر تک سنائی دے رہا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اس کا ارادہ کپڑوں کی دھلائی کا تھا لیکن شاہ سکندر نے سختی سے منع (کیا) اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور ٹوکتے ہوئے بولا۔

"تمہیں شوق ہے کام کرنے کا۔ صبح سے اٹھتی ہو تو ایک کے بعد ایک کام نکالتی چلی جاتی ہو۔ تمہاری فضول اور غیر ضروری۔"

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن شاہ سکندر نے موقع نہیں دیا۔

"سوائے ناشتے، کھانے کے سب غیر ضروری ہیں۔ تم خوامخواہ خود کو الجھائے رکھتی ہو۔ مجھے تمہارا (اس) طرح کام کرنا اچھا نہیں لگتا۔ فوراً کسی ماسی کا انتظام کرو۔"

"نہیں، ابھی ماسی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کون سا ہمارے ہاں اتنا گند پھیلتا ہے جو ماسی آ کر (صاف) کرے گی۔ اور کپڑے بھی زیادہ نہیں ہوتے۔" اس نے ماسی رکھنے کو صاف منع کر دیا۔

"کام زیادہ ہو یا کم تم بہرحال سارا دن مصروف رہتی ہو کہ نہیں۔" شاہ سکندر کو غالباً اس کا مصروف رہنا کھل رہا تھا۔

"میں قصداً خود کو مصروف رکھتی ہوں کیونکہ مجھے فارغ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا اور معاف کیجیے گا شاہ، آپ اپنے گھر کی عورتوں پر بھول رہے ہیں جنہیں شروع سے ملازمین کی عادت ہوتی ہے۔ جبکہ (میرا) تعلق مڈل کلاس سے ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں اپنے مصروف رہنے کا سبب بتلانے جا رہی تھی (کہ وہ) ایک دم ٹوک کر بولا۔

"تمہارا تعلق مڈل کلاس سے تھا۔ اب تم شاہ سکندر حیات کی منکوحہ ہو۔"

"شاہ سکندر حیات کی منکوحہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں خود کو بیکار کر لوں۔ بس آ(پ) نہیں ٹوکیں گے۔ آپ کی بات مان کر میں اس وقت کپڑے نہیں دھو رہی لیکن ڈرائنگ روم کا پونچھ ضرور کروں گی۔" وہ اپنی بات کہہ کر اٹھنے لگی تھی۔

"صبح تو ایک گھنٹہ لگایا ہے تم نے ڈرائنگ روم کی صفائی میں۔" شاہ سکندر نے اس کا ہاتھ (پکڑ کر) اٹھنے سے روک دیا تھا۔

"کیا کروں۔ پتا نہیں کہاں سے اتنی گرد آ جاتی ہے۔ حالانکہ کھڑکیاں بند رکھتی ہوں۔" وہ گرد سے پریشان تھی۔

"بہرحال اس وقت تمہارے ڈرائنگ روم کو دیکھنے کوئی نہیں آ رہا۔" شاہ سکندر نے قدرے (چڑ) کر کہا۔

"کیا پتا کوئی آ جائے۔" وہ اس کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہو کر شرارت سے بولی۔

"مثلاً کون؟" شاہ سکندر اس کے پرشوق انداز پر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

آسیہ کچھ دیر تک بظاہر اسے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی جبکہ ذہن مختلف سوچوں کو مرکز پر جمع کرنے میں لگا ہوا تھا۔ پھر وہ آرام سے ٹانگیں اوپر سمیٹ کر بیٹھ گئی اور اسی اشتیاق (سے) کہنے لگی۔

"پتا ہے سکندر! مجھے گمان ہوتا ہے جیسے جہانگیر بھائی کسی وقت بی بی جان کو لے کر آ جائیں گے۔ یہ میں سوچتی ہوں شاید ان کے ساتھ بابا جان بھی ہوں اور مہرالنساء بھی۔"

شاہ سکندر جو غور سے اسے دیکھ رہا تھا آخر میں مہرالنساء کے نام پر تعجب سے اس کی آنکھیں ذرا سی سمٹ گئیں۔ غالباً اسے یاد نہیں تھا کہ کسی وقت وہ خود بھی اسی طرح مہرالنساء کا نام لے چکا تھا۔ جبھی وہ اپنے اندر اٹھتے سوال کو زبان پر آنے سے نہیں روک سکا۔

"تمہیں مہرالنساء کا کس نے بتایا؟ میرا مطلب ہے میں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"کیوں نہیں کیا۔ آپ ہی نے تو بتایا تھا۔ وہ جب میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ حویلی میں کون کون رہتا ہے تو آپ نے مہرالنساء کا نام بھی لیا تھا۔" آسیہ نے سادہ سے انداز میں اسے یاد دلایا۔

"اچھا ہاں۔" شاہ سکندر یاد آتے ہی پوری طرح سنبھل گیا اور شاید دل میں چور تھا اس لیے اپنے آپ وضاحت کرنے لگا۔ "مہرالنساء اب تو وہاں نہیں رہتی۔ وہ تو جب شہربانو کی شادی نہیں ہوئی تھی تب وہ آ جاتی تھی۔ اب تو شہربانو ہی وہاں چلی گئی۔ میرا مطلب ہے اس کے گھر۔ بہت دوستی ہے ان دونوں کی۔"

آسیہ کی نظروں میں وہ تصویر گھوم گئی جو اس نے نائلہ کے پاس دیکھی تھی۔ شہربانو اور وہ غیر معمولی حسن کی مالک مہرالنساء۔ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور وہ بے اختیار شاہ سکندر کا بازو تھام کر بولی۔

"وہ۔ وہ مہرالنساء تھی سکندر۔ وہاں ہاسپٹل میں۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ پہلے اسٹریچر پر پھر گاڑی میں۔"

شاہ سکندر کی تمام حسیات آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں۔

"اس وقت میں سوچتی رہ گئی کہ شاید وہ میری کلاس فیلو رہی ہو گی۔ مہرالنساء کی طرف دھیان نہیں گیا۔" آسیہ کے لہجے میں اب افسوس تھا کہ اس نے اس وقت مہرالنساء کو پہچان کیوں نہیں لیا تھا۔

"اف۔ میری یادداشت اتنی کمزور تو نہیں ہے۔ پھر میں نے اسے پہچانا کیوں نہیں۔"

"کم آن یار۔ جس لڑکی کو تم نے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں اسے تم پہچاننے کی بات کر رہی ہو۔" شاہ سکندر نے اندر ہی اندر پریشان ہوتے ہوئے ٹوکا۔

"میں نے اس کی تصویر دیکھی ہے۔" وہ بے اختیار کہہ کر کچھ خائف نظر آنے لگی کیونکہ بھولی نہیں تھی کہ نائلہ نے تصویر کی بابت بتلانے سے منع کیا تھا۔

"کہاں۔ کس کے پاس؟" شاہ سکندر کی پیشانی پر بے شمار شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"وہ۔ نائلہ کے پاس۔" اس نے جھوٹ نہیں بولا کہ ایک جھوٹ کی وضاحت میں کئی جھوٹ بولنے پڑتے۔ اس لیے صاف گوئی سے کام لے کر کہنے لگی۔

"مگر اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں تصویر کی بابت آپ کو نہ بتاؤں کیونکہ اس کے بہت مجبور کرنے پر شہربانو نے بڑی مشکل سے اور اسی وعدے پر اسے دی تھی۔ بہرحال یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جو آپ پریشان ہو گئے۔"

"پریشان نہیں تو۔" شاہ سکندر اپنی پیشانی چھو کر بولا۔ "بس تمہاری باتوں نے الجھا دیا۔ تم نے کسی اور کو دیکھا ہو گا۔"

"نہیں سکندر۔ وہ مہرالنساء ہی تھی۔ اس وقت آپ کی وجہ سے میں ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ تھی جبھی مجھے یاد نہیں آیا تھا لیکن اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ مہرالنساء ہی تھی۔" آسیہ اب خائف نہیں تھی اس لیے اپنے مخصوص انداز میں بول رہی تھی۔

شاہ سکندر کے ذہن پر بار بار مہرالنساء کا نام ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ آسیہ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کرا دے۔

"مہرالنساء کا چہرا بھولنے والا نہیں ہے۔ بہت خوبصورت ہے ناں وہ۔" اُس کی کیفیت سے بے خبر آسیہ کا اشتیاق ہنوز تھا۔ "وہ غالباً ڈیلیوری کے لیے آئی تھی۔ اُس کی گود میں بچہ بھی تھا۔"
"شٹ اپ آسیہ۔" شاہ سکندر اچانک چیخ پڑا تھا۔

تب

❁ ❁ ❁

"
"

ہنسی۔ آسیہ اُس کے چیخنے پر قدرے سہم گئی تھی اور ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا پھر سوچنے لگی کہ آخر کس بات سے وہ مشتعل ہوا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تب اسی خاموشی سے اُس کے پاس سے اُٹھ گئی۔ شاہ سکندر کو فوراً ہی احساس ہو گیا تھا کہ وہ کچھ غلط کر گیا ہے، اس کے باوجود اُس نے اُسے نہیں روکا۔ اور اُس کے کمرے سے نکلتے ہی بیڈ کی بیک پر سر رکھ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا لیں۔ حقیقتاً وہ بہت پریشان ہو گیا کہ کہیں اُس کی شخصیت کا یہ کمزور پہلو سامنے آ کر آسیہ کا اعتماد اور زعم نہ توڑ دے جو اُس کی شخصیت کا خاصا تھا۔ گو کہ مہرالنساء کے ساتھ شادی کو نہ تو وہ تسلیم کرتا تھا نہ اُس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت تھی۔ اس کے برعکس وہ ایک ہی بار خود کو باور کرا چکا تھا کہ وہ بابا جان کی سازش تھی جس میں اُنہوں نے شاہ جہانگیر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا جو اُسے گھیر کر لے گئے تھے۔ پھر شیر بالو کو دیکھ کر وہ واقعی مجبور ہو گیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو پہلے ہی آسیہ کو وہ سارے حالات بتا کر اُسے اعتماد میں لے سکتا تھا۔ لیکن اُس وقت بھی اُسے یہی خیال تھا کہ وہ کسی پہلو سے کمزور نہ آئے۔ اپنی برتری قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اور احساس برتری کے زعم میں شاید یہ بھول گیا کہ شاہ پور سے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ پھر سال میں ایک دو بار ہی سہی اُس کے گھر کی خواتین آتی ضرور تھیں۔ کبھی شاپنگ اور کبھی تفریح کے لیے۔ یا ہو سکتا ہے اُس نے یہ سب بھی سوچا ہو لیکن اپنے گھر سے وہ اعلانیہ نکلا تھا۔ اس لیے یہ خدشہ نہیں تھا کہ اُس کے گھر والوں میں سے کسی نے اُسے آسیہ کے ساتھ دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ البتہ یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ آسیہ کسی کو پہچان لے گی۔ کتنی عجیب بات تھی اور خود اُس کے لیے حیرت انگیز اور تشویشناک کہ جو بات اُس کے گمان میں نہیں تھی وہی ہو گئی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے بالوں میں انگلیاں پھیر کر خود کو ریلیکس کرنے میں مصروف تھا۔ کیونکہ روٹھی ہوئی لڑکی کو منانے کے لیے اُسے بہت پُرسکون رہنے کی ضرورت تھی۔ جانتا تھا ناں کہ وہ اُس کے اچانک غصے میں آنے کا سبب ضرور پوچھے گی۔ اس عرصے میں وہ یہ جان گیا تھا کہ وہ اپنے درمیان ذرا سی غلط فہمی برداشت نہیں کر سکتی۔ اُسے یاد تھا، لاہور میں اُس کی کوئی بات اُسے ناگوار گزری تھی تو وہ اُس پر جتانے کے بجائے خاموش اور اپنے آپ کچھ ناراض ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا تو اُس کے سامنے جم کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"سکندر! اگر آپ کو میری کوئی بات ناگوار گزری ہے تو بتائیں، میں وضاحت کروں گی اور اس کے بعد بھی اگر ناراضگی کا پہلو نکلتا ہو تب آپ کو ناراض ہونے کا حق ہو گا۔ اور میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گی۔"
"تو مناؤ ہاتھ جوڑ کر۔" وہ مسکراہٹ چھپا کر بولا تھا۔
"نہیں پہلے مجھے سبب معلوم ہونا چاہیے تاکہ دوبارہ وہ غلطی دہرائی نہ جائے، اور آپ کے دل میں جو ذرا سی رنجش پیدا ہوئی ہے وہ بھی دور ہو جائے گی۔" وہ اصل بات جاننے پر بضد تھی۔
"وہ تمہاری معافی سے دور ہو جائے گی۔" اُس نے کہا۔
"نہیں سکندر! معافی سے رنجش دور نہیں ہوتی، میرے ہاتھ جوڑ لینے سے یقیناً آپ کی ناراضگی دور ہو جائے گی، لیکن ناراضگی کا سبب جو رنجش کی صورت آپ کے دل میں ہے اُسے میری

ہی دور کرے گی، بتا دیں سکندر آپ کو میری قسم اور وعدہ کریں مجھ سے کہ ہم اپنے دل میں کبھی کسی معمولی سی رنجش کو بھی گھر نہیں کرنے دیں گے۔" کس قدر جذباتی ہو گئی تھی وہ کہ سبب بتانے کے بعد ہاتھ بھی اُسے ہی جوڑنے پڑے تھے۔
"چلئے!" آسیہ کی آواز پر اُس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ اس کے قریب کارنر ٹیبل پر بس چائے کا کپ رکھ رہی تھی۔
"تم نہیں پیو گی؟" وہ اُس کے چہرے پر کوئی تاثر کھوجتا ہوا پوچھنے لگا۔
آسیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسی خاموشی سے پلٹ گئی اور شام تک جانے کن کاموں میں مصروف رہی تھی۔
حسب معمول عدیل بھائی آئے تو پہلے آسیہ نے جو سامان منگوانا تھا وہ لا کر دیا اس کے بعد شاہ سکندر کے پاس کتنی دیر بیٹھے رہے تھے اور ان کے جانے کے بعد بھی وہ لاؤنج میں کھڑی جانے کیا کر رہی تھی۔ شاہ سکندر کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر گھبرا کر پکار لیا۔
"آسی! یہاں آؤ۔"
وہ دروازے تک آ کر رک گئی۔
"میرے پاس آ کر بیٹھو۔ کیا مجھے وضاحت کا موقع نہیں دو گی؟" شاہ سکندر کا لہجہ ملتجی تھا۔ وہ آ کر بیٹھ گئی تو کہنے لگا۔ "تم ناراضگی کا سبب بتاؤ، میں وضاحت کر دوں گا۔"
"میں ناراض نہیں ہوں۔ ناراض تو آپ ہوئے، میری کس بات سے مشتعل ہو کر آپ چلائے تھے۔" وہ ناخنوں سے کھیلتے ہوئے بولی پھر اُسے دیکھنے لگی تھی۔
شاہ سکندر جانتا تھا کہ وہ یہی پوچھے گی، اور اس سارے وقت میں وہ اسی بات کی وضاحت سوچتا رہا تھا۔ جبھی اب بڑے آرام سے کہہ رہا تھا۔
"تم نے مہرالنساء کے بارے میں بات ہی ایسی کی کہ مجھے غصہ آ گیا۔ یعنی اُس کی ڈیلیوری اور بچہ، جبکہ ابھی اُس کی شادی بھی نہیں ہوئی۔"
"کیا؟" وہ سچ مچ بوکھلا گئی۔
"وہ لڑکی جسے تم نے دیکھا، ہو سکتا ہے مہرالنساء سے مشابہت رکھتی ہو۔ لیکن مہرالنساء نہیں ہو سکتی۔ تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ اور آئندہ اُس کے بلکہ میرے خاندان کے کسی بھی فرد کے بارے میں اس وقت تک یقین سے کچھ مت کہنا جب تک تم اُس سے مل کر اُسے جان نہ لو۔" شاہ سکندر کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں واضح تنبیہہ تھی۔
آسیہ کچھ گم صم سی ہو گئی تھی کہ پتا نہیں وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یا جو اُس نے دیکھا وہ سچ تھا۔

ٹانگ کا پلاسٹر اترنے کے بعد شاہ سکندر اب کوئی بھی بزنس کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ کیونکہ اتنے دن گھر میں رہ کر وہ اُکتا گیا تھا زندگی مفلوج لگنے لگی تھی۔ جبکہ وہ شروع سے پابندیوں سے گھبراتا تھا۔ اُدھر ڈیڑھ دو مہینے بالکل گھر کا ہو رہنے سے اُس کی صحت بھی متاثر ہوئی تھی اور کچھ مزاج بھی۔ اگر آسیہ سمجھداری سے کام نہ لیتی تو وہ روزانہ اُس سے جھگڑتا۔ بہرحال اب صحت یاب ہو کر وہ پہلے کی طرح ایکٹو نظر آنے لگا تھا۔ اور چاہتا تھا جلد سے جلد کوئی کام شروع کرے۔ لیکن جہانگیر بھائی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ بس اُس کی شادی پر ہی آئے تھے۔ اور کہا تھا کہ پھر اطمینان سے آئیں گے تو اُس کے شایانِ شان بزنس سوچیں گے، چھوٹے موٹے بزنس کو اُنہوں نے منع کیا تھا۔ اور بابا جان نے بھی اطمینان دلایا تھا۔ پھر وہ الیکشن میں مصروف ہو گئے، اور اب تو الیکشن کا دور بھی گزر چکا تھا۔ ان دو مہینوں میں اُس نے کئی بار اُن سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ملے

ہی نہیں۔ پتا نہیں کہاں مصروف تھے۔ آخری بار اُس کے ایکسیڈنٹ سے پہلے اُن کا فون آیا تھا۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ فی الحال کسی بزنس میں پیسہ لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ الیکشن کے بعد دیکھیں گے۔

اُس کے اکاؤنٹ میں ڈرافٹ جمع کرانے کا بھی بتایا تھا جو کہ بہت بڑی رقم کا نہیں تھا۔ اُس نے حساب لگایا تو اتنا پیسہ اُس کے علاج معالجے میں خرچ ہو چکا تھا اور پتا نہیں اس سے پہلے اس کے اکاؤنٹ میں کتنا پیسہ تھا۔ اس وقت اس نہج پر سوچتے ہوئے وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا کہ اگر وہ ایکدم تہی دست ہو گیا تو کیا کرے گا۔

"فکر مت کرو، میں تمہارا اکاؤنٹ کبھی خالی نہیں ہونے دوں گا۔" شاہ جہانگیر نے کہا تھا اور اس بات یاد آتے ہی اُس نے گاڑی بینک جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔

اور پھر اسے اطمینان ہو گیا کہ شاہ جہانگیر اُس سے غافل نہیں تھے۔ اُنہوں نے ایک اور ڈرافٹ اُس کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیا تھا۔ لیکن وہ خود کہاں تھے؟ اُسے اُن کی ضرورت تھی، کیونکہ اکیلے وہ کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جو ڈرافٹ اُنہوں نے جمع کرایا تھا۔ وہ بھی اتنی بڑی رقم کا نہیں تھا۔ جس سے وہ کوئی بزنس سیٹ کر سکتا۔ بس اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ تہی دست نہیں ہوا۔ اور شاہ جہانگیر نے اپنا وعدہ نبھایا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے؟" وہ گھر میں داخل ہوا تو آسیہ نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"بس یونہی ذرا آوارہ گردی کو دل چاہ رہا تھا۔" وہ اُسے چھیڑ کر بولا۔

"آوارہ گرد لگتے تو نہیں۔" آسیہ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"پھر کیا لگتا ہوں؟" وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"بعد میں بتاؤں گی، ابھی وقت نہیں ہے۔ چلیں جلدی سے تیار ہو جائیں۔" وہ اُس کے آگے چلتی ہوئی عجلت میں بول رہی تھی۔ "کپڑے باتھ روم میں لٹکا دیے ہیں۔ نہا لیں تو اچھا ہے اور۔۔۔"

"جانا کہاں ہے؟" وہ ٹوک کر پوچھنے لگا۔

"لیجیے آپ کو یاد ہی نہیں۔ آج بڑے بھیا اور بھابی جدہ جا رہے ہیں۔" آسیہ نے رک کر بتایا ہی اُسے باتھ روم جانے کا اشارا کیا تو وہ کندھے اچکاتا آگے بڑھ گیا۔

ابا جی کے گھر میں خاصی چہل پہل تھی۔ چچا جان کے سب گھر والے آئے ہوئے تھے۔ اماں نے اُسے بھی صبح سے آنے کو کہا تھا لیکن شاہ سکندر کی وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔

"اپنی اہمیت جتانے کا یہ طریقہ کچھ پرانا نہیں ہو گیا۔" میمونہ بھابی نے اُن کی دیر سے آمد کو مخصوص انداز میں جتایا۔

"سوری بھابی! اصل میں سکندر کسی کام سے چلے گئے تھے۔ پھر انہیں یاد بھی نہیں تھا۔" آسیہ وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

"اچھا جاؤ۔ اماں جی کو اپنی شکل دکھاؤ۔ بار بار تمہارا پوچھ رہی ہیں۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔

آسیہ نے پہلے اماں جی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ پھر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ سب موجود تھے۔ اور صوفوں کے بجائے نیچے کارپٹ پر دائرے کی شکل میں بیٹھے تھے۔ اُس نے دیکھا، شاہ سکندر بھی سب کے ساتھ بڑے آرام سے بیٹھا تھا۔ وہ سب کو سلام کرتے ہوئے اماں جی کے پاس بیٹھ گئی اور دھیمی آواز میں اُن کا حال احوال پوچھنے لگی۔ اُس کا خیال تھا اماں جی، بڑے بھیا کے باہر جانے سے نالاں ہوں گی، لیکن اس کے برعکس وہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ سمجھ گئی یہ ممتا کی مجبوری ہے، اپنی اولاد کو خوش دیکھنا چاہتی ہیں۔

پھر میمونہ بھابی نے وہیں سب کے درمیان دسترخوان بچھا دیا تو وہ اُن کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سائرہ بھابی سے چھوٹی طاہرہ بھی ساتھ مل گئی تھی۔ کھانے میں اتنے سارے آئٹم دیکھ کر وہ تعجب سے میمونہ بھابی سے پوچھنے لگی۔

"یہ اتنا سارا کھانا آپ نے اکیلے پکایا ہے؟"

"جناب!" میمونہ بھابی نے پہلے گردن اکڑائی پھر ہنستے ہوئے بولیں۔ "نہیں طاہرہ نے میری مدد کی تھی۔"

"ویسے میں کہوں۔" اُس نے شرارت سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم کچھ بھی کہو لیکن جانتی اچھی طرح ہو کہ میں اکیلی بھی یہ سب کر سکتی ہوں۔" میمونہ بھابی اُس کے ہاتھ میں سالن کا ڈونگا تھماتے ہوئے بولیں۔

"میں صرف جانتی ہی نہیں آپ کو مانتی بھی ہوں۔" وہ بہت محبت سے کہتے ہوئے کچن سے نکل آئی۔

پھر کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ اس کے بعد سائرہ بھابی اپنی پیکنگ دیکھنے کے لیے اُٹھیں تو اُن کے پیچھے ساری خواتین باہر آ گئیں۔ فلائیٹ چار بجے تھی اور گھر سے روانگی دو بجے۔ گھڑی کی سوئیاں ایک سے کچھ آگے جا رہی تھیں۔

"بھابی جان! یہ تھوڑا سا وقت آپ ہمارے پاس بیٹھ جائیں پھر تو سال دو سال بعد ہی ملاقات ہو گی۔" آسیہ نے سائرہ بھابی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم اگر صبح سے آ جاتیں تو یہ تھوڑے سے وقت کی شکایت نہ ہوتی۔" سائرہ بھابی نے جتایا بھی اور اُس کے پاس بیٹھ بھی گئیں۔

"بس غلطی ہو گئی۔ جب سکندر کام سے جا رہے تھے میں اس وقت انہیں یاد دلانا بھول گئی۔ لیکن آپ مجھے خط لکھنا نہیں بھولیے گا۔ میرا ایڈریس ہے آپ کے پاس یا لکھ کر دوں؟" اُس نے اپنے بیگ کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں لکھ دو۔" سائرہ بھابی اُس سے کہہ کر اماں جی کے پکارنے پر اُن کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد عدیل بھائی نے آ کر جلدی جلدی کا شور مچا دیا۔ اور شاہ سکندر کے اشارے پر وہ بھی ایئرپورٹ چلنے کو تیار ہو گئی، ورنہ خواتین میں سے کوئی نہیں جا رہی تھی، اُس کی وجہ سے طاہرہ کو بھی اجازت مل گئی۔ تو وہ جلدی سے اُس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"تم ہمارے ساتھ چلو۔ ہم واپسی میں تمہیں چھوڑ بھی دیں گے۔"

"واپسی کا کوئی مسئلہ نہیں، ابو جی ہیں ناں۔" طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔

"ارے ہاں، چچا جان بھی تو جا رہے ہیں۔" وہ خوشدلی سے کہتی ایکدم خاموش ہو گئی، کیونکہ ادھر گلے ملنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اماں جی اور چچی جان کے رونے پر سائرہ بھابی کی آنکھیں بھی جھلملانے لگی تھیں۔ اور میمونہ بھابی، اماں جی کو تسلی دینے میں مصروف تھیں۔ پھر ابا جی کے ٹوکنے پر سب نے اپنے آنسو صاف کر لیے اور سائرہ بھابی، بڑے بھیا کے اشارے پر جلدی سے باہر نکل گئیں۔

"کتنے بے حس ہوتے ہیں مرد۔" ایئرپورٹ سے واپسی پر وہ شاہ سکندر کو مخاطب کیے بغیر اپنے آپ بولنے لگی تھی۔ "مجھے تو بڑے بھیا پر حیرت ہو رہی ہے۔ کتنی جلدی بدل گئے ہیں۔ ایک بار بھی نبیل کا نام نہیں لیا۔ اتنا ہی کہہ دیتے کہ وقتاً فوقتاً نبیل کا پتا کرتے رہنا۔ یہ بھی نہیں کہا۔ اور جب میں نے پوچھا کہ آپ نبیل سے مل کر جا رہے ہیں تو بڑے آرام سے بولے تھے۔ وہ اپنی ماں کے پاس خوش ہے۔ انہیں کیسے پتا جب اُس سے ملے ہی نہیں۔"

"تم کیوں خواہ مخواہ الجھ رہی ہو۔" شاہ سکندر نے اُس کے تپے ہوئے چہرے پر نظر ڈال کر کہا۔

"بس مجھے غصہ آ رہا ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے۔ [illegible] میمونہ بھابی نے کہ مرد بہت خود غرض ہوتا ہے۔ اُس کے پیش نظر صرف اپنی ذات ہوتی ہے اور بس وہ اسے

سچ مچ بڑے بھیا پر بہت غصہ آ رہا تھا۔
"اب سارے مردوں کو ایک ہی قطار میں تو مت کھڑا کرو۔ پھر تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ایک دور کے بعد تمہارے بھائی کو اب خوشیاں میسر آئی ہیں۔"
"ان خوشیوں میں نبیل کا حصہ بھی ہونا چاہیے۔" وہ فوراً بولی تھی۔
"وہ اپنی ماں کے ساتھ خوش ہے۔" شاہ سکندر نے جس انداز میں بڑے بھیا کی بات دُہرائی وہ سمجھ گئی کہ وہ اس موضوع کو پسند نہیں کر رہا اور میمونہ بھابی نے اُسے سمجھایا بھی تھا کہ اپنے گھر کے مسئلے وہ شاہ سکندر کے سامنے بیان نہ کرے۔ اُسے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ اور وہ سمجھ تو اُسی وقت گئی تھی، بس اس وقت نبیل کے لیے کڑھتے ہوئے وہ کچھ جذباتی ہوگئی تھی۔ اور شاہ سکندر کی اکتاہٹ دیکھ کر کپڑے بدلنے کے بہانے باتھ روم میں بند ہوگئی تھی۔
پھر اگلے دن وہ شاہ سکندر کے کہیں جانے کے انتظار میں تھی۔ اور وہ گیارہ بجے کے قریب گیا تھا۔ تب جلدی سے دروازہ بند کر کے اُس نے نبیلہ بھابی کے گھر فون کر ڈالا۔ دوسری طرف ملازمہ تھی۔ اُس کے انداز سے سمجھ کر وہ پوچھنے لگی۔
"نبیلہ بیگم ہیں؟"
"نہیں جی، آپ کون ہو؟" جواب کے ساتھ ہی سوال ہوا۔
"میری نبیل سے بات کرا دو۔" اُس نے اپنے بارے میں قصداً نہیں بتایا۔
"نبیل تو جی اپنے کمرے میں ہے۔" اُدھر سے بڑے آرام سے کہا گیا۔
"تو بلاؤ اُسے۔" اُس نے غصے سے کہا۔
"وہ نہیں آسکتا، اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے جی۔" اُدھر سے معذوری ظاہر کی گئی۔
"اچھا دیکھو۔" وہ فوراً غصے پر قابو پا کر رسان سے بولی۔ "میں نبیل کی پھوپھو ہوں۔ وہ مجھ سے بات کر کے بہت خوش ہوگا۔ تم ایسا کرو۔ ٹیلی فون سیٹ اُس کے کمرے میں لے جاؤ۔ جلدی کرو شاباش۔"
"اچھا جی!"
آسیہ بڑی بے تابی سے انتظار کرنے لگی اور پھر اتنے دنوں بلکہ مہینوں بعد نبیل کی آواز سن کر اُس کے آنسو بے اختیار چھلک گئے تھے۔
"نبیل! میری جان!"
"پھوپھو! آپ کہاں ہیں۔ ممی کہتی ہیں آپ بہت دور چلی گئیں۔ اب میرے پاس کبھی نہیں آئیں گی۔" نبیل کمزور آواز میں بول رہا تھا۔
"آؤں گی بیٹا آؤں گی۔" وہ تڑپ گئی تھی۔ "آپ ٹھیک تو ہو جاؤ۔ کب سے بیمار پڑے ہو، کیا ہوا ہے آپ کو؟"
"پتا نہیں پھوپھو! میں چل نہیں سکتا۔ بیڈ سے اُترتا ہوں تو میری ٹانگیں کانپتی ہیں پھر میں گر جاتا ہوں۔" نبیل کے لہجے کی بے بسی اُسے رُلا رہی تھی۔
"تم دوا نہیں لے رہے ہو؟"
"لے رہا ہوں اور آیا میری ٹانگوں کی مالش بھی کرتی ہے۔" نبیل نے بتایا پھر اُسے پکار کر کہنے لگا۔ "پھوپھو! میں اماں جی کے پاس جاؤں گا۔ آپ ممی سے کہیں مجھے اماں جی کے پاس چھوڑ دیں۔ میں تنگ نہیں کروں گا۔"
"ہاں ہاں بیٹا! میں کہوں گی آپ کی ممی سے۔" وہ اُس کا دل رکھنے کی خاطر فوراً بول پڑی۔
"مجھے اماں جی بہت یاد آتی ہیں۔ اور سونیا، احمر اور پھوپھو وہ چھوٹا سا عمر، میرا بھی بھائی ہے نا؟" وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بیٹا!" آسیہ نے بے اختیار ماؤتھ پیس کو چوم لیا۔
"ممی کہتی ہیں، میرا کوئی بھائی، کوئی بہن نہیں ہے اور پاپا بھی۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا یا شاید اُس نے اپنی بات پوری کی تھی۔ لیکن آسیہ نہیں سن سکی کیونکہ اُسے اچانک بڑی زور کا چکر آیا تھا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی ریسیور اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

شاہ جہانگیر نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ فون کی بیل پر واپس پلٹ آئے، اور ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔ لیکن بولے کچھ نہیں۔ دوسری طرف بھی خاموشی چھائی رہی، جس سے وہ سمجھ گئے کہ فون کرنے والا کوئی اور نہیں اُن کا بھائی شاہ سکندر ہے۔ گزشتہ دو مہینوں سے یہی ہو رہا تھا۔ کوئی اور اگر ریسیور اُٹھا کر ہیلو کہتا تو اُدھر شاہ سکندر فون بند کر دیتا۔ اور شاہ جہانگیر جانے کیوں اُس سے کترا رہے تھے۔ بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے فون ریسیو کرنے میں بہت احتیاط برت رہے تھے۔ کتنے پل خاموشی میں بیت گئے۔ اُدھر سے مہر النساء کو آتے دیکھ کر شاہ جہانگیر نے اشارے سے اُسے پاس بلایا اور ریسیور اُسے تھما کر سرگوشی میں بولے۔
"سکندر ہے۔ بات کرو اُس سے۔"
"شاہ۔ شاہ کیسے ہیں آپ؟" مہر النساء بے اختیار ہو گئی تھی لیکن اگلے پل مایوسی سے شاہ جہانگیر کو دیکھنے لگی۔
"کیا ہوا، بند کر دیا اُس نے؟" شاہ جہانگیر نے اُس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے بولے۔ "لائن کٹ گئی؟"
"نہیں بھائی جی، اُنہوں نے فون پٹخا تھا۔" مہر النساء نے فوراً جتایا کہ لائن کٹنے اور فون پٹخنے میں فرق ہے۔
"اچھا۔" شاہ جہانگیر اب نظریں چُرا گئے۔ اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا کہ ناحق مہر النساء کو بلایا۔
"آپ سے کیا بات کی شاہ نے؟" مہر النساء پوچھ رہی تھی۔
"کچھ نہیں، میرا مطلب ہے مجھ سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی۔ بس ابھی تو فون آیا تھا اُس کا اور میں نے تمہیں بلا لیا۔" شاہ جہانگیر گول مول جواب دے کر باباجان کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
"السلام علیکم باباجان!" کمرے میں داخل ہوتے ہی شاہ جہانگیر نے سلام کیا۔
"وسلام، کہاں سے آ رہے ہو؟" جواب دینے کے ساتھ ہی باباجان نے پوچھا۔
"میں رحیم یار خان گیا ہوا تھا۔" وہ باباجان کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "ابوظہبی سے مشائخ آئے ہوئے تھے اُن کے ساتھ۔ آپ جانتے ہی ہیں انہیں شکار کا شوق ہی یہاں لاتا ہے۔"
"ہوں۔" باباجان کتنی دیر تک اثبات میں سر ہلاتے رہے۔ اور ایسا اُس وقت ہوتا ہے جب مقابل کی بات پر ذہن میں اسی بات سے متعلق اور بھی بہت سے واقعات گردش کرنے لگتے ہیں۔
"ابھی سکندر کا فون آیا تھا۔" شاہ جہانگیر، باباجان کے متوجہ ہوتے ہی کہنے لگے۔ "مجھے لگتا ہے باباجان وہ کچھ پریشان ہے۔ اس لیے جلدی جلدی فون کر رہا ہے۔"
"کچھ کہا اُس نے؟" باباجان سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
"کچھ کہنے کے لیے ہی فون کیا ہوگا اُس نے، میں ملتا تب نا۔ کیا کہتے ہیں آپ، اب مجھے اُس سے مل لینا چاہیے؟" شاہ جہانگیر نے پوچھا۔
"نہیں۔" باباجان نے سختی سے منع کر دیا۔ "اب تمہیں اُس سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی اُس کے اکاؤنٹ میں مزید کوئی رقم جمع کرانا۔ اب ہم اُس کے لیے واپسی کے راستے کھول رہے ہیں۔"
"لیکن باباجان! وہ غالباً پریشان ہے۔"

"پریشان ہوگا تو یہاں آنے پر تیار ہوگا۔" باباجان فوراً بولے تھے۔ "اور اُس کی اصل پریشانی اُس وقت شروع ہوگی جب اُس کا اکاؤنٹ بالکل خالی ہو جائے گا۔ ہمارے اندازے کے مطابق دو... لگیں گے اور اتنا عرصہ تم بالکل خاموش رہنا۔ سمجھ رہے ہو ناں۔"

"جی۔" شاہ جہانگیر نے یونہی سر ہلا دیا۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگے: "یوں تو باباجان آپ بہت پہلے... کے لیے واپسی کے راستے کھول سکتے تھے۔ کیونکہ اُس کے پاس اتنا پیسہ نہیں تھا۔ شادی کرتا تو بزنس... جاتا اور بزنس کرتا تو شادی میں دیر ہوتی۔ یعنی پریشان تو وہ اُسی وقت تھا۔ آپ نے تو مزید رقم... ایک طرح سے اُس کے لیے آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔"

باباجان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ٹھہری ہوتی چلی گئی اور آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔ کچھ دیر بعد... کو دیکھ کر کہنے لگے۔

"اُس وقت اگر سکندر پریشان تھا تو اُس کے ارادے بھی مضبوط تھے، وہ اُس لڑکی کے لیے جاگیر چھوڑ گیا تھا۔ وہاں اُس کی خاطر پتھر توڑنے کا حوصلہ بھی رکھتا تھا۔ اور یہ حوصلے تب تک جوان ہیں جب تک بندہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کر لیتا۔ اور حصول کے بعد تو مطمئن ہو... ہے۔

اُس وقت اگر ہم سکندر کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ معمولی کام کرنے میں بھی عار محسوس نہ... اور پھر اُس کی واپسی واقعی ناممکن ہو جاتی۔ اس لیے ہم نے اُسے اتنی ڈھیل دی۔ تمہارے ذریعے بھجوا کر اُس کے اس احساس کو زندہ رکھا کہ چھوٹا موٹا کام اُس کے شایانِ شان نہیں ہو سکتا۔ اب پتھر توڑنا تو دُور کی بات کسی کی ماتحتی میں اچھا عہدہ بھی قبول نہیں کر سکتا۔ سمجھ میں آئی ہماری حکمت یا نہیں۔"

شاہ جہانگیر جو غور سے سن رہے تھے، مسکرا کر سراہنے کے انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔

"اس طرح مجبور ہو کر وہ یہاں آنے پر تیار ہو تو جائے گا لیکن۔"

"اوں ہوں۔" باباجان ٹوک کر بولے۔ "ہم لیکن کی گنجائش نہیں چھوڑتے، اُسے آنے دو پھر دیکھ لینا۔"

"جی! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" شاہ جہانگیر نے اپنے اندر اُٹھتے سوال کو روک کر اپنا اقدام پوچھا۔

"چند دن بعد سکندر کی بات سن لینا۔ اور پھر کوئی بھی بہانا کر کے پیسے سے معذوری ظاہر... اور ہاں ذرا اپنی بی بی جان کو مضبوط کر دو، وہ آجکل بہت سکندر سکندر کرتی ہیں۔ کہیں ایسا... اُن سے رابطہ کرے اور یہ ہمدردی میں اُس کی مدد کر بیٹھیں۔ ان عورتوں کے پاس عقل نام کی... نہیں ہوتی، سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہیں۔" باباجان بولتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شاہ جہانگیر نے فوراً اُن کی تقلید کی۔

"میں سمجھا دوں گا بی بی جان کو۔"

"ٹھیک ہے اب تم آرام کرو۔" باباجان نے انہیں جانے کی اجازت دی۔ شاہ جہانگیر اُن... سے نکل آئے۔

مہرالنساء اپنے گول مٹول بچے کو بازوؤں کا جھولا جھلاتے ہوئے اُس سے باتیں بھی کر...

"تیرے باپ نے میری آواز سن کر فون بند کر دیا۔ اب تو جلدی سے بڑا ہو جا، آغا... آواز سناؤں گی۔ پھر دیکھوں گی کیسے فون بند کرتا ہے۔"

شاہ جہانگیر نے رُک کر ماں بیٹے کو دیکھا پھر آگے بڑھتے ہوئے اُن کے ہونٹوں پر مسکرا...

"ممی! میری پھوپھو دُور نہیں گئیں، آج اُنہوں نے مجھے فون کیا تھا، میں نے اُن سے بہت ساری باتیں کیں پھر پتا نہیں کیا ہوا، پھوپھو خاموش ہو گئی تھیں۔" نبیل خوش ہو کر بتا رہا تھا۔

نبیلہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ آنکھوں سے ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔ البتہ لہجے پر قابو پا کر پوچھنے لگیں۔

"تم نے خود اُٹھ کر فون ریسیو کیا تھا؟"

"نہیں آیا نے ٹیلی فون یہاں لا دیا تھا۔ ممی آپ ٹیلی فون میرے پاس رکھ دیں۔ میں روزانہ پھوپھو سے بات کروں گا اور اماں جی سے بھی۔" نبیل نے اُن کی بات کا جواب دینے کے ساتھ التجا بھی کی۔

"نہیں، یہاں فون تمہیں ڈسٹرب کرے گا۔" نبیلہ اُس کی التجا رد کرتے ہوئے بولیں۔ "جب تمہاری پھوپھو فون کریں گی تب آیا تمہیں فون یہیں لا دے گی۔"

"اور ممی! پھوپھو کہہ رہی تھیں، وہ میرے پاس آئیں گی، میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں چل نہیں سکتا۔" نبیل بہت سادگی اور معصومیت سے بول رہا تھا۔

"تم نے۔" نبیلہ نے غصے سے دانت پیسے۔ "کیا بتایا ہے تم نے پھوپھو کو؟"

نبیل سہم کر چپ ہو گیا۔

"دیکھو بیٹا!" نبیلہ ایکدم غصے پر قابو پا کر بولیں۔ "اس طرح تو تمہاری پھوپھو پریشان ہوں گی، تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ تم اب ٹھیک ہو۔"

"سوری ممی! اب میں پھوپھو کو پریشان نہیں کروں گا۔" نبیل نے فوراً سوری کہا کہ کہیں ممی اُسے پھوپھو سے بات کرنے سے منع نہ کر دیں۔

"ہاں شاباش۔" نبیلہ نے جھک کر اُس کا گال تھپکا پھر پلٹیں تو آیا کو کھڑے دیکھ کر اُس سے بولی تھیں۔

"نبیل سو جائے تو میرے کمرے میں آنا۔"

"ممی پھوپھو آئیں گی ناں؟" نبیل نے عقب سے پکار کر پوچھا۔

نبیلہ قصداً اَن سنی کر کے اُس کے کمرے سے نکل آئیں۔ اصل میں وہ جس دعوے سے نبیل کو لے کر آئی تھیں کہ اُن سے بہتر اُس کی دیکھ بھال کوئی نہیں کر سکتا تو اپنے دعوے کو وہ سچ ثابت نہیں کر سکی تھیں بلکہ اُنہوں نے کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اور شاید یہ اُن کے بس میں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے شروع ہی سے نبیل کو خود سے الگ رکھا تھا۔ کبھی اُس کی خاطر اپنی ایکٹویٹیز نہیں چھوڑی تھیں۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتیں، بلکہ طلاق کے بعد تو وہ اور بھی آزاد ہو گئی تھیں۔ یہاں کوئی روک ٹوک نہیں تھی، اُن کے ماں باپ اِس عمر میں بھی کلب اور پارٹیز کے دلدادہ تھے، اور سمجھتے تھے کہ اُن کی بیٹی اتنا عرصہ قیدِ بامشقت کاٹ کر آئی ہے۔ اس لیے اس سے ہمدردی کرنے کے ساتھ اُسے مزید سر چڑھا لیا تھا اور چاہتے تھے کہ اب وہ اپنے ہی جیسے لوگوں میں کہیں ایڈجسٹ ہو جائے۔ خود نبیلہ بھی یہی چاہتی تھیں۔ اس لیے اُن کا زیادہ وقت کلب اور فائیو اسٹار ہوٹلز میں ہونے والے فنکشنز میں گزرتا تھا۔ نبیل کا طوق تو اُنہوں نے خواہ مخواہ گلے میں ڈال لیا تھا۔ جس پر اب پچھتا رہی تھیں۔

اصل میں اُس وقت بھی انہیں نبیل کا خیال نہیں تھا۔ بلکہ چھوڑے ہوئے شوہر کو پریشان کرنا مقصود تھا۔ جیسے پہلے نبیل کو بغیر بتائے اسکول سے ہی اپنے ساتھ لے جا کر پریشان کرتی رہی تھیں، لیکن اس بار وہ خود پریشان ہو گئی تھیں، کیونکہ جس وقت وہ نبیل کو لے کر آئی تھیں اُس وقت وہ صرف بخار کی حالت میں تھا۔ اور یہاں اُن کی لاپروائی سے معصوم بچہ پولیو کا شکار ہو کر چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔ گو کہ ڈاکٹرز پُر اُمید تھے کہ علاج کے ساتھ بھرپور توجہ سے وہ ٹھیک ہو سکتا ہے اور نبیلہ ہر دوسرے دن ڈاکٹر کو بُلوا لیتی تھیں۔ لیکن توجہ ندارد۔ اُس کے لیے آیا رکھ چھوڑی تھی، اور یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ جلد سے جلد ٹھیک ہو جائے۔ تا کہ اُسے اُس کے دادا، دادی کے پاس بھیج دیں۔ اس حالت

میں یوں نہیں بھیج پا رہی تھیں کہ بڑے دعوے سے لائی تھیں۔ گو یا ہر لحاظ سے انہیں اپنا مفاد عز
اور ابھی نبیل سے آسیہ کے فون کرنے کا سن کر وہ سخت غصے میں آئی ہوئی تھیں کہ پتا نہیں نبیل
آسیہ کو اپنے بارے میں اور کیا کیا بتایا ہے۔

چاہتی تو نبیل سے معلوم کر سکتی تھیں۔ لیکن قصداً اس سے نہیں کریدا کیونکہ اُن کا غصہ ظاہر ہونے
اور نبیل کے سامنے اُس کے ددھیال کا ذکر وہ اچھے طریقے سے کرتی تھیں تاکہ اُسے واپس اُن لوگ
پاس بھیجنے میں انہیں کوئی پرابلم نہ ہو۔ بہرحال جب آیا اُن کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ چھوٹ
ہی پوچھنے لگیں۔

"ٹیلی فون نبیل کے کمرے میں کیوں لے کر گئی تھیں؟"

"وہ۔ اُس کی پھوپھی نے کہا تھا۔" آیا اُن کے غصے سے کچھ ڈر گئی تھی۔

"پھوپھی ہو یا دادی، کسی سے فالتو بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں
نبیلہ سخت لہجے میں تنبیہہ کرتے ہوئے بولیں۔

"ایک بات اچھی طرح سمجھ لو، کوئی بھی نبیل کا پوچھے کہہ دینا وہ میرے ساتھ باہر گیا ہوا ہے۔ گئی؟"

"آپ کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے۔" آیا منمنائی۔

"ہاں اور خبردار نبیل کو نہیں بتانا کہ اُس کی کسی پھوپھی، چاچی، دادی کا فون آیا تھا۔ وہ پوچھے بھی نہیں۔ سمجھیں۔" وہ سارا غصہ اُس پر نکال رہی تھیں۔

"جی!"

"جاؤ، اپنا کام کرو۔" وہ آیا کو بھیج کر بھی کتنی دیر تک بڑبڑاتی رہی تھیں۔

بیل کی آواز پر اُس کی آنکھ کھلی تھی۔ اور پھر مجبوراً اٹھنا بھی پڑا کیونکہ دروازہ تو کھولنا تھا۔ بہت سستی سے آکر دروازہ کھولا۔ تو سامنے شاہ سکندر بے حد جھنجلایا ہوا کھڑا تھا۔

"سو رہی تھیں کیا؟" اُس کی آواز میں بھی جھنجلاہٹ تھی۔

آسیہ سمجھ گئی اُسے اُٹھنے میں دیر ہو گئی ہے۔ جانے کب سے وہ بیل بجا رہا تھا۔

"ہاں بس نیند آ گئی تھی۔" وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی تو اُس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

شاہ سکندر نے رُک کر دیکھا اور پھر اُس کا بازو تھام کر اپنے سامنے کر لیا آنکھیں سرخی مائل
چہرہ ستا ہوا۔ نیند کے باعث نہیں لگ رہا تھا جب ہی وہ تشویش سے پوچھنے لگا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔!"

"ہوں، ٹھیک ہوں۔" اُس نے فوراً اپنے چکرا کر گرنے کا بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اور بات
گئی۔

"کیا بہت دیر سے بیل بجا رہے تھے۔؟"

"پورے دس منٹ۔" شاہ سکندر نے گھڑی اُس کے سامنے کی۔

"منٹ اور گھنٹے میں فرق ہوتا ہے شاہ سکندر حیات! دس منٹ یوں کہہ رہے ہیں جیسے گھنٹے کھڑے رہے ہوں۔" وہ اُس کی ٹائی کو ہلکا سا جھٹکا دے کر بولی۔

"جناب! جب بندہ کہیں سے تھکا ہارا آئے تب دروازے پر ایک پل رُکنا بھی عذاب ہے۔ اور تمہیں ابھی بھی احساس نہیں۔ بھوکا پیاسا کھڑا ہوں۔" شاہ سکندر نے پیٹ پر ہاتھ رکھ

"اوہ!" وہ ایکدم پریشان ہو گئی۔ "آئی ایم سوری سکندر! کھانا تو میں نے پکایا نہیں۔"

"کیوں، کچھ پکانے کو تھا نہیں یا۔؟" شاہ سکندر نے تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گرتے ہوئے

"جی نہیں پکانے کو تو موجود تھا۔ بس میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔" اُسے بتانا پڑا۔ "پتا نہیں
کیا ہوا تھا، یہیں چکرا کر گری تھی پھر اندر جا کر لیٹی تو نیند آ گئی، ابھی اٹھی ہوں۔"

"یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی، چلو ابھی ڈاکٹر کے پاس۔" وہ ابھی بیٹھا تھا فوراً کھڑا ہو گیا۔

"نہیں اب تو میں ٹھیک ہوں، بلکہ بہت بہتر ہوں۔ آپ جب تک چینج کریں میں اتنی دیر میں
ٹ ہو جانے کے لیے کچھ تیار کر دیتی ہوں۔" وہ عجلت میں کہہ کر کچن میں جانے لگی تھی کہ شاہ سکندر نے
اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کوئی ضرورت نہیں کچن میں جانے کی۔ جاؤ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ کھانا بھی باہر کھا لیں گے۔"

شاہ سکندر نے اُسے کمرے کی طرف دھکیل دیا۔

وہ اُس کی بھوک کے خیال سے کہتی رہ گئی کہ پہلے کھانا پھر ڈاکٹر لیکن وہ اُسے پہلے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ جہاں سے نئے مہمان کی آمد کی نوید لے کر وہ اُسے فائیو اسٹار ہوٹل میں لے گیا جہاں وہ اس کے ساتھ پہلی بار آئی تھی۔

"یہ تو وہی جگہ ہے۔" وہ بیٹھتے ہی بے اختیار گنگنائی پھر جھینپ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

شاہ سکندر آنکھوں میں شرارت لیے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ہونٹ دلکش مسکراہٹ کی گرفت میں تھے۔

"اس طرح دیکھنا منع ہے۔" اُس کا چہرہ رنگین ہو گیا تھا۔

شاہ سکندر نے آنکھ مار کر اُسے مزید بوکھلا دیا تھا۔

"لگتا ہے آپ ہوش میں نہیں رہے۔ ایسی حرکتیں کریں گے تو میں کھانا بھی نہیں کھاؤں گی۔" اُس نے روٹھ کر کہا اور گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی۔

"اوں ہوں۔ کھانے سے ناراضگی بالکل نہیں چلے گی۔ سنا نہیں تھا، ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھیں۔" وہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا پھر ویٹر کے آنے پر سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔

ڈاکٹر نے اُسے ریسٹ بھی بتایا تھا لیکن اس طرح نہیں کہ وہ بالکل بستر پر لیٹ جائے ہلکے پھلکے کام کر سکتی تھی۔ اور وہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن شاہ سکندر نے اُسے "یہ نہیں کرو، وہ نہیں کرو، آرام سے بیٹھو" کہہ کہہ کر پریشان کر دیا تھا۔ آخر عاجز آ کر وہ اُس سے اُلجھ پڑی تھی۔

"میں خود ڈاکٹر ہوں، بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں، آپ براہِ مہربانی خاموش رہا کریں۔ اور ہر وقت میرے سر پر سوار رہنے کی ضرورت نہیں ہے، میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"میرے ساتھ رہنے سے؟" شاہ سکندر نے جانے کس لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، آپ کے ٹوکنے سے سیدھا سادا کام خراب ہو جاتا ہے۔ چلیں کمرے میں جائیں میں یہ دو برتن دھو کر ابھی آتی ہوں۔" وہ اُسے کچن سے نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

شاہ سکندر مصنوعی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔ اور جب وہ فارغ ہو کر اندر آئی تو وہ فون پر جانے کس سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور چپ چاپ اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔

"تھک گئی ہو ناں؟" شاہ سکندر فوراً فون رکھ کر پوچھنے لگا۔

"نہیں۔" وہ قصداً مسکرائی پھر اچانک خیال آنے پر اُس کی طرف کروٹ لے کر کہنے لگی۔ "آج اماں جی کا فون آیا تھا۔ یونہی باتوں میں عدیل بھائی کی شادی کا ذکر نکلا تو میں نے نائلہ کا نام لے دیا۔ ایک بار میں نے شاید آپ سے بھی کہا تھا۔ ہے ناں؟"

"ہوں۔ کہا تو تھا۔ پھر؟" شاہ سکندر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"پھر یہ کہ وہ اماں جی کو بھی پسند ہے اور وہ کہہ رہی تھیں کہ میں عدیل بھائی سے بات کر کے دیکھوں

اگر وہ راضی ہوں تو پھر ہم چلیں گے، آئی مین باقاعدہ پروپوزل لے کر۔ ہیں ناں؟" آخر میں اس نے اپنا خیال ظاہر کر کے اس سے پوچھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے تو اُدھر کی خبر ہے نہ اِدھر کی۔" وہ اس کی پیشانی پر آئی بالوں کی لٹ انگلی پر لپیٹتے ہوئے بولا۔

"آپ کو تو شاید اپنی خبر بھی نہیں ہے۔" آسیہ نے اپنے بال اس کی انگلی سے نکالتے ہ

"اب رکھنی پڑے گی، کیونکہ اب میں باپ بننے والا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر

پھر ایکدم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور شوق سے پوچھنے لگا۔

"یہ بتاؤ، تمہاری کیا خواہش ہے بیٹا یا بیٹی؟"

"بیٹی!" آسیہ نے سوچنے کا توقف بھی نہیں کیا، فوراً بولی تھی۔

"کیوں؟" شاہ سکندر کی حیرت اس کے فوری جواب دینے پر تھی۔

"آپ نے پوچھا میں نے بتا دیا۔ اب کیوں کا کیا سوال۔؟" وہ اس کی حیرت پر محظوظ ہو کر

"نہیں بتانا چاہتیں مت بتاؤ، ویسے میری خواہش بھی بیٹی ہے۔" شاہ سکندر نے کہا

بولی۔

"کیوں؟"

شاہ سکندر کا بھرپور قہقہہ بے ساختہ تھا۔ پھر اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔

"پہلے تم بتاؤ!"

"پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میری کوئی بہن نہیں ہے شاید اس لیے مجھے بیٹی کی خواہش ہے اور دو بیٹیاں اچھی لگتی ہیں۔" آسیہ نے بتانے میں یوں جلدی کی کہ اپنے "کیوں" کا جواب سننا چا

"ہاں، بیٹیاں اچھی لگتی ہیں۔" شاہ سکندر نے تائید کے ساتھ اس کی بات دہرائی پھر کہ

"میری خواہش میں ایک غرض پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ بابا جان میری شادی سے کتنے جب بیٹی کا سنیں گے تو بھاگے آئیں گے۔ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کریں گے ہاں بیٹیاں خاندان سے باہر نہیں دی جاتیں۔"

آسیہ جو بڑے اشتیاق سے سننے لگی تھی اندر ہی اندر جز بز ہو کر رہ گئی۔

"ہاں اگر ہماری شادی ان حالات میں نہ ہوئی ہوتی یعنی اس کے برعکس میں تمہیں بیاہ کر جاتا تب یقیناً میں پہلے بیٹے کی آرزو کرتا۔" شاہ سکندر نے اپنی بات پوری کی پھر آہستہ سے چھو کر بولا۔

"بیٹا ہو یا بیٹی! یہ بتاؤ نام کیا سوچا ہے؟"

"نام!" وہ قدرے بے دھیانی میں اُسے دیکھنے لگی پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے ایک نام بہت پسند ہے۔ اگر بیٹی ہوئی تو ہم اس کا نام مدیحہ رکھیں گے۔" نام

شاہ سکندر کی آنکھوں میں جانے کس خیال کا عکس تھا۔

"مدیحہ اچھا نام ہے۔" آسیہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی پھر معنی خیز ا

لگی "کون تھی مدیحہ؟"

"ہیں!" شاہ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا پھر سمجھتے ہی اس کے ہاتھ کو زور سے

"کیا سمجھتی ہو تم مجھے؟"

"اُف میرا ہاتھ۔" وہ تکلیف سے چیخ پڑی۔

"پہلے میری بات کا جواب دو۔" شاہ سکندر نے اس کے چیخنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"بہت نیک۔ شریف۔ پارسا۔" وہ جو منہ میں آیا کہتی گئی۔

"ہاں۔" وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا۔ "تم میری زندگی میں آنے والی پہلی او

"یہ بات آپ ایسے بھی کہہ سکتے تھے۔ ہاتھ توڑنا ضروری تھا کیا۔؟" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"سوری۔ سوری یار۔" شاہ سکندر نے نادم ہو کر دوبارہ بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں لگا لیا تھا۔

پھر کتنے دن گزر گئے۔ آسیہ کو متلی الٹیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو رکنے کا نام نہیں تھا۔ کوئی چیز اس اندر نہیں ٹھہرتی تھی۔ جب سے وہ بہت کمزور ہوگئی تھی۔ کوئی کام بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ کھانا پکانے ی ہوتی تو اس کی مہک ناگوار لگتی فوراً کچن سے نکل آتی۔ ایسی حالت میں شاہ سکندر کو مجبوراً اسے کچھ ں کے لیے اماں جی کے پاس چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ وہ خود ایک انڈا بھی فرائی نہیں کر سکتا تھا۔ اور اسی ل سے آسیہ بھی جانے پر تیار نہیں تھی کہ اسے کھانے کی پرابلم ہوگی لیکن پھر وہ بھی مجبور ہوگئی تھی۔

"کیا حالت بنائی ہے تم نے اپنی۔" میمونہ بھابی اس پر خفا ہونے لگیں۔

"بی بی بچہ پیدا کرنا آسان نہیں ہے۔ تم نے اپنے ڈاکٹر ہونے کے زعم میں سوچا ہوگا کہ سارے لے خود ہی طے کر کے پھر ایکدم بچہ ہمارے سامنے لا کر ہمیں سرپرائز دو گی۔"

آسیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ سرپرائز اپنے سسرال والوں کو دینا جنہیں کچھ خبر نہیں۔" اس کے ہنسنے کے باوجود میمونہ بھابی کہے گئیں۔ "ہم تم سے کبھی بے خبر نہیں ہو سکتے۔ گزشتہ بار جب تم آئی تھیں تب میں نے تم سے یہاں نے پر کتنا اصرار کیا تھا۔ اسی لیے کہ میں جانتی تھی۔ تمہاری یہ حالت ہونے والی ہے۔ اگر تم میری ت مان لیتیں تو کم از کم یوں ہڈیوں کا ڈھانچہ تو نہ بنتیں۔"

"جی نہیں میں کوئی ڈھانچہ نہیں ہوئی۔" وہ اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے بولی "بس ذرا کمزوری ہے دو ڈرپ لگیں گی ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"خالی ڈاکٹری نسخوں سے کام نہیں چلے گا۔"

"چلیں آپ اپنے نسخے بھی آزما لیجیے گا۔ تین بچے پیدا کر کے بہت ایکسپرٹ ہوگئی ہیں ناں۔" اس نے کہا اور ل بھائی کو آتے دیکھ کر میمونہ بھابی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" عدیل بھائی نے ان کے قریب کرسی کھینچتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔

"ہم تمہاری شادی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" میمونہ بھابی فوراً بولیں۔ "نائلہ کے لیے تو غالباً تم نے منع دیا تھا اس لیے ہم ایک اور۔"

"کیا۔ کب۔ میں نے کب منع کیا تھا۔" عدیل بھائی قدرے بوکھلا کر بولے تو میمونہ بھابی بڑی زور ہنسیں اور ہنستی چلی گئیں۔

آسیہ پہلے کچھ سمجھی نہیں پھر جب عدیل بھائی کو جھینپ کر سر کھجاتے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گئی۔

"دیکھا بچو کیسے پکڑا۔ بڑے چکر دے رہے تھے۔ میں نے اسے اس انداز سے نہیں دیکھا۔ پتا یہ کیسی ہے سوچوں گا۔" میمونہ بھابی ہنستی ہوئی ان کے ایک ایک انداز کی نقل اتار رہی تھیں۔

"آپ کو تو موقع چاہیے۔" عدیل بھائی انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر آسیہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ "تم اؤ آسیہ! شاہ سکندر آئے تھے؟"

"جی، شام میں آئے تھے۔" آسیہ، میمونہ بھابی سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"رکا نہیں انہیں، کھانا وغیرہ کھایا یا یونہی چلے گئے؟"

"بس کچھ جلدی میں تھے، غالباً کسی سے ملنا تھا۔"

"ابھی تک کوئی کام شروع نہیں کیا انہوں نے۔ مجھے اُن کا ارادہ کچھ ڈانواں ڈول سا لگتا ہے۔ پتا نہیں س کی طرف ان کا رجحان نہیں ہے یا کوئی پرابلم۔" عدیل بھائی کا انداز کچھ سوچتا ہوا تھا۔ پھر پوچھنے لگے۔ "تمہیں بتایا نہیں انہوں نے کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"جہانگیر بھائی کے انتظار میں ہیں۔ غالباً وہی کہہ گئے تھے کہ وہ خود آکر کوئی بزنس سیٹ" آسیہ نے سرسری انداز میں بتایا۔

"تو اب تک تو انہیں آجانا چاہیے تھا کافی دن بلکہ مہینے ہوگئے ہیں۔ فون وغیرہ آتا ہے" بھی نہیں؟" عدیل بھائی اس مسئلے کو بہت سنجیدگی سے لے رہے تھے۔

"اس عرصے میں دو یا تین بار فون آیا ہے ان کا۔ مجھ سے تو بات نہیں ہوئی۔ سکندر بتا رہ پہلے الیکشن کی وجہ سے نہیں آسکے پھر اپنی زمینوں کے کسی جھگڑے میں الجھے رہے۔ اب پتا نہ ہے۔" آسیہ کا انداز بتا رہا تھا جیسے شاہ سکندر نے اسے پورا اطمینان دلایا ہوا ہے کہ اس معا فکرمند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

عدیل بھائی کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر جانے کیا سوچنے لگے تھے۔

"بھئی شاہ لوگ ہیں انہیں کیا پروا ہے؟" میمونہ بھابی اپنے مخصوص انداز میں ان کی سنجیدہ گفتگ ہوئیں۔ "شاہ سکندر بزنس کریں نہ کریں میرا خیال ہے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

عدیل بھائی نے اپنے خیال سے چونک کر میمونہ بھابی کو دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولے تھے۔

"شاہوں کو بھی اپنی شاہی قائم رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

آسیہ نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر میمونہ بھابی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

"ٹھیک تو کہہ رہے ہیں عدیل بھائی۔ پتا نہیں سکندر اتنے اطمینان سے کیوں ہیں، اور با کو نہیں مجھ یاد ہی — جب طے کر کے گئے تھے کہ وہی آکر بزنس کا بتائیں گے تو سب سے پہلے ا کرنا چاہیے تھا۔"

"سنو!" میمونہ بھابی اچانک کسی خیال کے تحت اس کا بازو ہلا کر پوچھنے لگیں۔ "تم نے کبھ فون کیا ہے؟"

"نہیں، ایک دو بار سکندر سے کہا تھا کہ میری بی بی جان سے بات کرا دیں۔ لیکن ا کر دیا۔ کہنے لگے جب سب معاملہ ٹھیک ہو جائے گا تب تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔" سادہ سے انداز میں بتایا۔

"اس سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود بات کرلو۔" میمونہ بھابی بڑے آرام سے مشورہ بولیں۔ "ہر بات شوہر سے کہنے کی تھوڑی ہوتی ہے خوامخواہ اکڑ جاتے ہیں۔ سکندر کی بی بی پر کتنے تحائف بھیجے تھے۔ بیچاری شوہر کی وجہ سے مجبور ہیں ورنہ ان کا دل تو چاہتا ہوگا تمہار کو اور تمہاری مجبوری بھی یہی ہے کہ جب شوہر لے جائے گا تب جاؤ گی۔ لیکن ان سے با خوش ہو جائیں گی وہ۔"

"ہوں۔" آسیہ کتنی دیر تک پرسوچ انداز میں سر ہلاتی رہی پھر قدرے مایوسی سے بولی۔" پاس ان کا نمبر نہیں ہے۔"

"نمبر حاصل کرنا کون سی مشکل بات ہے ڈائریکٹری دیکھ لو، میرا خیال ہے شاہ پور کے ہوں گے وہ سب تمہارے سسرال ہیں ملیں گے۔" آخر میں میمونہ بھابی خود ہی محظوظ ہو

"اور اگر سکندر کو پتا چل گیا تو؟" اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

"چلنے دو۔ اس کی ماں کو فون کرو گی ناکہ کسی پرانے عاشق کو۔" میمونہ بھابی کا جملہ ب آسیہ نے پہلے گھورا پھر ہنس پڑی۔

شاہ سکندر نے گھر میں داخل ہوتے ہی ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگا کر آن کر دیا آسیہ نہیں تھی تو اسے بہت سناٹا محسوس ہوتا تھا۔ اور حقیقتاً اس کے بغیر اس کا دل بھی نہ

ہے گئے ابھی صرف تین دن ہوئے تھے۔ پھر وہ صبح شام اس کے پاس حاضری بھی دے رہا تھا۔ بھی گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی کمی شدت سے محسوس ہوتی اور وہ سونے تک خود کو ٹیپ، اخبار ژن وغیرہ میں بہلائے رکھتا۔ ابھی وہ ٹیپ آن کر کے کپڑے بدلنے واش روم میں چلا گیا تھا۔ کیونکہ خود بھی ساتھ ساتھ گنگنانے لگا تھا۔ جبھی فون کی بیل سنائی نہیں دی۔ جب واش روم سے ا تب جلدی سے پہلے ٹیپ بند کیا۔ پھر آکر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو!"

"گھر میں نہیں تھے کیا؟" ادھر سے شاہ جہانگیر کی آواز سنائی دی۔

"جہانگیر بھائی! السلام علیکم! کہاں ہیں آپ؟" وہ ان کی آواز سنتے ہی بے اختیار ہو گیا تھا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو؟" شاہ جہانگیر اس کا سوال یکسر نظرانداز کر گئے۔

"ٹھیک ہوں، کب سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ آ کیوں نہیں رہے؟" اس کے لہجے سے یشانی ہویدا تھی اور جیسے ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میرا آنا مشکل ہے سکندر کیونکہ ادھر بابا جان نے مجھے بہت سے کاموں میں الجھا دیا ہے، بہت شش کرتا ہوں کچھ وقت نکال سکوں لیکن۔ خیر تم سناؤ کوئی کام وغیرہ شروع کیا یا نہیں؟" شاہ جہانگیر اپنی ری بتا کر بات بدل گئے۔

"کیا کام کروں۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کوئی چھوٹا موٹا بزنس نہیں کرنا۔ اور بڑے بزنس کے لیے رے پاس پیسے نہیں ہیں۔ پہلے آپ نے جو رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کرائی تھی وہ میرے علاج لجے پر خرچ ہو گئی اور اب۔"

"خیریت تمہیں کیا ہوا؟" شاہ جہانگیر اس کی بات کاٹ کر پوچھنے لگے۔

"میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ تقریباً دس دن ہاسپٹل میں اس کے بعد ڈیڑھ دو مہینہ گھر میں بستر پڑا رہا ہوں۔" اس نے بہت عجلت میں بتایا۔

"اوہو۔ اب کیسے ہو؟" شاہ جہانگیر نے تشویش سے پوچھا۔

"اب ٹھیک ہوں۔ بس بیکاری نے پریشان کیا ہوا ہے۔ اس طرح تو کام نہیں چلے گا بھائی کہ آپ تین مہینے بعد میرے اکاؤنٹ میں پیسے جمع کرا دیں۔ مجھے کچھ کرنا چاہیے۔" اس نے اپنے تئیں انہیں ساس دلایا۔

"ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم خود کچھ کرو۔ لیکن مسئلہ پیسوں کا ہے، ادھر بابا جان نے سارا حساب اب اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔" شاہ جہانگیر بابا جان کے کہنے کے مطابق اس کے سامنے مزید پیسوں معذوری ظاہر کرتے ہوئے بولے۔ "میرے ساتھ ساتھ یونس بھائی کو بھی لگا بندھا خرچ دے رہے یعنی ہم بالکل ان کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"پھر؟" شاہ سکندر کچھ چکرا سا گیا تھا۔

"پھر میں کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ کوئی بڑی رقم ہاتھ لگ جائے، تب پہلی فرصت میں تمہارے ں آؤں گا۔ تب تک تم کوئی جاب وغیرہ کرلو۔" انہوں نے تسلی کے ساتھ مشورہ بھی دیا۔ اور اس کی ف سے کوئی جواب نہ پاکر قدرے توقف سے خود ہی کہنے لگے۔

"نہیں، میرا خیال ہے تم جاب نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ ایک تو تم شہر کے ہر بڑے آدمی سے متعارف دوسرے سسرال میں جو امیج بنا چکے ہو اسے بھی قائم رکھنا چاہیے ہے ناں!"

شاہ سکندر کوشش کے باوجود ایک لفظ "جی" نہیں کہہ سکا۔

"ایک اور راستہ ہے۔" شاہ جہانگیر اس کی خاموشی محسوس کرنے کے بعد کہنے لگے۔ "تم یہاں چلے آؤ، مطلب ہے بابا جان کے پاس۔"

"نہیں!" وہ سختی سے کہہ کر ہونٹ بھینچ گیا۔

"پہلے میری پوری بات سنو۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنا۔" شاہ جہانگیر نے اُسے ٹوکا۔ "بابا جان تمہارے منتظر ہیں۔ گو کہ ہم پر ظاہر نہیں کرتے لیکن انہیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔ میں نے خود سنا ایک دن بی بی جان سے کہہ رہے تھے کہ انہیں تمہاری بات مان لینی چاہیے تھی۔ وہ دوری شدت سے محسوس کرتے ہیں سکندر! بہت آزردہ رہتے ہیں۔ اگر انا کا سوال نہ ہوتا تو وہ تمہیں منانے ضرور آتے۔ بہت محبت کرتے ہیں وہ تم سے، ہم سب سے زیادہ جانتے ہو نا۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ انہیں اپنے سامنے جھکانے کے بجائے خود آ کر اُن سے معافی مانگ لو۔ مان رہ جائے گا۔ خوش ہو جائیں گے وہ، پھر تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"آپ بھول رہے ہیں بھائی! میں اکیلا نہیں ہوں۔ آسیہ میرے ساتھ ہے جسے اگر ہم کے ساتھ شادی کو علم ہو گیا تو وہ!"

"ایک منٹ یار۔" شاہ جہانگیر فوراً اُسے روک کر کہنے لگے۔ "میں نے یہ کب کہا کہ اُسے لے کر آؤ، بلکہ اُسے یہاں لانے کی غلطی تو کبھی کرنا بھی نہیں، بس تم آ کر بابا جان کو راضی کر لو اور اپنی ہر بات منوا لینا۔"

"مثلاً!" اُس کے استفسار میں ہلکا سا استہزا تھا۔

"مثلاً یہ کہ تم شاہ پور کے بجائے آسیہ کے ساتھ کراچی میں رہو گے اور مہینے میں دو تین دن بھی اپنا فرض نبھانے آ جاؤ گے۔" شاہ جہانگیر معنی خیز انداز میں بولے تھے۔

"کیا مطلب؟" وہ سٹپٹا گیا۔

"مرد ہو یار! دو کیا چار بیویاں رکھ سکتے ہو۔" شاہ جہانگیر نے خود ہی قہقہہ لگایا پھر کہا۔ "مذاق نہیں کر رہا۔ تم بھی جذباتی ہو کر مت سوچنا۔ سنجیدگی سے غور کرنا۔ سب سے مناسب ہے۔ مہرالنساء جانتی ہے کہ تم دوسری شادی کر چکے ہو۔ اس کے باوجود تمہاری راہ دیکھتی ہے۔ اس کی تم سے محبت کی انتہا ہے جس نے اُسے اسٹینڈ لینے سے باز رکھا ہوا ہے۔"

"میں نے اُسے کبھی پسند نہیں کیا؟" وہ جیسے اُکتا کر بولا۔

"نہ سہی، لیکن اُس کی محبت کو زندہ رکھو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور آسیہ کے لیے بھی۔ ان باتوں میں، میں آسیہ کا پوچھنا تو بھول ہی گیا۔ کیسی ہے وہ؟" شاہ جہانگیر نے اچانک موضوع بدلا۔

"اُس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہاں ریسٹ نہیں مل رہا تھا اُسے اس لیے کچھ دن کے لیے میں نے اُسے اُس کے والدین کے پاس چھوڑ دیا ہے، ایک دو دن میں لے آؤں گا۔"

"کیا کر رہے ہو یار! پہلے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا اب وہ بیمار ہے، تم نے تو پریشان کر دیا۔ اچھی خبر نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"اچھی خبر بھی سن لیں گے۔" شاہ سکندر اپنے آپ مسکرایا تھا۔

"ہاں، ذرا جلدی سنانا اور یہاں آ کر۔ اوکے خدا حافظ۔" شاہ جہانگیر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ریسیور رکھتے ہوئے شاہ سکندر نے یوں سر ہلایا جیسے اُن کی ساری باتوں کو فضول قرار دے رہا ہو۔ جب سونے کے لیے لیٹا تو اپنے مسئلے کا کوئی اور حل سوچتے ہوئے اُس کا ذہن بار بار شاہ جہانگیر کی باتوں میں اُلجھ رہا تھا۔ اور وہ پوری رات اُس کی یونہی سوچتے اُلجھتے گزری تھی۔ صبح کے قریب پہنچ کر وہ بس تھوڑی دیر کے لیے سویا تھا پھر اُٹھتے ہی آسیہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ آسیہ کو اُسی وقت ڈاکٹر ڈرپ لگا کر گیا تھا جسے دیکھ کر وہ کہنے لگا۔

"مریض کو چند گھنٹے مکمل آرام کروانے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ خصوصاً تم جیسی خواتین کو فضول کام کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔"

"جناب کوئی کام فضول نہیں ہوتا۔" وہ تکیہ سیدھا کر کے سر اونچا کرتے ہوئے بولی۔ "کیا آپ نے یا نہیں؟"

"نہیں یار۔ آج تو بس اُٹھتے ہی تمہارے پاس بھاگا آیا ہوں، بہت دن ہو گئے ہیں، بس اب چلو۔"

"کیوں اُداس ہو گئے ہیں؟" میمونہ بھابی چائے لے کر آ رہی تھیں اُس کی آخری بات سن کر کہنے لگیں۔

"ہاں آنکھوں سے بھی لگ رہا ہے، رات بھر کروٹیں بدلتے رہے ہیں شاید، چہ چہ مجھے آپ سے بڑی ہمدردی ہے۔"

"شکریہ اور یہ صرف چائے۔" وہ اُن کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے بولا۔

"بھابی! یہ ناشتا بھی کریں گے۔" آسیہ نے کہا۔

"ابھی لاتی ہوں۔" میمونہ بھابی بیٹھنے کا ارادہ ترک کر کے واپس پلٹ گئیں۔

"اچھی خاتون ہیں، ہنس مکھ، زندہ دل اور اسمارٹ۔" شاہ سکندر نے چائے کا سپ لے کر ایمانداری سے میمونہ بھابی کی تعریف کی۔

"آپ واقعی رات میں نہیں سوئے؟" آسیہ اُس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے بغیر نیند کہاں آتی ہے، پھر رات میں جہانگیر بھائی کا فون آ گیا تو!"

"کیسے ہیں جہانگیر بھائی؟" وہ درمیان میں بول پڑی۔

"ہاں ٹھیک ہیں، تمہارا بہت پوچھ رہے تھے۔" وہ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔

"اور بی بی جان وغیرہ!" آسیہ نے اب سنبھل کر پوچھا۔ یعنی اور کسی کا نام نہیں لیا۔

"میں نے کسی کا نہیں پوچھا کیونکہ ایک تو جہانگیر بھائی عجلت میں تھے دوسرے اسلام آباد سے بات کر رہے تھے۔" وہ رات یہی سوچ کر سویا تھا کہ فی الحال آسیہ کو اپنے شاہ پور جانے کا نہیں بتائے اس لیے اسلام آباد کا بتا کر کہنے لگا۔

"مجھے اُنہوں نے وہیں بلایا ہے۔ کہہ رہے تھے وہ بالکل وقت نہیں نکال پا رہے لہٰذا میں ایک دو دن کے لیے وہاں آ جاؤں۔ اور میں یہی سوچتا رہا کہ تمہیں ایسی حالت میں چھوڑ کر کیسے جاؤں۔"

"میری حالت کوئی ایسی تشویشناک تو نہیں ہے۔" وہ اُس کی پوری بات سن کر کہنے لگی۔ "اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں آپ یہاں مجھے کتنے آرام سے رکھا جا رہا ہے، پھر دو دن کی تو بات ہے آپ اطمینان سے ہو آئیں۔"

شاہ سکندر نے فوراً حامی نہیں بھری اور یوں دیکھنے لگا جیسے اُس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کیا کرے۔ تبھی میمونہ بھابی ناشتا لے کر آ گئیں۔ اور دونوں کو خاموش دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"کیا مسئلہ ہے، اگر مجھے بتانے کا ہے تو بتاؤ، فوراً حل کر دوں گی۔"

"کوئی مسئلہ نہیں بھابی! آپ بیٹھیں ناشتا کریں۔" آسیہ نے کہا۔

"ہائیں۔ کتنی بار ناشتا کراؤ گی مجھے۔ اب تو میں اماں جی سے کھانے کا پوچھنے جا رہی ہوں۔ اور اگر تمہیں کوئی خاص چیز کھانی ہو تو بتاؤ۔" میمونہ بھابی ٹرے شاہ سکندر کے سامنے رکھ کر آسیہ سے پوچھنے لگیں۔

"نہیں جو پکے گا کھا لوں گی۔" آسیہ قصداً مسکرا کر بولی۔

"اور سکندر آپ؟" میمونہ بھابی نے اخلاقاً اُس سے بھی پوچھ لیا۔ ورنہ جانتی تھیں کہ وہ کھانے کے وقت موجود نہیں ہوگا۔

"نہیں، میں تو ابھی جا رہا ہوں۔ ناشتے کے لیے آپ کو زحمت دے کر شرمندہ ہوں۔" شاہ سکندر واقعی انہیں زحمت دینا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"نہیں ناشتا کریں۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" میمونہ بھابی کہتے ہوئے چلی گئیں۔

"ہاں، کیا کہہ رہے تھے آپ، کب بلایا ہے جہانگیر بھائی نے۔" آسیہ نے میمونہ بھابی کے جاتے ہی

پھر وہی بات چھیڑ دی۔

"یہ پوچھنا تو میں بھول ہی گیا کہ وہ اسلام آباد میں کب تک رہیں گے، پھر اُسی حساب سے طے کر لیتا۔" شاہ سکندر نے سرسری انداز میں کہا۔

"آپ کو جہانگیر بھائی سے ملنا تو ہے اور ابھی میں یہاں ہوں تو آپ آرام سے جا سکتے ہیں، آپ کی مرضی۔ جیسا مناسب سمجھیں۔" آسیہ پہلے فوراً بولی تھی پھر احساس ہونے پر اُس کی مرضی پر

"ہوں۔" شاہ سکندر نے ناشتے میں مصروف رہ کر سر ہلایا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم، اپنے گھر میں پھر تمہارے اکیلے ہونے کا خیال ہوگا پھر واقعی میرا ہو جائے گا۔" پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا "میں آج ہی کی فلائیٹ سے چلا جاتا ہوں۔ پرسوں تک آ جاؤں گا۔"

آسیہ نے یونہی سر ہلا دیا۔

"اور پھر اسی وقت تم میرے ساتھ گھر چلو گی، میرا وہاں تمہارے بغیر دل نہیں لگتا۔ سے پہلے میں کتنا عرصہ اکیلا رہا ہوں. لیکن اب تو ایک ایک پل بھاری لگتا ہے اور سن لو تمہیں ایک دن کے لیے بھی یہاں نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ناشتا چھوڑ کر بولنے لگا تھا۔ اُس کے تنبیہہ نہیں محبت بھری دھونس تھی۔

آسیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔

شاہ سکندر اپنی جگہ سے اٹھا اور پہلے اُس کی ڈریپ چیک کی پھر جھک کر اُس کی پیشانی پر

"تم میری محبت میری زندگی ہو آسی! تم سے ایک پل کی دوری میری جان پر بنا دیتی ہے رکھا کرو یہ سوچ کر کہ میری سانسوں کی ڈور تمہارے ساتھ بندھی ہے۔"

اُس کی محبتوں کی شدتیں یونہی آسیہ کی پلکیں نم کر دیتی تھیں۔ چپ چاپ سرکتے لمحوں میں لمحہ بہت چپکے سے ان بھیگی پلکوں پر بسیرا کر گیا تھا۔

یہ دھوپ کنارا، شام ڈھلے
ملتے ہیں دونوں وقت جہاں
جو رات نہ دن، جو آج نہ کل
پل بھر کو امر، پل بھر میں دھواں
اُس دھوپ کنارے پل دو پل
ہونٹوں کی لپک
باہنوں کی چھنک
یہ میل ہمارا، جھوٹ نہ سچ
کیوں زار کرو، کیوں دوش دھرو
کس کارن جھوٹی بات کرو
جب تیری سمندر آنکھوں میں
اس شام کا سورج ڈوبے گا
سکھ سوئیں گے گھر در والے
اور راہی اپنی راہ لے گا

❀ ❀ ❀

تقریباً ڈیڑھ برس بعد شاہ سکندر کی گاڑی ہائی وے پر فراٹے بھر رہی تھی۔ آسیہ کے پاس
نے کے بعد اس نے ایک بار پھر تمام حالات کو نئے سرے سے سوچا تو اُس پر بابا جان کی حکمت
ی طرح واضح ہونے لگی تھی کہ کس طرح انہوں نے بظاہر خاموشی اختیار کر کے اُسے ایک طرح سے مجبور
نے کی کوشش کی تھی اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گئے تھے کیونکہ اُسے فی الفور واپسی کے علاوہ
راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور اُس نے واپسی کی تیاری کر لی لیکن اس طرح نہیں جیسے بابا جان چاہتے تھے۔
ے برعکس اُس نے سوچ لیا تھا کہ اب اُس کی باری ہے۔ بابا جان سے اپنا حق وصول کرنے کے لیے
نے پوری پلاننگ کے بعد اپنا سفری بیگ اٹھایا تھا۔
بھی ڈھائی تین گھنٹے کی مسافت تھی۔ اس دوران وہ جہاں خود کو بابا جان اور بی بی جان کا سامنا کرنے
لیے تیار کرتا رہا، وہاں یہ خیال بھی تھا کہ اُسے کسی طرح خود کو مجبور ظاہر نہیں کرنا بلکہ اُن کی محبت میں وہ
سے ملنے آیا ہے۔ اس کے علاوہ اُس کی کوئی غرض نہیں۔ اس کے بعد بابا جان کا ردِ عمل سوچتے ہوئے
نے کچی سڑک پر گاڑی اتاری تو دونوں اطراف پھیلے کھیتوں میں کام کرتے مزارعوں نے حیرت و خوشی
ملے تاثرات سے اُسے دیکھا جبکہ اُس کی نظریں حویلی پر جمی تھیں جس کے بڑے سے گیٹ پر موجود
ار نے اُس کی گاڑی دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح پورا گیٹ کھول دیا تھا۔ اور وہ بھی رُکے بغیر گاڑی اندر لے
تا البتہ جب گاڑی سے اُترا تب سوچ میں پڑ گیا کہ پہلے اُسے کس کے پاس جانا چاہیے۔ بابا جان یا بی بی جان
اور پھر کچھ طے کیے بغیر اُس نے قدم آگے بڑھا دیے۔
دوپہر کا وقت تھا۔ غالباً سب کھانے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ طویل راہداری
عبور کر کے لاؤنج میں آیا تو سامنے سے گزرتی جیراں نے اُسے دیکھ کر انتہائی بے یقینی سے پوری آنکھیں
لیں۔
بی بی جان کہاں ہیں؟" شاہ سکندر پوچھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تو جیراں جواب دینے کے بجائے سیڑھیاں
ی اوپر چلی گئی۔
ان سنس۔" جیراں کی بدحواسی پر اُس نے ناگواری سے سر جھٹکا تو نظر بچے پر پڑی جو ٹیبل کا کونہ پکڑ کر
ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالکل غیر ارادی طور پر وہ پوری طرح اس بچے کی طرف متوجہ ہو گیا جو دو تین
کوشش کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ گیا پھر گھٹنوں کے بل گھسیٹتا ہوا اُس کی طرف آنے لگا۔ اور ایک قدم کے
پر تھا کہ دو ہاتھوں نے بہت پھرتی سے اُسے اٹھا لیا۔ اور وہ جو بہت اشتیاق سے بچے کو دیکھ رہا تھا
کر نظریں اٹھائیں تو سامنے مہر النساء تھی۔ اُس کے دیکھنے پر بچے کو سینے میں چھپاتی لہرا کر پلٹی اور بے نیازی
سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اُس کے گلابی پاؤں سرخ کارپٹ پر نشان نہیں چھوڑ رہے تھے پھر بھی وہ اُس
نش پا دیکھتا رہ گیا۔
ارے سکندر! تم کب آئے؟" شاہ جہانگیر کی آواز نے اُس کی محویت کو توڑا تھا۔
ابھی۔ بس ابھی آ رہا ہوں۔" وہ چونک کر بولا اور بڑھ کر شاہ جہانگیر کے سینے سے لگتا ہوا پوچھنے لگا۔
ب ٹھیک ہے ناں؟"
ہاں، تم آ گئے ہو تو سب ٹھیک ہو گا۔ بی بی جان سے ملے، چلو پہلے اُن سے مل لو۔ بہت یاد کرتی ہیں
شاہ جہانگیر اُس کی اتنی جلد آمد پر اندر ہی اندر حیران ہو رہے تھے اور بظاہر بہت خوش دلی کا
کرتے ہوئے اُسے اپنے ساتھ لگائے بی بی جان کے کمرے تک آئے اور دروازہ کھول کر انہیں مخاطب
ہ بولے۔
بی بی جان! دیکھیں کون آیا ہے؟"
ون؟" بی بی جان نے تکیے سے سر اٹھایا تو اُن کے ساتھ شاہ سکندر کو دیکھ کر پہلے تو انہیں یقین نہیں آیا
دم اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور دونوں بازو پھیلائے تو وہ بھی بے اختیار ہو گیا تھا۔ ماں جب تک نظروں
تھیں تو کبھی بھولے بھٹکے یاد آ جاتی تھیں اور اب وہ اپنے آپ پر حیران ہو رہا تھا کہ اتنا عرصہ وہ ان

سے دُور کیسے رہا۔

"بہت ستایا ہے تم نے مجھے۔ کوئی اس طرح بھی ماں سے ناراض ہوتا ہے۔" بی بی جان اُس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر شکوہ کرنے لگیں۔ وہ چپ چاپ سُنتا رہا پھر اُن کے رخساروں پر چھلکتے آنسو انگلیوں پر چن کر بولا۔

"آ تو گیا ہوں بی بی جان۔ اور مجھے آپ کی محبت کھینچ لائی ہے۔ ورنہ میں تو تہیہ کر کے گیا تھا کہ"

"بی بی جان! تھکا ہوا آیا ہے اس سے کھانے وغیرہ کا تو پوچھیں۔" اُس کے ہونٹوں پر آسیہ کا نام آنے سے پہلے شاہ جہانگیر بول پڑے۔

"نہیں بس۔ اس وقت بھوک نہیں ہے۔" اُس نے کھانے کا منع کر دیا۔

"تو کوئی چائے، ٹھنڈا بلکہ ایسا کرو پہلے شاور لے لو۔" شاہ جہانگیر نے کہا تو وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے پہلے میں بابا جان سے مل لوں۔"

"بابا جان تو نور بانو کی طرف گئے ہیں۔ شام میں آئیں گے۔"

"خیریت۔ آپا نور ٹھیک تو ہیں ناں؟" اُس نے سوالیہ نظروں سے بی بی جان کو دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے نور بانو اور شہر بانو بھی۔ ابھی تو تم آئے ہو۔ دو چار روز میں جا کر بہنوں سے" بی بی جان نے کہا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گیا۔

"جو کمرے میں ہیں پہلے اُن سے تو ملنے دیں بی بی جان اسے۔" شاہ جہانگیر کا اشارا مہرالنساء کی طرف تھا اور بی بی جان نے غالباً دھیان نہیں دیا۔

"ہاں ہاں جاؤ، بچا وجوں کو سلام کرو۔"

وہ کن اکھیوں سے شاہ جہانگیر کو دیکھتا کمرے سے نکل آیا اور لاؤنج میں رُک کر انتظار کرنے لگا کہ شاہ جہانگیر اُس کے پیچھے آئیں گے لیکن وہ جانے قصداً بی بی جان کے پاس رُک گئے تھے یا روک لیے گئے وہ کچھ دیر انتظار کے بعد سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا تو اپنے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر ایک بار پھر رُک گیا۔ مہرالنساء کی موجودگی نے کشمکش میں ڈال دیا تھا۔ غالباً اپنی پلاننگ میں وہ اس لڑکی کو بھول جب ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ جانے کیوں وہ کچھ خائف سا ہو رہا تھا۔ بمشکل خود کو اس کا سامنا کرنے کے وہ کمرے کے دروازے تک آیا تو سامنے بیڈ پر وہ بچے کو گود میں لٹائے اُس پر جھکی نظر آئی تک بچے کے بارے میں اُس کے ذہن میں کوئی سوال نہیں تھا اور اب اچانک ذہن میں جھماکا ہوا

"وہ مہرالنساء تھی سکندر! میں نے اُسے ہاسپٹل میں دیکھا تھا۔ غالباً ڈلیوری کے لیے آئی تھی۔ میں بچہ بھی تھا۔"

اُس وقت اُس نے چلا کر آسیہ کو خاموش کر دیا تھا لیکن اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بے اختیار آگے آ کر بولا۔

"یہ میرا بچہ ہے۔"

مہرالنساء نے چونک کر اسے دیکھا اور فوراً ہی نظروں کا زاویہ بدل گئی تو وہ اپنی بے اختیاری پر کر بولا۔

"کیسی ہو تم؟"

مہرالنساء نے سر جھکا لیا۔ جانے حجاب تھا یا ناراضگی کا اظہار۔ وہ کچھ دیر رُک کر وارڈ روب کی طرف گیا اور اپنے کپڑے نکال کر واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولا تھا۔

"میں سونا چاہتا ہوں، تم بی بی جان کے پاس چلی جاؤ۔"

شام اُتر رہی تھی جب بابا جان کے کہنے پر مہرالنساء نے کمرے میں آ کر پہلے کھڑکیوں سے پردے پھر دھیرے سے شاہ سکندر کا بازو ہلایا تو وہ نیند میں بڑبڑایا۔

"سونے دو آسیہ۔"

مہرالنساء کے پورے وجود میں چنگاریاں بھر گئیں۔ ایک لحظے کو ہونٹ بھینچے پھر اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی۔

"اٹھیں شاہ! آپ کو بابا جان بلا رہے ہیں۔"

"ہوں۔" شاہ سکندر نے ذرا سی آنکھیں کھولیں لیکن جب مہرالنساء کا چہرہ نظر آیا تو فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر پوچھا۔

"کیا کہا تم نے؟"

"بابا جان بلا رہے ہیں۔"

"بابا جان آ گئے؟" وہ ہاتھ نیچے گرا کر اُسے دیکھنے لگا۔

"جی اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" مہرالنساء کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

کچھ دیر بعد شاہ سکندر نے بابا جان کے کمرے میں داخل ہو کر انہیں سلام کیا تو جواب میں وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر دونوں بازو پھیلاتے ہوئے بولے۔

"تو صبح کا بھولا لوٹ آیا۔"

شاہ سکندر کے اُن کی طرف بڑھتے قدم وہیں رُک گئے۔ اور اُن کے سینے سے لگنے کی خواہش دبا کر مضبوط لہجے میں بولا۔

"آپ غلط سمجھے بابا جان! میں بھولا نہیں ہوں۔"

"ہم نے تو یونہی ایک بات کہہ دی برخوردار ورنہ تمہارے ارادوں کی مضبوطی ہم سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ خیر رُک کیوں گئے۔ آؤ گلے لگو ہمارے۔" بابا جان خوش دلی، فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھے تو وہ فوراً درمیانی فاصلہ سمیٹ کر اُن کے سینے سے جا لگا۔

"خوش تو ہو ناں۔"

"جی۔ دعائیں ہیں آپ کی۔" وہ کھل کر مسکرایا۔

"جیتے رہو۔" بابا جان اُس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگے۔ "کہاں ہوتے ہو آج کل؟"

"کراچی میں۔" شاہ سکندر نے اُن کے انجان بننے پر بغور انہیں دیکھا پھر سر جھکا کر کہنے لگا۔ "میں آپ کو ناراض کر کے نہیں جانا چاہتا تھا بابا جان! اگر آپ اُس وقت میری بات مان لیتے تو میری خوشیوں میں آپ بھی شریک ہو سکتے تھے۔"

"جسے تم خوشی کہہ رہے ہو اُسے ہم تسلیم نہیں کرتے اور بہتر ہو گا جو تم ہمارے سامنے اس کا ذکر نہیں کرو۔" بابا جان نے واضح الفاظ میں ٹوک دیا۔

شاہ سکندر نے ہونٹ بھینچ لیے تو کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"اپنے بچے سے ملے؟" قدرے توقف سے بابا جان نے موضوع بدل کر بھی ایک طرح سے اُس پر جتا دیا کہ وہ مہرالنساء کو تسلیم نہ کرنے کا دعوا نہیں کر سکتا۔

"جی۔" بادل نخواستہ جواب آیا۔

"خوش نہیں ہوئے۔ وارث ہے تمہارا۔" بابا جان کو اس کا انداز پسند نہیں آیا۔

"وارث۔" وہ تلخی سے گویا ہوا۔ "میری کون سی جائیدادیں کھڑی ہیں جس کے لیے میں"

"ہم نے تمہیں عاق تو نہیں کیا۔" بابا جان فوراً بولے تھے۔

"کر دیتے تو اچھا تھا۔" وہ سوچ کر رہ گیا اور مزید تلخی سے بچنے کی خاطر وہاں سے اُٹھنے کا بہانا ڈھونڈ رہا تھا کہ شاہ جہانگیر آ گئے۔ ایک نظر اُسے دیکھ کر بابا جان سے پوچھنے لگے۔

"صبح رقیہ پر چلنا ہے بابا جان؟"

"ہاں چلیں گے۔ سکندر بھی جائے گا ہمارے ساتھ۔" بابا جان نے کہا تو وہ چونک کر بولا۔

"میں؟"

"اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ کیا پہلے تم بابا جان کے ساتھ نہیں جاتے رہے۔" شاہ جہانگیر نے

اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔
"ابھی بھی جاؤ گے۔ کیوں سکندر؟" بابا جان نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے مخاطب کیا تو وہ دیر سوچنے کے بعد بولا تھا۔
"جی چلوں گا۔" پھر اُن سے اجازت لے کر کمرے سے نکل آیا۔
بی بی جان نے رات کے کھانے میں اُس کی پسندیدہ ڈشز بنوائی تھیں اور وہ کھانے کے لیے بیٹھا لیکن اُس کا ذہن مختلف سوچوں کے تانے بانے میں اُلجھا ہوا تھا۔ مزید سب کے رویے حیران کر رہے کیونکہ اُس کے خیال میں اُسے یہاں آتے ہی پہلے بابا جان اور بی بی جان کی ناراضگی کا سامنا کرنا تھا۔ معافی مانگ کر انہیں منانے کا مرحلہ تھا لیکن یہاں اُس کے برعکس اُس کے اقدام کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی جا رہی تھی گویا اُس کا جانا اور آنا معمول کی بات ہو۔ اور ظاہر ہے جب معافی تلافی کا مرحلہ ہی نہیں آیا وہ کس بنیاد پر اپنی شرائط بیان کرتا۔
"کیا بات ہے۔ دوپہر میں بھی تم نے کھانے سے انکار کر دیا تھا اور ابھی بھی کچھ نہیں لے رہے۔" بی بی نے اُسے سوچوں میں گم دیکھ کر ٹوکا۔
"جی بس۔ میں کھا چکا۔" وہ کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑا ہوا اور جیمراں سے چائے کا کہہ کر باہر لان میں نکل آیا۔ حقیقتاً اُسے بہت گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔ اپنوں کے درمیان ان کی محبتوں کے باوجود ایسے رہا تھا جیسے وہ پھر کسی چکر میں پھنس گیا ہے

تم کو میرے سوا او میرے ساجنا
اب نہ دیکھے کوئی دوسرا
میں تیری دھوپ ہوں تو ہے سایا میرا
زندگی کے عوض پیار پایا تیرا
تو رہے ہمسفر تو یہ لمبی ڈگر
بنتی جائے گی پھولوں بھرا راستہ
تم کو میرے سوا او میرے ساجنا
اب نہ دیکھے کوئی دوسرا

آسیہ بڑی مگن سی گنگنا رہی تھی۔ آنکھوں میں جانے کس خیال کی چمک تھی۔ سبزی بناتی ہوئی میمونہ نے دو تین بار اُسے دیکھا لیکن ٹوکا نہیں۔ شاید اُس کے ہونٹوں پر مچلتا گیت انہیں اچھا لگ رہا تھا۔
رات دن کا جو یہ عجب کھیل ہے
ہے جدائی کہیں اور کہیں میل ہے
عمر فانی وہی، یہ کہانی وہی
لوگ رکتے ہیں رکتا نہیں قافلہ
تم کو میرے سوا او میرے ساجنا
اب نہ دیکھے کوئی دوسرا
"واہ۔ کیا خوبصورت گیت ہے۔" میمونہ بھابی نے بے اختیار تعریف کی۔
"شکریہ۔ ویسے میرا نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"ارے جو اچھا گا دے اُسی کا۔ اور تم سے اچھا"
"بس بس۔ زیادہ تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے میری آواز کیسی ہے۔" وہ فوراً ٹوک کر بولی اور باسکٹ میں سے گاجر اُٹھا کر کھانے لگی۔
"اور بھی لے لو۔ میں اب پکانے جا رہی ہوں۔" میمونہ بھابی پھیلاوا سمیٹتے ہوئے بولیں۔

"نہیں بس۔ کافی ہے۔ اور سلاد میں کاٹ دیجیے گا۔ بلکہ لائیے میں کاٹ دوں۔ یوں بھی فارغ بیٹھی ہوں۔" اُس نے باسکٹ اپنی طرف کھینچ لی اور میمونہ بھابی باقی چیزیں اُٹھا کر کچن میں چلی گئیں۔
"آسیہ۔" اماں جی نے اپنے کمرے سے نکل کر اُسے پکارا۔
"جی اماں جی۔" اُس نے جواب دیا تو اماں جی قریب آ کر بولیں۔
"وہ۔ وہ تم نے نائلہ کا کہا تھا۔ عدیل سے معلوم کیا؟ کیا کہتا ہے وہ؟"
"نہیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ ابا جی سے پوچھ لیں پھر چلیں گے۔" وہ باسکٹ ہٹا کر اماں جی کے بیٹھنے کو جگہ بناتے ہوئے بولی۔
"تمہارے ابا جی سے تو پوچھ لیا ہے اور وہ سکندر کب آئے گا۔ وہ بھی ساتھ چلتا۔"
"سکندر۔ دو دن میں آنے کا کہہ گئے تھے۔" اُس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔
"آج تیسرا دن ہے۔" اماں جی نے کہا تو وہ چونک کر بولی۔
"جی۔ ہو سکتا ہے آج آ جائیں۔"
"بس تو اس کے آنے پر چلیں گے۔ اب دیر نہیں ہونی چاہیے۔ بڑے کی طرف سے تو اللہ کا شکر ہے اطمینان ہو گیا ہے۔ ایک یہ عدیل رہ گیا ہے۔ اس کی شادی ہو جائے تو پھر میں اور تمہارے ابا جی بڑے کے پاس جدہ جائیں گے۔"
"حج کے لیے؟" وہ خوش ہو کر بولی۔
"ہاں بیٹا، دعا کرو قسمت میں حج لکھا ہو۔ بڑی آرزو ہے مکہ مدینے جاؤں۔" فرطِ عقیدت سے اماں جی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
"انشاء اللہ اماں جی! آپ ضرور جائیں گی اور اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بڑے بھیا وہاں ہیں۔ آرام سے آپ کو اور ابا جی کو حج کرائیں گے۔" اُس نے اماں جی کے ہاتھ تھام لیے۔
"آسیہ! تمہارا فون ہے۔" میمونہ بھابی پکار رہی تھیں۔ وہ "سکندر کا ہو گا" کہتے ہوئے بہت عجلت میں اُٹھ کر بھاگی تھی۔
"طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" اُدھر سے شاہ سکندر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"بہت بہتر۔ آپ سنائیں، میرا تو خیال تھا آج آپ خود آئیں گے۔ اور ابھی اماں جی سے میں یہی کہہ رہی تھی۔"
"ہاں آنا تو تھا لیکن ادھر بابا جان! میرا مطلب ہے جہانگیر بھائی بابا جان کے کسی کام میں اُلجھے ہوئے ہیں اور میں اُن کے ساتھ ہی آؤں گا۔" شاہ سکندر بہت سنبھل کر بات بنا گیا۔
"کب، کتنے دنوں میں؟" اُس نے فوراً پوچھا۔
"میں یہی بتا رہا ہوں، کچھ دن لگ جائیں گے۔ تم فکر نہیں کرنا۔ کوئی پرابلم تو نہیں ہے تمہیں؟"
"نہیں۔ آپ بتائیں شکیل بھائی کے ہاں گئے تھے؟" اُس نے ایک دم خیال آنے پر پوچھا تو وہ قدرے رُک کر بولا۔
"ابھی تو نہیں گیا۔ موقع ملا تو جاؤں گا۔"
"اچھا سنیں۔ ابھی اماں جی نائلہ کے ہاں جانے کی بات کر رہی تھیں۔ وہ عدیل بھائی کے سلسلے میں کہہ رہی تھیں آپ آ جائیں تو پھر، میرا مطلب ہے آپ کو بھی ساتھ چلنا ہے۔" اُس نے ایک طرح سے اُسے جلدی سے کہا۔
"یہ عورتوں کے معاملات ہیں یار! تم چلی جانا۔" وہ گھریلو گفتگو سے پہلو تہی کرتے ہوئے بولا۔ "سنو کوئی خوبصورت سی بات کہو۔ جو میری سماعتوں میں ہمیشہ کے لیے امر ہو جائے۔"
"چلئے ابھی آ کر گلشن کا کاروبار چلے۔" وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ اور فوراً خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اُدھر سے خوبصورت مترنم ہنسی کی آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ ایک لمحہ رُک کر پوچھنے لگی۔ "کون ہے سکندر؟ کہاں؟" اُدھر سے بے دھیانی میں کہا گیا۔

"آپ کے آس پاس۔"

"وہ جہانگیر بھائی کی۔" وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہوگیا۔ تو وہ فوراً بولی تھی۔

"بھابی ہیں، میری بات کرائیں ان سے۔"

"نہیں، پھر کسی وقت، اچھا خدا حافظ۔" شاہ سکندر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ تو وہ اس کی اتنی احتیاط پر جھنجلا گئی تھی۔

پھر اس نے اماں جی کو شاہ سکندر کی مصروفیات بتا کر اسی روز ان سے نائلہ کے ہاں چلنے پر راضی کیا تو میمونہ بھابی نے بھی اس کی تائید کی۔ ان کا کہنا بھی ٹھیک تھا کہ پہلے عورتوں کے درمیان بات ہو، اس لیے شاہ سکندر کا جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ یوں شام میں جانے کا طے کر کے اس نے ابا جی کے گھر پر نائلہ کی امی کو فون کر دیا تھا۔

نائلہ کی امی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کسی خاص مقصد سے آ رہی ہے اس لیے انہوں نے نائلہ کو کوئی بات نہیں دی تھی۔ جب ہی آسیہ کو دیکھتے ہی وہ اپنے لاابالی انداز میں بھاگ کر اس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔

"کہاں ہوتی ہیں آپ؟"

"یہیں، اسی شہر میں۔" آسیہ مسکرائی۔

"لیکن اپنے گھر میں نہیں ہوتیں۔ پرسوں میں اور بھائی جان گئے تھے۔"

"ہاں میں آج کل اماں جی کے پاس ہوں۔" آسیہ نے اماں جی کی طرف دیکھ کر کہا تب نائلہ کو اماں اور میمونہ بھابی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ فوراً آسیہ سے الگ ہو کر بولی۔

"السلام علیکم۔"

"جیتی رہو۔" اماں جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میری طرف سے خوش رہو۔" میمونہ بھابی فوراً کھلی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"بیٹھیں پلیز، میں امی کو بلاتی ہوں۔" نائلہ کمرے سے نکل گئی۔

"اچھی لڑکی ہے۔ اپنے مزاج کی۔ ہے ناں اماں جی!" میمونہ بھابی بیٹھتے ہی اماں جی کو مخاطب کر کے بولیں۔

"ہاں۔ اس کی ماں بھی اچھی عورت ہے۔" اماں جی نے کہا تب ہی نائلہ کی امی آ گئیں۔ آسیہ کے ساتھ بھابی نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں سلام کیا تو جواب کے ساتھ وہ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی۔ اماں کے پاس جا بیٹھیں۔ اور ان کا حال احوال پوچھنے لگیں۔

"بس موسم بدلتا ہے تو جوڑوں کا درد شروع ہو جاتا ہے۔ رات آسیہ نے دوا لکھ کر دی تھی۔ اس سے کافی فائدہ ہوا ہے۔" اماں جی اپنا احوال سنا رہی تھیں۔

"میں نائلہ کے پاس جا رہی ہوں۔" آسیہ نے سرگوشی میں میمونہ بھابی سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے آ گئی۔ اس کے لیے یہ گھر اجنبی نہیں تھا۔ لابی سے گزر کر کچن کی طرف جا رہی تھی کہ احمد حسن کو آتے دیکھ کر رک گئی۔

"ارے آپ یہاں ہیں۔ میں آپ کی طرف سے ہو کر آ رہا ہوں۔" احمد حسن نے قریب آ کر کہا۔

"جی۔ نائلہ نے بتایا ہے، پرسوں بھی آپ لوگ گئے تھے۔"

"تو کہاں ہیں آپ لوگ؟" احمد حسن نے برجستہ پوچھا۔

"سکندر اسلام آباد گئے ہوئے ہیں اور میں اماں جی کے پاس ہوں۔" اس نے بتایا تو احمد حسن سے بولا۔

"کمال ہے، سکندر نے مجھے اسلام آباد جانے کا بتایا ہی نہیں، کب گئے ہیں؟"

"تین چار روز ہو گئے ہیں۔ اور غالباً اتنے ہی دنوں بعد آئیں گے۔" اس نے خود سے قیاس کر کے [illegible] تبھی نائلہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے کچن سے نکلی اور ان دونوں کو راستے میں کھڑے دیکھ کر رکتے ہوئے بولی۔

"آپ لوگ بیٹھ کر بھی بات کر سکتے ہیں۔ خیر اب یہاں کہیں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُدھر ہی چلیں۔"

"اور کون ہے آپ کے ساتھ، عدیل بھائی؟" احمد حسن نے لوازمات سے سجی ٹرالی پر نظر ڈال کر آسیہ سے پوچھا۔

"نہیں اماں جی اور میمونہ بھابی ہیں۔ چلیں آپ بھی۔" آسیہ نے نائلہ کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ چلیں، میں چینج کر کے آتا ہوں۔" احمد حسن اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ڈرائننگ روم میں آئی تو غالباً اماں جی اپنی آمد کا مقصد بیان کر چکی تھیں۔ جب ہی نائلہ کی امی نے اسے فوراً واپس جانے کا اشارہ کیا جسے دیکھ کر وہ عقب سے سرگوشی میں بولی تھی۔

"یہاں تمہاری شادی کی بات ہو رہی ہے۔"

"ہیں۔" نائلہ نے بوکھلا کر اسے دیکھا اور اس کی معنی خیز مسکراہٹ سے گھبرا کر بھاگ گئی۔

احمد حسن کی امی نے سوچنے کو وقت مانگ کر ایک طرح سے نیم رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ گھر آتے ہی میمونہ بھابی، عدیل بھائی کو چھیڑتے ہوئے بولیں۔

"اف، تمہاری جھوٹی تعریفیں کر کر کے میں نے اپنا نامۂ اعمال خراب کر لیا۔ اللہ توبہ۔ اللہ معاف کرے مجھے۔"

"کبھی معاف نہیں کرے گا اللہ آپ کو۔" عدیل بھائی چڑ کر بولے۔

"ہاں تمہارے عیب چھپانے کا گناہ قابلِ معافی تو نہیں ہے پھر بھی اللہ بڑا مہربان ہے۔" وہ عدیل کے چڑنے پر کھلکھلا کر بولی تھیں۔

بابا جان مسلسل شاہ سکندر کو اپنے ساتھ مصروف رکھے ہوئے تھے۔ تیسرے دن بمشکل اسے آسیہ کو فون کرنے کا موقع ملا تھا اور اسے اپنے مزید چند دن اسلام آباد میں رہنے کا بتا کر وہ کسی حد تک اطمینان سے ہو گیا تھا۔ کیونکہ جس مقصد سے یہاں آیا تھا اس کے حصول تک وہ بابا جان کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ایک طرح سے ان کی خوشنودی ضروری تھی۔

اس وقت وہ بابا جان کے کہنے پر شہر بانو کے ہاں یعنی اپنے پہلے سسرال جانے کے لیے تیار ہو کر نیچے آیا تو بی بی جان کے پاس پوری سج دھج سے تیار کھڑی مہر النساء کو دیکھ کر دروازے میں ہی رک گیا تھا۔

"جاؤ سکندر آ گیا۔" بی بی جان اسے دیکھ کر مہر النساء سے بولیں۔

"یہ میرے ساتھ۔" وہ اس صورتِ حال کے لیے تیار نہیں تھا۔ پیشانی پر گہری لکیر نمودار ہو کر اس کی ناگواری ظاہر کر گئی۔

بی بی جان نے تیکھی نظروں سے دیکھا تو وہ سر جھٹک کر پلٹا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ گاڑی کے پاس ڈرائیور موجود تھا اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ تم جاؤ۔" وہ ڈرائیور کو بھیج کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد مہر النساء بچے کو اٹھائے اس کے برابر آ کر بیٹھی تو اس نے جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

مہر النساء اس کے چہرے پر ناگواری اور اب کرختگی دیکھ کر ہی خائف ہو گئی تھی۔ اندر ہی اندر ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ اس کے گھر والوں کے سامنے بھی اسی طرح پیش نہ آئے۔ شادی کے بعد پہلی بار وہ اس کے ساتھ جا رہا تھا اور وہ بھی اتنے عرصے بعد۔ اس تمام عرصے میں وہ کس طرح سب کو اپنی طرف سے اطمینان دلاتی رہی تھی یہ تو وہی جانتی تھی اور اب یہ خدشہ بجا تھا کہ کہیں بھرم نہ ٹوٹ جائے۔

جب اس کے بابا کی حویلی نظر آنے لگی تب وہ بہت ہمت کر کے بولی تھی۔

"سنیں شاہ! یہاں شہر بانو کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم کہ آپ شاہ پور چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

شاہ سکندر کچھ نہیں بولا۔ لیکن اپنے اعصاب پر قابو پا لیا اور خاصا پُرسکون نظر آنے لگا تھا۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے شاہ ہارون سے سامنا ہوا۔ یوں بھی وہ اس کا عم زاد تھا

اور اُس سے بہت دوستی بھی تھی۔ جب ہی اس کے گلے لگتے ہی وہ سب بھول گیا۔ پرانے بلکہ خونی رشتے اور محبتیں حاوی ہو گئی تھیں۔

"تمہیں عید کا چاند بھی نہیں کہا جا سکتا سکندر کہ وہ بھی سال میں دو بار نظر آجاتا ہے۔" شاہ ہارون نے پُرجوش انداز میں اُسے بازوؤں کے حلقے میں بھینچتے ہوئے کہا۔

شاہ سکندر کے پاس جواب نہیں تھا تو زوردار قہقہہ لگا کر گویا اُس کی بات سے محظوظ ہوا۔

مہرالنساء نے ایک لحظ کو رک کر دیکھا پھر مطمئن سی آگے بڑھ گئی تھی۔

کچھ دیر میں سارے گھر میں اُس کی آمد کی خبر ہو گئی تو سب اپنے اپنے کمروں سے نکلنے لگے۔ شہر بانو بے قراری سے بھاگی آئی تھی۔

"کیسی ہو شہر بانو؟" وہ شہر بانو کے سامنے کچھ چور سا بن گیا تھا۔

"اچھی ہوں بھائی! آپ سنائیں، آپ تو..." شہر بانو ایکدم خاموش ہو گئی۔

"ہاں، تمہیں پتا ہے نہیں اس وقت چائے پیوں گا۔" اُس نے خوبصورتی سے شہر بانو کی بات مکمل کی۔

"اور وہ بھی میرے ہاتھ کی۔" شہر بانو بات بن جانے پر شکر کرتی کمرے سے نکل گئی تو وہ چچا جان کی طرف متوجہ ہو گیا اور اُن کے پوچھنے پر اپنی مصروفیات بتانے لگا۔

شاہ سکندر کا خیال تھا وہ شام سے پہلے گھر کی راہ لے گا لیکن رات کے کھانے تک تو اُسے وقت گزرنے کا پتا نہیں چلا اس کے بعد چچا جان نے زبردستی روک لیا کہ بغیر کسی حفاظتی انتظام رات میں سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

"بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آجکل کے حالات تم جانتے ہو۔ اور یہاں تمہیں پریشانی کیا ہے؟ گھر میں ہو۔" شاہ ہارون اُس کے کندھے پر ہاتھ مار کر اُٹھتے ہوئے بولا۔

"چلو اٹھو، سونے کی بات کرو، تمہارا ولی عہد تو سو چکا۔"

"بادشاہ کہو۔" وہ مہرو کی گود میں سوئے بچے کو دیکھ کر مسکرایا پھر اُٹھ کر شاہ ہارون کے ساتھ چل پڑا۔ اُس کے پیچھے شہر بانو، مہرالنساء سے سرگوشیوں میں جانے کیا کہتی آرہی تھی۔ اُس نے سننے کی کوشش نہیں کی پھر بھی ایک شوخ جملہ اُس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔

"اب قابو کر کے رکھنا اپنے شاہ کو۔"

بیڈروم میں داخل ہوتے ہی اُس نے پہلے کوٹ اُتار کر صوفے کی بیک پر رکھا پھر بیٹھ کر شوز اُتارنے لگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر سیدھا ہوا تو نظر مہرالنساء پر پڑی، وہ بچے کو بیڈ پر لٹانے کے بعد اُس کی فیڈر اور تھرماس لے کر جا رہی تھی۔ اور اُس کے واپس آنے سے پہلے ہی وہ منہ ہاتھ دھو کر بچے کے ایک طرف لیٹا اور کچھ دیر سوئے ہوئے بچے کو دیکھنے کے بعد آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ اپنے گھر میں تو مہرالنساء جہاں وہ کمرے میں داخل ہوتا وہ وہاں سے چلی جاتی تھی اور یہاں بھی تھی پھر بھی وہ ایک بہانے سے چلی گئی تھی تو لاشعوری طور پر وہ اُس کا انتظار کرنے لگا شاید اس لیے کہ اس کا آنا یقینی تھا۔ کتنی دیر گزر گئی اُس کے انتظار پر نیند غالب آگئی، اور وہ جانے کب سو گیا تھی۔

رات کے کسی پہر کروٹ بدلتے ہوئے شاہ سکندر کی آنکھ کھلی تھی تو کھڑکی کے پاس کھڑی مہرو کو دیکھ کر وہ یکلخت بیدار ہو گیا۔ اور کہنیوں پر وزن ڈال کر اونچا ہو کر بیک سے ٹیک لگا کر بولا۔

"تم سوئیں نہیں؟"

مہرالنساء بُری طرح چونکی اور پھر اُس پر بس ایک نظر ڈال کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے۔ نیند نہیں آرہی؟" اُس نے کارنر سے سگریٹ کا پیکٹ اُٹھاتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"نیند قسمت والوں کو آتی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے پھر دھیرے دھیرے چلتی اُس کے سامنے آکر کہنے لگی۔ "ایک بات بتائیں شاہ! اُس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ یا آپ خود اُسے چھوڑ آئے ہیں؟"

"کسے؟" وہ ہونٹوں میں دبا سگریٹ نکال کر اُسے دیکھنے لگا۔

"اُسے، جس کی خاطر آپ مجھے بلکہ سب کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔" مہرالنساء براہ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ اُس نے مجھے یا میں نے اُسے چھوڑ دیا؟"

"کسی نے نہیں، آپ کی واپسی سے میں نے خود سمجھ لیا۔" مہرالنساء نے کہا۔

"اچھا!" وہ اُس کی سمجھ پر ذرا سا ہنسا۔ پھر لائیٹر جلا کر اُس کے ننھے سے شعلے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "سنو مہرالنساء! تم اگر اُس کے بارے میں جان گئی ہو تو یہ بھی جان لو کہ وہ میری محبت میری زندگی ہے۔"

"اور میں؟" مہرالنساء کی بے اختیاری نے اُسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اور فوری جواب سے بچنے کی خاطر وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے لگا۔ اس کے بعد بھی سوچ کر بولا تھا۔

"میں تمہاری حقیقت اور اہمیت سے انکار نہیں کروں گا مہرالنساء کیونکہ تم میرے بچے کی ماں ہو۔ مجھے اگر تم سے محبت نہیں تو نفرت بھی نہیں ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم دنیا دکھاوے کو محض میرے نام کے سہارے زندگی گزارو اور اس امید پر کہ کبھی میں آسیہ کو چھوڑ کر تمہاری طرف لوٹ آؤں گا۔

ہوسکتا ہے تمہیں بابا جان نے ایسا کوئی یقین دیا ہو کیونکہ وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں بلکہ مسلسل اسی کوشش میں مصروف ہیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے مہرالنساء! تم خود کو فریب مت دو۔ میں چند دلوں کے لیے آیا ہوں، واپس لوٹ جاؤں گا۔ میری طرف سے تمہیں پوری آزادی ہے اپنے بارے میں جو مناسب سمجھو سوچ لو۔"

مہرالنساء گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔

شاہ سکندر نے خاموش ہو کر اُسے دیکھا اور مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے دوبارہ لیٹ گیا۔ لیکن اب نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

پھر صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی شاہ سکندر واپس جانے کے لیے تیار ہو گیا اور چچا جان سے اجازت لینے اُن کے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ شاہ جہانگیر آگئے، انہیں بابا جان نے بھیجا تھا۔ لیکن شاہ سکندر کے سامنے وہ بابا جان کا نام لیے بغیر کہنے لگے۔

"میں فارم پر جا رہا ہوں، تم بھی چلو، ذرا فراغت سے بیٹھیں گے۔" شاہ سکندر خود بھی اُن سے تنہائی میں فرصت سے بات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مہرالنساء کا خیال آنے پر کہنے لگا۔

"مہرالنساء بھی ساتھ ہے بھائی۔"

"تو کیا ہوا۔ وہ بھی چلے گی۔" شاہ جہانگیر نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

"لیکن اُس کی موجودگی میں۔" مہرالنساء کے آنے سے شاہ سکندر کی بات ادھوری رہ گئی۔

"آپ کب آئے بھائی جی؟" مہرالنساء نے شاہ جہانگیر کو دیکھ کر پوچھا۔

"بس ابھی آرہا ہوں۔ اصل میں فارم پر جا رہا تھا راستے میں خیال آیا تم لوگوں کو بھی ساتھ لیتا چلوں۔ ذرا گپ شپ رہے گی۔ وہ آغا کہاں ہے؟" شاہ جہانگیر نے آخر میں بچے کا پوچھا تو مہرالنساء کمرے کی طرف اشارا کر کے بولی۔

"شہر بانو کے پاس ہے۔"

"اچھا تم اُسے لے کر آؤ۔ ہم جب تک چچا جان سے مل لیں۔" شاہ جہانگیر نے شاہ سکندر کو چلنے کا اشارا کرتے ہوئے کہا تو وہ اپنے کسی خیال سے چونکا پھر سر جھٹک کر اُن کے ساتھ چل پڑا۔

پھر چچا جان کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ دونوں باہر آئے تو مہرالنساء شہر بانو کے ساتھ

گھڑی تیز تیز جانے کیا بول رہی تھی کہ انہیں دیکھ کر ایکدم خاموش ہو گئی جبکہ اُس کی آنکھیں ابھی بھی کچھ کہتی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"اچھی تو ہو شہر بانو۔" شاہ جہانگیر نے آگے آ کر شہر بانو کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جی!" شہر بانو کا دھیان مہر النساء کی طرف تھا اس لیے بس جی کہہ کر رہ گئی۔

"ہارون نظر نہیں آ رہا؟"

"انہیں حیدر آباد جانا تھا۔ سویرے ہی نکل گئے۔ اور آپ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہیں۔ شاہ رکتے۔"

"بس بیٹا! کچھ کام ہے۔ پھر آؤں گا۔ چلو سکندر۔" شاہ جہانگیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"اچھا شہر بانو چلتا ہوں۔" شاہ سکندر نے شہر بانو کو خدا حافظ کہنے میں بہت عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

مہر النساء بظاہر خاموش تھی۔ لیکن اُس کے ہر انداز سے تنفر ظاہر ہو رہا تھا۔ اور یہ یقیناً اُس کے ساتھ آسیہ سے گہری وابستگی کے اظہار کا نتیجہ تھا جسے وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ کہ کل تک تو وہ ایسی نہیں تھی۔ اُس سے لاتعلقی ظاہر کرنے کے باوجود اپنے جذبوں کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔ شاید اس خوش فہمی کی بنا پر کہ وہ ہمیشہ کے لیے اُس کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اور حقیقت معلوم ہونے پر اُس کا تلملانا فطری تھا۔ تمام راستہ بھی بچے کی معصوم شرارتوں پر اُسے بُری طرح جھڑکتی رہی تھی اور اب ریسٹ ہاؤس کے ملازمین پر برس رہی تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" شاہ جہانگیر نے بہت آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے شاہ سکندر سے پوچھا تو اُس نے کندھے اُچکا کر لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

"کیا تم اسے خاموش نہیں کرا سکتے!" شاہ جہانگیر کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کیسے مرد ہو۔

"چلانے دیں بھائی! آخر وہ بھی انسان ہے۔ گھٹ گھٹ کر تو مر جائے گی۔" وہ اپنی ناگواری چھپا کر بولا۔

"اس کے مرنے سے تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔" شاہ جہانگیر نے مذاقاً کہا اور سمجھنے کے باوجود وہ بُری طرح سلگ کر بولا۔

"اب میں اتنا خود غرض بھی نہیں ہوں جہانگیر بھائی! کہ اپنے فائدے کے لیے کسی کی جان ہی لے لوں۔"

"ہا ہا ہا ہا۔" شاہ جہانگیر کا استہزائیہ قہقہہ زور دار تھا۔ وہ بمشکل ضبط کرتا اُن کے پاس سے اُٹھ کر باہر نکل آیا تھا۔

پہلے بھی وہ اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔ کبھی بابا جان کے کام سے اور کبھی یونہی تفریح کی غرض سے خصوصاً جب سردیوں کی آمد ہوتی اور مالٹوں سے پورا باغ مہک رہا ہوتا۔ ابھی تو ہر طرف خشک پتے بکھرے پڑے تھے۔ جنہیں وہ پیروں تلے روندتا بڑی دور نکل گیا۔ عجیب سی بے بسی تھی۔ وہ شان و تمکنت جو اُس کی ذات کا خاصا تھی۔ جانے کہاں کھو گئی تھی کہ خود اُسے اپنا آپ اجنبی سا لگ رہا تھا۔ بہت زیادہ وقت تو نہیں گزرا تھا۔ جب وہ بابا جان سے اپنی ہر بات منوا لیا کرتا تھا۔ اور اُس وقت یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی زندگی میں یہ مقام بھی آئے گا کہ بابا جان اُس کی بات سننے پر ہی آمادہ نہیں ہوں گے اور اُسے بھائی کا سہارا لینا پڑے گا۔ کتنا فریب تھا اس سہارے میں۔ وہ پہلے جان ہی نہیں پایا تھا۔

"کاش جہانگیر بھائی ہی میرے ساتھ نیئر ہوتے، کچھ نہ کرتے میرے لیے۔ مجھے تنہا چھوڑ دیتے تو اپنی زندگی گزارتا۔ اُن کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر میں کس قدر بے مایا ہو گیا ہوں۔" وہ اپنی سوچوں میں اس قدر محو تھا کہ گاڑی کا ہارن بھی سنائی نہیں دیا۔

"کہاں نکلے جا رہے ہو یار۔" شاہ جہانگیر نے گاڑی اُس کے قریب لا کر کہا تو وہ رک کر کچھ نا سمجھی کے عالم میں دیکھنے لگا۔

"میری کسی بات سے ناراض ہوئے ہو؟" شاہ جہانگیر گاڑی سے اُتر کر اُس کے قریب چلے آئے۔

"نہیں۔ آپ نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔ ہ" وہ گہری سانس لینے کے بعد —— قصداً مسکرایا۔

"پھر یوں خفا خفا سے کہاں جا رہے تھے۔؟"

"کہیں نہیں۔ بس کچھ پرانی یادیں تازہ کرنے نکل آیا۔ آپ کو یاد ہے ایک بار مہر کے اُس طرف خانہ بدوشوں کا قافلہ آن کر ٹھہرا تھا۔" وہ ایکدم سے یوں ہو گیا تھا جیسے اُس وقت سے واقعی ان ہی پرانی یادوں کو سوچتا آ رہا ہو۔

"ہاں۔ اور تجھے اپنی زندگی میں پہلا عشق اسی قافلے کی ایک لڑکی سے ہوا تھا جس کا مجھے اب نام بھی یاد نہیں۔" شاہ جہانگیر نے بڑے محظوظ انداز میں کہا۔

"پہلا عشق۔ اس کا مطلب ہے فہرست طویل ہے۔" اُس نے فوراً گرفت کی۔

"لیکن تمہاری طرح اتنا سیریس میں کسی کے ساتھ نہیں ہوا کہ گھر بار چھوڑنے کی نوبت آ جائے۔" شاہ جہانگیر بھی فوراً بولے تھے۔

"تو انہیں آپ عشق تو نہ کہیں، دل لگی ہو سکتی ہے۔"

"تم جو بھی کہہ لو یار۔" شاہ جہانگیر نے اس بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا اور اُس کے کندھے پر ہاتھ مار کر گاڑی میں بیٹھنے کا اشارا کیا تو وہ واپسی کے راستے پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"کیا میں اتنی دور نکل آیا ہوں۔"

"ہاں کبھی کبھی خود کا بھی پتا نہیں چلتا۔" شاہ جہانگیر کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھنے لگے کہ اُس نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روک دیا۔

"بھائی! پہلے میری بات سن لیں۔"

شاہ جہانگیر گویا سمجھ کر اُسے دیکھنے لگے تھے۔

"میں آپ کے کہنے پر یہاں آیا ہوں۔" وہ بغیر کسی تمہید کے گویا ہوا۔ "آپ نے تو کہا تھا کہ بابا جان سے معافی تلافی کے بعد سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن یہاں تو وہی اوّل روز والی صورتِ حال ہے۔ بابا جان کو آسیہ کا ذکر تک سننا گوارا نہیں۔"

"تو تم سے کس نے کہا ہے کہ اُن کے سامنے آسیہ کا ذکر کرو۔ تم ہمیشہ جلد بازی میں حماقت کر جاتے ہو سکندر! پہلے تمہیں عملی طور پر اُن پر یہ ثابت کرنا ہے کہ تمہیں مہر النساء کا بھی اتنا ہی خیال ہے جتنا آسیہ کا۔ اس کے بعد تمہاری کوئی بات سنی جائے گی۔" شاہ جہانگیر نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس میں بہت وقت لگے گا بھائی! اور میں اتنا عرصہ آسیہ سے غافل نہیں رہ سکتا۔ مجھے ایک دو دن میں اُس کے پاس جانا ہے۔" اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے یوں کہا جیسے مزید رکنا ناممکن ہو۔

"کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو، اس طرح تو تم کبھی بابا جان کو آسیہ کے حق میں ہموار نہیں کر سکو گے، کچھ دن تو تمہیں یہاں رہنا پڑے گا۔" شاہ جہانگیر زچ ہو کر بولے تھے۔

"میں آسیہ سے صرف دو دن کا کہہ کر آیا تھا۔"

"تو کیا ہوا؟ وہ ماشاء اللہ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے۔ اُسے فون کر کے کہہ دینا کہ تم جس کام سے آئے ہو، وہ کر کے ہی آؤ گے۔ وہ جاہل عورتوں کی طرح تم سے جرح تو نہیں کرے گی۔"

"وہ جرح نہیں کرے گی لیکن۔ آپ نہیں سمجھیں گے کیونکہ آپ نے کبھی عشق کیا ہی نہیں۔" اُس کے لہجے کی تپش نے شاہ جہانگیر کو خاموش کرا دیا تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ جب اچانک وہ نیند میں سے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا

کہیں کوئی آواز، کوئی آہٹ نہیں تھی، اور اپنے زور زور سے دھڑکتے دل کی آواز اُسے صاف سنائی دے رہی تھی، کتنی دیر تک سینے پر ہاتھ رکھے مدھم سی روشنی میں وہ چاروں طرف نظریں گھما گھما کر دیکھتی رہی۔ اپنے قریب سوئی سونیا کو دیکھا کہ شاید اس کی نیند ٹوٹنے کا سبب سونیا ہو۔ لیکن وہ بے خبر سو رہی تھی۔ پھر بھی اُس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اُس نے دھیرے سے پکارا تو سونیا بس ذرا سا کسمسا کر رہ گئی۔

تب کچھ حیران ہوتی وہ دوبارہ لیٹ گئی۔ لیکن نیند یوں اُچاٹ ہوئی تھی جیسے وہ سرے سے آئی ہی نہ ہو۔ کچھ دیر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد اس نے زبردستی سونے کی کوشش ترک کر دی تو ذہن شاہ سکندر کو سوچنے لگا۔ آج سارا دن بھی دھیان اُسی کی طرف رہا تھا اور ابھی شاید خوابوں کی رہگذر پر بھی وہی تھا۔ بہرحال وہ جو دو دن کا کہہ کر گیا تھا تو پورے آٹھ دن ہو گئے تھے۔ اور بس وہی ایک بار فون پر بتایا تھا کہ اُسے آنے میں کچھ دن لگیں گے۔ گو کہ اس میں تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ اور ابھی تک وہ مطمئن ہی تھی۔ لیکن اب اچانک اُس کے اطمینان میں دراڑیں پڑنے لگی تھیں۔ شاہ سکندر کی طرف سے بدگمانی نہیں تھی۔ بلکہ اُس کے بھائی شاہ جہانگیر کچھ پُراسرار سے لگنے لگے تھے، جو شادی کے بعد لاہور آ کر ہوئے کہ پھر پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ اور ابھی بھی شاہ سکندر اُن کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ اُسے لگا وہ قصداً شاہ سکندر کے کام میں دیر کر رہے ہوں۔ پتا نہیں وہ چاہتے ہی نہیں یا کوئی اور مسئلہ۔ سوچتے سوچتے صبح کے قریب جا کر سوئی تھی۔ اس لیے معمول کے مطابق اُٹھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میمونہ بھابی نے ناشتے کے لیے اٹھایا تو اس وقت ذرا سی آنکھیں کھول کر اُس نے نہ صرف ناشتے کو بلکہ بعد میں بھی اٹھانے کو منع کر دیا تھا۔

پھر گیارہ بجے کے قریب شاہ سکندر کے فون پر میمونہ بھابی کو مجبوراً اُسے جھنجھوڑنا پڑا۔

"تمہارے سرتاج کا فون ہے، سن لو پھر سو جانا۔" میمونہ بھابی نے اُس کے کان کے قریب اونچی آواز میں کہا کہ وہ فوراً اُٹھ گئی، اور کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے روٹھے لہجے میں بولی۔

"یہ اٹھانے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"مجھ سے روٹھنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے سرتاج کی خبر لو جو ایک پل صبر نہیں کر رہے۔"

"سکندر آ گئے کیا؟" اُس کا اشتیاق چھپائے نہ چھپا۔

"جی نہیں، اُن کا فون ہے۔" میمونہ بھابی نے کہا تو وہ اُٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔ فون ابا جی کے پاس تھا اور وہ سکندر سے بات کر رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر اُنہوں نے شاہ سکندر کو اُس کی آمد کا بتا کر ریسیور اُسے تھما دیا۔

"خیریت، کیا رات میں نہیں سوئی تھیں؟" شاہ سکندر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"بس رات کچھ سوتے جاگتے گزری۔" اُس کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔

"آپ بتائیں کب آ رہے ہیں؟"

"میں بس دو چار دن میں آ رہا ہوں۔" شاہ سکندر کی غیر یقینی اُس کے انداز سے ظاہر تھی۔ اس نے بات بھی بدل دی۔

"سنو، مجھے ابھی خیال آیا تھا کہ آج تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ تم میمونہ بھابی کے ساتھ چلی جانا۔"

"نہیں، آج میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے۔ کل چلی جاؤں گی یا جب آپ آئیں گے۔" اُس نے سستی سے کہا۔

"تم اپنا خیال نہیں رکھ رہی ہو آس، اس طرح کرو گی تو میں..." جذبوں میں ڈوبی آواز کی گمبھیرتا اچانک خاموش ہو گئی۔ شاید لائن کٹ گئی تھی۔ اُس نے کریڈل پر ہاتھ مار کر ہیلو کہا پھر مایوسی سے ریسیور رکھ کر قدرے سست روی سے برآمدے میں آ بیٹھی۔

"ناشتا کرو گی؟" میمونہ بھابی نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر پوچھا۔

"نہیں، صرف چائے پیوں گی اور وہ بھی نہانے کے بعد۔" اُس نے اس خیال سے منع کر دیا کہ میمونہ بھابی اپنا کام چھوڑ کر اس کے لیے ناشتا بنانے نہ کھڑی ہو جائیں۔ اس کے باوجود جب وہ نہا کر نکلی تو ٹرے میں چائے کے ساتھ ناشتے کے لوازمات بھی موجود تھے۔ اور ابھی وہ جائزہ لے ہی رہی تھی کہ سونیا اور احمر اسکول سے آ گئے۔

"پھوپھو میں بھی ناشتا کروں گی۔" سونیا نے اپنا بیگ اُتار کر تخت پوش پر پھینکتے ہوئے کہا تو احمر نے فوراً اُسے ٹوکا۔

"بھوکی، ندیدی! صبح ناشتا کیا نہیں تھا؟"

"ہوں، بُری بات۔ تم بیٹھو سونیا یہ تمہارے ہی لیے ہے۔" اُس نے احمر کو ٹوک کر سونیا کو بٹھایا پھر گھڑی دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"آج تم لوگ جلدی کیسے آ گئے...؟"

"آج ہمارا ہاف ڈے تھا، تھرسڈے فرسٹ ہے ناں۔" سونیا نے حسبِ عادت قابلیت جتائی۔

"اچھا ہاں۔ خیر تم دونوں ناشتا کرو، میں اماں جی کے پاس جا رہی ہوں اور دیکھو لڑنا نہیں۔" وہ نرمی سے دونوں کو تنبیہہ کرتی اماں جی کے پاس چلی آئی۔

"کیا کہہ رہا تھا سکندر؟" اماں جی نے اُس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"بات کہاں ہوئی اُن سے۔ لائن ہی کٹ گئی تھی۔" وہ سرسری انداز میں جواب دے کر عمر کو گدگدانے لگ گئی۔

"ابھی سونیا اور احمر کی آواز آئی تھی۔ اسکول سے آ گئے کیا؟"

"جی اُدھر میرے کمرے میں ہیں، خیر اب تو وہ میرا کمرہ نہیں ہے۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔

"کیوں نہیں، ابھی بھی تمہارا ہے، تم جب آؤ گی اُسی میں رہو گی۔" اماں جی کی محبت کے سامنے وہ خاموش ہو رہی تھی۔

پھر دوپہر کے کھانے کے بعد جب میمونہ بھابی عمر کو لے کر اپنے کمرے میں سونے چلی گئیں تب بوریت سے بچنے کی خاطر وہ سونیا اور احمر کے ساتھ لڈو کھیلنے بیٹھ گئی۔ لیکن پہلے مرحلے پر ہی اُسے نبیل یاد آ گیا۔ اور اُس کی خالی جگہ کو دیکھتے ہوئے شدت سے اُس کی کمی محسوس ہونے لگی۔

"چلیں ناں پھوپھو، آپ کی باری ہے۔" احمر نے اس کا ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"نہیں بس، میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"یہ گیم تو پورا کریں۔" احمر نے اصرار کیا۔

"رات میں کھیلیں گے، جب تمہارے عدیل چاچا بھی آ جائیں گے۔"

"عدیل چاچا میرے پارٹنر بنیں گے۔" سونیا خوش ہو کر بولی۔

"اور میں پھوپھو کا۔"

"ہاں ٹھیک ہے، جاؤ اب تم دونوں کچھ دیر آرام کرو۔ شام میں اُٹھ کر پہلے ہوم ورک کرنا، پھر کھیلیں گے۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولی پھر دونوں کو سونے کے لیے اماں جی کے پاس بھیج کر لاؤنج میں نبیلہ بھابی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

گزشتہ بار جب اُس نے فون کیا تھا تو نبیل سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ اُس کی ملازمہ نے بتایا تھا کہ وہ اپنی ممی کے ساتھ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ اور ابھی بھی اُس کے پوچھنے پر ملازمہ نے وہی بات دہرائی تو اُسے لگا جیسے پہلے بھی اور ابھی بھی اُس سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ اور ملازمہ خود سے تو جھوٹ بول نہیں سکتی تھی۔ یقیناً نبیلہ بیگم نے کہا ہوگا۔ وہ کتنی دیر تک سوچتی اور کڑھتی رہی کہ آخر نبیلہ ایسا کیوں

کر رہی ہیں۔ حالانکہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ نبیل اس سے کتنا مانوس ہے۔ اور جانے نبیل سے کیا گی، ہم سب سے متنفر کرنے کی کوشش اور وہ ابھی ناسمجھ بچہ ہی تو ہے۔

وہ یونہی سوچتے ہوئے لابی ہی میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سب تھے۔ اور وہ کیونکہ دیر سے اٹھی تھی، اس لیے اب جیکراتی پھر رہی تھی۔ کوئی کام بھی تو نہیں تھا۔ اور تو کون سا میمونہ بھابی کرنے دیتیں۔ وہ سخت بور ہو کر ٹیلی فون کو گھورنے لگی۔ صبح شاہ سکندر سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ اور اُس کا کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ ورنہ وہ خود اُسے فون کر اُسے فون کرنے کے خیال کے ساتھ ہی اُسے میمونہ بھابی کی بات یاد آئی جو اُنہوں نے اُسے شاہ پور بی بی جان سے بات کرنے کو کہا تھا۔

بس اسی وقت اُس نے ڈائریکٹری کھول کر شاہ پور کے نمبر تلاش کیے اور شاہ حیات محمد کا نام کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کچھ ملی جلی سی کیفیت تھی اُس کی۔ ڈر بھی لگ رہا تھا اور بی بی جان سے بات کر خوشی بھی تھی۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ پھر ریسیور اُٹھنے کے ساتھ ہنکارا بھرنے کے انداز کی آواز سنائی دی۔ تو وہ بہت سنبھل کر بولی۔

”وہ بی بی جان ہیں؟“

”آپ کون؟“ خاصی بارعب آواز تھی۔ وہ پہچانتی نہیں تھی، پھر بھی سمجھ گئی باباجان ہوں گے نہیں تو کل یعنی کبھی تو اُن سے بات ہونی ہی تھی پھر ابھی کیوں نہیں۔ اُس نے سوچا اور پھر محض اُ جاننے کے لیے قدرے جتا کر بولی۔

”جی میں آسیہ ہوں۔ آسیہ سکندر حیات۔“

”یعنی سکندر حیات کی ۔“ سوچتے ہوئے انداز میں بس اسی قدر کہا گیا۔

”بیوی۔“ وہ پوری جان سے متوجہ ہو کر بولی جیسے اُن کی ایک ایک جنبش محسوس کر رہی ہو

”کون سی بیوی، دوسری، تیسری، چوتھی۔“ اتنے آرام سے پوچھا گیا کہ وہ سٹپٹا گئی۔

”جی!“

”ہم سکندر حیات کی صرف ایک بیوی کو جانتے اور مانتے ہیں۔ جسے سکندر پوری شان و بیاہ کر لایا تھا۔ اور وہ ہے مہرالنساء۔“ باباجان نے اُس کے سر پر ایٹم بم دے مارا تھا۔

”نہیں، آپ غلط کہہ رہے ہیں۔“

”اپنی حیثیت جان کر بات کرو لڑکی، شاہ سکندر حیات نے اگر تمہیں اپنی رکھیل بنا کر رکھا معاوضہ بھی دیا ہو گا۔“ باباجان نے انتہائی سفاکی سے اُس کی عزت وقار کی دھجیاں اُڑا دی تھیں اُس کا پورا وجود جھٹکے کھانے لگا۔

”اور ایک رکھیل کی اتنی جرأت کہ وہ ہماری بات کو غلط کہے۔ شاید تم ہماری حیثیت دم نہیں ہو یا پھر تمہیں بلیک میل کرنا چاہتی ہو، کہو کیا چاہیے تمہیں، لیکن ٹھہرو، مانگتے ہوئے ذ نہیں ہماری حیثیت رکھنا۔ ہم اپنے بیٹے کا صدقہ دینے میں تاخیر نہیں کریں گے۔“ باباجان کی سماعتوں سے گزرتی روح میں نشتر چبھو رہی تھی۔

اُس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا اور دوسرے پل اُس کی دل دوز چیخ در و دیوار ہلا گئی تھی

”اماں جی!“

خاموشی کو چیرتی ہوئی آسیہ کی چیخ نے سوتے میں سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ سب سے پہلے میمونہ بھابھی ہیں۔ غالباً ”پہلے اس کے کمرے میں گئی تھیں پھر ان ہی پیروں ڈرائنگ روم کی طرف بھاگ رہی تھیں کہ وہ فرش پر گھٹنے ٹیکے دوہری ہوتی نظر آئی۔

یادہ انہوں نے لپک کر اسے کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا تو وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

آسیہ! اماں جی! جلدی آئیں۔“ میمونہ بھابھی نے گھبرا کر اماں جی کو پکارا، معاً“ نظر ریسیور پر پڑی جو اسٹینڈ سے نیچے رہا تھا۔ انہوں نے فوراً“ تھام کر کان سے لگا کر ہیلو کہا تو ادھر سے جیسے اطلاع دی گئی۔

سکندر! شاہ پور پہنچ چکا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کیا ہوا ہے؟“ ابا جی اور ان کے پیچھے اماں جی بے حد گھبرائی ہوئی تھیں۔ آسیہ کی چیخ پر ہی ان کے ہاتھ پاؤں گئے تھے اور اب اسے فرش پر پڑے دیکھ کر تو رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔

کیا ہوا ہے میری بچی کو؟“

حوصلہ، حوصلہ۔“ ابا جی نے انہیں آسیہ کے قریب نہیں جانے دیا اور پہلے بڑھ کر اس کے سر کے نیچے ہاتھ میمونہ بھابھی کو ادھر سے اٹھانے کا اشارا کیا اور بہ مشکل تمام اسے کمرے میں لا کر لٹاتے ہی بولے۔

بیٹی میمونہ! خلیل یا عدیل کو فون کرو، جلدی ڈاکٹر کو لے کر آئیں۔“

مونہ بھابھی پوری بات سنے بغیر فون کرنے دوڑ گئیں تو اماں جی، آسیہ کے قریب بیٹھ کر اس کی ہتھیلیاں ملنے ۔ ان کے آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے۔

ابا جی! آپ بیٹھ جائیں۔“ میمونہ بھابھی واپس آئیں تو ابا جی کو بے بسی سے ٹہلتے دیکھ کر کرسی ان کے سامنے کر دیں۔ پھر گلاس میں پانی ڈال کر آسیہ کے قریب آئیں اور اس کے منہ پر ہلکا سا چھینٹا مار کر گلاس اماں جی کو ۔

جب عدیل بھائی ڈاکٹر کے ساتھ آئے اس وقت تک سارے گھریلو نسخے آزمائے جا چکے تھے پھر بھی اس کی بے ہوشی۔ اماں جی کی حالت کے پیش نظر عدیل بھائی کے اشارے پر میمونہ بھابھی انہیں وہاں سے اٹھا کر سے باہر لے گئیں۔ تب ڈاکٹر اسے چیک کرنے لگا۔

ذشی پریگننٹ؟“ دھڑکنیں چیک کرتے ہوئے ڈاکٹر نے پوچھا۔

ں۔“ عدیل بھائی کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ بمشکل ڈاکٹر کو جواب دے سکے۔

شدید شاک۔“ ڈاکٹر نے آسیہ کو انجکشن لگانے کے بعد کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”میں میڈیسن لکھ کر رہا ہوں اگر آدھے گھنٹے میں انہیں ہوش آجائے تو یہ دوائیں ٹھیک رہیں گی۔ دوسری صورت میں ہاسپٹل لے ۔“

بھی۔ ابھی لے جاؤں؟“ عدیل بھائی نے فوراً“ پوچھا تو ڈاکٹر کندھے اچکا کر بولا۔

آپ کی مرضی، اگر آپ آدھ گھنٹہ انتظار نہیں کر سکتے تو ضرور لے جائیں۔“

یل نے پلٹ کر ابا جی کو دیکھا۔ ان کے ساتھ خلیل بھائی کھڑے تھے اور انہوں نے ذرا سا نفی میں سر ہلا کر گویا فوری ہاسپٹل لے جانے سے منع کر دیا۔ تب عدیل ڈاکٹر کے ساتھ باہر نکل گئے۔

دیر بعد وہ دوائیں لے کر واپس آئے تو ابا جی خلیل بھائی کو بتا رہے تھے۔

میں نہیں معلوم، ہم سب سو رہے تھے۔ پتا نہیں آسیہ کو کیا ہوا؟ بہت زور سے چیخی تھی اور ہمارے آنے بے ہوش ہو چکی تھی۔“

اس سے پہلے، میرا مطلب ہے کھانا وغیرہ کھایا تھا اس نے۔“ عدیل نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

ہاں، ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور اس وقت بالکل ٹھیک تھی بلکہ کھانے کے بعد سونیا اور احمر کے ساتھ لڈو

بھی کھیل رہی تھی۔" ابا جی نے بتایا تو دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ تب ہی میمونہ بھابھی

"ابا جی! آپ اندر چلیں' اماں جی کو دیکھیں۔ مسلسل روئے جا رہی ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"ادھر آسیہ کے پاس۔"

"وہاں کیوں جانے دیا ان کو۔" ابا جی کہتے ہوئے آسیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے پ
جانے لگے لیکن میمونہ بھابھی نے اشارے سے روک لیا اور جب ابا جی آسیہ کے کمرے میں داخ
باری باری دونوں بھائیوں کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

"آسیہ فون پر کوئی بری خبر سن کر بے ہوش ہوئی ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟" عدیل نے فوراً پوچھا۔

"تمہیں ابا جی نے بتایا نہیں کہ وہ وہاں لانی میں پڑی تھی اور جب میں اس کے پاس پہنچی تو ر
رہا تھا۔ میں نے کان سے لگایا تو ادھر سے کوئی کہہ رہا تھا کہ سکندر، شاہ پور پہنچ چکا ہے۔" میمونہ بھابھ
انداز میں بتا رہی تھیں۔

"سکندر کا شاہ پور جانا تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جیسے سن کر آسیہ شاکڈ ہو اور کیا بات ہوئی
بے تابی سے میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ مایوسی سے سرہلاتی ہوئی بولیں۔

"اور تو کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ ادھر سے فون بند ہو گیا تھا اور اس سے پہلے آسیہ نے کیا سنا
گی۔"

"کیا سنا ہو گا آسیہ نے۔ کہیں خدانخواستہ شاہ سکندر کے ساتھ کوئی حادثہ۔" خلیل بھائی کا انداز سو
عدیل نے چونک کر انہیں پھر میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔

"خدانخواستہ ایسی کوئی بات ہوئی تو ہم آسیہ کے سامنے تو ابھی ذکر نہیں کر سکتے' ایسا کریں' آپ
اپنے طور پر معلوم کریں کہ شاہ سکندر کہاں ہے اور خیریت سے ہے یا؟"

"مم۔ میں جاتا ہوں۔" عدیل کہہ کر گھڑی دیکھنے لگے۔

"کہاں جاؤ گے؟" خلیل بھائی نے پوچھا تو وہ قدرے توقف سے بولے تھے۔

"شاہ پور۔"

"میرا خیال ہے آسیہ کو ہوش میں آنے دو شاید اس سے معلوم ہو جائے۔"

"نہیں خلیل بھائی! آسیہ ہوش میں آ جائے تب بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیجیے گا بلک
بتانے کی کوشش کریں۔ میں شام تک لوٹ آؤں گا۔ کیوں بھابھی! ٹھیک ہے ناں؟"

عدیل نے آخر میں قصداً متفکر کھڑی میمونہ بھابھی کو مخاطب کیا تو وہ بس سرہلا کر رہ گئیں۔

"پریشان کیوں ہوتی ہیں' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔ جائیے آپ بچوں کے پاس' میں بھی چلتا
خلیل بھائی؟"

عدیل نے خلیل بھائی کو دیکھا اور ان کی اجازت ملنے پر باہر نکل گئے۔

. ☆ . ☆ .*

عدیل کے پیش نظر صرف دو باتیں تھیں۔ شاہ سکندر کے ساتھ واقعی حادثہ یا پھر آسیہ کے سا
کیا ہے اور گو کہ مذاق اتنا سنگین تھا کہ ان کی بہن کی جان پر بن گیا تھا پھر بھی تمام راستہ وہ یہی دعا کر
خدا کرے یہ مذاق ہی ہو اور شاہ سکندر خیریت سے ہو۔ اس کے علاوہ ان کے ذہن میں کوئی تیسرا
تھا' اس لیے جب وہ حویلی کے سامنے اترے تو فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اندر کیسے جا

تعارف میں کیا کہیں۔ جبکہ چوکیدار منتظر کھڑا تھا۔

"شاہ سکندر یا شاہ جہانگیر صاحب سے کہو۔ کراچی سے عدیل آئے ہیں۔" عدیل نے قدرے تاخیر سے
دار کو دیکھ کر کہا تو وہ فوراً پلٹ کر اندر چلا گیا' کچھ دیر بعد واپس آ کر بولا۔

"صاحب! اس طرف سے آ جاؤ۔"

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑے۔ دوسرے سمت سے چکر کاٹ کر گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ان
نظر پورچ میں کھڑی شاہ سکندر کی گاڑی پر پڑی تو انہوں نے چوکیدار سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ ان سے کافی
آگے اور تیز چل رہا تھا اور جب تک وہ اس کے قریب پہنچتے اس نے ایک دروازے کے سامنے رک کر
اندر جانے کا اشارہ کیا اور فوراً یوں آگے بڑھ گیا جیسے اسے یہی حکم ملا ہو۔ عدیل نے حیران ہو کر اسے جاتے
دیکھا پھر کمرے میں داخل ہو کر دروازے کے پاس ہی رک گئے۔

سامنے آرام دہ صوفے پر شاہانہ وقار کے ساتھ بابا جان بیٹھے تھے' ان کے رکنے پر کہنے لگے۔

"رک کیوں گئے' یہاں آ کر بیٹھو۔"

"شکریہ۔ آپ؟" عدیل ان کے دائیں طرف صوفے پر بیٹھے اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہم سکندر کے بابا جان ہیں اور تم غالباً اس کے دوست۔" بابا جان نے اپنے تعارف کے ساتھ ان کا مرحلہ
طے کر دیا۔

"جی میں کراچی سے آ رہا ہوں' شاہ سکندر ملیں گے؟" انہیں شاہ سکندر کے بارے میں جاننے کی جلدی

"ہاں ملے گا کیوں نہیں' لیکن تمہیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔" بابا جان نے ایک نظر میں جان لیا تھا کہ شکار
کر آ گیا ہے۔

"کہیں گئے ہوئے ہیں شاہ سکندر؟"

"فارم پر ہوتا ہے آج کل' آ جائے گا ایک دو دن میں' تم آرام سے رہو' تمہارا اپنا گھر ہے۔" بابا جان عموماً جیسے
سکندر کے دوستوں سے بات کرتے تھے ان سے بھی اسی طرح بولے۔

"جی شکریہ۔ میں زیادہ دیر رک نہیں سکتا۔" انہوں نے فوراً معذوری ظاہر کی تو بابا جان ہلکے پھلکے انداز میں
لگے۔

"ایک دو دن زیادہ تو نہیں ہوتے اور سکندر کے دوست تو یہاں دو دو مہینے رہتے ہیں۔ پچھلے مہینے آصف جاہ آیا
وہ ابھی کوئی ہفتہ دس دن ہوئے گیا ہے۔"

"لیکن اس وقت تو شاہ سکندر کراچی میں تھے۔" عدیل بے اختیار کہہ گئے۔

"ہاں' کافی دن سکندر کراچی میں رہ آیا ہے۔" بابا جان بہت سرسری انداز میں ان کی تائید کرتے ہوئے کہنے
"سکندر کو کراچی شہر پسند ہے اور میں نے بھی سوچا تھا' اسے وہیں سیٹ کر دوں گا لیکن وہاں وہ کسی برے چکر
پھنس گیا تھا۔ اس لیے میں نے اسے واپس بلوا لیا ہے۔"

"برے چکر میں؟" عدیل نے قدرے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"ہاں تھی کوئی طوائف زادی' سنا ہے سکندر کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہنے لگی تھی۔" بابا جان نے گالی
کر گویا ان کی غیرت کو للکارا تھا۔

عدیل کا سچ مچ دماغ گھوم گیا۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے اور ضبط کی کوشش میں ہونٹوں کے
ساتھ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھی بھنچ گئی تھیں۔

بابا جان جانتے تھے کہ ان کے سامنے اس لڑکی کا بھائی ہے' جس کی چیخ ابھی بھی ان کے کانوں میں گونج رہی تھی

اور اس کی عزت کے بعد اب اس کے بھائی کی غیرت کی دھجیاں اڑا کر وہ اس قصے کو ہمیشہ کے لیے ہم
ہیں اس لیے عدیل کی کیفیت دیکھتے ہوئے وہ خود کو مزید انجان ظاہر کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"تم تو دوست ہو سکندر کے اور دوستوں کے درمیان رازداری نہیں ہوتی۔ یقیناً" اس لڑکی کو جانتے ہو
گزشتہ ایک سال سے سکندر نے رکھیل بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اگر نہیں جانتے تو ہم تمہیں اس کا ...
دیتے ہیں، کچھ دے دلا کر فارغ کرواسے۔ اس کی وجہ سے سکندر کی گھریلو زندگی متاثر ہو رہی ہے۔ وہ
بچے کو زیادہ وقت نہیں دیتا۔"

"میرے خدا! لوگ اسی لیے بیٹیوں کی پیدائش پر خوش نہیں ہوتے کہ اگر جوان کی قسمت میں
لکھی ہو تو جوان بھائی بے موت مر جاتے ہیں۔

کاش سامنے بیٹھا اونچے شملے والا شخص عمر میں ان کے باپ کے برابر نہ ہوتا تو وہ اس کا خون کر دیتے
خود کو پھانسی پر لٹکانا ان کے لیے بہت آسان ہوتا۔

"لاحول ولا۔ اپنی باتوں میں ہم تم سے چائے پانی کا پوچھنا تو بھول ہی گئے۔ اوئے غلام علی! بابا مہمان
مدارت کرو۔ کراچی سے آئے ہیں اپنے سکندر کے دوست ہیں۔" بابا جان نے اونچی آواز میں ملازم کو پکارا۔
عدیل کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ ساری توانائیاں صرف کر کے بھی وہ اپنے حواس یکجا نہیں کر پا رہے
لگ رہا تھا جیسے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ قالین پر جمی نظریں تک ساکت تھیں البتہ ماؤف ذہن میں
سے کوئی مبہم سا خیال لہراتا تھا۔

کتنی دیر گزر گئی۔ ملازم لوازمات سے بھری ٹرالی ان کے سامنے رکھ کر جانے لگا تو بابا جان اسے روکتے
ہوئے بولے۔

"تم مہمان کے پاس رہو غلام علی! ہم ابھی آتے ہیں۔" بابا جان کمرے سے جانے لگے تب عدیل کی نظریں
کے تعاقب میں دھیرے دھیرے اٹھی تھیں اور ان کے جاتے ہی انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام
لیا۔ وہ مرد تھے آسیہ کی طرح چیخ سکتے تھے نہ رو سکتے تھے اور شدت ضبط سے پورا وجود انگارہ بن گیا تھا۔

"سائیں! چائے بناؤں؟" غلام علی پوچھ رہا تھا۔

انہوں نے ہاتھ نیچے گرا کر لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

کاش شاہ سکندر واقعی کسی حادثے میں مر گیا ہوتا تو وہ بہن کو سینے سے لگا کر اس کے ساتھ آنسو بہا لیتے
جانے اس کا سامنا کیسے کر پائیں گے۔ ایک لحظہ کو رک کر وسیع رقبے پر پھیلی پر شکوہ عمارت کو انہوں
نے دیکھا پھر اسپیڈ سے گاڑی کچی سڑک پر اتاری تو مٹی دھول کے غبار اٹھنے لگے تھے اور اس غبار میں
مرسیڈیز نظر ہی نہیں آئی جسے بروقت شاہ سکندر حیات نے سڑک سے نیچے اتار کر انتہائی غصے سے
گاڑی کو دیکھا تو کچھ ٹھٹھک گیا تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

آسیہ کو ہوش تو آ گیا تھا لیکن بالکل گم صم حالت میں تھی۔ کچھ دیر کو آنکھیں کھولتی اور اپنے اطراف
چہروں کو دیکھ کر پھر پلکیں موند لیتی۔ اماں جی مسلسل آیات قرآنی کا ورد کر کے اس پر دم کر رہی تھیں۔ میمونہ
گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ ادھر کچن دیکھتیں، ادھر بچوں کی پکار پر دوڑتیں پھر آسیہ کے پاس۔ اور شدت
کی واپسی کے منتظر خلیل بھائی برآمدے ہی میں ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ ابا جی مسجد چلے گئے، اماں جی نے وہیں آسیہ کے کمرے میں جاء نماز
میمونہ بھابھی وضو کرنے جا رہی تھیں کہ فون کی بیل پر خلیل کو بھاگتے دیکھ کر وہ بھی ان کے پیچھے چلی آئیں۔

"کون؟ شاہ سکندر! یار کہاں ہو تم؟" خلیل کی آواز ہی میں نہیں جیسے سارے جسم میں زندگی دوڑ گئی
قریب کھڑی میمونہ نے بے اختیار ان کا بازو تھام لیا۔

ٹھیک ہے۔ آسیہ غالباً" نماز پڑھ رہی ہے۔" انہوں نے مصلحتاً" جھوٹ بولا۔

"ہاں۔ یہاں سب ٹھیک ہے۔

"اور عدیل بھائی کہاں ہیں؟" شاہ سکندر نے ایک ہی بات جاننے کے لیے فون کیا تھا۔

"عدیل پتا نہیں۔ میں تو ابھی آفس سے آ رہا ہوں، خیر تم بتاؤ کب آ رہے ہو؟" انہوں نے ایک بار پھر مبالغے
کام لے کر پوچھا اور اس کا جواب سننے کے بعد الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا پھر میمونہ کو دیکھ کر بولے۔

"شکر ہے کوئی بری خبر نہیں ہے۔ شاہ سکندر خیریت سے ہے۔"

"میں آسیہ کو بتا دوں شاید اس کے ساتھ کسی نے۔" میمونہ کہتی ہوئی بھاگیں پھر ایک دم رک کر پوچھنے لگیں۔

"اور وہ عدیل، اس کی شاہ سکندر سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"عدیل شاہ پور گیا ہے اور سکندر اسلام آباد میں ہے اور تم ابھی آسیہ سے کچھ مت کہو جب تک وہ خود کوئی
بات نہ کرے۔" خلیل دھیرج سے کہتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

میمونہ بھابھی نے نماز سے فارغ ہو کر برآمدے میں تخت پر دستر خوان بچھا دیا اور ابا جی کے آتے ہی کھانا لگا کر
دستی اماں جی کو بھی لے آئیں۔ پھر کھانے کے دوران خلیل بھائی نے والدین کی پریشانی دور کرنے کی غرض سے
آسیہ کی بے ہوشی کا سبب جو انہوں نے خود سے فرض کر لیا تھا بتا کر شاہ سکندر کی خیریت کی نوید بھی سنا دی۔

"ایسا جان لیوا مذاق کون کر سکتا ہے؟" ابا جی ساری بات سن کر بولے تھے۔

"یہ تو آسیہ ہی بتائے گی۔" میمونہ بھابھی نے کہا۔

"ہاں، لیکن ابھی اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے اسے کھلاؤ پلاؤ اور عدیل جو دوائیں لے کر آیا تھا
وہی ضرور دینا۔" خلیل بھائی نے میمونہ کو تنبیہہ ضروری سمجھی۔

"آپ مجھے احمق اور غیر ذمہ دار کیوں سمجھتے ہیں؟" میمونہ برا مان گئیں۔

"ہو نہیں کیا؟" خلیل کا انداز چھیڑنے والا نہیں تھا جب ہی میمونہ سے پہلے ابا جی بول پڑے۔

"نہیں میمونہ، میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔ سارے گھر کو چلا رہی ہے اور بہت احسن طریقے سے۔"

"بس رہنے دیں ابا جی۔" خلیل دستر خوان سے ہاتھ صاف کرتے اٹھنے لگے کہ ابا جی انہیں روک کر پوچھنے
لگے۔

"تمہیں کیا شکایت ہے اس سے؟ کھانا وقت پر نہیں دیتی، تمہیں کپڑے دھلے ہوئے نہیں ملتے یا تمہارے
بچوں کی تربیت میں کوتاہی کر رہی ہے۔"

خلیل لاجواب ہو کر رہ گئے۔

"یہی نہیں بلکہ یہ تمہارے ماں باپ کی خدمت بھی کر رہی ہے جس کے لیے تمہیں اس کا شکر گزار ہونا
چاہیے۔" اماں جی نے بھی بہو کی طرف داری کی تو خلیل میمونہ کو گھورتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔

پھر یہاں سے فارغ ہو کر میمونہ بھابھی آسیہ کے لیے دودھ کا گلاس لے کر اس کے کمرے میں آئیں تو اسے
چھت پر نظریں جمائے دیکھ کر دھیرے سے پکار کر بولیں۔

"آسیہ! کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" اس کی آنکھیں یکبارگی پانیوں سے بھر گئیں۔

"میں تمہیں رونے سے منع نہیں کروں گی لیکن پہلے یہ دودھ پی لو کیونکہ رونے کے لیے بھی توانائی چاہیے جو
تم میں بالکل نہیں ہے۔"

وہ اس کے قریب بیٹھ کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولیں تو ان کی طرف نظروں کا رخ موڑتے ہوئے اس کی
آنکھوں کا پانی کناروں سے چھلک گیا۔

"شاباش! اس میں اودلٹین سے زیادہ میری محبت شامل ہے اور تم جانتی ہو ناں میری محبت۔"
انہوں نے گلاس ٹیبل پر رکھا پھر اس کے سر کے نیچے ہاتھ ڈال کر ذرا سا اونچا کر کے بٹھایا تو وہ معصومیت سے

"کیا ہوا ہے مجھے؟۔"

"کمزوری۔ غالباً" کمزوری کے باعث تمہیں چکر آ گیا تھا۔ لو دودھ پیو۔" انہوں نے فوراً" گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا دیا۔

"میرا سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔" اس نے ذرا سا دودھ پی کر سر بیک پر ٹکا دیا۔ "یوں لگ رہا ہے جیسے میں جکڑا ہوا ہو۔ اماں جی کہاں ہیں؟۔"

"میں بلاتی ہوں انہیں۔ تم پہلے یہ دودھ ختم کرو۔" میمونہ بھابھی نے زبردستی اسے دودھ پلایا پھر دروازے پر جا کر اماں جی کو پکارا تو وہ فوراً" آ گئی تھیں۔

"آپ آسیہ کے پاس بیٹھیں اماں جی! میں بچوں کو دیکھ لوں۔" میمونہ بھابھی کمرے سے نکل گئیں۔ جیسے ہی اس کے پاس آ کر بیٹھیں اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا اور ہاتھ تھام کر گال سے لگاتی ہوئی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائیں اماں جی!"

"میں تمہارے پاس ہوں بیٹا!" اماں جی کو وہ بالکل چھوٹی بچی کی طرح لگی۔ جھک کر اس کی پیشانی چومی۔ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں تو بہت پر سکون ہو کر اس نے پلکیں موند لیں۔

"میں آپ کو بہت تنگ کرتی ہوں ناں؟۔"

"کہاں تنگ کرتی ہو۔ اللہ نے مجھے بہت نیک اور سعادت مند اولاد دی ہے۔ مجھے کبھی کسی نے تنگ نہیں کیا۔" فرط محبت سے اماں جی کی آواز بھرا گئی تھی۔

"میں تو پریشان کرتی ہوں آپ کو۔" وہ بچوں کی طرح بول رہی تھی۔

"جان بوجھ کر تو نہیں کرتیں اور اب تو کوئی پریشانی نہیں ہے۔ تم ذہن پر بوجھ مت ڈالو، سو جاؤ۔" اماں آہستہ آہستہ اسے تھپکنے لگیں۔

جب میمونہ بھابھی بچوں کو ہوم ورک کروا کر سلانے کے بعد دوبارہ آسیہ کے کمرے میں آئیں تو انہیں اماں جی پر بہت رحم آیا جو بیٹھے بیٹھے اونگھ رہی تھیں جبکہ ان کی گود میں سر رکھے آسیہ بے خبر سو رہی تھی۔ میمونہ نے آرام سے اس کا سر تکیے پر رکھا پھر سہارا دے کر اماں جی کو اٹھاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولیں۔

"اب یہ آرام سے سوئے گی، چلیں آپ بھی سو جائیں۔"

"مجھے ابھی عشاء پڑھنی ہے، پھر میں یہیں سوؤں گی آسیہ کے پاس، یہاں ایک چارپائی ڈال دو۔" اماں پھر خیال آنے پر پوچھنے لگیں۔

"عدیل کچھ بتا کر نہیں گیا۔ کہاں گیا ہے؟۔"

"ابھی آتا ہو گا، پوچھ لیجیے گا۔" میمونہ بھابھی دامن بچاتی، ٹیبل اور کرسی ہٹا کر چارپائی بچھانے بنانے لگیں۔

اماں جی نماز پڑھنے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

میمونہ نے شوہر کو بلا کر ان کی مدد سے چارپائی رکھوائی پھر اس پر بستر لگا کر اماں جی کے آنے تک دیر کر رہی تھیں کہ عدیل کی گاڑی کی آواز سن کر بھاگ کر باہر آئیں لیکن برآمدے میں خلیل کو کھڑے دیکھ کر رک گئیں۔

"خیریت، کہاں رک گئے تھے؟۔" عدیل کے قریب آتے ہی خلیل نے ان سے پوچھا۔

"بس وہ راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی۔" عدیل بے حد مضمحل دکھائی دے رہے تھے۔ "آسیہ کیسی ہے؟۔"

"ہاں ابھی کچھ دیر پہلے سوئی ہے۔" میمونہ بھابھی آگے آ کر بولیں۔ "تم ہو آئے شاہ پور سے، بات ہوئی؟۔"

"جی۔ راستہ خراب تھا۔" عدیل بھائی بھاوج کے چہروں پر اطمینان دیکھ کر الجھ گئے۔

"تم نے جانے میں جلدی کی۔ میرا خیال ہے ابھی تم شاہ پور پہنچے بھی نہیں ہو گے کہ سکندر کا فون آ گیا تھا۔ ہم سب کو اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا البتہ آسیہ ابھی تک پوری طرح ہوش میں نہیں آئی ہے۔ شاید بھرپور نیند کے بعد صبح بتا سکے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ خیر، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم آرام کرو۔" خلیل بھائی نے ان کی تھکن کے خیال سے بات مختصر کر دی۔

"کھانا کھاؤ گے یا چائے؟۔" میمونہ بھابھی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" عدیل منع کر کے فوراً" اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

.☆..☆.*

"آس! آس!"

ایک پکار تھی جو اونچے پربتوں سے ٹکرا کر بازگشت کی صورت نیچے پاتال تک گونج رہی تھی۔ بہت خوفناک منظر تھا۔ گہری نیند میں اس کے دل کا یہ عالم تھا کہ جیسے سینہ چیر کر باہر نکل آئے گا اور پھر ایک دم اس کی آنکھ کھل گئی۔

"میرے خدا!" بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر اس نے اماں جی کو دیکھا جن کے خراٹوں کی آواز خاموشی میں زیروبم پیدا کر رہی تھی۔ پہلے اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ ذہن خوفناک خواب کی گرفت میں تھا اور سماعتوں میں ابھی بھی اس کے نام کی پکار گونج رہی تھی۔ اور اتنی شدتوں سے پکارنے والا وہی ایک شخص تھا جو اس کے دل میں اس مقام پر قابض تھا جہاں اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کوئی اور ہو سکتا تھا۔

"شاہ سکندر!" زبان کی ذرا سی جنبش کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو گئیں اور یکبارگی ذہن کے سارے دریچے ایک ساتھ وا ہو گئے تھے۔

"ہم سکندر حیات کی صرف ایک بیوی کو جانتے اور مانتے ہیں، جسے سکندر پوری شان و شوکت سے بیاہ کر لایا تھا اور وہ ہے مہرالنساء۔"

"نہیں۔" اس نے سختی سے جھٹلانے کی کوشش کی تھی کہ ذہن کہیں پیچھے بھٹک گیا۔

"مہرالنساء!" اسے یاد آیا، پہلی بار یہ نام اس نے شاہ سکندر ہی سے سنا تھا اور پھر مری میں اس کے دوست، محسن کی بیوی نے اسے اسی نام سے پکارا تھا۔

"آؤ مہو! تم میرے ساتھ آ جاؤ۔" گویا وہ جانتی تھی کہ سکندر کی بیوی کا نام مہرالنساء ہے اس لیے اتنے یقین سے اسے اس نام سے پکارا تھا اور وہ کس کس کو جھٹلانے کی کوشش کرتی۔ بہت مایوس ہو کر وہ مہرالنساء کے ساتھ اپنا موازنہ کرنے جا رہی تھی کہ بابا جان کی سفاکی یاد آئی۔

"شاہ سکندر نے اگر تمہیں اپنی رکھیل بنا کر رکھا تو اس کا معاوضہ بھی دیا ہو گا۔"

"نہیں۔ شاہ سکندر میرے ساتھ ایسا گھناؤنا کھیل نہیں کھیل سکتے۔ غلط کہتے ہیں اس کے بابا جان وہ انہیں چھوڑ آیا ہے بلکہ سب کو۔ اور جاگیریں بھی ٹھکرا آیا ہے صرف میری خاطر۔ اور بابا جان کا اس پر بس نہیں چلا تو مجھے اس سے متنفر کرنا چاہتے ہیں اور ایسا ہو نہیں سکتا، کبھی نہیں۔"

وہ بڑے یقین سے بابا جان کو جھٹلا رہی تھی، لیکن جانے کیوں دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا اور آنکھوں کے کناروں سے چھلکتے آنسو چپ چاپ تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔

"اپنا خیال رکھا کرو آس! یہ سوچ کر کہ میری سانسوں کی ڈور تمہارے ساتھ بندھی ہے۔" محبتوں کی شدتیں تڑپا گئیں۔

"سکندر!" اس نے سر کے نیچے سے تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا اور سسک سسک کر رونے لگی تھی۔

اذان کی آواز پر اماں جی اٹھ کر بیٹھ گئیں اور حسب عادت مؤذن کے ساتھ ساتھ اذان کے الفاظ زیر لب

دہرانے لگیں۔ آخر میں قدرے اونچی آواز میں کلمہ پڑھ کر دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے، پھر چارپائی سے اتر
آسیہ کو دیکھا تو زیرو پاور کی مدھم روشنی میں وہ انہیں سوئی ہوئی نظر آئی۔ اس کی خرابی طبع کے باعث ا
اسے نماز کے لیے نہیں اٹھایا بلکہ چلنے میں بھی احتیاط کی کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے۔ کمرے
برآمدے میں آئیں تو عدیل کو ٹہلتے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

”تم اتنی جلدی اٹھ گئے؟۔“

عدیل چونک کر رکے پھر بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔

”رات کہاں چلے گئے تھے؟۔“ اماں جی نے پوچھا۔

”آسیہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟۔“ وہ ان کا سوال نظرانداز کر گئے۔

”بہتر ہے۔ رات بھر آرام سے سوئی رہی۔“

”چلیں۔ آپ نماز پڑھ لیں، میں ذرا آسیہ کو دیکھ لوں۔“ عدیل کہتے ہوئے آسیہ کے کمرے میں آئے
میں انہیں بھی وہ سوئی ہوئی لگی لیکن جب قریب گئے تو سسکنے کے باعث اس کا وجود جھٹکے کھا رہا تھا۔
عدیل کے دل پر ایک اور قیامت بیت گئی۔ ان کی نازوں پلی بہن کی زندگی میں یہ کونسا مقام آ گیا تھا۔

”آسیہ!“ دھیرے سے پکارتے ہوئے انہوں نے اس کے منہ پر سے تکیہ کھینچ لیا تو بے حد پریشان ہوا
ہاتھ چہرے پر رکھنا چاہتی تھی کہ وہ فوراً اس کی کلائیاں تھام کر بولے۔

”رونا اور منہ چھپانا اس وقت جب ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے۔“

”عدیل بھائی!“ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔ ”اللہ کرے میری زندگی بھی آپ کو لگ جائے۔“

”سب کو اپنی زندگی آپ جینا ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں؟۔“ عدیل کا لہجہ اچانک گمبھیر ہو گیا تھا۔

وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ ان کی بڑی بڑی ذہین آنکھیں سرخ انگارہ بنی ہوئی تھیں۔ گھنے بال بے تر
پیشانی پر جھول رہے تھے اور چہرے پر کسی قیامت کے گزرنے کے واضح اثرات تھے۔

”کیا ہوا ہے عدیل بھائی آپ کو؟۔“ وہ اپنا دکھ بھول گئی۔

عدیل بھائی نظریں چرا گئے۔

”بتایئے ناں عدیل بھائی! آپ کو میری قسم۔“ اور وہ جن کی تمام شب خود کو سنبھالنے اور یہ باور کر
گزری تھی کہ انہیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ان کی بہن کا معاملہ
اس وقت بھی وہ ضبط کرتے کرتے اچانک ٹوٹ گئے تھے۔

”ہماری عزت و غیرت کوئی کھلونا نہیں ہے آسیہ! جسے کوئی امیرزادہ اپنی دل بستگی کے لیے خرید سکے
یہاں سوالی بن کر آیا تھا۔ جانتی ہو ناں پھر اس کے باپ نے تمہیں اور ہم سب کو گالی کیوں دی؟۔“

آسیہ کا پورا وجود سن ہو گیا تھا۔

”میں اگر اسے زندہ چھوڑ کر واپس آیا ہوں تو صرف یہ جاننے کے لیے کہ کہیں تم نے قصداً تو ن
کھایا۔ شاہ سکندر کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر۔ مجھے بتاؤ آسیہ! ورنہ میں خود کو گولی مار لوں گا۔“
نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

”خدا کے لیے عدیل بھائی!“ وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سسک پڑی۔ ”مجھے گولی مار دیں لیکن
کوئی الزام نہ لگائیں۔“

”کیا ہوا ہے؟۔“ کچن میں جاتے ہوئے آواز سن کر میمونہ بھابھی اس طرف آئی تھیں۔ آسیہ کو ر
پریشان ہو گئیں۔

”کچھ نہیں، آپ جائیں اپنا کام کریں۔“ عدیل بھائی کو ان کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔

”مجھے کوئی کام نہیں ہے۔“ صورت حال سے بے خبر میمونہ بھابھی محض عدیل کو چھیڑنے کی غرض سے چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

”ہاں تم بتاؤ آسیہ!“ عدیل ان کے بیٹھنے کا نوٹس نہ لیتے ہوئے سابقہ انداز میں آسیہ سے مخاطب ہوئے۔ ”کیا نہیں پہلے سے معلوم تھا کہ شاہ سکندر شادی شدہ اور بچے کا باپ ہے؟۔“

”کیا؟“ میمونہ بھابھی اچھل پڑیں۔

”نہیں۔ بخدا نہیں۔ مجھے یہ سب معلوم نہیں تھا اور یہ معلوم کرنا آپ کا کام تھا۔“ وہ ہاتھوں میں چہرا چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سچ مچ اس کا مان ٹوٹ گیا تھا۔

عدیل بھائی کے ہاتھوں کی گرفت اس کے کندھوں پر کمزور پڑنے لگی اور پھر ایک دم انہوں نے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے میں چھپا لیا۔

”روؤ نہیں میری بہن! تمہاری قسم تمہارے ایک ایک آنسو کا حساب لوں گا۔“

میمونہ بھابھی ششدر کھڑی تھیں۔

اماں جی، ابا جی، آسیہ کے رونے کی آواز سن کر خلیل کو پکارتے ہوئے آئے تھے۔

”کیا ہوا ہے؟۔“ خلیل نیند میں سے اٹھ کر آئے تھے۔ ایک ایک کی شکل دیکھنے لگے پھر گم صم کھڑی بیوی کا کندھا ہلایا تو وہ چونکنے کے ساتھ ہی عدیل پر بگڑنے لگیں۔

”عدیل! تم نے صبح صبح سب کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ چلو اٹھو یہاں سے۔“

”ہاں!“ عدیل کے ہونٹوں سے گہری سانس خارج ہوئی پھر آسیہ کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ”خلیل بھائی، ابا جی آپ بھی آیئے۔“

جانے کیا بات تھی کہ اماں جی بھی روتی ہوئی بیٹی کو چھوڑ کر ان تینوں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی تھیں۔

.☆..☆.*

شاہ سکندر کی تمام رات سوتے جاگتے گزری تھی گو کہ کل خلیل بھائی کی باتوں سے کہیں بھی ظاہر نہیں ہوا تھا کہ عدیل، شاہ پور آئے ہیں اور تیز رفتاری کے باعث خود اس نے بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ان کی گاڑی وہ پہچانتا تھا اور اس وقت سے اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ کئی بار جھٹلانے کی کوشش کی کہ اسے دھوکا ہوا ہے۔ عدیل یہاں کیوں آئیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں شاہ پور چھوڑ چکا ہوں اور ابھی بھی میری یہاں موجودگی کا کسی کو پتا نہیں، یہاں تک کہ آسیہ بھی نہیں جانتی پھر ان کا یہاں آنا؟

”نہیں۔ وہ عدیل بھائی نہیں ہو سکتے۔“ وہ بار بار جھٹلاتا اور ہر بار دھول اڑاتی گاڑی اس کی نظروں کے سامنے آ جاتی تھی۔

پھر صبح ناشتے کے بعد اس نے اچانک واپسی کا سوچ لیا۔ کہیں کوئی گڑبڑ ہوئی تھی یا ہونے والی تھی جو اس کی چھٹی حس الارم بجانے لگی تھی۔ وہ بہت عجلت میں تیار ہو کر سب سے پہلے بابا جان کو اپنے جانے کا بتانے کی غرض سے ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ شاہ جہانگیر سے کہہ رہے تھے۔

”جس کام سے تمہیں کراچی جانا تھا وہ یہیں ہو گیا۔ اب تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”السلام علیکم بابا جان!“ اس نے سلام کیا تو شاہ جہانگیر کچھ بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ بابا جان نے چونک کر دیکھا اور دوسرے پل مسکرا کر بولے۔

”آؤ آؤ ابھی ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔ آؤ یہاں، ہمارے پاس بیٹھو۔“

اس نے بیٹھتے ہوئے یونہی شاہ جہانگیر کو دیکھا تھا۔

”ہو آئے فارم سے؟۔“ بابا جان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بلکہ وہ پرانی بات بھی نہیں تھی۔ ایک دم اجاڑ ویران لگتا ہے۔ آپ ا
اراضی سے دلچسپی نہیں رہی؟۔" اس نے اپنے تئیں بابا جان کو احساس دلانا چاہا کہ عدم توجہی کے باع
زمین ناکارہ ہو رہی ہے۔

"وہ زمین تمہاری ہے سکندر! اور تم ہی اسے آباد کرو گے۔" بابا جان نے کہا اور پھر فوراً "موضوع بد
اچانک یاد آنے کا تاثر دیتے ہوئے بولے تھے "اور ہاں کل تمہارا کوئی دوست آیا تھا۔"

"کک۔ کون؟" وہ پوری جان سے متوجہ ہو گیا۔

"وہ کیا بھلا سا نام بتایا تھا اس نے۔" بابا جان ذہن پر زور ڈالنے لگے۔

"عدیل۔" وہ اتنا صبر نہیں کر سکا۔

"ہاں شاید یہی نام تھا۔ ہم نے اسے رکنے پر بہت اصرار کیا کہ ایک دو روز میں تم آجاؤ گے لیکن ا
جلدی تھی۔ پتا نہیں کس کام سے آیا تھا۔ وہ بھی نہیں بتایا۔"

بابا جان اپنی کہے جا رہے تھے جبکہ وہ عدیل بھائی کی آمد کی تصدیق ہونے پر بے حد پریشان ہو کر شاہ
دیکھنے لگا تھا۔

"کیا۔ کیا کہہ رہا تھا؟" شاہ جہانگیر نے اس سے نظریں چرا کر بابا جان سے پوچھا۔

"ہم سے تو کوئی خاص بات نہیں کی اس نے۔ بس سکندر کا پوچھ کر چلا گیا۔" بابا جان اب بہت سر
میں بول رہے تھے۔

"میرے بارے میں آپ نے کیا بتایا؟۔"

"یہی کہ تم فارم پر گئے ہوئے ہو۔ ایک دو روز میں آجاؤ گے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم اسی وقت آ
ہو تو ہم اسے ہرگز نہ جانے دیتے۔" بابا جان بڑے آرام سے اس کے اندیشوں کو ہوا دے رہے تھے۔

وہ سخت مضطرب سا اٹھ کھڑا ہوا اور شاہ جہانگیر کو چلنے کا اشارہ کرتا ہوا بابا جان کے کمرے سے نکل آیا۔
شاہ جہانگیر کافی دیر بعد اس کے پاس آئے تھے۔ اس وقت تک اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے پھر
دیکھ کر وہ چیخ پڑا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے جہانگیر بھائی؟۔"

"دھیرج سے۔ دھیرج سے۔" شاہ جہانگیر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بٹھاتے ہوئے بولے۔ "آ
یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟۔"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"شاید انہیں تمہارے بارے میں انکوائری کرنے کا خیال اب آیا ہو۔" شاہ جہانگیر نے پرسوچ انداز

"کیا مطلب، کیسی انکوائری؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کہ تم واقعی شاہ پور کے زمیندار ہو یا۔"

"نہیں۔" اس نے شاہ جہانگیر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی مسترد کر دی۔ "انہوں نے اپنی بہ
میری یہاں کی حیثیت کو سوچ کر نہیں کی تھی جو اب انکوائری کرنے آئیں گے۔"

"پھر اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟۔"

"میں آسیہ سے معلوم کرتا ہوں۔" وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا اور جلدی جلدی نمبر ڈائل کرنے لگا۔
شاہ جہانگیر خود کو نئی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے میں لگ گئے جبکہ کان اس کی
تھے۔

"کون میمونہ بھابھی! السلام علیکم!"

"پلیز ذرا آسیہ کو۔"

"سوری، رانگ نمبر۔" کھٹاک سے فون بند ہو گیا تھا۔

شاہ سکندر کتنی دیر بے یقینی کی حالت میں کھڑا رہا پھر ریسیور رکھ کر شاہ جہانگیر کی طرف پلٹا تو انتہائی دکھ اور
ف سے بولا۔

"آپ میرے بھائی نہیں ہو سکتے۔" اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں پھلانگتا اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

نہ بھابھی کا فون بند کر دینا اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا کہ سبب صرف اس کا شاہ پور آنا نہیں ہو سکتا بلکہ یقیناً "بابا
نے عدیل بھائی سے اور بھی بہت کچھ کہا ہو گا" لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عدیل بھائی یہاں کس سلسلے
آئے تھے۔ کیا انہیں اس پر کوئی شبہ ہوا تھا یا کوئی اور بات۔ اور بات کوئی بھی ہو، اس کے لیے اب صورت
کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

یہ کے بارے میں سوچنے لگا کہ اس کے پہلے سے شادی شدہ ہونے کا سن کر اس پر کیا بیت رہی ہو گی۔ وہ جو اس
نے آپ سے بڑھ کر اعتبار کرتی تھی، کس بری طرح ٹوٹی ہو گی۔ اور جانے اب وہ دوبارہ اس کا اعتبار حاصل
کے گا نہیں۔ معاً" اسے بابا جان کی بات یاد آئی جو وہ ابھی کچھ دیر پہلے شاہ جہانگیر سے کہہ رہے تھے۔

"تمہیں جس کام سے کراچی جانا تھا، وہ یہیں ہو گیا اب تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے بابا جان اور جہانگیر بھائی نے پوری حکمت عملی سے میرے لیے جال بنا ہے اور میں ایک بار
" وہ بری طرح چکرا گیا تھا۔

♥ ♥ ♥ ♥

بند کمرے میں جانے کیا باتیں ہوئی تھیں کہ ناشتے کے بعد اب کھانے کی بھی کسی کو پروا نہیں تھی۔ میمونہ
ی ایک ایک کمرے میں جھانکتی پھر رہی تھیں۔
سامنے سر لپیٹے پڑے تھے۔
ی تسبیح کے دانے گن رہی تھیں۔

وہ صبح سے جو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی تو اب تک اسی حالت میں تھی۔ ذہن میں شاہ سکندر کے سنگ
ارا ایک ایک پل اپنی تمام تر جزئیات سمیت ایک تسلسل سے ابھر ابھر کر مٹ رہا تھا اور وہ کہیں گرفت نہیں
رہی تھی۔ اس لیے کہ وہ خود سے نہیں سوچ رہی تھی، بس اپنے آپ فلم سی چلنے لگی تھی جس کا دورانیہ بہت
ل بھی نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا ایک سال جو اس کی زندگی ہی بدل گیا تھا۔ اتنی محبتیں، اتنی چاہتیں جن میں
ہر کہیں کھوٹ نہیں تھی اور وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ جن محبتوں پر وہ صرف اور صرف اپنا حق سمجھتی ہے
شاہ سکندر پہلے ہی کسی کو دان کر آیا ہے۔ اس کے بعد بھی اتنا زعم۔

ں تمہارے دل میں اس مقام پر فائز ہو چکا ہوں، جہاں مجھ سے پہلے کوئی تھا نہ میرے بعد کوئی ہو سکتا ہے۔" یہ
قت اپنی جگہ مسلّم تھی لیکن اس کے دل اور زندگی سے کھیلنے کا حق اسے کس نے دیا تھا۔ وہ اتنی نادان، اتنی
ف تو کبھی نہیں تھی پھر اتنی آسانی سے اس کے جال میں کیسے پھنس گئی۔

"آسیہ!" میمونہ بھابھی دھیرے سے اس کا کندھا ہلا کر بولیں "سارے گھر میں ایسی خاموشی چھائی ہے کہ اب
دل ڈوبنے لگا ہے۔ خدا کے لیے تم ہی کچھ بولو۔"

گھٹنوں پر سے ٹھوڑی اٹھا کر خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ایسے مت دیکھو۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" میمونہ بھابھی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں "کچھ بولو اور
نہیں تو شاہ سکندر کو گالیاں ہی دو۔ کم از کم تمہارا جمود تو ٹوٹے اور یہ بہت ضروری ہے ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔"
ذرا سی سمٹی تھیں جیسے کہہ رہی ہو اور کیا نقصان۔۔۔۔

دیکھو۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ صبح اماں جی کے کمرے میں ان سب کے درمیان کیا طے پایا ہے۔ خلیل

آفس جاتے جاتے مجھے صرف اتنا بتا گئے ہیں کہ شام کی فلائٹ سے شکیل بھائی اسلام آباد سے آرہے ہیں
مطلب ہے ’انہیں ابا جی نے فوری بلوایا ہوگا اور میں چاہتی ہوں ان کے آنے سے پہلے پہلے تم اپنے آپ کو
لو تاکہ تمہارے اور شاہ سکندر کے بارے میں جو بھی باتیں ہوں۔ تم ان میں شریک ہوسکو۔ میری بات سمجھ
ناں۔‘‘میمونہ بھابھی نے بہت سنجیدگی سے اسے آنے والی صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ آہستگی سے بولی۔

’’اب کیا باتیں ہوں گی۔‘‘اس کے لہجے میں دکھ اور تاسف تھا۔

’’شاہ سکندر کے شادی شدہ ہونے کا سن کر اس سے تمہارا ناتا ٹوٹ تو نہیں گیا میری جان! ابھی تو عشق
امتحاں اور بھی ہیں۔‘‘

’’میری عزت نفس داؤ پر لگی ہے بھابھی! میں سر اٹھا کر بات نہیں کرسکتی۔‘‘وہ رو پڑی۔

’’اور آپ چاہتی ہیں میں بھائیوں کے درمیان بیٹھ کر اس شخص کی حمایت کروں جس نے انہیں یہ گالی دی
اگر وہ سامنے ہوتا تو خون خرابا یقینی تھا۔‘‘

’’کیا اس نے خود... میرا مطلب ہے کیا کہا ہے اس نے؟۔‘‘میمونہ بھابھی نے پوری توجہ سے اس
ہوئے پوچھا۔

’’پہلے یہ بتائیں‘ عدیل بھائی کو سکندر کے شادی شدہ ہونے کا کیسے پتا چلا؟۔‘‘وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں
سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

’’عدیل کل شاہ پور گیا تھا۔ اصل میں تمہاری بے ہوشی سے ہم یہی سمجھے کہ خدانخواستہ شاہ سکندر کے
کوئی حادثہ وغیرہ ہوگیا ہے اس لیے عدیل فوراً اس کی خیر خبر لینے روانہ ہوگیا تھا اور شاید وہیں سے معلوم ہوا
یہ سب کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا بلکہ مجھے تو یقین بھی نہیں آرہا۔‘‘میمونہ بھابھی نے اس کی بات کا جواب
کے ساتھ کہا۔

’’میں بھی خود کو فریب دینے کی کوشش کررہی تھی کہ شاید سکندر کے بابا جان نے مجھے اس سے متنفر کر
لیے ایسی باتیں کیں لیکن...‘‘

’’تمہاری اس کے بابا جان سے کہاں بات ہوئی؟۔‘‘میمونہ بھابھی درمیان میں بول پڑیں۔

’’میں نے شاہ پور فون کیا تھا بی بی جان سے بات کرنے کے لیے۔‘‘اس نے اپنے فون کرنے کا بتا کر بابا
ہونے والی گفتگو بھی کہہ سنائی تو میمونہ بھابھی بھی چکرا گئی تھیں۔

’’یہ تو بہت برا ہوا۔ اور مجھے لگتا ہے‘ عدیل سے بھی انہوں نے ایسی ہی باتیں کی ہوں گی جب ہی تو وہ اتنا
ہورہا ہے۔ پتا ہے رات جب وہ آیا تھا تو میں اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ عجیب وحشی سا لگ رہا تھا۔‘‘
میمونہ بھابھی تاسف کے اظہار کے ساتھ بولیں تو وہ سہم کر پھر رونے لگی۔

’’مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بھابھی! میری وجہ سے میرے بھائی‘ خدانخواستہ اگر کسی کو کچھ ہوگیا تو میں خود
معاف نہیں کروں گی بلکہ میں‘ میں خود کچھ کھا کر مرجاؤں گی۔‘‘وہ روتی ہوئی بے ربط بول رہی تھی۔
میمونہ بھابھی ایک دم پریشان ہوگئیں۔ بمشکل اسے چپ کرایا پھر زبردستی اٹھا کر واش روم میں لے گئیں
منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو اس کے لیے کھانا لے آئیں اور خاصے رعب سے کہنے لگیں۔

’’دیکھو‘ کھانے سے انکار مت کرنا۔ مجھے پتا ہے اس وقت تمہاری کیا حالت ہورہی ہوگی۔ ان دنوں
بھوک زیادہ لگتی ہے۔ چلو کھاؤ شاباش۔ میں جب تک چائے لے کر آتی ہوں۔‘‘اس نے خاموشی سے
جاتے ہوئے دیکھا پھر ٹرے کی طرف متوجہ ہوگئی۔
شام تک گھر میں ایسی ہی خاموشی اور کشیدگی تھی۔ جانے کیوں اماں جی اور ابا جی بھی اس کے کمرے میں
آئے تھے اور وہ خود بھی ان کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی گو کہ اس سارے قصے میں اس کا کوئی قصور نہیں

مجرم سی بنی ہوئی تھی۔ شاید اس کا جرم محبت تھا‘ جس نے اسے رسوا کرکے اس کی ہستی کا غرور چھین لیا تھا۔
وقت کی بات ہے‘ کبھی اسی محبت نے اسے اتنا اعتماد بخشا تھا کہ وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے
تھی جس کی اب تک کی زندگی میں کہیں کسی دکھ‘ کسی محرومی کی پرچھائیں تک نہیں تھی پھر اب جانے کس کی
لگی تھی کہ وہ اندر ہی اندر ٹوٹتی جارہی تھی اور کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا۔

شکیل بھائی کی آمد پر خاموشی میں قدرے ہلچل مچ گئی۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہوتے ہی میمونہ بھابھی نے کھانا
کیونکہ جانتی تھیں کہ جہاں اس واقعے کو چھیڑا گیا‘ کھانا رہ جائے گا۔ اس لیے کھانے کے دوران بھی وہ شکیل
سے سیما بھابھی کی خیریت اور ان کی دیگر مصروفیات کے بارے میں پوچھ کر ایک طرح سے سب کا دھیان
رہیں۔ آخر میں کہنے لگیں۔

’’نہیں اور بچوں کو بھی لے آتے تو کچھ رونق ہوجاتی۔‘‘

’’باقاعدہ پروگرام کے تحت آتا تب اسے لے کر آتا۔‘‘شکیل بھائی کہنے لگے۔ ’’وہ تو صبح ابا جی نے فون کرکے بس
آنے کا کہہ کر مجھے پریشان کردیا۔ ابا جی! ایسی کیا بات تھی۔ اس طرح کیوں بلایا مجھے؟۔‘‘

’’بس وہ تم سے کچھ مشورہ کرنا تھا۔ خیر پہلے تم کھانا کھاؤ۔ آرام سے پھر بات کریں گے۔‘‘ابا جی اس وقت سے
طرح ٹال رہے تھے۔

بھائی نے باری باری سب کو دیکھا۔ کسی کے چہرے پر وہ پہلے جیسا اطمینان نظر نہیں آیا۔ اور ٹھٹک تو وہ اسی
گئے تھے جب ابا جی نے فون پر انہیں فوراً آنے کو کہا تھا اور کچھ بتایا بھی نہیں تھا۔ وہ اگر کسی بھی وقت فارغ
تے تو کچھ نہ کچھ ضرور قیاس کرتے لیکن سارا دن آفس میں اس قدر مصروفیت رہی کہ اس طرف دھیان ہی
آیا تھا‘ بہرحال اب ان سے مزید صبر نہیں ہوسکا۔ دسترخوان سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولے۔

کیا بات ہے‘ کیا مشورہ کرنا ہے ابا جی! اب بتا بھی دیجیے؟۔‘‘
نے خلیل اور عدیل کے بعد اماں جی کو دیکھا تو وہ ایکدم رو پڑیں۔

بیٹا! ہم نے آسیہ کی شادی میں بڑا دھوکا کھایا۔ وہ سکندر پہلے سے بال بچوں والا ہے۔‘‘
جی نے بہت واضح انکشاف کیا تھا پھر بھی شکیل بھائی یوں دیکھ رہے تھے جیسے سمجھ نہ پائے ہوں۔ کتنی دیر بعد
بولے۔

پھر‘ میرا مطلب ہے‘ کیسے معلوم ہوا آپ کو؟۔‘‘
ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں کبھی نہ کبھی ظاہر ہوجاتی ہیں۔‘‘ابا جی بہت ضبط سے گویا ہوئے۔
وہ تو ٹھیک ہے لیکن شاہ سکندر کیا کہتا ہے؟ کیا جواز بتاتا ہے اپنی دوسری شادی کا؟ پہلی بیوی مرچکی ہے یا اس
ساتھ چلنے کے قابل نہیں۔‘‘
جواز کوئی بھی ہو شکیل بھائی! ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔‘‘عدیل کے اندر پکتا لاوا پھٹنے لگا تھا کہ ابا
انہیں ٹوک دیا۔
تم خاموش رہو عدیل! جذباتیت کا مظاہرہ ہمارے اپنے حق میں بہتر نہیں ہوگا‘ اس لیے کہ ہم بیٹی والے

لیکن ہماری عزت و ناموس گروی نہیں رکھی۔‘‘عدیل دبے لہجے میں چیخ پڑے۔
عدیل ٹھیک کہہ رہا ہے۔‘‘خلیل بھائی ان کی تائید کرتے ہوئے بولے۔ ’’بیٹی والے ہونے کا یہ مطلب نہیں
ہم اپنی عزت و حمیت کو گہری نیند سلا کر کٹھ پتلی بن کر رہ جائیں۔ آپ شکیل بھائی کو صاف صاف بتائیں کہ
سب باپ نے۔‘‘
میں خود بتانے جارہا ہوں۔ تم مجھے بات تو کرنے دو۔‘‘
نے عاجز ہوکر خلیل کو دیکھا پھر قدرے رک کر ساری بات کہہ سنائی جس کے بعد طویل خاموشی تھی۔

اماں جی چپکے چپکے اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔
میمونہ بھابھی تینوں بھائیوں کے چہرے دیکھ کر اندر ہی اندر سہمی جا رہی تھیں۔
اور ابا جی کی بوڑھی آنکھوں میں التجا تھی۔ (کوئی ایسا حل سوچو کہ تمہاری غیرت کے ساتھ میری بیٹی کا گھر سلامت رہے۔)

"آسیہ کہاں ہے؟۔" کتنی دیر بعد شکیل بھائی کی سوچوں میں ڈوبی آواز نے خاموشی کا سینہ چاک کیا۔
"اپنے کمرے میں۔" میمونہ بھابھی کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ بمشکل سنائی دی۔
"آیئے میرے ساتھ۔" شکیل بھائی کسی ایک کو مخاطب کیے بغیر کہتے ہوئے اٹھ کر آسیہ کے کمرے کی طرف چل پڑے تو ان کے پیچھے خلیل اور عدیل نے فوراً تقلید کی جب کہ ابا جی' میمونہ بھابھی اور اماں جی کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے اٹھ آئے تھے۔

"آسیہ!" شکیل بھائی نے دروازے میں رک کر گم صم بیٹھی آسیہ کو پکارا تو وہ کوشش کے باوجود اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکی۔
"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے بیٹا! خدانخواستہ کوئی۔" شکیل بھائی نے آگے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو گئے جس پر وہ فوراً ٹوکتے ہوئے بولے۔
"خبردار رونا نہیں؟ تم بہت بہادر لڑکی ہو اور مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دو۔ کیا تم شاہ سکندر کے ساتھ گالی بن کر رہ سکتی ہو؟۔" ان کی زبان رکھیل کہنے سے قاصر تھی۔
آسیہ کے لبریز پیمانے چھلک گئے۔
"کم از کم ہم بھائیوں کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی آسیہ! اثبات میں سر ہلانے سے پہلے ہم سب کو زہر دینا۔" عدیل کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ پا رہے تھے۔
"نہیں۔" وہ شکیل بھائی کے بازو سے پیشانی ٹکا کر سسک پڑی
"خدا کی قسم نہیں۔ میں زندہ رہوں گی تو اپنے ازلی وقار کے ساتھ۔"
"یہی تمہارا حق ہے بیٹا۔" شکیل بھائی نے بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا پھر ابا جی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔
"ابا جی! گو کہ شاہ سکندر نے ہمیں دھوکا دیا ہے پھر بھی اگر وہ آسیہ کے ساتھ فیئر ہے تو اس کے ساتھ کمپرومائز کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے ہماری شرط یہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو لے کر آئے۔"
"ہاں جب تک شاہ حیات محمد خود آ کر آسیہ کو اپنی بہو تسلیم کر کے لے جانے کی بات نہیں کریں گے یہاں سے نہیں جائے گی۔" خلیل بھائی نے بھی فوراً تائید کر کے فیصلہ سنا دیا۔
اور عدیل کے اندر جلتے الاؤ پر جیسے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑنے لگے تھے۔ ابا جی نے پرسوچ انداز میں باری باری تینوں بیٹوں کو دیکھا پھر اسی انداز میں اثبات میں سر ہلایا' تب شکیل بھائی آسیہ کو خود سے الگ کرتے ہوئے کہنے لگے۔
"بیٹا! تم پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہو۔ تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ رونے دھونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ شکر کرو ابھی حقیقت سامنے آ گئی ہے' بہرحال مجھے یقین ہے شاہ سکندر آج کل میں ضرور تم سے رابطہ کرے گا اور تمہیں اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟۔"
اس نے دھیرے سے سر جھکا لیا تھا۔

♥ ♥ ♥ ♥

"بی بی جان! میں کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا چاہتا ہوں۔" شاہ سکندر نے بہت سوچ کر "کچھ دنوں کے"

تھا کیونکہ اب حالات اسے سب کشتیاں جلانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔
"کیوں؟۔" بی بی جان کے نروٹھے انداز پر وہ چیخ کر بولا۔
"آپ جانتی تو ہیں' وہاں میرا گھر ہے' بیوی ہے۔"
"جانتی ہوں لیکن مانتی نہیں ہوں۔ مانتی میں صرف مہرالنساء کو ہوں اور بار بار اسے چھوڑ کر جانا تمہارے حق میں ٹھیک نہیں ہے۔"
"مجھے تو اب کچھ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا' یہاں وہاں دونوں طرف لگتا ہے زندگی میرے لیے تنگ ہو گئی ہے' اور میں نے کبھی اتنی گھٹن برداشت نہیں کی۔ آپ جانتی ہیں پھر آپ سب ایسے حالات پیدا کر کے میری موت کا سامان کیوں کر رہے ہیں؟ کیا واقعی میری زندگی سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں' اگر ایسی بات ہے تو میں خود اپنے آپ کو ختم کر لیتا ہوں۔"
وہ بہت کبیدہ خاطر ہو کر اتنے ٹھوس لہجے میں بولا کہ بی بی جان ایکدم خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔
"میں چاہتا تو آپ کو بتائے بغیر بھی جا سکتا تھا لیکن میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ آپ بے شک آسیہ کو قبول نہ کریں لیکن مجھے اس کے پاس جانے سے روکیں بھی نہیں۔ مجھے اس کے وجود سے زندگی کا احساس ملتا ہے۔ اتنے دن اس کے بغیر میں پتا نہیں کیسے رہا ہوں۔ مجھے جانے دیں۔" وہ روٹھے اور ضدی لہجے میں بول رہا تھا۔
"اپنے بابا جان سے پوچھ لیا ہے؟۔" بی بی جان کو اس پر رحم آیا بھی تو ظاہر نہیں ہونے دیا۔
"انہیں آپ بتا دیجئے گا۔"
"اور آؤ گے کب؟۔" بی بی جان نے اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔
"آتا رہوں گا۔" اس نے ڈپلومیسی اختیار کی۔ "میں اسے چھوڑ سکتا ہوں نہ آپ کو' اور آپ کی خاطر میں مہرالنساء کے حقوق بھی تسلیم کر رہا ہوں۔ اس کے باوجود کہ آپ نے میرے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا۔ ماں ہو کر بھی نہیں۔ بہرحال مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ میں آپ کی مجبوری سمجھتا ہوں' یہاں سیاہ و سفید کی مالک ہو کر بھی بابا جان کے سامنے بالکل بے اختیار ہیں آپ؟۔"
بی بی جان کچھ نہیں بولیں خاموشی سے دیکھتی رہیں۔
"میں چلتا ہوں۔ میرے لیے دعا کیجئے گا۔" وہ ان کی طرف جھک کر بولا اور جب تک بی بی جان نے اس کے سر پر ہاتھ نہیں رکھ دیا۔ وہ کھڑا نہیں ہوا تھا۔ پھر جلد آنے کا کہہ کر ان کے کمرے سے نکلا تو اس کے قدموں میں تیزی تھی۔ راہداری کے اختتام پر اچانک مہرالنساء نے سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا تو وہ کسی طرح اپنی ناگواری نہیں چھپا سکا۔
"کیا بات ہے؟۔"
"اتنی تیزی میں کہاں جا رہے ہیں؟۔" تنفر سے بھری مہرالنساء نے اس سے زیادہ ناگواری کا اظہار پیشانی پر بے شمار بل ڈال کر کیا۔
"تمہیں اس سے کیا' میں کہیں بھی جاؤں۔" وہ دانت پیس کر بولا۔
"بیوی ہوں آپ کی۔ پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔ کہاں سے آ رہے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں اور۔۔۔"
"شٹ اپ۔" وہ تلملا کر چیخا۔ "ہٹو سامنے سے۔"
"کس کس راستے سے ہٹائیں گے شاہ! میں تو ہر راستے پر ملوں گی۔ بتا دینا اس حرامزادی کو بھی۔ مہرالنساء کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔" زہرخند سے بولی۔
"کمینی۔" وہ انتہائی طیش میں آ کر اس پر جھپٹنا چاہتا تھا لیکن وہ پھرتی سے پیچھے ہٹ گئی اور اسے دیکھ کر زہریلے قہقہے لگانے لگی۔
"یقیناً پاگل ہو گئی ہو؟۔" وہ نفرت سے کہہ کر بہت تیزی سے باہر نکلا تھا۔

جب اس نے اپنے اپارٹمنٹ میں قدم رکھا‘ اس وقت شام گہری ہو رہی تھی۔ تمام لائٹیں آن کرکے لیے ساری کھڑکیاں کھول کر اس نے پردے سمیٹ دیئے۔ اتنے دن بند رہنے کے باعث کمروں میں گھٹن کچھ ناگوار سی مہک میں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بالکونی میں نکل کر ٹہلنے لگا۔ ساتھ ساتھ گھڑی بھی تھا جب اس کے خیال میں آسیہ نماز سے فارغ ہو چکی ہوگی‘ تب اندر آکر اس کے نمبر ڈائل کرتے ہوئے اندر بہت خائف ہو رہا تھا۔

دوسری طرف بیل جا رہی تھی اور اس سے پہلے کہ کوئی ریسیور اٹھاتا اس نے فون رکھ دیا۔ شاید رانگ حوصلہ نہیں تھا۔ کتنی دیر خود کو سمجھانے کے بعد دوبارہ نمبر ڈائل کیے تو ادھر سے حسب سابق میمونہ بھابھی سنائی دی تھی۔

”السلام علیکم۔“ اس نے مجرمانہ سے انداز میں سلام کیا تھا۔

”وعلیکم......“ جواب مختصر سہی اس کے لیے یہی بہت تھا کہ فون بند نہیں ہوا تھا۔

❀ ❀ ❀

”کیسی ہیں آپ؟“ شاہ سکندر نے بہت چاہا کہ اپنے اُسی پرانے انداز میں بات کر سکے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کہاں ہوتے ہو آج کل؟“ میمونہ بھابی کا مقصد اس وقت کچھ جتانا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے مخصوص انداز میں اور اپنی دُھن میں بول رہی تھیں۔

”یہیں ہوں۔ آپ کے شہر میں‘ میرا مطلب ہے بس ابھی پہنچا ہوں۔ آسیہ کہاں ہے؟“ میمونہ بھابی کے اچھے موڈ سے حوصلہ پاکر اس نے فوراً آسیہ کا پوچھا۔

”آسیہ۔ اپنے کمرے میں ہے۔ بلاؤں؟“

”جی‘ بڑی مہربانی ہوگی۔“ وہ بے تابی سے بولا اور پھر اسی بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ اُس کی دھڑکنیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ جانے کتنے پل بیت گئے۔ وہ اس کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن اس کے برعکس دوبارہ میمونہ بھابی کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو۔ شاہ سکندر!“

”جی!“ وہ کھڑا ہو گیا۔

”وہ آسیہ نہیں آ رہی۔“ میمونہ بھابی نے کچھ ہچکچا کر کہا۔

”کیوں۔ کیوں نہیں آ رہی۔ کیا کر رہی ہے؟“

”کچھ نہیں اور بہتر ہے کہ ابھی آپ اُسے نہ چھیڑیں۔“ میمونہ بھابی نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ کچھ دیر ریسیور کو دیکھتا رہا پھر کریڈل پر پٹخ کر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا تو دھیرے دھیرے اندر کا زعم بیدار ہو کر تمام خدشات پر حاوی ہونے لگا تھا۔

”کوئی گناہ کیا ہے میں نے جو منہ چھپاتا پھروں۔ اگر اُسے میری پہلی شادی کا معلوم ہو گیا ہے تو ہونا چاہیے کہ کن حالات میں ہوئی۔ اور اُسے میری ہر بات کا یقین کرنا پڑے گا۔ میں نے اُس کے ساتھ نہیں کی‘ نہ دھوکا دیا ہے۔ اس کی ناراضگی بجا لیکن میں اُسے منانے کا حق رکھتا ہوں۔“

اس نے رک کر ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ پھر ایک پل میں فیصلہ کر کے گاڑی کی چابی اٹھا لی۔ مین شاہراہ پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ واپسی میں آسیہ بھی اُس کے ساتھ ہو۔ پھر اسی احساس میں گھر کر اُس نے گھر کے سامنے گاڑی روکی اور بیل کا بٹن دبایا تھا۔

گیٹ کھولنے ابا جی آئے تھے اور اُسے دیکھ کر فوری طور پر اُن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ خوش آمدید کہہ دیں۔ ”السلام علیکم!“ اُس نے اپنے ہمیشہ والے انداز میں سلام کیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر اندر چلا آیا تو ابا جی ہوش میں آکر بولے تھے۔

”آؤ۔ ادھر آجاؤ۔“

”جی!“ اُس نے رک کر دیکھا پھر اُن کی تقلید میں ڈرائنگ روم میں آتے ہی پوچھا۔

”آسیہ سے کیا کام ہے؟“ ابا جی کے ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے پر وہ نظریں چرا گیا۔

”میں لینے آیا ہوں اُسے۔ بہت دن رہ لیا اُس نے آپ کے گھر۔ طبیعت کیسی ہے اُس کی؟“

”اب تو اللہ کا شکر ہے۔ بہت بہتر ہے۔ تم بیٹھو۔ کیا پیو گے۔ چائے یا؟“

”جی شکریہ۔ بس آپ جلدی سے آسیہ کو بلا دیں بلکہ میں خود۔“ وہ اُس کے پاس جانے کے لیے آگے بڑھا تو ابا جی ایک دم سامنے آکر بولے۔

”آسیہ یہیں آ رہی ہے۔“

”جی!“ وہ خجل سا ہو کر فوراً پلٹ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور ابا جی کے کمرے سے نکلنے کے بعد دروازے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے کچھ دیر بعد جیسے ہی آسیہ اندر داخل ہوئی وہ اٹھتے ہوئے بے تابی سے بولا۔

”آسیہ۔ کیسی ہو؟“

”آپ کیسے ہیں؟“ وہ اس کی بے تابی یکسر نظر انداز کر گئی۔

”یہ گھر چل کر بتاؤں گا۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ بلکہ تیاری کیا کرنی ہے بس کہہ آؤ اماں جی اور ابا جی سے کہ تم اپنے گھر جا رہی ہو۔“ وہ یوں بولا جیسے وہ سچ مچ اسی انتظار میں کھڑی ہو۔

وہ بہت خاموش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔

”دیکھو‘ جو بھی بات ہے‘ ہم گھر چل کر کریں گے۔ میں تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولوں گا سب کچھ سچ بتاؤں گا۔ اس کے بعد تم خود فیصلہ کرنا۔“ وہ ایک طرح سے ہتھیار ڈال گیا۔

”فیصلہ تو ہو چکا۔“ آسیہ کے بے تاثر لہجے پر وہ ٹھٹک گیا۔

”کیا مطلب؟“

”مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔ جھوٹ نہ سچ۔ اس کے باوجود میں آپ کے گھر جانے کو تیار ہوں لیکن اس طرح نہیں پہلے آپ کو اپنے باباجان اور بی بی جان سے نہ صرف اجازت لینی ہے بلکہ وہی آکر مجھے یہاں سے لے جا سکتے ہیں۔“ اُس کا حتمی لہجہ اس قدر مضبوط تھا کہ کچھ دیر تک وہ اُسے دیکھتا رہ گیا پھر قدرے جھنجھلا کر بولا۔

”انہیں اگر آنا ہوتا تو پہلے آتے اور میں نے تمہیں اُسی وقت بتا دیا تھا کہ وہ میری تم سے شادی پر قطعی راضی نہیں۔ اسی لیے میں سب کو چھوڑ آیا تھا۔“

”اور ساتھ میں یہ عہد بھی کیا تھا کہ جب تک وہ مجھے تسلیم نہیں کریں گے آپ وہاں نہیں جائیں گے۔“ وہ بولی تھی۔

”تو تم میرے وہاں جانے سے خفا ہو؟“

”نہیں۔ میں ایسی کسی بات پر خفا نہیں ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں‘ آپ خوشی سے وہاں نہیں گئے ہوں گے کسی مجبوری ہی آپ کو لے گئی ہوگی اور میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے سر نہیں جھکا سکتی اور نہ ہی اپنی عزت و وقار کھو سکتی ہوں۔ میری انا و خودداری مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں محبت میں سب کچھ داؤ پر لگا دوں۔“ وہ بہت ضبط سے ٹھہر ٹھہر کر بولی تھی۔

”کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں محبت میں شراکت گوارا کر رہی ہوں۔ مجھے مہرالنساء کی سوکن بننا منظور ہے لیکن شاہ سکندر یہ تفصیل کہ آپ کے باباجان نے مجھے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میں اپنی نظروں میں گر گئی۔ اب آپ تو شاہ سکندر۔ اگر آپ لکھ کر بھی دے دیں گے کہ زندگی بھر شاہ پور اور اس کے مکینوں سے آپ کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے تب بھی میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ مجھے لے جانا ہے تو باباجان کو لے کر

آئیں۔

میرا مقصد انہیں اپنے یا اپنے گھر والوں کے سامنے جھکانا ہرگز نہیں ہے۔ میں تو بس بقیہ زندگی جینے کا حق اور مان چاہتی ہوں۔ اگر آپ انہیں لاسکیں تو ٹھیک ہے ورنہ سمجھ لیں آسیہ مرگئی۔"

وہ جھپاک سے کمرے سے نکل گئی تو وہ جو۔ سناٹے میں گھرا تھا ایک دم جیسے ہوش میں آکر اُس کے پیچھے لپکا تھا لیکن وہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکی تھی۔

"آسیہ! آسیہ! میری بات سنو۔" وہ اُس کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ اور لمحہ بہ لمحہ اُس پر دیوانگی طاری ہو رہا تھا۔ اگر اپنے گھر میں ہوتا تو دروازہ توڑ ڈالتا۔

آسیہ نے جیسے اپنے کان بند کر لیے تھے۔

"تم غلطی کر رہی ہو آس! بابا جان نے اگر تمہارے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں تو اس کی سزا مجھے مت دو۔ تم میرے اور میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔ ہم مل کر کچھ سوچ سکتے ہیں۔ میری بات سن رہی ہو ناں؟" وہ اُسے جانے کیا باور کرانا چاہ رہا تھا۔

"وہ آپ کی بات نہیں سُنے گی شاہ سکندر!" عقب سے عدیل بھائی نے اُسے مخاطب کیا تو وہ اُن کی طرف پلٹ کر بولا۔

"کیوں نہیں سُنے گی؟"

"اس لیے کہ وہ فیصلہ کر چکی ہے اور اس میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں۔" عدیل بھائی جو اوّل روز سے اُسے بہت اہمیت دیتے آئے تھے۔ آج اجنبی بنے کھڑے تھے۔

وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر قدرے طنز سے پوچھنے لگا۔

"یہ صرف اُس کا فیصلہ ہے یا؟"

"ہم سب کا۔" عدیل بھائی کوئی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھے۔

"پھر تو مجھے کہنا پڑے گا کہ آپ لوگ اپنی بہن کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ طے ہے کہ میرے والدین یہاں نہیں آئیں گے۔" اُس کا زعم عود کر آیا۔

"اور آپ کب تک بہن کو اپنے پاس بٹھائے رکھیں گے۔ سال دو سال۔ دل بھر جائے تو میرے در پر چھوڑ جائیے گا کہ میں اس پر اپنے دروازے بند نہیں کر رہا۔"

عدیل بھائی کی پیشانی پر شکنوں کا جال بچھ گیا اور ابھی کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

"میں نے عدیل کو منع کیا تھا کہ شاہ سکندر کے سامنے نہیں جانے لیکن اُس نے میری بات نہیں مانی۔ بتاؤ معاملہ اور بگڑ گیا کہ نہیں۔" ابا جی بہت فکرمندی سے امّاں جی سے کہہ رہے تھے۔" وہ صاف کہہ رہا ہے کہ اُس کے ماں باپ یہاں نہیں آئیں گے اور ایسا اُس نے صرف عدیل کی ضد میں کہا ہے۔"

"کیا کرے عدیل، اُس سے برداشت نہیں ہوتا۔ جوان خون ہے۔"

"برداشت تو ہمیں کرنا پڑے گا۔ ہم میں سے کسی کی مداخلت شاہ سکندر کو ضد دلا سکتی ہے۔ گو کہ میاں بیوی کا معاملہ نہیں ہے۔ پھر بھی ابھی صرف آسیہ کو بات کرنے دو۔ وہی اُسے غصّے سے بہتر طرح سمجھا سکتی ہے اور وہ عدیل کہاں ہے۔ عدیل!" ابا جی نے امّاں جی کو سمجھاتے ہوئے کہا پھر عدیل کو پکارا تھا۔

"جی ابا جی!" عدیل اُن کی پہلی پکار پر آئے تھے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا بیٹا! تمہیں شاہ سکندر سے معافی مانگنی ہوگی۔" ابا جی نے چھوٹتے ہی کہا تو وہ حیران ہو کر بولے۔

"کس بات کی؟"

"اپنے رویّے کی۔"

"میں نے ایسا کوئی بد اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا ابا جی۔ پھر بھی میں معافی مانگ لوں گا لیکن اُس وقت جب وہ اپنے ماں باپ سے آسیہ کی حیثیت تسلیم کروا کر اُسے ساتھ لے جائے گا۔ اس سے پہلے معافی مانگنے کا مطلب ہے ہم نے اپنی شرط واپس لے لی جو کہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ صرف ان دونوں میاں بیوی کا معاملہ نہیں ہے۔" عدیل بھائی بہت رسان سے بولے گویا انہوں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ اور ابھی بھی وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہے تھے جبھی ابا جی نے اُن سے اختلاف نہیں کیا لیکن اُن کی تشویش اپنی جگہ تھی۔

"پھر بھی بیٹا! ہمیں بہت سنبھل کر چلنا ہے۔ ضد میں تو معاملہ مزید بگڑتا جائے گا۔"

"یہ ہماری ضد نہیں ہے ابا جی اور اگر شاہ سکندر نے اسے..." آسیہ کے آنے سے انہوں نے بات وہیں چھوڑ دی اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تو وہ امّاں جی کو مخاطب کر کے بولی۔

"امّاں جی! کھانا لگ گیا ہے۔"

"ہاں چلو۔ پہلے کھانا کھا لیں۔" ابا جی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مقصد اُس پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہاں کسی اور مسئلے پر بات نہیں ہو رہی۔

پھر کھانے کے دوران عدیل بھائی نے میمونہ بھابی کے ساتھ مذاق شروع کر کے ماحول کو خوشگوار بنایا تھا لیکن مذاق میں اچانک ماحول کا رنگ بدل گیا۔

"تم بہت اترانے لگے ہو۔ امّاں جی اب اس کی جلدی سے شادی کر دیں۔ نائلہ کی امی انتظار میں ہوں گی کہ وہ کہہ گئے نہیں۔" میمونہ بھابی نے ـــــــــ عدیل کو چھیڑتے ہوئے امّاں جی کو یاد دلایا تو وہ بگڑ کر بولیں۔

"کرتی رہیں انتظار، ہمیں اب نہیں جانا اُن کے ہاں۔"

"کیوں امّاں جی؟" آسیہ نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ جانے کس جنم کا بدلہ لیا۔ بیٹی رکھتے ہوئے بھی انہیں خیال نہیں آیا کہ۔"

"بس کریں امّاں جی۔" آسیہ نے پریشان ہو کر انہیں ٹوکا پھر کہنے لگی۔ "میرا نہیں خیال کہ انہیں شاہ سکندر کے بارے میں زیادہ کچھ معلوم ہو کیونکہ اُن کے گھر سے کبھی کوئی شاہ پور نہیں گیا۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں تو انہیں ہی پکڑوں گی کیونکہ وہی سکندر کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔" امّاں جی سخت خفا سی تھیں۔

"ہم کسی کو الزام نہیں دے سکتے عدیل کی ماں! یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ تم بے شک عدیل کی شادی وہاں سے ختم کر دو لیکن یہ جواز مت رکھنا۔" ابا جی نے رسان سے سمجھاتے ہوئے کہا تو خلیل بھائی اُن کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جی! ہم اپنا بدلہ اُن سے کیوں لیں جن کی شاہ سکندر سے کوئی رشتے داری نہیں۔ پھر پتا نہیں سکندر نے انہیں کیا کہانی سنائی ہے۔ اور امّاں جی آپ خود سے تو کوئی بات کریں ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں ہمیں یہ ساری باتیں چھپانی پڑیں کیونکہ سکندر بہرحال اس گھر کا داماد ہے اور داماد کیسا بھی ہو۔ دُنیا کے سامنے اُس کی تعریف ہی کی جاتی ہے۔"

آسیہ کو اپنے دل کی بستی میں پھیلے سناٹے کا شدت سے احساس ہوا۔ بہت خاموشی سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگی تو امّاں جی خفگی سے بولیں۔

"یہ کیا باتیں لے بیٹھے ہو تم لوگ۔ ختم کرو۔ میری بچّی پریشان ہو جاتی ہے۔"

"پریشان تو ہو گی لیکن اُسے یہ سب کچھ خود فیس کرنا ہے۔ اس لیے کوئی بات اُس سے چھپائی نہیں جا سکتی۔" یہ بات کہتے ہوئے اُٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد امّاں جی اور اُن کے پیچھے ابا جی اُٹھ کر چلے گئے تو میمونہ بھابی برتن سمیٹتے ہوئے بولیں۔

"بہت گڑبڑ ہو گئی۔ یعنی اب جب تک آسیہ کا معاملہ سیٹ نہیں ہو گا تمہاری بات آگے نہیں بڑھے گی۔

ویسے اگر تمہیں جلدی ہو تو میں تمہارے لیے کوئی اور لڑکی دیکھوں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔" عدیل بھائی اُن کی شریر مسکراہٹ سے قدرے جھینپ کر بولے۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ شادی میں آسیہ کی سیٹنگ کے بعد ہی کروں گا۔" انہوں نے کہا تو میمونہ بھابی بھ
دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"پکی بات ہے؟"

"جناب۔"

"پھر نائلہ ہی ٹھیک ہے۔" میمونہ بھابی ان کے دل کی بات کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر جاتے جا
کر پوچھنے لگیں۔ "تمہاری کبھی نائلہ سے بات ہوئی ہے؟"

"کیوں؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"نہیں ہوئی تو فون کر لیا کرو۔ انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے گی۔" میمونہ بھابی نے اُن کا کیوں نظ
مشورہ دیا تو وہ ہنس پڑے۔

"خلیل بھائی سے آپ کی اسی طرح انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی؟"

"توبہ کرو۔ میرا تو منگنی کے بعد سے شادی ہونے تک سارا وقت اسی انتظار میں گزرا کہ موصوف
بھٹکے ہی فون کر دیں لیکن یہ تو جیسے قسم کھا کر بیٹھے تھے کہ شادی ہونے پر ہی بات کریں گے۔" میمو
بُرا سا منہ بنا کر بولیں اور اُن کے مزید ہنسنے پر چڑ گئیں۔

"سارے بھائی ایک جیسے ہو۔"

شاہ سکندر بالکل عام مردوں کی طرح سوچ رہا تھا کہ اُس کی بیوی نادان ہے، جو بھائیوں
میں آ گئی ہے (حالانکہ اُس کی ذہانت کا وہ ہمیشہ سے معترف رہا تھا) اور یہی مردوں کا شیوہ ہے۔
بند کر کے ہر بات کا اعتبار کرتی رہے تو یہ اس کا اپنا عمل، جہاں کسی بات پر گرفت کی سارا الزام
والوں پر آ جاتا ہے۔ وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آسیہ کسی طرح بھی اُس سے متنفر نہیں ہو سکتی۔ اگر
اُس کی دل شکنی یا دل آزاری کی ہے تو وہ اُس کے سامنے افسوس کا اظہار کرتی لڑتی جھگڑتی اور
زیادہ آئندہ اُسے شاہ پور جانے سے روک دیتی لیکن باباجان کے آنے کی شرط وہ کبھی نہیں رکھ
کے خیال میں کسی مقام پر اُسے جھکانا یا بے بس کرنا اُس لڑکی کے اختیار ہی میں نہیں ہے اور اب
کے سامنے وہ مجبور تو ہو گئی ہے لیکن زیادہ دن یہ مجبوری کی زنجیریں نہیں پہن سکے گی۔ کیونکہ ا
مضبوط اور زور آور اُس کی محبت ہے جس کے شکنجے سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اور ا
پر بھروسا غلط نہیں تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔ بہرحال ا
اُس نے بمشکل خود پر جبر کیا۔ اس کے بعد دل تو چاہا خود جا کر اُسے سب کے درمیان میں سے
لے آئے لیکن عدیل بھائی کو وہ جو جواب دے کر آیا تھا اس کے بعد دوبارہ جانے کے خیال سے
اپنی ہتک محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے مجبوراً فون کا سہارا لینا پڑا۔ اور پھر سارا دن وقفے وقفے
نمبر ڈائل کرتا رہا۔ اُدھر سے ایک ہی جواب ملتا۔ "وہ بات نہیں کرنا چاہتی۔" جس سے پہلے وہ جھ
طاری ہوئی۔ آخر میں انتہائی غصے میں آ کر اس نے ٹیلی فون سیٹ اُٹھا کر پھینک دیا تھا۔ اس کے
تک منفی سوچیں اُسے کسی انتہائی اقدام پر اُکساتی رہیں۔

"کیا حیثیت ہے عدیل خلیل کی میرے سامنے۔ ابھی تین حرف لکھ کر بھیج دوں تو سر اُٹھا کر چ
ہمیشہ کے لیے ان کے اندر دفن ہو جائے گی۔ منہ چھپاتے پھریں گے لوگوں سے۔"

معاً ڈور بیل کی آواز نے جہاں اُس کی سوچوں کو منتشر کیا وہاں پہلا خیال آسیہ کا آیا تھا۔ وہ یا
گھر میں سے کوئی جو اپنے رویے پر نادم ہو کر آیا ہو۔ اس خیال نے اُس کے ہونٹوں پر فاتحانہ

اور پھر قصداً اُس نے اُٹھنے اور دروازہ کھولنے میں دیر لگائی لیکن جب سامنے احمد حسن کو دیکھا تو
بھیر دی
میں خجل سا ہو کے رہ گیا تھا۔

"آپ میں تو اب تمہارے بارے میں اخبار میں اشتہار دینے والا تھا۔" احمد حسن اُس کے گلے لگتے
"کہاں ہو یار!
بولا تو وہ ہمیشہ کی طرح گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کر سکا۔ اور اُس سے الگ ہو کر پوچھنے لگا۔

"کس عنوان سے۔ تلاش گمشدہ یا مفرور مجرم۔"

"ہا ہا۔" احمد حسن کا قہقہہ بے ساختہ تھا پھر ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "بھابی سے پوچھنا پڑے گا کہ وہ تمہاری تصویر
کے اوپر مفرور مجرم لکھوانا پسند کریں گی یا نہیں۔ کہاں ہیں بھابی بیگم؟"

"نہیں ہیں۔ میرا مطلب ہے وہ میکے گئی ہوئی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔" وہ اسے لے کر لاؤنج میں آ گیا۔

"تم نہیں گئے بھابی کے ساتھ؟" احمد حسن نے بیٹھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔ جبھی وہ بھی جواب گول کر گیا۔

"اور سناؤ گھر میں سب خیریت ہے۔ آنٹی سنا نائلہ۔"

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ تمہیں بتایا ہوگا بھابی نے کہ وہ اپنی والدہ اور بھابی کے ساتھ آئی تھیں ہمارے ہاں۔
...لے لیے۔" احمد حسن نے اُن کی آمد کا مقصد بھی بتایا تو وہ قدرے پُرسوچ انداز میں بولا۔

"ہوں۔ ذکر کیا تھا آسیہ نے مجھ سے۔ پھر کیا طے پایا؟"

"اتنی جلدی کیا طے پائے گا یار۔ ابھی تو بات شروع ہوئی ہے۔ پھر مجھے تم سے بھی مشورہ کرنا تھا۔ کیسے
...عدیل صاحب اور سب لوگ۔" احمد حسن نے انجانے میں غلط وقت پر اہم موضوع چھیڑ دیا تھا۔ وہ متنفر بیٹھا
کچھ بھی کہہ سکتا تھا لیکن جانے کیسے دامن بچا گیا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا احمد حسن۔ مجھے درمیان میں مت لاؤ۔ تم اور آنٹی جو مناسب سمجھیں کریں۔"

"اس کا مطلب ہے تم نائلہ کو بہتر نہیں سمجھتے۔" احمد حسن نے اُس کے جواب سے مایوس ہو کر کہا۔

"ایسا کیوں کہا تم نے۔" وہ بگڑ گیا۔ "وہ میری بہن ہے اسی لیے میں خود کو اس معاملے سے الگ رکھ رہا
...ن کہ خدانخواستہ زندگی میں کہیں اونچ نیچ ہو جائے تو تم یہ نہ کہو کہ سسرال کی طرفداری میں میں نے بہن کا
...ل نہیں کیا تھا۔"

"جی نہیں، تم اس معاملے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ امی کا بھی یہی کہنا ہے کہ تم سے مشورہ کرنے کے بعد
...ب جواب دیا جائے گا۔ کیونکہ تم زیادہ جانتے ہو۔" احمد حسن نے اُس کے عذر کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"اور میں تو تعریف ہی کروں گا۔ اچھے لوگ ہیں۔ شریف، عزت دار اور عزت مند۔" وہ قصداً مسکرایا۔ "اور
سُننا چاہتے ہو؟"

"اور یہ بتاؤ کہ بھابی کب آئیں گی، اُن کے بغیر تم کچھ خبطی لگ رہے ہو۔" احمد حسن شریر مسکراہٹ
کے ساتھ بولا تو وہ نظریں چُرا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو۔ باہر کہیں چل کر چائے پیتے ہیں۔"

احمد حسن اُس کے نظریں چُرانے سے کچھ ٹھٹکا اور اُس کی تقلید میں اُٹھنے کے بجائے آرام سے سگریٹ نکال
سلگانے لگا پھر دھوئیں کے مرغولوں میں سے اُسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا بات ہے، بھابی سے ناراضگی ہو گئی ہے۔ یار وہ خاتون ایسی تو نہیں ہیں کہ کسی معمولی بات پر روٹھ کر
چلی جائیں۔ ضرور تمہاری طرف سے کوئی۔" احمد حسن نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تو وہ چیخ گیا۔

"ہاں کہو، میں نے کوئی بہت بڑا ظلم کیا ہے۔"

"ظلم لگتے تو نہیں ہو لیکن کبھی کبھی انجانے میں بھی ظلم ہو جاتا ہے جو خود کو پتا نہیں چلتا لیکن مقابل شدت
سے محسوس کرتا ہے۔ بتاؤ کیا بات ہوئی ہے؟" احمد حسن نے دھیرج سے اور اتنی اپنائیت سے پوچھا کہ وہ
اُس کے سامنے بکھر گیا۔ جس روز سے اُسے آسیہ سے شادی کا اظہار کرنے پر مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اُس
وقت سے اب تک کے تمام حالات اُس کے سامنے بیان کر دیے اور نہ ابھرے درمیان میں مہرالنساء سے

شادی کا ذکر بھی آیا اور وہیں سے احمد حسن سناٹے میں بیٹھا تھا۔ جب وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے کہ احمد حسن خود کو بولنے پر آمادہ کر سکا تھا۔

"تم نے بہت غلط کیا۔ کم از کم بھابی سے اتنی رازداری نہیں برتنی چاہیے تھی۔ جب جان ہو گ اُس طرف سے مسلسل تمہارے خلاف سازش ہو رہی ہے تب تو بھابی کو بتانا اور بھی ضروری وہ ہر طرح کی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جاتیں۔ اور اب تو ظاہر اُن کا اعتماد مجروح ہوا ہے بلکہ عزتِ نفس پر بھی گہری چوٹ پڑی ہے۔ اس لیے اُن کا مطالبہ تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا۔" احمد حسن نے چند لمحے رُک کر اُسے دیکھا پھر کہنے لگا۔

"آسیہ بھابی کوئی جاہل گنوار عورت نہیں ہیں۔ پڑھی لکھی سمجھدار خاتون ہیں جو آج اپنے پیروں ہو جائیں تو ڈاکٹر آسیہ کے نام سے معاشرے میں اُن کا مقام ہو گا۔ انہیں تمہارے باباجان نے جو پکارا وہ تو کوئی معمولی عورت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ پھر تم اُن سے کیسے توقع کر رہے ہو کی شرافت ہے اور تم سے محبت کی انتہا کہ وہ تمہاری ساری خطائیں معاف کر رہی ہیں۔ یعنی نہیں اُٹھا رہیں۔ اس کے برعکس بن کہے تمہارا یقین کر رہی ہیں کہ پہلی شادی کرنے میں بھی تمہارے مجبوری ہو گی اور شاہ پور جانے پر بھی تم مجبور ہو گے۔ ورنہ پہلے تو تمہارا محاسبہ ہونا چاہیے تھا۔ کیا کہہ رہا ہوں؟"

شاہ سکندر نے ذرا سا نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اور ایک بات جو تم بھول رہے ہو وہ یہ ہے کہ جب عزت و وقار پر بات آتی ہے تو محبت کونے کھدروں میں جا چھپتی ہے۔ پھر آسیہ بھابی جیسی لڑکی تو اپنی اور خاندان کی ناموس پر جان دے محبت کیا چیز ہے۔ تمہیں اگر واقعی اُن سے محبت ہے تو اُن کے حق کے لیے لڑنا ہو گا۔ بجائے اور اُن کے خاندان سے متنفر ہونے کے غیر جانبداری سے سوچو۔"

"میں کیا سوچوں احمد حسن! جب مجھے معلوم ہے کہ باباجان کسی قیمت پر آسیہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔" مایوسی سے کہا تو احمد حسن زور دے کر بولے۔

"تم کوشش تو کرو۔ اپنی بات منوانے کے لیے کئی حربے استعمال کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہیں ہو جائیں۔"

"میں سارے حربے پہلے ہی آزما چکا ہوں۔ انہیں اگر ماننا ہوتا تو اُس وقت مان لیتے۔ شاید غلطی ہو گئی۔ مجھے پہلی شادی کے وقت یہ شرط رکھنی چاہیے تھی کہ اس کے بعد باباجان خود میرے کے گھر والوں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے۔"

"جو وقت ہاتھوں سے نکل گیا اُس پر مت پچھتاؤ۔ آگے کی سوچو۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔" احمد حسن نے اس کا کندھا تھپک کر تسلی دی۔ پھر گھڑی دیکھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ "بہت دیر ہو گئی چاہیے۔ تم بھی چلو۔ یہاں تمہیں کھانے وغیرہ کی پرابلم ہو گی۔"

"نہیں کوئی پرابلم نہیں۔ ایک دو دن کی بات ہے پھر میں شاہ پور چلا جاؤں گا۔" وہ بہت کھڑا ہوا تھا۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا کرے تم باباجان کو منانے میں کامیاب ہو جاؤ۔ اور ہاں جا پہلے مجھے فون ضرور کر دینا۔"

"اوکے۔" وہ احمد حسن کو رخصت کر کے دوبارہ اندر آیا تو شاہ پور جانے سے پہلے آسیہ سے ملنے سوچنے لگا تھا۔

شاہ سکندر سوچی ہوئی ترکیب کے مطابق آسیہ کے چچا کے گھر جا پہنچا جن سے اُس کی پہلے

ملاقات ہو چکی تھی۔ آخری بار اُس روز جب بڑے بھیا اور سائرہ بھابی جدہ جا رہے تھے۔ تب اُن کی بیٹی طاہرہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ اُس وقت طاہرہ ہی نے گیٹ کھولا اور اُسے دیکھ کر خوشی کے ساتھ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"آپ کیسے راستہ بھول گئے اور آسیہ باجی کہاں ہیں؟"

"چچا جان ہیں یا آفس جا چکے؟" وہ اُس کا سوال نظر انداز کر گیا۔

"کیا مطلب؟ ابو گھر پر نہیں ہوں گے تو آپ اندر نہیں آئیں گے؟"

"ارے نہیں۔ میں نے تو بس یونہی پوچھ لیا تھا۔" وہ اندر آتے ہوئے بولا اور سامنے چچی جان کو دیکھ کر سلام کیا تو انہیں بھی اُس کی آمد پر حیرت ہوئی لیکن انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دی۔

"جیتے رہو۔"

"کیسی ہیں آپ اور چچا جان۔ میں اِدھر سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے ملتا چلوں۔" وہ اپنی آمد کے بہت سے جواز سوچ کر آیا تھا لیکن وہی عام سا جملہ کہہ سکا۔

"اچھا کیا، بہت خوشی ہوئی۔ آؤ اندر چل کر بیٹھو۔" چچی جان نے کہا۔

"جی بس، یہیں ٹھیک ہے۔" اُس نے تکلف کیا لیکن طاہرہ اُسے ڈرائنگ روم میں لے آئی اور بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ابو ابھی کچھ دیر پہلے آفس کے لیے نکلے ہیں۔ آپ کو اُن سے کوئی کام تھا؟"

"جی نہیں۔ اصل میں، میں ابھی شاہ پور سے آ رہا ہوں۔ ایک دوست بھی ساتھ تھا۔ اُسے یہیں قریب ڈراپ کیا۔ پھر آپ کے گھر پر نظر پڑی تو مجھے چپ چاپ نکل جانا اچھا نہیں لگا۔ سوچا کھڑے کھڑے خیریت ہی معلوم کر لوں۔" اُس نے بہت سنبھل کر بات بنائی جس پر یقین کرتے ہوئے طاہرہ بولی۔

"اسی لیے آسیہ باجی آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔ خیر یہ بتائیے ناشتا کریں گے؟"

"جی شکریہ۔ ناشتا ہم نے راستے ہی میں کر لیا تھا۔ البتہ ایک کپ چائے پینے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اس سے پہلے اگر آپ اجازت دیں تو میں آسیہ کو فون کر لوں۔" وہ خوبصورتی سے اصل مقصد کی طرف آیا تھا۔

"بہت تکلف کر رہے ہیں آپ سکندر بھائی۔ بھلا اس میں اجازت کی کیا بات ہے۔" طاہرہ نے ٹیلی فون سیٹ اُٹھا کر اُس کے قریب کارنر پر رکھ دیا پھر جانے لگی کہ وہ رُک کر بولا۔

"ایسا کریں۔ آپ بلا دیں آسیہ کو۔ میرا نہیں بتائیے گا۔"

"اچھا۔" طاہرہ اپنے طور پر جانے کیا سمجھ کر ذرا سا ہنسی پھر نیچے گھٹنے ٹیک کر پوچھنے لگی۔ "کہاں کے نمبر ملاؤں؟"

"اُدھر ابا جی کے گھر ہیں آسیہ۔" اُس نے بتا کر اخبار اُٹھا لیا اور بظاہر اُسے دیکھنے میں مصروف لیکن سارا دھیان طاہرہ کی طرف تھا۔

"السلام علیکم بھابی۔ میں طاہرہ ہوں۔"

"جی ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"

"وہ آسیہ باجی سے کام تھا۔ پلیز انہیں بلا دیں۔"

"شکریہ۔ جی میں آؤں گی کسی دن۔"

پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جیسے ہی طاہرہ کی آواز سنائی دی وہ ایک دم اُسے دیکھنے لگا تھا۔

"کیسی ہیں آسیہ باجی؟ کیا کر رہی تھیں؟"

"چلیں میں آپ کی بوریت دور کر دیتی ہوں۔" طاہرہ نے ہنستے ہوئے ریسور اُسے تھما دیا اور اُٹھ کر چلی گئی تب وہ بولا تھا۔

"کیا ستم ظریفی ہے کہ اپنی بیوی سے بات کرنے کے لیے مجھے دوسروں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔"

"آپ؟" آسیہ کی حیرت میں ڈوبی آواز سُنائی دی تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔
"بہت ظلم کر رہی ہو تم مجھ پر اور اپنے آپ پر بھی۔"
"میں فون بند کر رہی ہوں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔
"میں دوبارہ رِنگ کروں گا۔ یہیں سے اور اُس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک تم میری بات نہیں سُنو گی۔"
"کیا بات ہے؟" آسیہ نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیے۔
"میرا یہاں بیٹھ کر بات کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ اور میں وہاں یعنی تمہارے ابّا جی کے گھر بھی نہیں آنا چاہتا' اس لیے تمہیں آنا پڑے گا۔ اگر تم گھر نہیں آنا چاہتیں تو ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔" وہ بہت احتیاط سے اور جلدی جلدی بول رہا تھا۔ مبادا طاہرہ یا چچی جان کے آنے سے بات ادھوری رہ جائے۔
"سُن رہی ہو آسی۔ شام میں تیار رہنا۔ میں تمہیں گھر کے گیٹ سے ہی پک کروں گا اور میرا خیال ہے تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میرے بارے میں کچھ غلط خیال کرنا کیونکہ میں تمہارا انتظار کر چکا ہوں اور اس سلسلے میں تم سے سہولت سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر تمہارے گھر والوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"
"اچھا۔ شام میں ملیں گے۔" قدموں کی آہٹ پر اُس نے فون بند کر دیا اور خود کو خاصا ریلیکس محسوس کرنے لگا تھا۔
"حیران ہو رہی ہوں گی آسیہ باجی۔" طاہرہ نے چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
"جی۔ چچی جان کہاں ہیں؟" وہ مختصر جواب دے کر موضوع بدل گیا۔
"آ رہی ہیں امی۔ آپ چائے لیجیے۔" طاہرہ نے کپ اس کی طرف بڑھایا جسے تھام کر اُس نے لبوں سے لگا لیا۔
اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لیے چائے کے بعد کچھ دیر ہی وہ مروتاً بیٹھا تھا پھر وہاں سے نکلا اور مختلف سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ شام کوئی اتنی دور نہیں تھی لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے ٹھہر گیا ہو۔ ایک ایک پل بھاری ہو رہا تھا اور مسلسل ڈرائیو سے زیادہ ذہنی انتشار نے اُسے تھکا دیا تھا اس لیے کچھ دیر سونے کی غرض سے وہ اپنے اپارٹمنٹ میں آ گیا۔ اب تو یہ گھر بھی کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ بلکہ ویرانی اور وحشت در آئی تھی۔ وہ جوتے موزے اُتار کر لیٹا تو بیتے لمحوں کی خوبصورتیاں جیسے اُس کی آگئی تھیں۔ اُس نے مکمل طور پر خود کو انہی لمحوں کے حوالے کر دیا اور ابھی آنکھیں بند کی تھیں کہ فون کی بیل نے اُسے واپس حقیقت میں لا کھینچا۔ جس پر وہ انتہائی ناگواری سے اُٹھ کر فون تک آیا تھا۔
"ہیلو!" اُس کے لہجے میں بھی حد درجہ ناگواری تھی۔
"سوری۔ میں نے شاید آپ کو ڈسٹرب کیا۔" دوسری طرف آسیہ نے اُس کی ناگواری محسوس کر کے کہا لیکن وہ اُس کی آواز سُن کر خوش ہو گیا۔
"یہ بتاؤ تم کب ڈسٹرب نہیں کرتیں۔ پاس ہوتی ہو جب بھی اور دور۔"
"سکندر!" وہ ٹوک کر بولی۔ "یہ بتائیں آپ کو کیا بات کرنی تھی۔"
"بہت ساری باتیں ہیں۔" وہ موڈ میں آ گیا تھا۔
"میں سُن رہی ہوں۔"
"ابھی نہیں یار۔ شام میں کہیں کھلی فضا میں بیٹھیں گے تاکہ تمہارا موڈ خوشگوار ہو پھر میں تم سے..."
"سوری۔ میں کھلی فضا میں نہیں بیٹھ سکتی۔ آپ کو جو بات کہنی ہے ابھی کہیں۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بول پڑی تو وہ ایکدم ہونٹ بھینچ گیا۔ پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔

"...مجھ سے ملنے سے کس نے روکا ہے؟"
"...نہیں۔ میں نے خود اپنے آپ کو پابند کیا ہے اور سبب آپ جان چکے ہیں۔" شادی سے پہلے وہ ...اپنے سامنے جس اعتماد سے بات کرتی تھی ابھی بھی اُس کا وہی لہجہ تھا۔
...سکندر سمجھ گیا اس وقت اُسے اپنی رفاقتوں کی قسم دے کر بھی نہیں منایا جا سکتا۔
"...مطلب ہے آپ کو کوئی بات نہیں کہنی۔ محض مجھے تنگ کرنا مقصود ہے۔" وہ اُس کے خاموش رہنے ...تھی۔
"...اتنی بھی بدگمان نہ ہو کہ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگے۔ بہرحال بہت ساری باتیں ہم بعد ...انحصار رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ سُن لو کہ میں شاہ پور جا رہا ہوں اور انشاءاللہ بہت جلد بابا جان کو لے ...پاس آؤں گا۔" وہ اُس کے شاکی ہونے پر جز بز ہو کر بولا۔
...اس بار وہ خاموش رہی تو قدرے رُک کر پوچھنے لگا۔
"...میرے لیے دُعا نہیں کرو گی؟"
"...دعا ہی نہیں انتظار بھی کروں گی۔" آسیہ نے کہہ کر فون بند کر دیا پھر بھی وہ کتنی دیر تک ریسیور کان سے ...کھڑا رہا تھا۔

...برآمدے میں بیٹھی بظاہر آنگن میں کھیلتے احمد، سونیا اور عمر کو دیکھ رہی تھی لیکن ذہن مسلسل شاہ سکندر ...میں لگا ہوا تھا۔ جس نے بابا جان کو ساتھ لانے کا کہہ کر مایوسیوں میں گویا امید کی شمع جلا دی تھی۔ ...اُس سے بہت خفا ہونے کے ساتھ شاکی اور متنفر بھی ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اُس سے ایکدم ...لینے کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اُس کی زندگی میں آنے والا ...اور آخری شخص ہے۔ پھر اُس کے بچے کی ماں بھی بننے والی تھی۔ اس لیے باقی ساری باتوں کے ...سمجھوتا کرنا اُس کی مجبوری تھی یا محبت' اس کا فیصلہ وقت کو کرنا تھا۔ ابھی تو اُسے اپنی اور اپنے خاندان ...کی فکر تھی اور اس کی خاطر دُعا کر رہی تھی۔
"...اللہ کرے شاہ سکندر، بابا جان کو لانے میں کامیاب ہو جائیں۔"
"...آسیہ!" اماں جی کے پکارنے پر وہ بُری طرح چونکی تھی۔
"جی اماں جی!"
"...شام اُتر رہی ہے۔ بچوں کو لے کر اندر آؤ۔" اماں جی نے کہا تو اس نے اُٹھ کر بچوں کو پکارا۔
"چلو احمد، سونیا، اندر چلو بیٹا!"
"...رُک جائیں پھوپھو، ابھی میں آؤٹ نہیں ہوا۔"
"...بے ایمان، دو بار آؤٹ ہو چکے ہو۔" سونیا نے تڑخ کر کہا تو وہ اُسے ٹوکتے ہوئے بولی۔
"...بُری بات سونیا۔ بڑے بھائی کو اس طرح نہیں کہتے۔ چلو احمر تم بھی بس کرو بہت کھیل چکے۔"
"...پورے پچاس رن بنائے ہیں اور سونیا تو زیرو پر آؤٹ ہو گئی تھی۔" احمر اتراتا اور سونیا کو چڑاتے ...بیٹ رکھ کر اندر بھاگ گیا۔
"...اور عمر نے کتنے رن بنائے ہیں؟" اُس نے آگے آ کر عمر کا ہاتھ پکڑ کر اُسے برآمدے کا اسٹیپ چڑھنے میں ...دی۔
"...تو بیٹ بھی نہیں پکڑ سکتا۔" سونیا نے ناک سکیڑ کر کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی۔
"...ابھی چھوٹا ہے ناں۔"
...عدیل بھائی کی گاڑی کی آواز سُن کر اُس نے سونیا کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا اور خود عمر کو لے کر ...رفتار سے چلتی ہوئی اماں جی کے کمرے میں آ رہی تھی کہ سونیا کے اُچھل کر شور مچانے پر رُک کر

دیکھنے لگی۔
"پھوپھو! اشعر اور سمیہ آئے ہیں۔"
"سیما بھابی! عدیل بھائی کی گاڑی سے سیما بھابی کو اترتے دیکھ کر وہ بے خیالی میں عمر کا لحاظ کیے بغیر ان کے استقبال کو بڑھ گئی تھی۔
سونیا کی آواز پر ہی اماں جی کمرے سے نکل آئی تھیں۔ اور پھر سارے گھر میں ایک خوشگوار ہلچل مچ گئی۔
"میں نے اسلام آباد سے چلتے ہوئے عدیل کو فون کر دیا تھا کہ یہاں ہمیں ریسیو کرے اور شکر ہے یاد رہا ورنہ مجھے خاصی پریشانی ہوتی۔" سیما بھابی نے اماں جی کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔
"خیر عدیل بھائی کی یادداشت اتنی کمزور تو نہیں ہے جو انہیں آپ کو ریسیو کرنا یاد نہ رہتا۔" آسیہ نے بھائی کی طرفداری میں کہا تو سیما بھابی فوراً بولیں۔
"کیوں ایک بار ہمیں بازار میں نہیں بھول آیا تھا۔"
"جناب بھولا نہیں تھا بلکہ جان بوجھ کر چھوڑ آیا تھا۔ کیونکہ آپ لوگوں کی شاپنگ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔" عدیل بھائی اس واقعے کو یاد کرتے ہوئے محظوظ ہو کر بولے تھے۔
یونہی ہلکی پھلکی باتوں میں چلنے کا دور چلا۔ پھر کھانا۔ اس کے بعد وہ سونیا اور سمیہ کو لے کر آسیہ کے کمرے میں آ گئی۔ کیونکہ سیما بھابی، اماں جی کے ساتھ آسیہ کے مسئلے پر بات کرنے لگی تھیں اور وہ ہرٹ ہوتی تھی حالانکہ کسی نے اس پر جتایا نہیں تھا کہ شاہ سکندر اس کی پسند تھا۔ بس اپنے آپ ہوتا تھا کہ اس نے اگر غلطی نہیں کی تب بھی سب کو مشکل میں ڈالنے کی سزاوار ضرور ہے۔
"آسیہ۔" میمونہ بھابی نے اس کے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔ "چائے پیو گی؟"
"نہیں بھابی۔ ایسے ہی بہت گھبراہٹ ہوتی ہے۔"
"چلو چھٹی ہوئی۔" میمونہ بھابی اندر آ گئیں اور کرسی کھینچ کر آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے بولیں۔ "یہ چڑیلیں تمہارا سر کھا رہی ہیں۔"
"ہائے بھابی! یہ تو میری شہزادیاں ہیں۔" اس نے دائیں بائیں سونیا اور سمیہ کو اپنے بازوؤں میں لے کر باری باری دونوں کے گال چومنے لگی تو میمونہ بھابی چھیڑ کر کہنے لگیں۔
"بس کچھ وقت ہے۔ جب تمہارا اپنا آ جائے گا تو انہیں پوچھو گی بھی نہیں۔"
"جی نہیں۔ یہ تو میری جان ہیں۔"
"کون، کس کی جان ہے۔" سیما بھابی سنتی ہوئی آ گئیں۔
"آیئے بھابی! آپ ہمیں بھی اپنا حال احوال سنائیں۔" وہ اپنے قریب ان کے لیے جگہ بناتے ہوئے بولی۔
"میں تمہارا احوال سننے آئی ہوں۔ کہاں ہیں آج کل شاہ سکندر۔" سیما بھابی نے بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ بہت سنبھل کر بولی۔
"صبح ان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے شاہ پور جا رہا ہوں۔"
"اپنے اماں، ابا کو لینے؟"
"جی۔ مجھ سے تو یہی کہا ہے۔" وہ اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"چلو لے آئے تو اچھا ہے۔ ویسے تمہارے بھائی جان بہت مایوس تھے۔ کہہ رہے تھے اگر شاہ کے والدین آ بھی گئے تب بھی آسیہ کا سوکن کے ساتھ گزارا مشکل ہوگا۔" سیما بھابی نے کہا۔
"یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔" وہ ہاری ہوئی سی لگ رہی تھی۔
"نہیں آسیہ! یہ ساری باتیں ابھی سوچ لو تو اچھا ہے۔ ورنہ بعد میں تو تمہارے پاس سوائے رونے کے اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔" میمونہ بھابی نے ناصحانہ انداز میں کہا تو سیما بھابی ان کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

"میمونہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تمہارے بھائی جان نے مجھے اسی مقصد سے بھیجا ہے کہ آسیہ کو سمجھا دینا تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد شاہ سکندر کے ساتھ جانے کی بات کرے۔ اور یہ کہ آیا آئندہ زندگی میں تم اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو کہ نہیں۔ انہوں نے سمجھوتہ کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ یہ چند دنوں کا نہیں ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ تم پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہو۔ میرا خیال ہے یہ ساری باتیں خود بھی سمجھ سکتی ہو۔ شاہ سکندر کی پہلی بیوی پتا نہیں کیسی عورت ہے۔ تمہیں ٹکنے دے گی یا نہیں۔"
"ہاں۔ میں نے گاؤں کی عورتوں کے بارے میں بڑی باتیں سنی ہیں۔ جادو ٹونوں کے ذریعے سوکنوں کو مروا دیتی ہیں۔ اللہ توبہ۔" میمونہ بھابی جھرجھری لے کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگیں۔
وہ سر جھکائے سن رہی تھی۔ ذرا سی پلکیں اٹھا کر میمونہ بھابی کو دیکھنے لگی۔
"خیر ان باتوں میں اگر صداقت ہو تب بھی ہم یقین نہیں کرتے۔ میں سکندر کی بیوی کے مزاج کی بات کر رہی تھی اور یہ کہ وہ سکندر کو آسیہ کے خلاف بہکا بھی سکتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ سارا خاندان ہوگا اور یہ بہت مشکل۔" سیما بھابی نے اپنا رخ میمونہ بھابی کی طرف موڑا تو دونوں بھاوجیں آپس میں بات کرتے ہوئے تھوڑی دیر کو اس کی موجودگی فراموش کر گئیں۔
"پھر تو اور مشکل ہوگی۔ ان جاہل عورتوں کے ساتھ یہ کہاں مقابلہ کر سکتی ہے۔"
"اسی لیے شکیل نے کہا ہے کہ ہر پہلو سے غور کرنے کے بعد سکندر کے ساتھ جانے کا سوچے۔"
"ویسے بھابی! کتنا دھوکا دیا ہے سکندر نے۔ دیکھنے میں کیسا لگتا ہے۔ ایمان سے میرا تو دل چاہتا ہے وہ سامنے آئے اور میں شوٹ کر دوں اسے۔" میمونہ بھابی ایکدم جذباتی ہو گئیں پھر اچانک اس پر نظر پڑی تو معذرت کرتے ہوئے بولیں۔ "سوری۔ سوری آسیہ۔ تم مائنڈ نہیں کرنا۔ ویسے میں یہ سب تمہاری محبت میں کہہ رہی ہوں۔"
"اور کیا۔ میں نے تو جس دن سے سنا ہے کھول رہی ہوں۔ بھلا کیا کمی تھی آسیہ میں ایک سے ایک اچھا رشتہ موجود تھا۔" سیما بھابی نے کہا تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔
"جو میری قسمت میں تھا وہی ملا۔ اور جانے آگے قسمت میں کیا لکھا ہے۔"
"بس جہاں آدمی مات کھاتا ہے اسے قسمت کا لکھا کہہ کر خود کو بہلانے پر مجبور کرتا ہے۔" سیما بھابی نے تاسف سے کہا تو وہ اچانک سر اٹھا کر بولی تھی۔
"میں مجبور نہیں ہوں بھابی اور ابھی تو ابتدا ہے۔ کچھ انتظار کریں اس کے بعد فیصلہ ہوگا کہ مات کسے ہوئی۔"

وہ بڑی دیر سے انتظار کر رہا تھا کہ بابا جان کے مہمان رخصت ہوں تو وہ ان کے پاس جا کر بیٹھے اور انہیں آسیہ کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرے لیکن مہمان جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ ٹہلتا ہوا کبھی کمرے میں جاتا کبھی ٹیرس پر آ کھڑا ہوتا۔ اور ابھی تک اس کے ذہن میں باقاعدہ کوئی پلان نہیں تھا کہ بابا جان کو آمادہ کرنے کے لیے اسے کیا طریقہ اختیار کرنا ہے۔ یہ نہیں تھا کہ اس نے سوچنے کی کوشش نہیں کی۔ بہت سوچنے کے بعد بھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔
"جاؤ اپنے باپ کے پاس۔" وہ یونہی ٹہلتا ہوا کمرے میں آیا تھا کہ مہرالنساء نے ایکدم بچہ اس کے بازوؤں میں دے دیا اور فوراً پلٹ کر وارڈروب میں جانے کیا تلاش کرنے لگی تھی۔
شاہ سکندر کا ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ مہرالنساء کی بدتمیزی پر اس سے الجھ کر وہ مزید اپنا دماغ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے خاموشی سے بچے کو لیے ہوئے بیڈ پر قدرے نیم دراز ہو گیا اور خاصی بے دھیانی سے بچے کو دیکھنے لگا۔ جس کی حرکتیں اور شرارتیں بڑی معصوم سی تھیں۔ اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ جاتا اور دو تین قدم چلنے کے بعد خود کو دوسری طرف گرانے لگتا تو بے دھیانی میں بھی اس کا ہاتھ بے اختیار اسے تھام لیتا جس پر وہ کھلکھلا کر ہنستا اس کی کھلکھلاہٹ میں زندگی تھی۔ قوس و قزح کے رنگوں سے سجی کہکشاں کی مانند،

جسے دیکھ کر اپنے آپ ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئے۔

"چلو آغا" مہر النساء اپنے کام سے فارغ ہو کر بچے کو اُس کے سینے پر سے اُٹھانے لگی تو
یں اُس نے بے اختیار اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کس کے دھوکے میں میرا ہاتھ پکڑا ہے شاہ! میں مہر النساء ہوں" مہر النساء کے چھبتے ہوئے
کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم اُس کے ہاتھ کو یوں جھٹکا دیا کہ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی اُس کے قریب

"ایک بات پوچھوں مہر النساء! ایمانداری سے جواب دینا" وہ اُس کی مخروطی انگلیوں کو د

"آپ بے ایمانی کرتے ہو شاہ اور مجھ سے ایمانداری کی توقع رکھتے ہو۔ خیر پوچھیں کیا پوچھ
کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔

"کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟" شاہ سکندر نے نظریں اُس کے چہرے پر جما دیں۔

"یہ سوال اگر آپ اوّلین شب کرتے تو میں محبت میں جان دینے کی بات کرتی" مہر النسا
سے جواب دے کر اُس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تو وہ بے صبری سے بولا۔

"اور اب۔ میرا مطلب ہے میں ابھی کی بات کر رہا ہوں۔ اب کتنی محبت کرتی ہو؟"

"اب تو محبت میں دکانداری شامل ہو گئی ہے۔ دو اور لو" وہ کہہ کر زور سے ہنسی پھر بچے
میں بھرتے ہوئے بولی۔

"کیوں آغا ٹھیک ہے ناں۔ کوئی ہم سے محبت کرے گا تو ہم بھی کریں گے ورنہ ہمارے
مفت کوڑی ہیں کہ یونہی لٹاتے پھریں"

شاہ سکندر کو اُس کے ہنسنے کھلکھلانے اور اٹھلانے پر غصہ آ رہا تھا لیکن بڑے ضبط سے بیٹھا تھا
بچے کو فوم پر لٹا کر اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بس یا اور کچھ"

"ایک بات اور۔ اگر میں آسیہ کو یہاں لے آؤں تو تم"

"نہیں" وہ اُس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ "وہ یہاں نہیں آ سکتی۔ کسی قیمت
کبھی غلطی سے بھی اُسے یہاں لے کر آئے تو میں آپ کے سامنے اُس کا گلا دبا دوں گی"

"اس سے پہلے میں تمہیں شوٹ کر دوں گا" وہ غصے سے کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا اور قصداً اُس
بھاری جوتے تلے دبا کر آگے بڑھا تھا۔

"ہائے ظالم" مہر النساء تکلیف سے بلبلا کر اپنے پاؤں پر جھکی تھی۔ وہ یکسر نظر انداز کرتا کمرے سے
لاؤنج میں بی بی جان بڑی بہو کے ساتھ جانے کہاں جانے کو تیار کھڑی تھیں۔ اُسے دیکھتے ہی پوچھنے

"تم چلو گے سکندر؟"

"کہاں؟" وہ رُک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"شہر بانو کو لینے جا رہے ہیں ہم۔ خیر سے اُس کی گود بھرنے والی ہے"۔ بی بی جان نے خوش
اُسے ایکدم آسیہ کا خیال آیا۔ فوراً آگے آ کر بی بی جان کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا

"آسیہ کی بھی ایسی ہی حالت ہے بی بی جان! اُسے بھی لے آئیں"

"تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو سکندر۔ جس لڑکی کا ذکر بھی اس گھر میں ممنوع ہے، تم اُسے لا
رہے ہو۔ چلو دُلہن دیر ہو رہی ہے"۔ بی بی جان ناگواری سے اُس کے ہاتھ ہٹا کر چل پڑیں۔ لیکن
وہیں کھڑا رہا۔ اس کے بعد بابا جان کے کمرے کا رُخ کیا۔ غالباً اُس پر جنون سوار تھا جو کوئی موقع
تھا اور چاہتا تھا ہر کام اُس کی حسبِ منشا آناً فاناً ہو جائے۔ جبھی بی بی جان کا جواب سن کر بھی
جان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے بابا جان"

کہو" آبا جان نے سر تا پا اُسے دیکھا۔

"ہاں
میں چاہتا ہوں آپ آسیہ کو اپنی بہو تسلیم کر کے یہاں لے آئیں" اُس نے بغیر کسی تمہید کے کہا تو بابا جان
پیشانی پر بے شمار لکیریں نمودار ہو گئیں۔

"تم نے شاید پہلے بھی تمہیں منع کیا تھا کہ ہمارے سامنے اُس کا ذکر نہیں کرنا"

"جس طرح اُس کے ذکر کے بغیر میری کوئی بات مکمل نہیں ہو سکتی اسی طرح اُس کے بغیر میں خود
ادھورا ہوں۔ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے آپ۔ کیوں اُسے میری زندگی سے نکالنے کے درپے ہیں۔ ایسی چھوٹی
باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں بابا جان۔ کم از کم اپنی حیثیت و مرتبے کا خیال کیا ہوتا" وہ اُن کی ناگواری
جان لینے کے باوجود جتا گیا کہ وہ سب جان چکا ہے۔

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"آپ میری بات اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ اور مزید سُن لیں۔ آسیہ کو آپ کسی بھی نام سے پکاریں وہ کہلائے
گی آپ کی بہو، جو عنقریب میرا ایک اور وارث پیدا کرنے والی ہے۔ کیا آپ اُس سے رشتہ توڑ سکیں گے۔
نہیں جھٹلا سکیں گے اپنے خون کو۔ ہرگز نہیں۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ ابھی اُسے یہاں لے آئیں۔ یا اگر
مہر النساء کی وجہ سے یہاں ممکن نہیں ہے تو میں اُسے مارم یا ڈیفنس کراچی میں گھر لے دوں گا اور اس سے پہلے آپ
کو اُسے تسلیم کرنا ہے"

"گویا تم ہمیں اس کے سامنے جھکانا چاہتے ہو" بابا جان جیسے ساری بات سمجھ کر مطمئن سے ہو گئے، جبھی
بڑے آرام سے بولے تھے۔

"نہیں۔ میں اپنی بیوی کو اُس کا جائز مقام دلانا چاہتا ہوں تاکہ اُس کے بطن سے پیدا ہونے والی میری اولاد
احساسِ کمتری کا شکار نہ ہو"۔ اُس نے اپنے طور پر انہیں احساس دلانے کی سعی کی۔

"بہت دُور کی سوچنے لگے ہو سکندر! اچھی بات ہے"۔ بابا جان جانے کیوں محظوظ ہو رہے تھے جبکہ وہ
اندر ہی اندر تلملاتے ہوئے بمشکل لہجے کو نارمل رکھ کر بات کر رہا تھا۔

"پھر کب چل رہے ہیں" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اُس نے پوچھا تو بابا جان نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"کہاں؟"

"آسیہ کے پاس، اُسے لینے" اُس نے فوراً کہا تو بابا جان اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے قریب چلے آئے
اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"بچے! اس گھر کی بہو کہلوانا اگر اُس لڑکی کا خواب ہے تو کہہ دو اُس سے کہ اس کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر
نہیں ہو گا۔ تم پر اُس کا جادو چل سکتا ہے ہم پر نہیں۔ اور تم کیسے ہو سکندر جو اُس کے کہنے پر چلے آئے۔
ایک بار تو سوچا ہوتا کہ جسے ہم نے پہلے تسلیم نہیں کیا اُسے اب کیونکر مانیں گے"

"میں اُس کے کہنے پر نہیں آیا بابا جان۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ اور اُس لڑکی نے کبھی اس گھر کا خواب نہیں
دیکھا۔ وہ وہیں چھوٹے سے گھر میں میرے ساتھ خوش تھی۔ اُسے یہ پروا بھی نہیں تھی کہ آپ اُسے تسلیم کرتے ہیں
یا نہیں اور آپ کو شاید یہی بات ناگوار گزری جو میرے ہنستے بستے گھر کو"

"فضول بکواس نہیں کرو سکندر" بابا جان نے دھاڑ کر اُسے خاموش کرا دیا۔ "ایک معمولی لڑکی کی خاطر تم ہم سے
گستاخی کر رہے ہو"

"وہ معمولی لڑکی نہیں میری بیوی ہے، جس کی عزت و آبرو کی حفاظت میرا فرض ہے"۔ وہ بھی دبے لہجے
میں چیخ پڑا۔

"تو کس نے روکا ہے تمہیں تمہارے فرض سے۔ جاؤ کرو اُس کی چوکیداری"

"اور یہ جو یہاں موجود ہے اُس کی چوکیداری کون کرے گا؟" اُس نے بہت طنز سے مہر النساء کی طرف اشارہ

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ میں بیک وقت دو جگہوں پر ڈیوٹی نہیں دے سکتا۔ یا تو آپ آسیہ کو یہاں لے آئیں یا پھر مہرالنساء کو طلاق دے کر۔"

"سکندر حیات" بابا جان نے زوردار تھپڑ رسید کر کے اسے چکرا دیا تھا۔ "تم مہرالنساء کو طلاق دو گے، اس سے پہلے ہم تمہارا جنازہ اٹھوا دیں گے۔ بہت لحاظ کر لیا ہم نے تمہارا۔ جس کمی کمین کے لیے تم مر رہے ہو، ہم اس کے پورے خاندان کو نیست و نابود کر دیں گے۔ ورنہ جو الفاظ تم نے مہرالنساء کے لیے کہے، وہ ابھی اس لڑکی کے لیے لکھ کر دو۔"

"نہیں" وہ الٹے پیروں پیچھے ہٹنے لگا۔

"سوچ لو، اس لڑکی کی نجات اسی میں ہے۔ ہم تمہیں زیادہ نہیں صرف تین دن کی مہلت دے رہے ہیں۔ جاؤ اتنے وقت میں اس کے لیے جو کر سکتے ہو کر دو تاکہ تمہارے دل پر کوئی بوجھ نہ رہے۔" بابا جان نے سفاکی سے اس کی چال اس پر الٹ دی کہ اسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی، دیواریں یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی اس کے سر پر آن گریں گی۔ وہ دھندلائی آنکھوں سے بس بابا جان کو دیکھے جا رہا تھا، جو سیف کھول رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس کے قریب آئے تو سرخ سبز نوٹوں کی گڈیاں اس کے ہاتھوں میں تھما کر کہنے لگے۔

"جاؤ فارغ کر آؤ اسے تاکہ وہ بھی اپنی زندگی جی سکے۔ اور ساتھ میں اسے یہ بھی باور کرا دینا کہ اگر اس کی زبان پر تمہارا نام آیا تو ہم اس کے خاندان کے کسی ایک فرد کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"میرے خدا" وہ اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن بابا جان کے غضب سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جو کہہ رہے تھے کر بھی سکتے تھے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک پل میں کتنے چہرے گھوم گئے، جن کا جرم یہ تھا کہ وہ اپنی بیٹی اور بہن کو اس کے اصل مقام پر دیکھنا چاہتے تھے۔ اور وہ شاید مر کر بھی وہ مقام نہیں دے سکتا تھا۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا وہ غصے اور جذباتی کیفیت سے نکل کر حقائق کو سوچنے لگی تھی۔ یوں بھی وہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی کیونکہ بہت کم عمری میں اس نے اپنے ہی گھر میں بڑے بھائی اور نبیلہ بھابی کے درمیان خلیج حائل دیکھی تھی جو دونوں کی ضد کا نتیجہ تھی اور انجام کار علیحدگی۔ اس کے بعد اور میمونہ بھابی جو کہ خاندان بھر میں مثالی جوڑا سمجھے جاتے تھے، اور وہ جانتی تھی اس میں زیادہ کمال میمونہ بھابی کا ہے۔ جو فطرتاً سادہ اور نیک تھیں۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا عنصر تو ان کی شخصیت میں کہیں ڈھونڈے بھی نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح سیما بھابی تھیں۔ گو کہ وہ میمونہ بھابی کی طرح ہر بات پر سر نہیں جھکاتی تھیں لیکن انہیں اپنی بات منوانے کا فن آتا تھا۔ یوں کہ مقابل کو شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنے خلاف کوئی کام کر گیا ہے۔ اس لیے ان کی خوشگوار ازدواجی زندگی کا زیادہ کریڈٹ وہ سیما بھابی ہی کو دیتی تھی۔ یعنی اپنے گھر میں ہی اس نے دیکھ اور سمجھ لیا تھا کہ گھر کا بنانا اور بگاڑنا عورت کے ہاتھ میں ہے۔ اب جب اپنے گھر پر بات آئی تھی تو غصے اور جوشِ جذبات میں جو بھی قدم اٹھایا گیا اور جو فیصلہ کیا گیا وہ بھی اپنی جگہ صحیح تھا اور وہ اس سے انحراف نہیں کر رہی تھی لیکن ساتھ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اسے رویے میں تھوڑی لچک پیدا کرنی پڑے گی۔ یہی وقت ہے اپنے گھر کی بنیادوں میں اپنی کسی قدم کے ٹیکانے کا، ورنہ اگر شاہ سکندر بھی ضد میں آ گیا تو اس کی بقیہ ساری زندگی گھر کی دیواروں کو تھامے رکھنے دینے میں گزر جائے گی کیونکہ آندھی اور طوفان کا کوئی بھروسا نہیں۔

"کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟"

اماں جی اسے بڑی دیر سے دیکھ رہی تھیں۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"جی" اس نے چونک کر دیکھا۔ "مجھ سے کچھ کہا؟"

"اتنا سوچا کرو، صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ ہو گا تو وہی جو اللہ چاہے گا اور اللہ سے اچھی امید رکھو۔" اماں جی نے اتنے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"پتا نہیں کیوں اماں جی دل بیٹھا جاتا ہے۔ شاید مجھ سے کہیں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ڈرتی ہوں میری کوئی بات گرفت میں نہ آ جائے۔"

"نہیں بیٹا! تمہاری کیا غلطی ہے، جس کی غلطی ہے وہی بھگتے گا۔" اماں جی نے کہا تو وہ پریشان ہو کر کہنے لگی۔

"اگر آپ کا اشارہ شاہ سکندر کی طرف ہے تو وہ مجھ سے الگ تو نہیں ہیں۔ وہ پریشان ہوں گے تو میں آرام سے رہوں گی۔ نہیں اماں جی یہ ممکن نہیں ہے۔ مجھے ان کا خیال کرنا چاہیے۔ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے کہ ہم مل کر ہی اس معاملے کو سلجھا سکتے ہیں۔ اکیلے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں جانتی ہوں وہاں انہیں مخالفتوں کا سامنا ہے اور یہاں ہم نے بھی وہی محاذ بنا لیا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"پھر... پھر کیا ہونا چاہیے تھا؟"

اماں جی کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے، جبھی الجھ کر اماں جی کو دیکھنے لگی پھر اسی انداز میں بولی۔

"پتا نہیں کیا ہو رہا ہے؟"

"آسیہ" برآمدے سے ابا جی پکار رہے تھے۔

"جی ابا جی!" وہ کمرے سے نکل کر آئی تو کہنے لگے۔

"بیٹا! شاہ سکندر کا فون ہے سن لو۔"

بڑے دنوں بعد اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں اور زردی مائل چہرے پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی، جسے دیکھ کر ابا جی جاتے جاتے بولے تھے۔

"سکندر کو یہیں بلا لو بیٹا! اس کا اپنا گھر ہے۔"

"جی" وہ یونہی سر ہلاتی لابی میں آ گئی اور ریسیور کان سے لگا کر ہیلو کہا تو ادھر سے وہ بہت نرم لہجے میں بولا تھا۔

"ٹھیک تو ہو آسی؟"

"جی آپ کیسے ہیں؟"

"جانے دو یار یہ رسمی جملے۔ زندگی پڑی ہے انہیں دہرانے کو۔ ابھی تو من کے سونے آنگن کو مہکانے والی بات کرو۔" وہ اچانک جذبات کی رو میں بہنے لگا تھا۔

"کہاں ہیں آپ؟" اس نے معاً کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"یہیں تمہارے قریب، کہو تو سامنے آ جاؤں۔"

"آ جائیں فوراً اور کیا آپ کے ساتھ..."

وہ پوچھنا چاہتی تھی بابا جان بھی ہیں لیکن اس سے پہلے وہ بول پڑا۔

"ابھی میں اکیلا ہی آ رہا ہوں اور سنو تم تیار ہو جاؤ ہم کہیں باہر چلیں گے۔ مجھے تمہیں بہت ساری باتیں بتانی ہیں تاکہ بابا جان کے سامنے تم کنفیوز نہ ہو جاؤ۔"

"آپ کا مطلب ہے" وہ کچھ بھی سمجھ نہیں۔

"ہاں بابا جان کو میں کل لے کر آؤں گا۔ ابھی میرا تم سے ملنا ضروری ہے، سمجھ رہی ہو ناں، بس جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں آ رہا ہوں۔" شاہ سکندر نے عجلت میں بات ختم کر کے فون بند کر دیا تو وہ اس کے ساتھ جانے کی خوشی میں کھوئی ہوئی اماں جی کے پاس آئی اور وہاں ابا جی کو دیکھ کر انہیں ہی مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

"ابا جی! میں شاہ سکندر کے ساتھ باہر چلی جاؤں؟"

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" اباجی نے جواب دینے سے پہلے سوال اٹھایا۔
"کہہ رہے تھے اُن کے باباجان کل آئیں گے اور اُس وقت اُن کا مجھ سے ملنا ضروری ہے۔" اُس نے شاہ سکندر کی بات دہرا دی۔
"کوئی مضائقہ نہیں چلی جاؤ۔"
اباجی نے اجازت دے دی تو وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آ کر کپڑے نکالنے لگی۔
دونوں بھاوجیں دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوتے ہی شاپنگ کے لیے حیدری چلی گئی تھیں۔ بڑے تینوں بچے بھی انہی کے ساتھ تھے صرف چھوٹا عمر اماں جی کے پاس سو رہا تھا، اس لیے وہ جلدی سے تیار ہو گئی اور پھر جیسے ہی شاہ سکندر کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ کھڑے کھڑے اماں جی کو بتا کر باہر نکل آئی۔
"السلام علیکم۔" اُس کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے شاہ سکندر مبہم سا مسکرایا تھا۔
"وعلیکم السلام۔" جواباً آسیہ کی مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی۔
"تھینکس گاڈ، تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو آئی۔"
اُس نے تشکر کا اظہار کیا پھر اسپیڈ سے گاڑی رہائشی ایریا سے نکال کر مین شاہراہ پر آیا تو کہنے لگا۔
"میرا خیال تھا تم نے میرا اعتبار نہیں کیا ہو گا اس لیے میرے ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں ہو گی۔ زبردستی کرنا پڑے گی۔"
"کس بات کا اعتبار؟" اُس نے پوچھا تو وہ مرر میں اُسے دیکھ کر بولا۔
"وہی جو میں نے کہا کہ میں کل باباجان کو لے کر آؤں گا۔"
"یہ جھوٹ ہے یا سچ اس کی بابت میں بعد میں پوچھوں گی، پہلے یہ بتائیں آپ کو یہ خیال کیوں آیا کہ میں آپ کا اعتبار نہیں کروں گی؟"
"کیا میں تمہارا اعتبار کھو نہیں چکا؟" وہ الٹا اُس سے پوچھنے لگا۔
"پتا نہیں، ابھی تک تو میں نے کچھ بھی نہیں سوچا میں نے کیا کھویا، کیا پایا سارے سود و زیاں کا حساب میں اپنے گھر کی چھت تلے آپ کے ساتھ بیٹھ کر کروں گی اور اس وقت میں آپ سے بہت لڑوں گی، بہت لڑوں گی سکندر۔" وہ اچانک ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
"آسی... آسی پلیز۔" وہ پریشان ہو گیا۔
"روؤ گی تو میں گاڑی کسی ٹرک سے دے ماروں گا۔"
اُس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر ہاتھ نیچے گرا لیے۔
"اب گزرے کل اور آنے والے کل کی کوئی بات نہیں ہو گی۔ بس آج کے دن کو ہم یادگار بنائیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم کھلکھلا کر ہنسو۔ ایسی ہنسی جس کی جلترنگ زندگی کی آخری سانسوں تک سماعتوں میں گونجتی رہے۔"
شاہ سکندر نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔
"سکندر۔" وہ تڑپ کر بولی
"ایسی باتیں کریں گے تو میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں گی۔"
"اور میں تمہیں کودنے دوں گا۔" شاہ سکندر نے دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھام لیا پھر پوچھنے لگا۔
"آئس کریم کھاؤ گی؟"
"نہیں۔" وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔
"چلو تو پھر یہ گانا سنو۔" اُس نے ٹیپ کا بٹن آن کر دیا۔

جب کوئی پیار سے بلائے گا
تم کو ایک شخص یاد آئے گا

آسیہ نے فوراً بٹن دبا کر ٹیپ بند کر دیا۔
"ارے بند کیوں کر دیا؟" وہ ونڈ اسکرین سے آگے کہیں بہت دور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"مجھے نہیں سننا۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔
"سننا نہیں، کہنا بھی کچھ نہیں پھر کیا کرنا ہے؟"
"آپ وہ باتیں کہیں جن کے لیے آپ مجھے لے کر آئے ہیں۔" وہ اصل موضوع کی طرف آ گئی۔
لیکن وہ اَن سنی کر کے گنگنانے لگا۔ پتا نہیں کس موڈ میں تھا۔ وہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ ساحل سے آتی نم ہوا سرگوشیوں میں جانے کیا کہہ رہی تھی۔ پھر لہروں کا شور سنائی دینے لگا تو وہ اُسے دیکھ کر بولی۔
"میں پانی میں نہیں جاؤں گی۔"
"کیوں؟" وہ ایک سوالیہ نظر دیکھ کر گاڑی پارک کرنے لگا۔
"بس نہیں دل چاہ رہا، نہیں جاؤں گی۔"
"گاڑی سے اترو گی یا یہ بھی نہیں؟" شاہ سکندر نے اس کی ہر بات میں "نہیں" کو جتایا تو وہ جلدی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اُتر گئی۔
"آؤ۔" وہ گاڑی لاک کر کے اُس کے قریب آیا تو اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے خیالی میں بولا تھا۔
"یہ لہریں ہمیں ساتھ دیکھ کر خوشی سے مچلتی ہوئی ہماری طرف آتی ہیں۔ آج آخری بار اور انہیں مچلنے دو پھر تو یہ کبھی تم سے میرا اور مجھ سے تمہارا پتا پوچھیں گی۔"
آسیہ نے چونک کر دیکھا تھا۔
"چلو اُدھر ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔ جب شام اُترے گی تب لہروں کا تعاقب کریں گے۔" وہ اُس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر ذرا سا مسکرایا پھر اس کا کندھا دبا کر چلنے کا اشارہ کیا تو وہ کسی معمول کی طرح چلنے لگی تھی۔
"آپ۔ آپ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔" وہ اُسی بات میں اُلجھی تھی۔ بیٹھتے ہی کہنے لگی۔ "جو بھی بات ہے صاف صاف کہہ کیوں نہیں دیتے۔ میں ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔ یہ بھی کہ باباجان نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔"
"فرض کرو ایسا ہو تو تم کیا کرو گی؟" شاہ سکندر نے اُس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی جبکہ دل انجانے اندیشوں سے کانپنے لگا تھا۔
"ارے!" شاہ سکندر ذرا سا ہنسا۔ "ابھی تو کہہ رہی تھیں ہر بات کے لیے تیار ہو۔ چلو جانے دو اب کوئی مذاق نہیں ہو گا۔ موڈ ٹھیک کر وا پنا۔ میں ڈرنکس لے کر آتا ہوں۔"
وہ اسی خاموشی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔
شاہ سکندر اپنی مدد آپ کے تحت بڑے اُٹھا کر اُس میں ڈرنکس کے ساتھ لوازمات بھرنے لگا۔ پھر کچھ دیر کاؤنٹر پر رک کر اُس کے پاس آیا تو بیٹھتے ہی کہنے لگا۔
"بتا ہے، پچھلے دو دن میں بہت مصروف رہا ہوں۔ اتنا کہ کھانے کا وقت بھی نہیں نکال پایا۔"
"ایسی کیا مصروفیت تھی؟" وہ ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکا کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"میں تمہیں گفٹ دینا چاہتا تھا۔" وہ کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بھاری لفافہ نکال کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ تمہارے لیے ہے۔ جس اپارٹمنٹ میں ہم رہ رہے ہیں وہ میں نے تمہارے نام سے خرید لیا ہے۔ اس میں اس کے کاغذات ہیں۔ اور تمہارے کلینک کے لیے ایک پلاٹ کے کاغذات بھی ہیں۔"
"آپ نے یہ سب کیوں کیا؟" وہ قدرے اُلجھ گئی۔
"کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب سب ٹھیک ہو جائے گا تب میں تمہارے کام میں رکاوٹ

نہیں بنوں گا بلکہ تمہارا ساتھ دوں گا۔ چلو یہ لفافہ بیگ میں ڈالو اور کھانے میں میرا ساتھ دو۔ میں بہت بھوکا ہوں۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں آخر میں پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے، کل بابا جان آرہے ہیں۔" وہ اچانک اندیشوں سے نکل کر مسکرائی پھر لفافہ ہاتھ میں لے کر کہنے لگی۔ "میں اسے کہاں رکھوں۔ آپ اپنے پاس رہنے دیتے جب میں گھر آؤں گی تب۔"

"اوں ہوں۔" وہ ٹوک کر بولا۔ "مجھے ابھی بابا جان کو لینے جانا ہے۔ کہیں ادھر اُدھر رکھ کر بھول جاؤں گا۔ ویسے بھی یہ اب تمہاری چیز ہے، صرف تمہاری۔"

"تھینک یو۔" اس نے لفافہ پرس میں ڈال لیا پھر پوچھنے لگی۔ "صرف بابا جان آئیں گے؟"

"کیا چاہتی ہو تم، پوری بارات لے کر آؤں۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ بڑی خوبصورت ہنسی تھی۔ آنکھوں میں ننھے ننھے دیپ جلنے لگے تھے۔ وہ گھونٹ گھونٹ پیپسی حلق سے اتارتے ہوئے بہت احتیاط سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

پھر یہاں سے نکل کر سیدھا گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ وہ اس کا بازو تھام کر بولی۔

"سکندر! لہریں ہمیں پکار رہی ہیں۔"

"اُن سے کہو جانے والوں کو نہیں پکارا کرتے۔" وہ کہہ کر گاڑی کا لاک کھولنے لگا پھر بیٹھ کر اُس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔

آسیہ خوش اور مگن سی تھی۔ اس کے لہجے پر غور ہی نہیں کیا اور نہ یہ محسوس کیا کہ واپسی کا تمام راستہ وہ ہی بولتی آئی ہے۔ اُدھر سے بس ہوں ہاں میں جواب تھا۔ جب گھر کے سامنے گاڑی رُکی تب وہ اُسے دیکھ کر بولا۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

"کتنا؟" وہ شرارت سے ہنسی۔

"اتنا کہ ہمارے درمیان جو ایک رات کا فاصلہ ہے تو اگر اس رات کی سحر ہونے میں صدیاں بیت جائیں تب بھی تم۔"

"سکندر!" وہ بے اختیار اُس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ گئی۔

"وقت بڑا ظالم ہے آسی۔ محبت کرنے والوں کی آزمائش مطلوب ہو تو ٹھہر جاتا ہے۔ جاؤ خدا حافظ۔" وہ اس کا ہاتھ چوم کر بولا۔

"خدا حافظ۔" وہ دھیرے سے اُس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکال کر گاڑی سے اُتری تھی کہ شاہ سکندر نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ حیران ہو کر دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر اندر آگئی۔

"تو پیا سے مل کر آئی ہے۔" میمونہ بھابی اُسے دیکھتے ہی گنگنانے لگیں۔

"آپ کو بس موقع چاہیے۔" وہ قدرے جھینپ گئی۔

"کیا ہوا سکندر اندر نہیں آیا۔" سیما بھابی نے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے تعجب سے کہا۔

"کل آئیں گے اپنے بابا جان کے ساتھ۔" وہ بتا کر محض میمونہ بھابی کے شوخ جملوں سے بچنے کی خاطر اپنے کمرے میں آگئی۔ پرس اور دوپٹا اتار کر بیڈ پر ڈالا پھر الماری میں سے کپڑے نکال کر واش روم کا رُخ کیا۔ منہ ہاتھ دھونے اور چینج کرنے کے بعد دوبارہ کمرے میں آئی تو پرس اٹھا کر الماری میں رکھتے ہوئے خیال آنے پر اُس نے شاہ سکندر کا دیا ہوا لفافہ اُس میں سے نکال لیا اور بیڈ پر بیٹھ کر کاغذات نکال رہی تھی کہ عدیل بھائی دروازے میں آکر کہنے لگے۔

"آسیہ! تمہیں ابا جی بلا رہے ہیں۔"

"جی! وہ کچھ کاغذات جو ہاتھ میں آگئے تھے۔ وہ اور لفافہ وہیں رکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کاغذات کیسے ہیں؟" عدیل بھائی نے دو قدم آگے آکر پوچھا۔

"آپ دیکھیں میں ابا جان کی بات سُن کر آتی ہوں۔" وہ عجلت میں کہتی کمرے سے نکل آئی

ابا جان اور اماں جی دونوں یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ شاہ سکندر نے اپنے بابا جان کے ساتھ آنے کا کیا طے کیا ہے۔ آیا اُن کی طرف سے کوئی شرائط تو نہیں ہیں اور یہ کہ وہ آسیہ کو یہیں کراچی میں رکھے گا یا اپنے ساتھ شاہ پور لے جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے وہ ماں باپ تھے۔ جہاں بیٹی کا گھر آباد رکھنا چاہیے تھے وہاں سوکن کا خوف بھی تھا۔

"نہیں ابا جی! اُن کی طرف سے کسی قسم کی کوئی شرط نہیں ہے۔" وہ آرام سے بیٹھ کر ماں باپ کو اطمینان دلانے لگی۔ "نہ ہی شاہ سکندر نے مجھ سے شاہ پور چلنے کی بات کی ہے۔ بلکہ انہوں نے تو یہاں جو اپارٹمنٹ ہے وہ میرے نام سے خرید لیا ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم یہیں رہیں گے۔ باقی کل وہ آئیں گے تو آپ خود بات کر لیجیے گا۔"

"کون سی کس سے بات کرنے کو کہہ رہی ہو؟" عدیل بھائی جانے کب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"شاہ سکندر سے۔" وہ اسی روانی میں بولی تھی۔

"شاہ سکندر اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ تہائی پنچ اور گھٹیا کہ اپنے باپ کی دی ہوئی گالی کو بجائے غلط ثابت کرنے کے اس پر مہر ثبت کر کے تمہارے اور ہم سب کے منہ پر مار گیا ہے۔" دُکھ تاسف اور غصے کی انتہائی کیفیت میں عدیل بھائی نے وہ سارے کاغذات اُس کی طرف اچھال دیئے تھے۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے اطراف اڑتے کاغذات کو دیکھنے لگی جبکہ ذہن پر اچانک بابا جان کے الفاظ ہتھوڑے برسانے لگے تھے۔

"شاہ سکندر نے اگر تمہیں اپنی رکھیل بنا کر رکھا تو اس کا معاوضہ بھی دیا ہوگا۔"

❁ ❁ ❁

"تو کیا یہ سب۔" آسیہ نے اپنی ساری ہمتیں یکجا کر کے ادھر ادھر بکھرے کاغذات سمیٹنا شروع کیے تو اسے لگا جیسے اس کی عزت، وقار، انا و خودداری بھرے بازار میں نیلام ہو گئی ہو۔ بہت ضبط کرتے کرتے بھی اس کے آنسو رخساروں پر چھلک گئے جنہیں فوراً ہی اس نے دوپٹے کے پلو میں جذب کر لیا اور ایک آخری کاغذ جو ابا جی کے پیروں کے پاس پھڑپھڑا رہا تھا اسے اٹھا کر کھڑی ہوئی تو کہنے لگی۔

"ابا جی۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا جس پر شرمندہ ہوں۔ اور اپنی زندگی میں، میں نے کسی کے ساتھ برائی کی نہ کسی کی برائی سوچی، جو میں سمجھوں کہ مجھے اسی کی سزا ملی ہے۔ اس کے برعکس آزمائش ہو سکتی ہے۔ اور آپ ہی کہا کرتے ہیں کہ آزمائشوں سے گھبرا کر قسمت کو کوسنا یا الزام دینا صرف بزدلی ہی نہیں ایمان کی کمزوری کی علامت بھی ہے اور مجھے اپنے قسمت سے کوئی گلہ نہیں، میں اگر آنسو بہاؤں گی تو اس خیال سے کہ میں آپ سب کے لیے دکھ کا باعث بنی۔" آخر میں اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

اماں جی جو پہلے عدیل بھائی کے غصے کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔ وہ اب اس کی باتوں سے الجھ رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ انہیں شاہ سکندر کی طرف سے اطمینان دلا رہی تھی پھر اب کیا ہوا ہے جو رو رہی ہے۔

"مجھے بھی تو بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کیوں تم میری بچی کے پیچھے پڑے ہو عدیل؟"

اماں جی نے اپنی سمجھ کے مطابق عدیل بھائی کو ٹوکا تو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے، وہ کمرے سے نکل آئی اور اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے تمام کاغذات لفافے میں ڈال کر الماری میں رکھے پھر واش روم میں بند ہو گئی۔ کیونکہ پہلے کی طرح غم و اندوہ کی تصویر بن کر وہ سب کو اپنے لیے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یہ کہاں ممکن

تھا۔ وہ تو خود پر بے حسی کا خول چڑھانے میں بھی ناکام ہو گئی تھی۔ اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ لیا مگر آنسو سارے ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔

کتنی دیر تک وہ دروازے کے ساتھ پیشانی ٹکا کر روتی رہی۔ اسے دکھ صرف اس بات کا تھا کہ وہ بیچ… قیمت لگا گیا تھا۔ گویا سب کچھ پہلے سے طے تھا اور وہ اس کی جھوٹی محبت کے فریب میں آ کر اپنا سب کچھ… تھی۔

"آسیہ!" میمونہ بھابھی شاید کمرے میں آ کر پکار رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے واش بیسن کا نل کھول کر… پانی کے چھینٹے مارے پھر دوپٹے سے چہرہ تھپتھپاتی ہوئی نکلی تو میمونہ بھابھی اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر افسوس… بولیں۔

"تم اس شخص کے لیے رو رہی ہو جو باقاعدہ پلان کے تحت تمہاری زندگی سے کھیل گیا اور صرف تمہاری… نہیں اور بھی جانے کتنی اس کے فریب میں آئی ہوں گی۔"

"اوروں کا میں کچھ نہیں کہہ سکتی مگر اپنے بارے میں مجھے یقین تھا کہ میں انمول ہوں۔" اس کے لہجے… میمونہ بھابھی کو تڑپا گیا۔

"تم ابھی بھی انمول ہو۔ اور تمہیں اپنے ہر عمل سے ثابت کرنا ہے کہ شاہ سکندر جیسا لٹیرا اپنے مقصد… کامیاب ہو کر بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

اس کے ہونٹوں پر دکھ بھری مسکراہٹ نے ذرا دیر کو چھب دکھلائی تھی جس سے میمونہ بھابھی نظریں… بولیں۔

"خیر دفع کرو، میں یہ کہنے آئی تھی کہ تم سیما کے ساتھ اسلام آباد جا رہی ہو۔ صبح آٹھ بجے کی فلائیٹ ہے… کر رکھنا۔"

"یہ اچانک میرے جانے کا۔۔۔۔" وہ کچھ الجھ کر دیکھنے لگی۔

"اباجی نے کہا ہے اور میرا خیال ہے، یہی ٹھیک ہے۔ ایک تو تمہاری آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی، دو… یہاں کے حالات پر قابو پانے میں بھی کچھ آسانی ہو گی۔" میمونہ بھابھی نے کہا تو وہ قدرے تشویش سے پوچھنے…

"یہاں کے حالات سے کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"عدیل اور خلیل۔ تم جانتی ہو خصوصاً عدیل کو، تمہیں روتے ہوئے دیکھے گا تو جانے جوش جذبات میں… ڈالے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم ابھی سیما کے ساتھ چلی جاؤ کیونکہ اپنے اس دکھ کے ساتھ سمجھوتا کر… تمہیں بھی کچھ وقت لگے گا۔ تم اپنے آنسو چھپا سکتی ہو لیکن تمہاری آنکھوں میں جو وحشت اتر آئی ہے… کر عدیل کسی طرح بھی شاہ سکندر سے بدلہ لینے سے خود کو نہیں روک سکے گا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو…"

میمونہ بھابھی نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا۔

وہ سب سن رہی تھی لیکن حرکت کرنے سے قاصر تھی۔ کوشش کے باوجود ذرا سا اثبات میں سر نہیں… میمونہ بھابھی اس کا سر دونوں ہاتھوں میں لے کر کہنے لگیں۔

"سنو۔ اپنے آپ کو سنبھالو، ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اور اتنے پیار کرنے والوں کے در… کبھی تنہا نہیں ہو گی۔ یہ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہو کر قطرہ قطرہ میمونہ بھابھی کے ہاتھوں پر گرنے لگا تھا۔

شاہ سکندر جب حویلی میں داخل ہوا تو تقریباً نصف شب بیت چکی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کم… جانے سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر لاؤنج میں کھڑا در و دیوار کو خود پر ہنستا دیکھتا رہا پھر بوجھل قد… اوپر اپنے کمرے میں آیا تو مہرالنساء کو بچے کے ساتھ بے خبری کی نیند سوتے دیکھ کر اچانک بپھر کر چیخا۔

"مہرالنساء!"

وہ نیند میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اپنے زور زور سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"وہ نہیں تو تم بھی نہیں، نکل جاؤ یہاں سے اسی وقت۔" شاہ سکندر کا اب شاید اسی پر بس چل سکتا تھا۔

"کہاں جاؤں؟" وہ سوئے ہوئے بچے پر نظر ڈال کر پوچھنے لگی۔

"جہنم میں۔" وہ دھاڑا پھر واش روم کا رخ کرتے ہوئے بولا۔ "دو منٹ میں میرا کمرہ خالی کر دو اور خبردار آئندہ میری اجازت کے بغیر یہاں آنے کی جرأت نہ کرنا۔"

"چل بھئی آغا! تیرا باپ تو لگتا ہے پاگل ہو گیا ہے۔" مہرالنساء اس کے واش روم میں بند ہوتے ہی فوراً اٹھی جلدی جلدی بچے کی فیڈر، تھرماس اور دوسری چیزیں سمیٹ کر باسکٹ میں ڈالیں پھر ایک بازو میں بچے کو اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ حالانکہ وہ اس سے خائف ہونے والی نہیں تھی کیونکہ اسے سب کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن اس وقت شاہ سکندر کی آنکھوں میں جانے کیسی وحشت تھی جس نے حقیقتاً اسے سہما دیا تھا اور اسے لگا کہ اس کی بات سے ذرا بھی اختلاف کیا تو وہ سچ مچ اس کا خون کر دے گا۔

کچھ دیر بعد شاہ سکندر واش روم سے نکلا تو پہلے ادھر ادھر دیکھ کر مہرالنساء کے چلے جانے کا یقین کیا۔ پھر بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے پاس سوچنے کو کچھ نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی ساری تدبیروں میں ناکام ہو گیا تھا۔ جہاں سے چلا تھا واپس اسی مقام پر آ کر اس کے اندر غم، غصہ اور نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اب زندگی اسے گزارے گی کیونکہ ساری امنگیں، آرزوئیں اور زندہ رہنے کی خواہش تو وہ آسیہ کے ساتھ پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب آگے کی زندگی اس کی نہیں ہو گی۔

وہ سگریٹ سلگا کر بالکونی میں نکل آیا۔ تاریک رات میں دور دور تک کہیں کوئی روشنی نہیں تھی نہ کوئی آواز، ہوا بھی ساکت تھی اور اس کے اندر ہولناک سناٹا۔ اسے لگا جیسے اس کا دل بھی ٹھہر گیا ہو۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر اس نے دھڑکنوں کو محسوس کرنا چاہا تھا کہ اچانک اندر شور مچ گیا۔ جس سے گھبرا کر وہ کمرے میں آیا اور تکیوں میں منہ چھپا کر لیٹ گیا لیکن مختلف آوازیں تمام رات اسے مسلسل جھنجھوڑتی رہی تھیں۔

صبح جب سارے گھر میں زندگی بیدار ہو گئی تب وہ بہت نڈھال ہو کر سویا تھا اور بس دو گھنٹے، اس کے بعد بابا جان نے خود اس کے کمرے میں آ کر اسے اٹھا دیا تھا۔ اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بہت ناراض ہوتا اور ناراض تو ابھی بھی تھا لیکن اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے خاموشی سے دیکھنے لگا۔

"رات تم کس وقت آئے؟" بابا جان نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو اس نے فوراً اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں لیکن جواب قدرے تاخیر سے دیا۔

"غالباً بارہ بجے کے بعد۔"

"پھر تو ہم نے تمہیں ناحق اٹھا دیا۔ تمہاری نیند بھی پوری نہیں ہوئی ہو گی۔ سونا چاہو تو۔۔۔۔"

"نہیں اب تو اٹھ گیا ہوں۔ آپ کہیے کوئی کام ہے؟" وہ قصداً سادگی سے پوچھ کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا جس پر کوئی ظلم سرزد ہونے کا کوئی ملال نہیں تھا۔

"کام تو کوئی نہیں ہے۔ بس ابھی مہرالنساء نے بتایا۔ رات تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو ہم تمہیں دیکھنے چلے آئے۔" بابا جان نے کہا تو اسے ایک دم یاد آیا کہ رات اس نے مہرالنساء کو کمرے سے نکال دیا تھا۔

"مہرالنساء نے غلط کہا آپ سے۔ میں رات ٹھیک ٹھاک آیا تھا۔ بس کچھ سفر کی تھکان تھی۔"

"وہ تو ابھی بھی نظر آ رہی ہے، کتنے دنوں میں اترے گی؟" بابا جان نے اس کی سرخی مائل آنکھوں میں دیکھ کر ذومعنی جملہ کہا تو وہ بھی سمجھ کر بولا۔

"اس زندگی میں تو ممکن نہیں ہے بابا جان! کیونکہ سفر کٹھن نہیں تھا اس کے برعکس بے حد دلفریب۔ جس کا کیف میری زندگی کی ضمانت ہے۔"

"ہوں۔" بابا جان ہنکارا بھر کر ادھر ادھر دیکھنے لگے جیسے اس بات کو طول نہ دینا چاہتے ہوں۔ پھر
کر کھڑکی کے قریب گیا اور پردے سمیٹتے ہوئے کہنے لگا۔
"سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہو گیا۔ میں آسیہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور یہ ا
اب کبھی آپ اس کے بارے میں نہیں سوچیں گے۔ میرا مطلب ہے اسے اور اس کے گھر والوں
پہنچانے کا خیال تک نہیں آنا چاہیے۔"
"ہمارے پاس ایسی فضول باتیں سوچنے کا وقت نہیں ہے سکندر حیات۔" بابا جان ناگواری
کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے بولے تھے۔
"تم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہمارے پاس آنا۔ چوہدری کرم الٰہی کے ڈیرے پر جانا ہے تم ساتھ
اس نے پردہ چھوڑ کر انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر سر جھٹک کر واش روم کا رخ کیا۔ شاور لینے کے
قصداً اپنے کمرے میں رہا اس کے بعد نیچے آیا تو پہلے بی بی جان کے پاس حاضری دی پھر ان ہی کے کہ
ٹیبل پر آ کر بیٹھا اور ابھی ناشتے کے لوازمات پر نظر ڈال رہا تھا کہ مہرالنساء بچے کو لے کر آ گئی اور آ
کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"شاہ! بابا جان کا حکم ہے کہ میرا ناشتا کھانا سب آپ کے ساتھ ہو گا۔" وہ جو اس کی آمد سے بیٹھنے
اسے دیکھنے لگا تھا اس کی بات سن کر یوں بن گیا۔ جیسے کچھ سنا ہی نہیں اور اپنے سامنے پلیٹ میں سلا
کر کھانے لگا۔
"آپ روزانہ اسی وقت اٹھو گے تو میرا کیا ہو گا۔ میں تو اتنی دیر تک بھوکی نہیں رہ سکتی۔" مہرالنساء
نہ دینے کے باوجود بولے جا رہی تھی۔
"مجھے تو صبح اٹھنے کے ساتھ ہی کچھ کھانے کو ملنا چاہیے ورنہ مجھے چکر آنے لگتے ہیں۔ اور ہاں آپ
میں میری کچھ چیزیں رہ گئی ہیں اگر اجازت ہو تو لے لوں؟"
اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو قدرے توقف سے پھر گویا ہوئی۔
"مجھے آپ کی سمجھ نہیں آتی شاہ! کبھی اتنا چیختے ہو کبھی ایک دم خاموش ہو جاتے ہو۔ اس شہر وا
بھی ایسے ہی کرتے ہو یا اس کے ساتھ....." مہرالنساء نے فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ کیونکہ
کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"اس شہر والی کے ساتھ اپنا موازنہ کبھی مت کرنا مہرالنساء! کیونکہ تم میں اور اس میں زمین آسمان
تم نے اپنی جگہ اس گھر میں بنائی اور اس نے میرے دل میں گھر کیا۔ اور جو دل میں گھر کر جائیں وہ خوا
نکل جائیں ان کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں شاید ہی آئیں۔" وہ تنفر سے
گیا۔ اور مہرالنساء اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی تھی۔

*_*_*

سیما بھابھی کے ساتھ اسلام آباد آ جانے سے اسے تو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ کیونکہ دکھ تو دل کی تہ
گہرائیوں میں اتر کر اس کی دنیا ویران کر گیا تھا۔ پھر یہ ظاہری تبدیلیاں کیا معنی رکھتی تھیں۔ اس پور
کہیں بھی کھڑی ہو جائے اس کے اندر کا موسم نہیں بدل سکتا تھا۔ اور نہ سوچوں کے دھارے کہیں
سکتے تھے۔ پھر یہاں تو اس کی سوچیں اور بے لگام ہو گئی تھیں۔ کیونکہ وقتاً فوقتاً اپنی شوخ باتوں
دھیان بٹانے والی میمونہ بھابھی یہاں نہیں تھیں اور سیما بھابھی ان کی طرح نہیں تھیں۔ گو کہ انہوں
اس کے حال پر نہیں چھوڑ دیا تھا مگر ہر وقت اس کے ساتھ لگ کر بھی نہیں بیٹھتی تھیں بلکہ جب
ہوتیں تو کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں اور آخر میں چند جملے اسے سمجھانے اور حوصلہ
ہوتے۔

شکیل بھائی ان دنوں بے حد مصروف تھے۔ صبح کے گئے رات کو لوٹتے اور انہوں نے ابھی تک اس کے
سامنے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ جس سے اسے گمان ہوتا کہ جیسے ان کے علم میں ہی نہیں ہے۔
اسے یہی ٹھیک لگ رہا تھا کہ ہر وقت اس کے سامنے اس ذکر کو چھیڑ کر یہ احساس نہیں دلایا جاتا کہ اس کے
ساتھ کوئی سانحہ ہوا ہے۔ اور جیسا کہ اس کا دل چاہا تھا کہ کچھ وقت کے لیے اسے تنہا چھوڑ دیا جائے تو یہاں اپنے
تنہائی میسر آ گئی تھی۔
شکیل بھائی آفس جاتے ہوئے دونوں بچوں اشعر اور سمیعہ کو ساتھ لے کر نکلتے اس کے بعد سیما بھابھی بھی
پندرہ منٹ اس کے پاس بیٹھتیں پھر وہ ملازمہ کے ساتھ گھر کے کاموں میں لگتیں تو دوپہر تک انہیں اس
کمرے میں جھانکنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ کیونکہ اس دوران کبھی ان کی کوئی ملنے والی آ جاتی یا اگر انہیں
کے ہاں جانا ہوتا تو ہی آتی تھیں۔
دوپہر میں اشعر اور سمیعہ کے آنے سے کچھ دیر کو ہلچل مچ جاتی۔ لیکن کھانے کے بعد پھر وہی خاموشی کہ سیما
بچوں کے ساتھ بچے بھی سو جاتے تھے۔ اور اس کا سونا جاگنا بلکہ شاید ہونا نہ ہونا بھی برابر تھا۔ کیونکہ وہ بہت گم صم
رہ گئی تھی۔ اس کے پورے وجود میں بس ایک ذہن تھا جہاں مسلسل دریچوں کے کھلنے اور بند ہونے کی
آوازیں گونجتی رہتی تھیں۔ سارا دن اور کبھی ساری رات ان کھلتے بند ہوتے دریچوں پر نظریں جمائے جمائے اس
آنکھیں تھک جاتیں پھر بھی وہ ان میں دیکھتے رہنے سے باز نہیں رہتی تھی۔ کیسی دلفریب حقیقتیں تھیں جن پر
کا گماں ہونے لگا تھا۔
"مجھے یقین دلاؤ آس! کہ تم میری ہو چکی ہو اور اگر یہ خواب ہے تو مجھے ہمیشہ کی نیند سلا دو۔" وہ اسے پا کر سچ مچ
خود میں نہیں رہا تھا۔
"دنیا میں کہیں اتنی خوبصورتی نہیں تھی اور آج مجھے ہر شے حسین لگ رہی ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی سمت
سے پہلے نظر تمہارے چہرے پر پڑتی ہے۔" اس کے لہجے کی شدتوں نے اس وقت بھی پلکیں نم کی تھیں۔
"تمہاری آنکھوں کی گہرائیوں میں اتر کر میں نے جانا کہ سمندر میں کتنے سیپ چھپے ہیں۔"
"سکندر حیات۔" اس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔
"تمہیں جانا ہی تھا تو اتنی محبتیں جتانے کی کیا ضرورت تھی۔ کچھ ایسا کرتے کہ میں تمہارے سحر سے آزاد
ہاتی۔ اب دل کو کیسے سمجھاؤں کہ وہ سب فریب تھا۔ تم نے کبھی محبت کی ہی نہیں تھی۔ جب ہی تو میرے دل کی
اجاڑ کر۔"
"آسیہ!" شکیل بھائی کی آواز پر اس نے چونک کر آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے اور اٹھنے لگی تھی کہ وہ کمرے کے
اندر آتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔
"کیا ہو رہا ہے؟"
"کچھ نہیں۔" وہ دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی جو جانے کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے
کے بعد یونہی پھر بیڈ پر اس کے سامنے آرام سے بیٹھتے ہوئے بولے۔
"تمہارے ساتھ چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا۔"
"میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی کہ روک کر بولے۔
"نہیں نہیں۔ تم آرام سے بیٹھو۔ میں سیما سے کہہ کر آیا ہوں۔ وہ لا رہی ہیں۔" وہ سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے
لگی۔ "تم سارا مہینہ بہت مصروفیت میں گزرا۔" قدرے توقف سے شکیل بھائی اسے مخاطب کیے بغیر اپنے آپ
"ڈھنگ سے تمہارا حال احوال پوچھنے کا وقت بھی نہیں ملا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے ناں؟"

"جی۔"

"بیٹا! خوش رہا کرو۔ زندگی میں کرائسس آتے ہیں۔ ان پر رونے کڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا کہ تمہیں کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے کیونکہ تم خود بہت ذہین ہو۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اسے بھول جانا ممکن نہیں ہے، لیکن یہ تو کر سکتی ہو کہ اسے خود پر طاری مت کرو اور یہ سوچ لو کہ اس میں تمہاری ہو گی۔" شکیل بھائی نے بہت نرمی سے بات شروع کی تھی کہ سیما بھابھی چائے لے کر آ گئیں۔

"بیٹھو سیما! تم بھی بیٹھو، میں آسیہ سے بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے ٹرے میں سے چائے کا کپ اٹھا کر کہا پھر کچھ دیر خاموشی سے چائے پینے کے بعد کہنے لگے۔

"جو کچھ ہو گیا، میں اس پر بات نہیں کروں گا کیونکہ مجھے پلٹ کر دیکھنے کی عادت نہیں ہے۔ اتنا تو تم جانتی ہو آسیہ! آخر میری بہن ہو۔"

اس نے چائے کی پیالی میں سے اٹھتی بھاپ سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا اور بس ذرا سا مسکرائی تھی۔

"اور میں تمہارے گزرے کل کے بارے میں بھی سوچنا نہیں چاہتا۔ البتہ آنے والے کل کو ضرور اور تمہیں بھی اسی کی فکر کرنی ہے۔ کیا عمر ہے تمہاری۔ بائیس تئیس سال، اور آگے پہاڑ سی زندگی ہے۔ ایک سال بھی میں تمہیں شاہ سکندر کے نام پر گنوانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ اتنے سارے دن قصداً" تمہیں نہیں چھیڑا کہ اپنے المیے پر تم جتنا رو سکتی ہو رو لو۔ آج کے بعد تمہاری آنکھوں میں ایک اس شخص کے نام کا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ مرا نہیں ہے۔" شکیل بھائی کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

اس کے ساتھ سیما بھابھی بھی کانپ گئی تھیں۔

"تمہیں میں نے اسی لیے اپنے پاس بلا لیا ہے کہ وہاں اماں جی ہر وقت رونا دھونا مچا کر یہ احساس دلاتیں کہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوا، قسمت خراب ہے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یہ سب باتیں پسند نہیں ہیں۔ اس یہاں سے جانے کا سوچنا بھی نہیں۔ چاہو تو یہیں کسی ہاسپٹل میں جاب کر لو بلکہ ابھی کچھ عرصہ آرام کرو۔" اچانک خیال آیا تھا جو آرام کا کہہ کر غالباً" اس کی ڈلیوری تک ٹال دیا۔ تو سیما بھابھی اسے دیکھ کر بولیں۔

"ہاں ابھی تو یہ خود مریض لگ رہی ہے۔"

"پھر بھی تم اس کا خیال نہیں کر رہیں۔ کتنے دن ہو گئے اسے یہاں آئے ہوئے، ایک بار بھی ڈاکٹر کے پاس نہیں لے گئیں۔ صبح پہلا کام یہی کرنا۔ ڈاکٹر جہاں آرا کا کلینک قریب ہی ہے۔" انہوں نے بیوی کو ٹوک کر کہا۔

"جناب میں کئی بار اس سے کہہ چکی ہوں۔ یہ صاف منع کر دیتی ہے۔"

"اب منع نہیں کرے گی۔" شکیل بھائی کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے پھر گھڑی دیکھ کر بولے۔

"صبح میں چھٹی کروں گا۔ مجھے جلدی مت اٹھانا۔"

"خیریت؟" سیما بھابھی نے خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے پوچھا لیکن وہ ان سنی کرتے کمرے سے چلے گئے۔

"آپ بھی سونے جا رہی ہیں؟" اس نے سیما بھابھی سے یونہی پوچھ لیا۔

"کہو تو نہیں سوتی۔"

"نہیں نہیں، آپ سوئیں۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کر بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی تو بھابھی جاتے جاتے رک کر بولیں۔

"سنو، تمہارے بھائی جان نے جو کہا۔ ٹھیک کہا تمہیں ان کی باتوں پر عمل کرنا ہے۔ اور ہاں ایک بات" سیما بھابھی کو جانے کیا یاد آیا، ہاتھوں میں پکڑی ٹرے دوبارہ ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب چلی آئیں اور اسے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"دیکھو میں جو بات کہنے جا رہی ہوں، وہ ہو سکتا ہے تمہیں ناگوار گزرے، لیکن میرے خلوص پہ شبہ نہیں کرنا۔ بخدا تمہاری بہتری سوچ کر کہہ رہی ہوں کہ شاہ سکندر کی اس نشانی کو مٹا ڈالو۔"

"بھابھی۔" اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر انتہائی تاسف سے انہیں دیکھا تو وہ اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"میرا یہی مشورہ ہے۔ آگے تمہاری مرضی، لیکن سوچنا ضرور کہ آئندہ زندگی میں اس آنے والے بچے کا کیا کردار ہو گا۔ نبیل کا حال تم نے دیکھا ہے۔ ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے بھی بچہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ خصوصاً" ماں باپ کی علیحدگی سے۔ پھر تم اپنے بارے میں سوچو، ابھی تم کہہ سکتی ہو کہ تمہاری زندگی میں اب کوئی موڑ نہیں آئے گا لیکن دو تین سال گزرنے دو۔ تم خود اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکو گی اور اس وقت یہی بچہ تمہارے لیے سب سے بڑی پرابلم ہو گا۔ تمہارے دروازے پر خوشیاں دستک دیں گی اور تم بچے کو دیکھو گی۔ تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم ابھی......" اپنے ہاتھوں پر اس کے آنسو گرتے دیکھ کر سیما بھابھی خاموش ہو گئیں پھر گہری سانس کھینچ کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

"یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب تو نہیں تھا۔ لیکن آنے والے وجود سے کیونکہ اسی وقت چھٹکارا ممکن ہے اس لیے مجھے تمہارے سامنے کچھ حقائق رکھنے پڑے اور ان سے نظریں چرانے کی حماقت مت کرنا، پھر شاہ سکندر ہی جب تمہارے ساتھ نہیں تھا تو اس کی نشانی کو گلے لگا کر کیا کرو گی؟" سیما بھابھی نے رک کر اسے دیکھا اور اپنی بات کا کوئی رد عمل ظاہر نہ ہونے پر شب بخیر کہتی ہوئی ٹرے اٹھا کر چلی گئیں۔

اس کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی تھی۔ کتنی دیر وہ اسی جگہ بیٹھی اپنی ہتھیلیاں تر کرتی رہی جبکہ اس کا ذہن کسی ایک بات کو بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔

اور اگلے روز ڈاکٹر کے پاس جاتے ہوئے سیما بھابھی نے راستے میں اس سے پوچھ لیا تھا کہ اس نے بچے کے بارے میں کیا سوچا ہے تو وہ رسان سے بولی تھی۔

"میں اس بچے کا خون نہیں کر سکتی بھابھی! جس کا خیال ہی مجھے زندہ رہنے پر اکساتا ہے۔ میری زندگی اسی کی مرہون منت ہے۔ اگر میں نے اپنے وجود کے اندر اسے محسوس نہ کیا ہوتا تو خدا کی قسم اسی روز مر گئی ہوتی جس روز سکندر کے باپ نے گالی دے کر میری عزت و وقار کی دھجیاں اڑائی تھیں۔

اور آپ تو خود ماں ہیں بھابھی! آپ نے ایسی بات کیوں کی۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ میری تاریک راہوں میں یہی ایک کرن ہے جس کے لیے مجھے سارے دکھ بھلا کر نئی زندگی جینا ہے۔"

"تو طے ہو گیا، تمہیں نئی زندگی جینا ہے۔" سیما بھابھی نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"ہاں اور اس نئی زندگی میں میرے ساتھ میرا بچہ ہو گا۔ میں نے شکیل بھائی کی بات مان لی ہے۔ میں اب کبھی پلٹ کر نہیں دیکھوں گی۔ خود روؤں گی نہ اپنے ساتھ کسی اور کو رلاؤں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" وہ بڑے عزم سے بول رہی تھی۔ سیما بھابھی کچھ حیران ہو کر اسے دیکھے گئیں۔ ایک ہی رات میں وہ کتنی بدل گئی تھی۔

*_*_*

وہ سیما بھابھی کے ساتھ گھر کے کام کاج میں حصہ لینے لگی تھی اور اشعر، سمیہ کے لیے بھی وہ ان کی پہلے والی پھوپھو بن گئی تھی۔ انہیں ہوم ورک کرواتی پھر چھوٹے موٹے گیمز اور رات میں سمیہ کو اپنے ساتھ سلا کر اسے پریوں کی کہانیاں سناتی۔ یوں بہت حد تک اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ اور جو وقت تنہائی کا ہوتا اس میں وہ اپنے آنے والے کل کے بارے میں سوچتی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ گزرے کل سے اس کا بالکل ناتا ٹوٹ گیا تھا۔ وہ تو اس کی زندگی کی ایک سچائی تھی، جس کا اس کے خیال میں گزرتا وقت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ بس وہ خود ہی پلٹ کر

دیکھنے سے گھبراتی تھی کہ کہیں پتھر کی نہ ہو جائے۔

بہرحال اسے اسلام آباد آئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ اس دوران کراچی سے جب بھی فون آیا۔ شکیل بھا[illegible] سیما بھابھی نے اس کے کہنے پر بھی اسے کسی سے بات نہیں کرنے دی تھی۔ خود ہی اس کی خیریت بتانے کے [illegible] اس کی طرف سے پورا اطمینان دلا دیتے تھے۔ یہ احتیاط انہوں نے صرف اس لیے کی تھی کہ کہیں اماں جی انجا[illegible] میں اس کے زخموں کو نہ چھیڑ جائیں۔ جنہیں بھرنے میں وقت سے زیادہ ان کی کوششوں کا دخل تھا۔ اسی کی خا[illegible] دونوں میاں بیوی نے اپنی وہ تمام سرگرمیاں ترک کر دی تھیں جن میں وہ شامل نہیں ہو سکتی تھی' اور زیا[illegible] اس کے ساتھ یوں گزارتے کہ اسے یہ احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ کوئی اپنا کام چھوڑ کر اس کے پاس آ بیٹھا [illegible] اس کے باوجود اب اسے اماں جی اور ابا جی کی یاد آنے لگی تھی۔ جن سے وہ کبھی اتنے دن دور نہیں رہی تھی [illegible] شام وہ شکیل بھائی کے پاس بیٹھ کر بہت عاجزی سے بولی تھی۔

"بھائی! میں اماں جی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ وہ مجھے بہت یاد آ رہی ہیں اور ابا جی بھی۔"

"یاد آ رہے ہیں بیٹا تو فون کر لو' جانا ضروری ہے کیا؟" انہوں نے بڑے آرام سے مشورہ دے کر پوچھا۔

"اگر آپ ضروری نہیں سمجھتے تو ٹھیک ہے' فون کر لیتی ہوں۔" اس نے کچھ اتنی مایوسی سے کہا کہ شکیل بھا[illegible] اس پر رحم آ گیا۔

"نہیں منع نہیں کر رہا بیٹا! اصل میں میرا ارادہ اماں جی اور ابا جی کو کچھ دنوں کے لیے یہاں بلانے کا ہے۔ تم [illegible] جاؤ گی تو پھر وہ آنے کے لیے مشکل ہی سے تیار ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے پھر میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے فوراً کہا تو شکیل بھائی اسے دیکھ کر سنجیدگی [illegible] پوچھنے لگے۔

"تم اپنے جانے کی بات کیوں کرتی ہو۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر۔ پھر کیوں جانا چاہتی ہو؟" وہ جانے کیا جاننا چاہتے تھے۔

"آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس رہوں؟" اس نے بہت ہمت کر کے ان سے سبب پوچھا تو [illegible] دیر خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ انداز ایسا تھا جیسے اس کے ذہن تک رسائی حاصل کر رہے ہوں پھر قدر[illegible] مطمئن ہو کر بولے۔

"اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جو میں ابھی بتانا نہیں چاہتا۔ بس اتنا سن لو کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ [illegible] اور ابا جی آ جائیں تو میں ان سے بھی یہی کہوں گا کہ تمہیں یہیں رہنے دیں۔ اور بیٹا یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے [illegible] خلیل بھائی اور عدیل ہیں تو یہاں میں ہوں' یا تمہیں ان بھائیوں سے زیادہ محبت ہے؟" آخر میں ان کے [illegible] پھلکے انداز پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

پھر تیسرے دن ہی اماں جی اور ابا جی آ گئے تو ایک تو وہ پہلے ہی کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ ان کے سامنے [illegible] خود کو مطمئن اور پرسکون ظاہر کیا۔ اس کے باوجود اماں جی اسے دیکھتے ہی رونے لگی تھیں۔ جس پر شکیل [illegible] خاصے انجان بن کر اس سے پوچھنے لگے۔

"آسیہ! یہ اماں جی کو کیا ہوا ہے' کیوں رو رہی ہیں؟"

"پتا نہیں بھائی۔" وہ سٹپٹا گئی۔ "میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی۔"

"اماں جی! آسیہ بہت خوش ہے۔ آپ اس طرح نہیں کریں' ورنہ میں اسے یہاں سے بھی دور بڑے بھا[illegible] پاس بھیج دوں گا۔" شکیل بھائی نے قدرے خفگی سے کہا تو اماں جی اپنے آنسو دوپٹے میں جذب کرتے ہو[illegible] بولیں۔

"کہیں نہیں جائے گی یہ' میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

شکیل بھائی نے اس وقت کوئی تکرار نہیں کی اور اٹھ کر چلے گئے۔ تب وہ اماں جی کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے بولی۔

"آپ روئیں نہیں اماں جی! میں آپ کے ساتھ چلوں گی لیکن ابھی آپ شکیل بھائی کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کریں' وہ ناراض ہوتے ہیں اور ٹھیک ہی ناراض ہوتے ہیں' جب اللہ نے آپ کو ان جیسے لائق و فرمانبردار بیٹوں سے نوازا ہے تو پھر آپ کو رونے اور فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں یہی بات تکلیف دیتی ہو گی کہ ان کے ہوتے ہوئے آپ پریشان ہوتی ہیں۔"

"آسیہ ٹھیک کہہ رہی ہے اماں جی۔" سیما بھابھی اس کی تائید کرتے ہوئے بولیں۔

"روتے وہ ہیں جنہیں آگے اندھیرا نظر آتا ہے۔ آپ کو اللہ نے ماشاء اللہ بہت نوازا ہوا ہے۔ آپ کو آسیہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بھائی کبھی اس سے غافل نہیں ہوں گے۔"

"میں جانتی ہوں' بھائی اس کا بہت خیال رکھنے والے ہیں لیکن۔۔۔" اماں جی جانے کیا کہنے جا رہی تھیں کہ اسے دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گئیں اور اس نے اپنے آپ سوچ لیا تھا۔

"لیکن وہ مان نہیں دے سکتے جو ایک عورت کو اپنے گھر' اپنے شوہر پر ہوتا ہے۔"

یوں کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ابا جی کچھ دن بعد ہی واپس چلے گئے تھے اور اماں جی اس کے لیے وہیں رک گئیں کیونکہ شکیل بھائی کسی طرح اسے کراچی بھیجنے پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے اس کے لیے کیا سوچ لیا تھا اور جانے اماں جی سے کیا کہا کہ اب وہ بھی یہی کہتی تھیں کہ اسے یہیں رہنا چاہیے۔ اور اس نے ابھی تک کسی سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ سب سن کر خاموش رہتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ اپنے بارے میں بہت کچھ سوچتی رہتی تھی اور خاموش یوں تھی کہ ابھی اپنی کسی سوچ پر عمل کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ کیونکہ اس کی ڈلیوری قریب تھی۔ اور ان دنوں وہ اپنے آپ کو چھپائے پھرتی تھی۔ خصوصاً شکیل بھائی کے سامنے جانے سے بہت کتراتی' اس لیے ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ورنہ اس کے اندر خاصی بے چینی تھی۔ یعنی جاننا چاہتی تھی کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں جو اس کے کراچی جانے کا سنتے ہی سختی سے منع کر دیتے ہیں۔ کئی بار اس نے اماں جی سے پوچھا لیکن ان کے جواب اسے مطمئن نہیں کر سکے تھے۔ جس سے وہ سمجھ گئی کہ انہیں بھی اصل بات معلوم نہیں ہے۔ بہرحال اب زیادہ دن نہیں تھے اس نے سوچ لیا ڈلیوری کے بعد وہ خود شکیل بھائی سے بات کرے گی۔

--*

شاہ سکندر نے جس زندگی سے فرار کی خاطر گھر بار چھوڑا تھا۔ شاید وہی اس کا مقدر تھی۔ اور اس بات سے سمجھوتا کرتے ہوئے اگر اسے دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ اس لڑکی کو اجاڑ آیا تھا۔ جس نے اپنے دل کی بستی کی حکمرانی اور نگہبانی اسے سونپی تھی۔ اس کے لیے وہ خواب و خیال نہیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی کیونکہ اس کی سنگت میں گزرا ایک ایک لمحہ اس کے دل پر رقم تھا۔ اور اس نے اپنے جینے کے لیے یہی سزا تجویز کی تھی کہ باقی ماندہ حیات انہی لمحات کے سہارے تمام کرے گا' لیکن یہاں مہرالنساء تھی۔ جس روز اسے معلوم ہوا کہ وہ دوسری عورت شاہ کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکال دی گئی ہے تو نہ صرف وہ مطمئن ہو گئی بلکہ اس خیال سے کہ اب شاہ صرف اس کا ہے۔ اس کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔

پہلے وہ اس کی ہر بات پر تلملا کر جھٹ دوسری عورت کا طعنہ دیتی اور کسی طرح اپنے تنفر کو چھپا نہیں سکتی تھی۔ لیکن اب وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ شروع کے دو مہینے اس نے شاہ سکندر کو بظاہر اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا لیکن اس کے روز و شب سے غافل نہیں رہی تھی۔ کیونکہ جانتی تھی کہ وہ شکست خوردہ ہے اور کسی بھی وقت ٹوٹ کر

اس کی بانہوں میں آگرے گا۔ اس وقت اسے سہارا دے کر وہ اگر اسے اپنا نہ بنا سکی تب بھی اس کی توہین ہی گی۔ یعنی اس کی وہی سوچ تھی۔ جیتوں تو تجھے پاؤں ہاروں تو پیا تیری۔

پھر بڑی بھابھی نے اسے سمجھایا تھا کہ مرد زیادہ عرصہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا' اس لیے بھی وہ زیادہ ہو گئی تھی کہ کہیں وہ کسی اور راستے پر نہ چل نکلے۔ کہ ایک عورت کے چنگل سے نکالنا تو بابا جان کے لیے ہو سکا تھا لیکن غلط راستے پر نکلے ہوئے قدموں میں وہ بھی زنجیریں نہیں ڈال سکتے تھے۔ جب ہی شاہ سکندر کے حال پر چھوڑنے کے باوجود وہ اس کے روز و شب پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی۔

گو کہ شاہ سکندر نے آتے ہی اسے اپنے کمرے سے بے دخل کر دیا تھا پھر بھی رات میں جب تک وہ سو نہ کسی نہ کسی بہانے اس کے کمرے کے چکر لگاتی رہتی تھی۔ کبھی اس کے پریس کیے ہوئے کپڑے الماری رکھنے کے بہانے' کبھی بیڈ کی چادر تبدیل کرنا۔ کسی وقت بچے کو اس کے دروازے پر چھوڑ کر پھر اسے اٹھا بہانے آجانا اور آخر میں دودھ کا گلاس رکھنا تو بہت ضروری تھا۔

اس وقت وہ بچے کو اس کے پاس بھیج کر خود شہربانو کے پاس آ بیٹھی تھی۔ جس کی دو ماہ کی بچی جانے کس کے باعث رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔

"لاؤ مجھے دو۔" اس نے شہربانو کی گود سے بچی اپنی گود میں لے لی اور ادھر ادھر سے چیک کرنے کے بعد لگی۔

"اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ جیراں سے کہو' جلدی سے تیل گرم کر کے لائے۔"

شہربانو فوراً اٹھ کر چلی گئی اور جیراں سے کہہ کر فوراً واپس بھی آگئی تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ہیٹر کہاں گیا اس کمرے کا؟ اتنی سردی میں تم نے بچی کو بغیر ہیٹر کے سلایا ہوا ہے۔"

"خراب ہو گیا تھا۔ میں نے غلام علی سے کہا بھی کہ آج ہی آج ٹھیک کرا لے آنا لیکن۔۔۔" شہربانو دوبارہ جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"غلام علی تو بس۔۔۔" مہرالنساء نے سر جھٹکا پھر جیراں کے آنے پر بچی اس کی گود میں دے کر بولی۔ "اس کے پر اچھی طرح مالش کر کے لپیٹ دو۔ ٹھنڈ لگ گئی ہے اسے۔"

شہربانو کچھ دیر جیراں کو بچی کی مالش کرتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگی۔

"تمہارا آغا کہاں ہے؟۔"

"اپنے باپ کے پاس۔" مہرالنساء اپنے اوپر لحاف کھینچتے ہوئے بولی۔ "اب تو شاہ خود بھی اسے بلانے ہیں۔"

"اور تمہیں؟۔" شہربانو نے شوخ و معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تو وہ آہ بھر کر بولی۔

"میری ایسی قسمت کہاں' مجھے تو دیکھتے ہی منہ موڑ لیتے ہیں۔"

"ارے ایسے ہی تمہیں ستانے کو کرتے ہوں گے ورنہ تم سے منہ موڑا جا سکتا ہے بھلا۔ تمہاری صورت ہی تو انہیں کھینچ لائی ہے۔" شہربانو نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔

اچھا۔" وہ ذرا سا ہنسی پھر بچی کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"تمہاری بیٹی اب سکون سے سو گئی ہے۔ اسے کمبل کے اوپر لحاف بھی اوڑھا دینا۔ میں صبح غلام علی کو ... گی۔ کوئی کام کر کے نہیں دیتا۔"

"حالانکہ میں نے اسے بہت تاکید کی تھی لیکن شاید وہ بابا جان کے کسی کام سے چلا گیا تھا۔"

"یہ کام زیادہ ضروری تھا۔ وہ خود نہیں جا سکتا تھا تو کسی اور سے کہہ دیتا۔" مہرالنساء کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا میں چلتی ہوں' آغا کو دیکھوں سویا کہ نہیں۔ بہت شرارتی ہو گیا ہے۔"

"بیٹا کس کا ہے۔" شہربانو نے کہا تو وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"میرا۔" پھر ہنستی ہوئی اس کے کمرے سے نکل کر اوپر آئی تو شاہ سکندر کے سامنے رک کر کوئی آواز سننے کی کوشش کی لیکن۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ بچہ سو چکا ہے اور شاہ سکندر کے بارے میں اس نے کوئی نہیں کیا۔ بہت آہستہ سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے پورے وجود کو ہلا دیا۔

"اف۔ پورا کمرہ ٹھنڈا ہو رہا تھا' گرم شال کے اندر ٹھٹھرتے ہوئے اس نے دیکھا شاہ سکندر ساری کھڑکیاں کھولے کھڑا تھا اور اس کے بدن پر صرف سلیپنگ سوٹ تھا جبکہ گاؤن صوفے پر رکھا تھا۔ اس نے گرم لحاف میں سوئے بچے پر نظر ڈالی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی شاہ سکندر کے قریب جا کھڑی ہوئی اور آسمان کے سینے پر جگمگاتے ستاروں کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"ان ستاروں سے اپنا احوال نہیں کہنا شاہ سکندر! کیونکہ یہ میرے ہمنوا ہیں۔"

شاہ سکندر اس کی آمد سے بے خبر تھا۔ آواز پر چونک کر دیکھنے لگا۔ سیاہ شال میں لپٹی وہ جیسے ابھی ابھی ستاروں کے جھرمٹ سے نکل کر آئی ہو۔ اس کا ملکوتی حسن ہمیشہ سے مدہوش کر دینے والا تھا اور شاہ سکندر مدہوشی میں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو آئے تو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے ان ستاروں سے پوچھو' کس نے اپنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں' کبھی یہاں اس دریچے میں کھڑے ہو کر' کبھی وہاں کروٹیں بدل بدل کر' یہ میرے رت جگوں کے گواہ ہیں۔ ان سے اپنا احوال کہیں گے تو یہ آپ پر ہنسیں گے اور مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے آپ بول رہی تھی پھر ایک کے بعد ایک ساری کھڑکیاں بند کر کے پلٹی تھی کہ شاہ سکندر نے اسے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

"مجھے تم سے نفرت ہے مہو! میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ ساری دنیا سے نفرت کرتا ہوں' اپنے آپ سے بھی۔" بولتے ہوئے اس کی سانسوں سے اٹھتی ناگوار مہک سے مہرالنساء کو چکر سا آگیا۔ پورا زور لگا کر اس کے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ نفرت کے اظہار کے ساتھ اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

اور مہرالنساء جانتی تھی وہ شکست خوردہ ہے۔ کسی بھی وقت ٹوٹ کر اس کی بانہوں میں آگرے گا اور شاید وہ وقت آگیا تھا۔

--*

کچھ دیر پہلے کی ساری اذیتیں بھلا کر اس نے ڈاکٹر کو دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ٹوئن بے بیز۔" (جڑواں بیٹیاں)

"اوہ۔" وہ اپنی کیفیت خود نہیں سمجھ سکی کہ آیا وہ خوش ہے یا ناخوش' اور کسی احساس کو پانے کے لیے اس نے گردن موڑ کر بچیوں کو دیکھا تھا کہ کسی آواز کی بازگشت سماعتوں پہ دستک دینے لگی۔

"مجھے بیٹی کی خواہش ہے۔"

"کیوں؟۔"

"میری خواہش میں ایک غرض پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ بابا جان میری شادی سے کتنے ناراض سہی جب بیٹی کا سنیں گے تو بھاگے آئیں گے' ہمیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کریں گے' کیونکہ ہمارے ہاں بیٹیاں خاندان سے باہر نہیں دی جاتیں۔" شاہ سکندر کی وضاحت نے اس وقت بھی اسے کوئی خوشی نہیں دی تھی اور اب تو وہ زیادہ بھی ہو گئی تھی۔

"تمہیں بیٹی کی خواہش تھی' اللہ نے ایک ساتھ دو دے دیں۔" سیما بھابھی کی آواز پر اس نے فوراً انہیں

دیکھنے کے بجائے پلکیں موند لیں۔ مبادا وہ اس کی آنکھوں میں گئے دنوں کا کوئی عکس دیکھ لیں۔
”آسیہ!“ سیما بھابھی نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔
”تم ٹھیک تو ہو ناں؟“ وہ کوشش سے مسکرائی تھی۔
”شکر ہے سب نارمل ہو گیا۔ بہت مبارک ہو۔ ماشاء اللہ گڑیا جیسی بیٹیاں ہیں۔ میں اماں جی کو بتاتی ہوں پریشان بیٹھی ہیں۔“ سیما بھابھی اس کا گال تھپکتی لیبر روم سے نکل گئیں تو وہ پھر بچیوں کو دیکھنے لگی جنہیں نہلانے کے ساتھ جانے کون سی زبان میں کیا کیا بولے جا رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں رہی تھی پھر بھی اس کے پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔
”آج کا زمانے میں بے بی اچھا ہے۔“ سسٹر اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر کہنے لگی۔
”بہت سکھ دیتا ہے اور بابا لوگ خالی پریشان کرتا ہے۔ ساری زندگی مدر اس کے لیے دکھ جھیلتا، پر اس کو نہیں ہوتا۔ بے بی لوگ بہت احساس کرتا اور پیار بھی بہت کرتا۔ لو تمہارا بے بیز تیار ہو گیا۔ ان کا فادر ہے؟“ آخر میں سوال غیر متوقع تو نہیں تھا لیکن اچانک تھا۔ جب ہی اسے جواب دینے میں کچھ وقت لگا۔
”وہ باہر ہوتے ہیں۔“
”پھر تو ہمارا انعام گیا۔ اتنا پیارا ٹوئن بے بیز کا خوشخبری سنا کر ہم تمہارے ہسبنڈ سے بہت انعام لیتا۔“
”وہ تم مجھ سے لے لینا، پہلے مجھے کمرے میں تو پہنچاؤ۔“ اس نے کہا تب ہی سیما بھابھی آگئیں ان کے ساتھ جہاں آرا تھیں اور ان کے کہنے پر سسٹر اسے اسٹریچر پر ڈال کر کمرے میں لے آئی۔
وہ بیڈ پر لیٹی تب اماں جی کو دیکھنے لگی جو کونے میں جاء نماز پر بیٹھی تھیں اور جب فارغ ہو گئیں تب اس کے پاس آئیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پہلے پھونک ماری پھر کہنے لگیں۔
”تمہاری پیدائش پر میں بہت خوش ہوئی تھی اور ہمیشہ یہ دعا کرتی تھی کہ اللہ میری بیٹی کو بہت نیک سعادت مند بنانا۔ تم واقعی نیک اور سعادت مند ہو۔ مجھے کبھی تم سے کوئی شکایت نہیں ہوئی نہ تمہاری وجہ سے کبھی میرا دل دکھا بلکہ تمہاری ذات سے میں نے بہت سکھ پائے ہیں، اس کے باوجود میں تمہاری بیٹیوں کے لیے ایسی دعا نہیں مانگوں گی کیونکہ نیکی اور سعادت مندی میں صرف تمہارے لیے سکھ ہے۔ انہیں کیا۔“
اسے اپنے وجود پر ننھی ننھی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ جانے اماں جی کیا کہنے جا رہی تھیں۔
”دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ضرور قبول ہوتی ہیں۔“ قدرے توقف سے اماں جی پھر گویا ہوئیں۔
”کل تک میں اپنی دعاؤں کی قبولیت پر بہت خوش ہوتی تھی کہ تمہارے لیے میں نے جو مانگا وہ پورا ہوا، اب احساس ہو رہا ہے کہ پورا تو بے شک ہوا لیکن اس میں تمہارے لیے کیا تھا۔ سارے سکھ تو میرے حصے میں آگئے۔ تم تو....“ اماں جی کی آواز حلق میں کہیں اٹک گئی۔
”اماں جی۔“ سیما بھابھی جانے کب ان کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔ دھیرے سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔
”آسیہ کو آرام کرنے دیں۔“
”تمہاری بیٹیوں کے لیے پتا ہے میں نے کیا مانگا ہے؟“ اماں جی، سیما بھابھی کو رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگیں۔
”اللہ ان کے نیک نصیب کرے۔ ساری زندگی خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولیں۔“
”آمین۔“ اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔
”بے بیز آگئیں۔“ سسٹر دونوں بازوؤں میں بچیاں دبائے اندر آتے ہوئے بولی۔
”ان کا دادی کہاں ہے؟ ہم بے بیز اس کو دے گا اور اپنا انعام لے گا۔“

”یہ ان کی نانی اماں ہیں۔“ سیما بھابھی فوراً اماں جی کی طرف اشارا کرتی ہوئی بولیں۔
”بے بیز ان کی گود میں دو اور انعام مجھ سے لو۔“
”بسم اللہ۔“ اماں جی فوراً دوسرے بیڈ پر جا بیٹھیں اور دونوں بیٹیوں کو گود میں بھر کر بہت شوق سے باری باری دونوں کو دیکھنے لگی تھیں۔
”کوئی فرق نہیں ہے اماں جی! بالکل ایک شکل ہے۔“ سیما بھابھی! سسٹر کو فارغ کرنے کے بعد اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔
”ذرا سا رنگ میں ہی فرق ہو تا وہ بھی نہیں ہے۔ آسیہ تک پہچاننے میں غلطی کرے گی۔ ہے ناں۔“
”ہاں ابھی تو ایک جیسی لگ رہی ہیں، بڑی ہوں گی تو شاید ایک ماں پر اور دوسری....“ اماں جی ایک دم خاموش ہو گئیں تو سیما بھابھی بات بدلتے ہوئے کہنے لگیں۔
”آسیہ کو بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔ میں نے شکیل کو فون کر دیا ہے، وہ اشعر اور سمیہ کو اسکول سے لیتے ہوئے ادھر ہی آ رہے ہیں۔ ان سے میں نے سوپ اور بسکٹ وغیرہ لانے کو کہا ہے باقی پھر میں ابھی ان کے ساتھ گھر جاؤں گی تو انتظام کر دوں گی۔“
”کتنے دن رہے گی آسیہ یہاں؟“ اماں جی نے پوچھا۔
”ڈاکٹر چھ دن کہہ رہی ہیں، خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ گھر قریب ہے، میں پیدل آ جا سکتی ہوں۔ میرا خیال ہے بچے آگئے۔“ سیما بھابھی کوریڈور میں اشعر کی جھلک دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں پھر دروازے تک جا کر اشعر کو پکارا تو فوراً ہی اشعر اور سمیہ بھاگتے ہوئے آگئے۔
”آرام سے، آرام سے، شور بالکل نہیں۔“ سیما بھابھی نے پلٹ کر انہیں تنبیہہ کی پھر شوہر کے ساتھ اندر آئیں۔
شکیل بھائی نے بیٹھتے ہی پہلے اس کا حال احوال پوچھا پھر بچیوں کو دیکھتے ہوئے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خاصے محظوظ انداز میں گویا ہوئے۔
”مجھے تو کل کی بات لگتی ہے۔ آسیہ اتنی سی تھی۔“
”آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں بھائی! جیسے مجھ سے بہت بڑے ہوں۔“ کتنی دیر بعد اس کی خاموشی ٹوٹی تھی۔
”بڑا تو ہوں ناں اور مجھے یاد ہے، میں تمہیں ایسے ہی دیکھ رہا تھا جیسے اب میرا بیٹا دیکھ رہا ہے۔“ انہوں نے ننھی گڑیا پر جھکے اشعر کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔
”پاپا! اسے ہم گھر لے جائیں گے۔“ سمیہ کی خوشی دیدنی تھی۔
”ہاں بیٹا۔ دونوں کو لے جائیں گے، ایک آپ کے لیے۔“
”ایک میری۔“ اشعر بول پڑا تو سیما بھابھی ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔
”چلو دو کا پہلا فائدہ تو ابھی سامنے آگیا، ورنہ اشعر اور سمیہ میں ابھی لڑائی شروع ہو جاتی۔“
وہ پھر خاموش سی ہو کر ایک ایک کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔ سب خوش تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے بھتیجے بھتیجیوں کی پیدائش پر خوش ہوتی تھی۔ پھر بھی اسے اپنے اندر گہری خامشیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ دل چاہا ہر طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لے۔ نہ شوخ کھلکھلاتی ہنسی کی آواز سنائی دے، نہ کھلتے چہرے نظر کے سامنے آئیں۔
”آسیہ!“ سیما بھابھی اچانک اسے پکار کر بولیں۔
”میری بیٹی کا نام تم نے تجویز کیا تھا، تمہاری ایک بیٹی کا نام میں تجویز کروں؟“
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو سیما بھابھی نے پہلے اپنے بالوں سے پن نکال کر سمیہ کی آنکھوں سے ذرا سا

کاجل چرایا اور اس سے ایک بچی کے گال پر ہونٹوں کے قریب مل بناتی ہوئی بولیں۔
"اس کا نام صباحت ہے۔"
"صباحت۔" شکیل بھائی نے دہرایا پھر آسیہ کو دیکھ کر بولے۔
"دوسرا نام تم بتاؤ۔"
"مدحیہ۔" وہ بے اختیار بولی تھی اور یکلخت ہی اندر کی خامشیوں میں محشر برپا ہوا تھا کہ اس نے گم
پر بازو رکھ لیا۔
"چلو بھئی۔ آسیہ کو سونے دو' اماں جی! میں بچوں کو کھانا کھلا کر پھر آپ کے لیے لے آؤں گی جب
بسکٹ وغیرہ لیں۔ چلیں شکیل۔" سیما بھابھی یہی سمجھیں وہ سونا چاہتی ہے جب ہی فوراً" اٹھ کھڑی ہو
اور ان سب کے جاتے ہی ایک دم خاموشی چھا گئی تھی' لیکن اب اس کے اندر بڑا شور تھا۔ اماں جی
اسے بسکٹ کھلا کر سوپ پلایا اس کے بعد سونے کا کہہ کر اس نے کمبل سر تک کھینچ لیا۔ اور پلکوں
سارے بند ہٹا دیئے تھے۔
"میری کوئی بہن نہیں ہے' شاید اس لیے مجھے بیٹی کی خواہش ہے اور پھر مجھے بیٹیاں اچھی بہت لگتی
نے کہا تھا اور حقیقتاً" اس کی دلی آرزو پوری ہوئی تھی' لیکن اس پر جیسے خوشی کے اظہار کے راستے
تھے۔
اپنی بچیوں کو دیکھ کر وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں اجالوں کی نوید لے کر آئی
کون کیا سمجھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی دماغی حالت پر شبہ کیا جائے۔ وہ خود ترسی کا شکار ہو رہی تھی
اور جتنے دن وہ کلینک میں رہی اس کی یہی کیفیت تھی البتہ جس روز کلینک سے ڈسچارج ہو کر گھر آئی
پہلی بار اس نے دونوں بچیوں کو بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگایا تو اسے لگا جیسے وہ ابھی ابھی ماں بنی ہے
احساس تھا' سرشاری تھی اور جیسے وہ دنیا کی مضبوط ترین عورت بن گئی تھی کہ اب شاہ سکندر اور اس
ہزاروں لاکھوں مل کر بھی اسے اس کے مقام سے ہلا بھی نہیں سکتے تھے۔ نہ ساری دنیا کی دولت کے عو
مرتبے کو خریدا جا سکتا تھا۔
"آسیہ!" سیما بھابھی نے کمرے میں آ کر اسے پکارا لیکن وہ بچیوں کو سینے میں چھپائے اپنی سوچوں
تھی کہ آواز پر چونکی بھی نہیں' اس کے برعکس سیما بھابھی چونک گئیں اور بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگیں
عرصے میں پہلی بار اس کے ہونٹوں پر بڑی نرم مسکراہٹ پھیلی تھی اور آنکھوں میں کسی عزم کی چمک
اب ہر طوفان کا مقابلہ وہ تن تنہا کرے گی۔
"کیا سوچ رہی ہو؟" سیما بھابھی نے آگے آ کر اس کا کندھا چھوا تب وہ ذرا سا چونک کر انہیں دیکھنے
"کوئی خوبصورت سوچ تھی' اگر نہ بتانا چاہو تو کوئی بات نہیں۔ میں اصرار نہیں کروں گی۔" سیما
ہوئے بولیں۔
"اس لیے کہ آپ جانتی ہیں' میری سوچوں کو کنارا مل گیا ہے۔ جب ہی اصرار نہیں کریں گی۔"
کے نرم کمبل پر ٹھوڑی ٹکا کر کہا پھر فوراً" بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔
"اماں جی کہاں ہیں؟"
"شکیل کے پاس بیٹھی ہیں اور وہاں شکیل یہ کہہ رہے ہیں کہ تم دونوں بچیوں کو کیسے دیکھو گی۔ کہ
اپنے پاس لے جاؤں۔" سیما بھابھی غالباً" یہی بات کہنے آئی تھیں۔
"آپ کہاں پریشان ہوں گی بھابھی! میں دیکھ لوں گی' نو پرابلم۔ بس آپ اماں جی کے سونے کا انتظام
میں کر دیں۔" اس نے کہا۔

ں جی بھی یہی کہہ رہی ہیں۔ چلو میں یہاں پلنگ ڈال دیتی ہوں۔ اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟"
بھی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
"سب کچھ موجود ہے۔" وہ ٹیبل پر رکھی چیزوں کا جائزہ لے کر بولی تھی۔

——*

نہیں تھی جو دو بچیوں کی دیکھ بھال مسئلہ بنتی۔ پھر اماں جی کی تو بہوئیں صرف بچے پیدا کرنے کی سزاوار
کے بعد انہیں اماں جی کے حوالے کر کے خود اطمینان سے ہو جاتی تھیں اور وہ تو بیٹی تھی۔ اس کے
خاطر تو اماں جی رات میں بھی اٹھ جاتی تھیں اور اسے پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ کب انہوں نے بچیوں کو فیڈر
چینج کی۔ اور سارا دن بھی اماں جی انہی کے ساتھ لگی رہتی تھیں۔
کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ابا جی اور عدیل بھائی کا دو تین بار فون آ چکا تھا۔ وہ اماں جی کی واپسی پر
رہے تھے جس سے اس رات وہ الجھ کر اماں جی سے پوچھنے لگی۔
"اماں جی! کیا میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی؟"
"ساتھ چلو گی؟ شکیل اور سیما تو کہہ رہے ہیں۔ تم ابھی یہیں رہو گی۔" اماں جی نے سادگی سے کہا۔
"بس بہت رہ لیا میں نے یہاں' اب آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ کہہ دیجئے شکیل بھائی سے کہ مجھے نہ
اور جلدی ہمارے جانے کا انتظام کر دیں۔" وہ جیسے جانے کا تہیہ کر کے بولی تھی۔
"تو کتنے دن سے کہہ رہی ہوں شکیل سے' روز کل پہ ٹالتا ہے۔ صبح کہہ رہا تھا۔ تمہارے ابا جی آ کر لے
گے۔ "اب دیکھو وہ کب آتے ہیں۔"
"بھی کو ناحق تکلیف دے رہے ہیں۔ ہم خود جا سکتے ہیں۔ خیر صبح میں خود بات کروں گی بھائی سے۔" وہ اپنے
ناراض سی ہونے لگی تھی۔ غالباً" اس خیال سے کہ اس کی رائے لیے بغیر شکیل بھائی اور سیما بھابھی نے
دیا کہ وہ یہیں رہے گی۔ گو کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن اسے بری طرح محسوس ہو رہی تھی کہ وہ
اہم کر رہ گئی ہے کہ اس سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ اور اماں جی کے سونے کے بعد وہ کتنی
اسی کیفیت میں رہی تھی۔
صبح اسے اٹھنے میں دیر ہو گئی۔ شکیل بھائی آفس جا چکے تھے۔ جس پر وہ ابھی خود کو شام تک صبر کرنے کی
رہی تھی کہ ابا جی کی آمد سے اس کی ساری ناراضگی اور غصہ دور ہو گیا۔ قدرے ہچکچا کر ان کے سینے سے
کر بولی۔
"ت ہی میں آپ کو یاد کر رہی تھی ابا جی۔"
"محسوس ہوا تھا اور اگر اس وقت کوئی فلائٹ ہوتی تو میں اس وقت آ جاتا' خیر تم سناؤ ٹھیک تو ہو' بچے کہاں
ابا جی اس کے سر کو چوم کر بولے تھے۔
"اماں جی کے پاس' آپ چلیں' میں ناشتا لے کر آتی ہوں۔"
"تا کر چکا ہوں' بس چائے۔" ابا جی آگے بڑھ گئے۔ سیما بھابھی بھی اماں جی کے پاس تھیں۔ اس لیے وہ کچن
گئی۔
تھوڑی دیر بعد وہ چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں آئی تو سیما بھابھی حیران ہو کر بولیں۔
"ارے تم چائے بھی لے آئیں' میں تو سمجھ رہی تھی۔ تم واش روم میں ہو اور تم نے ناشتا بھی کیا یا۔۔۔"
"جا رہی ہوں آپ یہ چائے بنائیں۔" وہ ٹرے سیما بھابھی کے سامنے رکھ کر کمرے سے نکل آئی۔ پھر
کے باعث چولہے کے پاس کھڑے ہو کر ناشتا کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ رات میں جب ابا جی' شکیل
بھائی واپسی کا پروگرام بتائیں گے اس وقت وہ اپنے جانے کی بات کرے گی۔ اس کے خیال میں ابا جی دو تین
دن یہاں رہیں گے اور پھر ابھی تو وہ آئے تھے اس لیے فوراً" ان سے واپسی کی بات کرنا اسے مناسب نہیں

لگ رہا تھا۔ البتہ دن میں اماں جی سے وہ وقفے وقفے سے کہتی رہی کہ اسے بھی جانا ہے۔ اور وہ بس "اچھا" کر کے رہ جاتیں۔

شام میں سردی کی شدت میں اضافے کے باعث لاؤنج میں بیٹھنا محال تھا۔ شکیل بھائی آتے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سیما بھابھی نے اس کے کمرے میں ہیٹر رکھ کر اشعر اور سمیعہ کو اماں جی میں بٹھا دیا اور اسے بھی کمرے سے نکلنے سے سختی سے منع کیا۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی وہ ان کے پیچھے اور ان کے ٹوکنے سے پہلے کہنے لگی۔

"مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم سب لحافوں میں بیٹھیں اور آپ کھانا پکائیں۔ ہٹیں ... ہوں۔"

"اب میں تم سے کیا کہوں۔" سیما بھابھی سمجھ گئیں۔ وہ ایک نہیں سنے گی' اس لیے چولہے ... گئیں۔

"مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے' البتہ شکیل بھائی سے کہیں کہ آپ کو خانساماں رکھ ... اچھی پوسٹ پر ہیں۔" وہ روٹی بیلتے ہوئے بولی۔

"جناب! وہ کہتے ہیں تم کرتی کیا ہو سارا دن' ایک صرف کھانا ہی تو پکاتی ہو۔ حالانکہ چھٹی ... کہ کس طرح کام کرنے والی کے ساتھ لگی رہتی ہوں۔ بس ان مردوں کو عادت ہوتی ہے۔ دیکھ ... رہتے ہیں۔"

"یہ تو ہے' ادھر خلیل بھائی بھی ایسے ہی ہیں۔ حالانکہ میمونہ بھابھی سارا دن مصروف رہتی ہیں کچھ نہیں کرتیں۔" وہ بڑی فراخدلی سے بھائیوں کے مقابلے میں بھاوجوں کی طرفداری کر ... پکانے سے فارغ ہو کر کسی اور کام کے لیے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ سیما بھابھی کہنے لگیں۔

"بس اب اور کچھ نہیں کرنا' سب تیار ہے۔ تم شکیل سے پوچھ کر آؤ' کھانا کہاں کھائیں گے ... اماں جی اور بچوں کے لیے کھانا نکال دوں۔"

"میں بھی اماں جی کے ساتھ کھاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے کچن سے نکل آئی اور شکیل بھائی ... کھولنے لگی تھی کہ اپنا نام سن کر رک گئی۔ شکیل بھائی کہہ رہے تھے۔

"آسیہ کے لیے میں نے سوچ لیا ہے۔ وہ یہیں رہے گی۔ آپ اس کی طرف سے بالکل بے فکر ... ساری بات طے ہوتے ہی آپ کو اطلاع دوں گا۔ اور اس کی بیٹیوں کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے ... چھوڑ دیں۔ ایک آپ اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہاں خلیل بھائی کے بچوں میں مل جائے گی۔"

"میرے خدا۔" وہ اگرچہ ساری بات سمجھی نہیں تھی تب بھی چکرا گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

بڑی مشکل سے اس نے خود کو سہارا دے کر اندر جانے سے روکا اور پورے دھیان سے ... خاموشی کے بعد ابا جی کی آواز آئی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے۔ تم نے اس کی بیٹیوں کا بتایا ہی نہیں۔"

"بتایا ہے ابا جی' ہر بات بتائی ہے۔ کچھ نہیں چھپایا۔ آپ جانتے ہیں میں بہت کھرا بندہ ... ہوں نہ دھوکا دینے والے کو پسند کرتا ہوں۔ اور میں آپ کو بتاؤں اگر شاہ سکندر' آسیہ کو نہ چھوڑ ... کے چنگل سے نکال لیتا۔ یہ میں نے اسی روز سوچ لیا تھا جس روز مجھے کراچی بلا کر آپ نے ...

... محض آپ کی خاطر میں نے ایک تیسرا راستہ نکال لیا تھا۔ بہرحال یہ اچھا ہوا کہ جلد ہی اس کی ... اور وہ خود چلا گیا ورنہ مجھے اسٹینڈ لینا پڑتا۔"

... بات کر رہا تھا آسیہ کی۔ اس کے لیے اصفہان علی بے حد مناسب ہیں۔ میں کل رات کے کھانے پر ... لیتا ہوں۔ آپ بھی مل لیں' اس کے بعد میں چاہوں گا کہ دو مہینے کے اندر آسیہ اپنے گھر کی ہو جائے۔"

... بہت سہولت سے بول رہے تھے۔

... آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی تھی۔

... ٹھیک ہے بیٹا! لیکن پہلے آسیہ سے بھی تو پوچھ لو۔" ابا جی کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

... پوچھنا نہیں سمجھانا ہے اسے اور میرا خیال ہے وہ خاصی حقیقت پسند لڑکی ہے' جلد سمجھ جائے گی۔"

... زیادہ سننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ ایکدم دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی اور بے حد تاسف سے ... دیکھنے لگی تو وہ سمجھ گئے کہ وہ ان کی باتیں سن چکی ہے اس پر بھی بڑے آرام سے بولے۔

... آسیہ! میں تمہارے متعلق ہی بات کر رہا ہوں۔"

... شکیل بھائی! جتنا کہہ چکے اس سے آگے ایک لفظ نہیں کہیے گا۔ کیونکہ آپ کے سامنے آپ کی بہن ... اور صباحت کی ماں کھڑی ہے۔" وہ ساری ہمتیں یکجا کر کے شاید زندگی میں پہلی بار بڑے بھائی کے ... کر کھڑی ہو گئی تھی۔

... آپ خود کہہ رہے تھے کہ میں بہت حقیقت پسند ہوں۔ ہاں یہی سچ ہے' اور میری زندگی کی سب سے بڑی ... میری بیٹیاں ہیں۔ میرے بارے میں کچھ بھی سوچنے سے پہلے آپ اور ابا جی آپ بھی سن لیں کہ میں اپنے ... ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہونے دوں گی۔ ایسی کوئی بھی کوشش میری موت ہو گی۔"

... ختم کرتے ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکل آئی اور اماں جی کے پاس آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

... یہ تمہیں کیا ہوا؟" اماں جی پریشان ہو گئیں۔ "ارے ابھی تو اچھی بھلی گئی تھیں۔ بھائی نے کچھ کہا یا ... بتاؤ تو۔؟"

... نے کچھ نہیں کہا اور اگر کہیں گے بھی تو انہیں حق ہے۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

... بھائی نے اندر آتے ہوئے اس کی بات سنی تھی اور بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

... تمہیں رلانے کا تو ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔"

... ہے۔"

... شکیل بھائی ذرا سا مسکرائے پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "آئی ایم ساری' میں نے شاید ... کا غلط استعمال کر لیا یا شاید وقت سے پہلے۔ تم پلیز آنسو پونچھ لو ورنہ ابا جی مجھے بچوں کے سامنے بہت ... لیں گے۔"

... ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر سیدھی ہو بیٹھی تو شکیل بھائی اسے ایک بازو کے حلقے میں لے کر اماں جی کو ... کر کے بولے۔

... ذرا بتایئے تو آسیہ میری بہن پہلے ہے یا ان بچیوں کی ماں؟"

... کیا کہتی ہے؟" اماں جی قصداً "دامن بچا گئیں۔"

... پھر اپنے ماں ہونے کا رعب جما آئی ہے اور میں سچ مچ مرعوب ہو گیا ہوں۔" شکیل بھائی کے محظوظ انداز ... ہو کر بولی۔

... آپ پر رعب تو نہیں جمایا' اور ابھی بھی ہاتھ جوڑ کر التجا کر رہی ہوں کہ مجھے اماں جی کے ساتھ جانے ... یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔"

... میں تمہیں زبردستی تو نہیں روک رہا۔ تمہاری مرضی جیسا تم اپنے لیے مناسب سمجھو۔ بس اتنا خیال ... ہمیشہ کے لیے مدحیہ اور صباحت کی ماں کا لیبل مت لگا لینا۔ ایسا کر کے تم کوئی کمال نہیں کرو گی۔"

"میں جانتی ہوں اور وعدہ کرتی ہوں آپ سے کہ جب بھی میں نے اپنے لیے ایک گھر کی ضرور
سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گی۔ ابھی تو مجھے ہر طرف فریب ہی فریب نظر آتا ہے۔ اور مزید کسی فریب
دل اور ذہن دونوں ہی تیار نہیں ہیں۔ مجھے اپنی زندگی جینے دیں۔ کوشش تو کرنے دیں۔ ہو سکتا ہے
لیے بہتری کی صورت ہو۔" وہ کچھ رک رک کر بول رہی تھی۔

"ہوں!" شکیل بھائی نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگے۔ "تمہیں اپنی زندگی
اور تم سے یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم کہیں بھی اپنی ذات اور اس کے
انداز مت کرو کیونکہ تمہارے لیے زندگی ختم نہیں ہوئی۔"

"زندگی شروع ہی اب ہوئی ہے۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"یہ تم دونوں کیا باتیں کر رہے ہو۔ مجھے بھی تو بتاؤ۔" اماں جی یہی سمجھیں کوئی ایسا مسئلہ ہے
نہیں ہو رہا۔

"کچھ نہیں اماں جی! یہ آسیہ کراچی جانے کی بات کر رہی ہے۔" شکیل بھائی اٹھتے ہوئے بولے
پھر میں کل ٹکٹ لیتا آؤں گا۔ پرسوں دن کی فلائٹ ٹھیک رہے گی۔ اسی حساب سے تم تیاری کر لینا۔

"شکریہ بھائی! آپ میری کسی بات سے ناراض تو نہیں ہوئے؟" اس نے اندر ہی اندر مطمئ
شکیل بھائی نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا پھر کمرے سے نکل گئے۔

وہ جانتی تھی۔ بھائی' بھابھیاں سب اس سے بہت محبت کرتے ہیں اور یہ بھی ان کی محبت ہے
کو نیا خوبصورت موڑ دے کر چاہتے ہیں کہ وہ فوری طور پر اپنے ساتھ ہونے والے المیے کو فراموش
زندگی گزارے اس میں ان کوئی غرض پوشیدہ نہیں ہے لیکن وہ کیا کرتی' اپنے المیے کو فراموش کر
اس کے لیے یہ ساری باتیں سوچنا فی الحال بہت مشکل تھا۔ جو شکیل بھائی چاہتے تھے اور جو چلتے
بار بار سمجھاتی رہی تھیں اور وہ جانتی تھی آگے خلیل بھائی' میمونہ بھابھی اور عدیل بھائی بھی ایک
گے۔ اس کے لیے اس نے خود کو اسی وقت سے تیار کرنا شروع کر دیا تھا جب جہاز نے فضا میں بلند
کو دھندلا دیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

پورے چھ مہینے بعد وہ گھر آئی تھی۔ میمونہ بھابھی کے ساتھ بچے بھی شدت سے منتظر تھے ا
بیٹیوں کو دیکھنے کا اشتیاق زیادہ تھا۔

"مجھے سیما بھابھی نے فون پر ہی بتایا تھا کہ بہت پیاری بیٹیاں ہیں اور بالکل ایک جیسی۔" م
کمبل میں لپٹی بچی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ پھر اماں جی کی گود میں سوئی بچی کو دیکھ کر کہنے لگیں۔ "
ہے۔ لیکن شکر ہے ایک کے گال پر تل ہے ورنہ پہچاننا مشکل ہوتا۔"

"دہ تل نیچرل نہیں ہے۔ سیما بھابھی روزانہ کاجل سے بنا دیتی تھیں اور مجھے بھی ابھی تو اس
صباحت ہے۔" اس نے قریب کھڑے عمر کو اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلو ہمیں بھی پتا چل گیا کہ یہ صباحت ہے اور یہ ۔۔۔؟"

"مدیحہ۔"

"ماشاء اللہ دونوں نام اچھے ہیں۔" میمونہ بھابھی تعریف کے ساتھ ہی اپنے مخصوص انداز میں
"اب ایسا کرو۔ دونوں کے گلے میں ناموں کے تعویذ ڈال دو تاکہ کسی دن اگر تل لگانا بھول جاؤ تو
جائے۔ ویسے آپس کی بات ہے۔ ایک سے ہی کام چل جاتا' دو۔"

"توبہ' اماں جی کا تو خیال کریں۔ اس نے ان کے بازو میں چٹکی کاٹ کر گھورا پھر بھی وہ باز نہیں
بازو سہلاتے ہوئے بولیں۔

"دو اکٹھے مانگے تھے تو ایک بیٹا مانگ لیتیں۔ کیوں اماں جی؟"

مرضی۔" اماں جی ان کی طرف متوجہ نہیں تھیں بس بیٹے کا سن کر جواب دے دیا۔
اماں جی نے تو بات ہی ختم کر دی۔"
گئے
بس اب آپ بھی اٹھ جائیں' مدتیں ہو گئیں آپ کے ہاتھ کی چائے پیے ہوئے۔" اس نے کہا۔
بات کہہ کر تو تم نے خلیل کی بہن ہونے کا پکا پکا ثبوت دے دیا ہے۔" میمونہ بھابھی برا مانتے ہوئے اٹھ
ہوئیں۔ "تمہارے بھائی صاحب ہر ایک گھنٹے کے بعد یہی بات کہہ کر چائے مانگتے ہیں۔"
ارے آپ تو ناراض ہو گئیں۔ چلیں میں مدتوں بعد آپ کو اپنے ہاتھ کی چائے پلاتی ہوں۔" وہ اٹھنے
میمونہ بھابھی نے روک دیا۔
تم بچوں کو دیکھو اور یہ عمیر صاحب جو اتنے شریف بن کر بیٹھے ہیں' ذرا اس کا خیال رکھنا' نظر بچاتے ہی
بچا لے گا۔"
اچھی!" اس نے عمر کو گدگدایا پھر اسے لے کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلیں آپ چائے بنائیں۔ میں اتنے میں
دیکھ لوں۔ میرا مطلب ہے بچیوں کا سامان نکال کر رکھ دوں۔ اماں جی۔ ذرا خیال رکھیے گا۔ میں آتی
"

کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک کر رک گئی۔ اور حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے بیڈ کے
بچیوں کے لیے بے بی کاٹ رکھا تھا اور اس کے سرہانے ٹیبل پر تھرماس' چھوٹے موٹے کھلونے اور وہ
جن کی بچوں کے لیے کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی ہے۔ پھر اس کی الماری کے ساتھ ایک چھوٹی الماری
ہی تھی۔ قدرے متجسس سی اس نے عمر کو بیڈ پر بٹھایا اور الماری کھول کر دیکھنے لگی۔ چھوٹے چھوٹے
ہینگرز پر لٹکے تھے اور بڑے پیکٹ میں غالباً ان کے کمبل وغیرہ تھے۔
سب کون لایا ہے؟" اس نے سوچا تھا کہ میمونہ بھابھی چائے لے کر آ گئیں اور انہیں دیکھتے ہی اس نے
ل کر دیا۔
تمہارا دھیان کس کی طرف گیا تھا؟" میمونہ بھابھی نے جس انداز سے پوچھا اس سے وہ سمجھ کر بولی۔
شاہ سکندر کی طرف اگر جاتا تو میں فوراً سب اٹھا کر پھینک دیتی۔"
پھر تم نے کون لایا ہے کا سوال کیوں اٹھایا؟" میمونہ بھابھی نے چائے کا کپ اسے تھمایا۔
کوئی غلط بات تو نہیں کی میں نے۔ آپ اپنے کمرے میں کوئی نئی چیز دیکھیں گی تو پوچھیں گی نہیں کہ کس نے
ہے۔ یا آپ کو صرف چیز سے مطلب ہوگا' کون لایا ہے سے مطلب نہیں۔" وہ رسان سے کہتی عمر کے پاس

لاجواب کر دیتی ہو' خیر یہ الماری عدیل لایا ہے۔ بے بی کاٹ میں لے کر آئی تھی۔ کپڑے بھی کچھ وہ اور کچھ
الماری کے اوپر جو بیگ رکھا ہے وہ جدہ سے بڑے بھیا نے بھجوایا ہے۔" میمونہ بھابھی نے ایک ہی سانس
بتا دیا۔
رے وہ بیگ تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ اس میں کیا ہے؟"
سب' یعنی کپڑے کھلونے وغیرہ' ساتھ میں بڑے بھیا کا لمبا چوڑا خط بھی تھا جس میں انہوں نے لکھا ہے
نبیلہ کی بات سن گئی جو یہاں سے نکلتے ہوئے اس نے کہی تھی کہ اس گھر میں ایک لڑکی بھی ہے۔ جو کچھ
ساتھ ہوا وہ اس کے آگے آئے گا۔ اب پتا نہیں نبیلہ نے ایسی کوئی بات کی تھی یا نہیں اس وقت ہم لوگ
تھے۔"
بھابھی اپنی دھن میں بول رہی تھیں معاً اس پر نظر پڑی تو ایکدم خاموش ہو گئیں۔
ہونٹوں سے لگائے گم صم بیٹھی تھی۔ پتا نہیں مگ میں چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی یا اسے جلنے کا
ہو رہا تھا۔
تم کس خوشی میں اتنے مہینے اسلام آباد رہ گئیں؟" میمونہ بھابھی نے موضوع بدلتے ہوئے اس کے

ہاتھوں سے مگ لے لیا تو وہ چونک کر بولی۔
"بس شکیل بھائی نے نہیں آنے دیا۔ ابھی بھی روک رہے تھے۔"
"کیوں؟"۔ میمونہ بھابھی نے کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"بتاؤں گی کسی وقت اطمینان سے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلیں اماں جی کے پاس' بچے تنگ کر رہ[ے ہوں گے] انہیں۔"
"تم چلو۔ میں سالن چڑھا کر آتی ہوں۔" میمونہ بھابھی نے کمرے سے نکلتے ہی کچن کا رخ کیا اور وہ [اماں جی کے] پاس چلی گئی۔

✈ ✈ ✈ ✈

شاہ سکندر' پہلے کی طرح اپنے کسی کام سے کراچی آیا تھا۔ اور گو کہ آسیہ کی زندگی سے نکلتے ہی اس [نے] یہ عہد کیا تھا کہ وہ اب کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کرے گا نہ اس کے بارے میں جاننے کی سعی کرتے ہوئے اس کے پیش نظر اپنے نہیں آسیہ کا مفاد تھا کہ وہ اسے خواب سمجھ کر بھول جائے اور ا[پنی] راہیں تلاش کرلے اور اس کے خیال میں یہ اسی وقت ممکن تھا کہ وہ اس کی فضاؤں تک سے ناتا توڑ [کر] ثابت کردے۔ ورنہ اپنی ہر سانس کے ساتھ وہ اسے محسوس کرتی رہے گی۔ پتا نہیں اسے یہ یقین کی[وں تھا کہ وہ] کبھی اس سے نفرت نہیں کرسکے گی اور اس یقین میں جانے اس کا ہی زعم تھا یا اس لڑکی کے دل کی زی[ادہ] گہرائی سے چھو آیا تھا۔ کچھ بھی تھا یہاں بہرحال وہ خود غرض نہیں ہوا تھا کہ وہ ساری زندگی اس کے سہارے گزار دے۔ اس کے برعکس جیسے وہ خود مہرالنساء کے ساتھ کمپرومائز کرکے زندگی کی گاڑی [چلا رہا تھا] اس کے لیے بھی ایسا ہی چاہتا تھا۔
اس لیے اپنے آپ کو بھی اس نے خاصا پابند کرلیا تھا۔ گو کہ اس تمام عرصے میں تڑپتے مچلتے دل کو [کبھی] قرار نہیں آیا تھا اور کسی کسی وقت تو دل چاہتا کہ ساری بندشیں توڑ کر بس اس کی ایک جھلک دیکھ آ[ئے۔] راستوں سے ہی اس کا احوال پوچھ آئے جن پر کبھی وہ اس کے ساتھ تھی' لیکن خود پر جبر کرکے اب ت[ک اپنے] عہد پر قائم تھا۔ اور شاہ پور سے چلتے ہوئے اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ اپنا کام نمٹا کر فوراً" واپسی کی راہ [لے گا۔ لیکن] کراچی کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہ سب بھول گیا۔ یہ بھی کہ کس کام سے آیا ہے۔ بس مختلف سڑ[کوں پر] دوڑاتا رہا۔ یہ اس کے اندر کا اضطراب تھا جو اسے کہیں رکنے نہیں دے رہا تھا۔
یہاں میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا اور پہلی نظر میں ہی وہ دل میں اتر گئی تھی۔
یہاں وہ میری گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہوئی تھی۔
یہاں میں اسے پہلی بار لے کر آیا تھا اور اسی وقت اپنے دل کا احوال سنا کر میں نے اسے یہ یقین [دلایا تھا کہ] اس کے مقصد کی راہ میں حائل ہونے کی بجائے ہمیشہ اس کے ساتھ چلوں گا۔
وہ ایک ایک راستے پر رک کر ان لمحات کو آواز دے رہا تھا جن کے بارے میں اس نے گمان بھی نہ[یں کیا تھا کہ] وہ اتنی جلدی ایسی یاد بن کر رہ جائیں گے جو ہمیشہ اسے تڑپاتی رہے گی۔ عجیب بے قراری کے ساتھ بے[کل] اور ایسی حالت میں اس نے کلفٹن کا رخ کیا تھا کہ راستے میں احمد حسن کا آفس دیکھ کر گاڑی وہیں رو[ک دی۔ اس] تمام عرصے میں اس نے کسی سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا جب ہی احمد حسن نے اسے دیکھتے ہی سخت [ناراضی کا] اظہار کیا۔
"خبردار مجھ سے کلام نہیں کرنا میں تمہاری دوستی پر فاتحہ پڑھ چکا ہوں۔"
شاہ سکندر یہی سمجھا کہ وہ اس کے انتہائی اقدام سے واقف ہو کر ایسا کہہ رہا ہے۔ جب ہی اس کے [سامنے] سر جھکا کر بیٹھ گیا جیسے اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے ساتھ ہر سزا کے لیے تیار ہو۔
"آخر کن چکروں میں الجھے ہو۔ کہیں ملتے ہی نہیں۔ تمہارے گھر فون کر کرکے تھک چکا ہوں۔ [اور تم] آسیہ بھابھی کو لے کر نہیں آئے۔" احمد حسن کی آخری بات پر وہ سر اونچا کرکے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟۔" احمد حسن ٹھٹھک گیا۔ "آسیہ بھابھی تو ٹھیک ہیں ناں اور تم تو غالباً" بابا جان کو منانے گئے [تھے] بابا ابھی تک اسی کوشش میں لگے ہو۔؟"
"کیا واقعی تم نہیں جانتے؟۔" اس نے غیر یقینی سے پوچھا۔
"کیا۔ کیا نہیں جانتا؟۔" احمد حسن جلد جاننے کو بے چین ہوگیا۔
"بس یار! زندگی کا وہ سفر جو میں نے آسیہ کے ساتھ شروع کیا تھا وہ ختم ہوگیا۔ حالانکہ میں کمزور نہیں تھا۔ مگر [میں ہار گیا] تھا۔ لیکن اس لڑائی میں بابا جان نے آسیہ کو گھسیٹ کر مجھو میرے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے تھے اور اگر میں [ہتھیار] نہ ٹیکتا تو آسیہ کے ساتھ اس کے گھر والے بھی بابا جان کے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔" وہ بہت دل [گ]رفتہ لگ رہا تھا۔
احمد حسن سناٹے میں آگیا تھا۔
"میرے لیے کچھ مشکل نہیں تھا کہ میں آسیہ کو لے کر کہیں بہت دور نکل جاتا۔ جہاں تک بابا جان کی رسائی [ممکن] ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس کے گھر والے بے موت مارے جاتے اور یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔ آسیہ تو اس [ڈر] سے ہی مر جاتی پھر بتاؤ کیا رہ جاتا۔"
وہ اپنی نظروں کے سامنے پیپرویٹ کو گھماتا ہوا بول رہا تھا۔
"رہا تو اب بھی کچھ نہیں' لیکن کچھ نہ ہونے میں کم از کم یہ اطمینان تو ہے کہ وہ اپنی زندگی میں آج نہیں تو کل [تک] ایڈجسٹ ہوجائے گی کیونکہ وہ جذباتی لڑکی نہیں ہے۔ جو یادوں کے سہارے عمر بتا دے بلکہ شاید وہ تو رونے [دھونے] میں بھی وقت ضائع نہیں کرے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے دکھ نہیں ہوگا۔ یہ دکھ وہ اسی طرح [سنب]ھال کر رکھے گی جیسے خوشیاں۔ اور اپنے لیے جس راستے کا انتخاب کرے گی وہ انہیں ساتھ لے کر چلے گی لیکن [انہیں اپنی] راہ میں حائل نہیں ہونے دے گی۔"
"اتنا جانتے ہو اسے؟۔" احمد حسن سناٹے میں ہی بولا تھا۔
"شاید اس سے بھی زیادہ۔" اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ مچلی تھی۔
کتنی دیر خاموشی چھائی رہی۔ جب احمد حسن سناٹے سے نکلا تب بھی کچھ نہیں بولا۔ چاہنے کے باوجود اسے [تسلی کی کوئی با]ت بھی نہیں کرسکا کیونکہ وہ بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔
"ہم۔" شاہ سکندر ایکدم خیال آنے پر کچھ سوچتے ہوئے انداز میں اسے مخاطب کرکے پوچھنے لگا۔ "تمہیں احمد [حس]ن ان ساری باتوں کی خبر کیوں نہیں ہے؟ کیا ان کی طرف سے کسی نے نہیں بتایا؟۔"
"ملاقات ہی نہیں ہوئی کسی سے۔" احمد حسن نے سمجھ کر بھی سرسری انداز میں کہا۔
"کیا مطلب۔ وہ جو نائلہ کا سلسلہ شروع ہوا تھا؟۔"
"بس اسی وجہ سے تو میں بھی فون وغیرہ کرنے سے رہ گیا۔ ورنہ تمہارے بارے میں معلوم کرنے کے لیے میں [آسی]ہ بھابھی یا عدیل صاحب کو فون کرسکتا تھا۔ کئی بار سوچا پھر اس خیال سے رہ جاتا کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس [معاملے] میں نائلہ کے سلسلے کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں اور ادھر سے بھی دوبارہ کوئی نہیں آیا جس کا مطلب صاف ظاہر [ہے] کہ۔" احمد حسن احساس ہونے پر کندھے اچکا کر رہ گیا۔
"میری وجہ سے ناں۔ لیکن احمد حسن! اس میں تم سب کا کیا دوش۔؟"
"تمہارا پرپوزل لے کر تو ہم ہی گئے تھے۔" احمد حسن نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور ہنسا بھی جس سے [ہماری] پوزیشن خاصی آکورڈ ہوگئی۔ جیسے وہ ہمیشہ سے مشکوک رہا ہو۔
"تم ان یار! نائلہ کے لیے کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو۔" احمد حسن اسے جز بز ہوتے دیکھ کر بولا تھا۔
"ہوں۔ کمی تو واقعی نہیں ہے لیکن۔ خیر یہ بتاؤ کیسی ہے نائلہ اور آنٹی؟۔" وہ بات بدل گیا۔
"چلو چل کر خود ہی دیکھ لو۔" احمد حسن فوراً" گھر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔
"نہیں یار! اس وقت میں ان کا سامنا نہیں کرسکتا بلکہ شاید کبھی بھی نہ کرسکوں۔"

"کس کس کا سامنا نہیں کرو گے؟" احمد حسن بے اختیار کہہ گیا پھر فوراً اپنی بات سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ "تمہارا جرم واقعی بہت بڑا ہے سکندر! لیکن قابل معافی یوں ہے کہ اس میں تمہارا بھی اتنا ہی نقصان ہوا ہے جتنا آسیہ بھابھی کا۔ میں نے امی کو تمہارے حالات بتا دیئے تھے اور وہ خفا ہوئی تھیں تو اس بات پر کہ تم نے انہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔ مجھے بھی تم سے یہی گلہ ہے۔ سخت غلطی کی تم نے یہ ہو سکتا تھا کہ ہم سب مل کر کوئی راستہ نکال لیتے لیکن تم نے غیریت برت کر خود پر ظلم کیا۔ بہرحال اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ تمہاری قسمت۔"

"میں قسمت کو دوش نہیں دیتا۔" اس نے ٹوک دیا۔

"چلو باقی باتیں گھر چل کر کریں گے۔" احمد حسن اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود زبردستی اسے بھی اٹھا لے گیا تھا۔

❋ ❋ ❋ ❋

احمد حسن کے گھر آ کر اس تمام عرصے میں پہلی بار اسے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع ملا تھا۔ جس پر اسے احساس ہوا کہ اتنا عرصہ اس نے اتنے اچھے دوست سے کوئی تعلق نہ رکھ کر ایک اور غلطی کی ہے۔ شاید کوئی ایک فرد ایسا نہیں تھا جسے اس سے ہمدردی ہوتی۔ جب ہی وہ ایکدم سے تنہا ہو گیا تھا۔ اگر جہاں دکھاوے کو ہی اس سے لگاوٹ کا مظاہرہ کرتے جیسے پہلے کرتے آ رہے تھے تو ان سے بھی کہہ سن کر بہت اس کے دل کا غبار نکل سکتا تھا لیکن وہ بھی اس مقام پر اسے اکیلا چھوڑ گئے تھے۔ شاید اس لیے کہ ان کا چور تھا۔ بہرحال احمد حسن کے گھر آ کر اسے بہت سکون ملا تھا۔ بس کچھ دیر آنٹی نے خفگی کا اظہار کیا۔ اور نئے سرے سے اسی کی زبانی اس کی رام کہانی سن کر کتنی دیر تک افسوس کا اظہار کرتی رہیں۔

"تمہارے ماں باپ کو اتنی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خود بیٹیوں والے ہیں اور دوسرے کا ذرا احساس نہیں کیا۔ بے شک اسے شاہ پور نہ بلاتے۔ یہیں بسنے دیتے اور انہوں نے تو تمہارا بھی خیال نہیں کیا۔ بہرحال بہت افسوس ہوا۔ گھر نہیں اجڑنا چاہیے تھا۔ آسیہ اپنے ماں باپ کی ایک ہی بیٹی ہے۔ ہو گا انہیں۔"

"مجھے تو آسیہ باجی کا خیال آ رہا ہے۔ وہ تو بہت اچھی ہیں۔ اتنی محبت کرنے والی۔" نائلہ سچ مچ رونے لگی۔ شاہ سکندر اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گیا۔

"نائلہ! یہ کیا حماقت کر رہی ہو۔" احمد حسن نے اسے ٹوک دیا۔ "سکندر پہلے ہی پریشان ہے تم تو مزید۔"

"یہ ہمیشہ پریشان رہیں گے۔ لکھ لیجئے آپ۔ کہیں سکون نہیں ملے گا انہیں۔" نائلہ کسی طرح خود پر قابو نہ پا سکی۔ چیخ کر کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

"سوری یار! وہ۔" احمد حسن نادم ہو کر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ روک کر بولا۔

"نہیں۔ مجھے برا نہیں لگا۔ یہ باتیں سننے کے لیے تو مجھے بہت پہلے یہاں آنا چاہیے تھا۔"

"میں چائے لاتی ہوں۔" آنٹی اٹھ کھڑی ہوئیں پھر اس سے پوچھنے لگیں۔ "تم آج ہی شاہ پور جاؤ گے؟"

"جانا تو آج ہی تھا لیکن میرا کام رہ گیا ہے۔ اب کل جاؤں گا۔" وہ بتا کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے پھر یہیں رک جانا۔ ہوٹل وغیرہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" آنٹی کہہ کر چلی گئیں تو وہ احمد حسن کو دیکھ کر بولا۔

"رہنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے یار! آنٹی نے خوامخواہ۔۔۔"

"کوئی خوامخواہ نہیں۔ بس آرام سے بیٹھو اور ہاں وہ اپارٹمنٹ تو چھوڑ دیا ہو گا تم نے؟" احمد حسن نے خیال آنے پر پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے چھوڑنے سے پہلے آسیہ کے نام سے خرید کر اسے گفٹ کر دیا تھا۔" جواب دیتے ہوئے اس کی نظروں میں اس شام کا منظر تھا جب اس نے آسیہ کو لفافہ تھمایا تھا۔

"یہ تم نے اچھا کیا۔ لیکن میرا خیال ہے وہاں کوئی ہے نہیں کیونکہ اس تمام عرصے میں، میں دو بار

اور کسی نے ریسیو نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کرائے پر بھی نہیں دیا گیا۔"

"ہوں۔" اس نے غائب دماغی سے سر ہلایا تھا۔

پھر اس رات کھانے کے بعد وہ کتنی دیر تک احمد حسن کے ساتھ آسیہ کی باتیں کرتا رہا۔ ماضی سے زیادہ اس کا مستقبل موضوع تھا۔ جس پر احمد حسن نے اسے ٹوک دیا کہ اسے اب اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کا اب کوئی ناتا نہیں رہا۔

"ایک ناتا ہے احمد حسن! وہ میرے بچے کی ماں ہے۔" اس نے جتا کر کہا تو احمد حسن اپنی جگہ اچھل پڑا۔

"واقعی۔ تم نے پہلے نہیں بتایا' عجیب آدمی ہو یار۔ سوچ سوچ کر انکشاف کر رہے ہو۔ ارے اس بچے کے لیے تو تم ان سے مل بھی سکتے ہو۔"

"ہاں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کی زندگی میں میری کسی بھی قسم کی مداخلت اسے دکھ دے گی اور اسے دکھ دینے کا تو میں نے پہلے بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر بچہ اس کے لیے پرابلم ہو تو وہ اپنی خوشی سے اسے مجھے سونپ دے۔ میں خود سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ بچے کی خاطر وہ اپنی زندگی تیاگ دے۔ پتا نہیں احمد حسن میں اس کے بارے میں کیا کیا سوچتا رہتا ہوں۔" وہ اپنے جذبوں کو اب کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

"بس کرو یار! مجھے تو اب تمہاری فکر ہو رہی ہے کہ کسی دن کپڑے پھاڑتے ہوئے ویرانوں میں نہ نکل جاؤ۔" احمد حسن چکرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جاؤ شب بخیر!" اس نے بیک پر سر ٹکا دیا اور یونہی بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا۔

صبح وہ احمد حسن کے ساتھ ہی گھر سے نکلا تھا۔ اسے ایک تو پورٹ جانا تھا۔ دوسرے کھاد کی ایجنسی میں مینجر سے کام تھا اور کیونکہ مینجر کا گیارہ بجے سے پہلے ملنا متوقع نہیں تھا اس لیے وہ پہلے پورٹ چلا گیا۔ جہاں سے اس کی واپسی گیارہ بجے کے قریب ہی ہوئی تھی۔ پھر مینجر سے وہ دس منٹ بات کر کے فارغ ہو گیا تو دوپہر کے کھانے تک گھر پہنچنے کا سوچتے ہوئے گاڑی میں بیٹھا تھا۔ اس شہر کی رونقیں ویسی ہی تھیں۔ مناسب اسپیڈ سے گاڑی دوڑاتے ہوئے اسے پھر ایک ایک بات یاد آنے لگی تو ونڈ اسکرین پر بس اس کی نظریں جمی رہ گئی تھیں۔ ذہن کے پردوں پر چلتی فلم نے شہر کی رونقوں کو دھندلا دیا تھا۔ اور وہ اپنے راستے سے بھی بھٹک گیا تھا۔ کبھی اس سڑک کبھی اس سڑک اور اسے احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں تو شاید وہ شاہ پور پہنچ جاتا جبکہ ابھی شہر سے بھی نہیں نکلا تھا اور جانے کب تک اسی طرح بھٹکتا رہتا اگر جو قریب سے گزرتے دیو ہیکل ٹرک کے زوردار ہارن سے اس کے ذہن کو جھٹکا نہ لگتا۔ وہ بری طرح چونکا تھا اور عین وقت پر کہ سامنے روڈ کراس کرتی لڑکی جس طرح مگن ہو کر چل رہی تھی وہ اگر بروقت بریک نہ لگاتا تو ایکسیڈنٹ یقینی تھا۔

"او گاڈ!" دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر اس نے سر کو زور سے جھٹکا پھر تھکے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنے کی خاطر وہ گاڑی بیچ سڑک سے نکال کر کنارے لے آیا اور سیٹ کی بیک سے سر ٹکایا تھا کہ نظروں کے عین سامنے سردیوں کی چمکتی ہوئی دھوپ میں کھڑی آسیہ پر پہلے تو اسے وہم کا گمان ہوا لیکن دوسرے پل یقین ہوتے ہی وہ بے اختیار گاڑی سے اتر کر اس کے پاس گیا اور اسی بے اختیاری سے پکارنا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"اچھا طریقہ ہے' پہلے لڑکیوں کو گاڑی سے ہراساں کر کے بے ہوش کرنا پھر اٹھا کر ہاسپٹل لے جانا۔ آپ تو پرانے کھلاڑی ہیں پھر وہ لڑکی بچ کیسے گئی؟" اس کا طنز آمیز لہجہ سیدھا دل میں ترازو ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ یوں جم گیا جیسے پتھر ہو گیا ہو۔

"شاہ سکندر حیات! آپ کے گاؤں میں بھی تو لڑکیاں ہوتی ہوں گی پھر کھیل کا انتخاب آپ شہر آ کر کیوں کرتے ہیں۔ وہ بھی محبت کا فریب دے کر۔ ہونہہ' بظاہر اجلی شخصیت کے اندر کتنا گھناؤنا انسان چھپا ہے۔ کاش میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتا سکتی۔" اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور لہجے میں حد درجہ تنفر سمٹ آیا تھا۔

"تم جتنی چاہو مجھ سے نفرت کرو لیکن میرے کردار۔۔۔" وہ بمشکل بولنے پر آمادہ ہو کر ابھی اسی قدر کہہ
وہ نخوت سے بولی۔

"کیا کردار ہے تمہارا، یہی کہ شکار کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ اور یہ تم نے غلط کہا کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ سچ یہ ہے کہ تم میری نفرت کے بھی قابل نہیں ہو۔ اور ایک بات اچھی طرح سن لو کہ آئندہ مجھے دیکھ کر رکنا مت خواہ غلطی سے میں تمہاری گاڑی کے سامنے کیوں نہ آجاؤں بے شک روندتے ہوئے گزر جانا اگر یہ نہ کر سکو تو اس شہر میں آنا چھوڑ دو۔"

"تم کہو تو میں جینا چھوڑ دوں؟"

"شٹ اپ۔ ایسے گھٹیا مکالمے کسی اور کے سامنے بولنا۔" وہ پیر پٹختی مخالف سمت تیز تیز قدموں سے چل پڑی تھی۔

شاہ سکندر نے اس کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا اور سوچنے کی حد تک تو یہ سب بہت اچھا تھا کہ وہ اس سے نفرت کرے، دیکھ کر منہ موڑے اور اپنی زندگی جئے وغیرہ وغیرہ لیکن اب حقیقت میں اس اظہار نے اس کا مزاج بگاڑ دیا تھا۔ مزید اس کے طرز تخاطب پر وہ تلملا رہا تھا۔ کتنی دیر وہیں کھڑا اس کے پیچھے دیکھتا رہا پھر گاڑی میں بیٹھ کر تیزی سے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اس کے بارے میں اپنی گزشتہ تمام سوچوں کی نفی کر رہا تھا۔

◆ ◆ ◆ ◆

وہ گھر آتے ہی واش روم میں بند ہو گئی۔ کیونکہ خود پر قابو پانے کی وہ ساری کوششوں میں ناکام ہو رہی تھی۔ اسے لگا جیسے ہی اماں جی یا ابا جی کا سامنا ہوا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گی۔ گو کہ وہ ان سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن شاہ سکندر کے ذکر کے ساتھ رو کر وہ خود کو کمزور بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھو کر نکلی اور ہاتھوں سے چہرہ تھپتھپاتی ہوئی اماں جی کے کمرے میں آ کر پہلے صباحت کو دیکھا پھر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"دو بچیوں کی دیکھ بھال آپ کے لیے مسئلہ ہو گئی اماں جی! میں جلد ہی کسی آیا کا انتظام کر دوں گی۔ میری جاب ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالوہاب نے کل سے بلایا ہے۔"

"تم بے شک نوکری کرو۔ میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے کیا میں نے دو دو بچے نہیں سنبھالا۔ جب سیما یہاں تھی تو سمیعہ اور سونیا دونوں میرے پاس ہوتی تھیں۔" اماں جی کو ایک تو اس کی نوکری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی دوسرے اس کی بات بھی ناگوار گزری تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے اماں جی! لیکن ان کے اوپر کے کام کرنے کے لیے تو کوئی ہونی چاہیے۔ آپ منع نہ کریں میں اپنی روٹین سیٹ کر لوں پھر پہلا کام یہی کروں گی۔"

"اچھا جاؤ۔ پہلے کھانا کھاؤ۔" اماں جی الجھنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"آپ نے کھا لیا؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں سب نے کھا لیا۔" وہ جواب سن کر ان کے کمرے سے نکلی اور کچن میں جاتے ہوئے میمونہ بھابھی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ عمر کو تھپک رہی تھیں اس پر نظر پڑتے ہی پوچھنے لگیں۔

"کیا رہا؟"

"وہی جو میں کہہ کر گئی تھی کہ ڈاکٹر وہاب کے کلینک میں اگر جگہ نہ بھی ہوئی تب بھی وہ مجھے اپائنٹ کر لیں گے۔ کل سے میری ڈیوٹی شروع۔" اس نے بہت نارمل انداز میں بتایا۔

"ایک بات کہوں۔ یہ مرحلہ یعنی تمہیں جاب ملنے کا اگر تمہاری زندگی میں پہلے آیا ہوتا تو تم دروازے سے چلاتی ہوئی آتیں۔ اب تمہیں خوشی نہیں ہوئی یا اظہار کرنا بھول گئی ہو؟" میمونہ بھابھی نے کچھ شاکی لہجے میں کہا تو وہ دروازہ چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھی اور ایک نظر سوئے ہوئے بچوں کو دیکھنے کے بعد کہنے لگی۔

"میں آج بھی چلاتی ہوئی آتی مگر جو راستے میں شاہ سکندر نہ ملا ہوتا اسے دیکھ کر میرا موڈ خراب ہو گیا۔"

"تمہیں شاہ سکندر ملا تھا۔ کیا کہہ رہا تھا؟" میمونہ بھابھی حیران اور کچھ پریشان بھی ہو گئی تھیں۔

"نہیں مجھ سے ملنے نہیں آیا تھا۔ بس اتفاق سے سامنا ہو گیا۔ اور وہ بات کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے خاص طور پر رویہ اختیار کیا کہ وہ مایوس ہو گیا جس سے مجھے یقین ہے کہ آئندہ وہ ایسا اتفاق بھی نہیں ہونے دے گا۔" پھر کچھ توقف کے بعد کہنے لگی۔ "میں نے آپ کو بتا دیا ہے لیکن آپ ابھی کسی سے نہیں کہیے گا کیونکہ بھائی کا کچھ پتا نہیں، ہو سکتا ہے میرا گھر سے نکلنا ہی بند کر دیں اور میں اس کے ڈر سے چھپ کر نہیں بیٹھ سکتی۔ ہر حال میں کچھ کرنا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس نے اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تو؟" میمونہ بھابھی کا دل ایسے ہی بہت کمزور تھا۔

"اب اور کیا نقصان پہنچائے گا۔" اس کے لہجے میں دکھ بولنے لگا تھا کہ وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ "بہر حال یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ پریشانی کی بات۔ اس شہر میں اس کا آنا جانا ہمیشہ سے ہے۔ اس لیے سامنا تو ہو گا اور میں اس سے خائف نہیں ہوں۔"

"لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"آپ ہمیشہ سے ڈرپوک ہیں۔" وہ کہتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی۔

رات میں کھانے کے دوران اس نے ابا جی اور خصوصاً بھائیوں کے سامنے جاب ملنے پر قصداً خوشی کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت ان کے نزدیک صرف اس کی خوشی اہم ہے اور واقعی اسے خوش دیکھ کر سب کے چہروں پر اطمینان اتر آیا تھا۔

"کیا ٹائمنگ ہیں؟" عدیل بھائی نے پوچھا۔

"صبح نو سے شام پانچ بجے تک۔" اس نے بتایا۔

"پھر تو صبح تمہیں خود ہی جانا پڑے گا البتہ واپسی میں، میں تمہیں پک کر سکتا ہوں۔" عدیل بھائی نے کہا۔

"نو پرابلم بھائی! میں آ جا سکتی ہوں۔ بس آپ اماں جی کو سمجھا دیں۔ یہ ذرا سی دیر سویر پر پریشان ہو جاتی ہیں۔" خاموش بیٹھی اماں جی کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "آپ کو پتا ہے ایمرجنسیز کی صورت میں کتنی دیر ہو سکتی ہے اور میں اگر فون کر کے بتا بھی دوں گی تب بھی یہ ہولتی رہیں گی۔"

"آہستہ آہستہ خود ہی سمجھ جائیں گی بیٹا! ان کی تم فکر نہیں کرو۔ بس تم اپنا خیال رکھنا۔" ابا جی نے اس کا سر تھپتھپا کر کہا تھا۔

"میرا ہاتھ تھامنے سے پہلے سوچ لیجیے شاہ سکندر! کہ میں کوئی بہت عام سی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے خواب، میری خواہشیں صرف ایک خوبصورت گھر تک محدود نہیں ہیں۔ جس مقصد کے تحت میں نے تعلیم حاصل کی ہے اسے میں پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ میرے نزدیک یہ سراسر بددیانتی ہو گی۔"

جب پہلی بار شاہ سکندر نے اپنا ہاتھ پھیلا کر اس کا ہاتھ مانگا تھا تب اس نے کہا تھا۔ اور اس وقت حقیقتاً "اسے مستقبل بہت خوبصورت" بہت روشن نظر آتا تھا۔ گو کہ وہ بہت دور تک نہیں سوچتی تھی لیکن بہت ساری باتوں کو سوچنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہ بہت واضح تھیں اور اب اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا مستقبل بس وہاں تک تھا جہاں تک اسے واضح نظر آتا تھا اس میں سے بھی کتنا کچھ دھندلا گیا تھا۔ اور وہ دھند میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اس کے سامنے مدیحہ اور صباحت تھیں۔ جن کے نام اپنی زندگی کے اس نئے باب کو انتساب کرتے ہوئے وہ اپنی ذات کی نفی کر رہی تھی۔

صبح وہ اس خیال سے میمونہ بھابھی سے پہلے کچن میں جا پہنچی کہ اس وقت کا سارا کام وہ نمٹا جائے گی، لیکن میمونہ بھابھی فوراً ہی اس کے پیچھے آ گئی تھیں۔

"تمہیں تو غالباً آج ہاسپٹل جانا ہے پھر یہاں کیا کر رہی ہو۔ جاؤ اپنی تیاری کرو۔"

"میری تیاری میں کوئی وقت نہیں لگتا پھر مجھے اتنی جلدی بھی نہیں جانا لہٰذا آپ مجھے کام کرنے دیں اور اپنے بچے دیکھیں۔" وہ پتیلی چولہے پر رکھتے ہوئے سکون سے بولی۔

"اور ہمارے بچے؟" میمونہ بھابھی "بچے" کہتے ہوئے محظوظ ہوئیں۔

"انہیں اماں جی اذان کے وقت ہی اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ پتا نہیں رات میں ان کے بغیر سوتی کیسے ہیں
لگتا ہے اسی انتظار میں جاگتی رہتی ہیں کہ جلدی صبح ہو اور بچیوں کو اپنے پاس لے جائیں۔"
"جناب ہم نے بھی صرف بچے پیدا کیے ہیں۔"
"مجھے پتا ہے۔ میں کوئی باہر سے نہیں آئی۔" وہ ٹرے اتار کر اس میں کپ رکھتے ہوئے بولی۔
میمونہ بھابھی نے دوسرا چولہا جلا کر اس پہ توا رکھ دیا اور یونہی باتوں میں ناشتا تیار ہو گیا۔ اور جب بھابھی نے سب کو ناشتا پہنچایا اس نے پانی ابال کر تھرماس میں ڈالا اور فیڈرز دھو کر اماں جی کے کمرے میں گو کہ انہیں بچیوں کے بارے میں کچھ کہنے سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ وہ بھی جانتی تھی اس جب گھر سے نکلنے لگی تو ہدایات دینے سے باز نہیں آئی۔ ٹھنڈا دودھ نہیں پلانا۔ جب تک دھوپ نہ سے نہیں نکالنا فیڈر گرم پانی سے دھونا ہے وغیرہ وغیرہ۔
میمونہ بھابھی زور زور سے ہنسنے لگیں تب وہ جلدی سے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل کر آئی تو اسے پہلا کہ بہت ساری اور بہت محبت کرنے والی ہستیوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ تنہا ہو گئی ہے۔ جانے دو باقی تمام عمر پر بھاری کیسے ہو گیا تھا کہ اسے اپنا آپ نہ صرف خالی بلکہ غیر محفوظ بھی لگنے لگا تھا۔ پھر بقیہ اس خیال کی نفی کرنے میں لگی رہی تھی۔
"ڈاکٹر آسیہ شاہ" ڈاکٹر عبدالوہاب نے بقیہ اسٹاف سے اس کے تعارف میں ابھی اس قدر کہا تھا کہ پڑی۔
"اصلاح الدین۔ آسیہ اصلاح الدین۔"
"ہوں۔" ڈاکٹر وہاب نے کچھ چونک کر دیکھا پھر کہنے لگے۔ "یہ میری اسٹوڈنٹ بھی رہی ہیں۔ اور اسٹوڈنٹ تھیں مجھے یقین ہے اس سے اچھی ڈاکٹر ہوں گی۔"
"تھینک یو سر! آپ کے یقین کو سچ ثابت کرنے کے لیے میں پوری ایمانداری سے اپنی صلاحیتو کروں گی۔" اس نے کہا۔
"گڈ! اب آپ ڈاکٹر حارث سے چارج لے کر انہی کے ساتھ سیکنڈ فلور پر چلی جائیں' وہاں ڈاکٹر کے ساتھ ہوں گی۔" ڈاکٹر وہاب نے ڈاکٹر حارث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ ایک بار پھر ا کر کے ڈاکٹر حارث کے ساتھ چل پڑی۔
اور پھر دن بھر کی مصروفیت نے اسے تھکایا نہیں تھا بلکہ کسی نامعلوم شکنجے سے نکل کر کتنے عرصے نے ہاتھ پاؤں پھیلائے تھے تو بس کچھ دیر کی تکلیف تھی اس کے بعد آرام ہی آرام تھا۔ اور اس آ اسے اسی طرح مصروف رہنا تھا۔ ورنہ وہی تکلیف دہ شکنجہ اسے گرفت میں لینے کے لیے اس ہاسپٹل جگہ موجود تھا۔ کہ جب شاہ سکندر کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو وہ اسی ہاسپٹل میں تھی رہا اور یہیں اس۔ بھی دیکھا تھا یہ خیال اسے پہلے مرحلے پر ہی آیا تھا۔ اور بس وہی کچھ دیر کی تکلیف تھی اس کے بعد کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔
"سنو تم کیسے جاؤ گی؟" ڈیوٹی آف ہونے پر ڈاکٹر یاسمین نے اس سے پوچھا تو وہ گھڑی دیکھتی ہوئی
"میرا خیال ہے' میرے بھائی آئیں گے۔"
"اگر ان کا آنا کنفرم نہیں ہے تو میرے ساتھ چلو' میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔ بلکہ ایسا کرو آن منع کر دو کیونکہ تمہارا گھر میرے راستے میں پڑتا ہے۔ صبح آتے ہوئے بھی میں تمہیں پک کر لیا کروں یاسمین کی پیشکش پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"کیا تمہارے گھر والوں کو اعتراض ہو گا میرے ساتھ آنے جانے پر؟" ڈاکٹر یاسمین نے اسے پوچھا۔
"نہیں انہیں تو اعتراض نہیں ہو گا البتہ تمہیں زحمت ہو گی۔"
"زحمت کیسی۔ میرا راستہ ہی وہی ہے اور تمہارا وزن بھی کوئی منوں کے حساب سے نہیں ہے جو

پہنچنے کا اندیشہ ہوا۔" ڈاکٹر یاسمین نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
"اچھا ٹھیک ہے۔ میں آج بھائی کو منع کر دوں گی۔ پھر کل سے تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"
"صرف جاؤں گی نہیں۔ صبح پونے نو بجے تم مجھے اپنے گیٹ پر کھڑی ملنا۔ او کے خدا حافظ۔"
ڈاکٹر یاسمین ہاتھ ہلا کر چلی گئی تو اس نے عدیل بھائی کو دیکھنے کے لیے پہلے کوریڈور میں جا کر نیچے جھانکا پھر اپنا اور گاؤن وغیرہ اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی کہ لفٹ کے قریب کھڑے ڈاکٹر وہاب نے اشارے سے بلا لیا۔
"یس سر!" وہ تیز قدموں سے ان کے پاس آ گئی۔
"تم اوپر تو نہیں گئی ہو گی چلو تمہیں۔" ڈاکٹر وہاب لفٹ میں داخل ہو گئے تو اس نے بھی تقلید کی اور تھرڈ فلور پر اس نے دیکھا چار سے بارہ سال تک کے بچے جو پیدائشی معذور نہیں تھے بلکہ معمولی بیماریوں میں لاپروائی نے اس حال کو پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر وہاب اسے ایک ایک بچے کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اسپیشل وارڈ نکل کر آگے لائن سے چار کمرے تھے۔ اور پہلے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نما آواز نکلی تھی۔
"نبیل!"
ڈاکٹر وہاب رک کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ لپک کر نبیل کے پاس پہنچی اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر چومنے لگی
"پھوپھو! میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اماں جی کے پاس۔" نبیل کی معصوم عاجزی پر وہ تڑپ گئی۔
"ہاں بیٹا! میں آپ کو لے جاؤں گی۔" وہ نبیل کو یقین دلا کر ڈاکٹر وہاب کی طرف پلٹ کر ان سے کہنے لگی۔ "سر میرا بھتیجا ہے۔ مجھے نہیں معلوم یہ اس حال تک کیسے پہنچا۔ اس کی مدر اسے اپنے ساتھ لے گئی تھیں اس کے بعد پتا نہیں سر اس کے ساتھ کیا ہوا۔ آپ مجھے اس کی کیس ہسٹری بتائیں گے۔ اور یہ کب سے یہاں ہے؟"
"سب بتاؤں گا۔ ابھی تم بچے کے پاس بیٹھو' یہ روزانہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں جلدی اسے ٹھیک کر دوں تا کہ یہ اپنی پھوپھو کے پاس جا سکے۔ شاید یہ تم سے زیادہ مانوس ہے۔" ڈاکٹر وہاب نے کہا۔
وہ سر ہلا کر نبیل کو دیکھنے لگی' اسے حقیقتاً بہت دکھ ہو رہا تھا۔ زیادہ اس بات کا کہ نبیلہ بیگم نے محض ضد میں بچے کو اس حال تک پہنچا دیا تھا۔ اگر شروع ہی میں اسے اماں جی کے پاس چھوڑ جاتیں تو اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔
"آپ پہلے میرے پاس کیوں نہیں آ گئے بیٹا؟" ڈاکٹر وہاب کے جاتے ہی وہ نبیل پر جھک گئی۔
"ممی کہتی ہیں جب میں چلنے لگوں گا تب وہ مجھے آپ کے پاس بھیجیں گی۔" نبیل کا وہی سادہ و معصوم انداز تھا۔
"آپ بہت جلدی چلنے لگو گے اور میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔" معاً خیال آنے پر اٹھتے ہوئے
"آپ کے عدیل چاچا آ گئے ہوں گے۔ میں انہیں لے کر آتی ہوں۔"
"عدیل چاچا!" نبیل خوش ہو گیا تو وہ اس کے گال تھپکتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ لفٹ مصروف تھی۔ اس نے انتظار نہیں کیا اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔
عدیل بھائی جانے کب سے آئے بیٹھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔
"سوری بھائی! آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" وہ معذرت کرتی ہوئی کہنے لگی۔ "میں فارغ تو پانچ بجے ہی ہو گئی تھی لیکن۔ چلیں آپ خود دیکھ لیں۔"
"کیسے؟" عدیل بھائی آفس سے آ رہے تھے۔ اس لیے ان کا انداز تھکا تھکا تھا۔
"نبیل کو' وہ یہاں ایڈمٹ ہے۔ میں نے بھی ابھی دیکھا ہے اسے۔" وہ انہیں نبیل کے بارے میں بتاتی ہوئی
اوپر آئی تو انہیں بھی نبیل کو دیکھ کر خاصا دھچکا لگا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اس بچے پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا نہ ۔۔۔ کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچا۔ اس کے برعکس ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کرنے کے ساتھ یہ یقین بھی ۔۔۔ کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے کیونکہ اس کی یہی تکرار تھی۔
"میں احمر اور سونیا کے ساتھ کھیلوں گا۔ اور وہ چھوٹا سا عمر وہ بھی میرا بھائی ہے ناں؟" اس کے ذہن میں عمر

غالبا" ابھی وہ ہی دو تین ماہ کا تھا۔
"بیٹا! عمرے چھوٹی دو گڑیاں اور ہیں۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ پھر وہ دونوں ہم آپ کو دے دیں گے، ہیں ہی آپ کی۔" عدیل بھائی نے اسے اشتیاق دلاتے ہوئے کہا۔
"سچ پھوپھو!" وہ شروع سے ہر بات کی تصدیق اسی سے کرواتا تھا۔
"ہاں بیٹا اور اب آپ آرام کرو۔ گھبرانا بالکل نہیں، ہم روزانہ آپ کے پاس آئیں گے۔ اور میں تو شام تک یہیں رہوں گی ٹھیک ہے اب ہم جائیں؟۔"
بچیوں کے ذکر پر وہ کچھ بے چین سی ہو گئی تھی جب ہی نبیل کو تسلّی دے کر عدیل بھائی کو اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔
راستے میں عدیل بھائی اور اس نے یہ طے کیا تھا، کہ فی الحال گھر میں نبیل کا نہیں بتائیں گے کیونکہ پوتا ہونے کے ناتے وہ اماں جی کو سب بچوں میں زیادہ پیارا تھا۔ اور یہ بتا کر وہ ہاسپٹل میں ہے اماں جی کو پاس جانے سے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ اور اسے دیکھ کر اماں جی کی جو حالت ہونی تھی اس کے پیش نظر ہی دونوں نے یہ طے کیا تھا۔
"آج پہلے دن ہی ایمرجنسی لگ گئی تھی کیا؟۔" میمونہ بھابھی نے اس کی دیر سے آمد پر کہا تو اس سے پہلے بھائی بول پڑے۔
"نہیں۔ ہم لوگ ذرا گھومنے پھرنے نکل گئے تھے۔ بڑا مزہ آیا۔ آپ نہیں تھیں ناں اس لیے۔"
آسیہ بے ساختہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دباتی اماں جی کے کمرے میں آ گئی۔ ایک بچی ان کی گود میں دوسری اس نے بازوؤں میں بھر کر سینے میں چھپالی۔ بڑا خوبصورت احساس تھا جو زندگی کی ساری تلخیوں کو پیچھے دھکیل دیتا تھا۔

❚ ❚ ❚ ❚

شاہ سکندر ایک بار پھر احمد حسن کے سامنے بیٹھا تھا اور اس بار اس کے لہجے اور انداز میں وہ بے اختیاری تھی۔ پہلے کے برعکس بہت سنبھل کر بول رہا تھا۔
"میں آسیہ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن بچے کے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا اب میرے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔ آخر وہ میرا خون ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کیا کروں؟۔"
"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" احمد حسن اس کی اتنی جلدی بات سے پھر جانے پر حیران تھا۔ "ویسے میرا خیال ہے تمہیں اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ تمہارا پہلا بچہ تو نہیں ہے۔"
"پہلا اور دوسرا کیا۔ ہر بچے کی اپنی محبت ہوتی ہے۔"
"مجھے ابھی تجربہ نہیں ہے، بہر حال تم اگر اتنے ہی اسے دیکھنے اور سینے سے لگانے کو بے چین ہو تو سیدھا سادا راستہ اختیار کرو یعنی آسیہ، بلکہ نہیں ان کے والد کو فون کر کے کہو کہ تمہاری پدرانہ شفقت جاگ اٹھی ہے اور تم بچے کو دیکھنا چاہتے ہو۔" احمد حسن نے بظاہر بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔
"اور اگر انہوں نے منع کر دیا تب؟۔" وہ احمد حسن کا معقول مشورہ رد نہیں کر سکا تو جرح پر اتر آیا۔
"یہ تم پہلے سے کیوں فرض کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی اعتراض نہ کریں۔" احمد حسن نے رسان سے کہا تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولا۔
"تم نہیں جانتے، انہوں نے مجھے آسیہ سے بھی نہیں ملنے دیا تھا۔ اگر اس وقت وہ اپنے رویے میں ذرا لچک پیدا کر لیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔ میرا کیا گیا اپنی بیٹی کا گھر اجاڑا انہوں نے۔" وہ اب سارا الزام انہیں دے رہا تھا۔ "بجائے اسے سمجھانے کے مزید دماغ خراب کر دیا تھا اس کا۔ ورنہ وہ ایسی نہیں تھی۔ کبھی مجھ سے جدا نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے بہکایا اسے، ابھی بھی بہکائیں گے۔ اور میں اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں کروں گا۔"
"دھیرج سے سکندر! میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس معاملے کو الجھائیں گے۔ تم خود پر قابو رکھو اور یہ لو"

احمد حسن نے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔
ان سے کیا بات کروں گا، میری تو آواز سنتے ہی ادھر سے فون بند ہو جائے گا۔" وہ ناراضگی سے گویا ہوا۔
"ہم کا مطلب ہے۔ پہلے کوشش کر چکے ہو۔"
"ہاں سلسلے میں نہیں۔ اس سے پہلے جب میں آسیہ سے بات کرنا چاہتا تھا تو ایسا ہی ہوتا تھا۔ انہوں نے مجھے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں اسے تمام حالات بتا کر سمجھا سکتا۔"
خیر، ان ساری باتوں کو چھوڑو، میں تمہیں فون ملا دیتا ہوں، لیکن اس طرح غصے میں بات نہیں کرنا۔ بس صاف لفظوں میں اپنا مقصد بیان کر کے ان کا جواب سن لو۔" احمد حسن نے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔
شاہ سکندر ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھ رہا تھا۔
"جی اصلاح الدین صاحب کا نمبر یہی ہے۔ پلیز انہیں بلا دیں۔" احمد حسن ادھر سے ہیلو کے جواب میں بولا پھر ریسیور پر ہاتھ رکھ کر شاہ سکندر سے کہنے لگا۔ "کوئی خاتون تھیں اور غالبا" بہت عجلت میں تھیں جب ہی آپ کون اور کہاں سے بول رہے ہیں کا سوال نہیں اٹھایا، بہر حال اب بڑے صاحب سے تم خود بات کرو۔ میں اس معاملے میں انوالو نہیں ہونا چاہتا۔"
شاہ سکندر نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگا لیا اور ادھر سے جیسے ہی ابا جی کی آواز سنائی دی کہنے لگا۔
"جی میں شاہ سکندر حیات، مجھے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی اور نہ غیر ضروری۔ بس ایک بات کہنی ہے کہ میں اپنے بچے سے ملنا چاہتا ہوں۔"
کیوں کا سوال آپ کو نہیں اٹھانا چاہیے کیونکہ میں آپ کی نہیں اپنی اولاد کی بات کر رہا ہوں اور منع کرنے کا آپ کو بلکہ کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔
میرا مقصد صرف اور صرف اپنے بچے کو دیکھنا ہے اور بس۔"
ٹھیک ہے۔ کل اسی وقت میں دوبارہ فون کروں گا۔" شاہ سکندر فون رکھ کر احمد حسن کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔
کیا کہا انہوں نے؟۔" احمد حسن نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔
کہہ رہے تھے بچے کی ماں سے بات کرنے کے بعد کوئی جواب دے سکیں گے۔"
شاہ سکندر جیسے کسی پر سکون ندی میں کنکر اچھال کر محظوظ ہو رہا تھا۔ اس وقت احمد حسن کو جانے کیوں وہ کچھ برا لگا۔ کتنی دیر اسے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا پھر کہنے لگا۔
ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی سکندر! کہ اس روز تو تم کہہ رہے تھے آسیہ کی زندگی میں تمہاری کسی بھی قسم کی مداخلت انہیں دکھ دے گی اور یہ کہ انہیں دکھ دینے کا تم نے کبھی سوچا بھی نہیں اور اب یوں لگ رہا ہے جیسے تم انہیں پریشان کرنے کا سوچ کر آئے ہو۔ ہے ناں؟۔"
نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شاہ سکندر نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا تھا۔ "مجھے آسیہ اور ان کے گھر سے کوئی مطلب نہیں ہے، لیکن میں اپنے بچے کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ایسا کر کے میں ایک اور جرم کا مرتکب ہوں گا۔"
احمد حسن نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے خاموشی اختیار کر لی جسے محسوس کر کے شاہ سکندر اٹھ کھڑا ہوا
اوکے۔ میں چلوں پھر انشاء اللہ جلد ملاقات ہوگی۔"
احمد حسن نے مصافحہ کرنے کے ساتھ بس مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

✡ ✡ ✡ ✡

...نہا زندگی کے نئے باب کو مدحیہ اور صباحت کے نام انتساب کیا تھا اور اس سے اگلے روز ہی اس نے

ان کے ساتھ نبیل کا نام بھی لکھ دیا تھا کہ اس بچے کی اس حالت کا ذمہ دار وہ صرف اس کی ماں کو نہیں
تھی۔ کچھ قصور ان سب کا بھی تھا اور خصوصاً اس کا کہ جب وہ شروع ہی سے اس سے اتنا مانوس تھا
خیال رکھنا چاہیے تھا۔ اپنی حد درجہ غفلت پر اب وہ اپنے آپ کو معاف نہیں کر پا رہی تھی۔ جب
سے ہی اس نے ڈاکٹر وہاب سے کہہ کر اپنی ڈیوٹی تھرڈ فلور پر کرالی تھی۔ جہاں سب بچوں کے لیے
احساسات و جذبات ایک جیسے تھے۔ بس جب فارغ ہوتی تب نبیل کے پاس جا بیٹھتی اور اس کی اپنے
محبت پر اس کا دل بھر آتا۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے ہاسپٹل جوائن کیے ہوئے اور اس دوران نبیل سے ملنے اس کی ممی اور نانا
کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ کئی بار اس نے نبیل سے پوچھا تو جواب میں اس نے بس "پتا نہیں" کہا۔ اور
سے پوچھتے ہوئے اب اسے خود عجیب سا لگ رہا تھا۔ کہ بات صرف نبیل کی ماں کی غیر ذمہ داری پر ختم
اس کے باپ کا نام بھی آئے گا' اور وہ خود تسلیم کر رہی تھی لیکن وہی بات کوئی دوسرا کہے تو جانے کیا
محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال اس وقت وہ نبیل کے پاس آکر بیٹھی تو ہلکی پھلکی باتوں کے دوران پوچھنے لگی۔

"یہ بتاؤ بیٹا! آپ کو یہاں ہاسپٹل میں کون چھوڑ کر گیا ہے؟۔"

"ڈیڈی۔" نبیل نے کہا تو وہ سمجھ گئی وہ اپنے نانا کو ڈیڈی کہہ رہا ہے۔

"اور آپ کی ممی کہاں ہیں؟۔"

"ممی چلی گئیں' ڈیڈی نے انہیں پاپا کے پاس بھیج دیا ہے۔"

نبیل کا جواب بظاہر سیدھا سادا تھا لیکن اسے سوچ میں مبتلا کر گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی سمجھ میں آیا
دوسری شادی کر چکی ہیں۔ اور اس سے اسے کوئی مطلب نہیں تھا اس لیے وہ موضوع بدل گئی تھی۔ پھر
نبیل کو ایکسرسائز کروانے آئی تب وہ کمرے سے نکل کر آئی اور اسی وقت نبیلہ بیگم کے گھر فون کر ڈالا۔

"گھر میں صاحب یا بیگم صاحبہ جو بھی موجود ہیں انہیں بلاؤ۔ کہو ہاسپٹل سے فون ہے۔" ادھر
آواز سن کر اس نے کہا تھا۔

"ہیلو۔" کچھ دیر بعد مردانہ آواز نبیل کے نانا کی تھی۔

"جی السلام علیکم! میں ڈاکٹر آسیہ بول رہی ہوں اور اس وقت میں ڈاکٹر کی حیثیت سے نہیں بلکہ نبیل
کی حیثیت سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ پورے اعتماد سے بول رہی تھی۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ لوگوں کے پاس اگر نبیل کے لیے وقت نہیں تھا تو اسے شروع ہی میں ہمارے پاس کیوں نہیں
یا جب ہاسپٹل میں لاوارثوں کی طرح ڈال گئے تھے تب ہمیں اطلاع کر دیتے تو کم از کم بچے کی یہ حالت
آپ کو پتا ہے بیماری سے زیادہ اس پر تنہائی اثر انداز ہوئی ہے۔ بچہ ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔"

"تو اب جوڑنے والے مل تو گئے ہیں اسے۔" خاصے تمسخر سے کہا گیا جس پر وہ سلگ کر بولی۔

"جی ہاں۔ یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے میں نے کہ آپ کو تو اس کی فکر خیر پہلے بھی نہیں ہوگی
دوسری کسی ذمہ داری سے بھی میں آپ کو آزاد کرتی ہوں۔ اس کے ساتھ یہ اطمینان بھی دے رہی ہوں
سے میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے ریسیور پٹخ دیا اور ان کی بے حسی پر کڑھ رہی تھی کہ معاً" اسے اپنی بچیوں
اس کے ساتھ ہی سیما بھابھی کی باتیں ذہن پر دستک دینے لگیں۔

"ذرا سوچو۔ آئندہ زندگی میں اس آنے والے بچے کا کیا کردار ہوگا۔ نبیل کا حال تم نے دیکھا ہے
دونوں میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے بھی بچہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ خصوصاً" ماں باپ کی علیحدگی

"نہیں۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اسی وقت سے خود کو باور کرانے لگی تھی کہ ان
صرف ماں ہی نہیں باپ بھی ہے۔ انہیں زندگی میں وہ کبھی کسی محرومی کا احساس نہیں ہونے دے

ان کی قسمت میں لکھی گئی ہے اس کا بھی نہیں۔
ان کی بچیوں کو سلانے اور ان کے تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے بستر میں گھٹنوں کے گرد بازو
میں ... تھی کہ جب ابا جی نے اس کے دروازے میں آکر پوچھا۔

"سو تو نہیں رہیں بیٹا؟۔"

"نہیں ابا جی! آیئے۔" وہ چونک کر بولی تھی۔

"بچے سو گئے۔" ابا جی کمبل ہٹا کر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "یہ دروازہ بند کر لیا کرو۔ ہوا آتی ہوگی۔"

"جی بند کر دیتی ہوں۔"

"اور تمہارا کام میں دل لگ گیا۔ کوئی مشکل تو نہیں ہوتی۔" ابا جی اصل بات سے پہلے غالباً" اسے بہلا رہے

"نہیں کوئی مشکل نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ سارا دن بچوں سے دور رہنا پڑتا ہے خیر ابھی تو انہیں احساس نہیں
اور جب تک انہیں سمجھ آئے گی تب تک میں انشاء اللہ اپنا کلینک سیٹ کر کے دن کا زیادہ وقت ان کے
ساتھ رہوں گی۔" وہ شاید کچھ دیر پہلے یہی سوچ رہی تھی۔

"ہوں۔" ابا جی نے کچھ سوچتے ہوئے انداز میں سر ہلایا پھر کہنے لگے۔ "میں تم سے ایک بات کہنے آیا ہوں بیٹا!
صرف تم سے اس لیے کہ میں نہیں چاہتا۔ کوئی زیادہ شور شرابا ہو اور تم بھی تحمل سے سننا' تحمل سے سوچنا۔
پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پریشانی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔"

اس کا وجود برف ہونے لگا تھا اور نظریں ابا جی کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"آج شاہ سکندر کا فون آیا تھا وہ اپنے بچے سے ملنا چاہتا ہے۔" ابا جی نے جانے قصداً" یا انجانے میں اپنی سفید
داڑھی کو دونوں ہاتھوں سے چھو کر کہا۔ جیسے شاہ سکندر خیال نہیں کر رہا تم اس کی لاج رکھنا۔

اس نے پہلے نظریں جھکائیں پھر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی تھی۔
وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اسے دکھ ہو رہا تھا کہ بہت چاہنے اور کوشش کے باوجود وہ اپنی زندگی کی ناؤ کو طوفانی
لہروں سے محفوظ نہیں رکھ سکے گی۔

"میں نے اس سے یہی کہا ہے کہ تم سے بات کرنے کے بعد جواب دوں گا۔" ابا جی قدرے رک کر بولے
"اب بتاؤ تم کیا کہتی ہو؟۔"

"میں کیا کہوں ابا جی! آپ جانتے ہیں۔ اسے بچے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا مقصد محض ہمیں تنگ کرنا
ہے۔ جیسے نبیلہ بھابھی نے کیا تھا۔" وہ گھٹنوں سے پیشانی اٹھا کر عاجزی سے بولی۔

"ہوں' میں سمجھتا ہوں۔ لیکن کیا کریں۔ صاف منع بھی نہیں کر سکتے۔ اس طرح وہ اور ضد میں آجائے گا اور
خواہ مخواہ بات بڑھ جائے گی۔ اور میں بات بڑھانا نہیں چاہتا۔ اس لیے میں نے خلیل اور عدیل سے نہیں کہا۔ پھر
میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے معاملات اور مسائل کو تم خود ہینڈل کرنا سیکھو کیونکہ اب یہ ایک دو دن کی
بات نہیں ہے۔" ابا جی نے رسان سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ بھائی بھی کب تک میرا ساتھ دیں گے۔" اس نے سوچا پھر ابا جی کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "آپ نے شاہ
سکندر کو کب جواب دینے کو کہا ہے؟۔"

"وہ کہہ رہا تھا۔ کل ہی فون کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کو صبح بتاؤں گی۔" اس نے کہا تو ابا جی کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر اٹھ کر کھڑے
ہوئے۔

"زیادہ ذہن پر بوجھ نہیں ڈالنا نہ خود کو کمزور سمجھنا۔ تم ان بچیوں کی ماں ہو اور ان کے لیے جو تم چاہو گی وہی
ہوگا۔" ابا جی نے دھیرے سے اس کا سر تھپک کر کہا تھا۔

"بچیاں اور وہ کیا کہہ رہا تھا بچہ؟۔" وہ پرسوچ انداز میں اپنے آپ سے بولی تھی۔

"ہاں بچہ اسے معلوم ہی نہیں کہ بیٹا نہیں دو بیٹیاں ہیں‘" آسیہ کی خود کلامی سن کر ابا جی بھی اپنے آپ سے تھے اور اپنے پیچھے اس کے کمرے کا دروازہ بند کر گئے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کاٹ کے پاس کھڑی ہو گئی اور دو کمبل سرکا کر ایک ساتھ دو معصوم چہروں کو دیکھنے لگی‘ جبکہ اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو کر اس نئے مسئلے کو سوچنے لگا تھا۔

"ہمارے ہاں بیٹیاں خاندان سے باہر نہیں دی جاتیں۔" شاہ سکندر کی اس بات سے وہ اب بھی خائف تھی کہ کو دیکھ کر وہ اپنی بات سچ ثابت کرنے کے لیے اس سے بیٹیاں چھین نہ لے جائے۔

"نہیں!" اس نے بے حد پریشان ہو کر بچیوں پر دوبارہ کمبل یوں ڈالا جیسے انہیں ساری دنیا سے چھپا لینا چاہتی ہو۔ اسی عالم میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔

سردیوں کی خاموش رات کا سفر سست روی سے جاری تھا اور اس کی صبح بہت دور تھی جب وہ کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

صبح وہ معمول کے مطابق اٹھ گئی۔ نماز کے بعد روزانہ کی طرح میمونہ بھابھی کے ساتھ مل کر ناشتا بنایا پھر اپنے سے پہلے اماں جی کے کمرے میں آ کر کہنے لگی۔

"اماں جی! صباحت کو تیار کر دیں۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ کیونکہ رات اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ہاسپٹل میں اس کا چیک اپ کروالوں گی۔"

"پھر سارا دن کیا کرو گی؟ اسے سنبھالو گی یا؟۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ بس آپ تیار کر دیں۔" اس نے بہت عجلت میں کہا اور ابا جی کو اپنی طرف دیکھتے پا کر اشارا کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔

ابا جی فوراً" ہی اس کے پیچھے آ گئے تھے۔

"کیا طے کیا ہے تم نے؟۔"

"بس سکندر کا فون آئے تو اس سے کہہ دیجئے گا کہ ہاسپٹل آ کر بچے کو دیکھ لے اور آج ہی کیونکہ میں روز ساتھ نہیں لے جا سکتی۔" وہ بہت نارمل انداز میں بول رہی تھی۔

"اور مدحیہ؟۔" ابا جی کچھ حیران تھے۔

"نہیں ابا جی! اسے مدحیہ کا معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ کبھی نہیں۔" وہ ایک دم ابا جی کے سینے سے لگ گئی۔ کانپتے وجود کو دھیرے دھیرے تھپکتے ہوئے ابا جی سمجھ گئے کہ وہ اندر سے کتنی خوفزدہ ہے اور اسی خوف کے باعث ہمیشہ کے لیے شاہ سکندر سے چھپا رہی ہے۔

"ڈرو مت بیٹا! تم سے تمہارے بچے کوئی نہیں لے سکتا۔ چلو تیاری کرو۔ وہ تمہاری ڈاکٹر یاسمین آنے والی ہوگی۔" ابا جی نے اسے وقت کا احساس دلایا تو وہ ان سے الگ ہو کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

پھر صباحت کا فیڈر اور دودھ وغیرہ بیگ میں رکھنے تک یاسمین کی گاڑی کا ہارن بجنے لگا تھا۔ ادھر اماں جی مسلسل بول رہی تھیں۔ انہیں شاید بچی کو ہاسپٹل لے جانا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب وہ خود ڈاکٹر ہے‘ اسے چیک کر سکتی ہے تو لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ ان کی ساری باتوں پر بس ہوں ہوں کرتی رہی اور پھر صباحت کو ان کی گود سے لے کر نکل آئی۔

"ارے! یہ بچہ کس کا ہے؟۔" اس کے بیٹھتے ہی یاسمین نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میری بیٹی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو یاسمین اچھل پڑی۔

"ہائیں! تم میرڈ ہو‘ کمال ہے۔ میں اب تک تمہیں۔" موڑ کاٹنے کے لیے مخالف سمت دیکھتے ہوئے یاسمین کی بات ادھوری رہ گئی۔

"وہ ہاسپٹل میں میرا بھتیجا ہے ناں‘ نبیل وہ بہت ضد کر رہا تھا کہ میں اسے لے کر آؤں‘ وہ کھیلے گا اس سے۔" اسے فوری بچی کو ساتھ لے جانے کا جواز سوجھ گیا تھا۔

"تمہارے بھتیجے کے ساتھ بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ مجھے اس کی ماں پر غصہ آتا ہے۔ کیسی ظالم عورت ہے

کے لیے کتنی قربانیاں دیتی ہیں۔" یاسمین تاسف سے کہہ رہی تھی‘ اس بات سے بے خبر کہ اس کی باتوں سے اس ماں کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔

پھر سارا وقت وہ بہت بے کل رہی تھی۔ ہر آہٹ پر اس کی دھڑکنیں کبھی بہت تیز ہو جاتیں اور کبھی رکنے لگتیں۔ وقفے وقفے سے نبیل کے کمرے میں جا کر صباحت کو دیکھتی اور اس کی موجودگی کا اطمینان کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ کاش وہ یہاں سے بہت دور جا سکتی۔ جہاں تک شاہ سکندر کی سوچ کی بھی رسائی ممکن نہ ہوتی۔ جانے وہ شخص اسے زندگی کے ہر راستے کیوں تھا۔ وہ تو پہلے ہی بہت ٹوٹ چکی تھی۔

"شاہ سکندر حیات! تم اگر مجھے اپنے سامنے گڑگڑاتا ہوا دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہارے سامنے صرف ہاتھ ہی نہیں جوڑوں گی‘ تمہارے قدموں پر سر رکھ دوں گی‘ بس تم ہماری زندگی سے نکل جاؤ۔ میں اپنی انا‘ خودداری اور اپنی ہستی کا غرور تمہارے سامنے مٹا ڈالوں گی‘ بس ایک وعدے پر کہ تم میری ممتا کو زک نہیں پہنچاؤ گے۔

میں جانتی ہوں‘ تم احساس برتری کا شکار ہو اور اس روز میرے تلخ رویے نے شاید تمہارے اس احساس کو چیلنج کیا ہے تم مجھ سے جینے کا بہانا بھی چھین لینا چاہتے ہو۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں سکندر حیات! لیکن تم مجھے نہیں سمجھے۔"

معاً" فون کی بیل سے اس کی سوچیں منتشر ہو گئیں۔ گہری سانس کے ساتھ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف ابا جی تھے اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگے۔

"بیٹا! شاہ سکندر تمہارے پاس آ رہا ہے۔"

"جی!" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"تم پریشان تو نہیں ہو بیٹا؟"

"نہیں نہیں ابا جی! میں پریشان نہیں ہوں۔ فیس کر سکتی ہوں اسے‘ آپ فکر نہیں کریں۔" وہ فوراً" بولی تھی۔

"اچھی بات ہے۔" ابا جی نے فون بند کر دیا تو وہ اٹھ کر نبیل کے کمرے میں آ گئی۔

نبیل سو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑکی کے پاس رک کر سڑک پر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھتی رہی پھر صباحت کو اٹھا کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ چوکیدار سے وہ پہلے ہی کہہ آئی تھی کہ کوئی اس کا پوچھے تو اس کے کمرے میں بھیج دے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ شاہ سکندر کا وجیہہ سراپا دروازے میں نمودار ہوا تھا۔

"مے آئی کم ان ڈاکٹر!" شاہ سکندر نے انگلی موڑ کر دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا تو دھیرے سے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے وہ چند ثانیے کو ساکت ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم!" شاہ سکندر چند قدم آگے آ گیا‘ اور وہ جو بہت کچھ سوچ کر بیٹھی تھی۔ کوئی ایک بات نہیں کہہ سکی۔ مشینی انداز میں اٹھ کر نبیل کے پاس گئی اور کمبل میں لپٹی صباحت کو اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا۔

"یہ واقعی میرا بچہ ہے۔؟" شاہ سکندر نے اس کے ہاتھوں سے صباحت کو لیتے ہوئے کہا۔ اس کے کسی انداز میں بے تابی تھی نہ بے قراری جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ واقعی پدرانہ شفقت سے مجبور ہو کر آیا ہے۔

"میرا مطلب ہے میں نے بیٹی کی خواہش کی تھی اور اس معاملے میں میں بہت خوش نصیب ہوں کہ میری ہر خواہش پوری ہوئی ہے خواہ اس کے لیے۔"

وہ ایک دم ہونٹ بھینچ کر رخ موڑ گئی۔ تب شاہ سکندر اس پر سے نظریں ہٹا کر بچی کو دیکھنے لگا۔ کتنی دیر کے لیے خاموشی تنی رہی۔ وہ بچی پر جھکا تھا اور وہ پیٹھ موڑے کھڑی تھی‘ لیکن سرکتے لمحے گواہ تھے کہ دونوں طرف بظاہر ٹوٹنے جڑنے کا عمل جاری تھا۔

"میرا خیال تھا۔ تم مجھے بچے سے نہیں ملنے دو گی۔" خاموشی میں شاہ سکندر کی آواز نے بہت ہلکا سا ارتعاش پیدا کیا تھا۔

"میں ایسا کر سکتی تھی اگر جو مجھ میں بار بار آپ کا سامنا کرنے کا حوصلہ ہوتا حالانکہ اتنی کمزور تو میں کبھی نہیں تھی۔ لیکن یہ محبت انسان کو ایسا ہی بزدل بنا دیتی ہے۔ میں بہت ٹوٹ چکی ہوں شاہ سکندر حیات! مجھے اپنے سر پر آسمان ملتا ہے نہ پاؤں تلے زمین۔ اگر کوئی سہارا ہے تو ان خوب صورت لمحوں کا‘ جن میں رفاقتوں کا مان تھا۔ رفاقتیں ٹوٹ گئیں لیکن مان‘

جانے کیوں سلامت ہے اور اسی کے بھروسے پر میں آپ سے التجا کر رہی ہوں۔"
اس نے بہت دھیرے دھیرے شاہ سکندر کی طرف رخ موڑا تو اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی اور بندھے باند
ساکت ہو گیا تھا۔
"مجھے بار بار ٹوٹنے سے بچالیں شاہ سکندر! یہ بچی مجھے بخش کر ہمارے لیے اجنبی ہو جائیں۔ شاید اس طرح ہو
ورنہ آپ کی بار بار آمد مجھے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
"مم۔۔۔ میں بچی لینے تو نہیں آیا۔ میں تو صرف۔"
شاہ سکندر کے اندر دہکتے الاؤ پر جیسے قطرہ قطرہ شبنم ٹپکنے لگی تھی کہ اس روز سرراہ اس کے غرور کو پیروں تلے
جانے والی اس وقت ہاتھ جوڑے اپنی کم مائیگی، کم ہمتی کا اعتراف کر رہی تھی۔
"میں تمہارا مان نہیں توڑوں گا آسیہ! وہ رفاقتیں جو خواب ہو گئیں، ان کی ایک زندہ حقیقت یہ بچی تمہار
ہمیشہ والی پر تمکنت چال سے اس کے قریب آیا اور بچی اس کے بازوؤں میں تھما کر کہنے لگا۔ "اس کے لیے تم
چاہو لے سکتی ہو۔ اسی وقت۔"
"بس ایک وعدہ۔" وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔
"میں تمہارے کہے بنا وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد اگر تمہارے راستے میں رکنے اور تمہیں پکارنے کا سزاوا
کو تمہارے سامنے شوٹ کر لوں گا۔ ہاں اگر تمہیں کبھی اس بچی کے لیے میری ضرورت پڑے تو پکار لینا۔" وہ
لیے پلٹا پھر ایک خیال کے تحت اچانک رک کر کہنے لگا۔ "یہ وعدہ تو تمہارے لیے ہے اور بچی۔"
"بچی کی بہتری اسی میں ہے، والدین کے درمیان کش مکش بچوں کو توڑ کر رکھ دیتی ہے اور میں نہیں چاہتی
بچے۔" اس نے فوراً" نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا پھر قدرے توقف سے کہنے لگی۔ "آپ یقیناً" میری بات سم
گے میں اسے مکمل دیکھنا چاہتی ہوں۔"
شاہ سکندر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا تو اپنی
پر جہاں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی، وہاں اندر ڈھیروں اطمینان اتر آیا تھا۔
"میری بچی، میری گڑیا!" اس نے صباحت کو اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

"بس میمونہ بھابھی! اب مجھے کوئی فکر نہیں۔ شاہ سکندر اب کبھی میرے راستے میں آئے گا نہ بچوں کے لیے
کرنے کی کوشش کرے گا۔" رات میں وہ میمونہ بھابھی کو اپنا کارنامہ بتا کر کہنے لگی۔ "میں سمجھ گئی تھی کہ وہ ا
توہین کا بدلہ لینے کے لیے مجھے اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے اور میں نے پہلے ہی مقام پر اس کے سامنے ہاتھ جو
کو تسکین پہنچادی۔"
"ہاتھ جوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟۔" میمونہ بھابھی کو بہت برا لگا۔
"ضرورت تھی بھابھی! ورنہ وہ ساری زندگی ہمارے درمیان موجود رہتا۔ گو کہ وہ کیس کر کے بھی ہار جاتا لیکن
ملتے رہنے کا حق حاصل کر سکتا تھا اور اور ظاہر ہے ہمیں کورٹ کا فیصلہ ماننا پڑتا پھر میرے لیے یہ مسلسل ٹینشن
ہفتے وہ بچیوں سے ملنے آرہا ہے اس لیے میں نے بہت سوچ کر اس کے سامنے خود کو بہت مجبور اور بے بس ظاہر
چاہتا تھا جب ہی بڑے آرام سے وعدہ کر گیا ہے کہ آئندہ کبھی میرے راستے میں نہیں آئے گا۔"
اس نے کہا تو میمونہ بھابھی نے یوں سر جھٹکا جیسے انہیں شاہ سکندر کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہ ہو، پھر موضوع
"اچھا سنو، وہ عدیل کی شادی کا کیا پروگرام ہے؟۔ اماں جی نائلہ کے لیے تو نہیں مان رہیں۔"
"میں بھی نہیں مان رہی۔ میرا مطلب ہے، میں بھی نہیں چاہتی کہ عدیل بھائی کی شادی وہاں ہو۔ ہم کو
لیتے ہیں۔" اس نے کہا۔
"لڑکیوں کی کمی نہیں ہے لیکن۔"
"لیکن ویکن کچھ نہیں بھابھی! ہم بس کوئی اور لڑکی دیکھیں گے۔ یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ مجھے

...وں سے کوئی بغض ہے بلکہ صرف اس لیے کہ شاہ سکندر کا وہاں بہت آنا جانا ہے وہ نائلہ کی شادی میں بھی ضرور آئے
گا۔ اس کے بعد بھی میل جول رکھتی جو کہ عدیل بھائی بھی پسند نہیں کریں گے اور خوامخواہ کی بدمزگی ہو گی
رہو سکتا ہے۔
...ین جھگڑا رہے گا۔"
"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" خلاف توقع میمونہ بھابھی نے فوراً" اتفاق کر دیا پھر پوچھنے لگیں۔ "اور کوئی لڑکی۔؟"
"خاندان میں تو کوئی ہے نہیں اور آس پڑوس کا مجھے نہیں پتا۔ ایک تو میرے بھائی سارے بس ایسے ہی ہیں ساری
...کو ماں بہن کی نظر سے دیکھتے ہیں۔" اس کی بات پر میمونہ بھابھی اچھل پڑیں۔
"اللہ رے بہن کی خوش فہمی۔ اتنے شریف نہیں ہیں تمہارے بھائی، سب کا پتا ہے مجھے۔"
"اچھا!" وہ میمونہ بھابھی کے اچھلنے پر بے ساختہ ہنسی تھی۔ "کیا پتا ہے؟۔"
"یہی کہ دس میں سے ایک کو ماں کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک کو بہن کی اور باقی آٹھ کو۔"
"دیکھتے ہی نہیں۔" اس نے فوراً" ان کی بات اچک لی۔
"دیکھتے ہی نہیں۔" میمونہ بھابھی نقل اتار کر بولیں۔ "بھینگے ہو جاتے ہیں۔"
وہ ہنستی ہوئی الماری کھول کر صبح کے لیے کپڑے نکالنے لگی۔ پھر ایک سوٹ ہاتھ میں لے کر پلٹی تو اپنے آپ سے کہنے

"کپڑوں کی بہت پرابلم ہو گئی ہے۔ سارے تو وہیں چھوڑ آئی تھی۔"
"ہاں میں بھی یہی دیکھ رہی ہوں کہ کچھ مخصوص جوڑے ہیں تمہارے پاس، وہی پہن کر جاتی ہو اور بنانے سے بہتر ہے
اپنا سوٹ کیس لے آؤ بلکہ اور چیزیں بھی۔" میمونہ بھابھی نے اس کی بات سن کر کہا تو وہ بے دھیانی میں انہیں دیکھنے
۔
"غلط تو نہیں کہہ رہی میں، تم اپنا ضروری سامان لے آؤ۔ چابی تو ہو گی تمہارے پاس۔"
"جی، لیکن میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔" اس نے چونک کر کہا۔
"کیوں اپارٹمنٹ تمہاری ملکیت ہے اور وہاں کی ہر چیز بھی۔ میں تو کہتی ہوں۔ سارا سامان اٹھوا لو اور اپارٹمنٹ کرائے
پر دے دو، ہر مہینے کچھ پیسے ہی مل جایا کریں گے۔" میمونہ بھابھی کی بات ٹھیک تھی۔ جب ہی اس نے اختلاف نہیں کیا۔
خاموش ہو رہی تھی۔
"اب تم کپڑے استری کرو گی۔؟" میمونہ بھابھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"جی، آپ کو کوئی کام ہے؟۔" اس نے رک کر پوچھا۔
"نہیں، میں اب سونے جا رہی ہوں۔ صبح عمر کا ایڈمیشن کروانے جانا ہے۔"
"ماشاء اللہ، تین سال کا ہو گیا۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے۔ عدیل بھائی نے نئے بھتیجے کی
خوشخبری سنائی تھی۔
"ہاں ہونے والا ہے۔"
میمونہ بھابھی کہتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئیں تو اس نے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کو دیکھا پھر کرسی پر ڈال کر لائٹ
آف کرتے ہوئے لیٹ گئی۔ شاید عمر کی پیدائش کے ساتھ ہی اسے وہ حادثہ یاد آیا تھا جس نے اس کی زندگی کو خوب صورت
موڑ دیا تھا۔ اس وقت وہ خوب صورت موڑ ہی لگتا تھا۔ سیدھی سپاٹ زندگی میں رنگوں کی برسات اتر آئی تھی۔ کتنا اچھا
لگتا تھا۔ وہ کتنی دیر اپنے دل کی بستی کو ٹٹولتی رہی جس میں ہر روز اس کے نام کے پھول کھلا کر اس نے یقین سے کہا تھا کہ
اس بستی کو اجاڑنے کی سعی وہی کر سکتا ہے جسے اس سے، اس کی زندگی سے پیار نہ ہو۔
"تو شاہ سکندر حیات! تمہیں کبھی مجھ سے پیار تھا ہی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو کر کناروں سے راستہ
بناتے تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ بہت مضطرب ہو گئی تھی وہ رات کے جانے کس پہر نیند مہربان ہوئی تھی۔
رات کا اضطراب باقی تھا جو وہ اپنی ڈیوٹی سے انصاف نہیں کرپا رہی تھی۔ کافی سست سی تھی۔ ڈاکٹر وہاں راؤنڈ پر آئے تو
انہوں نے ایک بار اسے ٹوکا تھا اور ڈاکٹر یاسمین اب کوئی چوتھی بار ٹوک رہی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو گھر پر آرام کرتیں۔ کیوں چلی آئیں۔؟"

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ بس رات میں بچیوں کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے کچھ ہوں۔" اس نے اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"چائے منگواؤں یا ایسا کرو، اپنے بھتیجے کے کمرے میں جا کر ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے سو جاؤ۔" یاسمین نے... اس نے سہولت سے رد کر دیا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے، چائے پینے سے میں فریش ہو سکتی ہوں۔"

یاسمین نے دروازے تک جا کر کسی سے چائے کا کہا پھر واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کتنے بچے ہیں تمہارے۔؟"

"دو بیٹیاں ہیں۔"

"جہاں تم رہتی ہو، وہ غالباً" تمہارا میکہ ہے اور تمہارے میاں کہاں ہوتے ہیں۔؟"

یاسمین کے انداز میں کوئی تجسس نہیں تھا۔ بلکہ وہی عام سی باتیں، عام سا انداز۔

"مجھے طلاق ہو چکی ہے اس لیے اب میں اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہوتا ہے۔ کے بارے میں کوئی اور بات کرنا چاہتی ہوں پلیز۔"

اس نے سچ بول کر یاسمین کو مزید سوال جواب سے روک دیا تو وہ جو طلاق کا سن کر حیران ہو رہی تھی قدر... لگی۔

"افسوس کا اظہار تو کرنے دو یا وہ بھی نہیں۔"

"نہیں۔" اس نے کرسی کی پشت پر سر رکھ کر پلکیں موند لیں تو کتنے لمحے چپ چاپ سرک گئے پھر اسی چا... تب اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور فوراً" چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"مجھے تم بہت ڈسٹرب لگ رہی ہو۔" یاسمین سے رہا نہیں گیا۔ "کیا اسی سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے... شخص کی طرف سے۔؟" اس نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"پھر کیا بات ہے؟۔"

"کوئی بات نہیں ہے یار! سب ٹھیک ہے۔" وہ خالی کپ ٹرے میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں نبیل... ہوں ڈاکٹر وہاب پوچھیں تو بتا دینا۔"

"اور ڈاکٹر احسان پوچھیں تو کیا کہوں۔" یاسمین کے معنی خیز انداز پر وہ جاتے جاتے پلٹ آئی۔

"کیا مطلب؟۔"

"مطلب یہ کہ انہیں تمہاری بہت فکر رہتی ہے۔ ہر آدھے گھنٹے بعد آ کر پوچھتے ہیں کہ تم کہاں ہو، کیا کر... وغیرہ۔" یاسمین کا انداز ہنوز تھا جس سے اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں ابھر آئیں اور کچھ دیر سوچنے کے...

"اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اب ان کے پوچھنے پر بتا دینا کہ میں اپنے بچے کے پاس ہوں۔"

"یعنی!" سوالیہ انداز میں یاسمین کی ابروؤں نے جنبش کی تھی۔

"نبیل میرا بیٹا ہے۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

نبیل کو سسٹر ایکسرسائز کروا رہی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑی ہو کر توجہ سے دیکھنے لگی۔ وہ اب پہلے کی طرح نہیں رہا تھا۔ اس کی صحت اچھی ہو رہی تھی اور سہارا لے کر کھڑا بھی ہو جاتا تھا لیکن چل نہیں سکتا تھا۔ شا... گرنے کا خوف تھا۔ جو قدم اٹھانے سے ڈرتا تھا، ابھی بھی وہ یہی دیکھ رہی تھی کہ سسٹر جہاں اس کا پیر اٹھا کر... کانپنے لگتا۔

"بیٹا! ہمت سے کام لو۔ آپ تو بہت بہادر ہو۔ آؤ میرے پاس آؤ۔" وہ اس کے سامنے چند قدم کے فا... بولی۔

"نہیں پھوپھو! میں نہیں چل سکتا۔" نبیل نے بہت بے بسی سے کہا تو اس نے بڑھ کر اسے کندھوں سے...

"میرے ساتھ چلو، میں آپ کو گرنے نہیں دوں گی۔"

"نہیں۔" نبیل اپنے دونوں بازو اس کی کمر میں ڈال کر اس سے چپک گیا۔ "میری ٹانگوں میں درد ہو رہا ہے، مجھے بیڈ پر لٹا... جلدی کریں پھوپھو! میں گر رہا ہوں۔"

"اوکے بیٹا! اوکے۔" اس نے سسٹر کی مدد سے اسے بیڈ پر لٹایا پھر سسٹر کو جانے کا کہہ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ ...طرح تو آپ اماں جی کے پاس نہیں جا سکو گے۔ پتا ہے وہ آپ کو کتنا یاد کرتی ہیں۔"

"...اں جی میرے پاس کیوں نہیں آتیں؟۔" نبیل نے پوچھا۔

"...ئیں گی۔" اس نے مختصر جواب دے کر موضوع بدلا اور پھر ادھر ادھر کی باتوں میں اس کا اور شاید اپنا بھی دھیان ...گئی تھی۔

. ☆ .. ☆ .*

...ے دن اس نے صبح ہی میمونہ بھابھی سے کہا تھا کہ آج وہ اس کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ چلیں۔ وہ اپنا سوٹ ...لانا چاہتی ہے اور انہوں نے منع تو نہیں کیا تھا لیکن گھر کے کاموں سے نکل ہی نہیں پا رہی تھیں۔ مرد گھر پر ہوں تو ...ی بڑھتے جاتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بھی خلیل بھائی ان کے سر پر سوار تھے۔ تب اباجی سے اجازت لے کر وہ ...بھائی سے ان کی گاڑی لے کر نکلی۔ احمد اور سونیا کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

...نے کتنے دنوں بلکہ مہینوں بعد وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی جسے کبھی وہ اس زمین پر اپنی چھوٹی سی جنت کہا کرتی تھی۔ ...اپنی جگہ اسی طرح موجود تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ایک ایک قدم پر رک کر دیکھتی رہی یوں لگ رہا تھا جیسے خواب ...ل رہی ہو، جبکہ اس کے اندر سناٹوں کا راج تھا۔

"پھوپھو! یہ دروازہ کھول دیں۔" احمد کے پکارنے پر اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا پھر بیڈ روم میں آئی تو وہ ٹیرس پر ...کو بے چین کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کے کنڈی گرانے کے ساتھ تنبیہہ کی۔

"خبردار۔ گرل کے اوپر چڑھ کر نیچے نہیں جھانکنا اور شور بھی نہیں کرنا۔"

"...سونیا کو منع کریں۔ یہ بہت شور کرتی ہے۔"

"میں دونوں سے کہہ رہی ہوں اور اگر تم دونوں آرام سے بیٹھو گے تو میں واپسی میں تمہیں بہت اچھی آئس کریم ...ل گی۔" اس نے آئس کریم کا لالچ دے کر دونوں کو خوش کر دیا۔ پھر اندر آ کر پہلے اپنا سوٹ کیس اتارا اور اس میں ...مارے بھڑکیلے کپڑے نکال کر الماری میں ڈالے اور وہاں سے سادے سوٹ نکال نکال کر سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔ ...میں اسے گھنٹہ بھر لگ گیا اور اتنی دیر میں احمد اور سونیا ٹیرس سے اکتا کر کمروں میں اپنے مطلب کی چیزیں تلاش ...میں لگ گئے تھے اور اس نے انہیں ادھر ادھر بھاگتے ہوئے دیکھا ضرور لیکن ٹوکا نہیں، نہ ہی کسی چیز کو چھیڑنے سے ...کیونکہ یہ ساری باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں کسی کے سامنے جواب دہی کا خدشہ ہو اور وہ ایک تو ان خدشات سے ...ہو چکی تھی دوسرے ہر شے اس کی نظروں میں اپنی پہلے والی اہمیت کھو چکی تھی، پھر وہ کیوں منع کرتی۔ پورے دھیان ...پنے کام میں مصروف رہی۔ کپڑوں کے بعد سینڈلز بھی نکال کر رکھیں پھر اور دوسری چیزیں سوچ رہی تھی کہ سونیا آ کر ...لگی۔

"پھوپھو! آپ مدیحہ اور صباحت کو لے کر یہاں آ جائیں گی۔؟"

"نہیں بیٹا! یہاں کیوں آؤں گی۔" اس نے بے دھیانی میں جواب دیا۔

"...پہلے بھی تو آتی تھیں انکل کے ساتھ۔ وہ انکل کہاں چلے گئے؟۔" سونیا کے اگلے سوال نے اسے چکرا دیا۔ سمجھ میں ...کہ اس بچی کو مطمئن کرنے کے لیے کیا کہے۔

"...پھوپھو! انکل کہاں چلے گئے؟ میں نے بہت دنوں سے انہیں نہیں دیکھا۔" سونیا نے دوبارہ اصرار سے پوچھا تو وہ ...بند کرتے ہوئے بولی۔

"...چلے گئے جیسے نبیل کے پاپا، آپ کے تایا ابو۔"

"...وہ ہمیں کھلونے بھیجتے تھے۔ انکل بھی بھیجیں گے۔"

"...تمہیں میں دلا دوں گی۔ اب جلدی سے جا کر دیکھو احمد کیا کر رہا ہے۔"

اس نے اگلے سوال سے بچنے کی خاطر فوراً" اس کی توجہ احمد کی طرف مبذول کرائی پھر گہری سانس کھینچ کر
"اس چالاک کو اس کو ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔"

"پھوپھو! احمد بھائی ٹیپ کے بٹن خراب کر رہے ہیں۔" سونیا نے لاؤنج سے چلا کر اسے اطلاع دی تو احمد
آواز میں بولا۔

"خراب نہیں کر رہا پھوپھو! کیسٹ لگا رہا ہوں۔"

"افوہ!" وہ قدرے جھنجلا کر کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ کیسٹ سے ابھرتی آواز نے دروازے میں ہی اس
دیے۔

جب کوئی پیار سے بلائے گا
تم کو ایک شخص یاد آئے گا

وہ بس ایک پل کو رکی تھی۔ دوسرے پل تیزی سے ٹیپ ریکارڈ کا پلگ ہی کھینچ لیا اور غصے سے بولی۔

"سخت غلطی کی ہے میں نے تم دونوں کو لا کر۔ چلو واپس۔"

"پھوپھو! ہم نے تو کچھ نہیں کیا۔" سونیا بسور کر بولی۔

"بس اب رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو اپنے اپنے شوز پہنو۔ میں جا رہی ہوں۔"

اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ کمرے میں جا کر پہلے ٹیرس کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کیا پھر سوٹ کیس کھینچ
دونوں کو خاموشی سے شوز پہنتے دیکھ کر اسے ان پر پیار آ گیا پھر بھی قدرے رعب سے بولی۔

"چلو ابھی تم دونوں کو آئس کریم بھی کھلانی ہے اور میں سوچ رہی تھی تم دونوں کو نبیل کے پاس بھی لے
اب صرف آئس کریم۔"

"آئسکریم نہیں پھوپھو! ہم نبیل بھائی کے پاس جائیں گے۔" سونیا نے آئس کریم پر نبیل کو ترجیح دے
کردیا تھا۔ وہ آگے آ کر اس کا گال تھپکتی ہوئی بولی۔

"اب دیر ہو گئی ہے۔ نبیل کے پاس اگلے اتوار کو لے چلوں گی۔ ٹھیک۔"

"ٹھیک ہے۔" دونوں خوش ہو گئے۔

"چلو یہ سوٹ کیس باہر نکالو۔ میں کمرے بند کر لوں۔" اس نے سوٹ کیس ان دونوں کے حوالے کر دیا
دروازے لاک کر کے پلٹی تو جانے کیا خیال آیا۔ ٹیپ ریکارڈر میں سے کیسٹ نکال کر پرس میں رکھ لی تھی۔

"ہاں بھئی کون سی آئس کریم کھاؤ گے؟" راستے میں اس نے ایک کولڈ کارنر دیکھ کر گاڑی روکتے ہو
ہی کہنے لگی۔ جاؤ اپنی اپنی پسند سے لے آؤ۔"

احمد اور سونیا فوراً" اتر کر دوکان میں داخل ہو گئے تو اس نے شیشہ گرا کر دکاندار کو انہیں آئس کریم دینے
پرس کھول کر پیسے نکال رہی تھی کہ قریب گاڑی رکنے کے ساتھ اسے مخاطب کیا گیا۔

"ایکسکیوزمی۔"

اس نے سر اونچا کر کے آواز کی سمت گردن موڑی اور احمد حسن کو دیکھ کر بغیر کسی تاثر کے بولی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم سلام وہ ایسا ہے کہ میں آپ کو دیکھ کر نظر انداز نہیں کر سکا۔ کیسی ہیں آپ؟" احمد حسن نے
کے خیال سے تمہید باندھی جسے وہ یکسر نظر انداز کر گئی۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں بلکہ یہ پوچھنا چاہیے کہ ابھی تک اکیلے کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

"اکیلی تو آپ۔" وہ کہنے جا رہا تھا کہ اکیلی تو آپ ہوئی ہیں لیکن فوراً" احساس ہونے پر خاموش ہو گیا او
بولی۔

"میں اکیلی نہیں ہوں۔"

"آئی ایم سوری۔ میرا مقصد کچھ جتانا نہیں تھا بلکہ میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ سے افسوس کا اظہار کر
احمد حسن نے معذرت کے ساتھ کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے قصداً" سرسری انداز اختیار کیا اور دونوں بچوں کو دیکھنے لگی۔

"پھر بھی کچھ اچھا نہیں ہوا۔ میں اور میری والدہ بھی آپ سے بہت شرمندہ ہیں۔ یقین کریں شاہ سکندر نے ہمیں بتایا نہیں تھا کہ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا اور قدرے رکھائی سے بولی۔

"میں کسی کو الزام نہیں دیتی۔"

"یہ آپ کی بڑائی ہے ورنہ۔" احمد حسن پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔ وہ احمد اور سونیا کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور ان کے بیٹھنے کے بعد ہاتھ بڑھا کر دروازہ لاک کیا پھر ایک نظر اسے دیکھ کر بولی۔

"او کے خدا حافظ۔" اس کے ساتھ ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

.☆..☆.*

شاہ سکندر کو اپنے بیٹے آغا کے ایڈمیشن کے سلسلے میں مری جانا تھا۔ جہاں اس کے دوسرے بھتیجے بھتیجیاں پڑھتے تھے لیکن مہرالنساء اسے جانے نہیں دے رہی تھی۔ کیونکہ ان ہی دنوں اس کی ڈلیوری متوقع تھی۔ اور وہ چاہتی تھی شاہ اس کے ساتھ رہے۔ جس پر وہ بے حد جھنجلایا ہوا تھا۔

"ادھر ایڈمیشن کی ڈیٹ نکل گئی تو پھر ایک سال ضائع ہو جائے گا بچے کا۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔ یہاں تم اکیلی تو نہیں ہو۔ بابا جان' بھابھی جان ہیں' آخر پہلے بھی تو یہی خواتین تمہارے ساتھ تھیں۔"

"پہلے کی بات نہیں کریں۔ اس وقت آپ میرے نہیں تھے پھر بھی مجھے آپ کا بہت انتظار رہا تھا' اتنا کہ میں بچے کی خوشی بھی نہیں منا سکی تھی۔" وہ منہ پھلائے کہہ رہی تھی۔

"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ مجھے آغا کو اسی سال اسکول داخل کرنا ہے ورنہ وہ اپنی عمر کے بچوں سے پیچھے رہ جائے گا اور یہ میں نہیں چاہتا۔ تم بھی سن لو پڑھائی کے معاملے میں میں کسی قسم کی رعایت نہیں دوں گا۔ تم اگر ٹھیک ہوتیں تو تمہیں بھی ساتھ لے چلتا اب مجبوری ہے۔ میں بس دو دن میں واپس آجاؤں گا۔" اس نے قدرے نرم پڑ کر کہا تو مہرالنساء نے کچھ بے یقینی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"ہاں' مجھے اور کوئی کام نہیں ہے وہاں' بس آغا کا ایڈمیشن کروا کے واپس آجاؤں گا۔" اس نے یقین دلایا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ "تم ابھی اس کی پیکنگ کر دو تو میں صبح ہی نکل جاؤں گا پھر پرسوں شام میں میری واپسی بھی ہو جائے گی۔"

"پرسوں شام ٹھیک ہے۔" وہ پیکنگ کے خیال سے کھڑی ہوئی پھر ایک دم رک کر بولی۔ "شاہ! میں آغا کے بغیر کیسے رہوں گی۔؟"

"جیسے یونس بھائی اور جہانگیر بھائی کی بیگمات رہتی ہیں۔ بچوں کی بہتری کے لیے یہ عارضی دوری سہنی پڑتی ہے مہرالنساء اور ابھی تو یہ یہیں مری جا رہا ہے جبکہ مجھے اسے باہر بھی بھیجنا ہے جہاں سے اعلیٰ تعلیم کے بعد جب یہ لوٹے گا تو نظر لگ جانے کے خیال سے تم اسے دیکھنے سے گریز کرو گی۔"

"مائی سن آغا' ون ہی دل ریٹرن فرام امریکہ۔ ہی ول ڈیل ایجوکیٹڈ' ویل مینرڈ اینڈ ویل پرسنالٹی' لائیک می۔" اس نے مہرالنساء کو روشن کل کی جھلک دکھا کر خوش کر دیا تھا۔

"اے کمانڈو! ادھر آؤ۔" اس نے آغا کو متوجہ کر کے اپنے پاس بلایا تو وہ لاپروائی سے بولا۔

"میں کھیل رہا ہوں۔"

"سارے کھیل بند۔ اب صرف پڑھائی ہو گی۔" اس نے خود ہی اٹھ کر اسے گود میں اٹھا لیا جس پر وہ احتجاج میں ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔

◇◇◇◇◇◇ ♡ ◇◇◇◇◇◇

"بدتمیزی نہیں۔" اس نے ٹوکا تھا کہ مہرالنساء فوراً" بول پڑی۔

"بچہ ہے' اسے کیا پتا' بدتمیزی کیا ہوتی ہے۔"

وہ کہتے کہتے رہ گیا اس خیال سے کہ بچے کو کون سا یہاں رہنا ہے۔ کل تو چلے جانا ہے پھر مہرالنساء سے الجھنے کا فائدہ۔

جو بالکل جاہل عورت تو نہیں تھی لیکن ضد میں اس کی ہر بات کا الٹ ضرور کرتی تھی۔ اور وہ کافی حد تک اس لیے محض اپنا موڈ خراب ہونے کے خیال سے خاموشی اختیار کر لیتا تھا۔

پھر صبح ناشتا کرتے ہی وہ آغا کو لے کر کراچی کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہاں سے دس بجے اسے اسلام آباد کی فلائٹ تھی۔ اس سے پہلے وہ جہانگیر بھائی کی چھوٹی بیٹی کے ایڈمیشن کے سلسلے میں ان کے ساتھ گیا تھا۔ تو تمام راستے سوچتا رہا تھا کہ اتنی سی بچی کو آپ ہاسٹل میں چھوڑ دیں گے۔ اور اب اپنے بچے کو چھوڑتے ہوئے بھی اس کی وہی کیفیت تھی۔ مہرالنساء سے تو کہہ دیا تھا کہ بچوں کی بہتری کے لیے ان کی عارضی دوری سہنی پڑتی ہے۔ لیکن خود کو یہ بات سمجھانے میں اسے کچھ وقت لگا تھا گو کہ یونس بھائی اور جہانگیر بھائی کے بچے بھی وہیں تھے اور بڑے والے تو اچھے خاصے بڑے بھی تھے پھر بھی واپسی کا تمام راستہ وہ بہت بے کل رہا تھا۔ جیسے چھوٹے سے بچے کو کہیں تنہا چھوڑ آیا ہو۔ یہ اس کی کیفیت تھی جو اسے بے چین کرتی رہی تھی۔ اور اتفاق سے کوئی ساتھ بھی نہیں تھا جس کے ساتھ باتوں میں دھیان بٹتا۔

بہرحال جب کراچی ایرپورٹ سے باہر نکلا تو ڈرائیور کو اپنا منتظر دیکھ کر کافی متعجب ہوا کیونکہ مہرالنساء سے اس نے دن واپسی کا طے ضرور کیا تھا لیکن خود اسے بھی یقین نہیں تھا کہ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق آسکے گا۔ اس لیے ہوتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو بھی تاکید نہیں کی تھی کہ وہ اسے لینے پہنچ جائے۔ جب ہی حیران تھا اور بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟۔"

"بڑی بیگم صیب نے۔ وہ ادھر اسپتال میں ہیں۔" ڈرائیور نے بتایا تو وہ متوحش ہو گیا۔

"خیریت تو ہے ناں؟۔"

"جی صیب۔" ڈرائیور نے اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بس اس قدر کہا تو اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اور کون ہے ان کے ساتھ؟۔"

"جی آپ کی بیگم صیب۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ چلو ادھر ہی چلو۔" وہ سارا معاملہ سمجھ کر اطمینان سے ہو گیا اور بیٹھتے ہی اخبار اٹھا کر دیکھنے کے شغل سے نکلا اس وقت جب ڈرائیور نے ہاسپٹل کے سامنے گاڑی روک کر اسے مطلع کیا تو اخبار رکھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا جبکہ ذہنی رو بھٹک گئی تھی۔

"سکندر! وہ مہرالنساء تھی، میں نے اسے دیکھا تھا۔ شاید ڈلیوری کے لیے آئی تھی، اس کی گود میں بچہ بھی تھا۔"

"شٹ اپ آسیہ!" اس وقت اس نے چلا کر اسے خاموش کر دیا تھا اور اب اس کا سامنا ہونے کا خیال آتے ہی اسے لگا کہ وہ گھبرا گیا، حالانکہ اس کی بیوی اور بچے کے بارے میں وہ جان چکی تھی پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی اس پر انکشاف ہو گا، کتنی دیر بعد وہ گاڑی سے اتر کر اندر آیا اور بہت محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد کاؤنٹر پر کھڑی نرس سے مہرالنساء کا پوچھا تو وہ رجسٹر دیکھ کر بتانے لگی۔

"مہرالنساء۔ ابھی دو گھنٹے پہلے ایڈمٹ ہوئی ہیں۔ ان کا پہلا کیس بھی نارمل نہیں تھا اور ابھی بھی بچہ آپریشن سے ہوگا۔ آپریشن کے بارے آپ ڈاکٹر فرزانہ حسین سے معلوم کریں۔"

"ڈاکٹر فرزانہ حسین؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو نرس اس کے عقب میں اشارا کر کے بولی۔

"ادھر رائٹ ہینڈ، روم نمبر فور میں ملیں گی۔"

"تھینک یو۔" وہ جاتے جاتے پلٹا تھا۔ "اور مہرالنساء کہاں ہیں اس وقت۔؟"

"روم نمبر الیون۔"

"تھینکس اگین۔" وہ بے آواز مگر تیز قدموں سے پہلے روم نمبر الیون میں آیا تو وہاں صرف بی بی جان تھیں۔ اسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

"اچھا ہوا تم آگئے، ڈاکٹروں کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔ پتا نہیں کیا کیا بولتی ہیں۔"

"آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیس گھر پر بھی ہو سکتا تھا۔" وہ خفا ہونے لگا۔

"منع کر دیا تھا ڈاکٹرنی نے، کل آئی تھی مہرالنساء کو دیکھنے۔ کہہ رہی تھی گھر پر نہیں ہو سکتا، آپریشن ہو گا۔ اسی لیے خود ہمیں یہاں لے کر آئی تھی۔ آغا نہیں ہوا ہے، اچھا اسپتال ہے میں نے سوچا۔"

"آغا کہاں ہے؟۔" وہ ان کی تفصیل سے اکتا کر بول پڑا۔

"ابھی نرس لے کر گئی ہے۔ پتا نہیں کیا کرنا ہے۔" بی بی جان سوچنے میں لگ گئیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر سے معلوم کرتا ہوں"

وہاں سے نکل کر ڈاکٹر فرزانہ حسین کے کمرے کا رخ کیا پھر ان سے مہرالنساء کی کنڈیشن اور آپریشن کا وقت معلوم کر کے وہ مجبوراً دوبارہ بی بی جان کے پاس آبیٹھا کیونکہ ڈاکٹر نے پندرہ منٹ بعد آپریشن بتایا تھا اور اتنی دیر کے لیے وہ کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ عجیب مشکل تھی۔ اسے لگا جیسے ہر موڑ پر اس کے لیے امتحان رقم کیا گیا ہے۔ وہ آسیہ سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ اس کے راستے میں نہیں آئے گا۔ اور تقدیر کی ستم ظریفی کہ پھر وہیں لے آئی تھی۔ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر بھی اسے ندامت محسوس ہونے لگی تھی۔

بی بی جان اس کی خاموشی سے یہی سمجھیں کہ وہ مہرالنساء کے آپریشن کا سن کر پریشان ہے جب ہی اس کا دھیان بٹانے کو پوچھنے لگیں۔

"آغا کو چھوڑ آئے؟ رو تو نہیں رہا تھا؟۔"

"جی جی نہیں۔" اس نے چونک کر دونوں باتوں کا جواب دیا۔

"تم لوگوں کی منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہاں اسکول نہیں ہیں جو بچوں کو اتنی دور بھیج دیتے ہو۔ لڑکے تو لڑکے۔ بیٹیوں کو بھی۔ یونس اور جہانگیر کی بیٹیاں ماشاءاللہ سمجھدار ہو رہی ہیں۔ اتنی عمر میں، میں نے شہربانو کو پردے میں بٹھا دیا تھا گھر میں استانی پڑھانے آتی تھی۔"

"اب وہ وقت نہیں ہے بی بی جان! لڑکا ہو یا لڑکی تعلیم دونوں کے لیے ضروری ہے۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اس کا کچھ کہنے سننے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا اور بی بی جان کو ٹوک بھی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے مہرالنساء کا پتا کرنے کے بہانے کمرے سے نکل کر راہداری میں ٹہلنے لگا تھا۔

◇◇◇◇◇◇ ♡ ◇◇◇◇◇◇

وہ نبیل کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے کھڑکی سے باہر کچھ چہل پہل دکھا رہی تھی۔ تاکہ اس کے اندر کچھ شوق پیدا ہو کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح باہر آجا سکے اور وہیں سے اس نے شاہ سکندر کو ہاسپٹل کے گیٹ سے داخل ہوتے دیکھا تھا جس سے اس کا سارا اطمینان پل میں رخصت ہو گیا۔

"کتنی احمق ہوں میں جو اس کے وعدے کا اعتبار کر لیا کہ اب کبھی مجھے تنگ کرنے نہیں آئے گا۔" وہ نبیل کو بیڈ پر بٹھا کر بےچینی سے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی تھی۔

"وہ پھر آگیا، اس پر میرے ہاتھ جوڑنے، میری عاجزی کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اف میں کیا کروں، کہاں جاؤں۔" اس پر بے قراری طاری ہونے لگی اور انجانے خدشات میں گھر کر وہ کچھ خوفزدہ بھی ہو گئی۔ یوں لگا جیسے ابھی وہ سارے میں اسے پکارتا ہوا آئے گا اور پھر بچی کا مطالبہ کرے گا، سب کے سامنے تماشا بننے کا خیال ہی روح فرسا تھا۔ وہ اس صورت حال سے نمٹنے کا سوچنے لگی۔

"پھوپھو!" نبیل کے پکارنے پر وہ اچھل پڑی۔

"ہاں!"

"یہ بسکٹ لیں۔" نبیل نے اپنا بسکٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تو اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی۔

"آپ کھاؤ بیٹا۔ تھینک یو۔" وہ اس کا گال تھپک کر کمرے سے نکل کر آئی اور کاؤنٹر پر رک کر بظاہر سرسری انداز میں نرس سے پوچھنے لگی۔

"سسٹر! کوئی مجھ سے ملنے تو نہیں آیا تھا؟۔"

"نہیں۔"

"کسے آنا تھا؟۔" عقب سے ڈاکٹر یاسمین نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تو وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولی۔

"وہ... نبیل کے گھر سے کوئی آنے والا تھا۔ اس کے نانا نانی یا شاید اس کی ممی۔"
"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" ڈاکٹر یاسمین نے کہا۔
"نہیں تو، میں پریشان کیوں ہوں گی، البتہ نبیل پریشان ہو جاتا ہے انہیں دیکھ کر او کے۔ میں ذرا وارڈ کا چکر لگا
اسے یاسمین سے اپنی کیفیات چھپانا مشکل ہو رہا تھا جب ہی بہانے سے چلی آئی۔
اسپیشل وارڈ میں کل چھ بیڈ تھے۔ اس نے ایک ایک بچے کے پاس رک کر چیک کرنے کے ساتھ اس کا حال پوچھا اور وہی روزانہ والی باتیں دہرائیں جو وہ بچوں کے اندر حوصلہ پیدا کرنے کے لیے کرتی تھی۔ پھر نبیل کے کمرے آ کر اسے اپنے جانے کا بتایا کیونکہ پانچ بجنے والے تھے۔
"پھوپھو! کل پھر صباحت کو لے کر آئیے گا۔" نبیل نے شوق سے کہا تھا۔
"بیٹا! ابھی وہ بہت چھوٹی ہے۔ بس اب کچھ دنوں کی بات ہے پھر میں آپ کو گھر لے جاؤں گی۔" وہ کہتی ہوئی کھ
قریب آئی اور ذرا سا پردہ ہٹا کر نیچے دیکھنے لگی، گیٹ کے سامنے تین چار گاڑیاں کھڑی تھیں اور کیونکہ اس نے شاہ
گاڑی سے اترتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اس لیے کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ موجود ہے یا جا چکا ہے۔
"شاید چلا گیا اور اگر نہیں بھی گیا تو...." اس نے قدرے الجھ کر سر جھٹکا پھر نبیل کو خدا حافظ کہہ کر اپنا پرس
اپنے کمرے میں آئی تو یاسمین موجود نہیں تھی۔
"سسٹر! ڈاکٹر یاسمین کہاں ہیں؟" اس نے کمرے سے نکلتے ہی نرس سے پوچھا۔
"جی انہیں ڈاکٹر وہاب نے بلایا ہے، کہہ رہی تھیں۔ آپ نیچے چلیں، وہ ابھی آتی ہیں۔" سسٹر کا جواب سن
کی طرف بڑھ گئی۔
اس کے اندر غالباً ابھی بھی خوف موجود تھا، جب ہی یاسمین کے انتظار میں کہیں رکنے کے بجائے وہ فوراً جانا چاہتی تھی تاکہ جانے پہچانے لوگوں کے سامنے کوئی بدمزگی نہ ہو۔ اس لیے لفٹ سے نکلتے ہی تیز قدموں عبور کر رہی تھی کہ عقب سے بھاگتے قدموں کی آواز کے ساتھ ایک پکار تھی۔
"آس! آس!"
"میرے خدا!" اس کے قدم اپنے آپ رک گئے۔ بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر وہ پلٹی تھی کہ اسی پل سی بچی اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور اس کے پیچھے آتا شخص رک کر بولا۔
"سوری، یہ بچی بہت شرارتی ہے۔"
"کوئی بات نہیں۔" اس نے دھیرے سے بچی کا گال چھو کر کہا۔
"آس! چلو بیٹا! آپ بھی سوری کرو۔" اس نے بچی کو بازوؤں میں اٹھا کر کہا تو وہ گہری سانس کے ساتھ ذرا سا م
"آپ کی بیٹی ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟"
"آصفہ!"
"گڈ۔ گڈ نیم۔ او کے نائس گرل سی یو۔" اس نے بچی کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو تھام کر ذرا سا ہلایا پھر جانے بڑھائے تھے کہ کچھ فاصلے پر شاہ سکندر کو ٹہلتے دیکھ کر وہ پھر اسی حالت میں آ گئی۔
شاہ سکندر ٹہلتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ اور اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے اس شغل ہے، بظاہر بہت بے نیاز سا، اسے دیکھا بھی یوں جیسے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ ہو، لیکن ہونٹوں میں دبی مبہم مسکراہ کی غماز تھی کہ کچھ دیر پہلے کی صورت حال سے وہ اس کی کیفیات جان کر ایک انجانی خوشی محسوس کر رہا ہے۔
آسیہ کا دل چاہا اسے روک کر پوچھے کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔ اتنی جلدی اپنا وعدہ کیوں بھول گیا۔ لیکن سے وہ اس کے قریب سے گزر گیا۔ اس سے وہ بس اندر ہی اندر سلگ کر رہ گئی اور اس سے پہلے کہ وہ پلٹ قدموں سے باہر نکل آئی اور یاسمین کی گاڑی سے ٹیک لگا کر سوچنے لگی کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے۔
"سوری۔ تمہیں کافی انتظار کرنا پڑا۔" یاسمین کی آواز نے ہی اسے سوچوں کے بھنور سے نکالا تھا۔
"کیا کہہ رہے تھے ڈاکٹر وہاب؟" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"...اب مریضوں کے کیسز ڈسکس کرنے کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرتے، یہ تم بھی جانتی ہو۔"
"لیکن کبھی موڈ میں ہوتے ہیں تو چائے پر بھی بلا لیتے ہیں۔" اس نے شرارت سے کہا تو یاسمین جل کر بولی۔
"...تمہیں، مجھے تو حسرت ہی ہے۔"
"...میں کل ہی ان سے کہوں گی۔ وہ چائے کیا تمہیں لنچ پہ بلا لیں گے۔"
"...یہ بتاؤ، تم نے بچیوں کی آیا کے لیے جو اشتہار دیا تھا کیا ہوا۔ آئی کوئی خاتون؟" یاسمین نے اس موضوع کو اس کا مسئلہ چھیڑ دیا۔
"ایک خاتون، کئی خواتین آئی تھیں پھر بھی میرا مسئلہ حل نہیں ہوا، اصل میں ان خواتین کے ساتھ کافی مسائل کے بچے، کوئی شوہر کی ستاتی ہوئی اور کوئی ایک آدھ بچہ ساتھ لے کر آئی تھی۔ جبکہ میں ایسی عورت چاہتی ہوں ...نہ ہو بے سہارا ہو، بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ گھر کا کام کاج بھی کر سکے اور اسے کہیں جانے کی ضرورت بھی نہ

...مسئلے پر ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔
"...ایسی عورت کو میں جانتی ہوں، کہو تو ابھی اس کے پاس لے چلتی ہوں اگر تمہاری تسلی ہو جائے تو بات کر لینا اس ...لیے یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ تمہاری آفر قبول کرے گی یا نہیں۔" یاسمین نے کہا تو اس نے قدرے پر ...انداز میں پوچھا۔
"...ون ہے؟"
"پہلے ہم جہاں رہتے تھے۔ وہ وہیں رہتی تھی۔ یعنی میں نے اسے بچپن سے دیکھا ہے۔ دو میاں بیوی تھے۔ کوئی اولاد ...تھی۔ آتے جاتے بچوں کو بلا کر کبھی ٹافی دیتی کبھی بسکٹ پھر ہم یہاں شفٹ ہو گئے تو کبھی کبھار امی سے ملنے آ جاتی تھی جب سے اس کے میاں کا انتقال ہوا ہے، نہیں آئی۔ پتا نہیں ابھی بھی وہیں رہتی ہے یا کہیں اور چلی گئی۔ معلوم ...تے ہیں۔ شاید وہیں ہو۔ کیا خیال ہے۔" یاسمین نے آخر میں اسے دیکھا تو وہ فوراً بولی۔
"ہاں چلو۔ ابھی چلو۔"
...سمین نے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی واپس موڑی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ مطلوبہ گھر کے سامنے کھڑی تھیں۔
"کون؟" دستک کی جواب میں دروازہ کھلنے کے ساتھ جو عورت سامنے آئی اسے دیکھ کر یاسمین اسے "یہی ہیں" کا ...کرتی ہوئی اس سے بولی۔
"میں ہوں بوا۔ یاسمین! پہچانا نہیں آپ نے؟"
"کیوں نہیں پہچانوں گی۔ آؤ اندر آؤ۔" انہوں نے ایک طرف ہٹ کر راستہ دیا۔
"یہ میری دوست ہے آسیہ۔ یہ بھی ڈاکٹر ہے اور خاص طور سے آپ سے ملنے آئی ہے۔" یاسمین نے اندر داخل ...اس کے تعارف کے ساتھ کہا تو وہ بے اختیار بولی۔
"صرف ملنے نہیں لینے آئی ہوں۔"
"مجھے لینے آئی ہو۔ کیوں؟" انہوں نے پوچھا تو وہ یاسمین کو دیکھنے لگی۔
"بوا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ آپ اکیلی رہتی ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو...." یاسمین بھی کچھ سٹپٹا گئی تو ...باری باری دونوں کو دیکھا پھر آسیہ سے بولیں۔
"...بھی اکیلی ہو؟"
...کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی۔ حالانکہ وہ اکیلی نہیں تھی۔ بھرا پرا گھر تھا لیکن جس انداز سے انہوں نے ...اس حساب سے اکیلے پن کے احساس نے اس کی آنکھیں دھندلا دی تھیں۔ فوراً کچھ بول بھی نہیں سکی۔ تب
"...دو بیٹیاں ہیں بوا اور گھر میں اور لوگ بھی ہیں۔ پھر بھی یہ چاہتی ہے کہ اگر آپ اس کی بچیوں کے پاس رہنا ...کیونکہ یہ تو سارا دن ہاسپٹل میں ہوتی ہے۔"
"...میں کوئی اعتراض نہیں۔" وہ کچھ کچھ اس کا مسئلہ سمجھ کر کہنے لگیں۔

"یہاں بھی میں تیرے میرے گھر کا کام کرکے گزارہ کرتی ہوں۔ اس طرح کسی ایک گھر کی ہو رہوں گی لیکن
بعد اگر تم کہو کہ ہمیں اب تمہاری ضرورت نہیں ہے تب میں کہاں جاؤں گی' یہ ٹھکانا بھی اپنا نہیں ہے۔ مالک
مالک مکان نے ترس کھا کر ایک کمرہ دے دیا۔ پھر کہاں ملے گا۔"
اس نے جلد بازی اور جذباتی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگی۔
"میں آپ کو جانے کے لیے نہیں کہوں گی' اگر آپ کو کبھی میرے گھر والوں کی طرف سے کوئی شکایت ہوئی
چھوڑ کر جانا چاہیں تب بھی یہ میری ذمہ داری ہوگی کہ میں پہلے آپ کے لیے رہائش کا انتظام کر دوں' اس سے زیادہ
نہیں کہوں گی۔ آپ سوچ لیں۔ ہم کل اس وقت پھر آئیں گے۔ کیوں یاسمین؟۔"
"ہاں بوا! بس سوچنا کیا ہے۔ تیاری کر رکھیں۔ ہم کل آپ کو لے جائیں گے۔" یاسمین اسے اشارا کرتے ہوئے
کھڑی ہوئی۔
"مجھے ایسی ہی خاتون چاہیے تھی۔ صاف ستھری ہیں اور بات بھی سلیقے سے کرتی ہیں۔" جب وہ اپنے گھر
اترنے لگی تب اس نے رک کر یاسمین سے کہا تو اس نے اطمینان دلایا تھا۔
"فکر نہیں کرو۔ کل انہیں لے آئیں گے۔"
وہ راؤنڈ کے بعد کمرے میں آئی تھی۔ اسٹیتھسکوپ گردن سے نکال کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑے سے مٹھائی
ڈبے پر اس کی نظر پڑی تو بے اختیار اس میں سے اپنی پسندیدہ مٹھائی گلاب جامن اٹھا کر پوچھنے لگی۔
"یہ مٹھائی کس خوشی میں؟۔"
"بیٹا ہوا ہے۔" یاسمین کا منہ مٹھائی سے بھرا ہوا تھا اسی میں بولی۔
"کس کا؟۔" اس نے یاسمین کی طرف گردن موڑ کر پوچھا تو وہ خاصی لاپروائی سے بولی۔
کسی شاہ کا۔"
"شاہ!" اس کے ہونٹ کھلے رہ گئے اور نظروں میں کل شام کا منظر آن سمایا جب وہ راہداری میں ٹہل رہا تھا۔
کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان پھنسی گلاب جامن پھسل کر واپس ڈبے میں جا گری تھی۔
"بڑا دل والا ہے بھئی۔ نیچے سے اوپر تک تمام اسٹاف کو مٹھائی بھجوائی ہے اور پیشنٹس کو الگ۔" یاسمین
رہی تھی۔ "سسٹر بتا رہی تھی' ٹوکروں کے ٹوکرے منگوائے ہیں اس نے۔ لگتا ہے پہلا بیٹا ہے۔ چلو چل کر مبارک
آتے ہیں۔ اے تم کہاں ہو؟۔"
"ہیں۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں دیکھا تھا۔
"ہاں میں۔ تم تو واقعی یہاں نہیں ہو۔ خیریت تو ہے۔ کہاں کھوئی ہو۔؟"
یاسمین نے اس کا کندھا ہلایا تو روکتے روکتے بھی اس کے ہونٹوں سے گہری سانس خارج ہوئی پھر خود کو چھیڑ
بولی۔
"پتا نہیں۔ کیا کہہ رہی ہو تم۔"
"میں کہہ رہی ہوں۔ چلو مبارکباد دے آتے ہیں۔" یاسمین نے کہا۔
"ہمیں کیا ضرورت ہے۔" وہ ناگواری سے بولی۔
"ارے۔ اس نے مٹھائی بھجوائی ہے۔ کم از کم اس کا شکریہ ادا کر آئیں۔" یاسمین ہرگز بھی سنجیدہ نہیں
پہلی بار غور کیا پھر اسی کے انداز میں بولی۔
"ہاں' تم چلی جاؤ۔ میری طرف سے بھی شکریہ کہہ دینا۔ اور اس کے بچے کے ہاتھ پر سو پچاس روپے بھی
ہماری یہ ہی حیثیت ہے۔"
یاسمین کھی کھی ہنسنے لگی۔ تب ہی کاریڈور میں بھاری جوتوں کی آواز پر وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔
"ہش۔ لگتا ہے ڈاکٹر وہاب آ رہے ہیں۔"
"او مائی گاڈ۔ میں جا رہی ہوں۔" یاسمین اپنا اسٹیتھسکوپ اٹھاتی کمرے سے نکل گئی تو اس نے
مٹھائی کا ڈبہ بند کرکے ایک طرف رکھا پھر ٹیبل کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگی لیکن بہت جلد اسے احساس ہو

کہ اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوگی' تب فائل بند کرکے بیک پر سر رکھتے ہوئے اس نے پلکیں موند کر خود کو
کے ہجوم میں چھوڑ دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

ے لگ رہا تھا کہ وہ ہر معاملے میں مہرالنساء سے مات کھا گئی ہے۔
ن د خوبصورتی میں۔
بت میں۔
ر قسمت میں بھی۔
اید ساری بات ہی قسمت کی تھی جو وہ جیت کر بھی ہاری تھی اور مہرالنساء ہار کر بھی جیت رہی تھی۔ اور گو کہ
کا شاہ سکندر سے کوئی ناتا' کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی اس پر حق رکھنے والی اس عورت سے وہ فطری رقابت
کرنے لگی تھی' کتنی دیر تک وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی پھر اس کا دل چاہا' وہ اسے قریب سے دیکھے کہ
کے ملکوتی حسن میں کیا اسرار ہے جو شاہ سکندر کبھی مکمل طور پر اس کی گرفت میں چلا جاتا ہے اور کبھی اس
نظریں چرا کر یا شاید گھبرا کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔
"تم اس وقت سے یہیں بیٹھی ہو۔" دوبارہ یاسمین نے آ کر اسے اس بھنور سے نکالا تھا۔ "مسئلہ کشمیر
کرنے میں لگی ہو یا۔۔۔۔۔؟۔"
"ہم لوگ اپنے مسائل حل کر لیں' یہی بڑی بات ہے۔" وہ اسٹیتھسکوپ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا
میں ذرا نیچے جا رہی ہوں' ڈاکٹر فرزانہ حسین کے پاس۔"
خیریت؟۔"
ہاں وہ میری بھابھی کے ساتھ کچھ پرابلم ہے۔ تیسرے بچے کے بعد انہوں نے پانچ سال کا گیپ لیا تھا
"
سرسری انداز میں بولتی ہوئی کمرے سے نکل کر سیدھی لفٹ میں داخل ہو گئی تھی۔ لیکن نیچے آ کر وہ الجھ کر
سرزنش کرنے لگی کہ وہ کیوں مہرالنساء کے بارے میں جاننا چاہتی ہے۔ اس کے حسن میں اسرار ہو یا جادو
کیا۔ لیکن وہی بات کہ انسان جس سے مات کھا جائے' اسے کسی بھی طرح مات دیئے بغیر چین سے نہیں
۔ اور گو کہ اس کے پاس مہرالنساء جیسا کوئی مہرہ نہیں تھا۔ پھر بھی اس کے مقابل جانے سے خود کو روک نہیں
۔ اور پہلے ڈاکٹر فرزانہ حسین کے کمرے میں آئی اور ابتدائی رسمی جملوں کے بعد بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے
۔
"کل آپریشن کیس تھا؟۔"
"ہاں' خاصا سیریس۔ اس لڑکی کا پہلا کیس بھی ایسا ہی تھا' اصل میں یہ دیہاتی لوگ آخر وقت تک اپنے ٹوٹکے
ڈال کرتے ہیں۔ میں ابھی اسے ہی دیکھنے جا رہی ہوں چلو گی۔"
ڈاکٹر فرزانہ حسین نے جیسے اس کی مشکل حل کر دی۔
"ہاں۔" وہ اپنا تجسس چھپا کر ان کے ساتھ چل پڑی۔ اور راہداری کے آخری سرے پر روم نمبر الیون میں داخل
تو اس نے سب سے پہلے مہرالنساء کو دیکھا جو دودھیا بازو آنکھوں پر رکھے شاید سو رہی تھی۔
سو رہی ہے۔ کچھ کھایا بھی ہے؟۔" ڈاکٹر فرزانہ کی آواز پر وہ مہرالنساء سے نظریں ہٹا کر کچھ بے خیالی میں ان
ناصب کو دیکھنے لگی۔
"ہاں ناشتا کیا تھا اس نے پھر وہ نرس دوا بھی دے گئی تھی۔ لیکن اس کے ٹانکوں میں بہت تکلیف ہے۔ ابھی رو
بابا جان بیڈ کے دوسری طرف آ کر بتانے لگی تھیں۔

"یہ رو رہی ہے۔" ڈاکٹر فرزانہ نے مہرالنساء کی آنکھوں سے بازو ہٹایا تو گھنی سیاہ پلکوں کے در کھلتے ہی جیسے سارا جادو ان ہی آنکھوں میں ہے۔

"رونے کی کیا بات ہے بیٹا! ایک دو دن کی تکلیف ہے۔" ڈاکٹر فرزانہ اسے تسلی دینے کے ساتھ اس کا چیک کرنے لگیں پھر اسے مخاطب کر کے بولیں۔ "دیکھنا آسیہ! ادھر ٹیوب ہو گی۔"

اس نے جلدی سے کارنر ٹیبل سے ٹیوب اور کاٹن اٹھا کر ڈاکٹر فرزانہ کو تھما دی لیکن فوراً "احساس ... چھ ... طرف سے آکر ان کی مدد کرنے لگی۔

نہیں کہ وقت شاہ سکندر کمرے میں داخل ہوا تھا' اور اسے دیکھ کر دروازے کے پاس ہی رک کر جو شاہ ... "بی جان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"بی بی جان! یہ لے لیں۔"

آواز پر وہ چونکی ضرور لیکن سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اور جیسے ہی فارغ ہوئی' واش روم میں جا کر ہاتھ دھو ... دوبارہ کمرے میں آئی تو مہرالنساء کو دیکھ کر بولی۔

"اگر آپ پہلے اپنا خیال رکھتیں تو یہ تکلیف نہ سہنی پڑتی آپ کو۔ اب کم از کم بیس دن مکمل آرام کر ...

"ہاں اور اس دوران کوئی بد پرہیزی بھی نہیں کرنی۔" ڈاکٹر فرزانہ نے اس کی تائید کے ساتھ کہا۔

"بچے کو دودھ تو پلا سکتی ہوں یا نہیں؟" مہرالنساء نے پہلی بار لب کشائی کی تو وہ بے اختیار اس کے ہونٹوں کی جنبش دیکھنے لگی تھی۔ اور چونکی اس وقت جب شاہ سکندر اسے مخاطب کر کے پوچھ رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی ڈاکٹر! کوئی پرابلم تو نہیں ہے آئی مین میری مسز کے ساتھ؟"

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے دیکھا۔ ڈاکٹر فرزانہ موجود نہیں تھیں۔ وہ اپنے آپ میں خجل سی ہو ...

"لو بیٹی! سیب کھاؤ۔" بی بی جان نے پلیٹ اس کے سامنے کی۔

"شکریہ۔ میں سیب نہیں کھاتی۔" وہ انکار کر کے آگے بڑھ گئی۔ پھر دروازے پر رک کر پورے اعتماد ... کر بولی تھی۔

"مسز سکندر! میں آپ کو مبارک باد دینا تو بھول ہی گئی۔ بیٹے کے ساتھ نئی زندگی کی بھی۔" "نئی زندگی" اشارا شاہ سکندر کی اس کی طرف واپسی تھی۔ جسے مہرالنساء سمجھی یا نہیں' وہ سمجھ گیا تھا۔ اور محض اسے دیکھنے کی خاطر پوچھنے لگا۔

"میں کب تک انہیں گھر لے جا سکوں گا؟"

"سوری۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس بارے میں ڈاکٹر فرزانہ ہی بتائیں گی۔" وہ براہ راست اس کی ... میں دیکھ کر بولی تھی۔

اور یہ اس کی شاہ سکندر سے آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد کبھی سامنا ہوا بھی تو وہ اپنے وعدے ... اجنبیوں کی طرح نکل گیا۔ اور وہ اول تو پلٹ کر دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی' اگر کبھی دل میں کوئی درد جاگا تو ... نے مہلت نہیں دی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

یہ نہیں تھا کہ وقت بہت تیزی سے بھاگا تھا۔ اس کی وہی اپنی رفتار تھی لیکن آسیہ نے اپنی زندگی کا جو ... مرتب کر لیا تھا' اس کے مطابق چلنے کے لیے اسے اپنی ساری توجہ ادھر ہی مرکوز رکھنی پڑی تھی۔ وہ نبیل ... صباحت کی بہترین تعلیم و تربیت کر کے انہیں کامیاب زندگی گزارنے کے قابل بنانا چاہتی تھی جس کے ... ضروری تھا کہ وہ انہیں کسی محرومی کا احساس نہ ہونے دے۔ اور اپنی طرف سے اس نے کوئی کسر نہیں ... تھی۔

خود اپنی ذات کو فراموش کر کے اس نے ان تین بچوں کی آبیاری کی تھی۔

بغیر کسی سہارے اور کسی کی مدد کے۔ یہ نہیں تھا کہ کوئی اس کا پرسان حال نہیں تھا' سب تھے۔ ماں باپ ...

... شریک لیکن اس نے بس طرح اپنی زندگی کے نئے باب کو ان تین بچوں کے نام انتساب ... دکھ سکھ میں کسی اور کی گنجائش ہی نہیں رکھی تھی۔ جبکہ زندگی کے باقی سارے معاملات اسی طرح چلتے ... ان میں

... تھا جس میں بس تھوڑی بہت تبدیلی آئی تھی۔ پہلے اوپر کا پورشن بڑے بھیا کے پاس تھا اور ان کے باہر ... تک تو ان ہی کے انتظار میں خالی رکھا گیا پھر جب عدیل بھائی کی شادی ڈاکٹر یاسمین کے ساتھ ... بعد دو سال بس ایک سال یہاں رہے۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی کینیڈا چلے گئے۔ تب آسیہ نے اپنا ٹھکانا اوپر ... اس کی ضرورت تھی۔ گو کہ اس کا اپنا اپارٹمنٹ بھی موجود تھا۔ لیکن وہاں رہنے کا اس نے کبھی نہیں ... البتہ اپنا سامان اٹھوا کر اسے کرائے پر دے دیا تھا۔ بہرحال کافی وقت گزر گیا تھا۔ سترہ سال۔

... سالوں میں بچے نوجوانی کی دہلیز پر آکر جہاں جوانوں کے حوصلے بلند کر رہے تھے وہاں اماں جی اور ابا جی کے ... اپنی شوخیوں شرارتوں اور خدمتوں سے سہارا دے کر ان کی دعائیں سمیٹ رہے تھے۔

... میں صرف خلیل بھائی اور آسیہ کے بچے تھے۔ باقی شکیل بھائی جو شروع سے اسلام آباد میں مقیم تھے ... مستقل ٹھکانا کر لیا تھا۔ لیکن ماں باپ سے غافل کبھی نہیں ہوئے تھے۔ ہر تہوار کے علاوہ چھٹیوں ... بچوں سمیت ان کی آمد یقینی ہوتی تھی۔ ان کے وہی دو بچے اشعر اور سمیہ تھے۔

... بھیا جو دو سال کا کہہ کر جدہ گئے تھے پورے دس بعد لوٹے تو اپنا الگ گھر لے لیا تھا۔ سائرہ سے ان کی ... تھیں۔ رجاء' مریم اور سمیر۔ یہاں آکر انہوں نے نبیل کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا تھا لیکن وہ ... ابا جی اور آسیہ سے الگ ہونے پر تیار ہی نہیں ہوا تھا۔ البتہ ویک اینڈ پر ان کے پاس چلا جاتا تھا۔ جبکہ ... اور یاسمین ابھی تک کینیڈا ہی میں تھے اور ان برسوں میں دو تین بار ہی آئے تھے۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں ... اب بیٹیاں بڑی ہو رہی تھیں تو شاید اسی لیے انہوں نے جلد مستقل واپسی کا ارادہ لکھ بھیجا تھا۔ لیکن ... آنے کے بعد بھی ان کا اس گھر میں رہنا مشکل لگ رہا تھا' کیونکہ شروع سے الگ تھلگ رہنے والے سب ... ایڈجسٹ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہمیشہ ساتھ رہنے والے الگ ہونے کے خیال سے پریشان ہو جاتے ... میمونہ بھابھی۔ اس عرصے میں دو بار خلیل بھائی ٹرانسفر ہو کر دوسرے شہر گئے تھے لیکن میمونہ بھابھی نے ... ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کے پاس ٹھوس بہانا بچوں کے اسکول کا تھا' اور ان کے بچوں میں ... ثوبیہ کا اضافہ ہوا تھا جو کہ مدحیہ اور صباحت سے دو سال چھوٹی تھی۔

... اس گھر کے آنگن میں خلیل بھائی اور آسیہ کے بچے پروان چڑھے تھے۔ اور اپنے الگ الگ مزاجوں ... ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ جیسے بچپن میں ساتھ کھیلتے تو کبھی لڑتے بھی تھے۔ ابھی بھی وہی عالم ...

... میں بڑے نبیل بھائی تھے۔ جن کے بچپن کا ابتدائی دور ماں باپ کے درمیان کشیدگی پھر بیماری کی نذر ہوا۔ ... ان کی شخصیت خاصی ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ آسیہ کی بہت محبت اور توجہ کے باوجود وہ نہ تو بغیر سہارے کے ... قابل ہو سکے اور نہ ہی ان میں اعتماد پیدا ہوا۔ ویسے ہی کم گو اور خائف سے' جیسے بچپن میں ہوا کرتے تھے۔ ... ان کے تمام کزنز سوائے مدحیہ کے انہیں بہت محبت' عزت اور احترام دیتے تھے۔ پھر بھی وہ الگ تھلگ ... اگر کسی سے دوستی تھی تو کتابیں اور صباحت' ان کی موجودگی میں وہ سب بھول جاتے تھے' ان کا کمرہ وہی ... بچپن میں نبیلہ انہیں تنہا چھوڑ دیتی تھیں۔

... کمرے کی کھڑکی ٹیرس کی طرف کھلتی تھی اور اس کے پاس ان کی رائٹنگ ٹیبل رکھی تھی۔ سامنے دیوار ... بیڈ اور اس طرف صوفہ سیٹ ان کے ساتھ والا کمرہ مدحیہ اور صباحت کا مشترکہ کمرہ تھا۔ جس میں دیوار ... کیبنٹ اکثر مدحیہ اتنی زور سے بند کرتی تھی کہ انہیں اپنا بیڈ ہلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اگر یہ حرکت صبا ... ضرور ٹوکتے۔ لیکن مدحیہ کو وہ صرف ان باتوں پر ٹوکتے تھے جن میں اس کا نقصان ہوتا۔ اپنی ذات کے لیے ... کبھی اسے سرزنش نہیں کی تھی۔ اس لیے کہ وہ کچھ ضدی سی تھی اور من مانی بھی اس کی سرشت میں ... خصوصاً" نبیل کے ساتھ اس نے شروع سے ضد باندھ لی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ آسیہ اکثر

نبیل کو اس پر فوقیت دے جاتی تھی۔ اور ہمیشہ جائز بات پر ہی ایسا ہوتا تھا لیکن مدحیہ اپنی ناجائز کو بھی کھاتے میں ڈالتی تھی اور دوسرے کی جائز کو ناجائز کے۔

اگر عمروں میں زیادہ فرق نہ ہوتا تو اس کی نبیل کے ساتھ باقاعدہ ٹھنی رہتی۔ ابھی بھی ڈائریکٹ اِن ڈائریکٹ کبھی کبھی ان کی تذلیل اور دل آزاری کر جاتی تھی۔ جس پر سوائے ان کے باقی تمام کزنز احتجاج کرتے تھے۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور اسی کی جڑواں بہن صباحت تھی۔ رنگ روپ' ناک نقشے میں بالکل مدحیہ اگر ذرا سا فرق تھا تو اس تل کا جسے پہچان کے لیے سب سے پہلے سیما بھابھی نے اس کی دائیں طرف لگایا تھا۔ پھر ایک عرصہ تک میمونہ بھابھی اور اماں جی اسی پر نشان لگاتی رہی تھیں اور جب گئیں تو قدرت کی طرف سے اپنے آپ وہاں تل نکل آیا تھا۔ جو اس کے شفاف چہرے کی دلکشی میں باعث تھا۔ اور کیونکہ پہلی نظر اسی پر پڑتی تھی اس لیے دونوں کی پہچان میں مشکل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن عمر سے نکلتے ہی مدحیہ نے جانے اپنے چہرے کی دلکشی میں اضافے کی خاطر یا سب کو مشکل میں ڈالنے ہی تل بنانا شروع کر دیا تھا۔

جس سے صرف ایک شخص دھوکا نہیں کھاتا تھا اور وہ نبیل تھے۔ انہوں نے کبھی اس تل کے دھوکے صباحت نہیں پکارا تھا۔ جبکہ باقی سب دھوکا کھا جاتے یہاں تک کہ آسیہ بھی۔ بہرحال شکل وصورت لیکن عادات میں صباحت اس کے برعکس تھی۔ حد درجہ نرم خو' جیسے مدحیہ کے رویوں کی تلافی بھی تھی۔ سب سے زیادہ اسے اپنے نبیل بھائی کی فکر رہتی تھی۔ کہ باقی سب تو پھر بھی مدحیہ سے کہہ سن لیکن وہ بے چارے بالکل خاموش ہو جاتے' کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مدحیہ نبیل کی دل آزاری کرتی تو صباحت خود کو ان کے سامنے مدحیہ ظاہر کر کے معافی مانگتی اور اس وقت انہیں اس پر بے طرح پیار آتا۔ نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی بات رکھنے کی خاطر بعد میں اسے بتاتے کہ مدحیہ نے اپنے رویئے کی معافی اور وہ اپنی تدبیر پر خوش ہو جاتی تھی۔

بہرحال آسیہ نے ان تینوں کو ایک سی توجہ دی تھی ایک سی محبت' اس کے باوجود ان کے مزاجوں میں نہیں مٹا سکتی تھی کیونکہ ہر بچہ اپنی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے جسے جب تک وہ خود نہ بدلنا چاہے کوئی سکتا ورنہ ہر بچہ اپنے ماں باپ کی خواہشوں کا پرتو ہوتا۔

✈ ✈ ✈ ✈

آسیہ ابھی کلینک سے لوٹی تھی۔ روزانہ کی طرح کچھ دیر اماں جی اور ابا جی کے پاس بیٹھ کر ان کا حال احوال پھر اوپر آئی تو بوا جیسے انتظار میں بیٹھی تھیں فوراً" اٹھتی ہوئی بولیں۔

"جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آجاؤ۔ مدحیہ بہت دیر سے بھوک بھوک کر رہی ہے۔"

"تو آپ نے کھانا لگا دینا تھا بوا! میرے انتظار میں کیوں بٹھائے رکھا اسے۔" اس نے کہا۔

"لو' میں نے تو کتنی بار کہا اس سے لیکن اس کی اپنی ضد تھی کہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔"

"اچھا۔ چلیں آپ کھانا لگائیں اور ان تینوں کو بھی بلائیں۔ میں بس پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد آسیہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تو تینوں نے ایک ساتھ اسے سلام کیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام' بیٹھو۔ کھڑے کیوں ہو۔" وہ اپنی کرسی کھینچتی ہوئی بولی۔

"آج آپ نے بہت دیر کر دی مما!" مدحیہ نے بیٹھتے ہی کہا تو اس نے گھڑی پر نظر ڈالنے کے بعد تعجب دیکھا۔

"ساڑھے آٹھ ہو رہے ہیں اور میں روزانہ اسی وقت آتی ہوں۔"

"آپ تو اپنے وقت پر آتی ہیں مما۔ لیکن مدحیہ کو بھوک وقت سے پہلے لگ گئی تھی۔ اس لیے ا

صباحت نے سالن کا ڈونگا اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

بوا نے بتایا ہے مجھے۔ اور تمہیں بھوک لگی تھی بیٹا! تو کھانا کھا لینا تھا۔ آئندہ اس طرح میرے انتظار میں بیٹھی رہنا۔ لو شروع کرو۔" اس نے مدحیہ کی پلیٹ میں سالن ڈالا پھر ڈونگا نبیل کو تھما کر پوچھنے لگی۔

تم نے لیکچرر شپ کے لیے اپلائی کیا تھا۔ کوئی جواب آیا؟۔"

نہیں پھوپھو! ابھی تک تو نہیں آیا۔" نبیل نے کہا تھا کہ مدحیہ فوراً" بولی۔

آئے گا بھی نہیں۔"

کیوں؟۔" آسیہ نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

وہ مما! ہر جگہ سفارش چلتی ہے ناں اور نبیل بھائی کے لیے کوئی سفارش بھی۔"

جی نہیں۔" صباحت فوراً" بولی۔ "نبیل بھائی کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں

ہاں۔"

ہوں۔" آسیہ نے سر ہلا کر تائید کی پھر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

کھانے کے بعد اس نے مدحیہ اور صباحت کو پڑھنے کی تاکید کی پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھی تھی کہ میمونہ بھابھی

سونے کی تیاری کر رہی ہو؟۔"

نہیں ابھی تو کھانا کھایا ہے۔ آیئے بیٹھیں۔ چائے پئیں گی؟۔" اس نے پوچھا۔

ہاں۔ چائے ضرور پیوں گی کیونکہ آج میرا سونے کا کوئی پروگرام نہیں ہے' چوکیداری کرنی ہے۔" میمونہ نے آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

چوکیداری۔ کیا محلے والوں نے آپ کو....." وہ ہنسی۔

محلے والوں نے نہیں' تمہاری اور میری اولادوں نے۔ پہلے چائے کا کہو پھر بتاتی ہوں۔"

صبا! بیٹا میرے اور مامی جی کے لیے چائے لے آؤ۔ اور نبیل سے بھی پوچھ لینا۔"

اس نے وہیں سے صباحت کو پکار کر کہا پھر میمونہ بھابھی کو دیکھا تو وہ آواز دبا کر کہنے لگیں۔

میں تمہیں خبردار کرنے آئی ہوں۔ یہاں سے کسی کو نیچے نہیں اترنے دینا تمہارے بھائی جان آج ٹور پر سکھر ہیں اور ان بچوں نے وی سی آر دیکھنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ میں بالکل اس کے حق میں نہیں ہوں۔ رات بھر فلمیں دیکھیں گے تو صبح کالج' یونیورسٹی کیسے جائیں گے۔ پھر اماں جی اور ابا جی کی نیند الگ خراب ہو گی۔ بڑی ہوشیاری سے پروگرام بنا رہے تھے کہ جب ہم دونوں سو جائیں گے تب عمر وی سی آر اور فلمیں لے کر آئے گا۔ بے ہودہ فلمیں بھلا دیکھنے کی ہوتی ہیں۔ اسی لیے تو وی سی آر گھر میں نہیں رکھا۔ ورنہ میں کیا کم شوقین ہوں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر دیکھتی۔"

"اچھا ہوا۔ آپ نے مجھے بتا دیا۔ فکر نہیں کریں۔ مدحیہ اور صباحت کو میں روک لوں گی۔" اس نے کہا اور صباحت کو دیکھنے لگی جو چائے لے کر آرہی تھی۔

"مدحیہ کہاں ہے؟۔" میمونہ بھابھی نے اس سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ابھی نیچے گئی ہے۔ ثوبیہ کے پاس۔"

صباحت کا جواب سن کر آسیہ قدرے غصے سے بولی۔

"میں نے اسے پڑھنے کے لیے کہا تھا پھر وہ نیچے کیا کرنے گئی ہے۔"

"جی میں مما' میں ابھی بلاتی ہوں اسے۔" صباحت اس کے غصے سے خائف سی ہو کر فوراً" بہن کو بلانے چلی میمونہ بھابھی چائے کا کپ ہونٹوں سے ہٹا کر بولیں۔

"آسیہ! تمہاری یہ بیٹی بہت سیدھی ہے۔ اور ساتھ میں سمجھ دار بھی۔"

"اور مدحیہ؟۔" آسیہ نے فوراً" پوچھا تو میمونہ بھابھی بے ساختہ مسکرائیں۔

"مدحیہ مجھے بے وقوف لگتی ہے۔"
"آپ شاید مذاق کر رہی ہیں یا پھر میرے سامنے آپ۔۔۔"
"نہیں میں مذاق نہیں کر رہی' وہ واقعی بے وقوف ہے' تمہاری طرح"
"جناب' میں کبھی بھی بے وقوف نہیں تھی۔" آسیہ نے یوں سر جھٹکا جیسے انہوں نے کوئی نا...
"ہاں بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا تم نے۔ بچوں کو بہانا بنا کر ایک دھوکے باز ہرجائی کے نام پر زن...
اونہہ!" میمونہ بھابھی نخوت سے بولیں۔
"اب یہ میری قسمت کہ اس جیسا پھر کوئی اور ملا ہی نہیں۔"
وہ بظاہر مسکرائی تھی۔
میمونہ بھابھی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"مدحو اور صبا کو بھیج دیں' اور آپ کو چوکیداری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان دونوں... گی۔" وہ ان کے ساتھ کمرے سے نکل کر آئی پھر کھلی چھت پر ٹہلنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد مدحیہ او... تو وہ رک کر انہیں دیکھنے لگی۔
"کیا بات ہے مما۔ آپ سو نہیں رہیں۔" مدحیہ نے پوچھا۔
"تم دونوں کو صبح کالج جانا ہے کہ نہیں ہے؟۔" وہ مدحیہ کی بات یکسر نظر انداز کر گئی۔
"جانا ہے مما!"
"تو اب تک نیچے کیا کر رہی ہو۔ جاؤ جا کر سوؤ۔" آسیہ قدرے رعب سے بولی۔
"ابھی تو دس بھی نہیں بجے مما۔" مدحیہ نے صباحت کو کہنی مارتے ہوئے کہا کہ وہ بھی کچھ بو... کھینچتی ہوئی کمرے میں لے گئی۔ آسیہ نے ایک بار پھر ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

✈ ✈ ✈ ✈

کالج سے آ کر کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نبیل کے کمرے کی جھاڑ پونچھ کی غرض... ان کے کمرے کا رخ کیا۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ گو کہ نبیل چیزیں نہیں پھیلاتے تھے لیکن... بند کرنا ہمیشہ بھول جاتے۔ جہاں سے ڈھیروں گرد ان کے کمرے اور خصوصاً "رائٹنگ ٹیبل پر ہو... تھی۔ اور جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا ان کے کمرے کی صفائی اپنے ذمے لے لی تھی۔... چیزیں ادھر کر دیتی تھیں جس سے نبیل کو خاصی پریشانی ہوتی تھی۔ بروقت کام کی چیز ملتی ہی نہیں... انہوں نے بوا کا اپنے کمرے میں داخلہ بند کر دیا تھا۔ اور شروع میں تو انہوں نے اسے بھی منع کیا... مانی اور دھیرے دھیرے اپنا معمول ہی بنا لیا تھا۔ اس وقت اس نے پہلے بیڈ کی چادر جھاڑ کر دوبارہ... صوفوں کی گرد جھاڑی اس کے بعد رائٹنگ ٹیبل کے پاس آئی تھی کہ نبیل کی اسٹک کی آواز سن... سے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا۔
"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟۔" نبیل نے اندر آتے ہوئے پوچھا تو وہ دوبارہ ٹیبل کے پاس جا کر بولی۔
"صفائی!"
"اگر تمہیں صفائی کا اتنا ہی شوق ہے تو شام میں کر لیا کرو' کتنی بار کہہ چکا ہوں میں تمہیں۔ اس... تھکی ہوئی آتی ہو آرام کیا کرو۔"
"کوئی ایسا جان جوکھوں کا کام تو نہیں ہے نبیل بھائی! منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ مجھے نہیں اچھا لگتا... کا کمرہ گندا پڑا رہے۔" وہ جلدی جلدی ٹیبل صاف کرتی ہوئی بولی۔
"اچھا دیکھو۔ دراز میں نیلے رنگ کی ڈائری ہو گی۔ وہ مجھے دے دو۔"
انہوں نے بیڈ پر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا تو اس نے دراز کھول کر ڈائری نکالی اور انہیں تھما کر بو...
"آپ نے کھانا کھا لیا؟۔"

"ہاں' میں نیچے اباجی کے پاس تھا۔ ان ہی کے ساتھ کھایا ہے۔ اب براہ مہربانی تم جاؤ یہاں سے۔ مجھے کچھ کام... رہا ہے۔" انہوں نے گھٹنوں پر رکھ کر ڈائری کھول لی۔ تب ہی ادھر مدحیہ نے حسب عادت زور سے الماری بند کی تھی جس... ادھر گونجی تھی۔ اور نبیل غالباً "عادی ہو چکے تھے۔ جب ہی ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا جبکہ وہ... آواز...
...جھلا گئی۔
"...یہ مدحو کبھی نہیں سدھرے گی۔ نبیل بھائی آپ اسے ڈانٹتے کیوں نہیں۔"
"کیوں۔ کیا کیا ہے اس نے؟۔" انہوں نے تجاہل عارفانہ سے دیکھا۔
"ہائیں! یہ ابھی آپ کا پورا کمرہ ہل گیا اور آپ کو پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں تب ذرا سا مسکرائے۔
"نہیں خیر' پتا تو چلا ہے کہ مدحیہ اس وقت کسی بات پر تلملائی ہوئی ہے۔ جاؤ دیکھو کہیں غصے میں تمہاری چیزیں ...کر نہ پھینک دے۔"
"ہاں غصے میں اسے میری ہی چیزیں ملتی ہیں۔"
...بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی اور سارے میں نظریں دوڑانے کے بعد مدحیہ کو دیکھا۔ وہ آرام سے لیٹی تھی۔
"کیا دیکھ رہی ہو؟۔" مدحیہ نے ٹوکا۔
"میرا خیال تھا۔ تم سو چکی ہو۔" اس نے کہا تو مدحیہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔
"تقریباً" سو چکی تھی لیکن نبیل بھائی کی ٹک ٹک نے ساری نیند اچاٹ کر دی ان سے کہو' اپنی اسٹک کے ...ربر لگوا لیں۔ اس کی آواز مجھے زہر لگتی ہے۔"
"کچھ خدا کا خوف کرو مدحو! نبیل بھائی شوق سے اسٹک لے کر نہیں چلتے۔"
اس نے تاسف سے ٹوکا تو وہ مزید چڑ گئی۔
"مجھے پتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ دوسروں کی نیندیں خراب کریں۔ اچھی بھلی سو گئی تھی۔ ...گئے پتا نہیں کہاں سے۔ مما کو بھی بس شوق ہے یتیم پالنے کا۔"
"اف!" صباحت نے دہل کر اسے دیکھا۔ "کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اللہ نہ کرے جو کوئی یتیم ہو۔ اللہ سلامت رکھے بڑے ماموں کو اور۔۔۔"
"ہاں ہاں کہو' اور ہمارے باپ کو۔۔۔" اس کے خاموش ہونے پر مدحیہ نے چیخ کر کہا تھا۔
"تم بہت بدتمیز ہو گئی ہو مدحو۔ مما نے اگر سن لیا ناں تو بہت ماریں گی تمہیں۔ یہ خیال بھی نہیں کریں گی کہ تم اب بڑی ہو گئی ہو۔" وہ ناراضگی سے بولی۔
"کیوں ماریں گی۔ باپ گالی تو نہیں ہے۔ گالی ہوتے تو میرے اور تمہارے ناموں کے ساتھ ان کا نام نہ لگا ہوتا۔" مدحیہ تیز لہجے میں بول رہی تھی۔ اچانک آواز دبا کر کہنے لگی۔ "سنو' کسی دن مما سے سکندر حیات کے ...بارے میں پوچھیں گے۔ ان کا اتا پتا مل گیا تو مل بھی آئیں گے۔"
"کیا کہہ رہی ہو تم۔" صباحت کچھ پریشان ہو گئی۔
"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ آخر وہ ہمارا باپ ہے۔"
"باپ کو تو کبھی خیال نہیں آیا ہم سے ملنے کا۔ پھر ہم کیوں ملیں۔ ویسے بھی وہ یہاں نہیں رہتے۔ ایک بار میں ...پوچھا تھا مامی جی سے۔" صباحت نے کہا۔
"مامی جی کو کیا پتا۔ ان کی دنیا تو بس اسی چار دیواری کے اندر ہے۔ البتہ مما کو ضرور پتا ہو گا لیکن وہ بتائیں گی ...نہیں۔ مجھے ذرا اور بڑا ہونے دو پھر دیکھنا کیسے معلوم کرتی ہوں۔" مدحیہ بڑے آرام سے بول رہی تھی جیسے کوئی ...بتا رہی ہو۔
"نہیں مدحو! جو بات مما کو پسند نہیں۔ وہ ہمیں سوچنی بھی نہیں چاہیے۔"

صبا نے خاصے ناصحانہ انداز میں کہا۔ تب ہی دستک کے بعد ذرا سا دروازہ کھول کر عمر اندر جھانک کر

"سنو، پھوپھو سو رہی ہیں کیا؟۔"

"ہاں۔ کیوں؟۔" مدحیہ جواب کے ساتھ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ اندر آتا ہوا بولا۔

"ابا جی بلا رہے ہیں انہیں لیکن انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر سو رہی ہوں تو مت اٹھانا۔"

"نہیں اٹھاتے۔" مدحیہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"شاباش۔ اب ذرا ایک گلاس پانی پلا دو۔" عمر کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگا تو مدحیہ نے فوراً ٹوکا۔

"بیٹھنا مت۔"

"کیوں؟۔" عمر کرسی ہلا کر دیکھنے لگا۔

"کرسی مضبوط ہے۔ اسے چھوڑو اور یہاں سے نکل کر بائیں ہاتھ چند قدم چلو پھر دائیں ہاتھ مڑ جاؤ بائیں ہاتھ پر کچن ہے۔ وہاں فریج رکھا ہوگا۔ اسے کھولو ایک ٹھنڈی بوتل نکالو پھر گلاس اٹھا کر خود بھی پیو اور ہمارے لیے بھی لے آؤ۔"

مدحیہ نے بڑے آرام سے اسے پانی کا راستہ بتا کر تکیے کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ تو وہ بیٹھتے ہوئے ملامت

"چہ چہ، اتنی دیر میں تم پانی لے آتیں، خیر چھوڑو۔ مجھے کوئی ایسی پیاس نہیں لگی۔"

"توبہ۔ کتنے کاہل ہو تم لوگ۔ پانی نہیں پی سکتے۔" صباحت اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چار بج گئے ہیں۔ بوا سے چائے کا بھی کہہ دینا۔" مدحیہ نے جھٹ دوسرا کام بھی کہہ دیا۔

صباحت اس کی کاہلی پر تاسف سے سر جھٹکتی کمرے سے نکل گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

عدیل بھائی کی آمد کی اطلاع نے سارے میں ہلچل مچا دی تھی۔ اماں جی اور ابا جی خوشی میں بوکھلائے ہوئے تھے۔ روزانہ ایک ایک کو بلا کر اس کے سپرد کوئی نہ کوئی کام کرتے اس کے بعد خود بھی سر پر جا کھڑے ہو

"ابا جی! وہ کچھ جھنڈیاں وغیرہ بھی لے آؤں۔ لال پیلی؟۔"

عمر بظاہر سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا لیکن اس کی بھوری آنکھوں میں چمکتی شرارت دیکھ کر صباحت ا ساختہ ہنسیں۔ جبکہ مدحیہ اس کے ساتھ مل گئی۔

"ہاں ابا جی! پورے گھر کو جھنڈیوں سے سجائیں گے۔ شاندار استقبال ہونا چاہیے عدیل ماموں جیسے"

"کوئی پرائم منسٹر آ رہا ہو۔" احمر نے ٹکڑا لگایا۔

"کون آ رہا ہے۔" اماں جی سمجھیں نہیں۔

"وزیر اعظم اماں جی! وزیر اعظم۔" عمر زور دے کر بولا۔

"ہائیں! وزیر اعظم اپنے گھر آ رہا ہے، کیوں؟۔" اماں جی ایک ایک کی شکل دیکھنے لگیں۔

"کیا فضول باتیں لے کر کھڑے ہو گئے ہو تم لوگ۔ جاؤ فلائٹ کا ٹائم معلوم کرو۔" ابا جی نے ٹو

"ابا جی! میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔" مدحیہ نے کہا تو احمر لابی کی طرف جاتے جاتے پلٹ

"جی نہیں۔ خواتین سب گھر پر رہیں گی۔ صرف مرد حضرات جائیں گے۔"

"میں آپ سے تو بات نہیں کر رہی۔" مدحیہ کو اس کی مداخلت سخت بری لگی۔

"میں بھی ابا جی سے کہہ رہا ہوں۔ ابا جی! خواتین کو لے کر جانے کی غلطی نہیں کیجئے گا کیونکہ ... سے نکلنے میں دیر لگے گی اور اتنی دیر یہ لوگ وہاں کیا کریں گی۔"

احمر نے مدحیہ کے تپے ہوئے چہرے سے نظریں ہٹا کر ابا جی سے کہا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو لیکن بچیوں کو شوق ہے۔" ابا جی مدحیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے کر و سب چلیں گے۔"

"تھینک یو ابا جی!" وہ احمر کو چڑاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

مقررہ وقت پر سب ایئرپورٹ پہنچے تو آگے بڑے بھیا اپنے بال بچوں سمیت موجود تھے۔ جنہیں دیکھ کر اماں جی کو ...بیل بھائی کی کمی محسوس ہونے لگی تھی کہ دو بیٹے پاس کھڑے تھے۔ تیسرا آنے والا تھا جب ہی ان کا دھیان شکیل ...ائی کی طرف چلا گیا تھا۔

"آپ کیا سوچنے لگیں اماں جی! ادھر دیکھیں، عدیل بھائی آ رہے ہیں۔" آسیہ نے ایک ہاتھ ان کے کندھے پر ...کر اشارے سے بتایا پھر ہاتھ ہلانے لگی۔

"ارے، ثمرہ اور روبی کتنی بڑی ہو گئی ہیں۔" میمونہ بھابھی عدیل کی بیٹیوں کو دیکھ رہی تھیں۔

پھر یاسمین تو بیٹیوں کے ساتھ جلد ہی ان تک آن پہنچی جبکہ عدیل بھائی کو کچھ دیر لگی تھی۔ اور سب سے ملتے ...ے جب مدحیہ اور صباحت کے پاس رکے تو خاصے محظوظ انداز میں باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"آپ دونوں میں مدحیہ کون ہے اور صباحت کون۔"

"آپ بتائیں۔" مدحیہ فوراً بولی۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ایک بچی کے چہرے پر تل تھا لیکن یہاں تو دونوں کے چہروں پر نظر آ رہا ہے۔" ...یل بھائی نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔ پھر پلٹ کر یاسمین سے بولے۔ "تم پہچان سکتی ہو؟۔"

"نہیں۔" یاسمین دلچسپی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی نہیں پہچان سکتا چاچو، سوائے نبیل بھائی کے۔" عمر نے کہا تو عدیل بھائی کچھ حیران ہو کر نبیل سے ...اطب ہوئے۔

"واقعی۔ تم پہچان لو گے نبیل؟۔"

نبیل سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر گھبرا گئے تھے جب ہی نفی میں سر ہلا دیا۔

"کوئی سوال کریں بھائی! مدحیہ پہلے جواب دے گی۔" عقب سے آسیہ نے سرگوشی میں کہا جسے سن کر عدیل ...ائی پوچھنے لگے۔

"کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟۔"

"انٹر!" مدحیہ نے بتایا تو انہوں نے فوراً اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور مسکرا کر بولے۔

"میں نے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا تھا۔ آپ مدحیہ ہو۔"

"آپ کو نبیل بھائی نے بتایا ہے۔" گویا وہ بھی جانتی تھی کہ اسے نبیل ہی پہچان سکتے ہیں۔

نبیل نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

جب تک عدیل بھائی بزنس اور گھر کی سیٹنگ نہ کر لیتے انہیں یہیں سب کے ساتھ رہنا تھا۔ اور اب کیونکہ بچے بڑے ہو گئے تھے اس لیے جگہ کم لگ رہی تھی۔ لیکن کسی نے جگہ کی تنگی پر کوئی آواز نہیں اٹھائی تھی اس کے باوجود آسیہ کو اپنے آپ احساس ہونے لگا کہ اس کی وجہ سے سب پریشان ہو رہے ہیں۔ وہ اگر یہاں نہ ہوتی تو عدیل ...ائی آرام سے رہ سکتے تھے۔

"میں کس حساب سے یہاں قبضہ جمائے بیٹھی ہوں۔ اماں جی اور ابا جی کی خواہش ہو گی کہ عدیل طویل عرصہ ...ہر رہنے والا بیٹا اب ان کے پاس رہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ عدیل بھائی بھی یہی چاہتے ہوں۔ میری وجہ سے وہ خاموش ہوں گے لیکن مجھے خیال کرنا چاہیے۔"

آسیہ کھانے کے بعد یونہی ٹہلتی ہوئی ٹیرس پر آ کر بیٹھی تھی کہ ان سوچوں میں گھر کر اٹھنا ہی بھول گئی تھی۔

"پھوپھو!" نبیل نے پکارا تب وہ چونکی جبکہ اس سے پہلے ان کی اسٹک کی آواز بھی بہت واضح تھی۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟۔"

"بس یونہی۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟۔" آسیہ نے گہری سانس کے ساتھ پوچھا۔

"ڈیڈی نے بلایا تھا۔ شام میں ان کی طرف چلا گیا۔" نبیل نے آگے آ کر اس کے سامنے کرسی سنبھال لی تو اس

نے یونہی پوچھ لیا۔
"کوئی کام تھا بڑے بھیا کو؟۔"
"جی کہہ رہے تھے۔ سمیر کو پڑھا دیا کروں' اس کے ایگزام قریب ہیں۔"
نبیل کے جواب پر اس نے کچھ بے دھیانی میں سر ہلایا پھر لابی میں نظر ڈال کر بولی۔
"ان دونوں کی آواز نہیں آ رہی۔ سو گئیں کیا؟۔"
"نہیں نیچے ہیں۔ اتنے عرصے بعد چاچو آئے ہیں' اس لیے کچھ دن تو ہلا گلا رہے گا۔" نبیل نے اس خیال سے کہا کہ کہیں وہ مدحیہ اور صباحت کو بلا کر ان پر پابندی نہ لگا دے۔
"ہاں بہت عرصے بعد آئے ہیں عدیل بھائی اور میں سوچ رہی ہوں' اب انہیں یہیں رہنا چاہیے۔" ... انداز میں بولی۔
"تو کیا وہ تھوڑے دنوں کے لیے آئے ہیں؟۔" نبیل نے پوچھا۔
"نہیں۔ آئے تو مستقل ہیں۔ یہیں رہنے سے میرا مطلب ہے اس گھر میں' اماں جی اور ابا جی کے پاس ہماری وجہ سے شاید وہ یہاں نہ رہ سکیں۔ اور میں سوچ رہی ہوں ان کے بجائے ہمیں اپنے لیے الگ گھر کرنا چاہیے۔ ہم افورڈ بھی کر سکتے ہیں اور میرا خیال ہے مجھے اب کسی بات کی کوئی فکر نہیں ہو گی کیونکہ ماشاءاللہ جوان ہو گیا ہے۔"
آخر میں نبیل کو دیکھتے ہوئے آسیہ نے مسکرا کر سر اونچا کیا تھا۔
"سوچ تو آپ ٹھیک رہی ہیں پھوپھو! لیکن پتا نہیں ابا جی مانیں گے کہ نہیں اور شاید عدیل چاچو بھی نہ ما..." نبیل نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
"میں صبح ہی ابا جی سے بات کروں گی اگر انہوں نے مجھ سے اتفاق کر لیا تو پھر عدیل بھائی کو وہ خود ہی یہا... کو کہہ دیں گے۔ ویسے بھی بیٹا! ہمارے لیے گھر کا کوئی مسئلہ نہیں ہے' اپنا اپارٹمنٹ ہے' اسے فوری خا... ہم وہاں شفٹ ہو سکتے ہیں۔ میرا کلینک بھی وہاں سے قریب پڑے گا اور مدحو' صبا کو بھی زیادہ پرابلم نہیں دونوں ابھی تک نیچے ہیں؟۔"
آسیہ کو ان کا نام لیتے ہی خیال آ گیا تھا۔ "میں دیکھ رہی ہوں۔ پڑھائی سے دونوں بھاگنے لگی ہیں۔ ڈانٹتے کیوں نہیں ہو۔ بڑے بھائی ہو' رعب میں رکھا کرو۔"
"اس کی ضرورت نہیں ہے پھوپھو! پڑھنے میں دونوں اچھی ہیں۔" نبیل نے ان کی طرفداری کی۔
"خاک اچھی ہیں۔ میٹرک میں کسی ایک نے پوزیشن نہیں لی۔" آسیہ کو واقعی اس بات کا افسوس تھا کے معاملے میں ایک بھی اس پر نہیں گئی تھی۔ اور ابھی وہ مزید انہیں نالائق اور لاپروا جیسے خطاب دے... زینے سے ان کے ہنسنے اور بھاگنے کی آواز آنے لگی جس پر وہ قدرے غصے سے بولی۔
"دیکھو' یہ حال ہے ان کا۔"
"پھوپھو! ابھی عمر ہنسنے کھیلنے کی ہے' پلیز ڈانٹیے گا نہیں۔" نبیل نے پہلے سے ان کی سفارش کر دی۔
"میں تمہیں ڈانٹوں گی اگر جو یہ امتحانوں میں فیل ہوئیں تو۔" آسیہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔
"نہیں ہوں گی۔" نبیل نے یقین سے کہا اور جیسے ہی وہ دونوں سامنے آئیں۔ قدرے رعب سے بولے۔
"کیوں فضول باتوں میں وقت گنوا رہی ہو' کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اب اگر میں پڑھنے کے لیے کہو... آنے لگے گی تمہیں۔"
"مجھے پہلے سے آ رہی ہے۔" مدحیہ نے فوراً لمبی جمائی لی۔
"اور تمہیں؟۔" نبیل نے صباحت کو دیکھا تو وہ منمنائی۔
"بارہ بج چکے ہیں نبیل بھائی اور صبح کالج بھی جانا ہے پھر بھی اگر آپ کہتے ہیں تو ہم ایک دو گھنٹے۔"

"ہم نہیں صرف تم۔" مدحیہ فوراً ٹوک کر بولی۔ "میں تو دو منٹ کھڑی نہیں رہ سکتی۔ سخت نیند آ رہی ہے۔ نبیل بھائی۔"
"جانے سے پہلے سن لو کہ کل سے تم دونوں کو ٹھیک نو بجے میرے کمرے میں موجود ہونا ہے کتابوں سمیت۔ ذرا نیند۔" ان کی سخت تنبیہہ پر دونوں نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آسیہ نے ابا جی کے سامنے اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے کی تجویز رکھی تو نہ صرف انہوں نے بلکہ عدیل ... نے بھی مسترد کر دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ آسیہ کو ہم نے ایک بار اس گھر سے رخصت کیا تھا اگر دوبارہ وہ گھر ... پر آمادہ ہوتی تو ہم پھر اسی طرح رخصت کر سکتے تھے لیکن اس طرح اس گھر سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور آسیہ میں یوں بھی من مانی کی عادت نہیں تھی۔ اس نے شروع سے اپنے حق میں والدین اور بھائیوں کے فیصلے کو تسلیم کیا تھا۔ اگر خود سے کوئی فیصلہ کیا بھی تو اس میں والدین کی رضامندی شامل تھی۔ اس لیے کبھی کوئی اس سے ناراض نہیں ہوا۔ سب خوش تھے۔ اور سب کی خوشی میں وہ پتا نہیں خوش تھی کہ نہیں لیکن یہ ضرور تھا کہ اس کے دل پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ بہر حال جب یہ طے ہو گیا کہ اسے یہیں رہنا ہے تب اس نے اپنے ... ڈرائنگ روم میں ایک بیڈ رکھوا کر وہ کمرہ عدیل بھائی کی دونوں بیٹیوں ثمرہ اور روبی کے حوالے کر دیا تھا۔
... وقت مدحیہ ان دونوں کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی ہانک رہی تھی کہ نبیل بھائی دروازے میں آ کر پکار کر

"مدحیہ! ٹائم کیا ہوا ہے؟۔"
"ٹائم۔ ٹائم۔" مدحیہ نے وال کلاک کی تلاش میں سر گھما گھما کر چاروں اور نظر دوڑائی پھر اپنی خالی کلائی ... کر کے بولی۔ "سوری نبیل بھائی میرے پاس گھڑی نہیں ہے۔ ایسا کریں' لابی میں سامنے کلاک ہے وہاں ... ہے۔"
"... دیکھ چکا ہوں۔ چلو اٹھو۔ کتابیں لے کر میرے کمرے میں جاؤ۔" وہ اس کے انجان بننے کو یکسر نظر انداز کر

"اف۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ آپ چلیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔ بس دو منٹ ثمرہ سے۔"
"ثمرہ کہیں نہیں جا رہی۔ تم اس سے دو منٹ نہیں دو گھنٹے باتیں کرنا لیکن پڑھنے کے بعد۔ چلو اٹھو۔" وہ ذرہ رعایت دینے کو تیار نہیں ہوئے تو وہ اٹھتی ہوئی ثمرہ سے بولی۔
"بہت ظالم ہیں یہ۔ ان سے کبھی دوستی نہیں کرنا۔"
نبیل خاموش کھڑے رہے اور جب وہ بڑبڑاتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئی تب وہ ثمرہ اور روبی کو دیکھ کر ... رائے۔
"تمہیں آپ کو بھی پڑھاؤں گا لیکن جب آپ کا ایڈمیشن ہو جائے گا تب۔"
"تب ہم یہاں تو نہیں ہوں گے نبیل بھائی۔" روبی نے کہا۔
"نہیں بھی ہو۔ میں وہیں آ جاؤں گا۔ اوکے۔"
... کہہ کر جیسے ہی پلٹے' ان کی اسٹک کارپٹ میں الجھ کر ہاتھ سے نکل گئی اور اس سے پہلے کہ وہ جھک کر اٹھاتے ... نے بہت تیزی سے آ کر اسٹک اٹھا کر انہیں تھمائی تھی جس سے ان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ شاید اس طرح کی ... انہیں محرومی کا احساس دلاتی تھی' بہت کوشش سے وہ شکریہ کہہ کر اپنے کمرے میں آئے تو مدحیہ جانے ... بات پر صباحت سے الجھ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گئی اور جب وہ بیٹھ گئے تب کہنے لگی۔
"آپ ایک ہی وقت میں ہم دونوں کو نہیں پڑھا سکتے نبیل بھائی۔ کیونکہ ہمارے سبجیکٹ الگ الگ ہیں۔"
"صبا! تم چائے بنا کر لاؤ۔"
انہوں نے بڑے آرام سے صبا کو بھیج کر مدحیہ کے سامنے کتاب کھول دی تھی۔ اور ان کا ارادہ پورے دو گھنٹے

پڑھانے کا تھا لیکن اس سے پہلے ہی احمر' سونیا' عمر اور ثوبیہ نے آکر ان کے کمرے پر دھاوا بول دیا۔ "ہو گئے
کچھ دیر تم لوگ ثمرہ اور روبی کے پاس بیٹھو لیکن عمر جا کر ان دونوں کو بھی ادھر ہی لے آیا تھا۔
"آپ لوگ ذرا پہلے آجاتے۔" مدحیہ جلدی جلدی کتابیں سمیٹتی ہوئی بولی۔
"ہمیں کیا پتا تھا کہ یہاں تم پر ظلم ہو رہا ہے پھر بھی دعائیں دو ہمیں کہ جلدی چھٹی ہو گئی۔" احمر نبیل کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔
"اصل میں نبیل بھائی! صبح چھٹی ہے ناں۔ اور ہاں شکیل چچا آرہے ہیں کل فیملی کے ساتھ۔ ابھی ابو کا فون آیا تھا۔" عمر نے بتایا تو مدحیہ کچھ افسوس سے بولی۔
"کل کیوں آرہے ہیں۔ ہمارے امتحانوں کے بعد آتے تب میں فارغ ہوتی تو ان کے ساتھ اسلام آباد جاتی۔ ایمان سے مجھے بہت شوق ہے۔ اسلام آباد' مری سوات وغیرہ جانے کا۔"
"لاؤ ہاتھ دکھاؤ' اسلام آباد جانے کی لکیر ہے کہ نہیں۔" عمر نے اس کی کلائی جھپٹتے ہوئے کہا تو سب ہنسے۔
"آپ کو ہاتھ دیکھنا آتا ہے عمر بھائی؟" روبی نے بہت شوق سے پوچھا۔
"سارے کام آتے ہیں اسے۔" عمر سے پہلے مدحیہ اس کی تعریف میں شروع ہو گئی۔ "لیکن آج تک ایک کام بھی نہیں کیونکہ ایک تو بے چارے کو بھولنے کی عادت ہے' دوسرے گھر سے نکلتے ہی اس کی ... جاتی ہے۔ کبھی اس کے ساتھ کہیں جانے کی غلطی مت کرنا۔ تمہیں راستے ہی میں کہیں چھوڑ آئے گا۔"
"یہ۔ یہ۔ سراسر بے ایمانی ہے مدحو۔" عمر نے احتجاج کیا۔ "روبی! اس کا یقین نہیں کرنا' یہ بہت ... ہے۔"
"ہاں یہ بھی جھوٹ ہے کہ......" مدحیہ کوئی واقعہ سنانے جا رہی تھی کہ وہ چیخ پڑا۔
"بس چپ ہو جاؤ۔"
"اوں ہوں!" نبیل نے ٹوکا۔ "چلاؤ نہیں عمر! اور مدحیہ یہ کیا حرکت ہے؟"
"میں کوئی جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں اور آہستہ آہستہ ثمرہ اور روبی بھی جان جائیں گی' مدحیہ عمر کو ... تو اس نے یوں منہ پر ہاتھ پھیرا جیسے چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔
"ایک بات بتاؤ۔" ثمرہ نے مدحیہ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "تمہیں اور صبا کو ایک جیسی شکل کی وجہ سے پرابلم بھی ہوتی ہے۔"
"ہمیں کیوں ہو گی پرابلم' دوسروں کو ہوتی ہے۔" صباحت نے فوراً کہا تو مدحیہ اسے دیکھ کر بولی۔
"کیوں' ہمیں نہیں ہوتی کیا۔" پھر ثمرہ سے کہنے لگی۔ "پہلے اسکول میں اور اب کالج میں بھی لڑکیاں ... ہیں۔ روک روک کر پوچھتی ہیں۔ سنو تم مدحیہ ہو کہ صباحت۔ خوامخواہ میں ہی' نہ کوئی اور بات کرنا ... کوئی کام ہوتا ہے۔ بس یہی پوچھیں گی۔"
"تمہاری غلطی ہے ناں۔ تم اگر صباحت جیسا تل بنانا چھوڑ دو تو کوئی بھی نہیں پوچھے گا۔" سونیا انگوٹھے سے اپنا تل مٹاتی ہوئی بولی۔
"میں ہمیشہ تو نہیں لگاتی۔"
"یہ کیا فضول باتیں لے بیٹھی ہو تم لوگ۔" احمر ٹوکتے ہوئے بولا۔ "نبیل بھائی بھی بور ہو رہے ہیں۔"
"میں ابھی بوریت دور کرتا ہوں۔ نبیل بھائی ایک شعر سنیے۔" عمر فوراً "موڈ" میں آگیا۔ "اجازت ..."
"ارشاد۔ ارشاد!" لڑکیوں نے کورس میں کہا۔
"وہ کیا ہے کہ ہاں۔"

انہی راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا اب کدھر جا رہا ہے

عمر نے اچھے بھلے شعر کی آخر میں ریڑھ لگا دی۔ جس پر سب بے ساختہ ہنسے لیکن صبا کو بالکل اچھا نہیں لگا۔
"عمر پلیز! ایسے نہیں کرو۔ ٹھیک سے سناؤ۔"
"ٹھیک ہے۔ اچھا لو۔ ٹھیک سے سنو۔"

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نجانے کس گلی میں کتوں سے پالا پڑ جائے

"بس کریں" صباحت چیخ پڑی۔ جس سے اس کی شاعری سے وابستگی ظاہر ہو رہی تھی۔
نبیل نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا پھر مسکرائے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

شکیل بھائی کی اسلام آباد سے آمد کا مقصد ایک تو عدیل سے ملاقات دوسرے اپنے بیٹے اشعر کے لیے سونیا کو مانگنا تھا۔ گو کہ ابھی اشعر اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تھا لیکن ادھر سونیا گریجویشن کر چکی تھی اور کیونکہ شکیل بھائی اور ریما بھابھی کا پہلے سے ارادہ تھا اسے بہو بنانے کا اس لیے انہوں نے ابھی بات کر لینی مناسب سمجھی تاکہ اور کوئی سوال ہو تو اسے صاف منع کر دیا جائے۔ یوں بھی پہلا حق قریبی رشتوں کا ہی ہوتا ہے۔ جب شکیل بھائی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو خصوصاً "اماں جی اور ابا جی بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ ماں باپ کی یہ دلی آرزو ہوتی ہے کہ ان کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کا خیال رکھنے اور محبت کرنے والی ہو۔ بہرحال طے یہ پایا کہ ابھی منگنی کر دی جائے اور سال دو سال بعد جب اشعر اپنے پیروں پر کھڑا ہو تب شادی ہو گی۔
منگنی کی باقاعدہ تقریب کی کوئی ایسی ضرورت نہیں تھی کیونکہ گھر کی بات تھی لیکن اتنے عرصے بعد ابا جی کی ساری اولادیں اکٹھی ہوئی تھیں تو انہوں نے باقاعدہ تقریب کا کہہ کر سب میں ہلچل مچا دی تھی۔ کیونکہ وقت کم تھا۔ دو روز بعد شکیل بھائی کو واپس جانا تھا۔ اور ایک دن میں سارا انتظام۔ لڑکے باہر کے کاموں میں اور لڑکیاں گھر میں بھاگی پھر رہی تھیں۔ شام سے پہلے سب کام ہو گئے اس کے بعد سب کو اپنی اپنی تیاری کی فکر۔
"صبا! تمہارے پاس ایسا دوپٹہ ہے۔" ثوبیہ پرپل کلر کا سوٹ لیے صباحت کے پاس آکر پوچھنے لگی تو وہ جو اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی۔ چھوڑ کر سوچنے کھڑی ہو گئی۔
"ایسا دوپٹہ۔ ہاں مدحو کے پاس ہو گا۔ اس سے لے لو۔"
"کہاں ہے مدحو؟"
"ابھی تو یہیں تھی۔ اچھا ٹھہرو' میں دیتی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی اپنے کپڑوں پر استری پھیری پھر پلنگ کے پاس آکر ثوبیہ سے سوٹ لے کر الماری میں اس کا ہم رنگ دوپٹہ تلاش کرنے لگی۔
"صبا! میرے کپڑے استری ہو گئے۔" مدحیہ غالباً سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آئی تھی۔ سانس پھول رہی تھی۔
"ہاں!" اس نے الماری کے اندر سے جواب دیا۔ "وہاں رکھے ہیں لے لو۔"
"تم کیا تلاش کر رہی ہو؟" مدحیہ نے پوچھا۔
"یہ۔" وہ دوپٹہ نکال کر پلٹی پھر ثوبیہ سے پوچھنے لگی۔ "استری کر دوں؟"
"نہیں میں کر لوں گی' شکریہ۔" ثوبیہ اس کے ہاتھ سے دوپٹہ اور کپڑے لے کر چلی گئی۔ تو اس نے مدحیہ کو دیکھا جو اچانک جانے کس بات پر ہنسنے لگی تھی۔
"تم کیوں ہنس رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔
"تم! احمر بھائی پتا ہے کیا کہہ رہے ہیں کہ وہ بھی اشعر بھائی کے ہم عمر ہیں اس لیے ان کی منگنی بھی ہونی چاہیے۔ تو بڑے ابا جی سے الجھ رہے ہیں۔" مدحیہ نے اسی طرح ہنستے ہوئے بتایا۔
"ٹھیک تو ہے۔ ویسے کہہ تو ٹھیک رہے ہیں۔ جب اشعر بھائی کی ہو رہی ہے تو ان کی بھی ہونی چاہیے۔" صباحت نے خوشگوار حیرت کے بعد سنجیدگی سے کہا۔
"تو تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔" مدحیہ نے یوں سر جھٹکا جیسے وہ احمق ہو۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"اگر تم ٹھیک کہہ رہی ہو تو پھر نبیل بھائی کیوں خاموش ہیں۔ احتجاج تو انہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ بڑے ہیں۔ پہلے ان کی ہونی چاہیے لیکن ان سے شادی کون کرے گا' وہ تو لنگ۔۔۔"

صباحت نے فوراً" مدحیہ کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ کیونکہ وہ آسیہ کے ساتھ نبیل کو اندر آتے ہو[illegible] تھی۔

نبیل کا چہرہ یکبارگی سیاہ پڑ گیا تھا۔ اور آسیہ نے انتہائی غصے میں مدحیہ کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"اوں اوں۔۔۔" مدحیہ نے جھٹک کر صباحت کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹایا اور جیسے ہی پلٹی آسیہ کو [illegible] گئی۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم؟۔" آسیہ کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اور غالباً" اسے مارنے [illegible] اٹھایا تھا کہ عقب سے نبیل نے اس کی کلائی تھام لی۔

"نہیں پھوپھو!"

❁ ❁ ❁

"چھوڑ دو نبیل! میں اس کی زبان کاٹ دوں گی۔" آسیہ اپنی کلائی چھڑانے کی سعی کرتے ہوئے بو[illegible]

"پھوپھو پلیز! آپ کو میری قسم۔" نبیل نے فوراً" اپنی قسم دی جس سے آسیہ کے کھولتے وجود پر [illegible] تھی۔

"آیئے چلیں' اپنے کمرے میں چلیں۔"

آسیہ' مدحیہ کو گھورتی ہوئی فوراً" کمرے سے نکل گئی تو صباحت کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ نبیل کو[illegible] سے معذرت کرے یا پہلے مدحیہ کو دیکھے جو آسیہ کے جاتے ہی بیڈ پر اوندھی گر گئی تھی۔ خود کو انتہائی [illegible] محسوس کرتے ہوئے اس نے بے بسی سے نبیل کو دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر مدحیہ کی طرف اشارا کیا [illegible] تھام کر چلے گئے۔

"سنو مدحو! اگر تم اپنی غلطی پر نادم ہو کر رو رہی ہو' تب تو ٹھیک ہے؟۔"

اس نے مدحیہ کو مخاطب کر کے اسی قدر کہا تھا کہ وہ جھٹکے سے سیدھی ہو کر بولی۔

"کون سی غلطی کی ہے میں نے' جس پر نادم ہو کر روؤں گی۔"

"ایک تو تم اپنی غلطی بھی تسلیم نہیں کرو گی' خیر چھوڑو۔ اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑتے [illegible] سے تیار ہو جاؤ۔ پھر نیچے چلتے ہیں۔" اس نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے کہا۔

"میں کوئی تیار نہیں ہو رہی اور نہ نیچے جاؤں گی۔" مدحیہ ضدی لہجے میں کہتی دوبارہ اوندھی ہو گئی۔

"دیکھو' خوشی کا موقع ہے۔ اس طرح مت کرو۔ بہت بری بات ہے۔ چلو اٹھو۔" وہ اس کا ہاتھ [illegible] اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کچھ ملی جلی آوازوں نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

"سب لوگ یہاں آرہے ہیں کیا؟۔" وہ مدحیہ کو چھوڑ کر کمرے سے نکل کر آئی تو دیکھا۔ میمونہ [illegible] کے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں اور ان سے پہلے پتا نہیں کون کون اندر گیا تھا۔

"مامی جی!" اس نے بے ساختہ پکارا۔ اور میمونہ بھابھی کے پلٹ کر دیکھنے پر پوچھا۔ "کون آیا ہے؟"

"کوئی نہیں۔" میمونہ بھابھی نے کہا اور آسیہ کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تو اسے [illegible] لگا۔ کچھ دیر وہیں کھڑی اپنے آپ قیاس کرتی رہی پھر نبیل سے پوچھنے کے ارادے سے ان کے کمرے [illegible] کہ وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"تمہیں معذرت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں مدحیہ کی نادانیوں کا برا نہیں مانتا۔"

"بدتمیزی کو آپ نادانی کہہ رہے ہیں نبیل بھائی! خیر اس وقت میں اس کی طرف سے معذرت کرنے نہیں آئی پوچھنے آئی ہوں کہ مما کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟۔" کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں نبیل نے الٹا اس سے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں نے ابھی مامی جی کو جاتے ہوئے دیکھا ہے اور بھی پتا نہیں کون کون ہے اور انہوں نے [illegible] بھی بند کر لیا ہے۔"

"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ہو گی کوئی ایسی بات جو بچوں کے سامنے کرنے کی نہیں ہو گی۔" [illegible] نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر گویا اسے تسلی دی۔

"نہیں نبیل بھائی! مجھے تو کوئی گمبھیر مسئلہ لگتا ہے۔ آپ جا کر معلوم کریں ناں۔" اس نے بے صبری کا مظاہرہ [illegible] تب ہی بوا دروازے تک آ کر نبیل سے بولیں۔

"میاں! تم کو آسیہ بی بی بلا رہی ہیں۔"

"کہاں بوا! اپنے کمرے میں؟۔" اس نے فوراً" بوا سے پوچھا تو نبیل ٹوک کر بولے۔

"صبا! تمہیں کیا ہو رہا ہے۔ جاؤ نیچے سونیا وغیرہ کے پاس جاؤ۔"

پھر اسے ساتھ لیے ہوئے کمرے سے نکلے اور آسیہ کے دروازے پر رک کر اسے آگے جانے کا اشارا کیا تو وہ [illegible] ہو کر قدرے سست روی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی آئی۔

"تم!" برآمدے میں ٹہلتا ہوا احمر رک کر غور سے اسے دیکھنے لگا تو عقب سے عمر شرارت سے بولا۔

"بڑے بھائی! پہلے تصدیق کر لیجیے۔"

"وہی کر رہا ہوں۔" احمر پہلے بے دھیانی میں بولا۔ پھر ایک دم سٹپٹا گیا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا۔ میں کیا پہچانتا نہیں ہوں۔ یہ صبا ہے' صبا میری پیاری بہن۔"

"پیاری بہن! تمہاری پیاری بہن کہاں ہے؟۔" عمر نے اس کے قریب آ کر مدحیہ کے بارے میں پوچھا تو وہ جو ان دونوں کی باتوں پر حیران ہو رہی تھی' اسی عالم میں بولی۔

"وہ رو رہی ہے۔"

"ہائیں! یہ رونے کا کون سا وقت ہے' مطا[illegible] موقع ہے۔ کچھ دیر پہلے تو یہاں ٹھیک ٹھاک کھڑی تھی۔ پھر کیا ہوا؟۔"

عمر پوچھ اس سے رہا تھا اور دیکھ احمر کو رہا تھا جیسے مدحیہ کے رونے کا سبب وہی ہو۔

"بس وہ۔ مما نے ذرا سا ڈانٹ دیا تو وہ رونے لگی اور یہ آپ دونوں اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہیں۔" وہ باری باری دونوں کو دیکھنے لگی۔

"ہم نہیں صرف احمر بھائی۔ بے چارے بڑے صبر آزما لمحات سے گزر رہے ہیں اس لیے کچھ بوکھلا گئے ہیں۔" عمر نے کہا تو اسے ایک دم مدحیہ کی بات یاد آئی۔ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ مدحو بتا رہی تھی کہ آپ بھی منگنی کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن اس نے یہ نہیں بتایا ہو گا کہ یہ اسی سے کرنا چاہتے ہیں۔" عمر نے فوراً" کہا تو خوشگوار حیرت کے باعث اس کا پورا منہ کھل گیا۔

"منہ بند کرو' مکھی چلی جائے گی' اور جلدی سے بتاؤ کیا طے پایا؟۔" عمر نے ٹوک کر پوچھا۔

"تو کیا مما کے کمرے میں یہی طے پا رہا ہے۔ مجھے نہیں پتا۔ میں ابھی معلوم کرتی ہوں۔"

وہ تیزی سے پلٹی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اوپر آئی تو آسیہ کے کمرے کے بند دروازے پر بس ایک لحظہ کو رکی پھر اپنے کمرے میں آ گئی اور اوندھی پڑی مدحیہ کے برابر گرتے ہوئے بولی۔

"سنو! احمر بھائی اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یعنی اشعر بھائی کے ساتھ ان کی منگنی کا پروگرام بھی طے پا رہا ہے۔"

"میں کیا کروں؟" مدحیہ کا غصہ اور ناراضگی ابھی تک کم نہیں ہوئی تھی۔

"ہاں تمہیں کیا کرنا ہے۔ تم تو بڑے آرام سے دلہن بن کر بیٹھ جاؤ گی۔" اس نے کہا تو مدحیہ ایکدم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ مما کے کمرے میں سب جمع ہیں اور نیچے احمر بھائی بے چارے بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں کہ مما کیا فیصلہ کرتی ہیں۔"

اس نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ بتایا تو مدحیہ کے چہرے پر نہ صرف رنگ اترے بلکہ وہ گھبرا بھی گئی کیونکہ ابھی وہ عمر کے اس حصے میں داخل ہوئی تھی جہاں پہلی دستک ہر حال میں اثر دکھاتی ہے۔ اور دستک بڑی زوردار تھی۔ پتا نہیں احمر کب سے اس کے بارے میں اس انداز سے سوچنے لگا تھا۔ اس نے تو کبھی محسوس نہیں کیا تھا یا ہو سکتا ہے وہ نہ سمجھی ہو۔

"سنو۔ کبھی احمر بھائی نے تم سے ....." بات ابھی صباحت کے ہونٹوں میں تھی کہ وہ فوراً نفی میں بولی۔

"نہیں۔ مجھ سے کبھی کچھ نہیں کہا انہوں نے۔"

"پھر تو بڑے چھپے رستم ہیں۔ منگنی ہو جائے پھر پوچھوں گی ان سے۔ ارے یہ تو مامی جی کی آواز ہے سب لوگ نیچے جا رہے ہیں۔ چلو تم جلدی سے اٹھ جاؤ کیونکہ مما اب ادھر ہی آئیں گی۔"

صباحت آوازوں پر کان لگا کر جلدی جلدی بولتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو مدحیہ بھی فوراً اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

کچھ دیر بعد آسیہ ان کے کمرے میں آئی اور ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس سے پوچھنے لگی۔

"مدحو کہاں ہے؟"

"واش روم میں۔" اس نے بتایا اور بے اختیار بڑھ کر آسیہ کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔ "مما! آپ شادی کر رہی ہیں؟"

"شادی نہیں انگیجمنٹ احمر کے ساتھ۔ مدحو کو بتا دو اور اسے تیار کر کے نیچے سونیا کے پاس لے جا کرو۔ سمیعہ کو بلا لو وہ اسے تیار کر دے گی تم اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ اس وقت سے کیا کر رہی تھیں۔" آسیہ نے اسے ٹوکا تو وہ کچھ سٹپٹا گئی۔

"وہ مما۔ میں مدحو کا موڈ ٹھیک کر رہی تھی۔ اس وقت آپ نے ڈانٹا تھا تو وہ رو رہی تھی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں سمیعہ کو بھیجتی ہوں۔" آسیہ چلی گئی تو اس نے پہلے واش روم کا دروازہ بجا کر جلدی نہانے کا کہا پھر الماری کھول کر اس کے لیے دوسرے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔

*_*_*

رات بہت دیر تک خاصا ہنگامہ رہا تھا۔ تین بجے کے قریب سب اپنے اپنے کمروں میں گئے تھے۔ صبح کے آغاز پر بے حد خاموشی تھی۔ آسیہ نے خود ہی اپنے لیے چائے بنائی اور مگ لیے ہوئے بیٹیوں کے کمرے میں آ گئی۔

وہ دونوں بے خبر سو رہی تھیں اور آسیہ کا انہیں اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بس دیکھنے چلی آئی تھی۔ رات مدحیہ کی منگنی کر کے جہاں وہ خوش تھی وہاں اس کے اندر عجیب سی بے چینی سما گئی تھی۔ شاید زندگی کی ناکامی نے اسے خائف کر دیا تھا۔ حالانکہ احمر اس کے سامنے پروان چڑھا تھا۔ بہت محنتی دار لڑکا جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ بہت ترقی کرے گا، پھر کوئی غیر بھی نہیں تھا۔ یعنی موزوں، اس کے باوجود اگر وہ مکمل اطمینان سے نہیں ہو رہی تھی تو یہ یقیناً اس کے اپنے اندر کا خوف برسہا برس کی گرد بھی دھندلانے میں ناکام رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ بیٹیوں کی ماں تھی۔

ختم ہونے تک وہ وہیں کھڑی چپ چاپ دونوں کو دیکھتی رہی پھر اسی خاموشی سے ان کے کمرے سے باہر چلی آئی تو نبیل کو جاتے دیکھ کر آہستہ آواز میں پکار کر پوچھنے لگی۔

"کہاں جا رہے ہو بیٹا؟"

"میں سمجھا نیچے گئی ہیں۔ آپ کو ہی دیکھنے جا رہا تھا۔" نبیل نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔

"یہاں ہوں میں، مدحو اور صبا کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی تو نہیں اٹھیں گی یہ دونوں۔ بے خبر سو رہی ہیں۔ چلو ہم ناشتا کر لیتے ہیں۔ اماں جی؟" آسیہ کچن کی طرف بڑھ گئی اور نبیل نے ڈائننگ روم کا رخ کیا۔

"تم بھی رات دیر سے سوئے تھے پھر جلدی کیوں اٹھ گئے؟" کچھ دیر بعد آسیہ ٹیبل پر آئی تو نبیل سے پوچھنے لگی۔

"مجھے آج ڈاکٹر افتخار نے یونیورسٹی بلایا ہے۔ وہیں جاؤں گا۔"

"کب تک لوٹو گے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں؟"

نبیل کا پوری طرح متوجہ ہونا اس بات کا غماز تھا کہ اس کے کام کی خاطر یونیورسٹی جانا ملتوی کیا جا سکتا ہے۔

"نہیں۔ کوئی کام نہیں ہے۔ میں نے اس لیے پوچھا کہ اگر گیارہ بجے تک تمہاری واپسی ممکن ہو تو میری گاڑی لے جاؤ۔"

"کوئی پتا نہیں پھوپھو! دیر بھی ہو سکتی ہے۔ پھر آپ کو کلینک جانے میں پرابلم ہو گی۔ اور ہاں پھوپھو رات سب ساحل پر جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ خصوصاً اشعرا اور سمیعہ کیونکہ کل تو وہ لوگ واپس چلے جائیں گے اس لیے آج شام کا پروگرام رکھا ہے۔ آپ مدحیہ اور صبا کو منع تو نہیں کریں گی۔"

نبیل نے اچانک یاد آنے پر پروگرام بتا کر پوچھا۔ تو وہ قدرے رک کر بولی۔

"تم ساتھ جاؤ گے تو منع نہیں کروں گی اور خاص طور پر مدحو کا خیال رکھنا پانی کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہے۔"

"جی۔ میں ساتھ جاؤں گا اور خیال بھی رکھوں گا۔" نبیل نے فوراً کہا۔ کیونکہ رات مدحو اور صباحت سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ انہیں ساحل پر جانے کی اجازت دلوا دیں گے۔

"اچھی بات ہے۔ میں ذرا نیچے جا رہی ہوں۔ تم جب جانے لگنا تو بوا سے کہنا۔ ان دونوں کو اٹھا دیں۔"

آسیہ چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر نیچے آئی تو یہاں بھی سب سو رہے تھے۔ بس ایک میمونہ اٹھی تھیں جن کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ اماں جی اور ابا جی کے ناشتے سے فارغ ہو کر پھیلاوا سمیٹنے میں لگی ہوئی تھیں۔

"بھابھی! بچیاں اٹھیں گی تو کر لیں گی سب۔ آپ کیوں خود کو تھکاتی ہیں۔" اس نے اماں جی کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ان کے کرنے کو اور بہت سے کام رکھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا یہ تھوڑا بہت میں کر لوں۔ تمہیں پتا ہے، مجھے فارغ بیٹھنے سے وحشت ہوتی ہے۔"

"پتا ہے۔" آسیہ مسکرا کر اماں جی کے پاندان پر جھک گئی اور چھالیہ نکال کر سر اونچا کیا تو اماں جی جانے کب سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ کچھ ٹھٹک سی گئی۔

"کیا بات ہے اماں جی۔ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

"رات تمہارے سب بھائی کہہ رہے تھے کہ بیٹی کی منگنی کر کے تم کچھ چپ چپ سی تھیں۔ وہی دیکھ رہی ہوں کوئی خدشہ ہے؟" اماں جی نے صاف گوئی سے کہا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

"خدشہ کوئی نہیں ہے اماں جی!" بس خیال آ رہا تھا کہ بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہو گئیں۔ پھر سب کچھ اچانک ہوا اس لیے بھی شاید میں بوکھلا گئی تھی۔"

"لیکن اس رشتے سے خوش تو ہو ناں؟" اماں جی جانے کیوں کھوج رہی تھیں۔

"جی۔ آپ سب خوش ہیں تو میں کیوں نہیں خوش ہوں گی۔ بس یہ ہے کہ شادی جلدی نہیں کریں۔ بی اے کرے گی تو اس کے بعد سوچوں گی' اور اس سے پہلے دعا کریں۔ نبیل کی جاب ہو جائے تاکہ پھر لے آئیں۔" اس نے کہا تو اماں جی ہاتھ پھیلا کر بولیں۔

"میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں۔ اللہ اسے روزگار دے پھر اس کا گھر بسے۔ اس کے سر پر سہرا دیکھنے کی آرزو ہے میری۔"

"اللہ آپ کی آرزو جلد پوری کرے گا۔ انشاءاللہ۔" اس نے صدق دل سے کہا اور سیڑھیاں دیکھنے لگی۔

♥—♥—♥

"مدحو! کہیں جانے کے لیے تم ہمیشہ سب سے پہلے تیار رہتی ہو۔ آج تمہیں کیا ہوا ہے۔ ابھی کپڑے نہیں بدلے۔ وہاں نیچے سب تیار کھڑے ہیں۔"

صباحت جس حالت میں اسے بیٹھا چھوڑ گئی تھی اسی حالت میں دیکھ کر جھنجلا گئی۔ "اگر نہیں جانا تو بتا دو تاکہ دوسروں کا پروگرام تو نہ خراب ہو۔"

"ارے واہ۔ میں کیوں نہیں جاؤں گی۔" مدحیہ چونک کر بولی تھی۔

"تو پھر تیار کیوں نہیں ہو رہیں؟۔ اٹھو جلدی کرو۔" صباحت نے اس کے کپڑے اٹھا کر اس کو تھمائے تو وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"میں کیا کروں صبا! مجھے احمر بھائی کے سامنے جاتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔"

"ارے!" صباحت بے ساختہ ہنسی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ تمہاری منگنی ہوتی تو تمہیں شرم نہ آتی۔" مدحیہ بسورتی ہوئی بہت مختلف لگ رہی تھی۔

"ایک دو دن کی بات ہے پھر پہلے کی طرح احمر بھائی کے ساتھ لڑتی جھگڑتی نظر آؤ گی۔" صباحت نے اسے روم کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا تو وہ جاتے جاتے رک کر بولی۔

"سنو۔ خبردار جو کسی سے کچھ کہا تو۔ میرا مطلب ہے یہ شرم والی بات۔"

"نہیں۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔" صباحت نے بمشکل اپنی ہنسی ہونٹوں میں چھپائی تھی۔ "تم جلدی کرو۔"

پھر جیسے ہی مدحیہ تیار ہوئی' عمر شور مچاتا ہوا آگیا۔

"اب کیا تم دونوں کے لیے باقاعدہ پالکی لائی جائے گی۔ اگر پہلے سے کہا ہوتا تو میں انتظام کر سکتا تھا کہیں سے لاؤں۔ میرے بازوؤں میں بھی اتنی طاقت نہیں ہے ورنہ اٹھا کر لے جاتا۔ احمر بھائی کو بلاؤں۔" اس نے شرارت سے مدحیہ کو دیکھا تو وہ جو پہلے ہی احمر کے سامنے جانے سے گھبرا رہی تھی مزید سرخ پڑ گئی اور صباحت کے پیچھے چھپتی ہوئی سرگوشی میں بولی۔

"منع کرواسے ورنہ میں نہیں جاؤں گی۔"

"عمر! اب تم زیادہ مت بولو۔ چلو ہم چلتے ہیں۔"

صباحت اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی نیچے لے آئی جہاں سب انتظار میں کھڑے تھے اور ان دونوں کو دیکھ کر مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے چلو چلو کہتے ہوئے سب چل پڑے۔

نبیل اپنے ڈیڈی سے گاڑی لے آئے تھے اور احمر نے عدیل چاچو سے لے لی تھی اس لیے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ دو گاڑیوں میں سب آرام سے سما گئے تھے۔

ساحل پر اترتے ہی نبیل نے سب سے پہلے مدحیہ کو تنبیہہ کی کہ اسے پانی میں دور تک نہیں جانا۔ خلاف توقع اس کے احتجاج نہ کرنے پر بے حد حیران ہوئے اور ٹوکے بغیر رہ بھی نہیں سکے۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔"

"طبیعت اس کی بالکل ٹھیک ہے نبیل بھائی! بس ذرا۔۔۔" صباحت نے شرارت سے مدحیہ کی بات بتانی چاہی لیکن اس کے گھورنے پر خاموش بھی ہو گئی تھی۔ بلکہ مجھ سے بھی بولی جب بھی منع کر دے

"تم دونوں مجھ سے کیا بات چھپا رہی ہو۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کیا ہوا ہے؟۔" ثوبیہ نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"ابھی بتاتی ہوں۔" مدحیہ نے ثوبیہ کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں اتر کر لہروں کے تعاقب میں چلی گئی تو باقی سب بھی بے قرار کھڑے تھے۔ فوراً" ان دونوں کی تقلید کی۔ پیچھے نبیل پکار کر کہتے رہے کہ زیادہ دور نہیں جانا لیکن اب کون سنتا۔

سمندر کی سطح پر سورج کی براہ راست کرنیں موتیوں کی مانند چمک رہی تھیں اور پہلے جب کبھی مدحیہ یہاں آتی تو اس دلکش منظر کو دیکھتے ہی بے قابو ہو جاتی تھی اور "میں سیپیاں چنوں گی" کہتی ہوئی بھاگتی جاتی تھی اس کی اس بات سے سب واقف تھے جب ہی تو آسیہ نے خاص طور سے اس کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ اس وقت دور بیٹھے سب کی نظریں مسلسل اس پر تھیں اور وہ مزید حیران ہو رہے تھے کہ موتی چننے کے جنون میں سب سے آگے رہنے والی سب سے پیچھے رہ گئی تھی اور بے حد سبک رفتاری سے چل بھی یوں رہی تھی جیسے ہر قدم سوچ کر اٹھا رہی ہو۔ ایک دو بار اس نے پلٹ کر دیکھا پھر اپنے اطراف سب کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی کہ احمر ہاتھ ہلاتا ہوا بھاگ کر اس کے قریب آ کر پوچھنے لگا۔

"تم اتنی سست کیوں ہو رہی ہو؟۔"

"نہیں تو۔" وہ ایک نظر احمر کو دیکھ کر نیچے جھک گئی اور ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھر کر سیدھی ہوئی تو کہنے لگی۔ "مجھے آج پہلی بار احساس ہو رہا ہے کہ ہم اسے پی نہیں سکتے۔ آخر اس میں اتنا نمک کیوں ملا ہے؟۔"

"اس بات پر پھر کبھی غور کریں گے۔ یہ بتاؤ۔ صبح سے کہاں غائب تھیں۔ میں سارا دن تمہاری راہ دیکھتا رہا۔" احمر نے اس کی ہتھیلیوں کے نیچے ہاتھ مار کر پانی اچھالتے ہوئے کہا تو وہ اپنی شرمگیں مسکراہٹ چھپانے کی خاطر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

"سنو۔ میرا تو خیال تھا' تم اس منگنی سے خوش ہو گی لیکن۔۔۔" احمر اس کے چہرے پر اترتی دھنک دیکھ چکا تھا۔ اسے ستانے کو دردناک آواز میں جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ وہ فوراً" بول پڑی۔

"لیکن کیا؟۔"

"لیکن یہ کہ تم کچھ زیادہ ہی خوش ہو۔" احمر کی شرارت پر وہ ایک لحظہ کو سٹپٹا گئی پھر تنک کر بولی۔

"جی نہیں۔ آپ کو کچھ زیادہ خوش فہمی ہو رہی ہے۔ میں کوئی خوش وش نہیں ہوں۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟۔" احمر نے اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا لیکن وہ نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

"جھوٹ کیوں بولوں گی۔"

"میں بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔" احمر نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اچھا!" وہ بے ساختہ ہنسی اور بھاگ کر ثمرہ' ثوبیہ اور صباحت میں شامل ہو گئی تھی۔

"ہائیں! تم تو احمر بھائی کے ساتھ تھیں۔" ثوبیہ کو کافی دیر بعد اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا جب ہی حیران ہوئی۔

"اب تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

پھر سورج کی الوداعی کرنوں کے ساتھ سب پانی سے نکل کر نبیل کے پاس آ کر بیٹھے تو انہوں نے سب کو کوک پلائی۔ اس کے بعد خاص طور سے اشعر اور سمیعہ سے واپسی کا پوچھا تو سمیعہ کہنے لگی۔

"ہاں بے شک چلیں نبیل بھائی! لیکن ابھی گھر نہیں جائیں گے۔"

"پھر؟۔" نبیل کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سمیعہ باقی سب کو دیکھنے لگی غالباً" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں جانے کو کہے۔

"جی۔ آپ سب خوش۔ بہت رونق ہوگی۔" عمر نے اپنے تیئں سمیہ کو مشکل سے نکالا لیکن
بی اے کرے گی تو
لے آئیں۔ ویک اینڈ میں بچوں کی دلچسپیاں ہوں گی۔ ہم کیا کریں گے۔"
"جناب صرف چھوٹے بچوں کے لیے نہیں اسی سال تک کے بچوں کے لیے تفریح ہی تفریح
بھائی؟" عمر نے تصدیق کے لیے نبیل کو دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر یوں کندھے اچکائے جیسے
سکتے۔
"آپ بھی نبیل بھائی! بس ایسے ہی ہیں۔ ہاں کہہ دینے میں کیا حرج تھا۔" عمر ناراضگی سے کہہ
جا بیٹھا۔
"ارے یہ تو بالکل بچوں کی طرح روٹھ کر بیٹھ گیا ہے۔" سمیہ اسے دیکھ کر ہنسی۔
"بچہ ہی ہے۔" نبیل کے لیے ابھی بھی وہ چھوٹا سا عمر تھا۔
"سنا عمر تم نے۔ نبیل بھائی تمہیں بچہ کہہ رہے ہیں۔" صباحت نے اسے متوجہ کر کے کہا تو وہ
"انہیں اپنے سامنے سب بچے لگتے ہیں۔ کبھی ابا جی کے ساتھ بیٹھے دیکھا ہے انہیں ان سے
شفقت سے پیش آ رہے ہوتے ہیں۔"
سب کی بے ساختہ ہنسی میں نبیل جھینپ کر رہ گئے تھے۔ یوں ہنسی مذاق میں وہیں بیٹھے اتنی دیر
اور جانے سے نبیل نے منع کر دیا اور سیدھا گھر کی راہ لی۔
میمونہ بھابھی، سیما بھابھی اور یاسمین کھانا تیار کر چکی تھیں اور اماں جی، ابا جی کے ساتھ
کو بھی کھلا چکی تھیں۔ البتہ خود ان سب کے انتظار میں تھیں۔ آسیہ کلینک سے لوٹی تو وہ بھی
وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی تھی۔
"آسیہ! مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میرا ایک اور بیٹا نہیں ہے۔" سیما بھابھی نے اچانک آسیہ کو
تو اس نے کچھ تعجب سے دیکھا۔
"کیوں؟۔"
"تم سے صباحت مانگتی۔" سیما بھابھی کے لہجے میں صباحت کے لیے بڑا پیار تھا۔
"اچھا!" وہ ذرا سا ہنسی۔ پھر کہنے لگی۔ "آپ نے اور یاسمین نے بھی بس دو بچوں پر اکتفا کر
تمہیں بیٹے کی خواہش نہیں تھی جو تمہیں مزید بچے پیدا کرنے پر اکساتی۔"
"مجھے تو تھی لیکن شاید عدیل کو نہیں تھی۔ خیر اللہ کا شکر ہے۔ بیٹیاں بھی بڑی نعمت ہیں
ہیں۔" یاسمین نے کہا تو سب تائید میں سر ہلانے لگی تھیں۔
تب ہی باہر گاڑی رکنے کے ساتھ سب کی آوازیں آنے لگیں اور کچھ دیر بعد ساری رونق اند
پورے آنگن میں ہنسی قہقہے گونجنے لگے۔ میمونہ بھابھی نے بمشکل اٹھتے ہوئے سب کو خاموش
"جلدی سب ہاتھ منہ دھو کر آؤ۔ میں کھانا لگا رہی ہوں۔ تم لوگوں کے انتظار میں ہم۔
"آسیہ! تم بھی یہیں رکنا۔"
"نہیں بھابھی! بوا کھانا بنا چکی ہوں گی۔" آسیہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ "چلو نبیل! مدحو، صبا اور
"جی مما! چلیں۔" مدحیہ اور صباحت فوراً سیڑھیاں پھلانگ گئیں۔ آسیہ نبیل کے ساتھ
"کہاں کہاں گئے تم لوگ؟۔" کھانے کی ٹیبل پر آسیہ نے باری باری تینوں کو دیکھ کر پوچھا۔
"بس ساحل پر۔ اس کے بعد سمیہ کی خواہش تھی کہیں اور جانے کی لیکن دیر ہو گئی تھی
آ گئے۔" صباحت نے بتایا۔
"پریشان تو نہیں کیا تھا نبیل! ان دونوں نے تمہیں؟۔" آسیہ نے نبیل سے پوچھا تو مدحیہ فو
"مما! آپ کو ہمیشہ یہ خیال کیوں آتا ہے کہ ہم نبیل بھائی کو پریشان کرتے ہوں گے۔"

لیے کہ تم پریشان کرتی ہو اور نبیل نے کبھی مجھے خود سے نہیں بتایا۔ میں پوچھوں گی جب بھی منع کر دے
ں کی تم دونوں کے ساتھ محبت ہے۔ جو تمہاری بدتمیزیاں بھی نہ صرف خود اگنور کرتا ہے بلکہ مجھ سے بھی
"
کھانے میں مصروف رہ کر سرسری انداز میں بول رہی تھی۔ یعنی اس وقت کسی تنبیہہ یا لیکچر دینے کا کوئی
تھا اور اس کے سرسری انداز نے ہی مدحیہ کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔

——*

بھائی اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسلام آباد چلے گئے تو گھر کی رونق میں کچھ کمی ہوئی تھی اور زیادہ کمی اس
جب عدیل بھائی الگ گھر لے کر وہاں شفٹ ہو گئے۔ گو کہ ان کا گھر زیادہ دور نہیں تھا پھر بھی یہ گھر بہرحال
لگنے لگا تھا۔ حالانکہ وہ تین چار مہینے ہی یہاں رہے تھے۔ لیکن ان کا جانا سب کو ہی محسوس ہو رہا تھا۔
نبیل حسب معمول مدحیہ اور صباحت کو پڑھانے بیٹھے تو دونوں کے چہروں پر بے زاری دیکھ کر پوچھنے

بات ہے پھوپھو نے کسی بات پر ڈانٹا ہے تم دونوں کو؟۔"
یں تو۔" دونوں ایک ساتھ بولی تھیں۔
یہ رونی شکلیں بنا کر کیوں بیٹھی ہو؟۔"
نبیل بھائی، ثمرہ اور روبی چلی گئی ہیں ناں۔ ان کے بغیر سارا دن ہم بہت بور ہوئے۔ ایمان سے بالکل اچھا
رہا۔ پڑھنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔" صباحت نے سب بتا کر اپنے سامنے کتاب بھی بند کر دی۔
۔ کچھ خاموشی تو محسوس ہو رہی ہے ان کے جانے سے۔ خیر کچھ دن کی بات ہے پھر پہلے کی طرح لگنے لگے
نہوں نے خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔
بس جب پہلے کی طرح لگنے لگا تو تب پڑھیں گے۔" صباحت نے صرف کتاب بند کی تھی مدحیہ فوراً "کتابیں
کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ٹھیک ہے ناں نبیل بھائی! ابھی کچھ سمجھ میں بھی نہیں آئے گا پھر آپ کیوں اپنی
"
یٹھ جاؤ آرام سے۔" نبیل ایکدم سنجیدہ ہو گئے۔ "پتا ہے۔ امتحان کب سے ہیں۔ فیل ہو جاؤ گی تو تم سے
پھوپھو میری کلاس لیں گی۔"
حیہ بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ بیٹھ گئی تو صباحت نے جلدی سے اپنی کتاب کھول لی۔
آج میں تمہیں شاہ عبداللطیف بھٹائی پر ایک مضمون لکھواؤں گا۔ کتاب رکھو اور دونوں پین سنبھالو۔"
ہوں نے باری باری دونوں کو دیکھ کر کہا پھر اپنی ڈائری کھول کر اس میں جانے کیا تلاش کرنے لگے تھے کہ مدحیہ
نہیں پکارا۔
نبیل بھائی!"
ہوں۔" انہوں نے بہت مصروف انداز میں جواب دیا تھا۔
آپ نے شاہ سکندر کو دیکھا ہے۔" مدحیہ کو غالباً "شاہ" کے ساتھ شاہ سکندر حیات کا خیال آیا تھا۔ بس
ں میں ایک شاہ ہی تو مشترک تھا اور نبیل نے بھی اپنی مصروفیت میں بس شاہ ہی سنا اس لیے بڑے آرام سے
۔

یں۔ میں ان کے مزار پر کبھی نہیں گیا۔"
مدحیہ اور صباحت کو جیسے شاک لگا تھا۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دونوں تقریباً "سکتے
۔ کچھ دیر بعد نبیل ڈائری بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہوئے تو حیران ہو کر ٹیبل پر ہاتھ مار کر بولے۔
دونوں کو کیا ہوا ہے۔ صبا! ادھر دیکھو کیا بات ہے؟۔" صباحت نے گم صم انداز میں انہیں دیکھا پھر ٹیبل
سر رکھ کر رونے لگی تو انہوں نے پریشان ہو کر مدحیہ سے پوچھا۔

"کیا ہوا ہے اسے؟"

"کتنے ظالم ہیں آپ لوگ۔ سب جانتے ہیں اور ہم دونوں سے چھپاتے ہیں۔" مدحیہ پھٹ پڑی۔ "کیوں چھپایا ہم سے۔"

"کیا۔۔۔ کیا کہہ رہی تم۔ کیا چھپایا تم سے۔" نبیل کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"یہی کہ ہم دونوں یتیم ہو چکی ہیں۔ ہمارا باپ۔۔۔۔۔"

"شٹ اپ مدحو! یہ فضول بکواس کس نے کی تم سے؟" وہ قدرے سختی سے ٹوک کر بولے۔

"آپ۔۔۔ ابھی آپ ہی نے تو کہا ہے کہ آپ ان کے مزار پر کبھی نہیں گئے۔ دیکھیے نبیل بھائی ہم سے نہیں چھپایئے ورنہ میں ابھی جا کر مما سے پوچھوں گی۔" مدحیہ ان کے سخت لہجے سے خائف ہوئے بغیر بولنے لگی تھی۔ نبیل نے کچھ دیر غور کیا پھر ساری بات سمجھ کر کہنے لگے۔

"بہت نکمی ہو تم دونوں۔ پتا نہیں دھیان کہاں رہتا ہے۔ میں شاہ بھٹائی کی بات کر رہا تھا اور یہ تم حیات کو درمیان میں کہاں سے لے آئیں۔"

"تو کیا شاہ سکندر زندہ ہیں؟" مدحیہ نے خوش ہو کر کہا تو صباحت بھی جلدی سے آنسو پونچھ کر بیٹھی۔

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" انہوں نے کہہ کر فوراً موضوع بدل دیا۔

"چلو آج تم دونوں کا واقعی پڑھنے کا موڈ نہیں ہے۔ اٹھاؤ کتابیں اور کل سے پوری تیاری کے ساتھ بیٹھنا۔"

"بالکل نہیں۔ جب تک آپ میری بات کا جواب نہیں دیں گے میں کل تو کیا کبھی نہیں پڑھوں گی۔" ضدی لہجے میں بولی۔

"کون سی بات کا جواب چاہتی ہو؟" انہوں نے مدحیہ سے پوچھنے کے ساتھ ایک نظر صباحت کو دیکھا جو اشارے سے اسے منع کر رہی تھی لیکن وہ باز نہیں آئی۔

"میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ نے شاہ سکندر کو دیکھا ہے یعنی ہمارے پاپا کو؟"

"ہاں۔ لیکن مجھے وہ ٹھیک طرح سے یاد نہیں ہیں یعنی اگر اب کبھی سامنا ہو جائے تو شاید میں انہیں پہچان سکوں گا یا ہو سکتا ہے پہچان بھی لوں۔" نبیل نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا پھر باری باری دونوں سے پوچھا۔ "بس یا کچھ اور۔"

"اور اگر آپ کو ان کا اتا پتا معلوم ہو تو وہ بتا دیں۔" مدحیہ نے کہا تو وہ کچھ ٹھٹک سے گئے۔

"نہیں۔ مجھے نہیں معلوم اور شاید یہاں کسی کو بھی معلوم نہیں ہو گا۔ کیونکہ جس اپارٹمنٹ میں ان کی رہائش تھی وہ تو انہوں نے پھوپھو کے نام کر دیا تھا۔ اس کے بعد جب تعلق ختم ہو گیا تو پھر ظاہر ہے کسی کو ان کا پتا کرنے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔" نبیل نے بہت سنبھل کر دونوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"انہیں تو معلوم ہے ناں کہ ہم یہاں رہتے ہیں پھر انہوں نے ہم سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" سوال مدحیہ اٹھا رہی تھی۔ جبکہ صباحت بالکل خاموش تھی لیکن چہرہ بتا رہا تھا کہ اندر سے وہ بھی اتنی ہی بے چین ہے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ جب انہیں کبھی تمہارا خیال نہیں آیا تو تم بھی ان کے بارے میں مت سوچو۔ اگر وہ فیئر ہوتے تو پھوپھو خود تمہیں ان کے بارے میں بتاتیں اور اب تمہیں پھوپھو کا خیال کرنا چاہیے۔ تمہارے لیے سب کچھ وہی ہیں، خود میرے لیے بھی وہ میرے ماں باپ سے بڑھ کر ہیں۔ بہت محبت سے انہوں نے ہم تینوں کی آبیاری کی ہے۔ ہمیں ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے انہیں دکھ ہو۔ سمجھ رہی ہو ناں؟"

بہت نرمی سے سمجھاتے ہوئے انہوں نے دونوں کو تنبیہہ بھی کی اور ان کے سر جھکانے پر اٹھتے ہوئے بولے۔

"چلو جاؤ اب سونے کی تیاری کرو۔ صبح کالج بھی جانا ہو گا اور سن لو کل سے پڑھنے کے اوقات میں دو منٹ۔۔۔"

"۔۔۔ اپنی کتابیں سنبھالیں اور انہیں شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آگئیں۔

"۔۔۔ نبیل بھائی!" لائٹ آف کر کے بیڈ پر لیٹتے ہی مدحیہ نے نبیل کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ "انہیں پاپا کے بارے میں سب پتا ہے۔ لیکن صاف مکر گئے۔"

"نہیں۔ نبیل بھائی جھوٹے نہیں ہیں، بلکہ تمہارا دماغ خراب ہے جو ان سے ہمیشہ شاکی رہتی ہو۔" دراصل حقیقتاً "بہت برا لگا تھا۔ انتہائی ناگواری سے بولی۔

"۔۔۔ بات بتاؤ صبا! تمہارا مجھ سے زیادہ قریبی رشتہ ہے یا نبیل بھائی سے؟" مدحیہ سلگ کر اٹھ بیٹھی۔

"۔۔۔ سے ایک سا ہے۔ تم بہن اور وہ بھائی۔"

"۔۔۔ بھائی نہیں ہیں وہ بلکہ ان سے خونی رشتہ تو بنتا ہی نہیں ہے تمہارا پھر بھی تم مما کی طرح انہیں مجھ پر فوقیت دیتی ہو کیوں؟"

"۔۔۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دیتی۔ تم چاہتی ہو کہ تمہاری غلط بات پر بھی میں تمہاری ہاں میں ہاں ملاتی جاؤں نہیں کر سکتی اور یہ تم رشتوں میں سگے سوتیلے کا فرق کیا لے بیٹھی ہو۔ میں کسی خونی رشتے کو نہیں پہچانتی۔ نبیل بھائی کی ذات ہمارے لیے سائبان جیسی ہے۔ جنہوں نے بھائی کی کمی تو پوری کی ہی اس کے ساتھ وہ بھی دیتے ہیں جو مجھے اپنی زندگی میں کسی خلا کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ تم خدا کے لیے ان سے شاکی ہونا اور آئندہ میرے سامنے انہیں کچھ مت کہنا۔ میں جتنی محبت تم سے کرتی ہوں اتنی ان سے۔"

۔۔۔ بولتے ہوئے جذباتی ہو گئی تھی۔ اس لیے آخر میں اس کی آواز بھرا گئی اور بس اس کا خیال کر کے مدحیہ نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کی طرف سے کروٹ بھی بدل گئی تھی۔

--*

۔۔۔ ٹیرس پر کھڑی کچھ بے دھیانی میں آسیہ کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب آسیہ کی نظر پڑی تب اس نے چونک کر ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا۔ جواباً آسیہ نے شفیق مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلایا پھر آگے بڑھا دی۔ گاڑی کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مدحیہ نے جھک کر نیچے دیکھا جہاں احمر اسے متوجہ کرنے کے لیے دونوں بازو اوپر اٹھا کر لہرا رہا تھا۔ وہ بے ساختہ ہنسی۔

"۔۔۔ بات ہے؟"

"۔۔۔ نیچے آؤ۔" احمر کی آواز دھیمی تھی۔ لیکن ہاتھ کا اشارہ واضح جسے سمجھنے کے باوجود انجان بن کر اونچی آواز میں

"۔۔۔ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔"

۔۔۔ نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا پھر فوراً اندر چلا گیا تو وہ اس کی بوکھلاہٹ پر ہنستی ہوئی وہیں بیٹھ گئی۔ چند لمحوں بعد احمر اس کے سامنے آ گیا۔

"۔۔۔ کیا حرکت تھی؟"

"۔۔۔ کون سی؟" وہ ابھی بھی ہنس رہی تھی۔

"۔۔۔ مجھے یہاں بلانا تھا تو اشارے سے بلاتیں۔ چلانے کی کیا ضرورت تھی۔" احمر نے اس کی شرارت سمجھ کر بات اس پر ڈال دی۔

"۔۔۔ جناب اول تو میں نے آپ کو بلایا نہیں اور اگر بلانا ہو گا تو چلا کر ہی بلاؤں گی۔ کیونکہ مجھے اشارے کرنے آتے اور نہ میں اشاروں کی زبان سمجھتی ہوں۔" وہ خاصی بے نیازی سے گویا ہوئی۔

"۔۔۔ دیکھ رہا ناں؟" احمر نے جھنجھلا کر کہا۔

"۔۔۔ میں گونگی ہوں یا آپ گونگے بہرے ہیں۔" وہ اس کی جھنجھلاہٹ سے اندر ہی اندر محظوظ ہو کر بولی۔

"۔۔۔ کیسی احمق لڑکی ہو تم۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔" احمر نے سر پیٹ لیا پھر اسے ہنستے دیکھ کر قدرے جھل

ساہو کر صباحت کو پکارنے لگا تو وہ ہنسی روک کر بولی۔
"صبا نیچے ہی ہے۔ ابھی مما کے ساتھ تو اتری تھی۔"
"اور نبیل بھائی کہاں ہیں؟۔" احمر نے گردن موڑ کر نبیل کے طرف کی کھلی کھڑکی سے اندر
کرتے ہوئے پوچھا۔
"وہ غالباً" بڑے ماموں کی طرف گئے ہیں۔ آپ چائے پئیں گے؟۔" اس نے جواب کے ساتھ
"ضرور پیوں گا۔ تم بناؤ گی۔؟"
"نہیں بوا!" اس کے ساتھ ہی اس نے بوا کو پکار کر چائے کا کہا پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "وہ
بتا رہی تھیں کہ آپ ایم بی اے کے لیے باہر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"
"ہاں۔ دعا کرو۔ اسکالر شپ مل جائے۔" احمر نے سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے
سے بولی۔
"میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"
"دل سے مانگو گی تو ضرور قبول ہوں گی۔ اب یہ مت کہہ دینا کہ تمہارے پاس دل ہی نہیں
اچانک اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ کچھ نروس سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"میں چائے لاتی ہوں۔"
"بوا لے آئیں گی، تم بیٹھو۔" احمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھایا تھا کہ اسی وقت بوا چائے
نے فوراً" ٹیبل پر سے ٹانگیں ہٹالیں اور بوا کے ہاتھ سے ٹرے لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے پو
کپ کس کے لیے ہے۔ بوا! آپ بھی پئیں گی؟۔"
"نہیں۔ میں تو صبا کے لیے لائی تھی۔" بوا نے صباحت کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہ
"صبا نیچے ہے اماں جی کے پاس۔ چلیں آپ پی لیں۔ اس کے آنے تک تو ٹھنڈی ہو جا
ایک کپ اٹھا کر بوا کو تھما دیا اور ان کے جانے کے بعد اپنا کپ اٹھاتے ہوئے بولی۔
"ایک بات پوچھوں احمر! سچ سچ بتائیں گے؟۔"
"ہوں۔" احمر چائے کا سپ لے کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
"آپ نے صبا کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔ میرا مطلب ہے سب لوگ اسے زیادہ پسند کرتے
سونیا جی بھی اسی کے گن گاتی ہیں۔ حالانکہ ہماری شکلیں ایک جیسی ہیں لیکن اسے زیادہ پیار کر
نے اس کے بجائے۔۔۔" اسے غالباً" شروع سے یہ بات کھٹک رہی تھی اور اب پوچھتے ہوئے جھجکا
"تمہاری بات ٹھیک ہے۔" احمر اس کا مطلب سمجھ کر خاصے محظوظ انداز میں گویا ہوا۔ "دل
سب صبا سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی عادات ہیں۔ صلح جو، فرمانبردار ا
لحاظ کرنے والی۔ دوسری بڑی وجہ اس کا ہر ایک پر جان چھڑکنا ہے۔ بالکل نبیل بھائی کی طرح ا
کے لیے اس کا انتخاب میں تو کیا اس خاندان کا کوئی لڑکا بھی نہیں کر سکتا۔"
"کیوں؟۔" اس کے چہرے پر قدرے الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔
"اس لیے کہ اس کے اندر ہم سب کے لیے محبت کا ایک ہی رنگ ہے۔ کچھ شفیق سا، کبھی
بچی لگتی ہے اور کبھی ہماری آپا جان بن جاتی ہے۔ تو بدلے میں ہمارے دلوں میں اس کے لیے ا
اس سے ہٹ کر اس کے بارے میں کچھ اور نہیں سوچا جا سکتا۔ کم از کم میں اور عمر بھی نہیں
لیے وہ بالکل ثوبیہ کی طرح ہے۔"
احمر نے پوری ایمان داری سے وضاحت کر کے اسے دیکھا تو اس نے گہری سانس کے ساتھ
اکتفا کیا پھر اٹھ کر گرل کے پاس جا کھڑی ہوئی اور نیچے جھانکنے لگی۔
"سنو، نبیل بھائی کب تک آئیں گے؟۔" احمر نے اسے متوجہ کر کے پوچھا۔

نہیں۔ صبا سے پوچھ لیں، شاید اسے بتا کر گئے ہوں۔" اس نے کہا پھر آگے آ کر ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی۔
واز آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے، کچن میں بوا سے بات کر رہی ہے۔ میں بھیجتی ہوں اسے۔"
یں۔ میں بھی چل رہا ہوں۔" احمر اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔
کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔ مدحیہ کے ساتھ احمر کو دیکھ کر پہلے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ پھر
رعب سے پوچھنے لگی۔
آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟۔"
کیوں۔ میرے یہاں آنے پر پابندی ہے یا مدحو سے بات کرنے پر۔" احمر نے اس کی چوٹی کھینچتے ہوئے کہا۔
نہیں خیر، پابندی تو کسی بات پر نہیں ہے۔ البتہ نیچے بتا کر آیا کریں کہ کہاں جا رہے ہیں۔ مامی جی اس وقت
مسلسل ایک ہی جملہ بول رہی ہیں کہ احمر کو ابھی تو میں نے یہیں دیکھا تھا کہاں گیا۔" صباحت نے کہا تو وہ سر
ہوئے بولا۔
ابھی بس۔ ان کے سامنے تو میں سیڑھیاں چڑھا تھا۔ خیر یہ بتاؤ نبیل بھائی کب آئیں گے؟۔"
وہ تو نو بجے آنے کا کہہ گئے تھے لیکن میں ابھی فون کر رہی ہوں انہیں کہ جلدی آئیں آپ کو بھی کوئی کام ہے
ہے۔؟" صباحت کی بات سن کر مدحیہ اس سے پوچھنے لگی۔
تمہیں کیا کام ہے؟۔"
کام تو نہیں بس۔۔۔" صباحت نے اسی قدر کہا تھا کہ احمر عجلت میں بولا۔
ٹھیک ہے، تم انہیں فون کرو تو کہنا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"
اچھی بات ہے۔" صباحت جانے کس بات پر خوش ہو رہی تھی۔ احمر کو جاتے ہوئے دیکھا پھر لابی میں آ کر پہلے
کے کلینک کے نمبر ڈائل کیے تو دوسری طرف سسٹر نے ریسیور اٹھایا تھا۔
سسٹر! میں صبا ہوں۔ مما سے کہیں۔ دو منٹ میری بات سن لیں۔" چند لمحوں بعد آسیہ کی آواز آئی تھی۔
ہاں صبا! کیا بات ہے بیٹا؟۔"
گڈ نیوز مما!" وہ خوشی سے کھنکتی آواز میں بولی۔ "ابھی نبیل بھائی کا اپائنمنٹ لیٹر آیا ہے۔ اتفاق سے میں نے
وصول کیا ہے اور ابھی کسی کو نہیں بتایا۔ میں نبیل بھائی کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔ سب کے سامنے اور سلیبریشن
کے ساتھ۔ لیکن مما! بوا کہہ رہی ہیں ان کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ میں کیک وغیرہ کہاں سے منگواؤں۔"
"تو تمہیں پیسے چاہئیں؟۔" آسیہ نے اس کی ساری بات سن کر پوچھا۔
"جی!"
"ایسا کرو، میری الماری سے لے لو۔ چابی کارنر کی دراز میں ہو گی اور سنو الٹی سیدھی چیزیں مت منگوا لینا۔
ڈھنگ کا انتظام کرنا۔"
آسیہ نے مصروفیت کی وجہ سے بہت عجلت میں بات ختم کر کے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے
ماموں کے گھر فون کر کے نبیل بھائی کو فوراً" آنے کو کہا۔ وہ پوچھتے رہ گئے۔ "خیریت۔۔۔ خیریت۔"
"سب خیریت ہے۔ بس آپ آجائیں۔" اس نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور وہیں سے مدحیہ کو پکارا تو اس کی آواز
سے آئی تھی۔
"میں یہاں ہوں۔"
"سنو مدحو!" وہ کمرے میں آ کر اس سے بولی۔ "ہم ایک پارٹی ارینج کر رہے ہیں۔"
"ہم کون؟۔" مدحیہ نے وارڈ روب بند کر کے اسے دیکھا۔
"میں اور تم۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتاؤں گی کیونکہ تم اسی وقت سب میں ڈھنڈورا پیٹ دو گی جبکہ میں
سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا تو مدحیہ تنک کر بولی۔
"مجھے اپنے ساتھ کیوں شامل کر رہی ہو۔ اکیلی ارینجمنٹ کرو۔"

"اُفوہ، تم بہت جلدی برا مان جاتی ہو۔ اچھا میں تمہیں بتادوں گی پہلے نیچے جاکر سب سے کہہ دو کہ
اوپر آجائیں۔ میں جب تک پیسے نکال لوں۔" اس نے فوراً" ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور جانے لگی تو
روک کر پوچھا۔
"سنو تم کیا کھانے کا انتظام کرو گی؟"
"نہیں کھانا تو سب جلدی کھالیتے ہیں نو بجے۔ ہم چائے کے ساتھ کچھ لوازمات رکھیں گے۔ کیک
بس تم جلدی سے کہہ آؤ پھر ان چیزوں کی لسٹ بناکر بوا سے منگوالیں گے۔"
وہ کہتی ہوئی مدحیہ کے ساتھ کمرے سے نکلی تو اسے بھیج کر خود آسیہ کے کمرے میں آگئی اور بیڈ کا
سے چابی نکال کر الماری کھول لی۔ آسیہ کی الماری کھولنے کا یہ پہلا موقع نہیں تھا البتہ اس کی سیف میں
ہاتھ ڈال رہی تھی۔ ایک طرف زیورات کے مخملیں ڈبے ایک دوسرے کے اوپر جمے تھے۔ دوسری طرف
بیگ جیسے ہی اس نے سیف کے اندر کھول کر ایک پانچ سو کا نوٹ نکالا تھا کہ اس کے ساتھ ایک تصویر
ہاتھ میں آگئی۔ جس پر نظر پڑتے ہی اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ فوراً" تصویر دوپٹے میں
الماری بند کرکے کچھ بدحواسی کے عالم میں کمرے سے نکلی تو آگے نبیل سے ٹکرا گئی۔
"خیال سے۔" نبیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر غالباً" خود کو سہارا دیا تھا۔ پھر اسے دیکھ کر بولے۔
"کیا بات ہے۔ اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"
"ک... کچھ نہیں۔ میں مما کے کمرے میں پیسے لینے گئی تھی۔ خود انہوں نے کہا تھا۔ اصل میں..."
میں وہ ہکلانے لگی۔
"ایک منٹ۔ میرے ساتھ آؤ۔" نبیل اسے ٹوک کر اپنے کمرے میں لے گئے۔ اور بٹھانے کے بعد
بولے۔ "تم نے کبھی مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی نہ کبھی جھوٹ بولا۔"
"میں ابھی بھی نہیں چھپا رہی۔ بس یہ..." اس نے فوراً" دوپٹے میں سے نکال کر تصویر نبیل
کردی۔ "میں نے جان بوجھ کر نہیں نکالی۔ روپے لیتے ہوئے یہ خود بخود میرے ہاتھ میں آگئی تھی۔"
نبیل کی نظریں تصویر پر تھیں۔ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں بولے نہ ہی اسے دیکھا تو
سمجھی۔
"میرا یقین کریں نبیل بھائی! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مما کی اجازت سے میں نے ان کی الماری کھولی
پیسے لیتے ہوئے یہ..."
نبیل نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا۔ تو اس نے سر جھکالیا پھر قدرے
انہیں پکار کر اشتیاق سے پوچھنے لگی۔
"نبیل بھائی! یہ مما کے ساتھ پاپا ہیں ناں؟"
"ہیں۔" نبیل چونکے پھر ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر بولے۔ "جاؤ، یہ جہاں سے اٹھائی ہے، اسے وہیں
آؤ۔ ورنہ اگر پھوپھو کو معلوم ہوگیا تو وہ بہت ناراض ہوں گی۔"
"پہلے مدحو کو دکھادوں پھر رکھ دوں گی۔" اس نے کہا تو نبیل نے اس کے ہاتھ سے تصویر جھپٹ لی۔
"نہیں صبا! مدحو کو دکھانے کی غلطی نہیں کرنا۔ تم جانتی ہو اسے۔ سارے شہر میں اس شخص
پھرے گی۔ اس کے اندر عجیب سی ضد ہے۔ جس بات کو منع کرو، وہ ضرور کرے گی اور تم بھی بھول جاؤ
تصویر دیکھی ہے۔" نبیل کے قدرے سخت لہجے پر وہ سر جھکا کر بولی۔
"آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میرے اندر انہیں دیکھنے، ان سے ملنے کی خواہش نہیں ہوگی۔"
"ضرور ہوگی۔ لیکن میں جانتا ہوں، تم پھوپھو کو دکھ دینے والی کوئی بات نہیں کرو گی۔ یا کر سکتی ہو؟"
اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ تو اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا پھر آہستہ
سر ہلانے لگی۔

"تم انتہائی اچھی لڑکی ہو۔" نبیل مطمئن ہوکر مسکرائے۔
"یہ اسے وہیں رکھ دوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ہاں شاباش جلدی کرو۔" نبیل نے تصویر اسے تھمائی تھی کہ مدحیہ کی آواز آنے لگی۔
"صبا! میں نے سب سے کہہ دیا ہے۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔ کہاں ہو تم؟" مدحیہ غالباً" اپنے کمرے میں
دیکھنے کے بعد اب اسی طرف آرہی تھی۔
صباحت نے گھبرا کر پہلے اپنے ہاتھ میں تصویر اور پھر نبیل کو دیکھا تھا۔
"بے وقوف لڑکی!" نبیل نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر اپنے تکیے کے نیچے کھسکادی پھر اٹھ کر اس کے
آگے یوں کھڑے ہوگئے کہ اگلے پل مدحیہ دروازے میں آئی تو اسے وہ نظر نہیں آئی۔
"ارے صبا یہاں بھی نہیں ہے۔" مدحیہ نے حیرت سے اپنے آپ سے کہا۔ "کہاں چلی گئی۔"
"یہیں ہے۔ تم ٹھیک سے دیکھو تو نظر آئے۔" نبیل غیر محسوس طریقے سے اس کے سامنے سے ہٹتے ہوئے
بولے۔
"چھپنے سے کچھ نہیں ہوگا صبا! تمہیں مجھے ابھی بتانا پڑے گا ورنہ میں سارا پروگرام خراب کردوں گی۔" مدحیہ
سمجھی کہ وہ پارٹی کا سبب بتانے سے گریز کررہی ہے۔
"کیسا پروگرام؟" نبیل نے پوچھا تو صباحت فوراً" ان کے پیچھے سے نکل کر مدحیہ کے پاس جا کھڑی ہوئی اور
اس کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے بولی۔
"پروگرام یہ ہے نبیل بھائی! کہ رات نو بجے میں اور مدحو آپ کو زبردست سرپرائز دیں گے۔ چلو مدحو۔" اس
کے ساتھ ہی وہ مدحیہ کو کھینچتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل گئی۔
نو بجے میمونہ بھابھی اپنی چاروں اولادوں کے ساتھ اوپر آئیں۔ ابا جی بھی ان کے ساتھ تھے۔ البتہ اماں جی
گھٹنوں میں تکلیف کے باعث سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی تھیں اور خلیل بھائی نے اسے بچوں کی گیدڑ رنگ سمجھ کر
آنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بہرحال جو آئے تھے، وہ خاصے متجسس تھے اور اپنے طور پر قیاس بھی کررہے
تھے۔
"میں سمجھ گیا۔ کسی کی برتھ ڈے ہے۔" عمر نے ٹیبل پر رکھے کیک کو دیکھ کر یقین سے کہا۔
"نہیں۔ برتھ ڈے کا پہلے سے باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے تاکہ آنے والے خالی ہاتھ نہ آئیں۔" حمر نے عمر کی
بات رد کردی۔
"بس اب تم لوگ خاموش رہو۔ آسیہ کو بولنے دو۔" میمونہ بھابھی نے سب کو خاموش کراکے آسیہ کو دیکھا تو وہ
کہنے لگی۔
"میں کیا بولوں۔ جنہیں سرپرائز دینے کا شوق تھا، وہی بتائیں گی۔ مدحو، صبا بیٹا! بتاؤ ناں؟"
"جی مما!" صباحت نے مدحیہ کو دیکھا اور اس کے اشارے پر کہنے لگی۔ "اصل سرپرائز نبیل بھائی کے لیے
ہے اور وہ یہ کہ انہیں کالج میں لیکچرار کی جاب مل گئی ہے۔ یہ رہا نبیل بھائی آپ کا اپائنمنٹ لیٹر۔"
"بہترین۔ مبارک ہو نبیل بھائی!" سب نے تالیاں بجا کر نبیل کو مبارک باد دی۔
"مبارک ہو بیٹا!" ابا جی نے نبیل کا کندھا تھپکا تو وہ جھک کر ان کے پاؤں چھو کر بولے۔
"آپ کی دعائیں ہیں ابا جی!" پھر آگے بڑھ کر آسیہ کے سامنے جھکے تو اس نے پیشانی چوم لی۔
مدحیہ اور صباحت نے جلدی جلدی تین پلیٹیں سجا کر ابا جی، آسیہ اور میمونہ بھابھی کو تھمادیں اور باقی سب کو اپنی
مدد آپ کا کہہ دیا۔
ابا جی جلدی اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد آسیہ بھی میمونہ بھابھی کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو محفل کا
رنگ یکسر بدل گیا۔ محتاط ہنسی کی جگہ قہقہوں نے لے لی تھی۔
"یہ زیادتی ہے۔ تایا جی اور عدیل چاچو کے ہاں سے بھی سب کو بلانا چاہیے تھا۔" سونیا نے سنجیدہ ہوتے

ہوئے کہا۔
"اتنی جلدی میں تو یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ خیر پھر کسی دن ان کے لیے بھی کوئی پروگرام رکھ لیں گے۔" صباحت نمکو کی پلیٹ درمیان میں رکھتے ہوئے کہا۔
"اس پروگرام میں ایک نئی خوش خبری ہونی چاہیے' یعنی نبیل بھائی نے ایک عدد لڑکی پسند کر لی ہو" عمر شرارت سے نبیل کو دیکھا لیکن انہوں نے سنجیدگی سے ڈانٹ دیا۔
"فضول بکواس نہیں کرو۔"
"یہ فضول بکواس نہیں ہے نبیل بھائی! عمر بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ پتا ہے اماں جی ہر وقت کیا دعا کرتی ہیں" صباحت عمر کی تائید میں بولنے لگی تھی کہ وہ ٹوک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
"بس میں نے سب سن لیا ہے۔ اب تم لوگ چاہو تو محفل جمائے رکھو۔ میں سونے جا رہا ہوں کیونکہ صبح اٹھنا ہے۔"
"آپ کے بغیر محفل کیا جمے گی۔ ہم بھی چلتے ہیں۔" احمر بھی اٹھ گیا تو باقی سب نے اس کی تقلید کی۔

♥—♥—♥

مدحیہ اور صباحت امتحانوں سے فارغ ہوئیں تو دونوں کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ صباحت تو گھر کے کاموں میں دلچسپی لیتی تھی ۔۔۔ اسے کچھ مطالعے کا شوق بھی تھا۔ کبھی نبیل بھائی کوئی کتاب لا دیتے کبھی لائبریری سے منگوا لیتی۔ اس لیے وہ زیادہ بور بھی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن مدحیہ کو ایسا کوئی شوق نہیں تھا۔ گھر کے کام کاج تو وہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے کمرے کی صفائی بھی اس سے نہیں ہوتی تھی' البتہ کہیں جانا ہوتی تو وہ سب سے پہلے تیار ہوتی تھی' لیکن ان دنوں کہیں جانے کا بھی کوئی پروگرام نہیں بن سکتا تھا کیونکہ احمر دونوں کے امتحان قریب تھے۔ وہ نیچے جا کر بھی بور ہوتی تھی۔ اس روز ناشتے کی ٹیبل پر وہ آسیہ سے کہنے لگی۔
"مما! آپ مجھے کچھ دنوں کے لیے شکیل ماموں کے پاس اسلام آباد بھیج دیں۔"
"کیوں؟۔" آسیہ نے ناشتے سے ہاتھ روک کر اسے یوں دیکھا جیسے اس کا یہ اچانک پروگرام اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔
"چھٹیاں ہیں مما! اور مجھے اسلام آباد دیکھنے کا شوق ہے۔" اس نے کہہ کر صباحت کو دیکھا کہ شاید وہ بھی ہاں میں ہاں ملائے گی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔
"چھٹیاں ہیں تو کچھ گھرداری سیکھو اور جہاں تک شوق کی بات ہے تو سمیعہ کی شادی پر لے چلوں گی۔ لینا اسلام آباد۔"
آسیہ نے اس کی بات مانی نہیں تو رد بھی نہیں کی اور اس کی اس حکمت عملی پر وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔
"سمیعہ جی کی شادی پتا نہیں کب ہو گی اور اس وقت مما! ہماری چھٹیاں بھی نہیں ہوں گی۔ آپ ہمیں واپس لے آئیں گی۔"
"تو تم کتنے دن رہنا چاہتی ہو وہاں؟۔" آسیہ نے پیشانی سکیڑ کر اسے دیکھا۔
"کم از کم دس دن۔" وہ آسیہ کی پیشانی کا بل نہیں دیکھ رہی تھی' جب ہی بڑے آرام سے بولی۔
صباحت نے بوکھلا کر آسیہ کو دیکھا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
"تم بھی جانا چاہتی ہو؟۔"
"جی مما! ہم دونوں جائیں گے۔" صباحت سے پہلے مدحیہ بول پڑی۔
"تم خاموش رہو۔ میں صبا سے پوچھ رہی ہوں۔ کیوں صبا؟۔" آسیہ نے مدحیہ کو ٹوک کر اسے دیکھا تو وہ صاف گوئی سے بولی۔
"نہیں مما۔ میں آپ کے ساتھ سمیعہ جی کی شادی میں جاؤں گی۔"
"ہاں یہی مناسب ہے۔ ہم سب سمیعہ کی شادی میں چلیں گے۔" آسیہ حتمی انداز میں ایک طرح فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور جیسے ہی کمرے سے نکلی۔ مدحیہ صباحت پر بگڑ گئی۔

"تمہیں میری بات سے اختلاف کرنا ضروری تھا۔ جانے کی ہامی بھر لیتیں تو کیا ہو جاتا۔ آرام سے اسلام آباد گھوم آتے۔"
"ہاں۔ میرے کہنے سے تو مما جیسے بھیج دیتیں ہمیں۔"
"بالکل بھیج دیتیں۔ انہوں نے تم سے پوچھا ہی اس لیے تھا۔ میری بات تو وہ کبھی مانتی ہی نہیں۔ تمہاری مانتی ہیں یا نبیل بھائی کی۔ تم دونوں ان کی سگی اولادیں ہوناں' میں تو بس......"
مدحیہ غصے میں جو منہ میں آیا کہے جا رہی تھی کہ نبیل ٹوک کر بولے۔
"مدحیہ! یہ کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ پھوپھو نے کہا تو ہے سمیعہ کی شادی میں لے چلیں گی۔"
"آپ ہی جائیے گا شادی میں' میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ خاصے جارحانہ انداز میں کرسی دھکیلتی کھڑی ہوئی اور کمرے سے نکل گئی۔ تو صباحت برتن سمیٹتی ہوئی بولی۔
"آج سارا دن میری شامت آتی رہے گی۔ کوئی ایسا طریقہ بتائیں نبیل بھائی! جو اس کا موڈ جلد ٹھیک ہو جائے۔"
"بس اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔" نبیل کو کالج سے دیر ہو رہی تھی' اس لیے اختصار سے کام لیتے اٹھ گئے۔
صباحت نے برتن لے جا کر کچن میں رکھے پھر ہوا کے کہنے پر آسیہ سے دوپہر کے کھانے کی بابت پوچھنے اس کے کمرے میں آئی تھی کہ اس کے پیچھے میمونہ بھابھی پکارتی ہوئی آ گئیں۔
"آیئے بھابھی!" آسیہ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ عجلت میں بولیں۔
"بیٹھنے نہیں آئی۔ یہ پوچھنے آئی ہوں کہ مدحو اور صباحت کیا کر رہی ہیں؟۔"
"کچھ نہیں مامی جی! آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں۔" صباحت نے فوراً متوجہ ہو کر کہا۔
"وہ ثوبیہ کو کالج جانا ہے فارم جمع کروانے۔ سونیا کو رات سے کچھ حرارت ہے۔ اگر تم یا مدحو ثوبیہ کے ساتھ چلی جاؤ تو۔ اکیلی جاتے ہوئے وہ گھبرا رہی ہے۔" میمونہ بھابھی نے کہا تو آسیہ اس سے بولی۔
"تم چلی جاؤ صبا! اور بھابھی سونیا کا آپ نے مجھے رات میں کیوں نہیں بتایا۔ چلیں' میں دیکھتی ہوں اسے۔"
آسیہ اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر میمونہ بھابھی کے ساتھ نیچے چلی گئی۔
صباحت کو تیار ہونے میں پندرہ منٹ لگے۔ اس دوران وہ اپنے آپ بول کر مدحیہ کو سناتی رہی کہ وہ ثوبیہ کے ساتھ کالج جا رہی ہے۔ اس کا خیال تھا' شاید بوریت سے نکلنے کی خاطر وہ بھی ساتھ چلنے کو کہے گی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ تب وہ اسے خدا حافظ کہہ کر نیچے آئی تو ثوبیہ تیار کھڑی تھی۔ وہیں سے اونچی آواز میں اپنے جانے کا بتا کر دونوں باہر نکل آئیں۔
ثوبیہ کے لیے کالج نیا تھا۔ لیکن وہ یہاں دو سال مکمل کر چکی تھی' اس لیے لائن میں کھڑے ہونے کے بجائے سیدھی آفس میں چلی گئی اور ثوبیہ کی فیس کے ساتھ فارم جمع کروا کر جلدی فارغ ہو گئی تو ثوبیہ کہنے لگی۔
"اب مجھے میری کلاسز بھی دکھا دو تاکہ میں فول بننے سے بچ جاؤں۔"
"ہاں چلو۔ کلاسز کے ساتھ لائبریری اور کینٹین بھی دکھا دیتی ہوں۔" وہ کلاسز کا رخ کرتی ہوئی بولی۔ "ویسے ایک ڈیڑھ مہینے کی بات ہے۔ ہمارا رزلٹ آ جائے گا تو پھر ہم ساتھ ہی آئیں گی۔"
"لیکن مدحیہ تو کہہ رہی تھی' وہ آنرز کرے گی اور اب یونیورسٹی جائے گی۔" ثوبیہ نے کہا تو اسے حیرت ہوئی کیونکہ مدحیہ نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی اور وہ اپنی حیرت چھپا بھی نہیں سکی۔
"اچھا۔ مدحو نے مجھے تو نہیں بتایا۔"
"رات ہی تو بات ہو رہی تھی۔ تم اس وقت اوپر تھیں۔ زبردست بحث ہوئی تھی مدحو اور احمر بھائی میں۔"
"کس بات پر؟۔" وہ قدرے الجھ گئی۔
"اسی بات پر۔ مدحو کہہ رہی تھی آنرز کرے گی اور احمر بھائی کا کہنا تھا کہ تمہیں اسی کالج میں گریجویشن کرنا

ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو قائل نہیں کر سکا۔ آخر میں مدحویہ کہتی ہوئی بھاگ گئی کہ اپنی مرضی میں جو بھی کروں۔"

توبیہ اپنے سادہ سے انداز میں بول رہی تھی۔ اس نے زیادہ اسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا اور قصداً بات کر اس کا دھیان بھی بٹا دیا تھا۔

پھر کلاسز وغیرہ دیکھنے میں انہیں کچھ دیر لگی' اس کے بعد کینٹین سے کولڈ ڈرنکس پی کر دونوں کالج سے باہر کی فضا کچھ دھندلائی ہوئی تھی۔ پہلے دونوں نے غور نہیں کیا لیکن اسٹاپ تک آتے آتے ان کی حالت ہوگئی' کھانسی کے ساتھ آنکھوں سے روانی سے آنسو بہہ نکلے۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے۔" توبیہ نے اپنی آنکھیں رگڑ رگڑ کر اسے دیکھا۔

"لگتا ہے یہاں آنسو گیس استعمال ہوئی ہے۔ یقیناً کوئی گڑبڑ ہوگی۔ ٹریفک بھی برائے نام ہے۔ کوئی رکشہ مل جائے تو۔" وہ گھبرا کر چاروں طرف نظریں دوڑاتی ہوئی بولی۔

"اف۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" توبیہ اس کی بات سن کر واقعی ڈر گئی۔ "گھر کیسے جائیں گے۔ کوئی رکشہ نہیں آرہا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ دیکھو ایک بس آرہی ہے۔ فوراً چڑھنے کی کرنا۔"

اس نے بے تحاشا بہتے آنسوؤں کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے کہا اور جیسے ہی بس آکر رکی۔ ادھر ادھر سے لڑکیاں بھاگ کر ایک دوسرے کو دھکیلنے لگیں' اور اس دھکم پیل میں وہ توبیہ کو سوار کرانے میں کامیاب ہوئی مگر خود وہیں رہ گئی۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سی لڑکیاں رہ گئی تھیں لیکن اس کی پریشانی الگ تھی۔ کہ توبیہ پہنچ گئی تو اس کے لیے سب پریشان ہو جائیں گے۔ پھر ایک دم اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے توبیہ اگلے اسٹاپ پر اتر جائے اور اس خیال کے آتے ہی وہ تیز تیز چلنے لگی۔ ابھی اگلا اسٹاپ کافی دور تھا کہ ایک گاڑی اس کے قریب آن رکی۔

وہ اچھل کر پیچھے ہٹی اور آنکھیں رگڑ رگڑ کر ناگواری سے دیکھا لیکن اسے کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ فوراً ہی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

"سوری مس۔" شیشہ گرنے کے ساتھ اسے مردانہ آواز سنائی دی۔ "میرا مقصد آپ کو ہراساں کرنا نہیں بلکہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آگے راستہ صاف نہیں ہے۔ آپ اس طرف نہیں جائیں۔"

"لیکن مجھے ادھر ہی جانا ہے۔" آنسو تو یوں بھی بہہ رہے تھے' اس کی آواز بھی بھرا گئی۔

"آیئے' میں آپ کو دوسرے راستے سے چھوڑ دوں گا۔" وہ جو کوئی بھی تھا' اچانک دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ جب ہی گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ ورنہ رکا محض اطلاع دینے کے لیے تھا کہ آگے جانا خطرناک ہے۔

"نو تھینکس۔ میں چلی جاؤں گی۔" وہ مسلسل آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

"نہیں جا سکیں گی۔" وہ یقین سے بولا۔

وہ ان سنی کر کے کسی سواری کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی۔

"احتیاط اچھی چیز ہے۔ لیکن اس وقت اگر آپ مجھ پر اعتماد کریں تو اس پریشانی سے نکل سکتی ہیں۔ پلیز۔"

اس کے اصرار پر اس نے پہلی بار بغور اسے دیکھا۔ گرے سوٹ میں اس کی شخصیت قدرے مانوس سی لگی۔

"آپ راستے میں جہاں کہیں گی' میں آپ کو وہیں اتار دوں گا آیئے۔" اس نے مزید اصرار سے کہا تو اس نے ایک آخری کوشش کے طور پر سواری کے لیے ادھر ادھر دیکھا پھر مایوس ہو کر بیٹھ گئی۔

اس نے فوراً گاڑی آگے بڑھا دی جیسے اندیشہ ہو کہ وہ اتر جائے گی۔ پھر مڑ کر اسے دیکھا تو لگا جیسے سیلاب سے آبشار بہہ نکلی ہو۔ جس کی روانی اسے بھی بہائے لے جا رہی تھی۔

"یہاں کیا ہوا تھا؟" وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ اس نے چونک کر پہلے رومال بڑھایا پھر بتانے لگا۔

"ایک تیز رفتار ویگن اوور ٹیک کرتے ہوئے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی تھی اور ایک بچے کو کچل دیا۔ لوگ مشتعل ویگن کو گھیرے ہوئے تھے' کسی نے فوراً پولیس موبائل بلوالی۔ پھر ظاہر ہے' مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے پولیس نے آنسو گیس استعمال کی ہوگی۔"

"اور وہ بچہ۔" وہ جیسے پھوٹ پھوٹ کر رونے کو تیار تھی۔ جس کی وجہ سے اسے مبالغے سے کام لینا پڑا۔

"اسے ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔" پھر فوراً اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھا۔ "آپ کالج سے آرہی تھیں؟"

صباحت نے سرہلانے پر اکتفا کیا۔

"کون سے ایر میں ہیں؟" قدرے توقف سے پھر سوال ہوا۔

"سیکنڈ ایر کا ایگزام دیا ہے۔" وہ بے زار سے لہجے میں بولی۔ اصل میں آنکھوں میں ہونے والی چبھن سے پریشان تھی۔

"رہائش کہاں ہے آپ کی؟ آئی مین میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں؟" وہ غالباً اس کی بے زاری محسوس کر گیا۔

"یہاں سے بائیں طرف۔" اس نے راستے پر نظر ڈالنے کے بعد کہا پھر آسیہ کے کلینک کے سامنے گاڑی رکوا کر بولی۔ "یہاں سے میں چلی جاؤں گی۔"

"ایز یو لائیک۔" وہ اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرایا لیکن اس نے جواباً ایسی کوئی کوشش نہیں کی اور سہولت سے دروازہ کھول کر ایک پیر باہر نکالا تھا کہ اس نے روک دیا۔

"ایک منٹ۔"

وہ اس کی طرف گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے علی کہتے ہیں۔ علی جہانگیر آپ؟" اس کے لہجے کی بے قراری ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس سے دوبارہ سہ بارہ بلکہ بار بار ملنا چاہتا ہے۔

"صباحت!" چند لمحوں کے توقف سے اس کے ہونٹوں نے جنبش کی تھی۔

علی جہانگیر کی نظریں اس کی سرخ آنکھوں سے ہوتی ہوئی سیاہ تل پر جا ٹھہریں' جس سے وہ کچھ نروس ہو کر فوراً اتر گئی اور شکریہ کہے بغیر کلینک کا گیٹ پار کر آئی۔

آسیہ کے پاس پیشنٹ موجود تھی۔ وہ گلاس وال سے دیکھ کر وہیں رک کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی' کچھ دیر بعد جیسے ہی خاتون باہر نکلی اس نے فوراً اندر داخل ہو کر پکارا تھا۔

"مما!"

"تم۔" آسیہ اسے دیکھ کر ٹھٹکی۔ "کیا ہوا ہے تمہیں؟"

"وہ مما! راستے میں کچھ ہنگامہ تھا۔ پولیس نے آنسو گیس پھینکی۔ میری آنکھوں میں بہت جلن ہو رہی ہے۔" اس نے بتایا۔

"چلو ادھر چلو۔" آسیہ سسٹر کو اشارا کرتی ہوئی اسے لے کر دوسرے کمرے میں آئی اور بیڈ پر لٹا کر اس کی کیفیت دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "تم یہاں کیسے آئیں اور وہ ثوبیہ بھی تو تمہارے ساتھ تھی؟"

"مما! آپ پہلے گھر فون کر کے معلوم کریں۔ ثوبیہ پہنچی کہ نہیں۔ وہ بس میں چڑھ گئی تھی۔ مجھے جگہ نہیں ملی پھر اور کوئی بس آئی ہی نہیں میں......" وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"سسٹر! اس کی آنکھیں دھو کر یہ ڈراپس ڈالو۔ اور بیٹا! آپ آرام سے لیٹو۔ میں فارغ ہو جاؤں پھر ساتھ چلیں گے۔" آسیہ نے سسٹر کو ڈراپس تھما کر اس سے کہا۔

"اور مما ثوبیہ!" اسے اب ثوبیہ کی فکر ستا رہی تھی۔
"ڈونٹ وری۔ میں معلوم کرتی ہوں۔" آسیہ اس کا گال تھپک کر کمرے سے نکل گئی تو سٹرپاٹی
بھگوتی ہوئی اس کے سر پر آکھڑی ہوئی۔

❁ ❁ ❁

جب تک آسیہ کا فون نہیں آگیا۔ میمونہ بھابھی جلے پیر کی بلی کی طرح چکراتی رہیں کیونکہ اس وقت ا
میں سے کوئی بھی گھر پر نہیں تھا اور وہ پریشان تھیں کہ صباحت کے پیچھے کسے دوڑائیں۔ ثوبیہ نے بس اتا
وہاں کوئی ہنگامہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ٹریفک بند ہو گئی ہے۔ قسمت سے ایک بس آئی جس میں ص
اسے تو سوار کرا دیا لیکن خود رہ گئی۔ اور ہنگامے کا سن کر ہی میمونہ بھابھی کے ہوش اڑ گئے تھے۔ سونیا کی
بھی ان پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ ایک گھنٹہ حقیقتاً" ان پر بہت بھاری گزرا تھا۔ جب آسیہ کا فون آیا او
ثوبیہ کی خیریت معلوم کرنے کے ساتھ صباحت کی اپنے پاس موجودگی کا اطمینان دلایا تب ان کی جان میں
شکر کرتی ہوئی سونیا کے پاس آکر بیٹھی تھیں کہ مدحیہ آکر پوچھنے لگی۔
"مامی جی! ابھی تک صبا اور ثوبیہ کالج سے نہیں لوٹیں؟"
"ثوبیہ آگئی ہے اور صبا وہاں سے پھوپھو کے پاس چلی گئی۔" سونیا نے کہا پھر فوراً" اسے ساری صورت
تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔
"صبا ایسی ہی پاگل ہے۔ معجزہ ہی ہے جو وہ مما کے پاس پہنچ گئی۔"
"ایسے حالات میں تم کیا کرتیں۔" سونیا نے پوچھا۔
مدحیہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔ اصل میں اس کا موڈ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ شاید اس لیے کہ ز
پڑی ہوئی تھی۔
"چلیں امی، اب آپ کھانا کھالیں۔ میرا خیال ہے صبا کے انتظار میں مدحو نے بھی نہیں کھایا۔
! چلو تم بھی امی کے ساتھ کھالو، عمر اور احمر بھائی تو پتا نہیں کب آئیں گے۔" سونیا نے کہا تو وہ اٹھتی ہوئی
"مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔"
"کیوں، کھانے کا وقت ہے۔ بھوک کیوں نہیں ہے۔ بیٹھو، میں یہیں لے کر آتی ہوں۔" میمونہ
ٹوکتے ہوئے کہا۔
"نہیں مامی جی! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ آپ کھائیں پلیز۔" وہ قد
سے منع کرتی سونیا کے کمرے سے نکل آئی۔
نبیل سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ وہ ان کے پیچھے ایک ایک سیڑھی پر جیسے سوچ سوچ کر پاؤں رکھ
نبیل کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو پلٹ کر دیکھا اور فوراً" ایک طرف ہٹ کر اسے
اشارہ کیا لیکن خلاف عادت اس نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔
"کیا بات ہے۔ کچھ ناراض ہو؟" نبیل کو اچنبھا ہوا۔
"میری ناراضگی کی کسی کو کیا پروا۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔
"کسی کو ہو نہ ہو۔ مجھے۔" نبیل نے ایک اسٹیپ نیچے آکر اس کا بازو تھاما اور اپنے ساتھ ساتھ ا
ہوئے کہنے لگے "تم یہ کیوں چاہتی ہو کہ تمہارے منہ سے بات نکلے اور فوراً" پوری کر دی جائے
مجبوری بھی سمجھا کرو۔"
"مما کو کوئی مجبوری نہیں ہے۔" وہ فوراً" بولی۔
"مجبوری صرف پیسے کی نہیں ہوتی اور بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔" وہ اب آنگن کی دھوپ

"تمہیں سمجھنا چاہیے۔ اب تم چھوٹی بچی نہیں ہو۔ تمہیں کہیں بھیجنے سے پہلے پھوپھو کو
آگئے تھے۔
پڑے گا، اس کے بعد کبھی شاید ہی ان کا دل آمادہ ہو۔"
لیے ان کا دل تنگ ہے اور بس۔" وہ صبح سے یہی سوچتی رہی تھی اور حد درجہ شاکی تھی۔
میرے
نہیں ایسا مت کہو۔ وہ تمہیں بہت چاہتی ہیں، صبا سے بھی زیادہ۔" انہوں نے بہت نرمی سے اس کے
کدورت صاف کرنے کی سعی کی لیکن وہ نخوت سے سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔
ف!" نبیل نے زیر لب کہا، تب ہی بوا آکر پوچھنے لگیں۔
تمہارے لیے کھانا لگا دوں؟"
نہیں بوا! تھوڑا انتظار کر لیتا ہوں۔ پھوپھو آنے والی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" وہ گھڑی دیکھ کر
بچیوں نے بھی نہیں کھایا۔" بوا نے کہا۔
صبا کہاں ہے؟" انہیں اچانک صباحت کا خیال آیا۔
صبح سے گئی ہوئی ہے اور شاید اسی کے انتظار میں مدحو بھی اب تک بھوکی بیٹھی ہے۔" بوا نے اپنی سمجھ کے
کہا۔
صبا کہاں۔" آسیہ اور صباحت کو آتے دیکھ کر سوال ان کے ہونٹوں میں رہ گیا۔
"السلام علیکم نبیل بھائی! آپ بھی ابھی آرہے ہیں؟" صباحت نے قریب آکر سلام کرنے کے بعد پوچھا۔
اور تم کیا پھوپھو کے ساتھ چلی گئی تھیں؟"
سمجھے مدحیہ کے غصے سے گھبرا کر آسیہ کے ساتھ گئی ہوگی، پوچھنے کے انداز سے بھی ظاہر تھا۔ جسے سمجھ کر
"نہیں میں ثوبیہ کے ساتھ کالج گئی تھی پھر وہاں سے مما کے پاس چلی گئی۔"
"اچھا چلو، جلدی سے ہاتھ منہ دھو لو بوا کھانا لگا دیں۔" آسیہ ان دونوں کو ٹوک کر بوا سے کہتی اپنے کمرے میں چلی
گئی۔
صباحت کمرے میں آئی تو مدحیہ نے اسے دیکھتے ہی تکیے میں منہ چھپا لیا۔
"مجھے دیکھ کر منہ چھپانے کا مطلب؟ میں تمہاری سسرال سے تو نہیں آئی، چلو اٹھو، بوا کھانا لگا رہی ہیں۔"
صباحت نے اپنا بیگ اس پر اچھالتے ہوئے کہا اور رکے بغیر واش روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر
تو مدحیہ اسی طرح منہ چھپائے پڑی تھی۔
"کھانا کھا لیا کیا تم نے؟" صباحت نے اس کے منہ پر سے تکیہ کھینچ کر پوچھا تو وہ زور سے چیخی۔
"نہیں کھایا اور نہ کھاؤں گی۔"
"یعنی بھوک ہڑتال، کوئی فائدہ نہیں۔ ابھی راستے میں مما نے مجھے اتنا لمبا لیکچر دیا ہے اگر تم اس لیکچر سے بچنا
چاہتی ہو تو فوراً" موڈ ٹھیک کر کے ٹیبل پر آجاؤ ورنہ میری تو گھر آنے تک بچت ہو گئی۔ تمہاری شام تک کھنچائی ہو
سکتی ہو پھر نہ کہنا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا۔"
دوبارہ تکیہ اس پر پھینک کر کمرے سے نکل گئی۔
مدحیہ نے ایک پل سوچا پھر فوراً" اٹھ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

زندگی میں ایسے بھی لوگ ملتے ہیں
دیکھتے ہی آنکھوں کو اچھے لگتے ہیں
آرزو یہ ہوتی ہے اپنا کہہ سکوں
اسی لیے تو

"یار! تمہارے پاس کوئی اور کیسٹ نہیں ہے۔ صبح سے اسی کو ریوائنڈ کر کر کے سن رہے ہو۔ پک گئے ہیں۔"

عازم نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونستے ہوئے کہا تو علی نے چونک کر اسے دیکھا پھر کیسٹ آف کی۔

"سوری، مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ تم بھی یہاں موجود ہو۔"

"ایسا اس وقت ہوتا ہے ڈیئر کزن جب خیال میں کوئی اور ہو۔ کون ہے؟" آخر میں عازم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلی تھی۔

"ایک تو یہ بڑی مشکل ہے۔ ادھر کوئی بات منہ سے نکلی اور تم نے جھٹ فسانہ بنایا۔" اس کا ایک تھا دوسرے نظریں بھی چرا گیا۔

"میرے افسانے۔۔۔ بہت جلد حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ تم بھی جانتے" ہو عازم جتا کر گنگنایا۔

زندگی میں ایسے بھی لوگ ملتے ہیں
دیکھتے ہی آنکھوں کو اچھے لگتے ہیں

"اب تمہیں کیا ہوا ہے؟" اس نے فوراً ٹوکا۔

میں تمہارے افسانے کی حقیقت جاننے کی کوشش کر رہا ہوں اور کسی حد تک جان بھی چکا ہوں۔ یونی میں ایس ڈی ایم کا عہدہ سنبھالنے والا شاہ علی جہانگیر کسی کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا ہے اور۔"

"بس، اس سے آگے ایک لفظ نہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر عازم کو مزید بولنے سے روکا تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"بولنے دو یار! ابھی تو آغاز کیا ہے۔ انجام کی پیشین گوئی بھی ابھی کروں گا۔"

"اے بھائی۔ میرے آغاز 'انجام کو چھوڑو' اپنی فکر کرو۔ بابا جان نے تمہیں جس کام کے لیے بھیجا ہے شام سے پہلے نمٹا دو پھر سکندر چاچا آ جائیں گے تو ہو سکتا ہے، تمہیں ان کے ساتھ شاہ پور جانا پڑے" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا تھا۔

"ارے خوب یاد دلایا۔ سکندر چاچا کو لینے بھی جانا ہے۔ کتنے بجے ہے ان کی فلائیٹ۔" عازم ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

"چھ بجے۔" اس نے بتایا تو عازم کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔ سکندر چاچا فوراً شاہ پور نہیں جائیں گے۔ حلف کی تقریب تک انہیں یہیں رکنا ہے۔ احتیاطاً ان کے لیے کمرہ سیٹ کروا دو اور بابا جان کے لیے بھی کیونکہ حلف کی تقریب میں وہ بھی ضرور آئیں گے۔ آخر سکندر چاچا منسٹر بننے والے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہ سب میں کرلوں گا۔ تم اپنے کام نمٹاؤ۔ میری گاڑی چاہیے نا تمہیں۔"

"نو نو میرے پاس اپنی ہجیرو ہے۔" عازم اپنی نئی ہجیرو پر اترایا ورنہ دو مہینے پہلے تک گاڑی کے لیے خوشامد کرتا تھا۔

"ارے، تمہاری ہجیرو کو تو میں بھول ہی گیا تھا۔" وہ ہنسا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے۔ جب آنکھوں کو کوئی اچھا لگنے لگے تو بندہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔" اسی موضوع کی طرف آیا تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سونے جا رہا ہوں، تم جہاں کہیں بھی جاؤ، پانچ بجے لوٹ آنا پھر یہیں سے ساتھ ایئرپورٹ چلیں گے۔"

"اچھی بات ہے اور ہاں سنو۔" عازم یوں بولا جیسے اسے کوئی بہت اہم بات یاد آئی ہو۔ علی جہانگیر پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔

"وہ جو کوئی بھی ہے، اسے میرا سلام کہنا۔" عازم شرارت سے کہہ کر بھاگتا ہوا باہر نکل گیا تو اس کے

شرارت پھیلی تھی۔

دوں گا۔"

کچھ دیر سونے کی غرض سے بیڈ روم میں آیا تو بے تحاشا آنسو بہاتی ہوئی لڑکی کا تصور ساتھ گزشتہ دنوں کی طرح نیند آنے تک وہ اسے سوچتا رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"کہاں جا رہے ہو گیا؟" صباحت نے سیڑھیاں اترتے ہوئے عمر کو عجلت میں جاتے دیکھ کر وہیں سے پکار کر بولا۔

"انڈر دا نیم ٹری Under the Neem tree۔"

"مطلب؟" وہ کچھ بھی نہیں۔

"صبح ابو وارننگ دے گئے ہیں کہ اگر آج میں نے بال نہیں کٹوائے تو وہ آ کر مجھے گنجا کر دیں گے، مزید نہیں دیئے کہنے لگے خود کماؤ اور حجامت بنواؤ۔ اب آج کی تاریخ میں تو یہ دونوں کام ممکن نہیں ہیں۔ تھوڑے سے پیسے ہیں میرے پاس۔ ان سے انڈر دا نیم ٹری بیٹھ کر سستی حجامت بنوالوں گا۔"

مسکین سی شکل بنا کر انڈر دا نیم ٹری کی وضاحت کی تو وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔

"ایک ہی چیز ہو۔"

"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے تب کہیں جا کر مجھ جیسی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔" عمر نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا تو اس نے فوراً "تائید" کی۔

"کہہ رہے ہو۔"

"ہی ہو نا؟"

اس نے زور سے گردن ہلائی۔

"شاباش۔ تم اس گھر میں سب سے عقلمند ہو، اب جلدی سے بتاؤ، تمہیں مجھ سے کیا کام تھا؟" عمر کو اچانک یاد آیا جب ہی کام پوچھا۔

"مجھے لائبریری لے چلو۔" اس نے منت سے کہا۔

"میں صرف انڈر دا نیم ٹری لے جا سکتا ہوں۔ چلنا چاہو تو چلو، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھ کر میری حجامت دیکھنا۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ تم پہلے مجھے لائبریری چھوڑ دینا پھر واپسی میں لیتے آنا۔" اس نے کہا تو وہ گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے اصل میں اردو بازار بھی جانا ہے۔ جہاں سے واپسی میں بہت دیر ہو جائے گی۔ تمہیں کل لے چلوں گا وعدہ۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اردو بازار جا رہے ہو تو میرے لیے پروین شاکر کی خوشبو لیتے آنا۔ ایک منٹ رکو، میں پیسے

پلٹ کر سیڑھیاں پھلانگ گئی۔ کچھ دیر بعد اسی تیزی سے واپس آئی اور اسے پیسے تھما کر بولی۔

"اگر بھول گئے تو میں اسی وقت دوبارہ بھیجوں گی تمہیں۔"

"ابھی بھول گیا۔ کون سی پرفیوم؟" عمر نے بظاہر اتنی سنجیدگی سے کہا کہ وہ اچھل پڑی۔

"خوشبو" "کہہ رہی ہے پروین شاکر کی خوشبو۔"

"شاکر کی خوشبو" وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھتا ہوا جیسے اپنے آپ سے بولا "صدر جانا پڑے گا کیونکہ خوشبویات نہیں بکتیں۔"

کی شرارت سمجھ کر چیخی "اللہ کرے آج ماموں جان تمہیں سچ مچ گنجا کر دیں۔ لاؤ میرے پیسے

واپس کرو۔ میں نبیل بھائی سے منگوالوں گی۔" وہ اسے مزید چڑاتا ہوا بھاگ گیا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی
"کیا ہوا عمر تمہیں لے کر نہیں گیا؟" نبیل نے اس کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا
بولی۔
"کہاں؟"
"لائبریری جانے کی بات کر رہی تھیں تم۔" انہوں نے کہا تو وہ چونک کر بولی۔
"ہاں' وہ عمر ابھی اپنے کسی کام سے جا رہا تھا۔ کہنے لگا کل لے جاؤں گا۔ کوئی بات نہیں۔ کل
ڈسٹر اٹھا کے ان کی ٹیبل صاف کرنے لگی۔
"مدحو کہاں ہے؟ موڈ ٹھیک ہوا اس کا کہ نہیں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد نبیل نے پوچھا۔
"جی اب تو ٹھیک ہے۔ کل اماں جی سے مما کی شکایتیں کر کے دل کی بھڑاس نکال چکی ہے۔"
سے باہر جھاڑ کر ان کے پاس آ بیٹھی۔
"پتا ہے کیا کہہ رہی تھی کہ مما اس سے بالکل پیار نہیں کرتیں۔ اس کی کوئی بات نہیں مانتیں
آپ کی ہر بات مان لیتی ہیں۔ میں نے کہا ہم اس کی طرح ایسی کوئی بات کرتے ہی نہیں ہیں جو نہ ما
لیے اسے ایسا لگتا ہے کہ مما ہماری بات مان رہی ہیں۔ اس پر اس نے مجھے بے نقط سنائی ہیں مجھ
لیکن میں خاموش رہی۔"
"اچھا کیا۔ وہ بے وقوف ہے۔" نبیل نے کہا۔
"نہیں نبیل بھائی! مجھے لگتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر ایسی باتیں کرتی ہے جن سے اختلاف
اختلاف ہوتا ہے تو الجھتی ہے پھر اپنے آپ شاکی ہو جاتی ہے۔ اس روز تو یہ بتا رہی تھی احمر بھا
رہی تھی۔" وہ مدحیہ کی عادات پر تشویش کا اظہار کر رہی تھی۔
"کس بات پر؟" نبیل نے اس کی تشویش محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔
"اس نے نیا شوشہ چھوڑ دیا کہ آنرز کرے گی۔ اس پر احمر بھائی نے کہا کہ اسے ان ہی سبجیکٹ
کرنا چاہیے بس اس بات پر دونوں میں کافی دیر تکرار ہوئی پھر مدحو یہ کہتی ہوئی آئی کہ اس کی مرضی
آپ بتائیے یہ کوئی اچھی بات ہے۔ مما سنیں گی تو وہ بھی ناراض ہوں گی پھر یہ کہے گی مما ان
کرتیں۔"
"ہوں۔" نبیل نے پر سوچ انداز میں سر ہلایا پھر قدرے توقف سے کہنے لگے 'ویسے آنرز کر
نہیں ہے۔ اگر وہ مدحو کا یہی شوق ہے تو احمر کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔"
"لیجیے آپ بھی اس کی سائیڈ لے رہے ہیں۔" وہ اچھل کر بولی۔
"اس لیے کہ یہ کوئی ناجائز ضد نہیں ہے اگر اسے پھوپھو کی طرح ڈاکٹر بننے کا شوق ہوتا تو کیا
کیا جاتا۔ نہیں ناں تو اس پر بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میں خود بات کروں گا پھوپھو سے اور احمر سے
انہوں نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔
"کچھ غلط کہا میں نے؟" نبیل نے اس کے خاموشی سے دیکھنے پر پوچھا تو اس نے یوں ہی نفی
ہی سونیا اسے پکارتی ہوئی آ گئی۔
"صبا۔۔۔! مارکیٹ تک چل رہی ہو۔"
"کون کون جا رہا ہے؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
"بس میں اور تم چلیں گے۔۔ لے جاؤں نبیل بھائی اسے؟" سونیا نے اسے جواب دے
اثبات میں سر ہلا کر بولے۔
"ہاں کیوں نہیں۔ عمر تو لے نہیں گیا۔ تم لے جاؤ۔"
"چلو چینج کرو گی تو کر لو۔" سونیا نے عجلت کا مظاہرہ کیا۔

ہے۔" اس نے اپنے حلیے پر نظر ڈال کر کہا۔ پھر نبیل سے پوچھنے لگی "آپ کو کچھ منگوانا ہے
یہ پیسے رکھ لو' اگر اپنے اور مدحو کے لیے کچھ لینا چاہو تو لے لینا۔" نبیل نے پانچ سو روپے کا نوٹ
ہا تو وہ شکریہ کہتی ہوئی سونیا کے ساتھ ان کے کمرے سے نکل آئی۔
گھر سے دو اسٹاپ کے فاصلے پر تھی اور عموماً وہ اپنی شاپنگ کے لیے یہیں آتی تھیں۔ سونیا کو
لیے لان کے سوٹ خریدنے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ چھوٹی موٹی چیزیں تھیں' اور اس کے ہاتھ میں
ہوئے وہی پانچ سو روپے تھے جو پہلے مرحلے پر ہی یوں خرچ ہو گئے کہ لان کے اچھے پرنٹ دیکھ کر اس
لیے۔ اس کے بعد وہ سونیا کو خریداری کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔
ید کے لیے سوٹ لینا ہے۔ یہاں تو سارے گہرے رنگ ہیں' چلو آگے دیکھتے ہیں۔" سونیا ہاتھ میں پکڑا
سوٹ واپس ڈال کر آگے چل پڑی۔
لیں' سادہ پرنٹ نظر آ رہے ہیں۔" اس نے سونیا کا بازو کھینچ کر متوجہ کیا۔
جی ایسے ہی پسند کرتی ہیں۔"
میں داخل ہو گئی تو اس کے سامنے والی دوکان پر باہر ہی سے ڈیکوریشن پیسز دیکھتے ہوئے اسے
لگا کہ سوٹ خریدنے میں جلدی کیوں کی' اپنی پاکٹ منی سے جمع کیے ہوئے پیسے بھی لے آتی۔
کے نازک سے گلدان اسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ ایک نظر سونیا پر ڈال کر وہ اس دکان میں
گلدان اٹھا کر دوکاندار سے اس کی قیمت پوچھی تو وہ معذرت کے ساتھ بولا۔
یہ بک چکے ہیں۔ ان کے بس دو پیس تھے۔"
نہیں۔" گلدان واپس رکھتے ہوئے اس کا دھیان سونیا کی طرف چلا گیا۔ جانے اس نے پکارا تھا یا
بے اختیار ادھر مڑی تھی اور ادھر گلدان شوکیس پر جانے کے بجائے نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا۔
ایک دم پریشان ہو گئی۔
پ کو نظر نہیں آتا اتنا قیمتی گلدان میں ان صاحب کو کیا جواب دوں گا جو۔" دوکاندار بری طرح اس پر

میں آپ کو اس کی قیمت۔" یوں بے عزت ہونے پر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
مجھے نہیں انہیں ادا کیجیے۔" دوکاندار نے دوسرے شوکیس کے پاس کھڑے شخص کی طرف اشارا
ساتھ اسے پکارا "ایکسکیوز می سر' ایک منٹ۔"
ہے۔" علی جہانگیر نے پلٹتے ہی اسے دیکھا اور بے اختیار اس کے قریب آیا تھا۔ "آپ؟"
خدا۔" وہ مزید گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔
ول نے آپ کا گلدان توڑ دیا۔" دوکاندار نے فوراً اسے مطلع کیا۔
ایم سوری' میں نے جان بوجھ کر نہیں توڑا' میں آپ کو اس کی قیمت ادا کر دوں گی۔" وہ پلکیں جھپک کر
مارتی ہوئی بولی تو علی جہانگیر نے پہلے دوکاندار کو ہاتھ سے یوں اشارا کیا جیسے وہ اپنا معاملہ خود نمٹائے گا اور
کے بعد اس سے کہنے لگا۔
قیمت تو آپ کو ادا کرنی پڑے گی۔"
اس نے کہہ کر سونیا کو مدد کے لیے پکارنے کی نیت سے پلٹ کر دیکھا اور اسے سامنے والی دوکان پر موجود نہ
کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی تھی۔
یہ۔" وہ جانے اس کی پریشانی سمجھ گیا یا آئندہ ملاقات کا بہانا مل گیا تھا۔ جیب سے کارڈ نکال کر اس کی
ہوا بولا "آج ہی کے دن اس پتے پر پہنچا دیجیے گا۔"
اس نے کارڈ لے کر اپنے پیروں میں بکھرے کانچ پر نظر ڈالی۔ "مجھے افسوس ہے اتنا خوب صورت

گلدان۔ کیا قیمت تھی اس کی؟"
"نہ بہت زیادہ نہ بہت کم۔ یاد رکھیے گا آج ہی کے دن۔"
وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہتا دوکان سے نکل کر جانے کس سمت غائب ہو گیا۔ وہ اس۔
گئی۔
"جی بی بی! آپ نے انہیں قیمت ادا کر دی؟" دوکاندار نے دوبارہ اس کی طرف آ کر پوچھا تو وہ بڑ
بلا ارادہ اثبات میں سر ہلا دیا۔
"پھر یہ دوسرا پیس آپ کا ہوا۔" دوکاندار نے جلدی سے ایک گلدان پیک کر کے اس کے سا
اٹھاتے ہوئے اچانک خیال آنے پر اس نے پوچھا۔
"کیا پرائس تھی ان کی؟"
"بارہ سو انہوں نے آپ سے۔"
"اتنے ہی لیے ہیں۔" وہ جلدی سے کہہ کر دوکان سے نکل آئی اور سونیا کی تلاش میں گردن گھ
طرف دیکھنے لگی۔ ایک جگہ وہ پرس خریدتی نظر آئی تو وہ تیز قدموں سے اس کے پاس پہنچ کر بولی۔
"مجھے کہاں چھوڑ دیا آپ نے؟"
"میں نے کہاں چھوڑا۔ تم ہی غائب ہو گئیں۔ یہ پرس دیکھو' اچھا ہے ناں۔" سونیا کا دھیان
تھا۔
"جی اور کیا کیا خریدنا ہے۔" وہ جیسے اب یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔
"بس اور کچھ نہیں۔ سونیا نے پرس کی قیمت ادا کی پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "تم شاید تھک گئی ہو چ
کریم کھلاؤں۔"
"نہیں بس اب چلیں۔" اس نے منع کیا لیکن سونیا نے جیسے سنا ہی نہیں زبردستی اسے آئس کر
رکشہ میں لے کر آئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

گھر آتے ہی اس نے سب سے پہلے علی جہانگیر کا دیا ہوا کارڈ الماری میں اپنے کپڑوں کی تہوں
اس کے بعد اپنی جمع شدہ رقم نکال کر گنی تو کل چار سو تھے۔ وہ واقعی پریشان ہو گئی کہ باقی آٹھ سو کہ
آسیہ یا نبیل سے لینے کا مطلب تھا انہیں ساری بات بتانی پڑتی اور جانے کیوں وہ اس شخص کے بار
ہوئے ڈر رہی تھی۔ شاید اس کے اندر خوف تھا کہ کہیں اس واقعے کے ساتھ وہ پہلا واقعہ بھی سا
جب وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی۔ گو کہ اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا لیکن کچھ معا
اتنی سخت گیر تھی کہ مجبوری بھی تسلیم نہیں کرتی تھی (یہ اس کا فطری رد عمل تھا) اس لیے اس پہلے
اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کلینک کیسے پہنچی۔ بہرحال اب یہ نئی مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ کئی با
چاہا کہ وہ کون سا پیسے لینے یہاں تک آ جائے گا لیکن ہر بار اسے وہ اپنے دروازے پر دستک دیتا محسوس
گہری شام سیاہ آنچل اوڑھ رہی تھی اور اسے اپنی پریشانی میں لائٹ جلانے کا خیال ہی
اندھیرے میں بیٹھی تھی۔ جب نبیل نے دروازے میں آ کر پکارا۔
"صبا!"
"جی!" وہ چونکنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"بیٹا! لائٹ کیوں نہیں جلائی۔" انہوں نے کہا اور بڑھ کر ٹیوب لائٹ کا بٹن آن کر دیا تو اس
آنکھوں پر رکھ لیے۔
"وہ۔ نبیل بھائی! سر میں درد ہو رہا تھا۔"
"تو مجھ سے کہا ہوتا یا بوا سے' وہ چائے ہی بنا دیتیں۔ مدحو کہاں ہے؟" انہوں نے قریب آ کرا

آئی تھی' وہ ثوبیہ کے ساتھ کیرم کھیل رہی تھی۔" اس نے اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتے ہوئے

گل لڑکی ہے۔ جاتی ہے تو گھنٹوں کے حساب سے وہیں جم جاتی ہے۔ کوئی کام ہو تو بات بھی ہے۔ چلو
بوا سے چائے کا کہتا ہوں۔ کچھ کھانا ہو تو وہ بھی بتا دو۔"
نہیں۔ چائے بھی نہیں پیوں گی' آپ کو پینی ہو تو میں بنا دیتی ہوں۔" وہ نبیل کو پریشان ہوتے دیکھ کر
"سر کا درد ایسا بھی نہیں ہے کہ میں مریضوں کی طرح لیٹ جاؤں۔"
ہوا میں چل کر بیٹھو۔" نبیل اسے ساتھ لے کر کمرے سے نکل آئے کھلی چھت پر اس نے پلنگ
نبیل کے لیے کرسی بھی کھینچ لائی' تب ہی عمر خلاف عادت بہت خاموشی سے آیا اور خاصے مجرمانہ انداز
کر بیٹھ گیا جس پر نبیل نے قدرے تشویش سے پوچھا۔
کیا ہوا ہے؟"
پوچھیں۔" عمر نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا تو نہ صرف اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا بلکہ وہ
ہو گئی تھی۔
کیا پوچھیں مجھ سے' میں نے کیا کیا ہے۔"
تم نے پیسے نہیں دیئے تھے مجھے خوشبو لانے کے لیے۔" عمر یوں بولا جیسے اس نے کوئی بڑا جرم کیا ہو۔
اسے اپنا جرم سمجھ میں نہیں آیا۔
کیوں دیے تھے۔ جبکہ تمہیں پتا تھا میری جیب کٹ جاتی ہے۔ انڈر دا نیم ٹری کسی نے ہاتھ کی صفائی
"

نے دم لے سے اپنی لاپروائی اس کے سر تھوپی لیکن اس کی جان میں جان آ گئی تھی' دھڑ دھڑ کرتے دل پر
بے اختیار بولی۔
تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں سمجھی۔" اس نے ایک دم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تو نبیل جو اسے ہی
تھے' پوچھے بغیر رہ نہیں سکے۔
سمجھیں تم۔"
نہیں۔" وہ قدرے سٹپٹائی پھر فوراً سنبھل کر بولی۔ "اسے دیکھیں نبیل بھائی! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'
پیسے گرا آیا' اوپر سے الزام بھی مجھے دے رہا ہے۔"
بہت غلط بات ہے عمر! آخر تم کب سدھرو گے۔" نبیل نے عمر کی لاپروائی پر اسے لیکچر دینا شروع کیا تو وہ
وہاں سے کھسک آئی اور کھانے کی تیاری میں بوا کا ہاتھ بٹانے لگی' لیکن اس کا ذہن بار بار اپنے مسئلے میں
کھانا تیار ہو گیا اور آسیہ کے آنے پر بوا نے نکالنا بھی شروع کر دیا لیکن اس کا دھیان ادھر ادھر ہو کے
شخص پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ کیا تھا جو کہہ دیتا ٹوٹنے والی چیز تھی ٹوٹ گئی۔ پیسے مانگنے ضروری تھے۔
بات ہے۔ تم کھانا نہیں کھا رہیں۔ کچھ سست سی ہو رہی ہو۔" آسیہ کے دوسری بار ٹوکنے پر اس نے کھانے
ہاتھ کھینچ لیا۔
بھوک نہیں ہے مما' یوں ہی زبردستی بیٹھ گئی تھی۔"
شام میں؟" آسیہ نے اس کی کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔
کے ساتھ بازار گئی تھی وہاں چاٹ وغیرہ کھالی ہو گی ہے ناں۔" اس سے پہلے مدحیہ نے بول کر اس
چاہی
نہیں' آئس کریم کھائی تھی۔" اس نے کہہ کر آسیہ کو دیکھا تو وہ اس کی کلائی چھوڑ کر بولی۔
کریم سے پیٹ تو نہیں بھرتا۔ بہرحال جب بھوک لگے کھا لینا۔"

"جی۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہوئی تو مدحیہ نے ایک دم خیال آنے پر پوچھا۔
"دستو، تم نے بھی کچھ خریداری کی؟"
"ہاں، نبیل بھائی نے پیسے دیئے تھے میں نے دو سوٹ لے لیے۔ ایک تمہارا، ایک اپنا، کھانا تمہارے بیڈ پر رکھے ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی لیکن انداز سے عجلت عیاں تھی۔
"تم کہاں نیچے جارہی ہو؟"
"نہیں۔" اس بار وہ اختصار سے کام لے کر فوراً وہاں سے نکلی اور اپنے کمرے میں آکر محض خو رکھنے کی خاطر کتابوں کا شیلف صاف کرنے کھڑی ہوگئی۔
کچھ دیر بعد مدحیہ آئی اور شاپر میں سے دونوں سوٹ نکال کر پوچھنے لگی۔
"میرا کون سا ہے؟"
"جو تمہیں پسند آئے، وہی لے لو۔" وہ اپنے کام میں مصروف بولی۔
"اور اگر مجھے دونوں پسند آئیں۔"
"دونوں لے لو۔" اسے اس وقت کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
"اوئے ہوئے۔ اتنی فراخ دلی۔" مدحیہ نے بڑے محظوظ انداز میں نعرہ لگایا تب ہی نبیل نے درواز اسے پکارا۔
"مدحو! چائے بناؤ گی۔"
"میں۔" جیسے کوئی بہت بڑا کام کہا گیا ہو۔ "بوا سے کہہ دیں ناں۔"
"بوا کو اماں جی نے بلایا ہے۔ ویسے بھی میں چائے کے لیے ان سے نہیں کہتا۔ چلو دو منٹ کے کا گھنٹے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہری اپ۔"
نبیل قدرے رعب سے کہتے وہیں سے پلٹ گئے۔ تو وہ بڑبڑانے لگی۔ جس پر صباحت نے اپنا کام
"فضول بکواس بند کرو، میں جارہی ہوں۔"
"چائے بنانے۔" مدحیہ نے خوش ہو کر پوچھا۔
صباحت نے تاسف سے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر کمرے سے نکل کر کچن کا رخ کیا۔ اور منٹوں کر نبیل کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر یوں مسکرائے جیسے انہیں پتا تھا چائے وہی لائے گی۔
"آپ نبیل بھائی! یا تو مدحو سے کام کہا ہی نہیں کریں یا پھر زبردستی اس سے کروایا کریں کیونکہ کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔" وہ ان کے سامنے ٹیبل پر کپ رکھتی ہوئی بولی۔
"اس نے منع تو نہیں کیا تھا۔ خیر، تم اگر کوئی کام نہیں کر رہیں تو یہاں میرے پاس بیٹھو۔" نبیل کپ اٹھاتے ہوئے کہا تو ان کے پاس بیٹھنے کے بجائے وہ کارپٹ پر گھٹنے ٹیکتی ہوئی بولی۔
"نبیل بھائی! میں آپ کے پوچھنے سے پہلے ہی بتا دیتی ہوں کہ میں بہت پریشان ہوں۔ مجھ سے ا ہوگیا ہے۔ جسے پورا کرنے کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"
نبیل نے کتنا کچھ قیاس کیا، یہ نہیں سوچا تھا جو وہ کہہ رہی تھی۔
"میں سونیا جی کے ساتھ بازار گئی تھی ناں وہاں ڈیکوریشن پیسز دیکھتے ہوئے ایک قیمتی گلدان م گر کر ٹوٹ گیا۔ بارہ سو روپے کا تھا اور جو خاتون خرید چکی تھیں انہوں نے مجھ سے اتنی رقم کا مطالبہ میرے پاس ایک پیسہ نہیں تھا اور ابھی بھی صرف چار سو، میں باقی آٹھ سو۔ آپ پلیز مما کو نہیں بتا
اس نے صرف صنف میں جھوٹ سے کام لیا۔ باقی ساری حقیقت بتا دی تو نبیل کچھ دیر خام دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔
"تمہیں آتے ہی بتانا چاہیے تھا۔ خواہ مخواہ اپنے آپ پریشان ہوتی رہیں۔ اس طرح مسئلے حل خیر اس وقت تو میرے پاس بھی اتنے پیسے نہیں ہیں۔ کل شام تک انتظام کردوں گا۔ کب دینے

ماں رہتی ہیں۔" آخر میں ان کے سوال پر وہ گڑبڑا گئی۔
نہیں۔
مطلب؟"
میرا مطلب ہے، وہ اسی دوکان پر آئیں گی۔ کل آپ انتظام کردیں گے تو پرسوں صبح میں ثوبیہ کے ساتھ جا آؤں گی۔"
نے اس خدشے کے تحت کہ کہیں نبیل ساتھ چلنے کا نہ کہہ دیں نہ صرف ثوبیہ کا نام لے دیا بلکہ ایسا وقت ہوتے تھے۔
بھی بات ہے اب تم ریلیکس ہو جاؤ اور جا کر کھانا کھاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی لیکن پھر رک
مما سے تو نہیں کہیں گے ناں۔"
نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔
یو، تھینک یو نبیل بھائی!" وہ واقعی بہت ہلکی پھلکی ہو کر ان کے کمرے سے نکلی تھی کہ مدحیہ کی بے نما آواز سارے میں گونج گئی۔
جلدی آکر دیکھو، شاہ سکندر حیات ہیلتھ منسٹر کا حلف اٹھا رہے ہیں۔"
حت نے بے اختیار ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھایا تھا لیکن دوسرا قدم اٹھنے سے پہلے ہی آسیہ کی سخت ں تھی۔
رکو صبا!"
احت نہ صرف رک گئی بلکہ سہم بھی گئی تھی۔
تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" آسیہ اس کے قریب سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی تو اس نے بے حد ہو کر اپنے پیچھے دیکھا۔
ل بھی یقیناً مدحیہ کی آواز پر نکلے تھے اور آسیہ کے تیوروں سے وہ بھی پریشان کھڑے تھے۔
نبیل بھائی!" صباحت کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ "مدحو کو دیکھیں۔"
ل نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تب ہی آسیہ کی آواز آئی۔ وہ مدحیہ پر خفا ہو رہی

بند کرو ٹی وی۔ شاہ سکندر حیات ہیلتھ منسٹر کا حلف اٹھائے یا پرائم منسٹری کا، تمہارا کیا تعلق۔"
تعلق ہے مما! وہ میرا باپ ہے۔" پہلی بار خائف ہونے کے بجائے مدحیہ غالباً اپنے باپ کی حیثیت کے زعم سیہ کے مقابل کھڑی ہوگئی تھی۔ "کبھی آپ نے ہمیں ان کے بارے میں نہیں بتایا جس سے میں یہ سمجھتی وہ کوئی آوارہ اوباش شخص ہوگا لیکن وہ تو شاہ پور کے رئیس ہیں اور اب منسٹر بھی میں ان کے بارے میں بتا سکتی ہوں اور بتاؤں گی کہ میں منسٹر شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہوں۔"
ٹ اپ!" آسیہ کی آواز کے ساتھ تھپڑ کی گونج پر صباحت نے دہل کر نبیل کو دیکھا اور ان کا رکنے کا اشارا از کرکے بھاگ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔
مما پلیز! آپ مدحو کو معاف کردیں۔" صباحت عقب سے آسیہ کو دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر گی۔
دہ اس سے۔ آئندہ اس کی زبان پر شاہ سکندر کا نام آیا تو۔" آسیہ نے ایک جھٹکے سے اپنا آپ چھڑا کر ی۔
نہیں آئے گا مما! کبھی نہیں آئے گا۔ میں سمجھا دوں گی اسے۔ آپ پلیز ریلیکس ہوجائیں۔"
آنسو بے اختیار چھلک رہے تھے اور وہ بے حد سہمی ہوئی ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی۔

آسیہ بس اس کا خیال کر کے شعلہ بار نظروں سے مدحیہ کو گھورتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس نے آنکھوں سے مدحیہ کو دیکھا جو آسیہ کے کیپسٹر سے خاموش تو ہو گئی تھی لیکن اس کے ہر انداز سے بغاوت جھلک رہی تھی۔

"اب تم میرے سامنے گڑگڑاؤ گی کہ میں اپنے باپ کا نام نہ لوں۔ کیوں نہ لوں بتاؤ۔" اس کے گوش گزار ہونے سے پہلے ہی مدحیہ اس پر چڑھ دوڑی۔ "اگر مما کو اتنا ہی ناگوار گزرتا ہے تو اپنے کان بند کر لیا کریں میں اپنی اختیاریوں پر بند نہیں باندھوں گی۔"

"ایسا نہیں کہو مدحو! خدا کے لیے۔ تم اس شخص کے لیے مما کو دکھ دے رہی ہو جس نے کبھی ہماری خبر نہیں لی۔" صباحت نے عاجزی سے کہا۔

"یہ میں اسی شخص سے پوچھوں گی کہ اس نے ہماری خبر کیوں نہیں لی۔"

مدحیہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس کے آنسو اور روانی سے بہنے لگے۔ مدحیہ کے پیچھے جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ وہیں گھٹنوں میں منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔ "وہ شروع ہی سے کچھ بزدل سی تھی۔ ذرا کوئی اونچی آواز میں بات کرتا ڈر جاتی جب ہی اپنی طرف سے سب کے درمیان صلح کے جھنڈے گاڑتی رہتی تھی اور اب وہ خود کو بے بس محسوس کر کے رو رہی تھی۔

"صبا!" نبیل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پکارا تو وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔

"بیوقوف تم کیوں رو رہی ہو؟" نبیل اس کے پاس بیٹھ گئے۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے نبیل بھائی۔ مدحو کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ اس طرح کیوں کرنے لگی ہے۔" وہ ہراساں ہو کر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔ "اسے کسی کی پروا نہیں ہے۔ مما کی بھی نہیں۔"

"ہو جائے گی سب کی پروا ہو جائے گی۔ ابھی نا سمجھ ہے۔" نبیل نے بظاہر سرسری انداز سے کہا حقیقتاً" اس صورت حال سے وہ بھی پریشان تھے۔

"نہیں وہ نا سمجھ نہیں ہے۔ میں نے اس روز بھی آپ سے کہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کر کے مما کو پریشان کرتی ہے۔ اب بھی دیکھ لیں اس نے اگر شاہ سکندر کو دیکھ لیا تھا تو اسے چلانے کی کیا ضرورت تھی خاموشی سے بھی تو مجھے بتا سکتی تھی۔ محض مما کو جتانے کے لیے اس نے اتنا شور مچایا اور مما کے ٹوکنے پر باز نہیں آئی۔"

وہ مسلسل آنسو پونچھتی ہوئی دکھ سے بول رہی تھی۔ "اس روز آپ نے شاہ سکندر کی تصویر یہ کہہ کر دکھانے سے منع کیا تھا ناں کہ وہ اس شخص کو سارے شہر میں ڈھونڈتی پھرے گی کیونکہ اس میں عجیب سی ضد ہے پھر آپ اسے نا سمجھ بھی کہہ دیتے ہیں۔ کیوں۔"

"کیونکہ ایسی باتیں نا سمجھی ہی میں ہوتی ہیں وہ اگر سمجھ دار ہوتی تو تمہاری طرح سوچتی۔" نبیل اس کی بات پر ذرا سا مسکرائے۔

"آپ کو کیا پتا میں کیا سوچتی ہوں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں نے تمہیں پالنے میں کھلایا ہے بچی۔ چلو اب رونا بند کرو۔ تمہارے آنسو مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں اور دیکھو اس وقت مدحو کو بالکل نہیں چھیڑنا۔ اٹھو شاباش۔" نبیل نے اٹھتے ہوئے اسے بھی اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا۔

"وہ نبیل بھائی مما انہیں مدحو کی باتوں سے دکھ ہوا ہو گا۔" اسے اب آسیہ کی فکر ستانے لگی۔

"ضرور ہوا ہو گا اور تمہیں اس وقت ان کے پاس بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدھی اپنے کمرے میں جاؤ اور چپ چاپ سو جاؤ۔" نبیل نے سمجھانے کے انداز میں ہلکی سی تنبیہہ کی تھی۔

سترہ سال پہلے اپنی بچیوں کی خاطر اس نے شاہ سکندر حیات کی انا کو تسکین پہنچانے کی خاطر اس کے ما انا خودداری اور اپنی ہستی کا غرور مٹا کر اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے نکل جا

حکمت عملی کے بعد وہ یوں مطمئن ہو گئی تھی کہ اس کے اندر کوئی خدشہ رہا ہی نہیں تھا اگر کبھی کامیاب آیا بھی تو اس نے یقین سے سوچا تھا کہ جب بچیاں ہی اسے قبول نہیں کریں گی تو وہ اپنا حق کیسے جتائے خیال آیا

بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی موڑ ایسا بھی آئے گا جب اس کی ساری تپسیا یوں دھری رہ جائے گی کہ بچیاں من کے مقابل آن کھڑی ہوں گی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ بے خبر تھی۔ دونوں بیٹیوں کے مزاج اور عادات کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ شروع ہی میں اس نے مدحیہ کے اندر اس کے باپ جیسی "میں" کو محسوس کر لیا تھا سے خائف نہیں ہوئی تھی کیونکہ اسے اپنی تربیت پر بھروسہ تھا۔ پھر شاید فطری طور اسے یہ خیال بھی تھا جیسے جیسے بڑی ہوں گی انہیں صرف اس کا احساس ہو گا کہ ان کی ماں نے تن تنہا ان کی یوں پرورش کی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی اور ایسے میں کبھی انہیں باپ کا خیال آیا بھی تو وہ نخوت سے سر جھٹکیں گی۔ سے کہیں کوتاہی ہوئی تھی یا خون نے جوش مارا تھا جو سترہ سال پہلے اس نے جس بچی کو شاہ سکندر ہمیشہ کے لیے چھپانے کی خاطر اس کے لمس تک سے محروم رکھا تھا وہی اس کی طرف لپک رہی تھی۔

سے مما! وہ میرا باپ ہے۔" مدحیہ کی آواز مسلسل اس کی سماعتوں پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ "میں کہہ سکتی ہوں اور بتاؤں گی کہ میں مسٹر شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہوں۔"

موڑ آیا تھا کہ وہ اپنے زخموں پر جمی کھرنڈ خود اپنے ناخنوں سے نوچنے لگی تھی اور وہ ساری رات اس کی خود اذیتی میں گزر گئی۔

دنوں کے پرکیف لمحات۔

دل کی بستی میں ہر روز اس کے نام کا اک پھول کھلاتا۔

محبتوں کا پرفریب جال۔

کی سنگت میں ستاروں کی کہکشاؤں میں قدم رکھنے لگی تھی۔

پھر اچانک جیسے اس کی آنکھ کھل گئی تھی یا اس کی روح میں نشتر چبھو کر اٹھایا گیا تھا۔

شاہ سکندر حیات نے تمہیں اپنی رکھیل بنایا ہے تو اس کا معاوضہ بھی دیا ہو گا۔"

اس کی روح پر وہ گھاؤ تھا جسے بیٹیوں کے سامنے بے نقاب کرنے کا خیال ہی جان لیوا تھا اور اسے لگ رہا تھا دل سے اس کے باپ کا خیال نکالنے کے لیے اسے یونہی جاں سے گزرنا ہو گا۔

شاید یہ بھی کر گزروں گی' اس نے بہت نڈھال ہو کر تکیے پر سر رکھا تھا اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا۔

معمول کے مطابق بوا ناشتا نبیل پر لگا کر سب سے پہلے آسیہ کو مطلع کرنے اس کے کمرے میں آئیں اور معمول اسے سوتے دیکھ کر پہلے کچھ حیران ہو کر اسے پکارا پھر تشویش سے۔ اور کوئی جواب نہ ملنے پر آگے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ گرم آگ ہو رہا تھا۔ وہ الٹے پیروں جا کر نبیل کو بلا لائیں۔

"پھوپھو!" نبیل نے آسیہ کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پکارا تو وہ نیم بے ہوشی میں بڑبڑانے لگی۔

"مدحو کو روکو' وہ جا رہی ہے۔" نبیل سمجھ تو پہلے ہی رہے تھے۔ اس کی بڑبڑاہٹ سن کر انہیں دکھ کے ساتھ مدحیہ پر غصہ بھی آیا۔ بمشکل ضبط کرتے ہوئے بوا کو آسیہ کے پاس بٹھا کر صباحت کو پکارتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہو کر بولے۔

"صبا تم سے جا کر کہو کسی ڈاکٹر کو لے آئے بلکہ ایسا کرو یاسمین آنٹی کو فون کر کے انہیں فوراً" آنے کو کہو پھوپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

مدحیہ تو انہیں دیکھتے ہی تکیے میں منہ چھپا گئی تھی' ان کی بات سن کر تکیہ منہ پر سے ہٹا کر بہت خاموش نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ جبکہ صباحت پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا مما کو۔"

"بخار ہے بہت تیز۔" نبیل کہہ کر وہیں سے پلٹ گئے تو ان کے پیچھے صباحت بھاگتی ہوئی نکلی تھی اور لابی

میں رک کر پہلے یاسمین کو فون کیا پھر آسیہ کے کمرے میں آئی تھی۔
تقریباً بیس منٹ بعد یاسمین آئی تو اس کے ساتھ میمونہ بھابھی اور اباجی بھی اوپر آ گئے تھے۔
"رات جب کلینک سے آئی' اس وقت تو ٹھیک ٹھاک تھی پھر ایک دم سے اتنا بخار کیسے ہو گیا؟" نظروں سے نبیل کو دیکھنے لگے۔
"پتا نہیں اباجی! میں نے تو خود ابھی دیکھا ہے۔" نبیل نظریں چرا گئے۔
"بہت تیز بخار ہے۔ صباحت بیٹا! جلدی سے برف کا پانی اور کپڑا لے کر آؤ اور یہ میڈیسن نبیل دیکھو پاس میں ہوں تو ورنہ فوراً منگواؤ۔" یاسمین پرچہ نبیل کو تھما کر انجکشن تیار کرنے لگی۔ پھر جہاں بازو میں گئی وہ کراہ کر بڑبڑانے لگی۔
"مدحو کو روکو' اسے مت جانے دو۔"
"کہاں ہے مدحو؟" میمونہ بھابھی نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد نبیل سے پوچھا۔
"اپنے کمرے میں چچی یہ میڈیسن تو نہیں ہیں۔ میں لے کر آتا ہوں۔"
نبیل اگلے کسی سوال سے بچنے کی خاطر میڈیسن کے بہانے فوراً چل پڑے۔ پھر اچانک کسی خیال سے مدحیہ کے کمرے میں جھانک کر بولے۔
"مدحیہ! چلو پھوپھو کے پاس جا کر بیٹھو اور انہیں یقین دلاؤ کہ تم کہیں نہیں جا رہیں۔"
مدحیہ کچھ سمجھی نہیں اور نہ ہی سمجھنے کے لیے کوئی سوال اٹھایا چپ چاپ ان کے قریب سے گزر کر کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔
دوپہر تک آسیہ بے ہوشی کے عالم میں جانے کیا کیا بولتی رہی تھی جو صرف وہ تینوں ہی سمجھ رہے سب سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے۔ کبھی صباحت کو دیکھتے جو آسیہ کے سرہانے کے پاس سے ہٹ ہی نہیں اور کبھی مدحیہ کو جو مسلسل آسیہ کے پیر دبانے میں لگی ہوئی تھی اور کسی کسی وقت سب کی نظر بچا کر سے چھلکتے آنسو بھی صاف کر رہی تھی۔
پھر دوپہر میں کچھ بخار کا زور ٹوٹا تو یاسمین نے خصوصاً اماں جی اور اباجی کو اطمینان دلا کر نیچے بھجوایا صباحت کو زبردستی وہاں سے اٹھا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا پھر انہیں تسلی دیتی ہوئی بولی۔
"اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ شام تک آسیہ سکون سے سوئے گی۔ تمہاری اس کے پاس موجودگی ضروری نہیں ہے۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ شام میں دیکھنا وہ بالکل ٹھیک ہو گی اور یہ تم دونوں نے اپنا کیا حال بنا لیا کیا اس سے پہلے اس گھر میں کبھی کوئی بیمار نہیں ہوا۔ بیٹا! جہاں تندرستی ہے وہاں بیماری بھی ہے۔ جاؤ کمرے میں جاؤ۔ آسیہ کے پاس میں ہوں۔"
"آپ بھی تو تھک گئی ہوں گی مامی جی۔ آپ آرام کریں۔" صباحت نے یاسمین کا احساس کر کے کہا تو وہ اس کا گال تھپک کر بولی۔
"میں آسیہ کے پاس آرام ہی کروں گی' چلو جاؤ شاباش۔" یاسمین دونوں کو ان کے کمرے میں بھیج کر کمرے میں آ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

شام میں آسیہ کا بخار تقریباً اتر چکا تھا۔ لیکن جس ذہنی اذیت سے وہ گزری تھی' اس کے اثرات اٹھ کر بیٹھ تو گئی لیکن بہت گم صم تھی۔ یاسمین نے زبردستی اسے دلیہ کھلایا اور اس کے پندرہ منٹ بعد اس کے ساتھ مسلسل اس کی دلجوئی بھی کر رہی تھی پھر میمونہ بھابھی بھی آ گئیں لیکن ان کی شگفتہ باتیں نہیں بہلا پا رہی تھیں۔
جب عدیل یاسمین کو لینے آئے تو وہ اباجی اور خلیل بھائی کو ساتھ لے کر آسیہ کے کمرے میں جنہیں ایک ساتھ دیکھتے ہی اس کا ذہن پھر کہیں پیچھے بھٹک گیا تھا۔

...ت جب ان سب نے آ کر اس سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہ سکندر کے نام کے ساتھ گالی بن کر رہ سکتی ہو۔
...لمیت ہے تمہاری؟" عدیل نے پوچھا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ذرا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔
...ئے اباجی! یہاں بیٹھیں۔" میمونہ بھابھی نے کھڑے ہو کر اپنی جگہ پر اباجی کو بٹھایا اور خلیل کے لیے کرسی ...نے کے قریب کی۔ عدیل خود ہی یاسمین کے پاس بیٹھ گئے تھے۔
...نے سب کو بیٹھتے ہوئے دیکھا پھر سر جھکا لیا تھا۔ جس پر اباجی بغیر کسی تمہید کے کہنے لگے۔
...نہیں سمجھتا بیٹا! کہ اب تمہیں کسی بات سے خائف ہونے کی ضرورت ہے۔ تمہاری بچیاں ماشاءاللہ ...سمجھ دار ہو گئی ہیں پھر تمہیں کس بات کی فکر ہے؟"
...کی آنکھوں میں یکبارگی پانی جمع ہو کر قطرہ قطرہ پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے اپنے ہاتھوں پر گرنے لگا۔
...بھا اباجی! میں نے غلط تو نہیں کہا۔ یہ شاہ سکندر کی منسٹری سے خوفزدہ ہو گئی ہے۔" عدیل نے اسے روتے ...اپنی بات کی تصدیق ہونے پر فوراً اباجی سے کہا۔
...مین اور میمونہ بھابھی نے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں آنکھوں میں یوں اشارا کیا جیسے کیا معاملہ ہے۔
...ہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ اسے خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" اباجی نے زور دے کر کہا تو وہ ہتھیلیوں ...سو صاف کرنے کے بعد کہنے لگی۔
...یں شاہ سکندر یا اس کی منسٹری سے خوفزدہ نہیں ہوں بلکہ اس کے سامنے آنے سے پریشان ہو گئی ہوں جیسے ...وی پر دیکھ کر مدحو اور صبا نے خوشی سے بے قابو ہو کر ایک دوسرے کو بتایا تھا کہ وہ ان کا باپ ہے۔" اس نے ...کس مصلحت کے تحت مدحیہ کے ساتھ صباحت کو بھی شامل کر لیا۔
...نہیں کیسے پتا چلا کہ وہ ان کا باپ ہے۔ کیا اس ساری دنیا میں شاہ سکندر حیات نام کا ایک ہی شخص ہے۔"
...بھائی نے ناگواری سے کہا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔
...مجھ سے غلطی ہوئی جو خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور ان دونوں کو ڈانٹ دیا۔ اگر ہوش میں رہ کر بات کرتی تو آرام ...ٹلا سکتی تھی کہ وہ ان کا باپ نہیں ہے اور میرے ڈانٹنے سے اپنے آپ تصدیق ہو گئی۔ اب بتائیے میں کیا ...اب تک میں بھی آپ کی طرح سوچتی رہی ہوں کہ میری بیٹیاں بڑی اور سمجھ دار ہو گئی ہیں۔ مجھے اب کوئی ...یں۔ رات سارا اطمینان چھین لیا ان دونوں نے۔"
...کہہ رہی تھیں؟" میمونہ بھابھی نے پوچھا۔
...ہا کچھ نہیں لیکن متجسس ضرور ہو گئی ہیں اور اب جب ہر روز اس کے بارے میں ٹی وی پر یا اخبار میں کوئی خبر ...گی تو ان کے اندر مزید جاننے کی خواہش ہو گی۔" اس نے کہا تو عدیل پر سوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے ...

...یہ تو فطری سی بات ہے۔"
...کی بات نے مجھے پریشان کیا ہے۔ میں شاہ سکندر تو کیا اس کے پورے خاندان سے لڑ سکتی ہوں لیکن بیٹیوں ...اندر سے اس فطری جذبے کو نکال پھینکنا مجھے اپنے اختیار میں نہیں لگ رہا۔ کتنی سختی کروں۔"
...نہ سختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اباجی ٹوک کر کہنے لگے۔ اس طرح تو ان کے اندر ضد بھی سما جائے ...بہتر یہ ہو گا کہ تم انہیں ان کے باپ کی اصلیت بتا دو۔"
...ہاں ویسے بھی اب وہ سمجھ دار ہو گئی ہیں۔ انہیں اصلیت معلوم ہونی چاہیے۔ ورنہ باپ کی ظاہری شان و ...ت سے متاثر ہو کر کہیں ایسا نہ ہو' وہ تمہیں قصوروار سمجھنے لگیں۔" خلیل بھائی نے اباجی کی تائید کرتے ...اس کی سماعتوں میں مدحیہ کی آواز گونجنے لگی۔
...پ نے بھی ہمیں ان کے بارے میں نہیں بتایا جس سے میں یہ سمجھتی رہی کہ وہ کوئی آوارہ اوباش شخص ہو ...وہ تو شاہ ور کے رئیس ہیں اور اب منسٹر بھی۔"
...یہ سوچتے گئیں۔ اگر تم نہیں بتا سکتیں تو میمونہ بھابھی بتا دیں گی۔" عدیل نے اسے متوجہ کر کے کہا تو وہ گہری

سانس سینے کے اندر روک کر بولی تھی۔ "نہیں میں بتادوں گی۔"

♥ ♡ ♡ ♥

علی جہانگیر' بابا جان اور شاہ سکندر حیات کو رخصت کر کے عازم کے ساتھ واپس اندر آیا تو فون بھاگ کر اس نے ریسیور اٹھایا تھا لیکن پھر بہت عجلت میں بات کر کے بے دلی سے ریسیور پٹخا تو عازم مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

"یار! میں دو دن سے دیکھ رہا ہوں۔ تم ہر بیل پر بھاگ کر ریسیور اٹھاتے ہو پھر مایوس ہو کر پٹخ دیتے ہو۔ مطلب ہے' تمہیں کسی خاص فون کا انتظار ہے۔ ایم آئی رائٹ؟"

"رائٹ۔" اسے جیسے اب کسی ساتھی کی ضرورت تھی جب ہی ہتھیار ڈال دیے۔

"کہیں وہی تو نہیں۔" عازم فورا" سیدھا ہو بیٹھا۔

"وہی ہے۔" وہ اعتراف کر کے مسکرایا تو عازم یکدم انجان بن گیا۔

"وہی کون' میرا مطلب ہے اس کا پورا بائیو ڈاٹا بتاؤ۔"

"بائیو ڈاٹا معلوم ہوتا تو میں یوں انتظار میں بیٹھا ہوتا خود نہ رنگ کرتا اسے۔" وہ اپنی بے بسی پر کڑھ کر بولا۔

"چہ چہ۔ تمہیں معلوم نہیں ہے اور اسے معلوم ہے" عازم نے افسوس کے ساتھ اس کا غم سلگ کر بولا۔

"اسے بھی معلوم نہیں ہے۔ بس صرف میرا کارڈ ہے اس کے پاس جو پرسوں اتفاقا" سرراہ ملاقات میں اسے تھمادیا تھا۔"

"اور یہ اتفاقا" سرراہ کون سی ملاقات تھی۔" عازم نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا۔

"دوسری۔ کیوں؟" وہ بتا کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو عازم کندھے اچکا کر بولا۔

"یونہی اپنی معلومات میں اضافے کے لیے پوچھ لیا۔ کوئی گناہ کیا۔"

"بکومت' یہ بتاؤ اس نے فون کیوں نہیں کیا۔" وہ چڑ کر بولا۔

"یہ تم اسی سے تیسری سرراہ ملاقات میں پوچھنا۔" عازم اسے مزید چڑا کر زور سے ہنسا اور اس کے ہونٹ بھینچنے پر فورا" ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"مذاق' میں مذاق کر رہا تھا۔ اب سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ ہاں تو کیا کہہ رہے تھے تم اس نے فون کیوں نہیں کیا۔ کیونکہ تم نے حماقت کی۔ اپنا کارڈ اسے تھمانے کے بجائے اس کا نمبر وغیرہ لینا چاہیے تھا تمہیں۔"

"سچویشن ہی کچھ ایسی تھی۔" علی جہانگیر نے کہا پھر اپنے آپ اس سے دونوں ملاقاتوں کی پوری تفصیل بتا دی۔ جسے سن کر عازم پر سوچ انداز میں کہنے لگا۔

"ابھی تو یہ بھی طے نہیں ہے کہ آیا وہ لڑکی تم سے متاثر ہوئی بھی ہے کہ نہیں اور اگر ہوئی بھی ہے تو ضروری نہیں کہ فورا" تم سے رابطہ کرے۔ اس کے ساتھ کوئی پرابلم بھی ہو سکتی ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مقررہ دن کا انتظار کر رہی ہو۔ لہٰذا صبر سے انتظار کرو۔ اگر وہ مقررہ دن آگئی تو یہ ساری باتیں اسی سے پوچھ لینا۔"

"صبر سے انتظار کروں پانچ دن۔" علی جہانگیر نے یوں کہا جیسے پانچ صدیاں۔

"اس چکر میں ایسا ہی ہوتا ہے بھائی۔ ویسے میری مانو تو اس چکر کو یہیں ختم کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی کوئی روگ لگ جائے۔" یہ عازم نے کہا تو اس نے بے نیازی سے جھٹکا۔

"میں چاچا سائیں کی طرح بزدل نہیں ہوں۔"

"بزدل تو خیر چاچا سائیں بھی نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ یقینا" بابا جان نے سیاست چلی ہو گی۔ سارے فیصلے بابا جان ہی کرتے ہیں بابا جان اور اب دیکھنا سکندر چاچا سے کیسی سیاست کروائیں گے۔ ان کا تو بس نام ہو گا سارے فیصلے بابا جان کے چلیں گے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی نہیں بنوں گا۔ مجھے اپنی زندگی جینا ہے۔ میں نے پہلے طے کر لیا تھا۔ اس لیے ابا کی خواہش اور اصرار کے باوجود میں ان کے ساتھ زمینداری کے کاموں میں نہیں لگا۔ مجھے دیہات اٹریکٹ ضرور کرتے ہیں لیکن میں مستقل وہاں رہ نہیں سکتا گوکہ شاہ پور میں کم و بیش تمام شہری سہولیات موجود ہیں پھر بھی وہ شہر نہیں لگتا اس لیے کہ وہاں بسنے والے اپنی سوچ نہیں بدلتے۔ اپنے ہاں کی لڑکیوں کو دیکھ لو۔ ہمارے ساتھ کانوینٹ میں پڑھی ہیں۔ پھر یہاں سے اچھے کالجز سے گریجویشن کیا لیکن ان کی سوچ وہی جاگیردارنیوں جیسی ہے۔ اپنے سے کمتر کو انسان ہی نہیں سمجھتیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے' اس سے انہیں کچھ غرض نہیں۔ بس ان کے پاس سب کچھ ہے وہ خوش ہیں مگن ہیں۔"

وہ اپنے ماحول پر بہت تاسف کا اظہار کر رہا تھا۔

"تو اور کیا کریں۔" عازم اس کی طویل گفتگو سے اکتا کر بولا۔

"کرنا چاہیں تو بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ لیکن کچھ کرنے کو وہ اپنی توہین سمجھتی ہیں۔ جبکہ میں زندگی کو متحرک دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا اپنا ایک آئیڈیل ہے۔ صبح جب میں اٹھوں تو آفس جانے تک میرے ہر کام میں میرے ساتھ میری بیوی ہو اور شام میں گھر آنے پر بھی اپنے استقبال میں میں اسے ہی دیکھنا چاہتا ہوں نہ کہ ملازم بھاگ کر میرا بریف کیس تھامے پھر میرے کپڑے نکالے اور وہ بیٹھی ریموٹ سے اسے چلاتی رہے۔ نہیں۔"

اس کی آنکھوں میں اپنی آئیڈیل زندگی کا عکس جھلملا رہا تھا۔

"یہ ساری باتیں پہلے سے اسے بتا دینا۔" عازم پھر شوخی سے باز نہیں آیا۔

"کسے؟" اس نے اپنے خیال سے چونک کر پوچھا۔

"اسی گلدان والی کو' ویسے یار تم نے اس سے پیسے مانگ کر اچھا نہیں کیا۔ کہہ دیتے' ٹوٹنے والی چیز تھی ٹوٹ گئی ہے وہ نہ متاثر ہونے والی بھی متاثر ہو جاتی۔"

"تو میں کون سا اس سے پیسے لے لوں گا۔ مجھے اگلی ملاقات کا بہانا چاہیے تھا اور فوری طور پر یہی ذہن میں آیا کہ اس طرح وہ گھر آئے گی تو اس سے بہت ساری باتیں کر لوں گا۔" اس نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گی۔" عازم نے پوچھا تو وہ پر یقین انداز میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ضرور آئے گی اور اب میں سونے جا رہا ہوں کیونکہ صبح ڈیوٹی جوائن کرنی ہے۔"

"اویں' ایس ڈی ایم صاحب کو پہلے ہی دن لیٹ نہیں ہونا چاہیے اور سنو' تم تو پھر شام میں ہی آؤ گے اور میں تب تک نکل جاؤں گا۔ کوئی کام ہو تو ابھی بتا دو' میرا مطلب ہے شاہ پور میں کسی کے لیے کوئی پیغام وغیرہ۔" آخر میں عازم کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ مچلی تھی جس سے وہ سمجھ گیا کہ اس کا اشارا کس کی طرف ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں سمٹ آئی تھیں۔

☸ ☸ ☸

"کسی کے لیے کوئی پیغام نہیں ہے۔ ناؤ گڈ نائٹ۔" وہ فورا" اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا اچھا بھلا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اس لیے صبح عازم کے اٹھنے سے پہلے ہی آفس روانہ ہو گیا۔ اور شام میں واپس آیا تو اس خیال سے خوش تھا کہ عازم جا چکا ہو گا اور وہ تو واقعی جا چکا تھا۔ لیکن اس کے لیے جو لفافہ چھوڑ گیا تھا اس میں تحریر سے اسے دھچکا لگا تھا۔

"ڈیئر کزن۔ تمہارا انتظار ختم ہوا۔ سرراہ ملاقات والی نے جانے کس کے ہاتھ یہ بارہ سو روپے بھجوائے ہیں۔ میں اس وقت شاور سے شغل فرما رہا تھا ورنہ آنے والے سے یہ ضرور پوچھتا کہ بھائی تم کون ہو۔ اس کے کیا لگتے ہو اور کہاں سے آئے ہو' بہرحال وہ جو کوئی بھی تھا کرم دین کو یہ لفافہ تھما کر چلا گیا۔ گن لو' پورے بارہ سو ہیں۔"

"کرم دینہ" اس نے لفافہ ٹیبل پر پھینک کر کرم دین کو پکارا تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

مدحیہ اور صباحت سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

آسیہ نے اپنی زندگی کا وہ باب جو سیل کردیا تھا' اسے احتیاط سے کھول کران کے سامنے حرف بہ حرف تھا۔ اس کے بعد بغور ان کے چہروں کو دیکھ رہی تھیں۔

صباحت کے چہرے پر دکھ کا تاثر بہت واضح تھا۔ اور مدحیہ کے چہرے پر محسوس کیا جانے والا تنفر۔

کتنی دیر کی خاموشی کے بعد آسیہ پھر اپنے آپ بولنے لگی تھی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں نے محض ضد میں تمہیں تمہارے باپ سے دور رکھا۔ بلکہ میں تم دونوں کو بے وقعت نہیں ہونے دینا چاہتی۔ تم اس کے سامنے جاؤ اور وہ تمہیں اپنی اولاد ماننے سے انکار کردے تو اپنی نظروں میں تمہاری کیا وقعت رہ جائے گی۔ بس اسی خیال سے میں تمہیں روکتی ہوں۔ اور یہ غلط نہیں جب شاہ سکندر کے باپ نے مجھے اس کی بیوی تسلیم نہیں کیا تھا تو تمہیں بھی اپنے خاندان کا نام نہیں دے میری بیٹیاں ہو صرف میری۔ میں تمہیں ہر اس راستے پر جانے سے روکوں گی' جہاں شاہ سکندر کی پرچھائیں کا شائبہ ہوگا اور اگر تم نے میری مرضی کے خلاف چلنے کی کوشش کی تو۔"

آسیہ نے ہونٹ بھینچ لیے تھے لیکن اس کا ٹھہرا ہوا سرد لہجہ ان دونوں کی رگوں میں لہو منجمد کرگیا تھا۔

"تمہارا رزلٹ کب آرہا ہے۔؟" قدرے توقف سے آسیہ نے موضوع بدل دیا۔

"پتا نہیں مما! شاید اگلے ہفتے' کنفرم نہیں ہے۔" صباحت کو بولنے میں ساری توانائیاں صرف کرنا تھیں۔

"ہوں۔ دو مہینے تم لوگوں نے بیکار وقت ضائع کیا۔ کوئی کورس ہی کرلیتیں۔" آسیہ کو اب افسوس ہوا کہ اسے پہلے کیوں نہیں آیا۔ "خیر اب رزلٹ آجائے تو اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ گریجویشن کے بعد پھر کمپیوٹر کرلینا۔ فجر کی نماز ضرور پڑھا کرو۔ اس کی برکت سے باقی نمازیں بھی وقت پر ادا ہوجاتی ہیں۔ چلو اب مجھے دو۔"

"مما! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔؟" صباحت نے اٹھتے ہوئے مدحیہ کو کہنی ماری تھی۔

"ہاں بہت بہتر ہوں۔ کل سے کلینک جاؤں گی۔" آسیہ نے کن اکھیوں سے مدحیہ کو دیکھا جو قدرے سی ہوگئی تھی۔ پھر ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"مما! آپ کی یہ حالت میری وجہ سے ہوئی ہے ناں۔ آئی ایم سوری مما۔ مجھے معاف کردیں۔ میں پھر سکندر کا نام نہیں لوں گی۔ میں آپ کی بیٹی ہوں' آپ کے نام کے ساتھ سر اٹھا کر جیوں گی۔"

آسیہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تو اس کے ساتھ صباحت کی پلکیں بھی نم ہوگئی تھیں۔

"مما! آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں۔؟" مدحیہ اس کے سینے میں منہ چھپائے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بیٹا! میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوسکتی۔ تم صبا اور نبیل میری کل کائنات ہو۔" آسیہ نے ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی پھر ایک بازو پھیلا کر صباحت کو دیکھا تو وہ بھی اس کی آغوش میں سما گئی۔

"میری جان ہو تم' میری زندگی میرا غرور میرا مان اور تم میرا مان کبھی نہیں توڑنا۔" آسیہ دونوں کو بازو بھینچ کر بولی پھر ان کے سر چوم کر انہیں خود سے علیحدہ کیا تو مدحیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"مما! ابھی آپ کچھ دن آرام کریں۔ کلینک جائیں گی تو۔"

"بس بیٹا بہت آرام کرلیا۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" آسیہ نے مسکرا کر انہیں اپنی طرف سے اطمینان پھر اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرنے لگی تو صباحت احساس کرکے بولی۔

"چلو مدحو! اب مما کو سونے دو۔"

"گڈ نائٹ مما!" مدحیہ نے زیرو پاور کا بلب جلا کر ٹیوب لائٹ آف کردی اور صباحت کے پیچھے کمرے کر آئی تو آہستہ آواز میں بولی۔

"میں ذرا نیچے جارہی ہوں' کیونکہ مجھے ابھی نیند نہیں آرہی۔"

نہیں آرہی نیچے والوں کو تو آرہی ہوگی۔ ان کی نیند کیوں خراب کرتی ہو۔" صباحت نے ٹوکا لیکن وہ ان تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی۔

آئے گی۔" صباحت نے سر جھٹکا اور اپنے کمرے کے دروازے تک آئی تھی کہ نبیل کی اسٹک کی ... بٹ کر دیکھا۔

... میں چائے کا کپ لیے آرہے تھے۔

... چائے آپ نے خود بنائی ہے۔؟" اس نے حیرت سے کہا تو نبیل ذرا سا مسکرائے۔

... تا ہوں۔ کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں ہے۔"

... آپ کو مجھ سے کہنا چاہیے تھا۔" وہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی ان کے کمرے میں آگئی۔

... تھیں۔؟" نبیل نے اس کی بات ان سنی کرکے پوچھا۔

... تھینکس گاڈ نبیل بھائی کہ مدحو کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اس نے مما سے معافی مانگی اور کہہ رہی ... بھی شاہ سکندر کا نام نہیں لے گی۔" اس نے خوش ہوکر کہا لیکن نبیل نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

... چائے کے دو تین سپ لینے کے بعد موضوع ہی بدل گئے۔

... نے گلدان کے پیسے پہنچا دیئے تھے۔"

... نے احمر بھائی کے ہاتھ بھجوا دیئے تھے۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں جواب دیا۔

... کے ہاتھ۔؟" نبیل نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "اس نے کیسے پہچانا ہوگا اس خاتون کو۔؟"

... نے کی بات نہیں تھی۔ اصل میں مجھے مما کی وجہ سے جانے میں دیر ہوگئی تھی۔ آگے وہ خاتون اپنا ... دکان پر دے کر چلی گئیں۔ تب میں نے احمر بھائی کے ہاتھ ان کے ایڈریس پر بھجوا دیئے۔ اور احمر بھائی ... تھے کہ ان کا کوئی ملازم نکلا تھا۔ وہ اسے دے کر آگئے۔ ان تک پہنچ گئے ہوں گے۔" وہ بمشکل سنبھل کر

... نے پرسوچ انداز میں یوں سر ہلایا جیسے "کیا پتا۔"

... ان کا فون نمبر بھی ہے اگر آپ کہیں تو میں فون کرکے معلوم کرلوں گی۔" وہ اندر ہی اندر پریشان ہوگئی

... ضرور معلوم کرلینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کبھی راستے میں پھر ملیں اور تمہیں پکڑلیں کہ میرے پیسے نکالو۔" ... اچھل پڑی۔

... پکڑیں گی۔ میں نے بھجوا تو دیئے ہیں۔"

... پہنچوانا کنفرم ہے۔ ان کا ریسیو کرنا بھی کنفرم ہونا چاہیے۔ ویسے ایسے ادھورے کام تو عمر کرتا ہے۔ احمر تو ... ذمہ دار بندہ ہے۔" آخری جملے نبیل نے جیسے اپنے آپ سے کہے تھے۔

... جملہ چوری بن گئی۔ کیونکہ اس نے احمر سے یہی کہا تھا کہ گھر سے جو بھی نکلے اسے تھما دیجیے گا اور احمر ...

... تم صبح فون کرلینا۔ اور اب تم جاؤ یہاں سے۔ مجھے لیکچر تیار کرنا ہے۔" انہوں نے مگ خالی کرکے ... ہوئے کہا۔

... کل چھٹی کا دن ہے۔" وہ شاید اٹھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

... ہیں۔ تمہیں اگر نیند نہیں آرہی تو کوئی کتاب لے جاؤ۔" نبیل نے اپنے سامنے کتاب ... اس نے ایک نظر ان کے کتابوں کے ریک پر ڈالی لیکن اس وقت کچھ پڑھنے کا موڈ نہیں تھا۔ ... میں سر ہلاتی ان کے کمرے سے نکلی تو پہلے خالی مگ کچن میں رکھا۔ پھر کھلی چھت پر ٹہلتے ... آسیہ کی کتاب زندگی کے اوراق پھر سے الٹنے لگا تھا۔

"پتا نہیں لوگ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل کر پھر خود اطمینان و سکون سے کیسے رہ لیتے ہیں۔ شاید کبھی خیال بھی نہیں آتا ہوگا کہ ان کی دل لگی سے ایک عورت کس طرح اپنی زندگی کے غار... تنہا گزار رہی ہوگی۔

"بظاہر کتنے ڈیشنگ، ہنڈسم اینڈ ویل ایجوکیٹڈ، ہونہہ اپنی شخصیت پر جانے کتنے خول چڑھا... انہوں نے۔ اللہ بھی جانے کیوں ایسے لوگوں کی رسی دراز کیے جاتا ہے۔" اس کے اندر شاہ... خلاف تنفر بڑھتا جارہا تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

"صبا! ہم سب عدیل ماموں کے ہاں جارہے ہیں۔ چلو جلدی سے تیار ہوجاؤ۔" مدحیہ آندھی... کمرے میں داخل ہوئی تھی اور آگے اتنا پھیلاوا دیکھ کر چیخ پڑی۔

"یہ تم کیا کررہی ہو۔؟"

"صفائی۔" وہ الماری میں سے کپڑے نکال کر بیڈ پر پھینکتی ہوئی آرام سے بولی۔

"ایک تو تمہیں بھی چین نہیں ہے۔ زبردستی اپنے کام بڑھا لیتی ہو۔ چلو چھوڑو یہ سب، واپس... مدحیہ کپڑوں کے ڈھیر میں سے اپنا ایک سوٹ نکالتی ہوئی بولی۔

"ہائے نہیں۔ میں یہ سب اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔ تم جلدی نہیں کرو، میں الماری سیٹ... چلیں گے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر کپڑے تہہ کرنے لگی۔

"جناب جتنی دیر میں تمہاری الماری سیٹ ہوگی۔ ہم عدیل ماموں تو کیا بڑے ماموں کے گھر... گے۔" مدحیہ نے اپنے کپڑوں پر جلدی جلدی استری پھیرتے ہوئے کہا۔

"بڑے ماموں کے گھر بھی جانا ہے۔؟" اس نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر پوچھا۔

"تم اٹھو گی تب نا۔؟" مدحیہ استری کا پلگ نکال کر کپڑے اٹھاتی واش روم میں چلی گئی۔ لیکن اس کا... اٹھنے پر دل آمادہ ہی نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد مدحیہ واش روم سے نکلی تو اسے اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر...

"اس کا مطلب ہے، تم نہیں جارہیں۔؟"

"سوری، تم لوگ اگر پہلے پروگرام بناتے تو میں یہ سب نہ کرتی۔ اب اس طرح چھوڑ کر جانا... جارہا ہے۔؟"

"مامی جی اور اماں جی کے علاوہ سب۔ میں نے مما کو فون کرکے بتادیا ہے۔" مدحیہ بالوں میں... بولی۔

"اور آؤ گے کب۔؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"پتا نہیں۔ جانا اپنے اختیار میں ہوتا ہے اور آنا دوسرے کے۔" مدحیہ برش پھینک کر اس کے... "دیکھو میں ٹھیک لگ رہی ہوں۔؟"

"ایک دم فرسٹ کلاس۔" وہ اس کے سراپے پر نظر ڈال کر ہنسی۔ پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ "میرا... اور روبی کو۔"

"یاد رہا تو۔" مدحیہ لاپروائی سے کہتی کمرے سے نکل گئی تو وہ الماری کھول کر اس میں تہہ کیے... رکھنے لگی۔ پھر جو ہینگر کرنے تھے، انہیں استری کے لیے الگ کررہی تھی کہ جہانگیر کا کارڈ ہاتھ... اس نے کچھ دیر سوچا پھر تکیے کے نیچے ڈال کر دوبارہ سے مصروف ہوگئی۔

تقریباً "دو گھنٹے بعد وہ کمرہ ٹھیک ٹھاک کرکے فارغ ہوئی تو پہلے شاور لے کر خود کو تازہ دم کیا پھر... کیرنے لالی میں آئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت نبیل بھی موجود نہیں تھے۔ بس ایک بوا تھیں جو... تھیں، اس لیے بغیر کسی دھڑکے کے اس نے نمبر ڈائل کیا۔ یوں بھی اسے زیادہ بات نہیں کرنی... تھا کہ اسے اس کے پیسے مل گئے۔

...بیل پر ریسیور اٹھنے کے ساتھ اس کی آواز سنائی دی۔ جسے پہچاننے کے باوجود وہ قصداً "انجان بن کر بولی۔

"...مجھے علی جہانگیر سے بات کرنی ہے۔"

"...آپ صباحت ہیں ناں۔؟" ادھر خوشگوار حیرت کے ساتھ قدرے غیر یقینی تھی۔

"...علی صاحب ہیں۔؟" وہ اس کے ہونٹوں سے اپنا نام سن کر جزبز ہو کر بولی۔

"...میں ہی علی ہوں۔ آپ نے واقعی نہیں پہچانا یا پہچاننا نہیں چاہتیں۔؟" وہ شاید شکوہ کررہا تھا۔

"...صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ کو آپ کے پیسے مل گئے۔؟" وہ اس کی بات نظر انداز کرگئی۔

"...آپ آئی ہی نہیں تو۔" علی جہانگیر نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ فوراً "بول پڑی۔

"...نہیں آئی لیکن میں نے پیسے بھجوادیئے تھے۔" آپ کو ملے یا نہیں۔؟

"نہیں۔" وہ صاف مکر گیا جس سے وہ خاموش ہوکر سوچ میں پڑگئی تو چند لمحوں کے توقف سے وہ پکار کر کہنے لگا۔

"ہیلو صباحت، نو پرابلم۔ آپ نے بھجوادیئے تھے بس ٹھیک ہے۔"

"لیکن آپ کو تو نہیں ملے ناں۔ پتا نہیں احمر بھائی کہاں دے آئے۔ میں نے انہیں آپ کا ایڈریس لکھ کر دیا... آپ اپنے ملازم سے پوچھیں۔ احمر بھائی غلطی نہیں کرسکتے۔" وہ اپنے آپ میں الجھتی ہوئی روانی میں جانے کیا... بول رہی تھی۔

"میرا ملازم تو اس وقت موجود نہیں ہے۔ آئے گا تو پوچھ لوں گا۔" علی جہانگیر نے فوراً "آئندہ رابطے کی راہ... نکالی۔

"...کب آئے گا۔؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آپ ایسا کریں۔ اپنا نمبر لکھوائیں۔ وہ جب بھی آئے گا۔ میں اس سے پوچھ کر آپ کو ...دوں گا۔" علی جہانگیر کا لہجہ بظاہر سرسری تھا اس کے باوجود وہ کچھ ٹھٹھک گئی۔

"سوری، میرا کوئی نمبر نہیں ہے۔ آئی مین میں پی سی او سے بات کررہی ہوں۔"

"پھر تو آپ کو ہی دوبارہ زحمت کرنی پڑے گی۔" وہ خاصا مایوس ہوا۔

"ٹھیک ہے، میں کل پھر۔"

"ایک منٹ۔" وہ ٹوک کر بولا۔ "فرض کریں۔ میرے ملازم نے بھی پیسے وصول نہیں کیے پھر آپ کیا کریں... گی۔؟"

"ظاہر ہے، دوبارہ بھجواؤں گی۔" اس کے اتنے آرام سے کہنے پر وہ چڑ گیا۔

"...نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں ضرورت نہیں ہے۔ کبھی راستے میں آپ نے مجھے روک کر پیسوں کا مطالبہ کردیا اور اس وقت میرے ...نہ ہوئے تب۔؟" اس نے نبیل کے کہنے پر اسے فون کیا ہی اسی خدشے کے تحت تھا۔

"...نہیں۔ میں ایسا کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ اطمینان رکھیں اور بس اتنا بتادیں کہ آپ کن راستوں پر ملیں ...گی؟" اس کے لہجے سے اچانک کسی جذبے کا اظہار ہوگیا تھا۔

صباحت نے گھبرا کر ریسیور کو دیکھا پھر چند لمحوں کے توقف سے دھیرے دھیرے دوبارہ کان سے لگایا تو وہ کہہ رہا ...

"ہیلو صباحت! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ سن رہی ہیں ناں۔؟"

...نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز کو دبایا تھا۔ پھر ریسیور رکھ کر دل پر ہاتھ رکھا تو وہ یوں خاموش تھا جیسے اب ...گا ہی نہیں۔ کتنی دیر وہ وہیں کھڑی خود کو کسی نامعلوم شکنجے میں محسوس کرتی رہی۔ جس سے نکلنے کے ...بولی بھاگتی اماں جی کے پاس آئی تھی۔

"...نہیں گئیں سب کے ساتھ۔؟" اماں جی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"...اپنا کمرہ صاف کررہی تھی۔" اس نے پھولی سانسوں کے درمیان بتایا پھر اماں جی کی گود میں سر رکھ کر

لیٹ گئی تھی۔

*. ☆ *. ☆ *

رزلٹ کے بعد مدحیہ نے بہت خاموشی سے صباحت کے ساتھ دوبارہ کالج جانا شروع کر دیا۔ یونیورسٹی جانے کے شوق میں آنرز کا شوشہ چھوڑا تھا۔ اس پر قائم رہنے کے لیے اسے آسیہ سے اس وقت بھی کچھ رنجش یقینی تھی۔ اور اب شاید وہ اسے کچھ دیر کے لیے بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آنرز کا خیال چھوڑ کر سابقہ سبجیکٹ سے ہی سمجھوتا کر لیا تھا۔ جس سے گھر کی فضا تو کشیدہ ہونے سے بچ گئی تھی لیکن وہ خوش نہیں تھی۔ کیونکہ یہ بات اس کے مزاج میں ہی نہیں تھی کہ خود پر جبر کر کے ... جائے۔ اس کے برعکس خلاف مزاج بات پر وہ شروع ہی سے احتجاج کرتی تھی۔ لیکن اب مجبوری نے ابھی کچھ دن پہلے اپنے زخموں کو بے نقاب کیا تھا جن سے اٹھنے والی ٹیسیں وہ محسوس کر رہی تھی ان میں مزید اپنی طرف سے اضافہ کرنا فی الحال ممکن نہیں تھا۔ فی الحال یوں کہ وہ زیادہ عرصہ تک کوئی کیفیت طاری نہیں رکھتی تھی۔ اور ایسا اس لیے تھا کہ اس کے نزدیک سب سے اہم اس کی اپنی ذات تھی۔ اور یہ طے ہے کہ صرف اپنی ذات کو اہمیت دینے والے کبھی خوش نہیں رہتے نہ کبھی مطمئن رہتے ہیں ہر ایک سے شاکی بھی رہتے ہیں۔ بہرحال مدحیہ کے کالج جانے پر جہاں صباحت اور نبیل حیران تھے ... طور پر یہ سمجھ کر خوش تھا کہ مدحیہ نے اپنی مرضی کرنے کے بجائے اس کی بات مان لی ہے۔ اور اس روز وہ اپنے کسی دوست سے بائیک لے آیا اور آسیہ سے اجازت لینے کے بعد اس کے پاس آ کر کہنے لگا۔

"سنو میں آج بڑے موڈ میں ہوں۔ چلو تمہیں لمبی سیر کراؤں۔"

"صرف مجھے۔؟" مدحیہ اپنی طرف اشارہ کرتی ہوئی استہزائیہ ہنسی۔ "مما سے پوچھا ہے۔؟"

"کیوں وہ منع کریں گی۔؟" احمر نے قصداً انجان بن کر پوچھا کہ وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"شاید......"

"جی نہیں۔ وہ میری پھوپھو ہیں۔ انہیں مجھ پر پورا بھروسا ہے اور انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔" احمر نے اترا کر کہا کہ وہ جیسے یقین کر بھی رہی تھی اور نہیں بھی۔ الماری کی طرف رخ کر کے اسے دیکھنے لگی۔

"کم آن یار! میں مذاق نہیں کر رہا۔ اچھا جاؤ خود پھوپھو سے پوچھ آؤ۔ جلدی جاؤ۔ وہ نیچے اتر گئی ہیں کہیں سیدھی نکل جائیں گی۔" اور احمر نے اس کی بے یقینی محسوس کر کے کہا۔

"میں نہیں جا رہی۔" اس نے قدرے جھنجلا کر الماری کھول لی۔

"کیا مطلب، میرے ساتھ نہیں جا رہیں۔"

"مما سے پوچھنے نہیں جا رہی۔ آپ نے پوچھ تو لیا ہے۔" وہ ہینگر اتار کر اسکی طرف پلٹی تھی تب ہی صباحت آ گئی۔ اور اسے دیکھ کر معنی خیز شریر مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"تو آپ دونوں باہر جا رہے ہیں۔؟"

"جناب۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے۔؟" احمر نے فوراً اس کی طرف گھوم کر کہا۔

"جی نہیں۔ میں کیوں اعتراض کروں گی جب مما نے اجازت دے دی۔" صباحت کی بات ختم ہونے تک اس نے واش روم کا رخ کیا اور کپڑے تبدیل کر کے نکلی تو جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر کر بولی۔

"میں تیار ہوں۔"

"ویری گڈ۔ او کے صبا! تمہارے لیے آئس کریم لیتا آؤں گا۔" احمر نے مدحیہ کے جلدی تیار ہو... پھر صباحت کو ہاتھ ہلاتا کمرے سے نکل گیا تو مدحیہ بھاگ کر اس سے پہلے سیڑھیاں اترتی ہوئی بغیر ... سے باہر آئی تھی۔

"تمہارا بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آیا۔؟"

باہر آتے ہی اس سے کہا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ عمار اور ثوبیہ کی شوخ نظروں سے بچنے کی خاطر ...

"اس میں سمجھنے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر بائیک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ بائیک کس کی ہے۔؟"

"دوست سے لایا ہوں۔ صرف تمہارے لیے۔" احمر نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا پھر اسے اشارا کیا تو بیٹھتے ہوئے اوپر دیکھا۔ صباحت ٹیرس پر کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ جواباً وہ مسکرائی تھی کہ احمر نے جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

"کہاں چلو گی۔؟" مین روڈ پر آ کر احمر نے پوچھا۔

"کہیں نہیں اور ہر جگہ۔" وہ موڈ میں آ کر بولی۔

"مطلب۔؟" احمر سمجھا نہیں۔

"مطلب سارے شہر میں گھما دیں بغیر کہیں رکے۔ کیونکہ میں بائیک پر پہلی بار بیٹھی ہوں اور مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔

"اچھا۔ میں تو سمجھ رہا تھا۔ تم بائیک دیکھ کر چیخ پڑو گی اور اس پر بیٹھنے سے منع کر دو گی۔" احمر کو واقعی یہ خدشہ تھا۔

"یہ آج آپ اتنے موڈ میں کیسے آ گئے۔؟" وہ اس کی بات ان سنی کر گئی۔

"تم نے میری بات جو مان لی۔" احمر نے کہا تو وہ قدرے حیران ہوئی۔

"کون سی۔؟"

"صباحت کے ساتھ گریجویشن کرنے کی۔ سچ مدحو اگر تم اپنی مرضی کرتیں تو میں سمجھتا، تمہیں میری بالکل پروا نہیں۔ اور پتا ہے اتنے دنوں سے میں یہ سوچ سوچ کر پریشان تھا کہ کہیں تم اپنی مرضی کر کے میری محبت کا مذاق نہ بنا دو۔" احمر صاف گوئی سے اپنے خدشے کا اظہار کر رہا تھا۔

وہ ایک دم چپ سی ہو گئی تھی۔

"مجھے اپنے، بہن بھائیوں کے سامنے بھی شرمندہ ہونا پڑتا۔ گوکہ کسی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن مجھے اپنے آپ یوں لگتا تھا جیسے سب یہ دیکھنا چاہتے ہوں کہ آیا تم میری بات مانتی ہو کہ نہیں۔"

"اور میں نے آپ کی بات مان لی۔" وہ اپنے لہجے میں استہزا چھپا نہیں سکی لیکن ٹریفک کے شور نے لاج رکھ لی۔

"اس خوشی میں پہلے آئس کریم۔" احمر نے بائیک روکتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں رکو میں لے کر آتا ہوں۔ کون سی لو گی؟"

"چاکلیٹ اور صبا کے لیے پستہ۔" اس نے صباحت کا یوں کہا کہ وہ اس سے کہہ کر آیا تھا۔

"صبا کے لیے ابھی کیوں۔ ابھی ہمیں پورا شہر گھومنا ہے۔ واپسی میں گھر کے قریب سے سب کے لیے لیں گے۔" احمر کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور فوراً ہی دو آئس کریم لے کر آ گیا تو وہ اس کے ہاتھ سے اپنی چاکلیٹ لیتی ہوئی بولی۔

"مجھے پورا شہر نہیں گھومنا۔"

"کیوں تھک گئیں کیا۔؟"

"تھکی تو نہیں۔ ٹریفک کے شور نے دماغ ہلا دیا ہے۔ انتہائی واہیات سواری ہے یہ۔ آئندہ کبھی اس پر نہیں بیٹھوں گی اور آپ کا بائیک خریدنے کا خیال ہو تو فوراً دل سے نکال دیں۔" وہ ایک ہاتھ سے اپنی کنپٹی دباتی ہوئی بولی۔

"او کے۔ چلو اب تمہیں کسی پر سکون جگہ لے چلوں۔" احمر نے بائیک اسٹارٹ کی۔ پھر اس کے بیٹھنے پر کہنے لگا۔ "ویسے میری بائیک سے زیادہ یقینی گاڑی خریدنے کی حیثیت نہ ہوئی تب تو مجبوری ہو گی۔"

"مجبوری۔ نہیں میں مجبوری سے بھی کمپرومائز نہیں کروں گی۔ آپ کی ایک بات مان لی ہے میں
یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر بات مان لوں گی۔" اس نے ذرا بھی مروت نہیں برتی۔

"پھر تو مجھے ہر صورت باہر جانا پڑے گا۔" احمر نے اس کی صاف گوئی کا برا مانے بغیر کہا۔ پھر ٹریفک
سے نکل کر کلفٹن روڈ پر آیا تو ریڈ سگنل دیکھ کر جھنجھلا گیا۔

"لاحول ولا۔ میں سوچ رہا تھا یہاں سے اسپیڈ سے بھگاؤں گا۔"

"آپ ابھی بھی بھگا سکتے ہیں۔ کوئی دیکھ تھوڑی رہا ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی بڑے آرام سے ب

"اللہ دیکھ رہا ہے۔" احمر نے جس بے ساختگی سے کہا ویسے ہی اس کی ہنسی بھی بے ساختہ نکلی تب
لینڈ کروزر بائیک کے قریب آن رکی تھی مدحیہ نے یونہی ہنستے ہوئے سرسری نظر سے دیکھا تھا اور فوراً
کر اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کے اس موڑ پر تھی جہاں اگر بائیک پر بیٹھ کر خو
تب بھی لینڈ کروزر اور اس میں موجود علی جہانگیر اپنی تمام تر وجاہتوں کے باوجود اسے متاثر نہیں کر سکت
لمحے اس کی زندگی میں آ چکے تھے اس کے بعد علی جہانگیر کی گہری نظروں پر اس کا رد عمل فطری تھا۔

سگنل آن ہوتے ہی احمر نے اسپیڈ سے بائیک بھگائی اور پیچھے علی جہانگیر دیکھتا رہ گیا کہ ایک بار تو وہ
دیکھے گی لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی تھی۔

. ☆ .. ☆ .*

علی جہانگیر اپنی تسخیر کر لینے والی پرسنالٹی سے بخوبی آگاہ تھا لیکن اس کے اندر اپنے چچا شاہ سکندر جیسا
اپنی وجاہتوں کا زعم نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس کی سوچ ان جیسی تھی کہ جو چیز پسند آ جائے اسے ہر قیمت
ہے۔ جب ہی اس نے اول روز بھی صباحت نے جہاں کہا وہیں اسے ڈراپ کر دیا تھا اور دوسری بار
آپ منوانے کے بجائے ایک طرح سے اختیار اسے دے آیا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ کچھ پیش
کرے گی لیکن اب مدحیہ نے جس طرح اس کے دیکھنے پر ناگواری سے منہ موڑا تھا۔ اس سے حقیقت
دھچکا لگا تھا۔ اس کے باوجود وہ کسی زعم میں اس کے تعاقب میں نہیں گیا۔ سوچا بھی نہیں بلکہ رہیں
مخالف سمت موڑ لی تھی۔ لیکن اس کا دل جانے کیوں اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ
منہ موڑ سکتی ہے۔

"ایک لحظہ کو بھی اس کے چہرے پر شناسائی کا تاثر نہیں لہرایا۔" وہ مسلسل الجھ رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے اس کے ساتھ کوئی پرابلم ہو یا وہ کہیں انگیج ہو۔" معاً عازم کی بات یاد آنے کے
اس نوجوان کا خیال آیا جس کی طرف اس تمام عرصے میں ایک بار بھی اس کا دھیان نہیں گیا تھا حا
ہی سوچنا چاہیے تھا کہ وہ بائیک پر جس کے ساتھ بیٹھی تھی وہی اس کی طرف سے منہ موڑنے کا سب
بہرحال اب سبب سمجھ میں آیا تھا تو اسے یہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا المیہ لگ رہا تھا کہ وہ لڑکی جو او
تک ایک لمحہ کو بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی وہ اس آنے سے پہلے ہی بہت دور تھی۔ ا
نے بس تھوڑی سی کوشش کی تھی اس لڑکی کے خیال کو جھٹلانے کی اور کامیابی سے پہلے ہی یہ کوشش
کیونکہ اس کا تصور ایسا نرم جھونکا تھا جو ترستی آنکھوں میں جہاں پر سکون نیند لاتا وہاں آگے ایک
لے جاتا تھا۔ جس میں رنگ خوشبو بادل ہوا جانے کتنی خوبصورتیاں تھیں۔

کبھی کبھی انسان حقائق کی تلخیوں کو تخیل کی شیرینیوں میں بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ
کوئی نوعمر لڑکا نہیں تھا اور نہ ہی اس کی زندگی میں آنے والی وہ کوئی پہلی لڑکی تھی۔ لیکن جسے دیکھ
جانے کو دل چاہے وہ صرف وہی تھی اور وہ ہار چکا تھا۔ یوں کہ اس کے بعد لگتا تھا زندگی بس یونہی گز
کتنی تبدیلیاں آئیں اس کے اندر کی دنیا نہیں بدلے گی۔

اس ویک اینڈ پر وہ آفس سے نکلا تو ایک دم سے شاہ پور جانے کا پروگرام بنا لیا۔ گزشتہ دو مہینو
اس کی وجہ سے اپنا جانا ملتوی کر رہا تھا کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں اس کا فون آئے یا وہ خود ا

رہی تھی اس لیے گھر آ کر اس نے بہت عجلت میں شاور لیا اور کرم دین کو اپنے جانے کا بتا کر اسی
رات کے کھانے تک شاہ پور پہنچ جائے۔ لیکن کراچی کی ٹریفک الامان۔ ایک گھنٹہ تو اسے صدر
گیا اس کے بعد بھی راستہ صاف نہیں تھا۔ مجبوراً اس نے دوسرا روٹ اختیار کیا جو خاصا طویل
ٹریفک میں پھنس کر جو وقت ضائع ہونا تھا اس کی نسبت یہ طویل راستہ بہتر تھا۔ ناظم آباد سے
پھر واٹر پمپ کے راؤنڈ اباؤٹ سے اس نے ٹرن لیا تھا کہ اچانک نظروں کے سامنے وہ آ گئی۔
س کا خیال جھٹکنے کی اس نے بس تھوڑی سی سعی کی تھی اور ویسی ہی تھوڑی سی کوشش اس نے
یعنی اسے نظر انداز کر کے آگے نکل آیا۔ لیکن اگلے راؤنڈ اباؤٹ سے اس نے گاڑی واپس اسی
ں اور چند منٹوں بعد ہی گاڑی سے اتر کر لائبریری میں داخل ہوا تو پہلی نظر میں وہ اسے آخری
الماری کے قریب کھڑی نظر آئی۔ اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا جب ہی وہ بڑے آرام سے اس
بولا۔

نے چونک کر دیکھا اور بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے ہونٹ ذرا سے نیم وا ہو کر ایک
عم ہو گئے تھے۔

گاڈ۔ آپ نے پہچانا تو۔" وہ ذرا سا مسکرایا تو وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر الماری میں دیکھتی ہوئی بولی۔
داشت اتنی کمزور نہیں ہے۔"

ں اور یہ بھی کہ کبھی کبھی انسان کو مصلحتاً "انجان بننا پڑتا ہے اس نے اپنے تئیں اس روز کی اس کی
ر وہ کیا سمجھتی۔ خاموشی سے اپنی مطلوبہ کتابیں تلاش کرنے میں لگی رہی۔
نے اس روز کے بعد پھر فون نہیں کیا۔؟" علی جہانگیر نے اس کی نظروں کے سامنے سے کتاب کھینچتے

ین بار ٹرائی کر چکی ہوں لیکن آپ کے ہاں سے کسی نے ریسیو نہیں کیا" اس نے کہا تو وہ حیران ہو کر

"

مجھے وہی چیزوں کا کنفرم کرنا تھا کہ آپ کو مل گئے ؟" وہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو فوراً
ہی خاطر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر اس پر نظریں پڑیں تو دل مزید رابطہ پر مچلنے لگا۔
طلب ہے آپ کو نہیں ملے۔؟" وہ اس کی خاموشی سے خود ہی نتیجہ اخذ کر کے بولی۔ "ٹھیک ہے میں
ں گی۔"

ں۔" وہ فوراً بولا۔ "میں آپ سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"
نہ ہو لیکن مجھے ہے کیونکہ میں کسی کا قرض نہیں رکھتی۔" وہ بھی فوراً بولی تھی۔
یا اسے قرض سمجھتی ہیں تو پھر آپ کو خود آ کر مجھے لوٹانے ہوں گے۔ دوسری صورت میں میں واپس
ں نے بلا ارادہ ہی اس کے آنے کی شرط رکھ دی تو وہ کچھ پریشان ہو گئی۔
یں کیسے آ سکتی ہوں۔؟"
یہاں آئی ہیں۔"
وقت مجھے آئی میں میرا بھائی چھوڑ کر گیا ہے اور لینے بھی آئے گا۔ میں اکیلی تو سوری۔" اس نے الجھ کر

تو مسئلہ ہے کہ آپ کیسے آ جاتی ہیں۔" وہ قدرے لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہنے لگا۔ "اور میرا
لہ میں اپنے معاملے میں کسی تیسرے شخص کو انوالو نہیں کرتا۔ آپ کے علاوہ کوئی بھی آیا۔ میں پہلے
ہا تھا۔ ذیٹس آل۔"

”کوئی نہیں آئے گا۔ میں منی آرڈر کر دوں گی۔“ وہ ناراضگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔
”منی آرڈر واپس نہیں ہو سکتا کیا۔؟“ اس نے فوراً بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا تو وہ زچ ہو کر بولا
”آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟“
”اس بات کا جواب جب آپ آئیں گی، تب دوں گا اور ہاں یاد رکھیے گا پانچ بجے کے بعد اس سے پہلے
پر نہیں ملوں گا۔ اوکے سی یو۔“
وہ اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا اور اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر فوراً پلٹا
مگر تیز قدموں سے باہر نکل آیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی ایک بار پھر شاہ پور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

”نبیل بھائی! رات میں وہ نبیل کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں آئی تو انہیں مصروف
لگی“ ”میں کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں۔؟“
”ہاں بیٹھو۔“ نبیل نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر کہا تو اس نے چائے کا مگ ان کے قریب کار
پھر ان کے پاس بیٹھی ہوئی بولی۔
”آپ اپنا یہ کام تو بند کریں۔ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ نبیل نے سر اونچا کر کے اسے
بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔
”باتیں کرنے کے لیے تمہیں یہی وقت کیوں ملتا ہے۔ شام میں کہاں تھیں۔؟“
”شام میں، میں عمر کے ساتھ لائبریری گئی تھی۔ پتا ہے اتنی اچھی کتابیں لائی ہوں۔ پڑھنے کے بعد
گی۔“
”اچھا، یہی بتانا تھا۔“ نبیل نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔
”نہیں یہ میں نے آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جو خاتون تھیں ناں گلہ
تک پیسے نہیں پہنچے اور میں نے سوچ لیا ہے کہ مزید ایک پیسہ میں انہیں نہیں دوں گی۔“ اس نے اہم
اپنا فیصلہ بھی سنا دیا تو نبیل چائے کے دو سپ لینے کے بعد پوچھنے لگے۔
”میں نے فون کیا تھا اور مجھے لگتا ہے، نبیل بھائی وہ جھوٹ بول رہی تھیں انہیں ضرور پیسے مل گئے
نہیں بھی ملے تو اس میں میری تو غلطی نہیں ہے۔ میں نے تو بھجوا دیے تھے دوبارہ تو مجھے نہیں
ناں۔۔۔ جیسے زبردستی انہیں ہم نو لینا نا چاہتی تھی۔“
”تو صاف کہو۔ تم دینا نہیں چاہتیں۔ خواہ مخواہ انہیں کیوں جھوٹا بنا رہی ہو؟“ نبیل نے سرزنش
کہا تو وہ منہ پھلا کر بولی۔
”میں واقعی نہیں دینا چاہتی، کیوں دوں، ایک بار بھیج تو چکی ہوں اور کوئی تھوڑے سے پیسے بھی نہیں
سو۔“
”ٹھیک ہے، جب تم نہ دینے کا تہیہ کر چکی ہو تو پھر مجھ سے کیا چاہتی ہو۔ ان ہی سے صاف لفظوں
کہہ۔“
”ان سے تو میں کہہ دوں گی۔“ وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔
”پہلے آپ بتائیں، میں نے ٹھیک سوچا ہے ناں۔؟“
”یعنی تم یہ چاہ رہی ہو کہ تمہاری غلط بات کو بھی میں ٹھیک کہہ دوں۔ احمق۔ فوراً ان کا ایڈریس
کل میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔“ نبیل نے قدرے غصے سے ڈانٹ کر کہا تو وہ ایک دم سٹپٹا گئی
”آپ۔ آپ چلیں گے۔۔؟“
”ہاں اور تم بھی میرے ساتھ چلو گی۔“ نبیل کے حتمی انداز پر وہ مزید بوکھلا گئی لیکن بولی کچھ نہیں
”جاؤ اب مجھے کام کرنے دو۔“ نبیل نے دوبارہ اپنی فائل اٹھا لی تو اس نے اس وقت ان کے پاس
ہی میں عافیت سمجھی اور فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو مدحیہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

”تم اپنے کپڑے استری کرو گی ناں، میرے بھی کر دینا۔“
”میں کوئی استری وستری نہیں کر رہی۔“ وہ بری طرح سلگ کر بولی۔
مدحیہ نے اس کے سلگنے پر حیرت سے دیکھا پھر اپنے آپ سمجھ کر کہنے لگی۔ ”نبیل بھائی نے ڈانٹ کر
ہاں اچھا کیا۔ ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتی ہو۔“
نہیں۔ انہوں نے نہیں ڈانٹا۔ مجھے تمہاری کاہلی پر غصہ آرہا ہے۔ اس وقت سے کیا کر رہی تھیں جواب
کپڑے بھی استری کر دینا کبھی تم نے بھی میرا کام کیا ہے۔“ اس نے فوراً اپنے سلگنے کا ذمہ دار مدحیہ کو ٹھہرا
سخت سست کہنا شروع کر دیا۔
میں کام کرنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی۔“ مدحیہ کے آرام سے کہنے پر وہ مزید چیخ گئی۔
ہاں تم تو نواب زادی ہو۔“
بالکل ہوں۔ جا کر دیکھو۔ میرے باپ کے ہاں کتنے ملازم ہوں گے۔“ مدحیہ کے منہ سے پھر باپ کا سن کر وہ
لحظہ کو رکی پھر تاسف سے سر جھٹک کر بولی۔
سخت غلطی کی ممانے۔ تمہیں شاہ سکندر کے حوالے کر دیتیں تو اچھا تھا آج حویلی والوں کی خدمتیں کرتی پھر
رہی ہوتیں۔“
میں خدمتیں کر رہی ہوتی۔“ مدحیہ بہت زور سے ہنسی، انداز ایسا تھا جیسے یہ کام تم تو کر سکتی ہو۔ میں نہیں۔ اور
وہ تلملا گئی۔
تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔؟“ مدحیہ اسی طرح ہنستی رہی تب وہ بڑبڑاتی ہوئی لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ

بائیں استری نہیں کرو گی۔ صبح کالج سے دیر ہو جائے گی۔“ مدحیہ نے ہنسی روک کر کہا۔
اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مزید اس کی طرف سے کروٹ بھی بدل گئی۔ اگلی شام نبیل اسے اپنے ساتھ لے
جانے کو تیار تھے لیکن اسے بہانا سوجھ گیا تھا۔ خود کو عاجز ظاہر کرتی ہوئی کہنے لگی۔
کیا کروں نبیل بھائی! ان کا ایڈریس ہی نہیں مل رہا جب سے کالج سے آئی ہوں تلاش کر رہی ہوں۔ ساری
جگہ چھان ماری۔ پتا نہیں کہاں کھو گیا۔“
ہم“ نبیل کچھ کہتے کہتے رہ گئے پھر گہری سانس کھینچ کر بولے۔ ”آرام سے تلاش کرنا جب مل جائے تو
“

ہی۔“ وہ فوری خطرہ ٹل جانے پر اطمینان سے ہو گئی تھی لیکن اس کا اطمینان بس دو دن کا تھا۔ اس کے بعد نبیل
روزانہ ٹوکنا شروع کیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ نبیل کے ساتھ وہ کسی صورت نہیں جانا چاہتی
کیونکہ جانتی تھی کہ وہ خود خاتون سے مل کر رقم ان کے ہاتھوں میں دینا چاہیں گے اور اکیلے جانے کا سوال ہی
تھا۔
سخت غلطی کی میں نے نبیل بھائی کو بتا کر۔“ اس وقت وہ ان کے ٹوکنے پر اپنے آپ پر جھنجھلا رہی تھی کہ ثوبیہ
پکارتی ہوئی آئی۔
سب تمہارے پاس کیمسٹری کے نوٹس ہیں۔ فرسٹ ایئر کے۔۔۔“
میں نے تمہیں دے تو دیے تھے۔“ وہ اپنی پریشانی میں تھی، اس لیے ثوبیہ کو جواب دیتے ہوئے اس کے لہجے
جھنجھلاہٹ تھی۔
باقی سب کے دیے تھے۔ کیمسٹری کے تم نے کہا تھا بعد میں لے لینا۔“ ثوبیہ نے یاد دلایا تو وہ اکتا کر بولی۔
بعد میں لے لینا۔“
نہیں ناں۔ مجھے چاہئیں۔“
نہیں ہیں، میرا مطلب ہے تلاش کرنے پڑیں گے اور اس وقت میں کچھ بھی تلاش کرنے کے موڈ میں

نہیں ہوں، تمہیں اگر بہت ضروری چاہئیں تو خود جا کر میرا ریک کھنگال لو۔“ وہ ٹیرس کی طرف جاتی ہوئی
”ریک تو میں تمہارا کھنگال لوں گی پہلے یہ بتاؤ تمہیں ہوا کیا ہے اور وہ مدحو کہاں ہے۔؟“ ثوبیہ نے تیزی
اس کے پیچھے آتے ہوئے پوچھا تو اس نے آخری بات کا جواب دیا۔

”مدحو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مما اسے آرام کرنے کا کہہ گئی ہیں لہٰذا وہ آرام فرما رہی ہیں۔“

”او ہو تو یوں کہو۔ تمہیں اس کا آرام فرمانا کھل رہا ہے۔“ ثوبیہ ہنستے ہوئے بولی۔

”نہیں اس وقت وہ کوئی بہانا نہیں کر رہی۔ واقعی میں طبیعت خراب ہے اس کی جا کر دیکھ لو۔“ ...
ہوئے بائیک کی آواز پر نیچے دیکھا پھر ثوبیہ کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی۔

”یہ سونیا آپی کہاں گئی تھیں۔؟“

”کسی دوست کے ہاں۔“ ثوبیہ جواب دے کر مدحیہ کو دیکھنے اس کے کمرے میں چلی گئی تو اس نے احمر
یونہی پوچھ لیا۔

”کہاں جا رہے ہیں۔؟“

”چلو گی؟“ احمر نے کہا تو وہ سمجھی اسے مدحیہ سمجھ کر بلا رہا ہے جب ہی ہنستی ہوئی بولی۔

”مدحو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ کہیں نہیں جا سکتی۔“

”میں تم سے کہہ رہا ہوں۔“ احمر نے گھور کر کہا تو اس نے اپنی طرف اشارا کیا پھر اچانک کسی خیال
اسے رکنے کا کہہ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور الماری کھول کر اپنا پرس کھینچ لیا۔

”ثوبی میں ذرا احمر بھائی کے ساتھ جا رہی ہوں۔ میرے آنے تک تم مدحو کے پاس بیٹھنا۔ میں بس
دیر میں آجاؤں گی۔“ وہ بہت عجلت میں کہتی ہوئی کمرے سے نکلی تھی۔

. ☆ .. ☆ .*

وہ آفس سے لوٹا تو آگے عازم کے ساتھ بابا جان موجود تھے۔

”السلام علیکم بابا جان۔“ اس نے سلام کے ساتھ فوراً بڑھ کر بابا جان کے پیر چھوئے تو انہوں نے
کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

”خوش رہو۔ مصروف زیادہ ہو گئے ہو یا شاہ پور کا راستہ بھول گئے ہو۔؟“ بابا جان نے دعا دینے کے ...
اتنے مہینوں کی غیر حاضری کو جتایا تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

”گھر کا راستہ کون بھولتا ہے بابا جان! بس نئی نوکری ہے، سوچتا ہوں اچھی طرح جم جاؤں پھر تو گھر ہی ...
ویسے فون تو میں ہر دوسرے دن کرتا ہوں۔“

”ہاں پتا چلتا ہے ہمیں۔“ بابا جان نے آہستہ سے اس کا کندھا تھپکا پھر عازم سے مخاطب ہوئے۔ ”تم
ہو عازم! جاؤ بابا، چیمہ صاحب اسی وقت ملیں گے۔“

”جی بابا جان جا رہا ہوں۔“ عازم اٹھ کھڑا ہوا۔

”اور دیکھو۔ سات بجے سے پہلے آجانا۔“ بابا جان نے تاکید کی۔

”جی۔“ عازم اسے آنکھوں آنکھوں میں جانے کیا اشارا کرتا ہوا نکل گیا اور وہ ابھی سمجھنے کی کوشش
کہ بابا جان نے اسے مخاطب کر لیا۔

”تمہیں اکیلے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔“

”جی نہیں، بہت آرام سے ہوں۔ اور اپنی جاب سے مطمئن۔ گھر میں اور آفس میں بھی کوئی ...
ہے۔“ اس نے اپنی طرف سے پورا اطمینان دلایا۔

”لیکن ہم تمہارے اکیلے رہنے سے مطمئن نہیں ہیں اس لیے ہم نے سوچا ہے کہ جلد تمہاری شادی ...
ویسے بھی اب ماشاءاللہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہو اور شادی کی عمر بھی یہی ہے۔“ بابا جان جتنے آرام
رہے تھے، وہ اسی قدر بے چین ہو رہا تھا۔

... روز تمہارے اماں ابا بھی اسی سلسلے میں بات کر رہے تھے۔ جہانگیر کو شہربانو کی بیٹی پسند ہے اور تمہاری
... بیل کی آواز پر بابا جان کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس نے محض اس موضوع سے بچنے کی خاطر اٹھ کر جانا چاہا
... سے پہلے ہی کرم دین باہر نکل گیا تھا۔

”... تو ہم کیا کہہ رہے تھے۔؟“ بابا جان نے اسے دیکھا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولا۔

”... اماں ابا میرے بارے میں غلط سوچ رہے ہیں۔ پہلے انہیں بیٹیوں سے فارغ ہونا چاہئے۔“

”... سب کی ساتھ ساتھ ہی کر دیں گے۔“ بابا جان نے کہا تب ہی کرم دین آ کر اس سے بولا۔

”... صاحب! کوئی صباحت بی بی آئی ہیں۔“

... ایک لحظہ کو اپنی جگہ ساکت ہوا غالباً بابا جان کی وجہ سے ورنہ شاید اٹھ کر بھاگتا پھر بہت سنبھل کر بولا تب
... گیا۔

”... بابا جان۔ میری مہمان۔“

”... تو باہر کیوں کھڑا رکھا ہے مہمان کو۔ جاؤ کرم دین! اندر لے آؤ۔“ ”نہیں بابا جان“ کرم دین سے کہا پھر اسے دیکھا
... تا ہوا بولا۔

”... میں لے کر آتا ہوں اپنی مہمان کو۔ آپ اگر کچھ دیر آرام کرنا چاہیں تو۔“

”... نہیں بہت آرام کر چکے ہم۔ تمہارے آنے سے پہلے۔“ بابا جان نے کہا پھر گلاس ڈور سے داخل ہوتی لڑکی کو
... لگے جو بہت نروس لگ رہی تھی اور کافی فاصلے پر رک کر بولی۔

”... السلام علیکم۔“ علی جہانگیر نے آواز پر فوراً پلٹ کر اسے دیکھا اور ایک پل کو بابا جان کی موجودگی فراموش کر
... خوشی سے مسکرا کر گویا ہوا۔

”... وعلیکم السلام، کیسی ہیں آپ۔؟“

”... میں یہ۔“ وہ جلدی سے اپنا پرس کھولنے لگی۔

”... یہ سب بعد میں۔ پہلے آپ تشریف رکھیں۔“ اس نے کہا تو صباحت جانے کس خیال کے تحت پلٹ کر
... وال سے باہر دیکھنے لگی۔

”... کوئی اور بھی ہے آپ کے ساتھ۔؟“ اس نے سمجھ کر پوچھا۔

”... جی نہیں۔“ وہ بہت نروس ہو رہی تھی۔

”... بیٹھ جاؤ بچی، آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔ اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔“ بابا جان نے نرمی سے کہا تو وہ ایک بزرگ
... دیکھ کر پر سکون ہوئی اور ان کے قریبی صوفے کا انتخاب کر کے وہیں جا بیٹھی۔

”... مہمان بچی کے لیے کوئی۔“ بابا جان نے اسے مخاطب کر کے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

”... نہیں شکریہ۔ بس آپ اپنے۔“

... جہانگیر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارا کیا پھر غالباً ”چائے وغیرہ کا کہنے کے لیے فوراً“
... سے نکل گیا تھا۔

... صباحت نے ایک نظر بابا جان کو دیکھ کر سر جھکا لیا کیونکہ وہ بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے اور
... کر تمہارا ... نے پر پوچھنے لگے۔

”... نام ہے تمہارا۔؟“

”... صبا۔ صباحت شاہ۔“ اس نے بہت سنبھل کر جواب دیا۔

”... بابا ... پڑھتی ہو۔؟“ بابا جان جانے یونہی بات کرنے کی غرض سے سوال کرنے لگے یا باتوں باتوں میں
... مقصد اور علی سے تعلق جاننا چاہتے تھے۔

”... تحریر ... میں ہوں۔“

”... تمہارے والد کیا کرتے ہیں۔؟“

"وہ___" وہ پھر نروس ہو گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا جواب دے اور بابا جان اپنے طور پر سمجھ کر اُن
بولے۔

"اوہو نہیں ہے___"
صباحت کے دل کو دھچکا سا لگا۔ فوراً" بول پڑی تھی۔
"جی نہیں' میرے والد بہت بڑے آدمی ہیں۔ آپ نے ان کا نام ضرور سنا ہوگا۔ شاہ سکندر حیات ہ
ہیلتھ منسٹر۔"
بابا جان کی آنکھوں میں اچانک بے پناہ تحیر سمٹ آیا تھا اور ساتھ میں کچھ یقین اور کچھ غیر یقینی کی
تھی۔ پھر اسی عالم میں بولے۔
"تم شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہو۔"
"جی۔ لیکن میں ان کے ساتھ نہیں رہتی۔ میں اپنی مما کے ساتھ رہتی ہوں۔ میری مما ڈاکٹر ہیں۔"
اور انجانے میں ان پر بڑے انکشاف کر رہی تھی۔
"ہوں۔" بابا جان نے پرسوچ انداز میں ذرا سا سر ہلایا پھر پوچھنے لگے۔ "علی کے ساتھ کب سے دوستی ہے"
"جی نہیں۔ میری کوئی دوستی نہیں ہے۔ میں تو انہیں پیسے دینے آئی ہوں۔ آپ انہیں بلائیں۔"
وہ بولنے کے ساتھ اپنا پرس نکالنے لگی تھی۔ تب ہی وہ خود ٹرالی دھکیلا ہوا آگیا تو بابا جان اسے دیکھ
لگے۔

"علی! یہ بچی تمہیں کس بات کے پیسے دینے آئی ہے؟"
"وہ انہوں نے میرا گلدان توڑ دیا تھا بابا جان!" وہ سمجھ گیا کہ وہ بابا جان کو اپنی آمد کا مقصد بتا چکی ہے
چونکے بغیر کہنے لگا۔ "اسی کے پیسے دینے آئی ہوں گی۔ ایک بار پہلے بھی بھجوا چکی ہیں جو کرم دین نے دم
تھے۔"

"ہائیں!" وہ اچھل پڑی۔ "یہ کرم دین کون ہے؟"
"میرا ملازم اور میں نے آپ کو اس لیے بلایا تھا کہ آپ کی امانت واپس کر سکوں نہ کہ مزید پیسے لینے
لیجیے۔" علی جہانگیر نے اس کا پہلے سے بھجوایا ہوا لفافہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھایا جسے
کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"معاف کیجئے گا' آپ بہت۔" وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گئی پھر خاصے جارحانہ انداز میں سامنے سے
ہوئی تیز قدموں سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔
علی جہانگیر نے کچھ بوکھلا کر بابا جان کو دیکھا پھر اس کے پیچھے آیا تھا لیکن برآمدے ہی میں رک گیا کیو
وہ بائیک پر بیٹھتی نظر آئی تھی اور پھر فوراً" ہی بائیک نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
"مائی گاڈ!" علی جہانگیر اس صورت حال سے خاصا بددل سا ہو کر مزید آگے بابا جان کا سامنا کرنے
پریشان ہو گیا۔ دل چاہا یہیں سے کہیں باہر نکل جائے اور پھر بابا جان کے جانے کے بعد ہی واپس لوٹے
کے غصے سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ایسے معاملات میں وہ کس طرح مداخلت کر کے
فیصلے صادر کرتے ہیں۔ اپنے تایا شاہ یونس حیات کے بیٹے کی آنا" فانا" شادی وہ بھولا نہیں تھا اور ابھی
آنے سے پہلے اس کے بارے میں بھی تو کچھ کہہ رہے تھے۔ پھوپھو شہربانو کی بیٹی یا پھر۔
"اوہ نو!" اس نے فوراً" سر جھٹکا پھر بہت ہمت کر کے اندر آیا۔ بابا جان کسی گہری سوچ میں تھے۔ ا
بھی نہیں دیکھا۔
"آپ کے لیے چائے بناؤں بابا جان؟" اس نے بیٹھنے کے ساتھ کچھ ڈرتے ڈرتے انہیں مخاطب کیا
کے ساتھ انہوں نے گہری سانس کھینچی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"کچھ کہا تم نے؟"
"جی چائے۔"
"ہاں بناؤ' ہم بھی پی لیتے ہیں۔ وہ بچی تو ناراض ہو کر چلی گئی۔" بابا جان نے کہا تو وہ نظریں چرا کر بولا۔
"بس وہ میری غلطی ہے۔ مجھے اس سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔"
"کب سے جانتے ہو اسے؟" بابا جان کے ہلکے پھلکے انداز سے وہ ٹھٹھک گیا۔
"نہیں میں زیادہ نہیں جانتا بابا جان! بس ایک دو بار ہی ملاقات ہوئی ہے۔"
"اچھی لڑکی ہے۔ تمہیں پسند ہے؟" بابا جان نے اس کے جواب کو یکسر نظر انداز کر کے پوچھا۔
"جی!" اس کا جی نہ سمجھنے والا تھا جس پر بابا جان براہ راست اسے دیکھ کر بولے۔
"اگر نہیں پسند تو پسند کر لو کیونکہ ہم اسے تمہارے لیے پسند کر چکے ہیں۔"
"جی!" اس کا تحیر انتہا کو چھو گیا تھا۔
"کیا جی جی لگا رہے ہو' ہماری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ وہ لڑکی صباحت شاہ اسے ہم جلد سے جلد
اس گھر میں لانا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں تمہارا اکیلا رہنا پسند نہیں۔"
بابا جان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تب بھی اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا۔
"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"
"تمہاری اور صباحت کی شادی کیا تمہیں اس پر اعتراض ہے؟"

❁ ❁ ❁

"نہیں لیکن میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔" علی جہانگیر نے ایک طرح سے اس کے اتے پتے
سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔
"ہم جانتے ہیں اور جتنا جانتے ہیں۔ اس سے زیادہ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔" بابا جان نے کہا تو وہ مزید
حیران ہوا۔
"آپ' آپ کیسے جانتے ہیں؟"
"ہمارا خون ہے وہ' ہمارے سکندر کی بیٹی' سکندر نے تو ہمیں نہیں بتایا لیکن دیکھو قدرت نے کیسے ہمارے خون
کو ہم سے لا ملایا۔" بابا جان کی آنکھیں جانے کس خیال سے چمکنے لگی تھیں پھر ایک دم جیسے اپنے اس خیال سے
نکل کر کہنے لگے' یہ بات ابھی تم کسی سے نہیں کہو گے۔ خاص طور سے اس لڑکی پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا یعنی
اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارا تعلق شاہ پور سے ہے۔ سمجھے۔"
"میں کچھ نہیں سمجھ رہا۔" وہ واقعی الجھ گیا تھا۔
بابا جان کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔
"یہ بات تو ضرور تمہارے علم میں ہو گی کہ سکندر نے یہاں شہر میں بھی شادی کی تھی۔ یہ لڑکی صباحت اسی کی
بیٹی ہے۔ ابھی اس نے ہمیں اپنے باپ کا نام شاہ سکندر حیات بتایا ہے اور یہ کہ وہ ہیلتھ منسٹر ہیں اس کے بعد کسی
شک و شبے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پتا نہیں سکندر کو اپنی اس بیٹی کے بارے میں علم ہے کہ نہیں' یہ ہم نہیں
جانتے کیونکہ اس نے ہمیں یہ تو بتایا تھا کہ یہاں اس کی بیوی ماں بننے والی ہے۔ اس کے بعد کبھی کوئی ذکر نہیں کیا
ہو سکتا ہے اس عورت نے چالاکی کی ہو اور سکندر سے بیٹی چھپا گئی ہو ایسی صورت میں وہ اپنی بیٹی کسی صورت
ہمیں نہیں دے گی اور ہم ہر قیمت پر اسے حاصل کریں گے۔ تم ہماری بات سمجھ رہے ہو ناں۔"
"جی!" وہ جو بغور سن رہا تھا اور سمجھ بھی رہا تھا۔ اس نے فوراً" اثبات میں سر ہلایا۔

"بس تو جب تک صباحت اس گھر میں نہیں آجاتی تب تک اس پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا باقی گے کہ اس کی ماں تک کیسے پہنچا جائے۔" بابا جان نے کہا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

"اور چچا جان' میرا مطلب ہے' انہیں آپ بتائیں گے یا بے خبر رکھیں گے۔"

"ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ تم بس شادی کی تیاری کرو۔" بابا جان نے اس کا کندھا تھپکا تو وہ سر جھکا کر کسی خیال سے مسکرایا تھا۔

*_*_*

صباحت واپس آئی تو برآمدے میں بیٹھے نبیل اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگے۔

"تم کہاں گئی تھیں؟"

"احمر بھائی کے ساتھ گلدان والی خاتون کے گھر۔" وہ کرسی ان کے قریب کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"پیسے دے دیے؟"

"نہیں' میرا مطلب ہے میں پیسے دینے ہی گئی تھی لیکن آگے انہوں نے بتایا کہ پہلے میں نے جو وہ انہیں مل گئے ہیں۔ اصل میں ان کے ملازم نے وصول کیے تھے اور شاید انہیں دینا بھول گیا تھا۔ معذرت کر رہی تھیں۔" وہ اس صورت حال کے لیے پہلے سے تیار تھی بغیر جھجکے بول گئی۔

"چلو تمہاری بچت ہو گئی اور سنو' آئندہ اگر ایسی کوئی بات ہو تو مجھے فوراً" بتانا۔" نبیل کی تاکید پر اثبات میں سر ہلایا پھر ایک دم یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

"مدحو کی طبیعت کیسی ہے؟ ثوبیہ ہے اس کے پاس یا چلی گئی۔"

"کیا ہوا مدحو کو؟" نبیل نے چونک کر دیکھا۔

"دوپہر میں گلے میں تکلیف کی شکایت کر رہی تھی پھر سو کر اٹھی تو بخار بھی تھا۔ مما دوا دے گئی نے گرم پانی سے غرارے کرنے کو بھی کہا تھا جو شاید مجھے کرنے پڑیں گے۔" وہ بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہو

"کرنے نہیں کروانے۔" نبیل کے تصحیح کرنے پر وہ ہنستی ہوئی کمرے میں آئی تھی۔

مدحیہ اور ثوبیہ لڈو کھیلنے میں مصروف تھیں۔ اس نے فوراً" ٹوکنے کے بجائے پہلے اپنا پرس الماری کھڑکی سے پردے سمیٹتے ہوئے کہنے لگی۔

"مغرب کا وقت ہو رہا ہے' کچھ دیر کے لیے کھیل بند کر دو۔"

"آ گئی بڑی بی۔" مدحیہ اپنی گوٹ چلتی ہوئی بڑبڑائی تو ثوبیہ بے ساختہ ہنسی جس پر وہ اسے دیکھ کر پوچ

"تم نے اپنے نوٹس تلاش کر لیے؟"

"نہیں' یہ گیم ختم ہو جائے پھر کروں گی بلکہ تم دیکھ لو۔" ثوبیہ نے کہا۔ تو اس بار مدحیہ زور سے ہنس

"کیا ہوا۔" ثوبیہ کو اس کی ہنسی سمجھ میں نہیں آئی جبکہ وہ سمجھ گئی اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عمر کے کا دھیان ادھر منتقل ہو گیا وہ برآمدے میں نبیل بھائی سے پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔

مدحیہ اور ثوبیہ بھی لڈو چھوڑ کر سننے کی کوشش کرنے لگی تھیں پھر مدحیہ اسے دیکھ کر بولی۔

"دیکھو تو صبا! کون آیا ہے؟"

"عمر ہے' پتا نہیں کیا کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا پھر جانے لگی تھی کہ عمر وہیں آ گیا۔

"احمر بھائی نہیں ہیں یہاں کہاں گئے؟" عمر نے کمرے میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دوست کی بائیک واپس کرنے گئے ہیں۔ خیریت کیا ہوا۔" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"ان کا رزلٹ آیا ہے۔ فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی ہے انہوں نے۔" عمر نے خاصے پرجوش تو تینوں خوشی سے چیخ پڑیں۔

"واقعی' کہاں رہ گئے احمر بھائی' ہم ان سے ٹریٹ لیں گے۔"

"ڈبل ٹریٹ کیونکہ اسکالرشپ پر ان کا امریکہ جانے کا خواب بھی سمجھو پورا ہو گیا۔"

نے کہا تو اس بار خوشی کے اظہار میں مدحیہ شریک نہیں تھی۔ خاموشی سے صباحت اور ثوبیہ کو دیکھنے لگی پھر

تو عمر اس کے پاس آ بیٹھا اور جھک کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

بھائی ابھی فوراً" تو نہیں جا رہے جو آپ اداس ہو گئیں۔"

کیوں اداس ہوں گی۔" مدحیہ نے اسے گھور کر دیکھا تب ہی احمر اندر آتے ہوئے بولا۔

ے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔"

اب نہیں ہے۔" صباحت نے کہا تو عمر فوراً" بولا۔

صرف اداسی ہے۔ ایک منٹ کے لیے سب خاموش ہو جائیں۔ ذرا مدحو کو گانے دیں ہاں مدحو کیا گاؤ

جانے والے رے ٹھہرو ذرا رک جاؤ۔"

با قاعدہ گانا شروع کیا تو مدحیہ نے تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر کھینچ مارا۔

ے رے' یہ کیا ہو رہا ہے۔" احمر نے عمر کی جوابی کارروائی سے پہلے ہی اس کا بازو پکڑ کر وہاں سے اٹھا دیا۔ پھر

سب کو دیکھ کر بولا۔ "میں تم لوگوں کو خوش خبری سنانے آیا تھا لیکن اب نہیں بتاؤں گا۔"

نا ئیں۔ ہم پھر بھی ٹریٹ ضرور لیں گے۔" ثوبیہ نے کہا تو احمر نے چونک کر اسے دیکھا پھر کرسی کھینچ کر بیٹھتے

ا۔

تک خبر پہنچ گئی۔"

ب' بہت' بہت مبارک ہو اور اب جلدی سے بتائیں' ٹریٹ کب دے رہے ہیں۔" صباحت نے

کے ساتھ فوراً" ٹریٹ کا مطالبہ کیا۔

ٹ بھی میں دوں۔" احمر نے یوں دیکھا جیسے اس نے الٹی بات کہہ دی ہو۔

نہیں تو کیا ہم دیں گے۔ جی نہیں' آپ کو دینی ہو گی اور زبردست قسم کی' ابھی پروگرام بنائیں۔" صباحت

نے شور مچا دیا تھا۔

شور سن کر کمرے میں آئے اور دونوں کو خاموش کرانے کے بعد پوچھنے لگے۔

عاملہ ہے؟"

ے پاس ہونے کی خوشی منائی جا رہی ہے۔" احمر نے کہا تو صباحت پھر چیخ پڑی۔

نہیں ہم باقاعدہ خوشی منانے کی بات کر رہے ہیں۔"

ے جیب خرچ پر۔" احمر نے ٹکڑا لگایا تو نبیل بے ساختہ مسکرائے پھر آگے آ کر مدحیہ کے بیڈ پر بیٹھتے

لے۔

واقعی زیادتی ہے۔"

لی کیوں نبیل بھائی۔ فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی ہے احمر بھائی نے تو کیا اس خوشی میں ہمیں ٹریٹ

ہئے۔" صباحت نے احتجاج کرتے ہوئے کہا تو نبیل نے اس کی بھی تائید کر دی۔

و چاہیے۔" پھر مدحیہ کی خاموشی محسوس کر کے اسے ٹوکا۔ "کیوں مدحو! تم کیوں خاموش ہو کیا تمہیں احمر

پر خوشی نہیں ہوئی۔"

بڑ کا سن کر تو بہت خوش ہوئی تھی۔" مدحیہ سے پہلے عمر بول پڑا۔ "لیکن جب احمر بھائی کے باہر جانے کا

ہو گئی۔"

نے چونک کر مدحیہ کو دیکھا تھا جو عمر کی بات سن کر انجان بننے کی کوشش کرنے لگی تھی اور جب کامیابی

تو اس پر بگڑ گئی۔

دل ہو بالکل اور تمہاری آنکھیں بھی کمزور ہیں۔"

سے نہیں دیکھ رہا میں۔ دل سے محسوس کر رہا ہوں تمہاری اداسی' اور میرا دل بالکل ٹھیک کام کرتا

ہے کہیں تم اسے بھی کمزور بنادو۔" عمر نے لڑنے کے انداز میں کہا۔
"بس' اب لڑنا مت شروع کرو۔ نبیل بھائی منع کریں انہیں۔" صباحت نے بدمزگی کے ذ
مداخلت کی تو نبیل نے تنبیہہ کرنے میں دیر نہیں کی۔
"ہاں بھئی' یہ لڑنے کا موقع نہیں ہے' آرام سے بات کرو۔"
"میں آرام سے ہی بات کر رہا تھا اور کوئی غلط بات بھی نہیں کی آپ خود دیکھ لیں مدحو کے چہرے
"باس۔" نبیل نے ہاتھ اٹھا کر عمر کو بولنے سے روک دیا پھر کہنے لگے۔
"بات ہو رہی تھی باقاعدہ خوشی منانے کی اور وہ بھی احمر کے خرچ پر۔ اب احمر سے پوچھنا یہ
کرنے پر اعتراض کیوں ہے۔"
"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے نبیل بھائی! آپ جب چاہیں مجھ سے ٹریٹ لے لیں۔" احمر نے
باری باری سب کو دیکھ کر بولے۔
"لو احمر تو تیار ہے۔ اب تم لوگ پروگرام سیٹ کر لو۔ لیکن کوئی لمبا چوڑا پروگرام مت بنا لینا
پارٹی ٹھیک رہے گی۔ کیوں مدحو؟" آخر میں انہوں نے بلا ارادہ مدحیہ کو مخاطب کیا تھا اور وہ کندھے
سے بولی۔
"مجھے کیا پتا۔"
"مدحو کو نہیں چھیڑیں نبیل بھائی! آپ کو پتا تو ہے' اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" صباحت
کہ کوئی محسوس نہ کرے فوراً" بات بناتے ہوئے بولی "ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ مدحو کسی پروگرام میں
نہیں چلو مدحو! تم آرام کرو اور ہاں تم نے دوا لی کہ نہیں۔"
مدحیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"پہلے اسے کچھ کھلا دو پھر دوا دینا۔" نبیل اٹھتے ہوئے بولے تو ان کی تقلید میں احمر بھی کھڑا ہو
بچا کر مدحیہ کو جانے کیا اشارا کیا کہ اس نے مسکرا کر سر جھکا لیا تھا۔

*__*__*

رات کے کھانے کے بعد شاہ سکندر اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے کہ ان کی بیٹی الماس
کے بولی۔
"پاپا! آپ کو بابا جان یاد کر رہے تھے۔"
"ابھی۔" انہوں نے رک کر پوچھا۔
"جی کہہ رہے تھے کھانے کے بعد آپ ان سے مل لیں۔" الماس نے کہا تو انہوں نے خاہ
جان کے کمرے کا رخ کیا کیونکہ اس وقت وہ سیاسی حالات پر باتیں کرنے اور سننے کے موڈ میں
جان کے پاس جب سے وہ منسٹر بنے تھے یہی ایک موضوع تھا۔
"السلام علیکم بابا جان!" انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کرنے کے ساتھ پوچھا
ہے؟"
"اب تو ہم تمہیں یاد ہی کرتے ہیں۔ ملاقات تو کبھی کبھار ہوتی ہے۔ آؤ بیٹھو۔" بابا جان کا
تھا۔
شاہ سکندر خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئے تو بابا جان نے پہلے وہی سیاست کا موضوع چھیڑ
لگے۔
"ہر دوسرے دن کی آمد و رفت سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم کراچی ہی میں رہائش اختیار کرا
وہیں لے جاؤ۔"
"نہیں بابا جان! اول تو یہ آمد و رفت کوئی مسئلہ نہیں ہے دوسرے مہرانساء بھی کراچی

شاہ سکندر نے کہا تو بابا جان قصداً" تعجب کے اظہار کے ساتھ بولے۔
یوں مہرانساء آمادہ کیوں نہیں ہوگی۔ کیا اسے ابھی بھی کوئی خدشہ ہے۔؟"
کیسا خدشہ۔؟" شاہ سکندر فوراً" سمجھ نہیں پائے۔
"وہ جو تم نے ایک غلطی کی تھی۔ ہمارا مطلب ہے شادی۔" بظاہر بابا جان کا انداز سرسری سا تھا۔
شاہ سکندر ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگے' وہ بھولے نہیں تھے' لیکن اتنے برسوں بعد بابا جان نے ذکر
کے انہیں اذیت سے دوچار کر دیا تھا۔
"اب تو مہرانساء کی اولاد جوان ہو گئی ہے۔ اب اسے خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔" کچھ دیر رک کر بابا جان نے
متوجہ کیے بغیر کہا پھر جیسے یاد کرتے ہوئے بولے۔ "اس سے بھی تو تمہاری اولاد تھی۔ وہ کیا نام تھا اس ڈاکٹرنی
کا آسیہ۔"
شاہ سکندر نے چونک کر انہیں دیکھا لیکن ان کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے پتا چلتا کہ وہ کسی
مقصد سے یہ موضوع لے بیٹھے ہیں اور انہیں اپنی طرف دیکھتے پا کر بابا جان پوچھنے لگے۔
"کیا ہے اس کے پاس بیٹا یا بیٹی۔؟"
"مجھے نہیں معلوم' جب میں نے اسے طلاق دی تھی۔ اس وقت وہ ماں نہیں بنی تھی۔" شاہ سکندر نظریں چرا
رہے تھے۔
"بعد میں بھی تم نے معلوم نہیں کیا۔؟" بابا جان کی کھوجتی ہوئی نظریں ان کے چہرے پر جم گئیں اور وہ بہت
رنے کے بعد بولے تھے۔
"نہیں اور کیوں معلوم کرتا جب آپ اسے اپنا' اپنے خاندان کا نام دینے پر تیار ہی نہیں تھے پھر اس کے لیے
بہتر تھا کہ وہ صرف اپنی ماں کو پہچانے اور بس۔"
"وہ بے شک اپنی ماں کو پہچانے لیکن خود اسے اپنی پہچان کے لیے کیا باپ کے نام کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بے
کے نام کی اولاد کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا سکندر۔ فرض کرو اگر بیٹی ہوئی تو کون شادی کرے گا اس سے۔؟" بابا
نے ایک بار پھر ان کی شہہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا کہ وہ چکرا گئے۔
"کیا کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔؟"
"یہی کہ اپنی اولاد کو لاوارثوں کی طرح مت چھوڑو۔ اگر بیٹا ہے تو اسے اس کا حق دو تاکہ وہ اپنی زندگی سنوار سکے
اگر بیٹی ہے تو اسے یہاں لانے کی تدبیر کرو۔ اپنا اپنے خاندان کا نام دے کر اسے رخصت کرو گے تو ساری زندگی
دعائیں دے گی وہ ورنہ۔" بابا جان نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ کر انہیں دیکھا تو وہ بمشکل سنبھل کر کہنے لگے۔
"آپ کی بات ٹھیک ہے بابا جان! لیکن ہمارا اب کوئی اختیار نہیں کیونکہ میں نے آسیہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں
اس کی زندگی میں مداخلت نہیں کروں گا۔ اس کے بعد بھی اگر میں ان کے در پر سوالی بن کر جاؤں تب بھی وہ کسی
طور اپنی اولاد کو یہاں بھیجنے پر آمادہ نہیں ہوں گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔
پڑھی لکھی ذہین خاتون تھیں انہوں نے یقیناً" اولاد کی اچھی پرورش کی ہوگی اور آئندہ بھی اس کے لیے وہی
فیصلہ کر سکیں گی۔"
"وہ کتنی بھی اچھی پرورش کرے باپ کا نام دیے بغیر اولاد کو کہیں بھی باعزت مقام نہیں دلا سکتی۔ خصوصاً" بیٹی
" بابا جان نے کہا تو شاہ سکندر نے یوں ہونٹ بھینچے جیسے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا ہو۔
چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر بابا جان ہنکارا بھر کر بولے۔
"ہوں' تم اگر خود کو آسیہ سے کیے وعدے کا پابند سمجھ کر اس کی زندگی میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے تو ٹھیک ہے
اس معاملے سے دور رہو ہم خود کوئی تدبیر کر لیں گے۔"
"نہیں بابا جان! اب آپ کچھ نہیں کریں گے۔" شاہ سکندر فوراً" بولے تھے۔ "میں نے آپ کے کہنے پر آسیہ
کو طلاق اسی شرط پر دی تھی کہ آپ بھی اس کی زندگی میں مداخلت نہیں کریں گے اور آپ نے وعدہ کیا تھا۔"

”یاد ہے ہمیں‘ بھولے نہیں ہیں۔ ہمیں اس عورت سے کوئی سروکار نہیں‘ ہم صرف تمہاری اولاد کی سوچ رہے ہیں۔ تمہیں بھی سوچنی چاہیے۔ اگر بیٹی ہے تو اس کے لیے اسی حویلی میں رشتے موجود ہیں۔ جہانگیر کے بیٹوں میں سے تم جس کے ساتھ کہو گے ہم اُس کی شادی کردیں گے۔ اس طرح تمہاری بیٹی تمہارے قریب رہے گی لیکن مسئلہ وہی ہے کہ وہ عورت آسیہ نہیں مانے گی۔“ بابا جان نے دھیرج سے بات کرتے ہوئے آخر میں کچھ تنفر سے کہا تھا۔

شاہ سکندر پرسوچ انداز میں انہیں دیکھے گئے بولے کچھ نہیں۔

”اور ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم شاہوں کی بیٹیاں غیروں میں نہیں بیاہی جاتیں‘ ہم آسیہ کے ساتھ کوئی زبردستی کرنے نہیں جارہے۔ آخر کہیں نہ کہیں تو اسے بیٹی بیاہنی ہوگی۔ ساری زندگی اپنے پاس تو نہیں بٹھائے گی۔ پھر کیوں نہ اس بیٹی کو اس کا اصل گھر اصل مقام مل جائے۔ ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں ناں۔؟“

بابا جان نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے شاہ سکندر کو سوچوں کے بھنور سے نکالا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولے۔

”کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں لیکن۔“

”تم صرف ہامی بھرو۔“ بابا جان فوراً بول پڑے۔ ”باقی سارے کام ہمارے اور ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ آسیہ سے بیٹی چھین کر نہیں لائیں گے بلکہ اسی کے گھر سے شاہ علی جہانگیر کے ساتھ بیاہ کرلائیں گے۔“

شاہ سکندر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اثبات میں سرہلایا پھر محض اپنی بات رکھنے کی خاطر کہنے لگے۔

”اب پتا نہیں بابا جان‘ آسیہ کے پاس بیٹی ہے یا بیٹا۔“

”ہم معلوم کرلیں گے۔ بیٹا ہوا تب بھی ہم اس کے لیے بہت کچھ کریں گے۔“ بابا جان نے اندر ہی اندر مطمئن ہو کر کہا تھا۔

”اچھی بات ہے‘ اب آپ آرام کریں۔“ شاہ سکندر اٹھ کھڑے ہوئے اور شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکلے تو ان کے ذہن پر اپنی ہی بات دستک دینے لگی تھی۔

”پتا ہے آسیہ! میں نے کیا سوچا ہے اگر ہماری بیٹی ہوئی تو ہم اس کی شادی علی جہانگیر کے ساتھ کریں گے۔“

علی جہانگیر کے لیے یہ انکشاف بڑا خوش کن تھا کہ صباحت اس کی عم زاد ہے۔ اس کے بعد بابا جان نے صباحت کے ساتھ اس کی شادی کا طے کر کے تو گویا اسے پھر سے زندہ کردیا تھا۔ اس کے باوجود وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ صباحت کے ساتھ کوئی زبردستی ہو۔ کیونکہ اس کے پیش نظر صرف اپنی خوشی نہیں تھی۔ وہ اس سے بھی اس کی مرضی معلوم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ اس پر اپنا آپ ظاہر کرے۔ وہ اپنے اسی پرانے روپ سے خود کو اس کے سامنے کھڑا کرسکتا تھا۔ یوں جیسے اتفاقاً سامنا ہوا ہو جیسے پہلے کئی بار ہوا تھا اور اس کے لیے وہ شام لائبریری جانے لگا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس روز یہاں سے وہ جو کتابیں لے گئی تھی۔ وہ واپس کرنے آئے گی اور وہ آئی بھی تو اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ دوسری لڑکی کو دیکھ کر وہ خاصا جزبز ہوا پھر بظاہر انجان بن کر سارا دھیان اس پر رکھ کر انتظار کرنے لگا کہ کہیں تو وہ دوسری لڑکی ادھر ادھر ہوگی۔

وہ دونوں کتابیں دیکھتی ہوئی اس کی پشت پر الماری کے پاس آکھڑی ہوئیں تو اس کا دل چاہا ساری مصلحتوں کا دامن چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لے اور بغیر کسی تمہید کے پوچھے کہ وہ اسے کیسا لگتا ہے اور ابھی وہ اپنے دل کو ایسی جسارت کر گزرنے سے باز رکھنے کی سعی کررہا تھا کہ اس کے ساتھ کھڑی دوسری لڑکی آگے بڑھتی نظر آئی تو وہ فوراً کرسی دھکیل کر اٹھا اور اس کے برابر کھڑا ہو کر سابقہ انداز میں اسے متوجہ کیا۔

”ہیلو۔!“

صباحت نے چونک کر اسے دیکھا پھر فوراً نظر انداز کر کے ثوبیہ کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی تو وہ انگوٹھے سے اشارا کرتا ہوا بولا۔

”آپ کی دوست ادھر جارہی ہیں‘ جانے دیں یا اگر پکارنا چاہیں تو بے شک پکارلیں کیونکہ مجھے جو کہنا ہے وہ
“

...نے بھی کہہ سکتا ہوں۔

...کیا کہنا ہے آپ کو۔؟“ صباحت کچھ گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

...تو بہت کچھ ہے لیکن اس وقت صرف اتنا کہوں گا کہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ کی طرف سے یہ ...ہوں کہ آپ مجھے ناپسند نہیں کرتیں۔“ وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر سوالیہ نشان بن گیا۔

...ت کا دل یکبارگی بہت زور سے دھڑکا تھا بمشکل خود پر قابو پا کر بولی۔

...اگر میں یہ یقین نہ دوں تو۔؟“

...سمجھوں گا آپ کے دل کی بستی میں پہلے ہی کوئی اپنے نام کے پھول کھلا چکا ہے جس کی محبت میں آپ ...ے نکل چکی ہیں کہ۔“

...نہیں۔“ وہ بے اختیار اس کی بات کاٹ گئی۔ پھر احساس ہونے پر نظریں چراتے ہوئے بولی۔ ”آپ کو ...بارے میں کچھ قیاس کرنے اور سمجھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

...ں نہیں‘ مجھے یہ حق میری محبت نے دیا ہے‘ جس کا میں پوری ایمانداری سے اعتراف کرتے ہوئے آپ کو ...ی کررہا ہوں اور جب تک آپ جواب نہیں دیں گی‘ میں یونہی قیاس کرتا رہوں گا اور ہر دوسرے موڑ پر ...ے ملوں گا بھی ضرور۔“ وہ بے حد مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

...نت نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر نظروں کا زاویہ بدل کر ثوبیہ کو دیکھنے لگی جو شیشے کی الماریوں میں ...ی آخری سرے تک چلی گئی تھی۔

...کہیں گی نہیں آپ۔؟“ اس نے ٹوکا تو صباحت نے ثوبیہ کی طرف سے دھیان ہٹا کر پھر اسے دیکھا اور نفی ...دیا تو وہ کیوں کا سوال اٹھانے کے بجائے پوچھنے لگا۔

...کہیں انگیج ہیں۔؟“ صباحت نے دوبارہ نفی میں سرہلایا تو وہ بہت مطمئن سا ہو کر بولا۔

...ے‘ ایک آخری بات‘ میں آپ کو کیسا لگتا ہوں۔؟“

...نائی فضول۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تو اس کے لہجے کو دیکھتے ہوئے علی جہانگیر دھیرے سے مسکرایا تھا ...س کے چہرے پر اترتے رنگوں کی قوس قزح وہ دیکھ چکا تھا۔

...نوں کہاں چلی گئی تھیں۔؟“ وہ ثوبیہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی کہ مدحیہ نے چلا کر پوچھا۔

...ریری۔“ ثوبیہ مختصر جواب دے کر وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی تھی۔

...نہیں جاسکتی تھیں۔؟“ مدحیہ نے اس کی طرف رخ موڑا۔ انداز ہنوز تھا جو اسے سخت ناگوار گزرا پھر بھی ...ے بولی۔

...ے میں نے پوچھ لیا تھا اور تم سو رہی تھیں ورنہ جاتے ہوئے تمہیں بھی ضرور بتا کر جاتی گو کہ یہ کوئی ایسا ...نہیں ہے۔“

...ٹھیک کہا۔“ عمر سنتا ہوا آگیا اور اس کی تائید کرنے کے بعد مدحیہ کو دیکھ کر بولا۔ ”تم کیا اس کی دادی ہو جو ...رعب جماتی ہو۔“

...درمیان بیچ میں مت بولا کرو۔“ مدحیہ نے اسے ٹوکا تو وہ لڑنے کے انداز میں کہنے لگا۔

...یہ صرف تمہارا نہیں ہے‘ سب کا ہے‘ کیا امیر کیا غریب سب جاسکتے ہیں‘ وہاں کوئی ٹیکس نہیں لگتا۔“ ...ت کو بے ساختہ ہنسی آگئی تھی۔

...“ مدحیہ نے نخوت سے سر جھٹکا کر کہا۔ ”تمہاری فضول باتوں پر فضول لوگ ہی ہنستے ہیں۔“

...امطلب ہے‘ ایک تمہیں چھوڑ کر باقی سب یہاں فضول ہیں ہاہاہا۔“ عمر خاصے بے ڈھنگے انداز میں ہنسا ...یہ مزید سلگ کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ صباحت فوراً بول پڑی۔

...ایسا کوئی مطلب نہیں ہے عمر! یہ صرف تمہیں اور مجھے فضول سمجھتی ہے اور میرا خیال ہے غلط بھی ...تی۔“

”تمہارا خیال بالکل غلط ہے۔ میں ثابت کر سکتا ہوں۔“ عمر نے کہا۔
”اچھا اچھا اس وقت نہیں پھر کبھی فرصت سے ثابت کرنا ابھی تو مجھے اور بہت کام ہیں۔“ صباحت سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر آ گئی اور پہلے لائبریری سے لائی ہوئی کتابیں اپنے کمرے میں رکھیں پھر بوا سے پوچھنے لگی۔
”مدحو کو کیا ہوا ہے بوا۔؟“
”بوا سے کیا پوچھ رہی ہو مجھ سے پوچھو۔“ عقب سے مدحیہ نے کہا تو اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔
”ہاں تم ہی بتاؤ۔“
”تمہیں یاد نہیں ہے‘ دوپہر میں ہم نے کیا پروگرام بنایا تھا پھر تم ثوبیہ کے ساتھ کیوں چلی گئیں۔؟“ کہا تو وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔
”اوہ سوری‘ سوری مدحو‘ مجھے بالکل یاد نہیں رہا تھا‘ چلو ابھی چلتے ہیں۔“
”جی نہیں‘ تمہارے ساتھ تو اب میں کبھی نہیں جاؤں گی۔“ مدحیہ نے غصے سے کہا۔
”تمہاری مرضی‘ ویسے برا ماننے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں انسان ہوں‘ بھول ہو گئی مجھ سے‘ بھی کر رہی ہوں اس کے بعد بھی تمہارا غصہ نہیں جاتا۔“ وہ تاسف سے کہتی کچن میں داخل ہو گئی اور چائے کا پانی رکھ کر بوا سے پوچھنے لگی۔
”نبیل بھائی کہاں گئے ہیں بوا۔؟“
”پتا نہیں بیٹا۔ ابھی تمہارے بڑے ماموں کا فون آیا تھا‘ وہ بھی پوچھ رہے تھے‘ اور کہہ رہے تھے بہت دنوں سے ان کی طرف نہیں گئے۔“ بوا نے کہا تو وہ خاصی متعجب ہوئی۔
”ہائیں‘ نبیل بھائی بڑے ماموں کے ہاں نہیں گئے تو پھر روزانہ کہاں جاتے ہیں۔“
”کہیں بھی جاتے ہوں‘ تمہیں کیا۔“ دروازے کے پاس کھڑی مدحیہ نے ٹوکنا ضروری سمجھا۔ پھر اندر چلی گئی تو وہ کچھ بے خیالی میں بوا کو دیکھنے لگی۔
”ٹھیک تو ہے بیٹا! تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ نبیل میاں کوئی بچہ تو نہیں ہیں۔“ بوا نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے تسلی دی تو وہ چونک کر بولی۔
”میں پریشان نہیں ہو رہی بوا۔ خیر چھوڑیں‘ یہ بتائیں آپ چائے پئیں گی۔“
”نہیں اور مدحو کے لیے بھی نہیں بنانا۔ وہ ابھی پی کر نیچے گئی تھی۔“
”اس کے لیے تو میں ویسے بھی نہیں بناؤں گی۔“ اس نے کہا پھر صرف اپنے لیے ایک مگ میں چائے لے کر ٹیرس کی طرف نکل آئی۔
ابھی شام پوری طرح نہیں اتری تھی۔ وہ ریلنگ کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور چائے پیتے ہوئے دھیرے دھیرے گنگنانے بھی لگی تھی۔ کوئی خوبصورت سا گیت تھا۔ جس کے بولوں میں کھو کر وہ ہر شے سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ شام گہری ہو چکی تھی۔ بوا نے آ کر لائٹ جلائی تب وہ بری طرح چونکی۔
”یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو بیٹی۔؟“ بوا نے غالباً ”یونہی پوچھ لیا تھا جب ہی جواب کا انتظار کیے بغیر چلی گئیں۔
اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے سر اونچا کیا تو نظروں کے عین سامنے شام کا پہلا ستارہ جگمگا رہا تھا۔ اس کے ہونٹ آپ ہی آپ مسکرانے لگے تھے کہ لگا ستارے کی جگہ اس چہرے نے لے لی جس کی پلکوں تلے تسخیر کر لینے والی آنکھیں بولنے لگی تھیں۔
”مجھے یہ حق میری محبت نے دیا ہے۔ جس کا میں پوری ایمان داری سے اعتراف کرتے ہوئے آپ سے سوال کر رہا ہوں اور جب تک آپ جواب نہیں دیں گی۔ میں یونہی قیاس کرتا رہوں گا اور ہر دوسرے روز آپ سے ملوں گا بھی ضرور۔“

پھر اکر پلکیں جھپکیں پھر دوبارہ اس طرف دیکھا تو وہی آنکھیں تھیں۔
آخری بات کہ میں آپ کو کیسا لگتا ہوں۔“
وہ کوئی خوبصورت جواب سوچنے لگی تھی کہ نبیل کی اسٹک کی آواز نے یک لخت اس کے ذہن کو
خاموشی میں ٹک ٹک کی آواز بہت واضح تھی۔ وہ سنبھل کر یوں بیٹھ گئی جیسے ان کی آمد سے بے خبر ہو۔
چند لمحوں بعد نبیل نے پکارا تھا۔
”اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا پھر اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔
بھائی کہاں چلے گئے تھے آپ؟ بتا کر بھی نہیں گئے۔“
بتا! مدحو سو رہی تھی اور تم۔“ ابھی بات ان کے ہونٹوں میں تھی کہ وہ بول پڑی۔
ثوبیہ کے ساتھ لائبریری گئی تھی۔“
جاتے ہوئے بتایا تھا تم نے اور اب مدحو کہاں گئی ہے۔؟“ انہوں نے بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارا

نیچے ہوگی۔“ اس نے قدرے لاپروائی سے کہا۔
نظر تو نہیں آئی۔ قریباً ”آدھا گھنٹہ میں اماں جی کے پاس بیٹھا ہوں۔ اس کی آواز بھی سنائی نہیں دی۔“ نبیل سوچتے ہوئے انداز میں بولے تو اس نے اٹھ کر ریلنگ سے نیچے جھانک کر دیکھا اور کوئی نظر نہیں آیا تو وہ دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولی۔
کہاں جائے گی نبیل بھائی‘ ہو گی سونیا آپی کے کمرے میں‘ ابھی جب مما کے آنے کا وقت ہو گا تو دیکھیے گا ان سے پہلے بھاگتی آئے گی۔“
”ہوں۔“ نبیل بس ہوں کر کے رہ گئے تو قدرے توقف سے وہ انہیں متوجہ کر کے کہنے لگی۔
نبیل بھائی! وہ بڑے ماموں کا فون آیا تھا۔ آپ کا پوچھ رہے تھے‘ میرا تو خیال تھا آپ وہیں گئے ہوں گے۔“
”نہیں۔ میں کافی دنوں سے وہاں نہیں گیا۔ جاؤں گا ایک دو دن میں‘ فوراً ”تو نہیں بلایا پاپا نے؟“ نبیل نے کچھ سوچ کر فکرمندی سے بتا کر پوچھا۔
نہیں‘ میرا مطلب ہے فون بوا نے سنا تھا اگر انہیں کوئی کام ہو گا تو وہ پھر فون کر لیں گے یا آپ۔“ عمر کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔
”السلام علیکم نبیل بھائی۔!“ عمر خاصے تھکے ہوئے انداز میں سلام کر کے نبیل کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھا اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بولا۔ ”توبہ توبہ چکرا دیا اس لڑکی نے۔“
”کس لڑکی نے۔“ اس نے بے اختیار پوچھا۔
”تمہاری بھاوج بنے گی تمہاری بہن مدحیہ بیگم‘ اسے پردیس جانے والے کے لیے کوئی تحفہ خریدنا تھا۔ اس کے چکر میں شہر کے سارے بازاروں کی خاک چھاننے کے بعد آخر اس نے تحفہ خریدا بھی تو ایک ریڑھی والے سے۔“ عمر نے جلے کٹے انداز میں بتایا۔
”واقعی۔“ اس کی بے ساختہ ہنسی میں بے یقینی شامل تھی۔
”تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں‘ پوچھ لو جا کر اس سے۔“ عمر اس کے ہنسنے سے مزید تپ گیا۔
”نہیں میں تمہارا یقین کر رہی ہوں۔ یہ بتاؤ‘ اس نے احمر بھائی کے لیے تحفہ کیا لیا۔“ اس نے فوراً ”ہنسی روک کر تجسس سے پوچھا۔
”یہ پتا نہیں یار۔ مجھے تو اس نے آئس کریم لینے بھیج دیا تھا اور جب میں واپس آیا تو وہ اطمینان سے بولی ”میرا کام ہو گیا ہے عمر چلو پھر میں تمام راستہ پوچھتا رہا کہ کیا خریدا لیکن اس نے بتا کے نہیں دیا۔ عمر کو غالباً ”اسی بات کا غصہ تھا۔
”تمہیں پوچھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ نبیل جو بہت خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہے تھے ٹوک دیا۔

"کیوں نبیل بھائی' اس میں اتنی رازداری برتنے کی کیا بات ہے۔"

"پتا نہیں' یہ بتاؤ احمر کے ویزے کا کیا ہوا۔؟" نبیل نے فضول بحث چھوڑ کر کام کی بات پوچھی۔ یک لخت بدل گیا۔

"مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے نبیل بھائی! ان ہی سے معلوم کیجئے گا۔"

"اچھا آئے تو بھیجنا اسے میرے پاس۔" نبیل کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے پھر اپنے کمرے کی طر ہوئے رک کر بولے۔

"صبا! پھوپھو آنے والی ہوں گی کھانا لگا دو۔"

"جی اچھا۔" وہ انہیں جواب دے کر عمر کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "سنو کھانا ہمارے ساتھ کھا تمہارے پسندیدہ کوفتے بنائے ہیں۔"

"ساتھ میں کیا ہے روٹی یا چاول۔؟"

"دونوں' چلو اٹھو مما آرہی ہیں۔" اس نے ریلنگ سے آسیہ کی گاڑی دیکھ کر کہا پھر بھاگ کر کچن کا ر

بابا جان نے شاہ جہانگیر کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور ایک طویل عرصے بعد ان کے انداز میں وہی راز جیسی شاہ سکندر کو آسیہ کے حصار سے نکالنے میں انہوں نے برتی تھی۔ جسے شاہ جہانگیر نے ان کے ک داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا تھا لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا اور بہت انجان بن کر بیٹھتے ہی اپنی مصروفیات جو تحمل سے سننے کے بعد بابا جان بولے تھے۔

"تم نے ہمیں اتنا بے خبر کیسے سمجھ لیا جہانگیر! ہم صرف اپنی اولاد ہی کی نہیں اولاد کی کی اولاد کی بھی خ جو تم نہیں رکھتے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں بابا جان! کم از کم میں اپنی اولاد سے بے خبر نہیں ہوں۔" شاہ جہانگیر نے کہا۔

"اچھا پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ شہر میں تمہارے بیٹے علی نے جو لڑکی پسند کی ہے وہ کون ہے" نے بغور انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چکرا گئے۔

"علی' علی نے شہر میں ـــــ نہیں بابا جان! آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہو گی ـــــ"

"ہمیں کسی نے اطلاع نہیں دی جہانگیر! خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں اس لڑکی کو اور اس میں جاننے کے بعد یہ فیصلہ بھی کر چکے ہیں کہ علی کی شادی اسی کے ساتھ ہو گی۔"

بابا جان نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا کر شاہ جہانگیر سے اختلاف کا حق ہی چھین لیا البتہ ان کے ذ سوال اٹھ رہے تھے جنہیں سوچنے کے بعد وہ کہنے لگے۔

"میں نہیں سمجھتا بابا جان! کہ آپ نے یہ فیصلہ علی کی محبت میں کیا ہو گا کیونکہ محبت کو آپ نے نہیں بننے دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج سکندر کی دوسری بیوی یہاں موجود ہوتی۔ آپ اسے طلاق نہ دلواتے"

"ہوں۔" بابا جان نے ان کی بات سکون سے سن کر ہنکارا بھرا پھر کہنے لگے۔

"ٹھیک سمجھتے ہو تم' ہمارے فیصلوں میں محبت کی کمزوری شامل نہیں ہوتی اور ابھی بھی ہم نے علی ک نہیں سوچا بلکہ وہ لڑکی جسے علی پسند کرتا ہے اسے اس حویلی میں لانا مقصد ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا خون۔ سکندر کی بیٹی۔"

"آپ کا مطلب ہے۔" شاہ جہانگیر اس انکشاف پر بس اسی قدر کہہ سکے۔

"ہاں اسی شہر والی ڈاکٹرنی کی اولاد جس کے بارے میں سکندر کو بھی معلوم نہیں تھا ہم نے بتایا ہے بھی کہ اس کی بیٹی کو ہم علی کے ساتھ بیاہ کر لے آئیں گے۔" بابا جان اسی سکون سے بول رہے تھے

"ٹھیک ہے بابا جان لیکن آسیہ' وہ اپنی بیٹی ہمیں دینے پر کیونکر آمادہ ہو گی۔" شاہ جہانگیر نے بھی اس خدشے ار کیا جو ادھر پہلے سے موجود تھا۔

ہی تو سوچنا ہے ہمیں کہ اس سے بیٹی کس طرح حاصل کی جائے۔ سکندر سے ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ آسیہ سے چھین کر نہیں لائیں گے بلکہ اسی کے گھر سے شاہ علی جہانگیر کے ساتھ بیاہ کر لائیں گے اور ہم اپنے وعدہ نہیں پھرتے۔ تم کوئی ایسی تدبیر کرو کہ آسیہ اس رشتے پر راضی ہو جائے۔" بابا جان نے کہا تو ان کی آخری بات جہانگیر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

نا ممکن۔"

یہاں کچھ ناممکن نہیں ہے جہانگیر! ہمیں ہر قیمت پر اس لڑکی کو حاصل کرنا ہے اور سکندر سے کیے وعدے مطابق۔" بابا جان نے ان کے ناممکن کہنے پر ناگواری کے اظہار کے ساتھ کہا تھا۔

جہانگیر خاموش ہو کر سوچنے میں لگ گئے۔ پھر اچانک کسی خیال کے تحت پوچھنے لگے۔

کیا وہ لڑکی جانتی ہے کہ علی سے اس کا کیا رشتہ ہے۔؟"

نہیں اور ہم نے علی کو سختی سے منع کر دیا ہے کہ ابھی وہ اس پر اپنا آپ ظاہر نہ کرے اور نہ اس کے سامنے یعنی شاہ پور کا ذکر کرے۔" بابا جان نے کہا تو شاہ جہانگیر فوراً بولے تھے۔

پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے بابا جان' ہم کسی اور کے ذریعے سے یہ رشتہ طے کروا لیتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ہی خاندان کا کوئی اور فرد کیونکہ آسیہ اور اس کے گھر والے سکندر کو جانتے ہیں یا پھر انہوں نے مجھے دیکھا "

ہوں۔" بابا جان کتنی دیر پر سوچ انداز میں سر ہلانے کے بعد کہنے لگے۔ "تم اپنی بیگم اور بیٹی کو علی کے پاس اور انہیں سارا معاملہ سمجھا کر بیگم سے کہو کہ وہ آسیہ سے راہ و رسم بڑھا کر اس سے بیٹی مانگے' ہمیں یقین علی جیسے لائق فائق لڑکے کے لیے انکار نہیں ہو گا۔"

بشرط آسیہ کو شبہ نہ ہو تو۔" شاہ جہانگیر نے کہا۔

اس کے لیے سب سے زیادہ تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہو گی' سمجھے تم۔" بابا جان کے لہجے میں تنبیہہ

بالکل سمجھ گیا بابا جان اور اب مجھے عارفہ (بیگم) کو سمجھانا ہے۔" شاہ جہانگیر جیسے نئی مہم کے لیے تیار ہو کر تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

مدحیہ کی غیر معمولی طویل خاموشی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دو گھنٹے سے احمر اپنی ساری میں ناکام ہو کر آخر میں جھنجھلا گیا تھا۔

"خدا کے لیے مدحو! کچھ بولو' ورنہ میں سمندر میں کود جاؤں گا اور یہ صرف میری دھمکی نہیں ہے میں جو کہتا فوراً" عمل کرتا ہوں۔"

مدحیہ ڈوبتے سورج سے نظریں ہٹا کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو کیا بولوں اور وہ سمجھ کر کہنے لگا۔

کچھ بھی' مثلاً "یہ کہ تم میرے جانے سے اداس ہو اور یہ کہ باہر جا کر میں تمہیں بھول نہ جاؤں۔ روزانہ خط اور تم بھی روزانہ جواب لکھو گی۔"

نہیں۔" وہ بے اختیار بول پڑی۔ "میں کوئی روزانہ وزانہ نہیں لکھوں گی۔"

ہفتے میں ایک۔" احمر نے اس کی خاموشی ٹوٹنے پر دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے کہا۔

جب مجھے ایک خط لکھنے میں پورا ایک ہفتہ لگتا ہے اس کے بعد پوسٹ کروانے میں آج کل' پہنچتے کتنے دن نکل جاتے ہیں۔ اس حساب سے آپ کے پندرہ خطوں کے جواب میں میرا ایک خط آپ پہنچے گا۔" مدحیہ نے بغیر کسی عذر کے کہا۔

"کیسی لڑکی ہو میرا دل رکھنے کی خاطر ہی کہہ دیتیں کہ روزانہ خط لکھو گی۔" احمر کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ
"چلیں اب کہہ دیتی ہوں روزانہ لکھوں گی۔" اس کے نروٹھے سے انداز پر وہ گہری سانس کھینچ کر بولا
"تمہیں تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔"
"زبردستی رکھوائیں گے تو ایسے ہی رکھوں گی ناں۔" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو احمر اس کی بے ساختہ ہنسا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔
"کیا چاہتی ہو تم' سارا وقت تمہاری خوشامد کرتا رہوں۔ پہلے دو گھنٹے تم نے خاموشی میں گزار دیے ناراض ہو رہی ہو۔ اگر اسی طرح کرنا تھا تو آئی کیوں تھیں میرے ساتھ۔"
"نہ آتی تو آپ ناراض ہوتے۔" وہ اسی طرح منہ پھلا کر بولی تھی۔
"اگر میری ناراضگی کی پروا ہے تو فوراً" اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ ورنہ میں جانے کے وقت تک تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔" احمر کے دھمکی آمیز لہجے پر وہ کچھ خائف سی ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
"آپ بہت خراب ہیں' ایک تو مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"
"ہمیشہ کے لیے تو نہیں جا رہا۔" وہ فوراً" بولا تھا "اور پھر تمہارے لیے ہی جا رہا ہوں' تمہیں بائیک پسند ہے۔"
"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے وہاں سے گاڑیاں لے کر آئیں گے۔"
"خریدنے کے قابل تو بن کر آؤں گا ناں اور پھر تم جس گاڑی پر ہاتھ رکھو گی وہی تمہاری بس تم میرا انتظار کرتی رہنا۔ کرو گی ناں۔؟" احمر نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اس نے فوراً" اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا لیکن اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی وہ دیکھ چکا تھا۔
"کم آن مدحو! اگر اس طرح کرو گی تو میں اپنا جانا کینسل کر دوں گا۔ بے وقوف لڑکی! دو سال کی تو بات ہے یوں گزر جائیں گے۔" احمر نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ مزید سر جھکا کر پلکوں تک آئی نمی پر سمیٹنے لگی۔
"چلو اب یہاں بیٹھنا خطرناک ہے۔ لوگ مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔" احمر ان کا دھیان بٹانے کی خاطر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "پانی میں چلو گی۔؟"
وہ نفی میں سر ہلا کر اپنا دوپٹہ سنبھالنے لگی جسے تیز ہوا اڑائے لیے جا رہی تھی بس ایک سرا اس کے ہاتھ میں تھا۔
احمر نے بڑھ کر دوپٹے کا دوسرا سرا تھام لیا اور اس کی گردن میں لپیٹ کر آگے بڑھ گیا تو وہ قدرے مسکرا کر اس کے پیچھے چلنے لگی۔
"آئس کریم یا کچھ اور۔!" بائیک کے قریب رک کر احمر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ تو احمر کا دل رکھنے کی خاطر قصداً" مسکرا کر بولی۔
"کچھ اور۔۔۔ لیکن میں کچھ نہیں بتاؤں گی یعنی جو آپ کا دل چاہے۔"
"اچھی بات ہے چلو۔" احمر نے بائیک اسٹارٹ کر کے اسے اشارہ کیا کہ اس کے بیٹھتے ہی اسپیڈ دی تو وہ چیخ پڑی۔
"آہستہ۔۔۔ میں گر جاؤں گی۔"
احمر پر اس کے چیخنے کا کچھ اثر نہیں ہوا بلکہ وہ محظوظ ہو رہا تھا جب ہی بائیک کو دائیں بائیں لہرا رہا تھا۔ اپنے فیورٹ ریسٹورنٹ کے سامنے رکا تو وہ فوراً" اچھل کر اس سے دور جا کھڑی ہوئی اور خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔
"بس' میں آج آخری بار آپ کے ساتھ آئی تھی۔ آئندہ کبھی کہیں نہیں جاؤں گی اور مجھے کچھ نہیں کھانا ہے میں جا رہی ہوں۔"

ر رے۔" احمر بائیک بند کر کے اس کے قریب آیا۔ "کہاں جا رہی ہو۔؟"
ہی جاؤں گی۔" وہ چیخ کر بولی۔
کیوں رہی ہو' چلو گھر ہی چلتے ہیں۔"
نہیں۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔ آپ جائیں اپنی بائیک پر' میں پہنچ جاؤں گی کسی نہ کسی طرح۔" وہ
کہتی تیز قدموں سے ایک طرف چل پڑی تو احمر بوکھلا کر چند قدم اس کے پیچھے چلا پھر خیال آنے پر واپس
بائیک اسٹارٹ کر کے اس کے قریب لے گیا۔
کیا پاگل پن ہے مدحو! چلو بیٹھو۔"
نے کہا ناں' آپ کے ساتھ نہیں جانا تو نہیں جانا۔" اس نے ایک طرف رک کر حتمی انداز میں کہا پھر

اچھی بات نہیں ہے مدحو! ذرا ذرا سی بات پر غصے میں آجاتی ہو۔ چلو اب میں بہت آرام سے چلاؤں گا۔"
نرمی سے ٹوکتے ہوئے کہا لیکن اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔
نہیں تم نے۔ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اکیلی جاؤ گی تو پھوپھو کو کیا جواب دو گی۔ آج چھٹی کا دن ہے۔ وہ گھر پر ہی
احمر نے اسے آسیہ کے غصے سے خائف کرنا چاہا تو یہ ایکدم رک کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
ا چاہے مجھے جان سے مار دیں۔ میں اکیلی ہی جاؤں گی۔"
ٹھیک ہے جاؤ اور۔" احمر نے وارننگ کے انداز میں انگلی اٹھائی تھی پھر ایکدم ہونٹ بھینچ گیا تو وہ سر جھٹک کر
بڑی اور جیسے ہی خالی رکشہ نظر آیا اس میں بیٹھ گئی۔
کچھ دیر وہیں رک کر جاتے ہوئے رکشہ کو دیکھتا رہا پھر اپنی بائیک اس کے پیچھے لگا دی اور تمام راستہ اپنے
جھنجلاتا رہا کہ وہ کیوں اسے آسیہ کے عتاب سے بچانا چاہتا ہے۔
کے سامنے مدحیہ جیسے ہی رکشہ سے اتری احمر بائیک اس کے قریب لے آیا اور جیب سے والٹ نکالتا ہوا

اندر جاؤ۔" وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی لیکن اندر نہیں گئی تو احمر نے پہلے رکشہ فارغ کیا پھر اسے دیکھ کر
طنز سے بولا۔
اب ڈر کیوں رہی ہو' جا کر بتاؤ پھوپھو کو اپنا کارنامہ' بہت طرم خان بنتی ہو ناں' کسی دن میرے ہی ہاتھوں سے
ہو جاؤ گی۔ بخدا پھوپھو کا خیال کرتا ہوں ورنہ۔" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے گیٹ دھکیلتی ہوئی اندر
سیدھی اوپر جانے کے لیے تیزی سے صحن عبور کر کے برآمدے تک آئی تھی کہ عمر راستے میں آگیا۔
رے رے' یہ آندھی طوفان کی طرح کہاں جا رہی ہو۔ میں یہاں کب سے تمہارے انتظار میں آنکھیں
پر لگائے بیٹھا ہوں اور وہ پرنس آف ویلز کہاں ہیں۔"
پرنس آف ویلز پہلے مانگے کی بائیک واپس کریں گے پھر آئیں گے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہہ کر سر جھٹکا۔
لگتا ہے بڑے بھائی نے تمہاری موجودگی میں کسی اور کو لفٹ کرا دی ہے جب ہی تمہارا موڈ۔"
مت۔" وہ عمر کو دھکا دے کر سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آئی تو سامنے آسیہ کو دیکھ کر قدرے جھجک گئی۔ گو کہ اس
نت سے ہی احمر اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا پھر بھی وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی اور آسیہ نے محسوس
نا قصداً" اس کی طرف سے دھیان ہٹایا تھا کہ وہ فوراً" اپنے کمرے میں داخل ہو گئی اور بیڈ پر گرتی ہوئی
پ سے بولی۔
میں احمر کیسے مما سے پوچھ لیتے ہیں۔"
پوچھ لیتے ہیں۔؟" صباحت نے اس کی خود کلامی سن کر پوچھا تو اس نے چونک کر آواز کی سمت گردن موڑی
نت کو استری کرتے دیکھ کر بولی۔
نہیں تم سے تو کچھ نہیں کہا۔"

"میرے علاوہ اور کون ہے یہاں' اچھا سمجھ گئی اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو۔"
صباحت شرارت سے ہنسی اور اس کے خاموش رہنے پر استری کا پلگ نکالتے ہوئے بولی۔ "سوری ! مداخلت نہیں کروں گی۔ تم اپنا شغل جاری رکھو' میں جا رہی ہوں۔"
"سنو۔!" اس نے اچانک کسی خیال کے تحت صباحت کو پکار لیا "کیا واقعی احمر اسی ہفتے جا رہے ہیں۔؟"
"ہاں کیوں۔؟" صباحت سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"بس پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے......" وہ اپنے ہی خیال میں گم رہ کر جانے کیا کہتے ہوئے خاموش۔
کچھ دیر رک کر صباحت اس کے پاس آ بیٹھی اور دھیرے سے اس کا کندھا ہلا کر بولی۔
"تم کچھ زیادہ محسوس کر رہی ہو مدحو! کوئی بہت لمبے عرصے کے لیے تو نہیں جا رہے احمر بھائی جلدی آ جائیں گے۔"
"آں' ہاں۔" اس نے چونک کر خود کو سنبھالا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلو مما اکیلی پتا نہیں ہمارے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں گی۔"
"یہی کہ تم مجھے احمر بھائی کی سنگت میں گزرے لمحات کی روداد سنا رہی ہو گی۔ ویسے کہاں لے گئے تھے تمہیں۔؟"
"ساحل پر لیکن پتا نہیں کیوں آج مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگا اور میں نے احمر کو ناراض بھی کر دیا۔ لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے' وہ بائیک اتنی اسپیڈ سے چلا رہے تھے کہ مجھے غصہ آ گیا اور واپسی میں۔" امی کے پکارنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔
پھر چند دن بڑی افراتفری میں گزرے' جس شام احمر کو جانا تھا اس روز صبح ہی سے گھر میں چہل پہل شروع تھی۔ یاسمین' ثمرہ اور روبی کے ساتھ آ گئی اور بڑے بھیا بھی آفس جاتے ہوئے اپنے بال بچوں کو ادھر چھوڑ گئے تھے اور کسی کام میں ہاتھ بٹانے کے بجائے سب کزنز احمر اور مدحیہ کو چھیڑنے میں لگے ہوئے تھے۔ جس قدر احمر جتنا محظوظ ہو رہا تھا' مدحیہ اتنی ہی بوکھلائی جا رہی تھی۔ کیونکہ بہت کوشش کے باوجود وہ ہمیشہ کی طرح کسی کو جواب نہیں دے پا رہی تھی اور جب عمر حد سے بڑھنے لگا تب وہ سب کے درمیان سے نکل کر اوپر آ گئی تھی پھر سب کے بلانے پر بھی نہیں گئی۔ احمر جانتا تھا کہ وہ مذاق میں کہی بات کو بھی ضد بنا لیتی ہے۔ اس لیے وقت رخصت وہ خود ہی اس کے پاس آ گیا تھا۔
"میں جانتا ہوں' تم یہاں کیوں آ گئیں۔ اس لیے ناں کہ۔" شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے احمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تو وہ گھبرا کر بولی۔
"اف' مما آ رہی ہیں۔"
"تو جلدی سے مسکرا کر خدا حافظ کہہ دو ورنہ جب تک کوئی بلانے نہیں آئے گا میں اسی طرح کھڑا رہوں گا۔" احمر نے کہا تو مسکرانے کی کوشش میں اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا جسے چھپانے کے لیے اس نے چاہا تھا کہ وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔
"خدا حافظ۔ پھر آہستہ سے اسے چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا تو وہ گم صم کھڑی رہی پھر ایسے ہی عالم میں دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ٹیرس پر آ کر نیچے دیکھنے لگی۔ سب بڑے ہی احمر کو چھوڑنے جا رہے تھے باقی کزنز گیٹ پر کھڑے تھے سب سے مل کر جب وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا تب سر اونچا کر کے اسے دیکھ کر مسکرایا تو ذرا سا ہاتھ اٹھا کر ساتھ اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔
"خدا حافظ۔"
چند لمحوں میں آگے پیچھے تینوں گاڑیاں روانہ ہو گئیں تو اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے کا شور' ہنگامہ اور ساری افراتفری تھم گئی تھی۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کر بتی گل کر دی۔ پھر کھڑکی سے پردے سمیٹ رہی تھی کہ صباحت کے ساتھ ثمرہ اور روبی آ گئیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ مسکرائی پھر صباحت کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔
"مما ایئر پورٹ گئی ہیں یا کلینک۔؟"
"ایئر پورٹ پھر کہہ رہی تھیں وہیں سے کلینک چلی جائیں گی۔" صباحت جواب دے کر واش روم میں چلی گئی۔
"تم کیوں نہیں گئیں احمر بھائی کو سی آف کرنے۔ تمہیں تو ساتھ جانے سے کوئی منع نہ کرتا۔" ثمرہ نے پوچھا تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔
"بس یونہی۔"
"احمر بھائی نے بھی اصرار نہیں کیا۔؟" روبی کو جانے کیوں حیرت ہو رہی تھی۔
"کہا تھا لیکن جب دیکھا کہ لڑکیوں میں سے کوئی بھی نہیں جا رہا تب انہوں نے مجھ پر چھوڑ دیا اور ظاہر ہے میں بھی اسی لیے جانے پر اصرار نہیں کیا۔" وہ سرسری انداز میں کہہ کر مسکرائی تب ہی صباحت واش روم سے نکلتے ہوئے بولی۔
"میرا خیال ہے چائے کے لیے بوا سے کہنے کی زحمت بھی کسی نے نہیں کی ہو گی۔"
"یہ ذرا سی زحمت تم کر لو۔ باقی پینے کی زحمت ہم کر لیں گے۔" مدحیہ نے فوراً" تکیے سے کمر ٹکا کر ٹانگیں پھیلائیں تو ثمرہ ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ارے نہیں تم بیٹھو' میں جا رہی ہوں۔" صباحت ثمرہ کو بٹھا کر کمرے سے نکلی تھی کہ فون کی بیل پر وہیں سے پکار کر چائے کا کہا پھر بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔
"ہیلو۔!"
"صباحت شاہ کیسی ہیں آپ۔؟" ادھر سے بہت دلکش لہجے میں پوچھا گیا۔
"کون' علی جہانگیر۔" اس نے بے حد گھبرا کر اپنے پیچھے دیکھا پھر آواز دبا کر بولی۔ "آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا۔؟"
"اپنے ایک عزیز سے جو اتفاق سے آپ کی مما کا پیشنٹ ہے۔" علی جہانگیر کی آواز بتا رہی تھی جیسے اسے مخمصے میں ڈال کر وہ محظوظ ہو رہا ہے۔
"مما کا پیشنٹ لیکن مما تو۔"
"مینٹس کو نہیں دیکھتیں' یہی ناں۔" وہ فوراً" بولا تھا۔
"مجھے نہیں پتا۔" وہ اس بحث سے دامن بچا کر قدرے منت سے بولی۔ "آپ پلیز آئندہ یہاں فون نہیں کیجئے گا۔"
"پھر کہاں کروں۔؟" وہ غالباً" موڈ میں تھا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا۔؟" وہ بمشکل اپنی آواز پر قابو پا کر ناگواری سے بولی۔ جسے محسوس کر کے وہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔
"سوری' میں کچھ غلط کہہ گیا۔ آپ خفا تو نہیں ہیں۔؟"
"پلیز فون بند کریں۔ پھر کسی وقت میں خود آپ کو رنگ کروں گی۔" ثمرہ کے پکارنے پر وہ جلدی سے بولی تو اس نے بھی فوراً" پوچھا۔
"میرا نمبر ہے ناں آپ کے پاس۔؟"
"ہاں۔"
"ٹھیک ہے' میں انتظار کروں گا۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہوا تو اس نے بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس کھینچی پھر ریسیور رکھ کر کمرے کا رخ کیا تھا۔

❀ ❀ ❀

جب دل بے اختیار ہو جائے تو ساری احتیاطیں دھری رہ جاتی ہیں اور صباحت شاہ جتنی محتاط تو
راستے پر چلنا نہیں چاہتی تھی وہی سامنے آگیا تھا۔ پھر بھی اس پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے اپنے دل کو
کی بہت کوشش کی لیکن ایسے عالم میں دل کے پاس ہر بات کا جواب پہلے سے موجود ہوتا ہے اور پھر اس
کوری زمین پر چاہت کے قطرے ٹپکانے والا کوئی عام سا شخص بھی تو نہیں تھا وہ اگر اب تک اس سے
تھی تو صرف آسیہ کے خوف سے جو ابھی بھی موجود تھا۔ لیکن علی جہانگیر کی سحر انگیز شخصیت کے ساتھ
کی سچائیاں اس پر حاوی ہو گئی تھیں۔ جب ہی تو دل سارے اندیشوں کے جواز گھڑ رہا تھا۔

"ضروری تو نہیں جو کچھ مما کے ساتھ ہوا میرے ساتھ بھی ہو۔"

"وہ اگر شاہ سکندر کی طرح فراڈ ہوتا تو پہلے ہی مقام پر مجھے پرپوز کیوں کرتا۔"

عجیب موڑ آگیا تھا جہاں سارے موسم ایک ساتھ اترتے ہیں اور صباحت شاہ نے ہار مان کر اس راستے
رکھتے ہوئے بھی دل کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اس کے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار صرف آسیہ
دو صورتوں میں دل کو اس کا فیصلہ ماننا ہو گا۔ اور یہی بات علی جہانگیر سے کہنے کے لیے اس نے اس کا نمبر
کرتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔ ساڑھے پانچ ہو رہے تھے۔

"پتا نہیں وہ گھر پر ہو گا کہ نہیں؟" اس نے سوچا تھا کہ ادھر دوسری بیل پر ریسیور اٹھنے کے ساتھ اس
سنائی دی۔

"یس، علی جہانگیر اسپیکنگ۔"

"جی یہ میں ہوں صباحت۔" اگرچہ اس نے بہت سنبھل کر کہا پھر بھی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"کیسی ہیں صباحت؟ میں ابھی آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" علی جہانگیر کو جیسے اچانک بہت
مل گئی تھی۔

"کیا کیا سوچ رہے تھے؟"

"یہی کہ پتا نہیں آپ کتنا انتظار کروائیں گی۔" علی جہانگیر نے کہا تو اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"آپ کتنا انتظار کر سکتے تھے؟"

"میں یہ فضول سا جملہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ زندگی کی آخری سانسوں تک۔ پتا نہیں زندگی کتنی ہے
کل نہیں۔ ویسے آپ کیا سننا چاہتی ہیں؟"

"کچھ نہیں، میں نے تو بس یونہی پوچھ لیا تھا۔" وہ قدرے سٹپٹا گئی تھی۔

"چلیں اور بھی جو کچھ پوچھنا ہے یونہی پوچھ لیں۔" اس کی ذرا سی ہنسی کی آواز سن کر وہ خاموش ہو گئی
توقف سے اس نے کریڈل پر ہاتھ مار کر پکارا۔

"ہیلو صباحت! آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ سے کیسے کہوں۔" اس کے سوچتے ہوئے انداز پر وہ فوراً بولا۔

"کوئی خاص بات ہے یا کوئی پرابلم۔"

"میرے لیے تو خاص بات ہے۔ اب پتا نہیں آپ اس کو اہمیت دیتے ہیں کہ نہیں۔"

"صباحت شاہ!" وہ بہت سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔ "آپ کی عام بات بھی میرے لیے خصوصی اہمیت
ہو گی۔ کبھی ایسا گمان بھی نہیں کیجیے گا کہ میں۔"

"ایک منٹ" اس نے ٹوک کر پیچھے دیکھا۔ ثوبیہ کی آواز آ رہی تھی شاید بوا سے اس کے بارے میں
تھی۔ تب وہ جلدی سے اسے مخاطب کر کے بولی۔

"سنیں علی! میں پھر بات کروں گی۔"

"اوکے، خدا حافظ۔" علی جہانگیر نے سمجھ کر کہا تو وہ آہستہ سے ریسیور رکھ کر باہر نکل آئی اور عقب
کندھوں سے تھام کر اپنی طرف گھماتی ہوئی پوچھنے لگی۔

بات ہے کیا پھر مدحہ اور عمر میں کوئی تکرار شروع ہو گئی ہے۔"
نیچے چلو۔ شکیل چچا آئے ہیں۔ سمیعہ آپی کی شادی ہے۔" ثوبیہ نے خوش ہو کر بتایا تو وہ بھی خوش ہو

ہے شادی؟"
چلو گے تو پتا چلے گا ناں۔ میں تو صرف شادی کا سن کر بھاگی آئی ہوں۔" ثوبیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
رہی ہوں ایک منٹ رکو، میں دوپٹہ چینج کر لوں، یہ کچھ میلا ہو رہا ہے۔" وہ کہتی ہوئی ہاتھ چھڑا کر اپنے
میں بھاگ گئی اور چند لمحوں میں دوپٹہ بدل کر ثوبیہ کے ساتھ نیچے آئی تو شکیل، مدحیہ سے اس کا پوچھ رہے

آگئی ماموں جی! السلام علیکم۔" وہ مسکراتی ہوئی ان کے قریب جا کر جھک گئی تو وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر

علیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟"
ٹھیک، آپ اکیلے آئے ہیں، مامی جی نہیں آئیں؟" اس نے اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
بیٹا! انہیں کام بہت تھے۔ بس اب آپ سب وہیں چل کر ان سے مل لینا۔"
اسے جواب دے کر ابا جی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "ابا جی آپ اور اماں جی تو میرے ساتھ ہی چلیں گے
لیتا ہوا آیا ہوں باقی سب اپنی سہولت دیکھ کر آجائیں گے۔"
۔" ابا جی نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا تھا کہ مدحیہ بول پڑی۔
بھی آپ کے ساتھ چلوں گی ابا جی۔"
تم اتنا پہلے جا کر کیا کرو گی؟" عمر کے ٹوکنے پر وہ چڑ کر بولی۔
نہیں کیا۔"
اب پہلے تم دونوں لڑو پھر کوئی بات ہو گی۔" اماں جی نے کہا تو شکیل تعجب سے پوچھنے لگے۔
بھی لڑتے ہیں۔"
صرف یہ دونوں چچا جان! اور کوئی نہیں۔" ثوبیہ فوراً بولی تھی۔
اس کی طرف سے ہوتی ہے ماموں جی! یہ ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑانا ضروری سمجھتا ہے۔ ابھی دیکھ لیں
اس سے تو کچھ نہیں کہا تھا۔" مدحیہ نے بھی فوراً اپنی صفائی پیش کر کے الزام عمر کے سر رکھ دیا۔
بس ٹھیک ہے۔ اب تم سب جاؤ۔ اپنے کام کرو۔ ہمیں بات کرنے دو۔" اماں جی نے کہا تو صباحت
اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔
ایسی احمقانہ باتیں کیوں کرتی ہو۔" اوپر آتے ہی صباحت، مدحیہ کو ٹوکتے ہوئے کہنے لگی۔ جب ماموں جی
تھے کہ وہ اماں جی اور ابا جی کی ٹکٹیں لیتے ہوئے آئے ہیں پھر تم نے اپنے ساتھ جانے کی بات کیوں

کیا میری ٹکٹ ان کے ساتھ نہیں ہو سکتی؟" مدحیہ نے تنک کر کہا۔
ٹکٹ کی نہیں ہے مدحو تمہیں پہلے مما سے پوچھنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ کیا پروگرام بناتی ہیں۔" صباحت
سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ ہنوز اسی انداز میں بولی۔
پروگرام مجھے پتا ہے۔ صرف تین دن کا ہو گا اور میں اتنے کم دنوں کے لیے نہیں جاؤں گی۔"
مرضی۔" صباحت نے یوں کندھے اچکائے کہ اس سے الجھنا فضول تھا۔
مدحیہ شاید الجھنے کے موڈ میں تھی اس سے تو نہیں، رات میں جیسے ہی آسیہ نے نبیل کے سامنے ذکر چھیڑ
ریسٹ کرنا چاہا، وہ بول پڑی۔
تین دنوں کے لیے نہیں جاؤں گی مما! مجھے آپ اماں جی اور ابا جی کے ساتھ بھیج دیں۔"
جا رہے ہیں جبکہ شادی میں ابھی پندرہ دن ہیں۔ اتنے دن تمہارے کالج کا ناغہ نہیں ہو گا۔" آسیہ نے

اسے یوں دیکھا جیسے وہ بھول رہی ہو لیکن جواب میں اس نے آسیہ کو یاد دلا دیا۔

"یہ تو آپ کو اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب میں نے آپ سے چھٹیوں میں کہا تھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، تم اسلام آباد میں اتنے دن کیوں رہنا چاہتی ہو۔" تمہاری سمیعہ سے کوئی نہیں ہے اور اگر گھومنے پھرنے کا شوق ہے تو وہ بھی دو دن میں پورا ہو سکتا ہے۔" آسیہ اس کی بے کار... آکر بولی تھی۔

"مجھے صرف اسلام آباد نہیں گھومنا مری، سوات اور......"

"یہاں اور وہاں اسلام آباد میں بھی کوئی اتنا فارغ نہیں ہے جو تمہیں گھماتا پھراتا رہے۔" آسیہ ا... قدرے ناگواری سے کہنے لگی "تمہیں یہ فضول بات کہنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ میں نے تمہیں ... کیوں نہیں بھیجا۔ اس لیے کہ میں پسند نہیں کرتی۔ یہیں اس شہر میں تمہارے بڑے ماموں اور عدیل... ہیں کبھی ان کے ہاں میں نے تمہیں ایک رات رہنے کی اجازت دی ہے؟ تم میرے ساتھ جاؤ گی اور م... ہی آؤ گی، سمجھیں۔"

"جی!" مدحیہ نے بہت جز بز ہو کر سر جھکایا تھا۔

♥—♡—♥

چھٹی کا دن تھا۔ خلاف معمول آدھا دن علی جہانگیر نے سو کر گزارا۔ جس سے اس کی طبیعت بو... تھی۔ شاور لینے کے بعد بھی سر بھاری تھا۔ وہ کرم دین سے چائے کا کہہ کر لاؤنج میں آ بیٹھا اور ٹی وی ... چینل بدل بدل کر دیکھنے لگا، کسی چینل پر کوئی ایسا پروگرام نہیں تھا جسے دیکھ کر ذہن فریش ہوتا جب ہی ... اس نے ٹی وی بند کر دیا پھر اٹھ کر ریک میں کوئی اچھی کیسٹ تلاش کر رہا تھا کہ شاہ جہانگیر، بیوی اور بیٹی ... ساتھ آ گئے جنہیں دیکھ کر وہ خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوا۔ ماں باپ سے ملنے کے بعد رابعہ کی طرف ... ہوا تو شرارت سے بولا۔

"شاپنگ کرنے آئی ہو گی ناں۔ تمہارا دل نہیں بھرتا۔"

"نہیں اور اب تو روز شاپنگ ہو گی کیونکہ اب ہم یہیں رہیں گے آپ کے ساتھ۔" رابعہ نے کہا تو وہ ... کو دیکھنے لگا۔

"ہاں، بابا جان نے بھیجا ہے ہمیں تمہاری شادی کے سلسلے میں۔" عارفہ بیگم تصدیق کرتے ہوئے ناگوا... بولیں۔ "وہ جو یہاں تم نے لڑکی پسند کی ہے اس کے ساتھ۔"

"اوفوہ! یہ باتیں آرام سے بیٹھ کر کرنے کی ہیں۔ تم آتے ہی شروع ہو گئیں۔" شاہ جہانگیر نے قدر... بیوی کو ٹوکا پھر اس سے بولے۔ "علی بیٹا کوئی چائے، پانی۔"

"جی ابا! آپ آرام سے بیٹھیں بلکہ ادھر بیڈ روم میں چلیں، میں وہیں چائے بھجواتا ہوں۔" اس... جہانگیر کو بیڈ روم میں بھیج کر کرم دین کو پکارا اور اس سے اسپیشل چائے کا کہنے کے بعد عارفہ بیگم کے ... ہوئے بولا۔

"تو آپ کو بابا جان نے بھیجا ہے۔"

"ہاں اور بڑی تاکیدیں کی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اس ڈاکٹرنی کو، تو انہوں نے گھر میں گھسنے نہیں... اس کی بیٹی کے لیے اتنے بے چین ہو رہے ہیں۔ پھر بیٹا ہی میرا ملا ہے ... یوں بھائی کے بھی تو لڑکے ... میں سے کسی کے ساتھ کیوں نہیں بیاہ لے جاتے اسے۔" عارفہ بیگم نے نخوت سے کہا تو وہ خاصا جز بز ہوا...

"لاحول ولا قوۃ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، بابا جان کوئی زبردستی تو نہیں کر رہے۔ صباحت پہلے میری ... اس کے بعد بابا جان کو اس کے بارے میں معلوم ہوا تو فوراً اس سے میری شادی پر تیار ہو گئے ورنہ شاید ... چچا سکندر کی طرح ایک جنگ لڑنی پڑتی۔"

"ہونہہ......" عارفہ بیگم سر جھٹک کر رہ گئیں۔

...پلیز، آپ اس طرح نہیں کریں۔ جب یہ طے ہے کہ میری شادی صباحت کے ساتھ ہی ہو گی تو بابا جان ... اور میری پسند کو دل سے قبول کریں۔ تب تو ہی آپ اعتماد کے ساتھ ڈاکٹر آسیہ کے پاس جا سکیں گی۔" اس ... ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا تو رابعہ اس کی تائید کرتی ہوئی بولی۔

... کہہ رہے ہیں بھائی۔ آپ کا یہ رویہ تو سارا کام خراب کر دے گا امی۔ بقول بابا جان کے ڈاکٹر آسیہ بہت ... عورت ہے ———— آپ جانتی ہیں۔ اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ آپ اس کی ... ہونے پر مجبور کی گئی ہیں تو وہ صاف انکار کر دے گی اور بابا جان انکار نہیں سننا چاہتے۔"

... ابھی امی کو آرام کرنے دو۔" اسے اپنی شادی کا موضوع اس انداز سے اچھا نہیں لگا تو رابعہ کو ٹوکتے ہوئے ... ہوا۔ "ایک تو سفر کی تھکان اوپر سے تم امی کو پریشان کر رہی ہو۔"

...ئیں!" رابعہ نے پوری آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا تو اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کے ... عارفہ بیگم کو اندر لے جانے کا اشارا کیا۔

...ئیں امی۔ دیکھیں، ہمارے لیے کون سا کمرہ ٹھیک رہے گا۔" رابعہ ماں کو اٹھا کر لے گئی تو وہ یونہی ٹہلنے کے ... لاؤنج کا ایک چکر کاٹ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد رابعہ واپس آئی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

...ئی! مجھے تو بس آپ فوراً اس لڑکی سے ملوائیں۔ ایمان سے جب سے سنا ہے، میں تو اسے دیکھنے کو مری جا ...ں۔ کیا بہت خوب صورت ہے؟"

...ب پتا نہیں تمہارے نزدیک خوب صورتی کیا ہے۔" اس نے فوراً صباحت کے بارے میں کچھ کہنے سے ...رتے ہوئے کہا۔ "اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز مجھے پسند ہو وہ تمہیں بھی اچھی لگے۔"

...ئی نہیں۔ خوب صورت چیز دیکھنے میں سب کو خوب صورت ہی لگتی ہے۔ جیسے سکندر چچا کی بیٹی الماس۔ کیا ...ں جیسی ہے۔" رابعہ کا اشتیاق فطری تھا۔

...ں۔" سوچتے ہوئے انداز میں اس کی نظریں ایک نقطے پر مرکوز ہو گئیں۔ غالباً الماس اور صباحت کا موازنہ ... لگا تھا۔ الماس ہو بہو اپنی ماں کی تصویر تھی سوائے آنکھوں کے جن پر شاہ سکندر کی مہر لگی تھی اور ادھر ... کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا لیکن اب دونوں چہروں کو ایک ...وچتے ہوئے وہ اس واضح مشابہت پر اپنے آپ مسکرا دیا تھا۔

...رے! میں نے آپ سے کوئی اتنی مشکل بات تو نہیں پوچھی جو آپ گہری سوچوں میں ڈوب گئے۔" رابعہ ...نے پر وہ ذرا سا چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

...ا پوچھا تھا تم نے؟ ہاں وہ صباحت وہ بالکل تو الماس جیسی نہیں ہے بس تھوڑی سی مشابہت ہے دونوں میں۔ ...ود دیکھ لینا۔"

...ب کب ملوائیں گے اس سے؟" رابعہ نے بے تابی سے پوچھا۔

...ں خود کہاں ملتا ہوں اس سے جو تمہیں ملواؤں گا۔ وہ خاصی بزدل لڑکی ہے یا شاید بہت محتاط۔ مجھے فون تک ...ے منع کر چکی ہے اور خود اسے جب کبھی موقع ملتا ہے تو رنگ کر لیتی ہے اور اب جب بھی اس کا فون آئے ... تمہاری بات کرا دوں گا، ٹھیک۔"

...ل ٹھیک نہیں۔ میں اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتی۔ آپ بس ابھی میری بات کرائیں اس سے۔" رابعہ کی بے ...وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلانے لگا تو وہ ضدی لہجے میں بولی۔

...ں؟ کیوں نہیں؟"

...س لیے کہ وہ منع کر چکی ہے۔"

...س نے آپ کو منع کیا ہے کیونکہ آپ مرد ہیں اور ابھی تو میں بات کروں گی۔ ادھر کسی اور نے ریسیور اٹھایا ...تو بڑے آرام سے کہہ سکتی ہوں کہ صباحت کو بلا دیں۔"

...س نے کہا تو اس کا مطلب سمجھنے کے بعد بھی وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اسے ٹیلی فون سیٹ اٹھا لانے کا اشارا کیا

تھا۔
رابعہ فوراً" اٹھی اور ٹیلی فون سیٹ لا کر اس کے قریب رکھ دیا۔ تو چند لمحے توقف سے اس نے ریسیو
رابعہ کو تھما دیا پھر نمبر ڈائل کرنے کے بعد پوری توجہ سے اسے دیکھنے لگا تھا۔
"ہیلو السلام علیکم۔"
"صباحت ہے۔!"
"جی میں اس کی دوست ہوں رابعہ۔" پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھ کر شریر مسکراہٹ کے ساتھ
"آ رہی ہے۔"
"لاؤ مجھے دو۔" اس نے فوراً" ریسیور جھپٹ کر کان سے لگایا تو ادھر سے صباحت پوچھ رہی تھی۔
"ہیلو کون؟"
"میں ہوں علی۔" اس نے بڑے آرام سے سامنے ٹیبل پر یوں ٹانگیں سیدھی کیں جیسے اب اس
گفتگو ہو گی۔
"میرے خدا! آپ نے میرا مطلب ہے میرے بھائی سے آپ نے۔" صباحت گھبراہٹ میں ٹھیک
بھی نہیں پا رہی تھی۔
"ریلیکس صباحت! آپ کے بھائی سے میری سسٹر نے بات کی تھی۔" اس نے سمجھ کر اطمینان دلایا
لگا۔ "اصل میں میری سسٹر بہت دنوں سے کہہ رہی تھی کہ آپ سے ملاقات کرا دوں اور میرے مسلسل ٹا
اس وقت ناراض ہو گئی تو میں نے سوچا آپ سے بات کرا ہی دوں۔ اگر آپ خود کو مشکل میں محسوس کر رہی
میں فون بند کر دیتا ہوں۔"
"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ ویسے میں خود آپ کو رنگ کرنے والی تھی' یہ بتانے کے لیے کہ میں اسلام
رہی ہوں اپنی کزن کی شادی میں۔"
"اچھا' لوٹیں گی کب؟" اس نے فوراً" پوچھا۔
"میرا خیال ہے تین چار دن میں واپسی بھی ہو جائے گی۔" اس کے جواب پر وہ مطمئن سا ہو کر بولا۔
"اچھی بات ہے اور یہ میری سسٹر سے ذرا ہیلو ہائے کر لیں تاکہ اس کی ناراضگی دور ہو۔" اس کے سا
اس نے ریسیور رابعہ کو تھما دیا۔
"جی' میرا نام رابعہ ہے۔ ابھی دو مہینے پہلے بی اے کا امتحان دیا ہے۔"
"یہاں نہیں دبئی میں ہم لوگ عرصہ دراز سے وہیں مقیم تھے۔ بلکہ میرے فادر تو ابھی بھی وہیں ہیں۔ آپ
بھائی نے نہیں بتایا؟"
رابعہ سکھایا ہوا سبق اتنی سہولت سے دہرا رہی تھی کہ وہ بھی حیران ہو کر سن رہا تھا۔

♥—♡—♥

صباحت سوٹ کیس بند کر رہی تھی کہ مدحیہ روک کر بولی۔
"ایک منٹ پہلے مجھے دیکھنے دو۔ میرے کون کون سے سوٹ رکھے ہیں؟"
"افوہ! اب تم ساری ایچی خراب کرو گی' کوئی ضرورت نہیں اسے کھولنے کی تمہارے وہ سارے سوٹ
ہیں جو تم نے کہے تھے۔" صباحت اس کا ہاتھ جھٹک کر سوٹ کیس لاک کرنے لگی۔ لیکن اس نے پھرتی سے
جھپٹ لی۔
"خدا کے لیے مدحو! صبح سے استری کر کر کے میری کمر اکڑ گئی ہے۔"
"تو میں کون سا ایک ایک کپڑا نکال کر دیکھوں گی۔" مدحیہ سوٹ کیس کھولتے ہوئے بولی۔ پھر اس پر جھ
اپنے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی کہ عمر اسے پکارتا ہوا آ گیا۔
"مدحو! کہاں ہو مدحو؟"
"کیا ہے؟" اس نے سوٹ کیس میں سے سر نکال کر اسے دیکھا۔

ہیں' پہلے اچھی سی چائے پلاؤ وہ بھی اپنے ہاتھ کی' تب بتاؤں گا کیا ہے۔" عمر نے کرسی پر بیٹھ کر سامنے بیڈ پر
ٹانگیں پھیلائیں جیسے واقعی اس کے حکم کی تعمیل ہو گی۔
مت بتاؤ' مجھے کوئی شوق نہیں ہے سننے کا۔ کیا ہوا ہے کیا نہیں۔" مدحیہ نے حسب عادت کوئی نوٹس نہیں

تمہاری مرضی۔" عمر فوراً" اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جیب سے لفافہ نکال کر لہراتے ہوئے بولا۔ "میں نے کوئی بڑی
ڈ نہیں کی بس ایک کپ چائے۔"
س کا خط ہے؟" مدحیہ نے چلانے کے ساتھ لفافہ جھپٹنے کی کوشش کی لیکن عمر نے پھرتی سے ہاتھ پیچھے کر

نہیں کیا۔"
مو عمر! اگر میرا ہے تو فوراً" مجھے دے دو ورنہ۔" مدحیہ کے دھمکی آمیز انداز پر وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر

تمہارا ہی ہے' لیکن ملے گا چائے کے بعد۔"
پلاؤں گی' ایک نہیں دس کپ پہلے خط دو۔"
ں۔ مجھے تمہارا اعتبار نہیں۔ پہلے چائے۔" عمر کو جانے کب کب کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ مزید لفافہ
ر بولا۔ "آہ کیا خوشبو ہے۔ لگتا ہے بڑے بھائی نے سارے جذبوں کو نچوڑ دیا ہے۔"
ن کتنے کمینے ہو تم۔ میں ماموں جی سے تمہاری شکایت کر دوں گی اور احمر کو بھی لکھوں گی کہ تم مجھے بلیک میل
ہو۔"
ب کرو گی لیکن چائے نہیں بناؤ گی۔ چہ چہ۔ ایک نمبر کی کام چور۔" عمر نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے
ڈ پر پھینک دیا اور جانے لگا کہ وہ پکار کر بولی۔
تو تم ہو اپانچ بجے چائے بناتی ہیں۔ آ کر پی لینا۔"
رے گھر میں تو جیسے چائے کا کال پڑا ہے۔" عمر بری طرح تلملا گیا تھا۔
نے دو عمر! تمہیں پتا تو ہے اس کا۔ چلو تم نبیل بھائی کے کمرے میں بیٹھو میں وہیں چائے لے کر آتی ہوں۔"
ت جو خاموشی سے دونوں کی تکرار دیکھ اور سن رہی تھی ہمیشہ کی طرح صورت حال کی نزاکت کا احساس کر
ٹر ولے کر کمرے سے نکل گئی تو مدحیہ نے بیڈ پر سے لفافہ اٹھا کر بے اختیار ناک کے ساتھ لگایا اور خود ہی ہنس
ھر بیڈ پر گر کر لفافے میں سے خط نکالا تھا۔
س نام سے پکاروں' کیا نام ہے تمہارا۔"
ں میں میرا کوئی قصور نہیں' یہاں آ کر میں اپنے آپ کو بھی بھول گیا ہوں نہ نہ۔ یہ مت سمجھنا کہ پڑھائی کی
ے بلکہ حسین نظاروں اور جلوؤں نے میرے ہوش بھلا دیے ہیں۔ کہاں کہاں سے اور کس کس کی طرف
ظریں چراؤں' ادھر نیلا سمندر ہے ادھر نیلی آنکھیں۔ میں دونوں میں فرق کھوجنے لگتا ہوں۔ پھر اوپر دیکھتا
و پورے آسمان پر صرف ایک اکیلا چاند اس کے آس پاس دور دور کہیں کوئی ستارہ نہیں۔ شاید سارے
ے زمین پر اتر آئے ہیں۔ جب ہی تو اتنی جگمگاہٹ ہے۔ مدحو میرا کیا ہو گا۔ اگر میں اپنے مقصد سے ہٹ گیا تو
ت سے واپس آؤں گا۔ دیکھو میرے لیے دعا کرنا۔ کرو گی ناں؟"
طر کے ساتھ اس کا دل ڈوبتا گیا تھا۔ پتا نہیں احمر نے سچ لکھا تھا یا اسے ستانے کو محض مذاق۔ کچھ بھی تھا۔ وہ
ر بے حس و حرکت پڑی رہی۔ کیونکہ کیسی بھی ضدی اور خود سر سہی' تھی تو بہرحال لڑکی جس کی آنکھوں
ب سجائے گئے تھے اور سجانے والا خود ان کا دشمن ہو رہا تھا۔
ر کو ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے۔" کتنی دیر بعد اس نے سب مذاق سوچ کر خود کو سہارا دینے کی کوشش کی
ا مد تک اس میں کامیاب ہو کر خط دوبارہ لفافے میں بند کیا پھر اسے اپنی الماری میں چھپا کر کمرے سے نکلی

"کیا احمر بھائی نے ہر ایک پل کا احوال لکھ بھیجا ہے۔" صباحت نے اسے دیکھتے ہی چھیڑا تو وہ بس ذرا سا مسکرا سکی۔

"کم از کم مجھے تو پڑھوا دو۔ دیکھوں تو احمر بھائی نے اپنے جذبوں کو کس طرح۔"

"بکومت۔" وہ فوراً ٹوک کر بولی۔ "احمر کوئی دنیا سے نرالے تو نہیں ہیں جو ان کی تحریریں بھی انوکھی ہوں۔ وہی باتیں جو سب لکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی لکھی ہیں۔"

"سب کیا لکھتے ہیں، مجھے تو یہ بھی نہیں پتا۔" صباحت اس کی اندرونی کیفیات سے بے خبر شوخی سے باز نہ آئی۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ چڑ گئی تھی۔ بری طرح جھڑک کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی تو صباحت نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر موضوع بدلنے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

"اچھا سنو، تم نے سوٹ کیس بند کر دیا تھا یا ایسے ہی کھلا چھوڑ دیا ہے۔"

"پتا نہیں جا کر دیکھ لو۔" اس نے جیسے بادل نخواستہ جواب دیا تھا۔ اصل میں اب اس کا کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ احمر کے خط نے حقیقتاً اسے دکھ پہنچایا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ ایسی دل جلانے والی باتیں اس نے کبھی مذاق میں بھی نہیں کی تھیں۔ پھر اسے کیا ہو گیا تھا۔

"کہیں سچ مچ تو وہ۔" اس کا ذہن ان ہی باتوں میں الجھ رہا تھا۔ جب ہی صباحت کی مداخلت ناگوار گزر رہی تھی۔ اپنے کمرے میں بند ہونے کا وقت نہیں تھا۔ کیونکہ آسیہ آنے والی تھی اور اس کے آتے ہی سب نے یہاں سے روانہ ہونا تھا۔

ایک بار اس نے سوچا کہ وہ کوئی بہانہ کر کے اسلام آباد جانے سے منع کر دے لیکن اس خیال سے کہ بلا وجہ خوامخواہ سب کا موڈ خراب ہو گا۔ اس نے اپنی سوچ جھٹک دی پھر احمر کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش بھی کی لیکن وہ کچھ بجھ سی گئی تھی۔ اس کے بعد اسلام آباد جا کر ہی اس کا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ اب پتا نہیں جگہ کی تبدیلی نے اس کا دھیان بٹا دیا تھا یا کوئی اور بات جس سے وہ اپنے اصل رنگ میں آ گئی تھی۔

"اللہ مامی جی! آپ کا گھر کتنا خوب صورت ہے۔" سارا گھر دیکھنے کے بعد وہ سیما بھابھی کے پاس آ بیٹھی۔

"پتا ہے میں نے چھٹیوں میں مما سے کہا تھا کہ مجھے اور صبا کو آپ کے پاس بھیج دیں لیکن مما مانی ہی نہیں۔ وقت اگر میں آتی تو اتنے بہت سارے دن آپ کے گھر رہتی۔ سچ مجھے تو یہاں آ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"تم ابھی بھی بہت سارے دن رہنا۔" سیما بھابھی نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ مایوسی سے بولی۔

"اب نہیں رہ سکتی کیونکہ کالج کھلے ہیں اور اگلے مہینے سمسٹر بھی ہونے والے ہیں' البتہ آپ مما سے کہیں کہ وہ اس بار ہمیں چھٹیوں میں ضرور بھیجیں۔"

"پہلے بھی آسیہ کو منع تو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خیر اس بار میں خود تمہیں لینے آؤں گی۔" سیما بھابھی نے خوش کر دیا۔

"سچ مامی جی! بس جیسے ہی چھٹیاں ہوں گی میں آپ کو فون کر دوں گی اور آپ لینے آئیں گی تب تو مما منع نہیں کر سکیں گی۔"

"ہوں' اصل میں آسیہ تم دونوں کے بغیر رہ نہیں سکتی۔"

"ہم دونوں نہیں 'تینوں' نبیل بھائی کو بھی وہ کہیں نہیں جانے دیتیں۔" اس کے یاد دلانے پر سیما بھابھی بے ساختہ مسکرائیں۔

"ہاں تم تینوں۔"

"اور پتا ہے مامی جی میں۔" آسیہ کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"مدحو! تم یہاں بیٹھی ہو بیٹا! اماں جی نے تم سے کوئی کام کہا تھا۔" آسیہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"مجھ سے۔" اپنی طرف اشارہ کر کے اس نے سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا پھر نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں

بہت دیر سے مامی جی کے پاس ہوں اور اس سے پہلے لان میں تھی۔ اماں جی نے صبا سے کہا ہو گا۔"

"صبا سے کہتیں تو ان کا کام ہو چکا ہوتا۔" آسیہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"...نہ ہونے کا مطلب آپ نے سمجھ لیا کہ۔" وہ منہ پھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"...نے کیا سمجھ لیا بیٹا! جا کر اماں جی سے پوچھو' وہ بار بار تمہارا نام لے کر کہہ رہی ہیں کہ انہوں نے تم سے ... کا کہا تھا۔" آسیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دھیرج سے کہا تو چادر کے ساتھ ہی اسے اماں جی کا کام یاد آ گیا لیکن ... انجان ہی بننا تھا۔

"...معلوم کرتی ہوں اماں جی سے۔" وہ بظاہر سادگی سے کہہ کر کمرے سے نکلی تو اپنی بھول پر بجائے شرمندہ ...کے ہنستی ہوئی اماں جی کی چادر تلاش کرنے لگی جسے انہوں نے استری سے سکھانے کو کہا تھا اور اس نے ...کے مطابق جانے کس کونے میں ڈال دی تھی۔

"...ہا چاہیے؟" اشعر نے اسے اپنے کمرے میں آتے ہی متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے پا کر پوچھا تو وہ بے ...میں بولی۔

"...چادر۔"

"...رے رنگ کی؟" اشعر نے شرارت سے کہا۔

"...رے۔" وہ چونک کر اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ "نہیں اشعر بھائی! اماں جی کی چادر۔ وہ غالباً "براؤن کلر کی ... آپ نے دیکھی ہے۔"

"...صبح بلکہ دو روز سے ریلنگ پر پھیلی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ ابھی بھی وہیں ہو گی لیکن میرا خیال ہے ابھی تک ...نہیں ہو گی۔"

"...سکھانے ہی کے لیے اماں جی نے مجھے دی تھی اور میں پتا نہیں کہاں رکھ کے بھول گئی۔ خیر چھوڑیں۔" وہ ...ل کام چھوڑ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے سنا ہے آپ بھی باہر جا رہے ہیں۔"

"...ٹھیک سنا ہے۔"

"...یوں' میرا مطلب ہے' آپ کو تو یہاں اچھی جاب مل گئی ہے پھر کیوں جا رہے ہیں۔"

"...ی جاب پر جا رہا ہوں آفس کی طرف سے ایک سال کی ٹریننگ کے لیے اس کے علاوہ وہاں کچھ اور کرنے کا ...ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی ٹریننگ کے بعد وہاں مزید قیام کا خیال ہے۔" اشعر نے بہت سیدھے سادے انداز ...اس کی بات کا جواب دیا تھا۔

"...یہ تو آپ یہاں بیٹھ کر کہہ رہے ہیں ناں' وہاں جاتے ہی آپ کے ارادے بدل جائیں گے۔ ایک سے دو سال ...پھر۔"

"...یوں کیا احمر نے؟" اشعر نے اس کی بات کاٹی تو وہ بھی فوراً بولی تھی۔

"...نہیں مجھے نہیں پتا۔ میں تو بس سنی سنائی کہہ رہی ہوں کہ باہر جا کر لوگ گھر بار کیا اپنے آپ کو بھی بھول جاتے ...۔"

"...ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن تمہیں احمر پر بھروسا ہونا چاہیے۔" اشعر اس کا سر ہلا کر مسکرا دیا تو وہ کچھ ...کی ہو کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

...میں لڑکیاں ڈھولک پیٹنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی ثوبیہ چلائی۔

"...آ گئی۔ ڈھولک اسے دو۔ آؤ ناں مدحو۔"

"...سے اچھی میں بجا لیتا ہوں۔" ادھر سے گزرتے عمر نے رک کر فوراً "مداخلت کی تو مدیحہ اسے دیکھ کر ...

"...کو لڑکیوں میں بیٹھنے کا شوق ہے۔"

"...تو لڑکیاں کوئی غیر تھوڑی ہیں سب اپنی ہیں۔" عمر دھڑلے سے سب کے درمیان بیٹھ گیا اور ڈھولک پر

ہاتھ مارنے کے ساتھ شروع ہو گیا۔

"بہنا او بہنا! تیری ڈولی میں سجاؤں گا۔"

لڑکیاں تالیاں پیٹ کر اس کا ساتھ دینے لگیں تو وہ بھی رہ نہیں سکی فوراً" بیٹھ کر سب کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔

♥...♡...♥

اگلے روز سمیعہ رخصت ہو کر چلی گئی تو کچھ دیر رخصتی کے بعد کی فضا قائم رہی یعنی محسوس کی جاتی رہی تھی۔ خواہ کتنے لوگ ہوں پھر بھی پتا چلتا ہے کہ کوئی ایک چلا گیا ہے۔ ایسے ہی ساری افراتفری اچانک ختم ہو گئی۔ شام میں کپڑے بدلنے کے لیے جتنا شور اور جوش تھا۔ اب اتنی ہی خاموشی اور کاہلی۔ مدیحہ نے کپڑے بدل لیے لیکن اتارے ہوئے کپڑوں کو تہہ کر کے سوٹ کیس میں رکھنے کا کام صباحت کے سر ڈال دیا اور اس کے احتجاج سے پہلے ہی کمرے سے نکل کر آئی تو آگے سیما بھابھی نے چائے کی ٹرے اسے تھما دی۔

"بیٹا! یہ اپنے ماموں جی کے کمرے میں دے آؤ اور دیکھنا کپ کم ہوں تو آکر اور لے جانا۔"

"جی اچھا!" وہ ٹرے لیے شکیل بھائی کے کمرے میں آگئی اور آسیہ کے سامنے نبیل پر ٹرے رکھ کر پوچھنے لگی۔

"مما اور کپ چاہئیں؟"

"چائے دو گی سب کو تو پتا چلے گا۔" آسیہ کہہ کر بڑے بھیا کی طرف متوجہ ہو گئی۔ پہلے بھی وہ ان ہی کی بات کر رہی تھی۔ پتا نہیں کیا موضوع تھا اور وہ جتنا کام سے بھاگ رہی تھی اتنی پھنس گئی تھی۔ ایک ایک کپ میں چائے ڈال کر باری باری سب کو تھمائی گئی۔ آخر میں نبیل اور اشعر رہ گئے اور ادھر تھرماس خالی ہو گیا تو وہ اشعر کو دیکھ کر بولی۔

"آپ تو چائے نہیں پئیں گے ناں۔"

"تم نہ پلانا چاہو تو اور بات ہے۔" اشعر نے کہا۔ ساتھ ہی اسے چائے لانے کا اشارا بھی کیا تو وہ اسے گھورتی ہوئی تھرماس لے کر کچن میں آگئی۔

"مامی جی، کپ تو کم نہیں ہوئے، چائے کم ہو گئی ہے اور اب آپ کسی اور کے ہاتھ بھجوا دیں کیونکہ مجھے لاؤنج میں بلا رہی ہیں۔" وہ تھرماس سیما بھابھی کو تھما کر فوراً" کچن سے نکل کر کمرے میں آگئی۔ جہاں صباحت اور مدیحہ جوڑے جانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ دوسری طرف روبی، مریم اور رجا کے ساتھ مصروف تھی۔ عرار وہیں موجود تھے لیکن ان سب کی طرف ان کی پشت تھی اور کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے پتا نہیں کیا چیز دیکھ رہے تھے ادھر ٹی وی بھی آن تھا اور غالباً" سب ٹی وی ہی دیکھ رہے تھے، لیکن درمیان میں خبریں آجانے کے سب کی توجہ اس سے ہٹ گئی تھی۔

"اس بے چارے کو نہیں سننا تو بند ہی کر دو۔" وہ کہتی ہوئی ٹی وی بند کرنے کے ارادے سے اس کی طرف بڑھی تھی کہ روبی چیخ پڑی۔

"نہیں مدحو! بند نہیں کرنا۔ ابھی پروگرام کا بقیہ حصہ آئے گا۔"

"کوئی خاص پروگرام آرہا تھا؟"

اس نے پوچھا لیکن روبی پھر اپنی باتوں میں مصروف ہو گئی تھی، اس لیے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ ذرا سا اچک کر اپنے بیٹھنے کے لیے جگہ دیکھنے لگی تھی کہ شاہ سکندر کے نام پر اس کی نظریں فوراً" ٹی وی اسکرین پر ٹھہریں۔ کسی سیمینار کی جھلکیاں تھیں اور اب یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اکثر ہی خبرنامے میں کہیں شاہ سکندر کی جھلک نظر آجاتی تھی۔ جسے وہ اور صباحت اگر اکیلی ہوتیں تو شوق سے دیکھتی تھیں اور سب کی موجودگی میں انجان بن جاتیں۔ اس وقت سب موجود تو تھے لیکن اتفاق سے کوئی بھی متوجہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ شوق سے دیکھنے بھی لگی تھی۔ پھر جیسے ہی منظر بدلا اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے سوچا۔

"شاہ سکندر، یہیں اسلام آباد میں موجود ہیں۔"

"کیا بات ہے، تم ابھی سوئیں نہیں؟" شکیل بھائی کے کمرے سے نکلتے ہوئے آسیہ نے اسے دیکھا

تو وہ لاؤنج کی طرف اشارا کر کے بولی۔

"ابھی سوا گیارہ ہوئے ہیں مما اور میں اکیلی تو نہیں جاگ رہی، اندر سب ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔"

"سدھرتے نہیں ہو تم لوگ۔" آسیہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ تو وہ یونہی ٹہلتی ہوئی گلاس وال کے قریب آکھڑی ہوئی اور باہر لان میں جلتے ننھے ننھے رنگ برنگے قمقموں کو دیکھنے لگی شادی کا ہنگامہ سرد پڑنے کے ساتھ جانے کیوں ان کی روشنی بھی ماند پڑ گئی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" عقب سے نبیل کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا تو وہ ایک لمحہ کو ٹھٹکے پھر مسکرا کر بولے۔

"مدحو! کیا بات ہے یہاں کیوں کھڑی ہو اور باقی سب لوگ کیا سو گئے؟"

"نہیں، ٹی وی پر کوئی پروگرام آرہا ہے، شاید وہی دیکھ رہے ہیں۔" وہ جواب دے کر دوبارہ رخ موڑ گئی۔ تو کچھ توقف سے نبیل اس کے قریب آکر پوچھنے لگے۔

"تمہارا کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"ہاں، اپنے آپ سے، اب خدارا مطلب مت پوچھنے کھڑے ہو جائیے گا۔" اس کے لہجے میں اچانک تنفر در آیا تھا جسے محسوس کر کے نبیل خاموش ہو رہے کیونکہ جانتے تھے کہ وہ بہت جلدی ضبط کا دامن چھوڑ دیتی ہے۔

"نبیل بھائی!" کچھ دیر بعد اس نے خود ہی انہیں پکارا۔ "ایک بات مانیں گے۔"

"ہوں۔" نبیل بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ سوچتے ہوئے انداز میں ہوں کی آواز نکالی تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"وعدہ کریں۔ ٹالیں گے نہیں۔"

نبیل فوراً" کچھ نہیں کہہ سکے، کیونکہ انہیں حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کبھی اس طرح ان کے ساتھ راز دارانہ انداز میں باتیں نہیں کی تھیں نہ کبھی اپنا کوئی مسئلہ انہیں بتایا تھا۔

"میری جگہ اگر صبا ہوتی تو آپ فوراً" اس سے وعدہ کر لیتے۔ میری بات کیوں ماننے لگے آپ؟" وہ ان کی خاموشی سے مایوس ہو کر بولی۔

"نہیں، میں تم سے بھی وعدہ کر رہا ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے۔" نبیل نے چونک کر فوراً" کہا تو اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستہ آواز میں جلدی جلدی بولنے لگی تھی۔

"میں شاہ سکندر سے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز مجھے ان کے پاس لے چلیں، وہ یہیں اسلام آباد میں ہیں۔ میں نے نیوز میں انہیں دیکھا ہے۔"

نبیل نے کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا تھا ___ یہ لڑکی ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی نہ جگہ دیکھتی تھی نہ وقت، جب جس وقت جو بات دماغ میں سما جائے اور اسے سمجھانا بھی بہت مشکل تھا۔ وہ حقیقتاً" اندر سے پریشان ہو گئے تھے بمشکل خود پر قابو پا کر کہنے لگے۔

"مدحو، شاہ سکندر کوئی عام شخص نہیں ہیں۔ ان سے ملنے کے لیے پہلے اپائنٹمنٹ لینا پڑے گا اور یہاں اسلام آباد میں ان کا مستقل قیام نہیں ہے، کسی تقریب میں آئے ہوں گے اور ضروری نہیں کہ اب تک یہیں موجود ہوں۔ ان کی صبح کہیں ہوتی ہے شام کہیں۔ اتنا تو تم بھی جانتی ہو گی۔"

"میں جانتی تھی آپ اسی طرح مجھے ٹالیں گے۔" وہ ناراضگی سے بولی۔

"پاگل ہو تم سمجھنے کی کوشش کرو اور میرا یقین کرو، میں نے تم سے وعدہ کیا ہے ناں تو کراچی جا کر میں اپنی سی کوشش کروں گا کہ کسی طرح تمہیں ان سے ملوا سکوں۔ بس اس وقت تم اپنے دل سے یہ خیال نکال دو۔"

نبیل کے مضبوط لہجے پر وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر جیسے احسان کرتے ہوئے بولی۔

"بس۔ میں آپ کا یقین کر رہی ہوں لیکن اگر آپ نے کراچی جا کر مجھے چکر دینے کی کوشش کی تو۔"

"توبہ کرو۔ تمہیں کون چکر دے سکتا ہے۔"

نبیل نے فوراً" کان کو ہاتھ لگایا پھر اسے سونے کی تاکید کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے تو وہ بجائے ان کی بات عمل کرنے کے پھر گالا س وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ اصل میں احمر کے خط کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں ہو گیا تھا اور بہت کوشش کے بعد بس کچھ دیر کو ہی وہ اپنا دھیان ہٹا پاتی اس کے بعد پھر اسے یہی سوچنے لگتی کے اندر توہین کا احساس انگڑائیاں لینے لگتا اور یہ اس کے اپنے احساسات تھے اپنی سوچ تھی اور شاید لاشعوری طور پر وہ فرار بھی ڈھونڈ رہی تھی۔

پھر اگلے روز سمیعہ کے ولیمے سے فارغ ہوتے ہی اس نے واپسی کی رٹ لگا دی۔ حالانکہ سیما بھابھی کے اصرار پر آسیہ مزید دو تین روز قیام پر آمادہ ہو چکی تھی لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہیں آئی اور منوا کر رہی تھی۔

♥—♡—♥

اسلام آباد سے آنے کے چوتھے روز صباحت کو فون کرنے کا موقع ملا تھا۔ مدیحہ سونیا کے ساتھ اس کی کسی دوست کے ہاں گئی ہوئی تھی اور نبیل ابھی نکلے تھے۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد وہ آکر علی جہانگیر کے نمبر ڈائل کرنے لگی' دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے بولی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"صباحت!" وہ خوشگوار سے احساس میں گھر کر بولا۔ "آپ کیسی ہیں اور یہ آپ نے آنے میں اتنے دن کیوں لگا دیئے۔"

"نہیں' آ تو میں تین چار روز پہلے ہی گئی تھی لیکن خیر چھوڑیں یہ بتائیں آپ کی سسٹر کیسی ہیں؟" وہ فوراً" بات بدل گئی۔

"بالکل ٹھیک اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں بتائیں کیا کروں' اسے سیدھا آپ کے گھر لے آؤں یا۔"

"اف نہیں۔" وہ گھبرا کر فوراً" بولی تھی۔ "گھر آنے کی بات نہیں کریں پلیز آپ کی سسٹر اگر میری کالج میں ہوتیں تب تو بات بن سکتی تھی۔"

"پھر آئی مین' بات کیسے بنے گی۔ میں نے اپنی والدہ اور بہن کو دبئی سے بلایا ہی اسی مقصد کے لیے ہے کہ سلسلہ آگے بڑھے اور میری والدہ تو صبح شام مجھے ٹوکتی ہیں کہ میں کب انہیں آپ کے گھر لے کر جاؤں گا۔" علی جہانگیر نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مزید پریشان ہو گئی اور سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے تو قدرے توقف سے وہ کر پوچھنے لگا۔

"ہیلو صباحت! کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے؟"

"نہیں مجھے کچھ پتا نہیں۔" وہ عاجزی سے بولی۔

"کیا پتا نہیں؟"

"جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں۔ آپ کی والدہ اور بہن اس طرح کیسے آسکتی ہیں میرا مطلب بغیر کسی جان پہچان کے۔ مما تو فوراً" مجھ سے پوچھیں گی تب بتائیں میں کیا کہوں گی ان سے۔" اس نے ابھی اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا۔ جب ہی اتنی پریشان ہو گئی تھی۔

"آپ اتنا ڈر کیوں رہی ہیں۔ پرپوزل آنا کوئی انہونی بات تو نہیں ہے۔ کوئی بھی آسکتا ہے یا آپ کی ممی نے پرپابندی لگا رکھی ہے۔" علی جہانگیر نے دھیرج سے کہا۔

"پتا نہیں۔" وہ جزبزسی ہو گئی تھی۔ لہجہ بھی روٹھا ہوا تھا۔

"ارے آپ تو برا مان گئیں۔ چلیں جانے دیں۔ میں خود ہی کوئی ایسی راہ نکالوں گا جس میں آپ کی ممی سے نہ پوچھیں او کے۔" علی جہانگیر نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے اطمینان دلایا پھر کہنے لگا۔ اب آپ میری بات مان لیں اگر کوئی مشکل نہ ہو تو کل لائبریری آجائیں۔ ٹھیک پانچ بجے میں وہیں ملوں گا۔"

ٹھیک پانچ بجے اگر میں وہاں نہیں پہنچی تو سمجھ لیجیے گا کہ بہت چاہنے اور بہت کوشش کے باوجود نہیں آ سکی۔" جانے کیسے کچھ ترنگ میں کہہ گئی پھر فوراً" کریڈل پر ہاتھ بھی رکھ دیا۔ اس کے بعد ریسیور رکھتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

♥—♡—♥

اگلے روز کالج سے آتے ہی اسے شام کی فکر ہو گئی تھی۔ گو کہ لائبریری کے نام پر ثوبیہ فوراً" ساتھ چلنے کو تیار ہو جاتی لیکن اس کی موجودگی میں وہ علی جہانگیر سے بات نہیں کر سکتی تھی جبکہ عمر اسے لائبریری تک چھوڑ کر چلا جاتا پھر بعد لینے پہنچ جاتا تھا' اس لیے اس نے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا پھر نیچے چلی آئی تاکہ کسی طرح بات کر سکے۔

"تم ٹیوشن پڑھانے کس وقت جاتے ہو۔" اس نے عمر کے ریک میں جھانکتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا لیکن وہ بھی ایک کائیاں تھا فوراً" بولا۔

"تمہیں نہیں لے جاؤں گا۔"

"کیا مطلب میں نے کہاں جانے کی بات کی ہے۔" وہ ریک چھوڑ کر اس کی طرف گھومی تو وہ ہنس رہا تھا۔

"سب سمجھتا ہوں میں۔ اس وقت سونا چھوڑ کے میرے پاس آنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ تمہیں کہیں جانا ہو گا۔"

"تو تم نہیں لے جاؤ گے۔" اس نے اس انداز سے کہا جیسے سوچ لو تمہیں بھی کام پڑیں گے۔

"جانا کہاں ہے؟" عمر نے بھی سمجھ کر فوراً" ہتھیار ڈال دیے کیونکہ ضرورت کے وقت وہی اس کے کام آتی تھی۔

"پہلے بتاؤ' لے جاؤ گے یا نہیں۔"

"یار ایک تو تم۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "لے جاؤں گا۔ افق کے اس پار کہو گی تو وہاں بھی لے جاؤں گا۔"

"بس تو جاتے ہوئے مجھے پکار لینا۔ کتنے بجے جاؤ گے؟" وہ خوش ہو کر بولی۔

"ساڑھے چار اور ایسا کرتا ہوں میں ایک گھنٹہ سو لیتا ہوں تم آکر مجھے اٹھا دینا اور یہ ذرا پردے برابر کر دو۔" عمر پلٹ گیا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ پردے برابر کر کے اس کے کمرے سے نکل آئی۔

ثوبیہ سو رہی تھی' اس لیے اس نے نبیل کو عمر کے ساتھ لائبریری جانے کا بتا دیا اور ٹھیک ساڑھے چار بجے عمر کے ساتھ نکلی تھی۔ دس منٹ کا راستہ تھا یوں اپنے تئیں وہ علی جہانگیر سے پہلے پہنچ گئی تھی۔ لیکن اسے موجود دیکھ کر اس نے بے اختیار اپنی گھڑی پر نظر ڈالی تو وہ مسکرا کر بولا۔

"پانچ بجنے میں سترہ منٹ۔"

"اوہ۔" کلائی نیچے گرا کر وہ بھی ذرا سا مسکرائی پھر ایک الماری کی طرف اشارا کر کے اس طرف بڑھنا چاہتی تھی کہ علی جہانگیر کے عقب سے نکل کر ایک لڑکی اس کے سامنے آگئی۔

"یہ میری سسٹر ہے۔ رابعہ۔" علی جہانگیر نے تعارف کرایا تو وہ کچھ نروس سی ہو گئی۔ اس لیے فوراً" کوئی پیش رفت نہیں کر سکی۔ نہ سلام نہ ہاتھ بڑھایا۔

"شاید آپ کو مجھے دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی لیکن میں بہت خوش ہوئی ہوں۔" رابعہ نے اس کے خاموشی سے ... قدرے جتا کر کہا۔

"... ہے۔" وہ بمشکل سنبھل کر بس اسی قدر کہہ سکی۔

"... کہیں اور چلتے ہیں' یہاں تو۔" رابعہ نے اطراف میں دیکھ کر لوگوں کے ڈسٹرب ہونے کا اشارا کیا۔

"... میں اور کہیں نہیں جا سکتی۔ میرا بھائی مجھے یہیں لینے آئے گا۔" اس نے کہہ کر علی جہانگیر کو دیکھا تو وہ

سمجھ کر رابعہ کو ٹوکتے ہوئے بولا۔
"رابعہ! میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ یہ اکیلی کہیں نہیں جاتیں۔"
"ہمارے ساتھ اکیلی کہاں ہوں گی' کیوں صباحت۔" رابعہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ اندر ہی اندر۔۔۔
بولی۔
"آپ سمجھیں نہیں۔ اصل میں مجھے لائبریری کے علاوہ اور کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے اور یہاں
بھی میں بھائی کے ساتھ آتی ہوں۔"
"چلو تم وہاں جاکر بیٹھو۔" علی جہانگیر نے اکتا کر رابعہ کو ٹیبل کی طرف دھکیل دیا پھر اسے دیکھ کر بولا۔
اس کی باتوں کو مائنڈ نہیں کیجیے گا۔"
"آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ آپ کی سسٹر بھی ساتھ ہوں گی۔" وہ اس کی بات ان سنی کر کے آگے بڑھتی
بولی۔
"کل تک ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس ابھی آتے ہوئے سوچا' اسے آپ سے ملوا ہی دوں۔ بہت ضد
رہی تھی اگر آپ کو اس کا آنا اچھا نہیں لگا تو۔"
"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" وہ فوراً بول پڑی۔ "بس میں اچانک کسی بات کو فیس نہیں کر سکتی۔"
"چلیں' آئندہ خیال رکھوں گا۔"
"تھینک یو۔" وہ دوسری رو میں مڑ کر ریک دیکھنے لگی اور پھر جس کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اس۔
ہی علی جہانگیر نے کھینچ لی اور کھول کر اوپر سے نیچے تک پورے صفحے پر نظر ڈالی پھر دھیمی آواز میں پڑھتے ہو۔
کے چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

کبھی یوں ملیں کوئی مصلحت کوئی خوف دل میں ذرا نہ ہو
مجھے اپنی کوئی خبر نہ ہو۔ تجھے اپنا کوئی پتا نہ ہو
کبھی دھوپ دے کبھی بدلیاں دل و جاں سے دونوں قبول ہیں
مگر اس محل میں نہ قید کر جہاں زندگی کی ہوا نہ ہو
تیرے اختیار میں کیا نہیں۔ مجھے اس طرح سے نواز دے
یوں دعائیں میری قبول ہوں میرے لب پہ کوئی دعا نہ ہو

♥۔۔♡۔۔♥

عمر پھر احمر کا خط لہراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔
مدحیہ نے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ پہلے وہ چائے کا مطالبہ کرے گا' اس کے بعد بھی بہت عاجز کر کے خط
گا۔ اس لیے پہلے ہی بول پڑی۔
"سنو' مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا۔ میں چائے تو کیا تمہیں پانی بھی نہیں پلاؤں گی۔ بے شک خط
رکھو۔"
"یعنی تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" عمر خجل سا ہو گیا تھا۔
"بالکل نہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔
"یہ' یہ سراسر زیادتی ہے مدحو کہ بڑے بھائی تو تمہیں اتنا مانتے ہیں اور تمہیں کوئی پروا ہی نہیں
احتجاج کیا۔
"تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے' سمجھے۔" وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔" خط دینا۔
یہاں سے کیونکہ میں اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔"
"میں کوئی بحث نہیں کر رہا' بس اتنا بتا دو کہ محض چائے پلانے کے ڈر سے تم ایسا کہہ رہی ہو یا وا

دلچسپی نہیں؟" عمر ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
"تم جو بھی سمجھ لو۔" اس نے لاپروائی سے کہہ کر الماری کھول لی اور خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔
"میں کیوں سمجھ لوں۔ سمجھنے والے تمہیں نہ سمجھے۔" عمر خط اس کی طرف پھینک کر کمرے سے نکل گیا تو اس
نے ذرا" الماری بند کر کے اپنے پیروں کے پاس سے لفافہ اٹھا لیا پھر بھاگ کر عمر کو پیچھے سے پکارا۔
"سنو عمر!"
عمر نے پلٹ کر دیکھا تو اسی کے انداز میں لفافہ لہرا کر ہنستی ہوئی بولی۔
"تھینک یو"
عمر منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا سیڑھیاں اتر گیا تو اس نے دوبارہ کمرے میں آ کر دروازہ بند کر لیا اور لفافے کو الٹ پلٹ
دیکھنے لگی' جیسے کھولنا بھی چاہتی ہو اور نہیں بھی کیونکہ گزشتہ خط سے وہ ابھی تک تپی ہوئی تھی اور اب پتا نہیں
اس نے کیا لکھا تھا۔ متجسس ہونے کے باوجود اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ کھول کر پڑھے۔ شاید اس لیے کہ
اس نے ہمیشہ خود کو تسلیم کروایا تھا اور اب اپنی ذات کی ذرا سی نفی بھی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ کتنی دیر
سوچنے اور ادھر سے ادھر ٹہلنے کے بعد اس نے لفافہ چاک کیا تھا۔
"پہلے میں نے تمہارے جواب کا انتظار کیا مدحو! لیکن پھر تمہاری بات یاد آئی کہ تمہیں ایک خط لکھنے میں کتنا
وقت لگے گا۔ ویسے میں نے کوئی جواب طلب بات لکھی بھی نہیں تھی۔ بس اپنی کیفیات بیان کر ڈالیں جنہیں
پڑھ کر پتا نہیں تمہاری کیا کیفیت ہوئی۔ تم نے میرا مذاق اڑایا یا مجھ پر غصہ آیا۔ یہ ضرور لکھنا تاکہ آئندہ میں محتاط
ہو جاؤں۔"
اور ہاں ثوبیہ نے مجھے سمیعہ کی شادی کی تصویریں بھیجی ہیں ان میں تمہاری دو تصویریں ہیں۔ دونوں میں صبا اور
تم ساتھ ساتھ ہو۔ اور میں تم سے یہ کہوں گا مدحو کہ تم مصنوعی کے بجائے چاہے صبا کا اصلی تل نوچ کر اپنے چہرے
پر سجا لو پھر بھی صبا نہیں بن سکتیں۔ آئندہ ایسی کوشش نہیں کرنا اور اگر تمہیں صبا بننے کا اتنا ہی شوق ہے تو۔
"مائی فٹ۔ میں کیوں صبا جیسی بننے لگی۔ میسنی' جی حضوری کرنے والی۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔"
اس نے بے حد تلملا کر خط پھاڑ ڈالا اور کتنی دیر اپنے آپ کھولتی رہی پھر اپنے آپ نارمل بھی ہو گئی اور خط کے
ٹکڑے دیکھ کر پہلے حیران پھر پریشان سی ہو کر انہیں جوڑنے کی کوشش کرنے لگی تھی کہ دروازے پر دستک کے
ساتھ صباحت کی آواز آئی۔ وہ تشویش سے پوچھ رہی تھی۔
"مدحو! دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے۔"
اس نے جلدی سے سارے ٹکڑے اکٹھے کر کے لفافے میں ڈالے اور لفافہ الماری میں چھپانے کے بعد
دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔
"زندہ ہوں' مری نہیں ہوں۔"
"مریں تمہارے دشمن۔" صباحت اندر آتے ہوئے بولی۔
"جانتی ہو۔ میرے دشمن کون ہیں؟" اس نے قدرے شوخی سے دیکھا تو صباحت چیخ پڑی۔
"خبردار جو اس گھر کے کسی فرد کے نام لیا تو۔"
"ہاہاہا۔" وہ ہنستی ہوئی بیڈ پر جا گری۔ پھر کہنی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر ٹکاتی ہوئی صباحت کو متوجہ کر کے پوچھنے
لگی۔
"سنو' کبھی تم نے یہ خواہش کی ہے کہ تم میرے جیسی ہوتیں۔ یعنی تمہاری سوچیں' تمہاری عادات سب مجھ
جیسی ہوتیں۔"
صباحت نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تو وہ ایک دم بپھر کر اٹھ بیٹھی۔
"مجھے بھی ایسا کوئی شوق نہیں ہے کہ میں مدحیہ کے بجائے صباحت نظر آؤں اور تمہاری طرح ہر ایک کی خوشی
کی پروا کرتی پھروں۔"

"تو تم سے کس نے کہا ہے ایسا کرنے کو۔" صباحت نے الجھ کر پوچھا۔

"کسی نے نہیں لیکن چاہتے سب یہی ہیں۔ میں جانتی ہوں۔"

"کوئی نہیں۔ مجھے تو کبھی کسی نے نہیں کہا۔ تم پتا نہیں کیوں اپنے آپ سب سے خفا سی ہو جاتی ہو۔ سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ابھی بھی نیچے تمہارا ذکر ہو رہا تھا پتا ہے' مامی جی کیا کہہ رہی تھیں کہ وہ بھی وہ تمہارے جیسی لڑکی ڈھونڈیں گی۔" صباحت کے سیدھے سادے انداز پر وہ مزید چڑ کر بولی۔

"تم اسے میری تعریف سمجھ رہی ہو۔"

"تعریف ہی کر رہی تھیں مامی جی کہ مجھے مدحو جیسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔"

"ہونہہ!" اس نے نخوت سے سر جھٹکا تو صباحت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

"ویسے اس وقت تمہیں کس بات کا غصہ ہے۔ نیچے تو تم گئیں نہیں پھر نبیل بھائی نے کچھ کہا ہے۔"

"نبیل بھائی ہوتے کہاں ہیں آج کل۔ مجھے تو بس کھانے پر ہی نظر آتے ہیں۔" اس نے کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "ہوں اب سمجھی۔ مجھ سے کتراتے ہیں نبیل بھائی۔"

"کیوں' تم سے کیوں کترائیں گے؟" صباحت کو اس کا پل پل بدلتا موڈ سمجھ میں آرہا تھا نہ اس کی باتیں۔

"بس ہے ایک بات' تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے میں آج نبیل بھائی سے نمٹ لوں۔" وہ پہلے صبا دیکھ کر بولی پھر اپنے آپ جانے کیا بڑبڑانے لگی تھی۔

علی جہانگیر بہت خاموشی سے رابعہ کی باتیں سن رہا تھا جو وہ صباحت کے بارے میں اپنی ماں سے کہہ رہی

"ہے تو پیاری لیکن کچھ مغرور سی لگتی ہے یا پھر میرے سامنے پوز کر رہی تھی زیادہ بات ہی نہیں کی اور بھی مجھے ٹوک کر ایک طرف بٹھا دیا تھا ورنہ میں اس سے اس کی ماں کی عادات اور مزاج کا ضرور پتا چلاتی۔"

"کیوں اس کی والدہ کے مزاج سے تمہیں کیا لینا دینا۔" علی جہانگیر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا تو اس سے پہلے عارفہ بیگم بول پڑیں۔

"کیوں نہیں ہے' پہلے تو ہمارا اس سے واسطہ پڑنا ہے۔ بقول بابا جان کے بڑی چالاک عورت ہے۔ تمہارے ابا کا کہنا ہے کہ بس پڑھی لکھی سمجھ دار ہے جیسے شہر کی دوسری عورتیں نظر آتی ہیں اور اس کے بھی عام سے ہیں۔" عارفہ بیگم کچھ ناگواری سے کہہ رہی تھیں کہ فون کی بیل پر خاموش ہو گئیں۔

علی جہانگیر نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف بابا جان تھے۔

"السلام علیکم بابا جان!"

"جی ابا کا فون آیا تھا' انہوں نے امی کو ساری بات سمجھا دی ہے۔"

"میں بس ابھی لے جا رہا ہوں امی اور رابعہ کو بھی۔"

"جی' جی اچھا۔"

"خدا حافظ!" اس نے ریسیور رکھ کر گھڑی پر نظر ڈالی پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"چلیں امی' ڈاکٹر آسیہ آچکی ہوں گی۔"

عارفہ بیگم اپنی چادر سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں پھر رابعہ کے ساتھ آگے بڑھی تھیں۔

کچھ دیر بعد علی جہانگیر کی گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی آسیہ کے کلینک کے گیٹ پر رکی تھی۔

"تم یہیں رک کر انتظار کرو گے بیٹا؟" عارفہ بیگم نے اترتے ہوئے علی جہانگیر سے پوچھا۔

"اب پتا نہیں آپ کو کتنی دیر لگے۔ اگر جلدی فارغ ہو گئیں تب۔" علی جہانگیر خود نہیں سمجھ پایا کرنا چاہیے۔

"ٹھیک ہے پھر تم یہیں رکو۔" عارفہ بیگم خود انتظار کی زحمت سے بچنے کے لیے اسے انتظار میں چھ کے ساتھ گیٹ میں داخل ہوئیں پھر برآمدے سے آگے راہداری اس کے بعد کاؤنٹر سے نمبر لے کر آ میں اطمینان سے دھنس کر بیٹھ گئیں اور بہت تیکھی نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لینے لگیں۔ جبکہ را

ہو گئی تھی۔ اس کے اندر ایک تجسس سا جاگ اٹھا تھا۔ گلاس وال سے اندر آسیہ کو دیکھ کر فوراً" عارفہ بیگم کر سر گوشی میں بولی۔

"وہ دیکھیں ڈاکٹر؟ کیا یہی سکندر چاچا کی؟"

"چپ۔" عارفہ بیگم نے بری طرح اسے گھورا تو وہ بسور کر بولی۔

"ون سا سن رہی ہیں۔"

"بھی سکتی ہے اور تم اگر چپ نہیں بیٹھ سکتیں تو جاؤ بھائی کے پاس۔" عارفہ بیگم نے اسے مزید ڈانٹ بھی ن پر وہ خاصی ناراض سی ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگی' اور کافی دیر بعد ان کی باری آئی تھی۔

بیگم اپنے قدرے بھاری وجود کے ساتھ کھڑی ہوئیں اور پھر پہلے رابعہ کو آگے کر کے اس کے پیچھے آسیہ کے میں داخل ہوئی تھیں۔

نے اپنے پیشہ ورانہ انداز میں دونوں ماں بیٹی کو دیکھتے ہوئے رابعہ کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے تھ ہی ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا تو رابعہ اس کے قریب بیٹھ کر عارفہ بیگم کو یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی کے بارے میں وہی بتائیں گی۔

!" آسیہ بھی عارفہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میری بیٹی ہے۔ کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے۔ دیکھیں' کتنی کمزور ہو رہی ہے۔"

رفہ بیگم نے خاصی تشویش کے ساتھ کہا تو آسیہ رابعہ کو دیکھ کر ذرا سا مسکرائی پھر اس کی کلائی تھام کر اپنے انداز میں پوچھنے لگی۔

"یوں' ناشتا کیوں نہیں کرتیں؟" آسیہ کے نرم لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اس لیے کہ میں اٹھتی ہی بارہ بجے ہوں اس وقت اگر ناشتہ کروں گی تو دوپہر کا کھانا رہ جائے گا' پھر امی کو یہ فکر ہو میں کھانا نہیں کھاتی۔"

"تو آپ کی یہ روٹین کیوں ہے۔ پڑھتی نہیں ہو۔"

"پڑھ لیا' اس نے بی اے کا امتحان دیا ہے اور اب تو اس کی شادی کریں گے۔" رابعہ کے بجائے عارفہ بیگم نے بتایا تو آسیہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

"پرابلم اسے کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ بچے جہاں پڑھائی ختم ہوئی اپنی روٹین خراب کر لیتے ہیں۔ اسے دیر تک سونے سے باز رکھیں پھر یہ خود ہی سب کھائے پیئے گی اور بیٹا! آپ خود سمجھ دار ہو' آپ کو اپنی پریشان نہیں کرنا چاہیے۔" آسیہ نے آخر میں رابعہ کو دیکھا تو وہ اکتائی ہوئی بولی۔

"امی تو بس یونہی پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"کیا کروں' ماں جو ہوں۔" عارفہ بیگم اٹھ کر رابعہ کی جگہ پر آبیٹھیں اور اپنی تکلیف بتانے لگیں۔

"میری ٹانگوں میں بہت درد رہتا ہے۔ خاص طور سے ایڑیوں میں۔" آسیہ نے پوری توجہ سے ان کی تکالیف پھر پین اٹھا کر میڈیسن لکھنے سے پہلے پوچھا۔

"نام؟"

"بیگم عارفہ جہانگیر۔" عارفہ بیگم کے لہجے میں جانے کیسا تفاخر سمٹ آیا تھا۔

"بیگم عارفہ جہا۔" آسیہ کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا تھا۔ چلتا ہوا قلم رک گیا اور بے اختیار انہیں دیکھ کر تھا۔

"آپ شاہ پور سے آئی ہیں؟"

❁ ❁ ❁

"یہ کہاں یہیں کراچی میں ہے؟" عارفہ بیگم نے انتہائی معصوم بن کر پوچھا۔

آسیہ فوراً جواب نہیں دے سکی تو قدرے توقف سے عارفہ بیگم خود ہی کہنے لگیں۔
"ہم تو یہاں کلفٹن روڈ پر رہتے ہیں۔ وہ بھی ابھی دو مہینے ہوئے ہیں یہاں آئے ہوئے۔ اس سے پہلے دبئی میں تھے۔ میرے میاں ابھی بھی وہیں ہیں ان کا اپنا بزنس ہے۔ اب سالوں سے وہاں جمے ہوئے ہیں یہاں تو نہیں آسکتے نا۔ میں اپنے بیٹے اور اس بیٹی کی وجہ سے آ گئی ہوں۔ اس کی منگنی یہاں چچا کے گھر میں کی ہوئی ہے بیٹے کے لیے کسی اچھی لڑکی کی تلاش میں ہوں۔ مل جائے تو پھر انشاء اللہ دونوں کی ساتھ ساتھ شادی کر دوں گی۔"
آسیہ بالکل غیر ارادی طور پر ان کی باتیں سننے لگی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئیں تو یونہی سرہلا کر پرچے پر لکھنے لگی پھر صفحہ پھاڑ کر انہیں تھما کر بولی۔
"آپ یہ میڈیسن ایک ہفتہ استعمال کریں اس کے بعد میرے پاس آیئے گا۔ اگر ضرورت ہوئی تو اور دوں گی۔"
"میں نے دبئی میں بہت علاج کرایا۔ جب تک دوا استعمال کرتی درد میں کمی ہوتی اور جہاں دوا چھوڑی پھر وہی تکلیف۔ آخر کہاں تک دوا کھاؤں تنگ آ گئی ہوں۔" عارفہ بیگم نے کہا۔
"اب انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔" آسیہ نے کہہ کر بیل کا بٹن پش کیا تو رابعہ اگلے مریض کی آمد کا اشارہ سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ماں کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔
"اچھا ڈاکٹر صاحبہ! میں پھر ایک ہفتے بعد آؤں گی۔" عارفہ بیگم اٹھتے ہوئے بولیں اور آسیہ کے متوجہ ہونے سے پہلے ناک سکیڑتی ہوئی رابعہ کے ساتھ باہر آ گئیں۔
علی جہانگیر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے اطمینان سے کھڑا تھا۔ انہیں آتے دیکھ کر بھی اس نے کسی جنبش کا مظاہرہ نہیں کیا تو رابعہ نے خود ہی گاڑی کا دروازہ کھول کر پہلے عارفہ بیگم کو بٹھایا پھر دوسری طرف سے اپنے لیے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے بولی۔
"بھائی! کیا یہیں ڈیرا ڈالنے کا ارادہ ہے۔"
"ہیں!" علی جہانگیر نے چونک کر اسے دیکھا پھر جلدی سے دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور بہت متجسس ہونے کے باوجود خود کو فوراً کچھ پوچھنے سے باز رکھ کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اسپیڈ سے مین روڈ پر لے کر آیا تھا کہ عارفہ بیگم اپنے آپ بولنے لگیں۔
"تو یہ کیسی چالاک عورت ہے۔ بابا جان نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ وہ تو شکر ہے میں پہلے سے تیار تھی ورنہ معاملہ ختم ہو جاتا۔ ہے نا رابعہ؟"
"ہوں۔" رابعہ زور زور سے اثبات میں گردن ہلانے لگی۔
"کیا کیا ہوا تھا؟" علی جہانگیر اب رہ نہیں سکا۔ اسپیڈ آہستہ کر کے مڑ میں عارفہ بیگم کو دیکھ کر پوچھ لگیں۔
"بہت تیز عورت ہے۔ میں نے جیسے ہی اپنا نام بتایا، پوچھنے لگی شاہ پور سے آئی ہیں۔ بتاؤ بھلا کوئی بات تو نہیں ہے سالوں گزر گئے۔ سکندر نے بھی کبھی اس کے سامنے میرا ذکر کیا ہوگا تو نام نہیں لیا ہوگا۔ جہانگیر بھی ایک صرف تمہارے باپ کا نام تو نہیں ہے پھر بھی وہ ٹھٹھک گئی تھی۔"
"اور آپ، آپ نے کیا کہا؟" علی جہانگیر نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔
"ارے بھائی! امی نے تو کمال کر دیا۔" رابعہ فوراً بول پڑی۔ خاصا پرجوش انداز تھا۔ "حالانکہ میں ... لیکن امی نے اتنے سکون سے جواب دیا کہ ڈاکٹر آسیہ تو کیا اس کا ..."
علی جہانگیر نے تنبیہی نظروں سے رابعہ کو دیکھا جس سے وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔
"ایک ہفتے بعد بلایا ہے۔ اب دیکھو، کتنے عرصے میں بات بنتی ہے۔ ادھر بابا جان اتنے بے صبر ہو رہے ہیں۔ جلدی میں معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔ یہ بات تم بابا جان کو سمجھا دینا۔"
عارفہ بیگم کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگیں۔

...ہانگیر نے صرف سرہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

...ٹھنوں پر "خوشبو" کھولے بڑے انہماک سے اس پر جھکی ہوئی تھی۔

اپنی رسوائی تیرے نام کا چرچا دیکھوں
اک ذرا شعر کہوں اور کیا کیا دیکھوں
نیند آجائے تو کیا محفلیں برپا دیکھوں
آنکھ کھل جائے تو تنہائی کا صحرا دیکھوں
تو میرا کچھ نہیں لگتا ہے مگر جان حیات
جانے کیوں تیرے لیے دل کو دھڑکتا دیکھوں
بند کر کے میری آنکھیں وہ شرارت سے ہنسے
بوجھے جانے کا میں ہر روز تماشا دیکھوں

...آمد خاموشی سے ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اسٹک کی آواز اس کے بعد وہ کرسی کھینچ کر بیٹھے لیکن وہ اتنی ...اسٹک کی آواز پر چونکی نہ کرسی کھینچے جانے پر، نبیل اسے متوجہ کرنے لگے تھے کہ پھر کسی خیال سے ...بہت خاموشی سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھنے لگے۔ کتنے لمحے یوں سرکے کہ اسے نبیل تو کیا شاید ...ں تھی۔ پھر صفحہ پلٹتے ہوئے سر اونچا کیا تو نہ صرف اچھل پڑی بلکہ بری طرح سٹپٹا بھی گئی تھی۔
...ئی! آپ۔ آپ کب آئے؟"
...ے تمہیں میری آمد کا پتا نہیں چلا۔" نبیل بلا ارادہ جتا گئے۔
...ئے ہی اتنی خاموشی سے۔" اس نے بھی بے ساختہ کہا لیکن فوراً احساس بھی ہو گیا۔ "نہیں شاید ...تھی۔"
...ت دنوں سے دیکھ رہا ہوں، اتنی مگن ہو کہ اپنے آس پاس کی کچھ خبر ہی نہیں۔ کوئی نئی کتاب ہاتھ آ گئی ...بات کو پرانی کتابوں میں ڈھونڈنے لگی ہو۔" نبیل نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور مسکرائے

..." وہ گھبرا گئی "میرا مطلب ہے۔ نئی بات کیا ہو سکتی ہے اور کتاب بھی نئی نہیں ہے۔ یہ دیکھیں،

...کی تعریف کرو۔" نبیل نے کتاب اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا تو اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں ...چنے کے بعد معذوری ظاہر کی۔
...لتی البتہ محسوس کر سکتی ہوں۔"
...یں بظاہر کتاب پر تھیں لیکن سارا دھیان اس کی طرف تھا۔ اس کی بات سن کر کچھ بولے نہیں تو ...سے وہ انہیں متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔
...مدجو نے آپ سے کوئی کام کہا تھا؟"
...ں؟" نبیل کو جانے یاد نہیں تھا یا قصداً انجان بن کر پوچھا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولی۔
وہ کہہ رہی تھی کہ آپ نے اس کا کام نہیں کیا، جب ہی اس سے کترا رہے ہیں۔"
وہ جو کام اس نے کہا ہے، وہ اتنا آسان نہیں ہے پھر بھی میں کوشش کر رہا ہوں۔" نبیل نے ناراضگی

...ہے، مجھے بتائیں۔" اس نے عادت کے مطابق فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔
...یسے۔" نبیل کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے پھر گہری سانس کھینچ کر بولے۔ "مدجو بڑی جلدی بدگمان

ہو جاتی ہے حالانکہ میں اپنی سی پوری کوشش کر رہا ہوں۔"

"کس بات کی، مجھے بھی تو بتائیں یا مدحو نے منع کیا ہے آپ کو۔" اس نے الجھ کر کہا۔

"نہیں اس نے تو منع نہیں کیا۔" نبیل نے پرسوچ انداز میں کہہ کر اسے دیکھا۔

"پھر آپ کیوں چھپا رہے ہیں۔"

"بے وقوف! چھپا نہیں رہا بس یہ کہ تم بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہو' اس لیے فی الحال تمہیں بتانا نہ چاہتا۔"

"نہیں' میں پریشان نہیں ہوں گی۔" وہ فوراً بولی تھی۔ "جلدی سے بتائیں کیونکہ آپ نے مجھے تجسس میں مبتلا کر دیا ہے اور جب تک میں جان نہیں لوں گی مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وہی اسے شاہ سکندر کے بارے میں جاننے کا دورہ پڑا ہے۔" نبیل نے بے سرسری انداز میں کہا تو وہ ناگواری سے بولی۔

"اب اور کیا جاننا چاہتی ہے وہ۔ مما نے سب بتا تو دیا ہے۔"

"ان کا اتا پتا تو نہیں بتایا اور وہی جاننا چاہتی ہے وہ۔" نبیل کا انداز ہنوز تھا جس پر وہ چیخ گئی۔

"یعنی آپ کے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں ہے اور مزید کوشش بھی کر رہے ہیں اتا پتا معلوم کرنے کی۔ اس کے بعد کیا ہو گا یہ سوچا ہے آپ نے۔"

نبیل خاموشی سے اسے دیکھتے رہے بولے کچھ نہیں۔

"نہیں نبیل بھائی! آپ مدحو کا یہ کام نہیں کریں گے' اگر مما کو معلوم ہو گیا تو انہیں بہت دکھ ہو گا اور یہ بات ہمیشہ آپ مجھے اور مدحو کو سمجھاتے رہے ہیں کہ ہمیں مما کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہیے پھر کیسے۔" وہ بہت دکھ اور تاسف سے بول رہی تھی۔

نبیل نے ہونٹ بھینچ کر گہری سانس کو باہر آنے سے روکا تھا۔

"کچھ دن سکون سے گزرتے ہیں وہ پھر کوئی شوشہ چھوڑ دیتی ہے۔ شاید اسے سب کو پریشان کر کے مزہ آتا۔ کہیں وہ سچ مچ تو پاگل نہیں ہے۔" نبیل کی خاموشی پر وہ اپنے آپ بولنے لگی تھی۔ "میں مما سے کہوں گی کسی سائیکالوجسٹ کے پاس لے جائیں اور نبیل بھائی آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے کچھ بولتے نہیں۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہو اور وہی دیکھ رہا ہوں۔" نبیل نے اپنی نظ کا انداز بدلتے ہوئے کہا۔

"تو کیا یہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ہاں اب رونا بھی شروع کر دو۔" نبیل کو جانے کیوں غصہ آ گیا۔ "مدحو جیسے چلی گئی ہے ناں شاہ سکندر۔ اور اب تم اسے کبھی نہیں دیکھ سکو گی' اسی بات سے ڈرتی ہو ناں تم اور پھوپھو بھی تو ایسا کبھی نہیں ہو گا وہ اگر گی بھی تو زیادہ دن وہاں رک نہیں سکے گی۔ اس لیے کہ وہ کسی ماحول میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر سکتی بلکہ برعکس ماحول کو اپنی مرضی کے تابع رکھنا چاہتی ہے اور اس گھر میں تو پھر اس کی مرضی چل جاتی ہے کہ اس سب کو پھوپھو کا خیال رہتا ہے اور شاہ سکندر کے ہاں تو بالکل ہی برعکس ہو گا پھر تاؤ وہ کیسے رہے گی وہاں۔"

"آپ یعنی آپ مدحو کی فیور کر رہے ہیں۔" وہ واقعی چکرا گئی تھی۔

نبیل نظریں چرا کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر کمرے کی طرف جاتے جاتے انہوں نے بے اختیار اس کے رکھا تھا۔

"نبیل بھائی!" اس نے عقب سے پکارا لیکن وہ ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے تو وہ سرا دیکھتی رہ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

ذرا مما کے کمرے سے نیلے رنگ کا شاپر ان کے پاس لے جاؤ۔" مدحیہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی

مما؟" صباحت نے وارڈ روب بند کر کے اسے دیکھا۔

جی کے پاس۔" مدحیہ بتا کر واش روم میں چلی گئی اور کچھ دیر بعد نکلی تو صباحت موجود نہیں تھی۔ اس ھیمی آواز میں ٹیپ ریکارڈر آن کیا پھر پردے برابر کر کے لیٹنا چاہتی تھی کہ فون کی بیل پر جھنجلا گئی۔

ہو جاتی ہے لوگوں کو کہ میں لیٹنے جا رہی ہوں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکلی اور ریسیور اٹھا کر خاصی مظاہرہ کیا۔

ہے؟"

ہوں احمر!" ادھر سے احمر کی آواز سنتے ہی یک لخت اس کا موڈ بدل گیا۔

میں سمجھی پتا نہیں کون۔ خیر چھوڑیں۔ آپ کیسے ہیں اور یہ اس وقت میرا مطلب ہے آپ کے ہاں تو پھر چل رہا ہو گا۔"

دور نہیں ہے اور میں نے سوچا چلو۔ صبح کے آغاز سے پہلے تم سے معافی مانگ لوں۔" احمر نے کہا تو وہ ہوئی۔

بات کی؟" پھر فوراً" ہی خود سے سمجھ کر کہنے لگی۔ "اچھا وہ جو آپ نے الٹے سیدھے خط لکھے ہیں تو جناب معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں سمجھ گئی تھی کہ۔"

سمجھ رہیں۔" احمر نے ٹوک دیا۔

دم خاموش ہو گئی تو چند ساعتوں کے لیے جیسے کائنات تھم گئی تھی۔ پھر احمر نے اچانک دھماکا کر کے محشر

میں یہاں شادی کر رہا ہوں۔"

دم سناٹے میں آ گئی۔ جبکہ دل چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر اسے برا بھلا کہے جیسے ہمیشہ معمولی سی زیادتی پر بھی رہی ہے ابھی بھی کرے لیکن ایک تو اس کے حلق میں گولہ سا اٹک گیا تھا دوسرے بے یقینی کے ساتھ شاید وہ مذاق کر رہا ہے۔

دکھ تو ہو گا مدحو! لیکن بہت جلدی تم اسے عام سی باتوں میں شمار کر کے بھلا بھی دو گی۔" ادھر احمر اپنی کہہ

سے ایسی ہی ہو۔ کسی بات کو زیادہ دیر تک خود پر طاری نہیں رکھتیں۔ پھر بھی میں تم سے معافی مانگ بلو تم سن رہی ہو نا؟"

دھندلائی آنکھوں سے ریسیور کو دیکھا پھر آہستہ سے کریڈل پر رکھ کر اپنے کمرے میں آئی تو اس کے دک رہا تھا کوئی اور بات ہوتی تو وہ کھڑے کھڑے سب کچھ تہس نہس کر دیتی۔ لیکن ٹھکرائے جانے ہین کا احساس زیادہ تھا جو اسے فوری ردعمل سے باز رکھ رہا تھا اور اندر دہکتی آگ چین بھی نہیں لینے کچھ دیر وہ ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی پھر واش روم کا رخ کیا اور کتنی دیر شاور کے نیچے کھڑی رہی۔

ٹھیک کہا احمر! میں کسی بات کو زیادہ دیر تک خود پر طاری نہیں رکھتی۔" اس نے تولیے سے بالوں کو سوچا پھر برش کرتے ہوئے وہ جانے کیا کچھ سوچتی رہی اس کے بعد کمرے سے نکلنے تک اس کے قدم پھر تو جیسے بھونچال آ گیا۔ سیڑھیاں اترنے کے ساتھ چلانے بھی لگی تھی۔

سونیا آپی زبردست خوشخبری ہے۔ کہاں ہیں سب لوگ۔"

نکل آئی ہے؟" عمر نے سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا۔

کہاں ہیں؟" وہ ان سنی کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

ماں جی کے کمرے میں لیکن پہلے خوشخبری میں سنوں گا' جلدی بتاؤ۔" عمر نے کہا تو وہ اسے دھکا دے کر

آگے بڑھ گئی اور اماں جی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بولی۔
"خواتین و حضرات میں آپ کے لیے زبردست خبر لائی ہوں۔ جسے سنتے ہی آپ خوشی سے اچھل پڑیں گے۔"
"مدحو!" آسیہ نے گردن موڑ کر اسے کچھ تنبیہی نظروں سے دیکھا۔
"آپ سنیں تو مما!" وہ آسیہ سے کہہ کر باری باری سب کو دیکھنے لگی تو عقب سے عمر اس کے بالوں کو جھٹکا دے کر بولا۔
"اب بتا بھی دو۔"
"ایسے کیا بتا دوں۔ پہلے مٹھائی وغیرہ لاؤ اور ہاں ڈھولک بھی بجنی چاہیے کیونکہ احمر بھائی وہاں شادی کر رہے ہیں۔" وہ واقعی کمال ضبط کا مظاہرہ کر گئی تھی۔
آسیہ اور میمونہ بھابھی قدرے سناٹے میں آ کر اسے دیکھنے لگیں جبکہ صباحت اور سونیا کے ہونٹوں سے "ہیں" آواز میں "کیا" نکلا تھا اور اماں جی بس ایک لحظہ کو ٹھٹھکیں پھر اس پر بگڑ گئیں۔
"باؤلی ہو گئی ہو کیا، جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہو۔"
"میں سچ کہہ رہی ہوں اماں جی! احمر بھائی نے ابھی ابھی فون پر بتایا ہے مجھے۔" اس نے زور دے کر کہا تو میمونہ بھابھی کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔
"ک۔ کیا بتایا ہے اس نے؟"
"یہی کہ وہ شادی کر رہے ہیں۔ اچھا ہے ناں، ماں جی اس گھر میں ایک انگریز لڑکی آ جائے گی، جس کی آنکھیں نیلے سمندر جیسی ہوں گی اور"
وہ بولتی جا رہی تھی۔ کھنکتی ہوئی آواز اور درمیان میں کہیں کہیں کھلکھلاتی ہنسی جس نے سب کو دشت حیرت میں دھکیل دیا تھا۔
عمر نے آہستہ سے اس کا بازو تھاما اور کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔
"یہ کیا بکواس ہے۔"
"تمہیں یقین نہیں آ رہا، ابھی کال ملاؤ امریکہ کی اور پوچھ لو احمر بھائی سے۔" اس نے کہا تو عمر کچھ دیر بغور دیکھتا رہا پھر دھیرے سے پوچھنے لگا۔
"اور، اور کیا کہا بڑے بھائی نے؟"
"کچھ نہیں، بس یہی بتایا کہ وہ شادی کر رہے ہیں۔" وہ عمر کی نظروں سے اندر ہی اندر پگھلنے لگی تھی۔
"اور تم اسے خوشخبری کہہ رہی ہو۔"
"کیوں یہ خوشی کی خبر نہیں ہے اور یہاں سب۔"
وہ ایک لحظہ کو خاموش ہوئی پھر جیسے اچانک سمجھنے کا اظہار کرتی ہوئی کہنے لگی۔
"اچھا اب سمجھی سب کو میری خوشی پر حیرت ہو رہی ہے۔ یہی بات ہے ناں۔ چلو تو میں اداس سی شکل بنا لیتی ہوں۔ کہو تو آنکھوں میں آنسو بھی بھر لوں۔ لیکن یہ ہے بہت مشکل کام اور تم تو جانتے ہو میں کتنی سہل پسند ہوں۔"
عمر خاموشی سے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیکھتا رہا۔ پیشانی سے ہونٹوں تک کہیں سے تو پتا چلے کوئی قیامت بیتی ہے لیکن وہ مدحیہ تھی بات بے بات قیامت برپا کر سکتی تھی تو چھپا بھی سکتی تھی۔ بڑی روانی سے بول کر عمر کو یوں دیکھنے لگی جیسے تمہیں کیا ہوا ہے۔ تبھی صباحت اور سونیا اماں جی کے کمرے سے نکلیں دونوں کو خاموشی سے کھڑے دیکھ کر سونیا تیزی سے قریب آ کر پوچھنے لگی۔
"کیا پھر احمر بھائی کا فون آیا ہے؟"
"نہیں تو کیوں؟" وہ سونیا کی طرف گھوم کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"سچ بتاؤ مدحو! تم مذاق تو نہیں کر رہیں یا ہو سکتا ہے احمر بھائی نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہو۔" سونیا اس

ے کہنے لگی۔ "اگر سچ مچ ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ یہاں امی کو فون کرتے۔"
ٹھیک کہا آپ نے۔" عمر فوراً تاکید کرتے ہوئے بولا۔ "یہ بڑے بھائی کی شرارت ہے۔ ضرور مدحو نے کوئی ایسی ویسی بات لکھی ہوگی جس کے جواب میں انہوں نے ایسا مذاق کیا۔"
...ں وہ بہت سنجیدہ تھے۔" اس نے لاپروائی سے کہہ کر صباحت کو دیکھا تو وہ اسے خاموش رہنے کا اشارا ...ے بولی۔
...ھی حقیقت ہے، وہ ماموں جی آ کر معلوم کر لیں گے۔"
...کے لیے ہمیں اجازت دیجیے اللہ حافظ۔" مدحیہ ہنستی ہوئی بولی پھر صباحت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ

٦

♥ ♡ ♡ ♥

...بر آزما لمحات تھے۔ خلیل بھائی کال بک کروا کر ٹیلی فون پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ ابا جی، ...مونہ بھابھی نبیل اور آسیہ بھی وہیں موجود تھی۔ اس کے باوجود کمرے میں گہرا سکوت تھا جسے فون کی بیل

خلیل بھائی نے فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔ "ہاں احمر کیسے ہو بیٹا؟"
...ب ٹھیک ہیں۔ تم بتاؤ شام میں فون کیا تھا تم نے۔"
...ے کیا کہا تھا؟"
بالکل ٹھیک ہے۔ میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"
"!
...ے احمر جو کچھ کہہ رہا تھا، خلیل بھائی بظاہر بڑے سکون سے سن رہے تھے۔
...رہا ہے؟" اماں جی سے صبر نہیں ہو سکا۔ ان کا بازو ہلا کر پوچھا لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئے اور احمر سے

...تم نے یہاں کا کیوں نہیں سوچا۔ میں تمہاری پھوپھو کو کیا جواب دوں گا۔ تمہارے کہنے پر ہم نے ...بت طے کی تھی۔ کوئی زبردستی نہیں ہوئی تھی تمہارے ساتھ اور تم بالکل غلط کہہ رہے ہو۔ گرین کارڈ ...ل نہیں ہوتے ویسے بھی اللہ کا شکر ہے ہمارے ساتھ کوئی ایسے مسائل نہیں ہیں، ہیلو ہیلو۔" شاید ...ئی تھی۔ خلیل بھائی نے مایوس ہو کر ریسیور پٹخ دیا پھر دکھ سے بولے تھے۔
...احمر سے ایسی امید نہیں تھی۔"
"میمونہ بھابھی اسی قدر کہہ سکیں پھر رونے لگیں۔
...ی، یہ کیا کر رہی ہیں۔" آسیہ نے فوراً ٹوک کر ان کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا لیا پھر اپنے تئیں انہیں تسلی ...۔ "احمر نادان نہیں ہے ماشاءاللہ بہت سمجھدار ہے۔ کچھ اچھا سوچ کر ہی اس نے یہ قدم اٹھایا ہوگا۔"
...سوچ کر اور یہاں منگنی کیا سوچ کر کی تھی اس نے۔ اس وقت بھی نادان تو نہیں تھا۔ جو اسے اپنی نادانی ...۔" خلیل بھائی کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔
...شرمندہ کیا ہے اس نے ہمیں۔" میمونہ بھابھی نے آسیہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔
...کے لیے بھابھی! یہ سب نہیں کریں۔" آسیہ نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ "ہم کوئی غیر نہیں ہیں۔ اس گھر ...دکھ سکھ ہم نے ساتھ سہے ہیں۔
...ٹھیک کہتی ہے دلہن۔" ابا جی تائید کرتے ہوئے میمونہ بھابھی سے کہنے لگے۔ "تمہیں اس کے سامنے ...نے کی ضرورت نہیں ہے۔ احمر جیسے تمہارا بیٹا ہے ویسے آسیہ کا۔ اس کے اس اقدام پر تم دونوں کا ...یہ ہونا چاہیے۔ کسی نئے رشتے کو درمیان میں لا کر فاصلے مت پیدا کرو۔ پھر یہ سب قسمت کی باتیں ...اور احمر کا جوڑ نہیں لکھا ہوگا اور شاید اسی میں بہتری ہوگی۔"

"شاید۔" آسیہ نے دکھ سے سوچا۔ پھر موضوع بدلنے کی خاطر خاموش بیٹھے نبیل کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔
"بیٹا! آج چھٹی کے دن تم کہاں چلے گئے تھے؟"
"جی، مجھ سے کچھ کہا۔" نبیل نے چونک کر دیکھا۔
"کہاں رہے سارا دن؟" اس بار اباجی نے پوچھا۔
"ڈیڈی کی طرف چلا گیا تھا۔ دوپہر تک وہاں رہا اس کے بعد ڈیفنس ایک دوست کے پاس۔" نبیل … کھڑے ہوئے۔ "چلیں پھوپھو! بوا نے کھانا لگا دیا ہوگا۔"
"ہاں چلو۔ اور بھابھی آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلیں اٹھیں، آپ بھی کھانا وغیرہ کھا کر…" آسیہ نے اٹھتے ہوئے میمونہ بھابھی کو بھی ساتھ کھڑا کیا پھر کمرے سے نکل کر نبیل کے ساتھ اوپر آ گئی۔ بوا کھانا لگا رہی تھیں۔ جبکہ مدحیہ اور صباحت ٹی وی کے سامنے بیٹھی بڑے انہماک سے ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔
"مدحو! آؤ بیٹا کھانا کھا لو۔" آسیہ نے بالکل غیر ارادی طور پر صرف مدحیہ کو پکارا شاید اس لیے کہ اس کا ذہن مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
"بس دو منٹ مما! اینڈ دیکھ لوں۔" مدحیہ نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تبھی اسکرین بلینک ہو گئی۔ پھر بقیہ خبرنامہ کے بعد۔
"لو ہو گیا اینڈ۔" صباحت اسے چھیڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کتنا بور کرنے لگے ہیں یہ ٹی وی والے۔ پورے دس منٹ ہیں نو بجنے میں اور ڈرامہ دیکھنا دو منٹ کا رہ گیا ہوگا۔" مدحیہ نے جھنجھلا کر ٹی وی بند کر دیا پھر ہاتھ دھونے کے بعد ٹیبل پر آ کر بیٹھی اور آسیہ کو دیکھ کر کہنے لگی۔
"احمر بھائی سے بات ہو گئی آپ کی؟ میں نے سچ کہا تھا ناں۔"
"چلو کھانا کھاؤ۔" آسیہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آیا اسے احساس نہیں ہے یا پوز کر رہی ہے۔
"واقعی مما! آپ کی بات ہوئی ہے احمر بھائی سے۔ کیا کہا انہوں نے؟" صباحت نے پوچھا تو آسیہ کو ایکدم غصہ آ گیا۔
"کچھ نہیں، کچھ نہیں کہا اس نے تم دونوں کو فضول باتیں کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ کھانے کے وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتیں اور تمہیں اس سے کیا احمر نے شادی کی ہے یا نہیں۔"
"ہاں، ہمیں کیا۔" مدحیہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے پھر صباحت کو کہنی مار کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔
نبیل کچھ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ مدحیہ کی لاپروائی پر مزید متعجب ہوئے اور پھر کھانے کے دوران بار بار اسے دیکھتے رہے۔ اس وقت جب مدحیہ نے نیچے جا کر سب کو خوش خبری سنائی تھی، وہ موجود نہیں تھے تبھی اب حیران رہے تھے۔
صباحت اور مدحیہ پہلے کھانا ختم کر کے اٹھ گئیں، تب وہ آسیہ کو متوجہ کر کے پوچھنے لگے۔
"پھوپھو! کیا مدحو کو پہلے سے معلوم تھا۔ وہ احمر کی شادی کا؟"
"ہاں، شام میں احمر کا فون آیا تھا۔ اسی نے اٹینڈ کیا تھا اور پتا نہیں اس نے کس انداز سے اسے بتایا کہ وہ … سے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ باقاعدہ سب کو خوشخبری سنائی۔" آسیہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ "نادان تو نہیں ہے۔ جو اسے احساس نہ ہوا یا پھر کچھ زیادہ سمجھدار ہو گئی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔"
نبیل کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں اس لیے بس سر ہلا کر رہ گئے۔
"چلو یہ بھی اچھا ہے کہ اس نے محسوس نہیں کیا۔ گو کہ احمر نے اچھا نہیں کیا مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بلکہ اب میں یہ کہوں گی کہ اچھا ہوا اس نے اسی وقت یہ قدم اٹھا لیا۔ اگر شادی کے بعد۔"
آسیہ نے اچانک کسی خیال سے جھرجھری لی تھی پھر نبیل کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کر چلی گئی۔
نبیل کو آسیہ کا جانا بہت غنیمت لگا ورنہ انہیں اٹھنے کے لیے کوئی تدبیر کرنی پڑتی جو کہ اس وقت بہت …

…زندگی میں ایسے موڑ آتے ہی اس لیے ہیں کہ انسان اپنی اوقات پہچان لے کہ وہ کتنا بے بس ہے۔ …فلسفے میں الجھنے لگے تھے کہ صباحت نے دبے پاؤں آ کر بہت دھیرے سے انہیں پکارا۔
"…بھائی!" نبیل بری طرح چونکے تھے۔
"…ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں۔ کیا بوا سے مزید کسی ڈش کی فرمائش کرنی ہے۔" صباحت نے ان کے سامنے …بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں البتہ چائے کی فرمائش تم سے کروں گا اور سنو چائے ذرا اسٹرانگ ہو۔"
…اٹھ کھڑے ہوئے پھر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھے اور احمر کے بارے میں سوچنے لگے سب کی طرح …اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر پا رہا تھا کہ احمر وہاں شادی کر سکتا ہے۔ لیکن جھٹلایا یوں نہیں جا سکتا تھا …میں یہ اطلاع خود احمر نے دی تھی۔ جس کے مزاج میں کوئی رنگینی نہیں تھی۔ جس کی بنا پر کہا جاتا کہ …۔ بلکہ اس کی تعریف تو یہ تھی کہ وہ شروع سے خاصا سمجھدار اور ذمہ دار لڑکا تھا۔ اس لیے اس کی یہ …میں نہیں آ رہی تھی۔
"…چائے۔" صباحت نے انہیں متوجہ کر کے کپ تھمایا تھا۔
"…مدحو کیا کر رہی ہے؟" انہوں نے چائے کا سپ لے کر پوچھا تو صباحت بیٹھتے ہوئے خاصی بے دلی سے

"…ہے۔"
"…لڈی۔" وہ حیران ہوئے۔ "ابھی تو دس بھی نہیں بجے، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اس کی۔"
"…رہی تھی۔ سب مجھے دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں جیسے میں کوئی عجوبہ ہو گئی ہوں۔" صباحت مدحیہ کی …ذرا سا ہنسی پھر کہنے لگی۔
"…لگتا ہے مدحو اور احمر بھائی نے مل کر کوئی سازش کی ہے اور ہم سب کو بیوقوف بنا رہے ہیں، ہے ناں۔"
"…ب۔" نبیل کا انداز نہ سمجھنے والا تھا۔
"…مدحو کے اطمینان سے پتا نہیں چل رہا۔ اتنی بڑی بات پر اگر وہ ہنگامہ کھڑا نہ کرتی تب بھی مجھ سے تو ضرور …جیسے احمر بھائی کے جانے کے دنوں میں اداس تھی تو مجھ سے اس نے کہا تھا کہ احمر کے جانے کے بعد اسے …نہیں لگے گا اور آج تو یہ تک نہیں کہا کہ احمر — نے اچھا نہیں کیا۔" صباحت نے کہا تو نبیل کچھ دیر …دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔
"…اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ مت ڈالو اور جا کر سو جاؤ۔ مجھے صبح کے لیے لیکچر تیار کرنا ہے۔"
"…بھائی بس۔" وہ منہ پھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بڑبڑاتی ہوئی گئی تھی۔
…نے چائے کا کپ خالی کر کے رکھا پھر ٹیوب لائٹ آف کر کے اپنی رائٹنگ ٹیبل پر آ کر بیٹھے اور ٹیبل …کر کے سامنے فائل کھول لی لیکن کتنی دیر بعد بھی صفحے سادہ کے سادہ تھے۔ بالکل ان کے ذہن کی طرح …کوئی سوچ سہا ہی نہیں رہی تھی۔ البتہ نظروں کے سامنے سے جانے کب کب کے واقعات یوں گزر رہے …کل کی بات ہو یہاں تک کہ ایک ہی نکتے پر مرکوز رہ کر ان کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی تو ایک لحظہ …آنکھیں بند کر لیں پھر کھولیں تو جیسے طویل نیند سے بیدار ہوئے ہوں۔ کچھ حیران ہو کر اپنی انگلیوں …کو دیکھا پھر اسے رکھنے کے ساتھ ٹیبل لیمپ بھی آف کر دیا اور چیئر کی بیک پر سر رکھ کر مدحیہ کے …سوچنے لگے کہ آیا اسے واقعی احساس نہیں ہے یا بقول آسیہ کے کچھ زیادہ سمجھدار ہو گئی ہے اور ابھی وہ …نہیں پہنچے تھے کہ ہلکی سی آہٹ نے ان کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ …ٹیبل لیمپ آن کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن پھر کسی خیال کے تحت رک گئے اور بہت احتیاط سے بنا …اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ کر اسی احتیاط سے باہر جھانکا تو ستاروں کی مدھم روشنی میں …نظر آیا جس میں کوئی حرکت نہیں تھی۔

"مدیحہ!" کچھ دیر غور سے دیکھنے کے بعد جہاں ان کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی وہاں دل پر چوٹ سی
تھی کہ یہ وہ لڑکی تھی جو چھین لینا جانتی تھی اور ابھی اپنی اس حرکت پر نادم بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب کس
طرح رو رہی تھی۔ شاید اپنی بے بسی پر یا شاید احمر کی بے وفائی پر جانے کیا بات تھی جو وہ ہمیشہ کی طرح چیخ کر
احتجاج کرنے کے بجائے بے آواز آنسو بہا رہی تھی جو براہ راست ان کے دل پر گرنے لگے تھے۔
بہت چاہنے کے باوجود وہ اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں کر سکے' کیونکہ اس سے کچھ بعید نہیں تھا انہیں
سامنے دیکھ کر بے قابو ہو سکتی تھی اور رات کے اس پہر وہ کس کس سے کیا کیا کہتے یہی سوچ کر وہ بہت خاموشی سے
اپنی جگہ پر آ کر لیٹے تو ان کا دل اس کے آنسوؤں کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

علی جہانگیر' آج جتنی جلدی گھر جانا چاہتا تھا اتنی ہی آفس میں دیر ہو گئی تھی۔ پھر گھر آتے آتے نو بج گئے تھے
برآمدے میں قدم رکھتے ہی اس نے رابعہ کو پکارنا شروع کر دیا اور لاؤنج میں آیا تو وہ کوئی غیر ملکی چینل دیکھنے میں
مگن تھی کہ اس کی آواز پتا نہیں سنی نہیں یا جان بوجھ کر دھیان نہیں دے رہی تھی۔ اس نے بڑھ کر ٹی وی کا پلگ
ہی کھینچ دیا تب وہ چیخ پڑی۔
"کیا کر رہے ہیں بھائی لگائیں ناں۔"
"شٹ اپ!" اس نے قدرے غصہ دکھا کر اسے خاموش کر دیا پھر صوفے پر بیٹھ کر جوتوں کے تسمے کھولتے
ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔ "امی کہاں ہیں؟"
"اپنے کمرے میں۔" رابعہ کی روٹھی ہوئی آواز آئی۔
"خیریت!" اس نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ان کی۔ ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں"
"اصل میں تو آپ یہی پوچھنا چاہتے ہیں اور میں تفصیل سے اس وقت بتاؤں گی جب آپ ٹی وی آن
کریں گے۔" رابعہ نے فوراً "سمجھ کر کہا تو اس نے پھر پیشانی پر شکنیں ڈال لیں۔
"بالکل نہیں۔ ہر وقت ٹی وی' کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں۔"
"کیوں نہیں' آپ کے کام سے گئی تو تھی امی کے ساتھ' بیمار نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو بیمار ظاہر کرنا اور
آسیہ کا لیکچر سننا لیکن آج تو وہ خود مریض لگ رہی تھیں۔" رابعہ نہ بتانے کا کہہ کر بھی بتانے لگی تھی۔
"پریشان بھی لگ رہی تھیں۔ امی کی باتوں پر کوئی توجہ ہی نہیں دی اور فوراً "نسخہ لکھ کر ہاتھ میں تھما دیا۔"
"اس سے یہ کیسے سمجھ لیا تم نے کہ وہ پریشان تھیں؟" اس نے پر سوچ انداز میں کہا۔
"ان کے چہرے سے لگ رہا تھا۔ پھر بار بار بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کو جھٹکا دے رہی تھیں جیسے کچھ
کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔" یوں رابعہ نے باقاعدہ آسیہ کی طرح کر کے دکھایا تو وہ اندر سے
بے چین سا ہو گیا اور اسی سوچتے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔
"کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟"
"یہ تو ہم نے نہیں پوچھا کیونکہ ابھی اتنی زیادہ جان پہچان تو نہیں ہوئی ان سے۔" رابعہ نے اس کی
سن کر کہا تو اس نے چونک کر دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔
"اچھا تم کھانا لگواؤ۔ میں چینج کر کے آتا ہوں۔"
رابعہ نے اٹھنے کی زحمت نہیں کی وہیں سے کرم دین کو پکار کر کھانا لگانے کو کہہ دیا۔
علی جہانگیر کا ذہن آسیہ کی پریشانی کو سوچتے ہوئے صباحت تک جا پہنچا تھا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی مسئلہ
نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے آسیہ پریشان ہے۔ چینج کرتے ہوئے اور پھر کھانے کے دوران بھی وہ یہی سوچتا
رہا۔ کتنی باتیں تھیں اور ہر بات کے اختتام پر سوالیہ نشان جس سے اس کی بے چینی سوا ہو گئی۔ تب
کھانا ختم کر کے وہ رابعہ کو اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔
کچھ دیر بعد رابعہ اس کے پیچھے آئی تو وہ فوراً "ٹیلی فون سیٹ اپنے قریب کھینچ کر بولا۔

"...ہاں آؤ' ذرا صباحت کو بلا دو۔"
"اگر ادھر سے صباحت ہی نے ریسیو کیا تب کسے بلانا ہے۔" رابعہ اپنی بات پر خود ہی ہنسی لیکن اس نے ان
...ریسیور اسے تھمایا پھر نمبر ڈائل کر کے اسے دیکھنے لگا تھا۔
"ہیلو!" دوسری طرف مدیحہ تھی۔
"ہیلو صباحت! میں ہوں رابعہ۔" رابعہ آواز سے دھوکا کھا کر جتنی خوشی ہو کر بولی ادھر سے اتنا ہی تلخ لہجہ تھا۔
"لیکن میں صباحت نہیں ہوں۔"
"پھر آپی میں پلیز صباحت کو بلا دیں۔" رابعہ قدرے بوکھلا گئی تھی۔
...ادھر سے ریسیور پٹخنے کی آواز آئی تو رابعہ نے ناگواری سے ریسیور کو گھورا پھر علی جہانگیر کو دیکھ کر بولی۔
"...نہیں کون پاگل ہے۔"
"...مجھے دو۔" علی جہانگیر نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا تبھی ادھر سے صباحت نے ریسیور
...تھا۔
"...کون؟"
"...کیسی ہیں آپ۔"
"بالکل ٹھیک۔" صباحت کی آواز بہت دھیمی ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے رابعہ کو جانے کا اشارہ کیا پھر اس سے
...
"بہت دنوں سے آپ نے فون نہیں کیا تو میں نے سوچا میں ہی آپ کی خیریت معلوم کر لوں۔ سب ٹھیک تو ہے
..."
"جی۔" صباحت کے مختصر جواب پر وہ چڑ گیا۔
"...آپ کو اندازہ ہے کہ میں کس شدت سے آپ کے فون کا انتظار کرتا ہوں۔ کیا کرتی رہتی ہیں سارا وقت
...اتنا نہیں ہو سکتا کہ۔"
"...پلیز اس طرح بات نہیں کریں۔" اس کے عاجزی سے ٹوکنے پر وہ ہونٹ بھینچ گیا۔ پھر چند لمحے توقف سے
...سانس کھینچ کر بولا۔
"...آئی ایم ساری' ایک تو آپ' خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں لائبریری کب جا رہی ہیں۔"
"...الحال کوئی پروگرام نہیں۔"
"...اگر میں کہوں کل کا پروگرام رکھ لیں۔"
"...نہیں اور پلیز اصرار نہیں کیجیے گا۔ کیونکہ آج کل مما کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ کہیں جانے کی اجازت
...دیں گی۔" صباحت نے منع کرنے کے ساتھ سبب بتایا تو وہ جو یہی جاننا چاہتا تھا بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے
...
"...کیا ہوا آپ کی مما کو؟"
"...وہ میری سسٹر۔" وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی۔
"...آپ کی سسٹر بھی ہیں؟" اس نے کچھ حیران ہو کر پوچھا تو ادھر وہ ہنس پڑی۔
"...کیا میری بہن نہیں ہو سکتی۔"
"...نہیں۔" وہ ابھی بھی حیران تھا۔ جس پر وہ محظوظ ہو کر بولی۔
"...سوتیلی۔"
"...اچھا۔" وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گیا۔ غالباً "پوچھنے جا رہا تھا کہ آسیہ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ لیکن فوراً"
...ہونے پر خاموش ہو گیا اور پھر فوراً "بات بنا گیا" "ابھی شاید آپ کی سسٹر نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔"
"...بد تمیزی تو نہیں کی اس نے؟"

"مجھ سے تو بات نہیں ہوئی۔ رابعہ بات کر رہی تھی اور میرا خیال ہے اس کے ساتھ بھی کوئی بدتمیزی ہوئی کیوں کیا بہت بدتمیز ہے۔" اس نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔
"نہیں بس موڈی ہے۔"
"تو اس موڈی کی وجہ سے آپ کی مما کا موڈ آف ہے۔"
"ہاں بس۔"
"چلیں تو جب ان کا موڈ ٹھیک ہو تب آپ خود مجھے رنگ کیجیے گا اور اس میں زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے اوکے۔"
"اللہ حافظ!" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو وہ ریسیور رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آسیہ واقعی مدحیہ کے ہاتھوں سخت پریشان تھی۔ جو اپنی تلخ کلامی، طنزیہ جملوں اور حرکتوں سے سارا ماحول خراب کرنے پر تل گئی تھی۔ چھوٹے بڑے کا لحاظ تو وہ پہلے بھی نہیں کرتی تھی اور اب تو اور بدلحاظ ہو گئی تھی۔ غالباً "احمر کی بے وفائی کا بدلہ وہ اس طرح لے رہی تھی کہ میمونہ بھابھی کو بھی نہیں چھوڑتی تھی جاتے کبھی ان پر طنز کرتی اور کبھی بظاہر ہمدرد بن کر انہیں مشورہ دیتی کہ سونیا آپی کے لیے کوئی اور رشتہ دیکھیں کیونکہ اشعر بھائی بھی باہر گئے ہوئے ہیں، کیا پتا وہیں سے میم لے آئیں اور بے چاری میمونہ بھابھی چپ ہو جاتیں۔ حالانکہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ قصور تو کسی کا بھی نہیں تھا۔ پھر بھی سب اس کے سامنے شرمندہ ہوئے تھے۔ اور آسیہ نے زندگی اسی گھر میں گزاری تھی۔ کبھی میمونہ بھابھی کے ساتھ تلخ کلامی تو کیا اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی اور کسی رنجش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، نند بھاوج والا رشتہ تو لگتا ہی نہیں تھا۔
حقیقتاً "سگی بہنوں سے بڑھ کر محبت ملی تھی اسے میمونہ بھابھی کی طرف سے اور ایسی محبت کرنے والی خاتون کے ساتھ مدحیہ کی بدتمیزیوں پر اس کی پریشانی فطری تھی۔ گو کہ میمونہ بھابھی اس سے کہہ چکی تھیں کہ وہ مدحیہ کی باتوں کا برا نہیں مانتیں۔ اسے حق ہے یہ سب کہنے کا۔ لیکن آسیہ کے نزدیک یہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ اس کی طرف سے ناحق زیادتی تھی جو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کی جا سکتی تھی اور آسیہ اس وقت سے ڈرتی تھی کہ ادھر برداشت کی حد ختم ہو گئی تو پھر عمر بھر کی محبتیں مٹی میں مل جائیں گی اور ایسا وہ نہیں چاہتی تھی اس لیے ضروری تھا کہ مدحیہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے اور اسے باز رکھنے کے لیے آسیہ نے اپنا ہر حربہ آزما لیا تھا پیار سے، غصے سے یہاں تک کہ خود کو اس کے سامنے بہت عاجز اور مجبور بھی ظاہر کیا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور اس وقت تو آسیہ نے جیسے ہار مان کر اس سے پوچھا تھا۔
"مجھے بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو آخر؟"
"میں کچھ نہیں چاہتی مما! ہاں اگر آپ مجھ سے اتنی تنگ ہیں تو مجھے میرے باپ کے پاس بھیج دیں" اتنے آرام سے کہنے پر آسیہ کچھ دیر کو سناٹے میں آ گئی تھی۔
صباحت نے سہم کر نبیل کو دیکھا تو انہوں نے آنکھوں سے اسے خاموش رہنے کا اشارا کر دیا۔
"اس کی کیا گارنٹی ہے کہ باپ تمہیں اپنے پاس رکھ لے گا۔" سناٹے سے نکل کر آسیہ نے خود کو سنبھالتے کرتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ یقین سے بولی۔
"انکار بھی نہیں کریں گے۔"
"یہ محض تمہارا خیال ہے مدحو! اس شخص کو اگر تم سے ذرا سی بھی محبت ہوتی تو وہ بہت پہلے تمہیں چھین کر لے جا سکتا تھا اور نہ لے جانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کے دل میں اور گھر میں بھی تمہاری جگہ نہیں ہے اور تم اتنی نادان نہیں ہو جو سمجھ نہ سکو۔ اپنے دل سے یہ خیال نکال دو ورنہ۔"
آسیہ کا ضبط جواب دینے لگا تھا جب ہی تنبیہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی اور اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر کے بیڈ پر ڈھے گئی۔ اور کتنی دیر سیدھی لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ یہاں تک کہ

چبھنے لگی تھیں۔ جبکہ ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔
پھوپھو!" دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ نبیل نے پکارا۔ دوسری اور پھر تیسری بار تب پہلے اس کی
میں حرکت ہوئی پھر اٹھ کر سست روی سے جا کر دروازہ کھولا تو نبیل نے تشویش سے پوچھا۔
ٹھیک تو ہیں نا پھوپھو!"
ہاں" اس نے ہاں کی صورت گہری سانس کھینچی پھر سامنے سے ہٹ کر نبیل کو اندر آنے کا راستہ دیا۔
بہت پریشان کرنے لگی ہے مدحو آپ کو۔" نبیل نے اندر آتے ہوئے بس یونہی کہہ دیا۔
جتنا بھی پریشان کرے میں اسے شاہ سکندر کے پاس نہیں جانے دوں گی یہ بات تم اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ
زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ تنفر سے کہتی ہوئی تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔
اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے پھوپھو! وہ خود سمجھتی ہے۔ آپ بس اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔"
نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔
ب تک۔ جب سب مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔"
نہیں، آپ سے کوئی ناراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ احمر نے اس
ساتھ جو سنگین مذاق کیا ہے اس پر اس کا یہی ردعمل ہو سکتا ہے۔"
ہلکے سے کہتے ہوئے نبیل کی نظروں میں اس رات کی مدحیہ تھی جو خود کو بہت مضبوط پوز کرتے کرتے شاید
تھی جو سب سے چھپ کر رات کی تاریکی میں بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔
لیکن بیٹا! احمر کے اس فعل میں یہاں کا کوئی فرد شریک نہیں ہے۔ یہ وہ بھی جانتی ہے پھر کیوں۔"
کیا کرے وہ۔ احمر سامنے نہیں ہے اس لیے اس کے گھر والے نشانہ بن رہے ہیں۔ آپ ایسا کریں۔ کچھ دنوں
لیے اسے شکیل چچا کے پاس اسلام آباد بھیج دیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نبیل کے مشورے پر وہ کچھ دیر
رہی پھر دھیرے دھیرے اثبات میں سر ہلاتی ہوئی کہنے لگی۔
ٹھیک کہا تم نے۔ لیکن تم کچھ مت کہنا اس سے کیونکہ ہمارے کہنے پر وہ کبھی نہیں جائے گی۔ میں آج
میں شکیل بھائی کو فون کر کے انہیں ساری بات بتا کر کہوں گی کہ وہ خود آ کر اسے لے جائیں۔"
ہاں مدحو کے لیے بھی یہی بہتر ہے۔ ماحول کے ساتھ آب و ہوا کی تبدیلی اس پر اچھا اثر ڈالے گی۔" نبیل
ہوئے بولے۔ "چلیں اب آپ آرام کریں۔"
آرام کا وقت نہیں ہے بیٹا! کلینک جانا ہے۔" آسیہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا پھر نبیل کے جاتے ہی وارڈ
سے کپڑے نکال کر واش روم کا رخ کیا۔
پھر آدھے گھنٹے بعد جب وہ تیار ہو کر کلینک جانے کے لیے نکلی تب بھی وہ —— مضطرب تھی۔ مدحیہ کو
آباد بھیجنا ٹھیک بھی لگ رہا تھا اور اس کی عادات و مزاج کی وجہ سے پریشان بھی تھی۔ کیونکہ شکیل بھائی
—— میں ڈسپلن کے قائل۔ جبکہ مدحیہ کا مزاج ہی الگ تھا۔ اپنے ہر عمل میں آزاد کسی قسم کی کوئی
پابندی اس سے برداشت ہی نہیں ہوتی تھی اور نہ گھر کے کام کاج سے اسے کوئی دلچسپی تھی۔
پتا نہیں مدحو وہاں کتنے دن رہ سکے گی اور کہیں شکیل بھائی اور سیما بھابھی کے لیے کوئی پرابلم نہ کھڑی کر

ب اسپیڈ سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل انہی سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ راستے پر نظر تو تھی
کلینک کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ اپنی سوچوں میں بہت آگے تک نکل گئی۔ جب سگنل پر گاڑی روکی تب
ہوا کہ کلینک تو پیچھے رہ گیا۔ اپنی بے خبری پر کڑھتی ہوئی سگنل کھلنے پر گاڑی اسپیڈ سے بھگا کر راؤنڈ اباؤٹ
کی سڑک پر آئی تھی کہ روڈ کراس کرتی ہوئی ایک عورت اچانک سامنے آ گئی جسے بچانے کے چکر میں اس
کی فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اور یہ بھی اچھا ہوا کہ وہاں کوئی نہیں تھا پھر بھی اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی
کا زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی سینے سے باہر نکل آئے گا۔ جبکہ ہاتھ بالکل ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ کتنی

دیر اسے خود پر قابو پانے میں لگی اس کے بعد ایک اور مصیبت کہ گاڑی اسٹارٹ ہو کے نہیں دی۔ بار بار
کے وہ تھک گئی تو نیچے اتر کر رکشہ کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی، تبھی وائٹ ہیبرڈ اس کے پاس آ
رکی اس نے توجہ نہیں دی۔ لیکن جب اسے مخاطب کیا گیا تب چونک کر دیکھنے لگی۔ چہرہ کچھ شناسا تھا۔
پر زور دیا تو نام بھی یاد آگیا۔ وہ رابعہ تھی۔ بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب! کہاں جائیں گی آپ، آیئے ہم ڈراپ کر دیں گے۔"

آسیہ نے بلاارادہ ذرا سا جھک کر رابعہ کے ساتھ ڈرائیونگ پر بیٹھے علی جہانگیر کو دیکھا پھر رابعہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"نو، نو پرابلم بیٹا، بس یہیں کلینک جانا ہے۔"

"ہم اسی راستے پر تو جا رہے ہیں۔ آیئے پلیز۔" رابعہ نے اتر کر اس کے لیے دروازہ کھولا تو وہ اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"دراصل میں میری گاڑی۔"

"او گاڈ! ایکسیڈینٹ ہوا ہے کیا؟" رابعہ نے فوراً پوچھا۔

"نہیں اللہ کا شکر ہے۔ ہر طرح سے بچت ہو گئی۔ بس اس میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ کلینک سے رکشا کر دوں گی وہاں سے کوئی مکینک آجائے گا۔"

"پھر تو آپ کو جلدی کلینک پہنچنا چاہیے۔" رابعہ نے اس انداز سے کہا جیسے اسے جلدی وہاں پہنچا سکتی ہو۔ ساتھ اسے بیٹھنے کا اشارا بھی کیا تو اس نے مزید پس و پیش نہیں کی۔

"یہ میرے بھائی ہیں۔" رابعہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہی علی جہانگیر کا تعارف کروانے لگی۔ "فی الحال ہیں۔ انشاءاللہ جلد ہی پرموٹ ہو کر ڈی سی کہلائیں گے۔"

"ماشاءاللہ۔" علی جہانگیر پر نظر ڈالتے ہوئے آسیہ کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"اور جب یہ ڈی سی ہو جائیں گے تب میں اپنی فرینڈز کی شاندار سی دعوت کروں گی۔ آپ بھی آئیں گی ناں۔" رابعہ کو حقیقتاً موقع مل گیا تھا۔

"میں تمہاری فرینڈز میں تو شامل نہیں ہو سکتی بیٹا!" آسیہ منع نہیں کر سکی تو ہامی بھی نہیں بھری۔

"ان کی مدرز بھی ہوں گی اور ان میں تو آپ شامل ہو سکتی ہیں، میں آپ کو اسپیشلی انوائیٹ کروں۔ آپ نہیں آئیں تو میں پارٹی ہی کینسل کر دوں گی۔"

رابعہ کے پرجوش انداز پر وہ ذرا سا مسکرا کر رہ گئی کیونکہ علی جہانگیر نے اس کے کلینک کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

"او کے بیٹا! تھینک یو۔" وہ رابعہ کے مزید اصرار کرنے سے پہلے شکریہ ادا کر کے اتر آئی اور دروازہ بند کر لیا تھا۔

پھر اسی رات آسیہ نے شکیل بھائی کو فون کر کے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کے ساتھ مدحیہ کو لے جانے کو کہا تو شکیل بھائی نے نہ صرف فوراً ہامی بھر لی بلکہ دو دن بعد آ بھی گئے تھے۔ ایک تو انہیں خیال تھا دوسرے کچھ اپنی غرض بھی تھی کہ ثمینہ کی شادی اور احمر کے باہر جانے سے خصوصاً سیما اکیلی ہو گئی تھیں۔ وہ خود سارا دن تو آفس میں ہوتے لیکن شام میں واپسی پر وہ بھی محسوس کرتے تھے۔ فرصت میں آ پہنچے تھے۔ شام کا وقت تھا۔

اس وقت آسیہ گھر پر نہیں تھی اور شکیل بھائی نے اماں جی اور ابا جی تک سے آسیہ کے فون کا ذکر نہیں کیا بلکہ برعکس جیسے پہلے آفس ٹور پر ایک آدھ دن کے لیے آیا کرتے تھے ابھی بھی یہی ظاہر کیا تھا۔ وہ ابا جی کے کمرے ہی میں بیٹھے تھے۔ باری باری سب آکر انہیں سلام کر کے جا چکے تھے۔ صباحت کے ساتھ مدحیہ آئی تھی یوں جیسے زبردستی لائی گئی ہو اور واقعی صباحت اسے زبردستی لائی تھی۔

"بیٹا! آپ کی مامی جی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔" شکیل بھائی، مدحیہ کے لٹھ مارنے والے انداز میں سلام کا جواب دے کر کہنے لگے۔ "کہہ رہی تھیں۔ مدحیہ کی چھٹیاں ہو گئی ہوں تو اسے لے آیئے گا۔ چلو گی؟"

"ابھی چھٹیاں نہیں ہوئیں اور ہوں گی بھی تو مما نہیں جانے دیں گی۔" مدحیہ کا روٹھا ہوا لہجہ سب سے ناراضگی ظاہر کر رہا تھا۔

"کیوں نہیں جانے دیں گی بھئی، آپ کہو تو میں ابھی آپ کو ساتھ لے چلوں آسیہ منع کر کے تو دیکھے۔" انہوں نے اپنائیت کا احساس دے کر کہا تو اس سے پہلے صباحت بول پڑی۔

"ابھی نہیں ماموں جی! امتحانوں کے بعد لے جایئے گا اسے۔"

"دیکھ لیجئے۔ اعتراض ابھی سے شروع ہو گیا۔" مدحیہ نے یوں سر جھٹکا جیسے اسے صباحت کی مداخلت سخت ناگوار گزری ہو۔

"نہیں کوئی اعتراض، کوئی عذر نہیں سن رہا صباکا نہ آسیہ کی طرف سے سنوں گا۔ چلو آپ تیاری کرو صبح کی فلائٹ سے آپ کو میرے ساتھ جانا ہے۔"

"سچ مچ ماموں جی! آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" مدحیہ کی خوشی میں بے یقینی بھی تھی۔ "مما منع کریں گی تب بھی۔"

"تب بھی۔" ان کے یقین دلانے پر اس نے گردن اکڑا کر صباحت کو دیکھا جیسے اب اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ پھر بھاگتی ہوئی اوپر آئی اور اسی وقت الماری میں سے اپنے کپڑے نکال نکال کر بیڈ پر پھینکنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" کچھ دیر بعد صباحت کمرے میں داخل ہوئی اور سمجھنے کے باوجود ٹوک گئی۔

"تیاری، تم جلدی سے سوٹ کیس خالی کر دو۔" وہ اپنے کام میں مصروف رہ کر بولی۔

"وہ تو میں کر دوں گی لیکن بہتر یہ ہے پہلے تم مما سے پوچھ لو۔" صباحت نے بڑھ کر کھڑکی سے پردے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ماموں جی پوچھیں گے۔ مجھے تو وہ صاف منع کر دیں گی۔"

"ٹھیک منع کریں گی۔ ادھر امتحانوں میں صرف دو مہینے رہ گئے ہیں، تمہیں خود سوچنا چاہیے۔ مما تمہارے بھلے کی بات کرتی ہیں۔" صباحت نے دھیرج سے اسے سمجھانا شروع کیا تھا کہ وہ کھٹاک سے الماری بند کر کے اس کی طرف پلٹ کر ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی۔

"بس رہنے دو، بہت ہو گیا میرا بھلا، اب کچھ برا ہو جانے دو۔"

"اللہ نہ کرے جو کچھ برا ہو۔ تمہارے ساتھ تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" صباحت بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو وہ سر جھٹک کر خود ہی سوٹ کیس اتار کر خالی کرنے میں لگ گئی۔

آسیہ اپنے وقت پر کلینک سے لوٹی تو کچھ دیر نیچے ہی بیٹھی پھر شکیل بھائی کے ساتھ اوپر آئی تھی۔ جس سے مدحیہ کو اور اطمینان سے ہو گئی کہ اسے آسیہ سے اپنے جانے کے متعلق بات نہیں کرنی پڑے گی۔ ورنہ ساری کارروائی کے بعد بھی اندر سے خائف تھی۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ آسیہ خود اسے بھیج رہی ہے تو یقیناً اس کی ضد اسے خود جانے سے منع کر دیتی اور آسیہ ظاہر ہے اس کی ماں تھی۔ اسے اچھی طرح سمجھتی تھی جبھی تو اسے شبہ تک نہیں ہونے دیا تھا۔ اس کے سامنے شکیل بھائی کے ساتھ کتنی بحث کے بعد اسے بھیجنے پر رضامند ہوئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

مدحیہ کے جانے کے بعد ماحول کی کشیدگی تو کیا کم ہوتی بلکہ اور اداسی چھا گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سب کے درمیان وہی ایک رابطہ تھی ہر وقت اوپر سے نیچے، نیچے سے اوپر کبھی اچھے موڈ میں، کبھی عمر کے ساتھ تکرار اور ادھر ادھر کی باتیں چلاتا۔ بس اسی کی آواز گونجا کرتی تھی اور اب ایک دم خاموشی تھی۔

صباحت صبح کالج جانے کے لیے نیچے اترتی تو سب کو سلام کرتی ہوئی ثوبیہ کے ساتھ باہر نکل جاتی اور واپسی میں اسی طرح سیدھی اوپر آجاتی۔ حالانکہ وہ شروع سے مدحیہ کے رویوں کی تلافی کرتی آئی تھی اور ابھی بھی کرنا چاہتی

تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کسی سے کیا کہے' کیونکہ مدحیہ نے کس وقت بھی خاص طور سے اس کا نام لے کر کسی پر کچھ نہیں جتایا تھا بلکہ سب نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اسی کا بدلہ لے رہی ہے اور اسے حق بجانب سمجھتے ہوئے اس کے سامنے مجرم بھی بنے ہوئے تھے اور یہ کوئی قابل فخر بات نہیں تھی کم از کم اس کے لیے۔ بعض اوقات انسان سرخرو ہو کر بھی سرنگوں ہی رہتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ مدحیہ تو چلی گئی تھی لیکن وہ اندر سے شرمندہ تھی اور کسی کو اپنے سامنے شرمندہ دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے سب سے کٹ کر رہ گئی تھی۔

کتنے دن ہو گئے تھے مدحیہ کو گئے ہوئے۔ اس کا کسی بات میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ کتنا سوچتی امتحان قریب ہیں۔ اسے پڑھنا چاہیے لیکن اس پر بھی عمل نہیں کر پا رہی تھی اور نہ ہی اس نے علی جہانگیر کو فون کیا تھا صرف اس لیے کہ وہ ملنے پر اصرار کرے گا تو اسے لائبریری جانے کے لیے ثوبیہ یا عمر سے کہنا پڑے گا اور گو کہ اسے یقین تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی منع نہیں کرے گا پھر بھی وہ کترا رہی تھی۔

عجیب روکھے پھیکے سے دن تھے اور چھٹی کا دن تو اور بور کر دینے والا تھا۔ ناشتے کے بعد اس نے سوچا کہ آج دن اپنے کمرے کی صفائی کرنے میں گزارے گی' لیکن اس کام میں اسے صرف پندرہ منٹ لگے' کیونکہ مدحیہ تو تھی نہیں جو ہر شے یونہی پھینک دیا کرتی تھی اور اس کا پھیلاوا سمیٹنے میں وقت لگتا تھا۔ وہ تب بھی کڑھتی تھی اور اب جلدی فارغ ہونے پر بھی کڑھ رہی تھی پھر نبیل کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"تمہیں چھٹی کے دن بھی چین نہیں ہے۔" وہ ان سنی کر کے ان کی رائیٹنگ ٹیبل کی گرد احتیاط سے صاف کرنے لگی۔ پھر کھڑکی سے باہر ڈسٹر جھاڑ کر پلٹی تو انہیں تیار دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"آپ چھٹی کے دن کہاں جا رہے ہیں۔"

"پاپا کی طرف جاؤں گا پھر وہاں سے۔"

"ڈیفنس۔" اس نے فوراً کہا تو نبیل چونک کر دیکھنے لگے۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"آپ ہی سے اکثر سنا ہے کہ پہلے پاپا کی طرف گیا تھا پھر وہاں سے ڈیفنس ایک دوست کے پاس۔" اس سیدھے سادے انداز پر نبیل مطمئن ہو کر بولے۔

"ہاں' دوست کے پاس۔" پھر بات بدلنے کی خاطر پوچھنے لگے۔ "پھوپھو کیا کر رہی ہیں۔"

"پتا نہیں' اپنے کمرے میں ہیں' مجھے لگتا ہے نبیل بھائی' مما مدحو کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ دیکھیں دن ہو گئے ہیں وہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ امتحانوں کی فکر بھی نہیں ہے اسے۔ آپ اسے بلانے کی کوئی کریں ناں۔"

"وہ ہم میں سے کسی کے کہنے پر نہیں آئے گی۔" نبیل نے کہا۔

"تو پھر شکیل ماموں سے کہیں۔ وہی اسے چھوڑ جائیں۔ ورنہ مما کو آپ جانتے ہیں' کسی دن اچانک ان کی ہائی ہو گیا تو اسی وقت روانہ ہو جائیں گی یہاں سے اور مدحو کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی لے آئیں گی۔" اس نے اپنے تئیں نبیل کو اس وقت سے خائف کیا لیکن وہ مسکرا کر بولے۔

"فکر نہیں کرو۔ ایسا نہیں ہو گا' کیونکہ پھوپھو نے خود اسے بھیجا ہے۔"

"ماموں جی کے مجبور کرنے پر ناں۔"

"نہیں بلکہ شکیل چچا کو پھوپھو نے اسی مقصد سے بلوایا تھا کہ وہ آ کر مدحو کو لے جائیں۔ یہاں اس کی بد حد سے بڑھتی جا رہی تھی اس لیے' سمجھیں۔" آخر میں نبیل نے اس کا سر ہلایا تو وہ سمجھ کر روٹھے لہجے میں

"یہ بات آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔ میں خوامخواہ پریشان رہی۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم ایسے ہی پریشان رہتی ہو خوامخواہ۔" نبیل کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

خراب ہیں آپ۔ میں اب آپ سے بات نہیں کروں گی۔" وہ مزید روٹھ کر ان کے کمرے سے نکلی تھی ٹھٹک کر رک گئی۔
سامنے رابعہ آ رہی تھی اور اس کے پیچھے عارفہ بیگم بھی تھیں۔

❁❁❁

...سے پہلے کہ رابعہ اسے مخاطب کرتی' اس نے الٹے پیروں دوبارہ نبیل کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ ... اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔
"کیا ہوا؟" نبیل برش رکھ کر پلٹے تو اسے دروازے کے ساتھ لگے دیکھ کر تشویش سے پوچھا۔
... گھبرا گئی۔
"کچھ نہیں۔"
"دروازہ کیوں بند کر دیا' کون آ رہا ہے؟"
"نہیں' آپ کے کمرے میں کون آ سکتا ہے۔ وہ تو شاید مما کے پاس' لیکن میں نہیں جانتی انہیں۔ پتا نہیں ... میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" بوکھلاہٹ میں وہ پہلے سے اپنی صفائی پیش کرنے کھڑی ہو گئی۔
"... نہیں دیکھا۔ کیا کہہ رہی ہو۔ ہٹو مجھے دیکھنے دو۔" نبیل کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اپنی اسٹک اٹھا کر اسے ہٹنے کا اشارہ کیا تو وہ جلدی سے بولی۔
"نہیں۔ آپ نہیں دیکھیں گے' وہ خواتین ہیں۔"
"... کا مطلب ہے' تم نے پھر کوئی حماقت کی ہے۔ بلکہ نقصان' اب کیا توڑا ہے؟" نبیل کو ایک دم گلدان والا ... آیا لیکن وہ سمجھی نہیں۔
"... مطلب؟"
"مطلب یہ ہے تم کسی خاتون کا گلدان توڑ کر پریشان تھیں اور اب ان خواتین کا جانے کیا نقصان کر آئی ہو جو وہ ... تک پہنچ گئی ہیں۔ حالانکہ میں نے تم سے اسی وقت کہا تھا کہ آئندہ ایسی کوئی بات ہو تو مجھے فوراً بتا دینا۔"
... اپنے طور پر سمجھ کر تنبیہہ شروع کر دی تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔
"... کوئی بات نہیں ہے نبیل بھائی! میں نے کسی کا کوئی نقصان نہیں کیا۔"
"... چھپ کیوں رہی ہو؟"
"... چھپ رہی ہوں۔ سامنے تو کھڑی ہوں۔" وہ ان کی جرح سے عاجز آ گئی۔
"... نہیں ان کے سامنے جاؤ۔ تب میں سمجھوں گا کہ تم نے کچھ نہیں کیا یا پھر ابھی بھی وقت ہے۔ مجھے سچ ... پھوپھو کے سامنے میں تمہارا دفاع کر سکوں۔"
"... ہو گیا ہے آپ کو' جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں خوامخواہ پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہاں نہیں تو۔" وہ روٹھے لہجے میں ... ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"... یہاں کہاں بیٹھ رہی ہو۔ جاؤ پھوپھو سے پوچھ کر آؤ کہ انہیں کوئی کام تو نہیں ہے پھر میں جاؤں۔" ... ٹوک کر کہا۔
"... ہیں سے پوچھتے ہوئے چلے جائیں۔"
"... لڑکی! پھوپھو کے پاس خواتین موجود ہیں۔ میں نہیں جا سکتا چلو اٹھو جلدی کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ..."
... نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔ تو وہ سمجھ گئی کہ اب اس کی ایک نہیں چلے گی' اس لیے مزید پس و پیش ... کے بڑبڑاتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی اور کچھ دیر راہداری میں رک کر خود پر قابو پایا پھر ڈرائنگ روم

میں داخل ہوتے ہی بولی۔
"مما! وہ نبیل بھائی کہہ رہے ہیں۔ کوئی کام ہو تو بتا دیجیے۔ وہ بڑے ماموں کی طرف جا رہے ہیں۔"
"یہ آپ کی بیٹی ہے۔" آسیہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عارفہ بیگم نے اس سے پوچھ لیا۔
"جی۔" آسیہ انہیں جواب دے کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "ہاں بیٹا! نبیل سے کہو اس وقت تو کوئی
نہیں ہے البتہ شام میں وہ ذرا جلدی آجائے تو۔"
"جی اچھا" وہ آسیہ کی بات پوری سنے بغیر وہیں سے پلٹ آئی اور نبیل کو اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑا
دیکھ کر آہستہ آواز میں بولی۔
"کوئی کام نہیں ہے، بس شام میں جلدی آجائیے گا"
"کیوں؟"
"مجھے کیا پتا مما کہہ رہی ہیں۔" وہ ان کے قریب سے نکل کر کمرے کے اندر آگئی۔
"اچھی بات ہے۔" نبیل چلے گئے تو اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس کھینچی پھر دروازے سے ذرا
نکال کر انہیں جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔
جب وہ سیڑھیاں اتر گئے تب کچھ مطمئن ہو کر اس نے ٹیرس کی طرف جانے کا سوچا تاکہ وہاں
عارفہ بیگم کی باتیں سن سکے اور ابھی اپنی سوچ پر عمل کرنے کے لیے وہ خود کو تیار کر رہی تھی کہ بوا چائے
اٹھائے راہداری میں نمودار ہوئیں، جنہیں دیکھتے ہی اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور آ کر اپنے بیڈ
گئی۔
اس کے اندر جتنا تجسس تھا اس سے زیادہ پریشان ہو رہی تھی کہ اگر آسیہ نے ان لوگوں کے بارے
سے پوچھ لیا تو وہ کیا جواب دے گی۔ گو کہ علی جہانگیر نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ کوئی ایسی راہ نکالے گا
آسیہ اس سے کوئی سوال نہ کرے۔ اب پتا نہیں وہ اس میں کامیاب ہوا تھا یا نہیں۔ یہ تو اس کی ماں اور
جانے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا تھا اور اتنی دیر تک وہ مطمئن نہیں ہو سکتی تھی۔ تجسس، پریشانی، خوف
ایک احساس کو بھی دبا نہیں پا رہی تھی کہ مزید اندیشے سر ابھارنے لگے تھے۔ تب ہی دروازہ کھلنے کی
آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔
"کون ہے بوا؟"
"میں۔" رابعہ اندر آتے ہوئے بولی۔ "میرے آنے پر تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"
وہ خاموش رہی۔
"اصل میں خواتین کی باتوں سے میں بور ہو گئی تھی اور تھینکس گاڈ کہ تمہاری امی نے محسوس
تمہارے پاس بھیج دیا۔ کیا کر رہی تھیں؟" تو وہ اسے بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے بولی۔
"کچھ نہیں۔"
"لیکن کچھ سوچ تو ضرور رہی ہو گی۔" رابعہ کی معنی خیز مسکراہٹ سے نظریں چرا کر وہ ادھر ادھر
اندر دل ایک مخصوص لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ جس سے چہرہ گلابی ہو گیا تو رابعہ ہنستی ہوئی بولی۔
"تم نہ بتاؤ پھر بھی میں جانتی ہوں۔ ویسے آج ہم اس مقصد سے نہیں آئے بلکہ میں تمہاری امی کو
آسیہ اور عارفہ بیگم کے آنے سے رابعہ کی بات ادھوری رہ گئی اور وہ بھی فوراً بیڈ سے اتر کر
عارفہ بیگم کو سلام بھی کیا تو وہ آگے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے آسیہ سے بولیں۔
"ماشاء اللہ۔ بہت پیاری بیٹی ہے۔ اسے بھی لے کر آئیے گا۔"
"جی آنٹی! میں بھی یہی کہنے والی تھی۔ اسے ضرور ساتھ لائیے گا۔" رابعہ نے فوراً تائید کے
کہا۔
"ہوں دیکھو۔" آسیہ اپنے کسی خیال میں تھی۔

اچھا تو ہمیں اجازت دیجیے۔ اب انشاء اللہ آپ سے ملاقات رہے گی، کیونکہ میری بیٹی تو آپ کی دیوانی ہو گئی
عارفہ بیگم مزید راہ رسم بڑھانے کے لیے جو کلمات ادا کر رہی تھیں رابعہ ان کی تائید کرتی گئی۔
کے لبوں پر نرم مسکراہٹ تھی پھر ان دونوں کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل گئی۔ تو وہ کسی معمول کی
بنتی ہوئی دروازے تک آ کر رک گئی۔ جب آسیہ انہیں زینے تک چھوڑ کر واپس آئی تو اسے خاموش
دیکھ کر اپنے آپ کہنے لگی۔
بڑی پیشنٹ تھیں۔ اپنے ہاں کی کسی تقریب میں انوائیٹ کرنے آئی تھیں، حالانکہ میں نے کل فون پر ہی
کہہ دیا تھا کہ میں کہیں آتی جاتی نہیں ہوں، پھر بھی خیر آج چھٹی کا دن ہے شام تک شاید موڈ بن جائے تم
"اس نے چونک کر اپنی طرف اشارہ کیا۔ پھر اچانک کسی خیال سے منع کر دیا۔ "نہیں مما! آپ چلی
"
قدرے پرسوچ انداز میں سرہلاتی اپنے کمرے میں چلی گئی تو وہ مطمئن ہو کر مسکرائی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

نگیر نے اپنے ایک دو خاص دوستوں کو ہی انوائیٹ کیا تھا۔ اور بس انہیں ریسیو کرنے گیٹ پر آیا تھا پھر ان
ہال کمرے میں آ بیٹھا اور اس نے قصداً اپنے لیے وہ جگہ منتخب کی تھی جہاں دروازے کی طرف اس
گئی تھی، کیونکہ رابعہ نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ آسیہ کے ساتھ صباحت بھی ضرور آئے گی اور اس
کیونکہ اسے خود پر اختیار نہیں رہتا تھا اس لیے اس نے دروازے کی سمت پشت کر لی تھی کہ کہیں پہلے
اس کی بے اختیاری آسیہ کو چونکا نہ دے۔ بہرحال اس احتیاط کے باوجود اس کا دھیان دروازے ہی کی
جہاں سے وقفے وقفے سے رابعہ کسی مہمان خاتون یا لڑکی کے ساتھ داخل ہوتی اور اسے عارفہ بیگم کے
کر واپس چلی جاتی۔ علی جہانگیر نے ایک بار بھی گردن موڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ اس کی
ہی خاموشی سے ہوتی وہ محسوس کر سکتا تھا اور وہ اسی انتظار میں بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ سات بجنے میں کچھ
تھے جب رابعہ نے غالباً اسے مطلع کرنے کے لیے دروازے سے ہی عارفہ بیگم کو پکار کر کہا۔
"آنٹی آسیہ۔"
جہانگیر خود کو روکتے روکتے بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور دوستوں سے ایکسیوز می کہہ کر پلٹا تو آسیہ کے
نہ دیکھ کر وہ سخت مایوس ہوا اور اس عالم میں آگے آیا تو عارفہ بیگم اسے مخاطب کر کے بولیں۔
"یہ ڈاکٹر آسیہ ہیں اور ڈاکٹر صاحبہ یہ! میرا بیٹا ہے علی۔"
"السلام علیکم۔" علی جہانگیر نے سلام کرنے کے ساتھ آسیہ کے ساتھ کھڑے نبیل کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔
"نبیل کہتے ہیں۔" نبیل نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"
"آپ کا بیٹا ہے؟" عارفہ بیگم نے نبیل کو دیکھتے ہوئے آسیہ سے پوچھا۔ تو وہ تفاخر سے بولی۔
"ہاں میرا بیٹا ہے۔"
"میں سمجھی آپ کی بس وہی ایک بیٹی ہے۔ وہ آئی نہیں آپ کے ساتھ۔" عارفہ بیگم کو ایک دم صباحت کا
محسوس ہوا۔
"اس کے ایگزام قریب ہیں۔ اس کی تیاری میں لگی ہے۔"
"میرا خیال ہے یہ ساری باتیں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہیں۔ پلیز ڈاکٹر صاحبہ آپ تشریف رکھیں اور نبیل صاحب
آ جائیں۔"
جہانگیر نے احساس کرتے ہوئے کہا اور نبیل کو لے کر اپنے دوستوں کی طرف آ گیا اور صرف ان ہی کا خیال
سے بیٹھنا پڑا ورنہ اس محفل میں اب اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے انتظار کے لمحات

جتنے کیف آگیں تھے۔ اب اتنی ہی بوریت تھی۔ رہ رہ کر صباحت پر غصہ آرہا تھا اور بہت کوشش کے باوجود وہ اس طرف سے دھیان بھی نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ ادھر بات کیا ہوتی' وہ جواب کیا دیتا۔ آخر اس کے دوست جنید نے ... دیا۔

"کہاں الجھے ہو یار؟ میں اتنی دیر سے نوٹ کر رہا ہوں۔ تم مسلسل ہمیں اگنور کر رہے ہو اور اب انہیں بھی۔" اس کا اشارا نبیل کی طرف تھا۔ وہ سمجھ کر اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتا ہوا نبیل کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگا۔

"آپ کی کیا مصروفیات ہیں۔؟"

"گورنمنٹ کالج میں لیکچرار ہوں' اس کے علاوہ بھی سارا وقت پڑھنے پڑھانے میں گزرتا ہے۔" نبیل نے سادہ سے انداز میں بتایا تو ان کے قریب رکھی ان کی اسٹک کو دیکھتے ہوئے علی جہانگیر نے بے اختیار بھنویں اچکائیں جیسے اسے حیرت ہوئی ہو۔ پھر فوراً" موضوع بدل گیا۔

"مجھے لگتا ہے' میں نے پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"اتفاق سے میں بھی اس وقت سے یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کہاں دیکھا ہے۔" پرسوچ انداز میں کہتے ہوئے نبیل کو اچانک یاد آگیا۔ "ہاں لائبریری میں۔ ایک دوبار وہیں دیکھا ہے۔"

"مائی گاڈ! کہیں صباحت کے ساتھ تو نہیں دیکھ لیا۔ اس نے سوچا اور قدرے رک کر بولا "ہو سکتا ہے' میں نے بھی وہیں دیکھا ہو۔"

"بھائی! آپ کا فون ہے۔" عقب سے رابعہ نے پکار کر کہا تو وہ دل ہی دل میں شکر کرتا ہوا ان سے معذرت کر کے فوراً" اٹھ کر لابی میں آگیا۔

"ہیلو' علی جہانگیر اسپیکنگ۔"

"تھینک یو۔" ادھر سے صباحت کی قدرے ہنستی ہوئی آواز آئی تو اس کی ساری کوفت پل میں رخصت ہو گئی لیکن بظاہر خفگی سے گویا ہوا۔

"کس بات کا شکریہ ادا کر رہی ہیں؟"

"خود ہی سمجھ جائیں۔"

"سوری۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔" اس نے صاف انکار کر دیا لیکن ذہن پر زور بھی دینے لگا تھا۔

"بھئی! مما تک پہنچنے کے لیے آپ نے جو بھی طریقہ اختیار کیا۔ میں وہ سب تو نہیں جانتی لیکن آپ نے مجھ پر کوئی آنچ نہیں آنے دی' اس کے لیے تھینک یو اگین۔"

اس نے وضاحت کے ساتھ دوبارہ شکریہ ادا کیا تو وہ شاکی ہو کر بولا۔

"لگتا ہے آپ کو میرا اعتبار نہیں تھا اور اس لیے آپ آئیں بھی نہیں۔"

"نہیں علی! میرے نہ آنے کا سبب بے اعتباری نہیں بے اختیاری ہے۔" وہ بڑی سادگی سے اعتراف کر گئی جس سے اس کی ظاہری خفگی پل میں ہوا ہو گئی بے ساختہ مسکرا کر بولا۔

"وہ اقبال نے کیا کہا ہے کہ اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل۔"

"جی ہاں میں نے اسی پر عمل کیا ہے۔" وہ ہنسی۔

"لہٰذا اور اس کے اگلے مصرعے پر عمل کا کب تک ارادہ ہے۔" اس نے محظوظ ہو کر پوچھا تو وہ بے ساختہ بولی۔

"اس پر پہلے عمل ہو چکا۔"

علی جہانگیر کا دلکش قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ ادھر وہ سٹپٹا گئی۔

"میں فون بند کر رہی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"بیوقوف!" وہ ریسیور رکھ کر لابی سے نکلا تو رابعہ سب مہمانوں کو کھانے کے لیے لان میں لے جا رہی تھی۔ وہیں رک کر آسیہ کو دیکھنے لگا وہ سفید ساڑھی میں بڑی باوقار اور سب میں نمایاں لگ رہی تھی۔ علی جہانگیر بالکل غیر ارادی طور پر اسے شاہ سکندر کے ساتھ سوچنے لگا تو اس کے ذہن کے کینوس پر وہ تصویر ابھرنے لگی' جو ایک دن شاہ سکندر کے ساتھ اس کے کانونیٹ آئی تھی۔ اس وقت اگر وہ کسی شاعر کا ... ہوتی تھی تو اس وقت بھی خوب صورت غزل کے سانچے میں ڈھلی تصویر لگ رہی تھی میک اپ سے بے نیاز چہرہ اور سیدھی مانگ کے ساتھ ڈھیلی ڈھالی چوٹی زیورات کے نام پر کانوں میں ٹاپس تھے اور کلائی میں ... علی جہانگیر کو اس عورت کے بجائے اپنے چچا شاہ سکندر پر رحم آنے لگا' تب ہی رابعہ اس کے قریب آ ...

"بھائی! یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ وہاں چلیں ناں ڈاکٹر آسیہ کے پاس' آخر آپ کو انہیں متاثر کرنا ہے۔"

"ہوں ہوں۔ میں شاید انہیں متاثر نہیں کر سکتا۔" اس نے پرسوچ انداز میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا کمی ہے آپ میں ماشاءاللہ۔"

"شٹ اپ۔" اس نے ٹوک کر رابعہ کو مہمانوں کے پاس جانے کا اشارا کیا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"کمال ہے۔ میں تو آپ کی تعریف کر رہی ہوں اور آپ۔"

"فضول باتیں نہیں کرو' چلو جاؤ۔" اس بار اس نے قدرے سختی سے ٹوکا اور اسے وہیں بڑبڑاتے چھوڑ کر اپنے ... کا رخ کیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"مامی جی! اوکہ میں یہاں بہت بور ہو گئی ہوں پھر بھی واپس کراچی نہیں جاؤں گی۔" مدیحہ نے ہیٹر کے قریب کشن کھینچ کر اس پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے کہا تو سیما بھابھی ایک نظر اس پر ڈال کر بولیں۔

"ہاں تو بیٹا! کون کہہ رہا ہے ابھی تمہیں واپس جانے کو' جب تک دل چاہے رہو۔"

"میرا مطلب ہے' میں یہیں پڑھنا چاہتی ہوں اور اس کے بعد جاب بھی یہیں کروں گی۔ آپ مما سے کہیں ناں کہیں کسی کالج میں ایڈمیشن کرا دیں اور ساتھ ہاسٹل میں بھی۔"

"ہاسٹل میں کیوں۔"

"کیونکہ میں آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔" اپنے تئیں وہ بڑی سمجھداری سے کام لے رہی تھی۔ سیما بھابھی کو بے ساختہ ہنسی آگئی جسے روکنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں مامی جی! مجھے یہاں آئے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا اور زیادہ سے زیادہ آپ مجھے ایک ... اور برداشت کر لیں گی اس کے بعد۔"

"بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔" اسے حد درجہ سنجیدہ دیکھ کر سیما بھابھی کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ ٹوکتے ہوئے کہنے لگیں۔ "پتا ہے جب تم پیدا ہوئی تھیں۔ ہم نے اسی وقت آسیہ سے کہا تھا کہ تمہیں ہمارے پاس چھوڑ دے۔ اگر اس وقت وہ ہماری بات مان لیتی تو تم شروع سے یہیں ہوتیں تو کیا میں تمہیں بوجھ سمجھتی ایسا کیسے سوچ لیا تم نے؟"

"آپ سمجھ نہیں رہیں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں سب سمجھ رہی ہوں۔ تم یہاں پڑھنا چاہتی ہو ناں تو ہو جائے گا تمہارا ایڈمیشن اور اس کے لیے ہمیں کسی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے' سمجھیں تم۔ لاحول ولا میں تو تمہیں بہت عقل مند سمجھتی تھی تم تو آسیہ سے بھی زیادہ احمق ہو۔"

"مما احمق نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ہیں۔" وہ ان کی خفگی سے خائف ہو کر بولی۔

"احمقوں کا کوئی خاص شعبہ نہیں ہوتا۔ یہ ہر شعبے میں پائے جاتے ہیں۔ بے شک اپنے سبجیکٹ میں ماسٹر ہوں لیکن دوسرے معاملات میں احمق ہی رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنی مما کو دیکھ لو۔ تعلیمی میدان میں اتنی ذہین ہمیشہ فرسٹ پوزیشن لی لیکن زندگی کے دوسرے معاملات میں اتنی ہی احمق ثابت ہوئی۔"

سیما بھابھی پہلے اس کی بات پر مذاق میں شروع ہوئی تھیں۔ لیکن پھر آسیہ کا ذکر کرتے ہوئے سنجیدہ ہو گئیں۔ "میں جب بھی آسیہ کو دیکھتی ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ یا تو شاہ سکندر کے

ساتھ کمپرومائز کرلیتی یا پھر۔"
"آپ کا مطلب ہے' مما کو دوسری شادی کرلینی چاہیے تھی۔" سیما بھابھی کے خاموش ہوجانے پر اس نے
سمجھ کر پوچھا تو وہ نظریں چراتے ہوئے بولیں۔
"نہیں' میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"
"پھر کیا اچھا نہیں کیا مما نے؟"
"یہی کہ تمہیں شروع سے میرے پاس نہیں چھوڑا۔" سیما بھابھی بڑی خوب صورتی سے بات بنا گئیں اور پیار
سے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہنے لگیں۔ "خیر اب تم میرے پاس ہو اور میں تمہیں ہرگز واپس نہیں جانے دوں گی۔
تم یہیں پڑھو گی اور یہیں تمہاری شادی ہوگی ٹھیک۔"
وہ سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔
"تم اگر پہلے کہتیں تو اب تک تمہارا ایڈمیشن ہو بھی چکا ہوتا۔ خیر میں آج ہی شکیل سے کہوں گی۔"
"ان سے پہلے آپ مما سے پوچھ لیں۔" وہ منمنائی۔
"تم کہتی ہو تو پوچھ لیں گے اُن سے بھی۔" سیما بھابھی کو اس وقت وہ چھوٹی سی معصوم بچی لگ رہی تھی اور وہ
اسی طرح اسے بہلا رہی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

سردیوں کی راتیں ایک تو جلدی شروع ہوجاتی ہیں دوسرے سناٹا بھی چھا جاتا ہے۔ ابھی آٹھ بجے تھے اور لگ
رہا تھا جانے کتنی رات بیت گئی ہو۔ وہ عشاء کی نماز پڑھنے جارہی تھی جب آسیہ کا فون آیا تھا کہ اسے آنے میں
ہوجائے گی اس لیے وہ کھانا کھالے۔
وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوگئی تو بوا نے اس سے کھانا لگانے کا پوچھا اور اسے بھوک تو لگ رہی تھی۔ لیکن نبیل
نہیں تھے اس لیے منع کرتے ہوئے بولی۔
"آپ کھالیں بوا! میں جب نبیل بھائی آئیں گے ان کے ساتھ کھالوں گی۔"
"آسیہ تو آنے والی ہوگی ناں۔"
"نہیں مما کا فون آیا تھا۔ وہ دیر سے آئیں گی اور آپ کو ان کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی ضرورت نہیں۔
آپ کھانا کھائیں اور لحاف میں جائیں۔ مما کے لیے کھانا میں گرم کردوں گی اور یہ نبیل بھائی پتا نہیں کہاں رہ گئے
ہیں۔"
آخر میں وہ بڑبڑاتی ہوئی نبیل کو دیکھنے کی غرض سے بالکونی کا دروازہ کھولنے لگی تھی کہ فون کی بیل پر دروازہ
کرلاؤنج میں آگئی۔
"آپ تو مزے میں ہوگے تم سب۔" دوسری طرف مدحیہ تھی اس کی آواز سنتے ہی شروع ہوگئی۔ "بہت
کرنے لگی تھی ناں میں ہم سب کو۔ سچ بتاؤ کتنے نفل شکرانے کے پڑھے تم نے اور تمہارے
"بکومت اور فوراً" واپس آؤ۔ میں بہت بور ہوگئی ہوں اور اداس بھی۔" اس نے ٹوک کر کہا۔
"میرے بغیر۔" مدحیہ کی حیرت میں ڈوبی آواز آئی۔
"اور نہیں تو کیا۔"
"اچھا کبھی آجاؤں گی تم سے ملنے۔ فی الحال تو تم میرے ڈاکومینٹس بھیج دو کیونکہ میں یہاں کالج میں
لے رہی ہوں۔" مدحیہ نے اس پر احسان کرتے ہوئے کہا تو وہ چیخ پڑی۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" بھیج
"ارے سیدھی سادی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ میری انٹر کی مارکس شیٹ اور سرٹیفکیٹ
"ہرگز نہیں۔ یہاں امتحان ہونے والے ہیں تم فوراً" واپس آؤ۔"
"نہیں صبا۔ میں اب وہاں نہیں آؤں گی میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ تم مما کو بھی بتادینا اور ان سے کہنا

ش نہ کریں اور اگر انہوں نے میرے ساتھ اس سلسلے میں کوئی زبردستی کی تو میں سچ مچ اپنے باپ کے
ں گی۔"
نے ایک دم سنجیدہ ہو کر اپنی ہمیشہ والی وارننگ دہرائی تو وہ رو پڑی۔
بری ہو مدحو! تمہیں ذرا احساس نہیں کہ۔"
روں میں احساس بتاؤ۔ میرے ساتھ جو ہوا اس پر دوسرے کو احساس کیوں نہیں دلایا جاتا۔ میری تقدیر
لیا جاتا ہے اور تم کس حساب سے میری دادی اماں بننے کی کوشش کرتی ہو۔ بڑی عقل ہے تمہارے
" مدحیہ نے تنفر سے فون پٹخ دیا تھا۔
مدحو!" اس نے بے قراری سے کریڈل پر ہاتھ مارا پھر مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا اور ہتھیلیوں سے
رتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ نبیل کی آواز پر ہاتھ نیچے گرا کر انہیں دیکھنے لگی۔
افون تھا؟" وہ پوچھ رہے تھے۔
ا۔"
رہی تھی؟"
نہیں پتا' اس سے پوچھ لیں۔" اس کی آنکھیں پھر چھلکنے کو ہو رہی تھیں۔ اس لیے جلدی سے کہہ کر
میں آگئی۔
نبیل اس کے پیچھے چلے آئے۔ "یہ کیا بیوقوفی ہے۔ تم جانتی تو ہو مدحو کو پھر اس کی باتوں پہ رونے کا
مجھے بتاؤ اب کیا کیا ہے اس نے؟"
کہ اب یہاں نہیں آئے گی۔ وہیں پڑھے گی' اپنی مارکس شیٹ وغیرہ منگوائی ہے اس نے کہہ رہی تھی
زبردستی کی تو وہ سچ مچ شاہ سکندر کے پاس چلی جائے گی۔" اس نے روتے ہوئے بتایا تو نبیل گہری سانس
لے۔
ہیں کب سدھرو گی تم دونوں۔"
نے کیا کیا ہے۔" وہ فوراً" بولی۔
ہی کیا سکتی ہو سوائے رونے کے اور اسے دھمکانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ بس ساری زندگی میں
رہنا تم دونوں۔" نبیل کو جانے کیوں غصہ آگیا تھا۔
ی جلدی اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔
سکندر کے پاس جائے گی وہ ضرور جائے۔ آخر باپ ہے اس کا۔ تمہیں اگر باپ سے ملنے کا شوق نہیں ہے
ت رو کو جانے دو۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ تمہیں بھی جانا چاہیے۔"
جاؤں گی میں بھی جاؤں گی۔" "لیکن اس طرح نہیں جیسے مدحو بات بے بات دھمکی دیتی ہے میں مما کی
ے جاؤں گی۔" وہ کہہ کر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو پہلی بار نبیل بجائے اسے چپ کرانے کے
سے نکل گئے۔
سے احساس ہوا تو ہاتھ نیچے گرا کر بہت حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا پھر ان کے پیچھے جانے کا بس سوچ
لیکن ہمت نہیں ہوئی کیونکہ ان کا غصہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس کے رونے پر تھا یا مدحیہ پر اور کسی پر
طرح تو وہ کبھی نہیں کرتے تھے کہ اسے روتا چھوڑ کر چلے جائیں۔
رویے پر الجھتی ہوئی ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی پھر اچانک کھانے کا خیال آیا تو سب بھول کر ان کے
گئی۔
بھائی آپ کے لیے کھانا گرم کروں؟"
ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑے تھے۔ اس کی سمت ذرا سی گردن موڑ کر پوچھنے لگے۔
کھالیا؟"

"نہیں، اکیلی کیسے کھاتی۔"

"کیوں، پھپھو کہاں ہیں؟"

"کلینک، فون آیا تھا ان کا کہ انہیں دیر ہو جائے گی اور اتنی دیر تو ہو گئی ہے، ابھی تک نہیں آئیں۔" اس نے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"آ جائیں گی، تم کھانا گرم کرو۔" انہوں نے سرسری انداز میں کہہ کر رخ موڑ لیا تو وہ وہیں سے پلٹ کر کچن میں آ گئی۔ کھانا گرم کیا پھر ٹیبل پر رکھ کر نبیل کو بلا لائی اور ابھی دونوں نے کھانا شروع کیا تھا کہ آسیہ آ گئی۔

"تم لوگ اب کھانا کھا رہے ہو۔ میں نے کہا بھی تھا میرا انتظار نہیں کرنا۔" آسیہ نے تعجب کے ساتھ صاف گوئی سے بولی۔

"آپ کے انتظار میں دیر نہیں ہوئی مما! نبیل بھائی بھی نہیں تھے اور آپ کو پتا ہے، میں اکیلی نہیں کھاتی۔"

آسیہ نے چیئر کھینچتے ہوئے نبیل کو دیکھا لیکن پوچھا نہیں کہ انہیں کہاں دیر ہوئی۔

"وہ مما! مدحو کا فون آیا تھا۔" قدرے توقف سے اس نے اسی قدر کہا تھا کہ آسیہ نے فوراً پوچھا۔

"اچھا، کب آنے کو کہا ہے اس نے۔"

اس نے کچھ سٹپٹا کر نبیل کو دیکھا، لیکن وہ بہت انجان نظر آئے جیسے سنا ہی نہیں، تب وہ اندر ہی اندر خائف ہو کر بولی۔

"آنے کو تو نہیں کہا بلکہ وہ تو وہیں رہنے کی بات کر رہی تھی۔"

"کیا مطلب؟" آسیہ کا منہ کی طرف جاتا ہوا ہاتھ درمیان میں ہی رک گیا۔

"مجھے نہیں پتا مما! وہ کہہ رہی تھی وہیں کالج میں ایڈمیشن لے گی۔"

آسیہ نے جانے کیوں خاموشی اختیار کر لی اور کھانے میں مصروف ہو گئی جس سے وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

"تو کیا مما! آپ اسے وہیں رہنے دیں گی؟"

"نہیں آ جائے گی وہ بلکہ میں خود لے آؤں گی اسے۔ اگلے ہفتے ڈاکٹرز کنونشن میں مجھے اسلام آباد جانا ہے، میں اسے بھی لیتی آؤں گی۔" آسیہ نے دھیرج سے اسے اطمینان دلایا پھر نبیل کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"نبیل! تم کل چار بجے گھر پر ہی رہنا۔ کچھ مہمان آئیں گے۔"

"کون؟" نبیل نے کچھ بے دھیانی میں پوچھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ اس روز جن کے ہاں ہم لوگ گئے تھے۔ میرا خیال ہے وہ۔"

آسیہ ایک دم خاموش ہو گئی تو نبیل نے غالباً سمجھ کر بے اختیار اسے جن نظروں سے دیکھا، اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا تھا اور فرار کا ایک ہی راستہ نظر آیا۔ فوراً برتن سمیٹ کر کچن کی راہ لی لیکن اس کا اضطراب عروج پر پہنچ گیا تھا۔ ایسے میں اسے مدحیہ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ اب اس مقام پر وہ اسے ہمراز بناتی تب بھی اس کے ذریعے سے ایک ایک بات اسے معلوم ہو سکتی تھی۔

پھر رات دیر تک اسے نیند نہیں آئی۔ جانے کیا کچھ سوچتی رہی۔ محبت کی جس شاہراہ پر وہ چل رہی تھی، اس کی منزل صاف نظر آتی اور کبھی درمیان میں خدشات گھیر لیتے اور محبت کی راہ گزر تو ایسی ہی ہے، رنگ رنگ پھولوں سے ڈھکی ہوئی۔ پتا ہی نہیں چلتا کہاں کانٹے چھپے ہیں۔ بہرحال اگلے دن کالج سے آ کر کونہ کونہ چمکا دیا لیکن اس وقت وہ بری طرح جھنجھلا گئی جب مہمانوں کو اوپر بلانے کے بجائے آسیہ نے نبیل کو بھی وہیں بلا لیا۔ وہ وہیں دیکھتی رہ گئی، پھر اس انتظار میں ٹہلنے لگی کہ کسی وقت اسے بھی بلایا جائے، ایسا بھی نہیں ہوا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد نبیل واپس اوپر آئے تو ان کی اسٹک کی آواز سنتے ہی وہ جلدی سے کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔

"صبا!" نبیل نے اس کے دروازے پر آ کر پکارا تو وہ منتظر ہونے کے باوجود بھی چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"جی بھائی!"

[...]جی اپنے کرتے کا پوچھ رہی ہیں۔"

[...]ر بھی یوں کھڑی تھی جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ شاید اس لیے کہ اس کی سماعتیں کچھ اور سننا [...]

[...]ت ہے۔ سلا نہیں۔" نبیل کے ٹوکنے پر وہ چونک کر بولی۔

[...]سل گیا۔ وہ تو میں نے کل ہی سی دیا تھا۔ بس ابھی دے رہی ہوں۔"

[...]نہیں۔ نیچے اماں جی کو دے آؤ۔" نبیل کہہ کر وہیں سے پلٹ گئے تو وہ بے اختیار ان کے پیچھے لپک کر [...]

[...]وہ مہمان۔"

[...]نے رک کر دیکھا تو بری طرح سٹپٹا گئی۔

[...]یرا مطلب ہے نیچے مہمان ہیں۔"

[...]گئے۔" نبیل بغیر کچھ بتائے اپنے کمرے میں داخل ہو گئے تو وہ اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر بڑبڑائی۔

[...]اللہ! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔" پھر الماری میں سے کرتا نکال کر نیچے آئی تو آسیہ، اماں جی اور میمونہ بھابھی سے [...]باتیں کر رہی تھی جو اسے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ جس سے اس کا دھڑکتا ہوا دل ٹھہرنے لگا، بہت محتاط سی ہو [...]ہی سے بولی۔

[...]اماں جی! آپ کا کرتا۔"

[...]رہو، بٹن بھی ٹانک دیے ہیں۔" اماں جی نے اس کے ہاتھ سے کرتا لیتے ہوئے پوچھا۔

[...]اللہ کرے آپ کو پسند آ جائے۔" اس نے ثوبیہ کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا اور وہ [...]آئی تو ممانی سے پوچھنے لگی۔

[...]یہ کہاں ہے مامی جی؟"

[...]عمر کے ساتھ بازار گئی ہے۔ بیٹھو ابھی آتی ہوگی۔"

[...]پھر آ جاؤں گی۔" وہ پلٹی تھی کہ میمونہ بھابھی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

[...]تو ہم سے کوئی ناراضگی ہے کیا؟"

[...]ارے مامی جی! میں آپ سے ناراض ہونے کی جرات کر سکتی ہوں بھلا ہرگز نہیں۔ وہ تو امتحانوں کی وجہ سے [...]ی ہو گئی ہوں ورنہ آپ کو دیکھے بغیر تو میرا کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا، پوچھ لیں مما سے۔"

[...]نے میمونہ بھابھی کی گردن میں بازو ڈالتے ہوئے کہا تو وہ اس کا گال تھپک کر بولیں۔

[...]جانتی ہوں۔"

[...]تو دعا کریں بخیر و خوبی امتحان ہو جائیں۔"

[...]کرے، ثوبیہ نے بھی ہوا بنایا ہوا ہے امتحانوں کو اور اس کے نوٹس ہی نہیں پورے ہوتے اور وہ کیا ہوتے [...]سالہ دس سالہ پیپرز۔ پتا نہیں کیا پڑھتے ہو تم لوگ۔ ہم تو سیدھے سیدھے کتابیں پڑھتے اور امتحان دیتے [...]ظم نہیں جمع کرتے تھے۔"

[...]ب کا زمانہ اور تھا مامی جی۔" وہ ان کے الم غلم کہنے پر ہنستی ہوئی بولی۔

[...]ٹھیک کہتی ہو۔ صحیح کہتی ہو، ہم لوگ چلو جاؤ اپنی پڑھائی کرو تم۔" میمونہ بھابھی نے اس کی کمر پر دھپ جماتے ہوئے [...]طرح ہنستی ہوئی سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

[...]علیکم بابا جان!" شاہ سکندر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ بابا جان فون پر جانے کس سے بات [...]تھے، ہاتھ سے شاہ سکندر کو بیٹھنے کا اشارا کر دیا تو وہ جو اس وقت خاصی فراغت سے آئے تھے۔ آرام دہ [...]بیٹھ کر سائیڈ سے اخبار اٹھا کر دیکھنے لگے۔

”ہوں۔“ چند منٹ بعد بابا جان متوجہ ہوئے اور انہیں متوجہ کرنے کے لیے ہنکارا بھر کر بولے۔ ”کوئی خاص
ہے؟“
”پرانا اخبار ہے۔“ انہوں نے اخبار تہہ کر کے واپس وہیں رکھ دیا پھر بابا جان کو دیکھ کر مسکرا کر بولے۔ ”خاص
خبریں اخباروں میں نہیں چھپتیں۔“
جواباً ”بابا جان کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔
”آپ سنائیں‘ وہ جو بھابھی بیگم کراچی سیٹل ہوئی ہیں انہوں نے کچھ معاملہ آگے بڑھایا یا نہیں۔“ شاہ سکندر
غالباً ”اسی مقصد سے آئے تھے جب ہی فوراً ”اصل موضوع کی طرف آ گئے۔
”وہ بھی ہم علی سے اسی سلسلے میں بات کر رہے تھے۔ اس نے بتایا ہے‘ آج دلہن بیگم باقاعدہ اس کا رشتہ لے
گئی تھیں۔“
”پھر کیا جواب دیا آسیہ نے؟“ شاہ سکندر بے صبری کا مظاہرہ کر گئے جس پر بابا جان نے بڑی کھوجتی ہوئی نظر
سے انہیں دیکھا پھر قصداً ”سرسری انداز میں بولے۔
”سوچنے کو وقت مانگا ہے اس نے اور پھر اپنے بھائیوں سے مشورہ بھی ضرور کرے گی ان کی در پر جو بیٹھی
اب تک۔“
”لیکن وہ کسی پر بوجھ تو نہیں ہے۔“ شاہ سکندر بلا ارادہ کہہ گئے۔
”یہ تو وہی جانتے ہوں گے‘ بہر حال ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہم صرف تمہاری بیٹی کے لیے فکر
ہیں۔ اگر آسیہ بیگم نے اسے اپنے ہی خاندان میں بیاہ دیا تو یہ اس بچی پر بڑا ظلم ہو گا۔ ساری زندگی اسے اپنے
دادا کے طعنے سننے پڑیں گے۔ ٹھیک اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دراصل
رگوں میں دوڑتا ہمارا خون ہے۔ جس کی وجہ سے ہم بنا دیکھے اس کے لیے فکر مند ہیں اسی طرح اس کے
باپ دادا کا طعنہ سہنا عذاب ہو گا یہ بالکل فطری بات ہے۔ اس لیے جب تک وہ بچی اپنے لوگوں میں نہیں
ہمیں چین نہیں آئے گا۔“ بابا جان نے بڑی خوب صورتی سے انہیں تاریک پہلو سمجھا کر کہا تو وہ اندر ہی اندر
ہو کر بولے۔
”پتا نہیں بابا جان! اس بچی کے دل میں ہمارے لیے کیا ہے۔ محبت‘ نفرت یا کچھ بھی نہیں۔“
”بونے والوں نے تو نفرت کا بیج ہی بویا ہو گا۔ خیر‘ تمہیں اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ
ان شاء اللہ خوش ہی ہو گی اور ہاں تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے۔“
بابا جان نے محض ان کا دھیان بٹانے کی خاطر ان دوسری بیٹی کا ذکر چھیڑ دیا تو وہ چونک کر کہنے لگے۔
”الماس تو بہت چھوٹی ہے بابا جان! ابھی تو میٹرک کیا ہے اس نے۔ اور میرا ارادہ اسے ڈاکٹر بنانے کا۔
اللہ ذہین ہے آسانی سے میڈیکل میں جا سکتی ہے۔“
”ہوں۔“ بابا جان نے سوچتے ہوئے انداز میں ہوں کی آواز نکالی پھر کافی دیر بعد بولے۔ ”اچھی بات۔
شاہ سکندر اٹھ کھڑے ہوئے۔
”میں چلتا ہوں بابا جان! آپ آرام کریں۔“
بابا جان نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تو وہ انہیں شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل آئے اور جب
میں داخل ہوئے تو آگے مہرالنساء منتظر کھڑی تھی۔ دیکھتے ہی کہنے لگی۔
”شاہ! آپ نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی۔“
شاہ سکندر کچھ بولے نہیں لیکن مجسم سوالیہ نشان بن گئے تھے۔
”کیا یہ سچ ہے کہ شہر میں آپ کی کوئی اولاد ہے جسے بابا جان یہاں لانے کی تدبیر کر رہے ہیں۔“
مہرالنساء کے غرور میں اضافہ ہی کیا تھا اور اب تو خاصے جارحانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔
”ہاں۔“ شاہ سکندر مختصر جواب دے کر مسہری پر جا بیٹھے تو وہ تلملا کر ان کی طرف پلٹی۔

”اس کی ماں مر گئی ہے کیا۔؟“
”آپ مہرالنساء۔“ وہ بے اختیار چلائے پھر فوراً ”ہونٹ بھینچ کر خود پر قابو پانے کے بعد کہنے لگے۔
”بابا جان یہاں لانے کی تدبیر کر رہے ہیں‘ وہ میری بیٹی ہے اور مجھ پر اتنا ہی حق رکھتی ہے جتنا الماس۔ لیکن
ہے کیا دیا۔ یہ تو نہیں تھا کہ میرے پاس دینے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اگر وہ محروم
تمہاری وجہ سے۔ تمہاری وجہ سے مہرالنساء! بابا جان نے مجھے مجبور اور بے بس کر کے مجھ سے وہ کچھ
نہیں چاہتا تھا اور میں تو ابھی بھی اتنا مجبور ہوں کہ خود جا کر اپنی بیٹی کو نہیں لا سکتا۔ اسے لانے کے
بابا جان کو تدبیریں کرنی پڑ رہی ہیں۔ خدا معلوم اتنے برسوں بعد انہیں یہ خیال کیسے آیا کہ میری اور بھی کوئی
بیٹی ہے اور یہ کہ اسے اس کا حق ملنا چاہیے۔ کتنی عجیب بات ہے پہلے خود اسے محروم کیا اور اب خود

اس کی ہنسی میں استہزا آمیز دکھ تھا۔
مہرالنساء بڑے ضبط سے سن رہی تھی۔ اس کے خاموش ہونے پر تڑخ کر بولی۔
”ہے بابا جان کو اگر اس کا خیال آ ہی گیا ہے تو اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو اس کا حق دینا دلانا
بھجوا دیں۔“
”بابا جان کو سب سے پہلے مجھے بھجوانا پڑے گا۔“ شاہ سکندر کو جانے کیا سوچ محظوظ کر گئی۔
”مطلب ہے آپ کا۔“
”اگر بھی نہ سمجھو تو اور بات ہے البتہ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ بچی میرے لیے کسی طرح بھی الماس سے کم
تم بے شک اس سے کوئی تعلق نہ رکھنا لیکن اسے کوئی زک پہنچانے کی بھی کوشش نہ کرنا۔“ شاہ سکندر
ہوئے لہجے میں سخت تنبیہہ تھی۔
”ہونہہ!“ مہرالنساء نے نخوت سے سر جھٹکا۔ ”وہ آئے گی تب تو۔“
”ضرور آئے گی۔“ یقین سے کہتے ہوئے شاہ سکندر جانے کہاں کھو گئے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس وقت بہت موڈ بنا کر پڑھنے بیٹھی تھی کہ عمر نے بہت خاموشی سے آ کر اس کے سر پر ہاؤ کی آواز نکالی تو وہ
ایک دم دھک دھک کرتے دل پر ہاتھ رکھ کر ناراضگی سے بولی۔
”بدتمیزی ہے اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو؟“
عمر نے قہقہہ لگا کر اس کا مذاق اڑایا۔
”سیدھی شرافت سے چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں مما کو پکار کر تمہاری خوب کھنچائی کرواؤں گی۔“ اس
کے قہقہے سے بری طرح تپ کر دھمکی دی تو وہ بجائے مرعوب ہونے کے اس کے سامنے بیڈ پر ڈھے گیا اور
معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
”چلا جاؤں گا سیدھی شرافت سے۔ تم بتاؤ تم کون سے طریقے سے جاؤ گی۔“
”کہاں جاؤں گی۔ میرا کمرہ ہے یہ۔“
”ارے میں اس گھر سے جانے کی بات کر رہا ہوں۔ سنا ہے تمہارے لیے کسی نامی گرامی کا پرپوزل آیا
اس کی معنی خیزی میں شوخی بھی شامل ہو گئی تھی۔
”مطلب ہے تمہارا؟“ وہ ”نامی گرامی“ پر اچھل پڑی۔
”تم سے پوچھنے آیا ہوں اور تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔ سیدھی طرح بتاؤ‘ کسی اے سی‘ ڈی سی کا رشتہ آیا
ہے
بڑھے بیٹھتے ہوئے رعب سے کہا تو وہ نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔
”ہاہا۔“

"سچ کہو۔ تمہیں پتا نہیں ہے۔"
"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ کل کوئی مہمان آئے تو تھے۔ لیکن مجھے نہیں پتا' وہ کس لیے آئے تھے۔ مما نے انہیں
نیچے ہی بٹھایا تھا پھر نبیل بھائی کو بھی وہیں بلالیا۔" وہ رک رک کر بتا رہی تھی کہ عمر نے ٹوک دیا۔
"بس مان لیا تمہیں نہیں پتا۔"
"بس مان لیا ناں۔ اب جاؤ مجھے پڑھنے دو۔" اس نے دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے دوبارہ کتاب اٹھائی۔
"کیا کرو گی پڑھ کر۔ وہ ڈی سی تم سے نوکری تو نہیں کروائے گا اور اگر کروائی بھی ہوئی تو اپنی سفارش پر تمہیں
کہیں تھانے دارنی لگوا دے گا۔"
"کیا؟" اس نے چیخنے کے ساتھ کتاب عمر کے سر پر دے ماری۔ "بہت ہی کمینے ہو تم تھانیدارنی لگوانا تم
بیوی کو اور اپنی سالی کو اور۔"
"ساس کو۔" عمر نے فوراً "لقمہ دیا۔
"ہاں بہت اچھے لگو گے تھانیدارنیوں میں گھرے ہوئے۔ ادھر سے وہ مارے گی ادھر سے وہ۔" وہ بولے جا رہی
تھی اور عمر ہنسے جا رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئی تب بڑی معصوم سی شکل بنا کر بولا۔
"ان ساری باتوں کے لیے ڈی سی ہونا ضروری ہے جو کہ میں نہیں ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں تم ان سے کہنا
تمہاری یہ ساری خواہشیں پوری کر دیں گے۔"
وہ سمجھ گئی کہ وہ باز آنے والا نہیں ہے اس لیے ایک دم خاموشی اختیار کرلی اور کچھ بے نیازی بھی دکھانے لگی
"ارے' اصل بات بتانا تو میں بھول ہی گیا۔" قدرے توقف سے عمر نے اچھل کر اپنے تئیں اسے چونکانا
لیکن اس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا۔
"ایمان سے صبا! تم سنو گی تو حیران ہو جاؤ گی بلکہ تمہیں یقین بھی نہیں آئے گا خود میں اپنی آنکھوں سے دیکھ
بھی یقین نہیں کر رہا۔" عمر نے مزید تجسس پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس بار کامیاب ہو گیا۔
"کیا کیا دیکھا ہے۔" وہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔
"وہ اپنے نبیل بھائی۔ آج میں نے انہیں طارق روڈ پر ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔" عمر نے اس کی
جھک کر جتنی آہستہ آواز میں بتایا' وہ اتنی زور سے چیخی۔
"جھوٹ مت بولو۔"
"جو چاہے قسم لے لو۔"
"نبیل بھائی! لڑکی کے ساتھ۔" وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔
"اور لڑکی بھی خاصی ماڈرن' بلیک جینز پر آف وائٹ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی اور بہت اترا اترا کر چل رہی
میں نے بہت کوشش کی ان تک پہنچنے کی لیکن برا ہو ٹریفک کا میرے روڈ کراس کرنے تک وہ دونوں گاڑی
کر میری نظروں کے سامنے سے نکل گئے۔"
عمر نے جوش سے بتاتے ہوئے آخر میں مایوسی کا اظہار کیا۔
میں ابھی پوچھتی ہوں نبیل بھائی سے۔" وہ اٹھنے لگی تھی کہ اس نے روک دیا۔
"ان سے کیا پوچھو گی؟"
"یہی کہ ان کے ساتھ لڑکی کون تھی۔" وہ سادگی سے بولی۔
"جلدی کیا ہے۔ ذرا صبر سے کام لو اور دیکھو کہ وہ خود سے کب بتاتے ہیں۔"
"وہ پتا نہیں کب بتائیں گے میں اتنا صبر نہیں کر سکتی۔" وہ واقعی کھڑی ہو گئی۔
"تمہاری مرضی لیکن خبردار جو میرا نام لیا تو میں صاف مکر جاؤں گا کہ میں نے تم سے کچھ نہیں کہا
تنبیہ کے ساتھ کہا تو وہ جاتے جاتے رک کر بولی۔
"تو اس کا مطلب ہے تم نے جھوٹ بولا ہے۔"

را کی لعنت۔" وہ خلیفہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔
ہو جاتا ہے۔" اس نے پھر جانے کے لیے قدم بڑھائے تو عمر ایک ہی جست میں اس سے پہلے
گیا اور وہ بھی رکی نہیں۔ اس کے پیچھے نکل کر پہلے اسے بھاگتے اور سیڑھیاں اترتے دیکھا پھر
پر دستک دینے کے بعد اندر جھانک کر پوچھنے لگی۔
ہیں رہے؟"
یہ اونچا کر کے سینے تک کمبل اوڑھے لیٹے ہوئے کچھ پڑھنے میں مصروف تھے۔ کتاب پر سے
سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
ڈسٹرب کرنا تو نہیں چاہتی تھی۔ لیکن۔" وہ اندر آ کر رک گئی۔
ہے؟" نبیل نے نرمی سے کہا پھر بھی وہ کچھ سٹپٹا گئی۔
پوچھنا تھا کہ آج آپ طارق روڈ گئے تھے؟"
؟" صاف انکار کے ساتھ نبیل کے کیوں نے اسے مزید بوکھلا دیا۔ بڑبڑانے کے انداز میں عمر کو
تو وہ کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔
تمہارے ساتھ' یہاں آؤ۔"
رہی ہوں۔"
نے رعب سے پکارا تو بہت دھیرے دھیرے آگے آتی ہوئی بولی۔
ہا' وہ عمر کہہ رہا ہے کہ اس نے آپ کو طارق روڈ پر دیکھا تھا ایک لڑکی کے ساتھ۔ میں نے اس کی
نہیں کیا نبیل بھائی۔"
مجھ سے تصدیق کرنے آئی ہو۔" نبیل کے چبھتے ہوئے لہجے نے اس کا پورا وجود سن کر دیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آسیہ نے بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں سوچا ہی نہ تھا۔ اسے شروع سے ان کی فکر تھی اور
دونوں کو اعلا تعلیم دلا کر کسی قابل بنانے کے بعد ان کی شادیاں کرے۔ لیکن دونوں میں سے کوئی
اتنی اچھی نہیں تھی۔ بہت محنت کے بعد بس یہ تھا کہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتی تھیں اور ظاہر
لیے ان کا یہ رزلٹ خاصا مایوس کن تھا اور بہت جلد اس نے ان کی اعلیٰ تعلیم کا خواب چھوڑ کر یہ
لیا تھا کہ دونوں کو گریجویشن کرا کر ان کی شادی کر دے گی' اس کے خیال میں بیکار لڑکیوں کی عمریں
مند نہیں تھا۔
پہلے جب مدحیہ کی منگنی ہوئی تھی تو وہ کیونکہ گھر کی بات تھی اس لیے اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ
معاملات طے کرتے ہوئے اسے کن مراحل سے گزرنا ہو گا' "آنا فانا" جیسے مدحیہ کی بات طے ہو گئی
خیال تھا صباحت کے لیے بھی جب کوئی اچھا رشتہ آیا' وہ اسی طرح اس کے فرض سے سبکدوش ہو
اس سے پہلے ہی احمر نے باہر شادی کر کے اس کے دل کو جو دھچکا پہنچایا تھا اس سے رشتوں پر سے
نہیں اٹھا تھا تب بھی وہ بہت محتاط ضرور ہو گئی تھی اور یہ جان لیا تھا کہ بیٹیوں کی شادی آسان بات
صباحت کے لیے جو پرپوزل آیا تھا اس کے بارے میں اس کا خیال تھا مکمل چھان بین کا کام عدیل
کرے گی۔ لیکن اتفاق سے ان دنوں عدیل بھائی اپنے بزنس ٹور پر جاپان گئے ہوئے تھے اور اسے کوئی
نہیں تھی خود اسے بھی اسلام آباد جانا تھا۔
"وہاں سے واپس آنے کے بعد عدیل بھائی سے بات کرے گی اور کیونکہ یہ طے تھا کہ اس نے
جلد فیصلہ نہیں کرنا اس لیے عارفہ بیگم کو بھی اس نے کوئی امید افزا جواب نہیں دیا تھا اس کے باوجود چار
دن بعد وہ پھر آن موجود ہوئیں۔ اتفاق سے اسی شام چھ بجے اس کی اسلام آباد کی فلائیٹ تھی اور
ان کی آمد پر وہ خاصی جز بز ہوئی۔ اپنی پیکنگ کا کام صباحت کو سونپ کر وہ بڑی عجلت میں نیچے آئی اور

ادا کر کے کہنے لگی۔
عارفہ بیگم سے ابتدائی رسمی کلمات بھی خاص عجلت میں
"اصل میں مجھے آج اسلام آباد جانا ہے۔ چھ بجے میری فلائیٹ ہے۔ آپ اگر آنے سے پہلے فون کر
آج زحمت کرنے سے بچ جاتیں۔"
"زحمت کیسی۔ اپنی غرض سے آئی ہوں اور بار بار آؤں گی۔ آج آپ مصروف ہیں تو کوئی بات نہیں
جاتی ہوں۔"
عارفہ بیگم نے برا مانے بغیر کہا تو وہ اپنی عجلت پر اندر ہی اندر نادم سی ہو کر فوراً" بولی۔
"ارے نہیں۔ اب ایسا بھی نہیں ہے کہ میں کھڑے کھڑے آپ کو رخصت کر دوں۔ آپ پلیز
رکھیں۔ ایک گھنٹہ ہے میرے پاس۔"
"شکریہ۔" عارفہ بیگم بیٹھتے ہی پوچھنے لگیں "اسلام آباد کس سلسلے میں جا رہی ہیں۔"
"ایک سیمینار کا دعوت نامہ ہے۔ اس میں شرکت کرنی ہے اور میرے ایک بھائی وہاں رہتے ہیں۔ ایک
کے پاس رہوں گی۔" اس نے سہولت سے بتایا۔
"اور آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں۔ وہ بھی آپ کی طرح ڈاکٹر ہیں کیا؟" عارفہ بیگم نے بظاہر بڑی
پوچھا تو چند لمحوں کے توقف سے وہ بہت سنبھل کر بولی۔
"جی نہیں۔ میرے شوہر نہیں ہیں۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی ہماری علیحدگی ہو گئی تھی۔"
"اوہ!" عارفہ بیگم نے افسوس کا اظہار کیا پھر پوچھنے لگیں۔ "پھر آپ نے دوسری شادی نہیں کی؟"
"جی نہیں اور پلیز کیوں کا سوال نہیں اٹھایئے گا۔" اس نے کہہ کر گھڑی دیکھی جیسے کیوں کا جواب
لیے اس کے پاس وقت نہ ہو۔
"ظاہر ہے۔ یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ لیکن بچی کا تو باپ سے ملنا ہوتا ہو گا۔" عارفہ بیگم جانے کیا
تھیں۔
"نہیں۔" آسیہ نے اختصار سے کام لیا اور یوں دیکھنے لگی جیسے اب وہ کیوں کا سوال ضرور اٹھائیں
کے برعکس وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولیں۔
"اس کا مطلب ہے، بچی کی ماں بھی آپ ہیں اور باپ بھی۔"
"جی۔"
"پھر بھی بچی کی شادی کے سلسلے میں آپ اس کے باپ سے مشورہ تو کریں گی بلکہ ضرور کرنا چاہیے
وہ کوئی۔" عارفہ بیگم نے قصداً" بات ادھوری چھوڑ دی۔
آسیہ خاموش رہی۔
"خیر آپ کی مرضی۔ ہمیں اس سے کیا سروکار۔ ہم نے آپ کو دیکھا، آپ کی بیٹی کو دیکھا۔ آپ
یافتہ سلجھی ہوئی خاتون ہیں بیٹی کی پرورش اور تربیت آپ نے کی تو یقیناً" اس میں آپ کا عکس ہے
باپ خواہ کیسا بھی ہو۔" عارفہ بیگم کی بات جاری تھی کہ وہ بول پڑی۔
"معاف کیجئے گا۔ میری بیٹی کا باپ کوئی ایسا ویسا شخص نہیں ہے۔ آپ نے اپنے ڈی سی بیٹے
کا انتخاب کیا ہے۔ وہ ہیلتھ منسٹر شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہے۔"
عارفہ بیگم نے کوشش سے آنکھیں پھیلائی تھیں۔ تب ہی میمونہ بھابھی چائے لے کر آگئیں
داخل ہوتے ہوئے انہوں نے عارفہ بیگم کی پھیلی ہوئی آنکھیں دیکھ لی تھیں جب ہی اشارے
کہ انہیں کیا ہوا۔ جواباً" آسیہ نے کچھ نہیں کا اشارا کیا اور جلدی سے ٹرالی اپنی طرف کھینچ کر
عارفہ بیگم جیسے اپنے آپ سے بولیں۔
"نام سنا ہوا لگ رہا ہے اور شاید ٹی وی پر بھی دیکھا ہے، اپنے بیٹے سے پوچھوں گی وہ ضرور جانتا
"کسے؟" میمونہ بھابھی نے بے خبری کے باعث فوراً" پوچھا۔

کے شوہر۔ میرا مطلب ہے صباحت کے باپ کو۔ کیا نام بتایا ہے ان کا؟" عارفہ بیگم حد کر رہی تھیں یا
کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ جو وہ ٹرالی میمونہ بھابھی کی طرف دھکیل کر اٹھ کر چلی آئی۔
میں نے آپ کی تمام چیزیں سوٹ کیس میں رکھ دی ہیں پھر بھی آپ دیکھ لیں۔ کچھ رہ تو نہیں گیا۔"
نے اسے دیکھتے ہی سوٹ کیس کھول کر کہا تو وہ اچٹتی نظر ڈال کر بولی۔
ٹھیک ہے۔"
تو چیک کر لیں مما!"
رگاڈ سیک بیٹا! میں کون سا لمبے عرصے کے لیے جا رہی ہوں۔ چھوڑو یہ سب اور جاؤ دیکھو نبیل کیا کر رہا

نے جھنجلا کر صباحت کو کمرے سے نکال دیا اور سوٹ کیس بند کر کے وہیں بیٹھ گئی۔ اس کے اندر توڑ پھوڑ
تھی اور ذہن بری طرح منتشر ہو گیا تھا۔ دل چاہا اسی وقت عارفہ بیگم کو صاف جواب دے دے کہ اسے یہ
منظور نہیں ہے۔
آسیہ!" میمونہ بھابھی اسے پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ کچھ گم صم حالت میں انہیں دیکھنے لگی۔
کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس طرح کیوں چلی آئیں؟" میمونہ بھابھی نے ٹوکا تو وہ پھٹ پڑی۔
سنا نہیں تھا آپ نے۔ کیا کہہ رہی تھیں وہ بلکہ جب سے آئی ہیں، بچی کا باپ باپ کیے جا رہی ہیں جبکہ میں
نے بتا دیا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر بھی۔"
پھر بھی وہ پوچھیں گی اور جو بھی آئے گا۔ پوچھے گا تم صرف یہ کہہ کر جان نہیں چھڑا سکتیں کہ تمہارا اس سے
تعلق نہیں۔ بے شک تمہارا تعلق ٹوٹ گیا لیکن بیٹیوں کا کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، چاہے وہ اس سے ملیں نہ
ملیں بہرحال بیٹیوں کو ان کے باپ کے نام سے متعارف کرانا ہے خصوصاً" ایسے نازک موقعوں پر۔
اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو ورنہ۔"
میمونہ بھابھی نے دھیرج سے سمجھاتے ہوئے اس کا کندھا دبایا تو وہ بس گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔
"چلو اٹھو۔ سفر پر جا رہی ہو۔ فریش ہو کر جاؤ۔" میمونہ بھابھی نے اس کے چہرے پر چھائی افسردگی دور کرنے کی
غرض سے ذرا" ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا تو وہ ان کی اس کوشش پر زبردستی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
مگر بہت کوشش سے بھی وہ اپنا دھیان نہیں بٹا سکی تھی۔ عارفہ بیگم سے زیادہ میمونہ بھابھی نے اسے چند
باتوں میں جھنجھوڑ دیا تھا اور اسے خود پر حیرت بھی ہو رہی تھی کہ وہ اس حقیقت سے کیسے نظریں چرا رہی ہے کہ
باپ کے نام کی اولاد کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔
نہیں احمر نے اس لیے تو مدحو کو نہیں ٹھکرایا کہ۔"
سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اس اچانک خیال سے اسے بڑے زور کا دھچکا لگا تھا۔ بہت ضبط کرتے کرتے بھی
آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ جسے چھپانے کے لیے اس نے سیٹ کی بیک پر سر رکھ کر پلکوں کے در بند کیے تو اندر جانے
کتنے در کھل گئے جنہیں بند کرتے کرتے وہ نڈھال ہو گئی۔ آنکھوں میں مچلتا پانی کوئی راستہ نہ پا کر دھیرے دھیرے
اس کی پلکیں بھگونے لگا اور اس سے پہلے کہ اسے احساس ہوتا، بہت مانوس آواز نے آہستگی سے اس کی سماعتوں پہ
دستک دی تھی۔
"آر یو آل رائٹ؟"
ایک لمحہ کو وہ اسے اپنا وہم سمجھی لیکن آواز کے ساتھ مانوس خوشبو یوں سانسوں میں اتری کہ دوسرے پل اس
نے جھٹ سے پلکوں کے در کھول دیئے۔
شاہ سکندر قدرے تشویش سے اسے دیکھ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

اتنے قریب اس ستم گر کی موجودگی سے آسیہ کا دل ڈوبنے لگا۔ کیونکہ فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ بمشکل تمام
دیر قابو پا کر اس نے کچھ غیر محسوس طریقے سے پہلے نظروں کا زاویہ بدلا پھر بیک سے سر ہٹا کر سیدھی ہو بیٹھی۔
"شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے" شاہ سکندر ایک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے غالباً "یہ ڈر تھا کہ آنکھیں
جھپکنے سے سپنا ٹوٹ جائے گا۔
آسیہ نے ان کی بات کا جواب دیا نہ ہی چہرے پر کوئی تاثر ابھرا بلکہ یوں جیسے وہ اس سے نہیں کسی اور سے
مخاطب ہوں۔
"آسیہ پلیز اتنی انجان نہ بنیں، میں آج بھی اس وعدے کا پابند ہوں، خود سے آپ کے راستے میں نہیں آیا۔
چند گھنٹوں کی ہم سفری قسمت کی مہربانی ہے یا ستم ظریفی میرے لیے بہرحال اس کا ایک ایک پل انمول ہے۔ میں
آپ کا تاحیات ممنون رہوں گا اگر جو آپ ناراضگی اور نفرت سے نظریں چرا کر فقط اس سفر میں اور کچھ نہیں تو
دوست ہی سمجھ کر بات کریں مجھ سے۔" شاہ سکندر کے انداز میں لہجے میں عاجزی تھی۔
وہ بے اختیار ذرا سی گردن موڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔
"دو اجنبی بھی ساتھ بیٹھے ہوں تو بات کر لیتے ہیں ہم میں تو پھر کبھی آشنائی تھی۔" شاہ سکندر کا مقصد کچھ جتانا یا
یاد دلانا نہیں تھا بس یوں ہی کہہ گئے تھے پھر بھی اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی جس پر وہ فوراً "معذرت کرتے ہوئے
بولے۔
"آئی ایم سوری، میرا مطلب ہے، ہم بھی اجنبیوں جیسی باتیں تو کر سکتے ہیں جیسے سب سے پہلے مجھے یہ پوچھنا
چاہیے کہ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"
"اسلام آباد" اس کے ہونٹوں نے بے اختیار جنبش کی تھی ایسے ہی بے ساختہ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
پھیل گئی۔
وہ کچھ کنفیوزی ہو کر نظریں چرا گئی۔
"اسلام آباد کس کے پاس؟" شاہ سکندر نے بڑے محظوظ انداز میں فوراً "اگلا سوال کر دیا تو وہ جیسے ہتھیار ڈال
کر بولی۔
"بھائی کے پاس۔"
"کتنا عرصہ قیام رہے گا وہاں؟"
"یہی کوئی چار پانچ دن"
"پھر واپس کراچی۔"
"جی۔"
"کراچی میں کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"
"گھر اور کلینک۔"
"تو آپ ڈاکٹر ہیں۔"
"جی۔"
"ویری گڈ ویسے مجھے ڈاکٹروں سے ایک شکایت ہے"
"وہ کیا؟"
"ابھی میں سگریٹ کا پیکٹ نکالوں گا اور آپ مجھے اس کے نقصانات پر لیکچر دینا شروع کر دیں گی۔" انہوں
نے مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اسے دیکھا تو وہ سمجھ کر بولی۔
"جی نہیں آپ شوق سے پئیں میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گی۔"
"تھینک یو۔" انہوں نے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور اسے لائٹر دکھانے کے بعد کہنے
"میں ایک بار امریکا جا رہا تھا ایسے ہی میرے ساتھ ایک خاتون بیٹھی تھیں، اٹھارہ گھنٹے کے سفر میں

سگریٹ نہیں پینے دی۔ میں جیسے ہی سگریٹ نکالنے کے لیے جیب پر ہاتھ رکھتا وہ فوراً "ٹوک دیتیں وہ میری
بدترین سفر تھا۔"
ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا۔"
ہمیشہ تو آپ جیسے ہمسفر نہیں ملتے۔" انہوں نے دھوئیں کے مرغولوں میں سے اسے دیکھا تھا۔ اتنی
اور اتنی دور، جیسے زندگی روٹھ جائے تو منانا ناممکن، ان کا دل چاہا اس سے پوچھیں اتنے برس اس نے کیسے
کبھی ان کے سنگ گزرے لمحات کو یاد کیا۔
بحثیں۔
باتیں۔
روٹھنے منانے کی ادائیں۔
جان دینے کی باتیں۔
دل کی بستی میں ہر نئے دن کے آغاز پر ان کے نام کا پھول کھلاتی تھی ان کا کیا ہوا۔؟
یا سب نفرتوں کی آندھیوں کی نذر ہو گئے۔
وقت کا پہیہ الٹا چلنے لگے۔ میں سارے ماہ و سال سمیٹ کر پھر اسی مقام پہ جا کھڑا ہوں جہاں میرے ہاتھ
بیوی کا ہاتھ تھا۔ اور میں اسی محبت سے اسے پکاروں۔
آ۔" انہوں نے بے اختیار پکار لیا تو وہ جو پہلے ہی ان کی نظروں کی تپش سے نروس سی ہو رہی تھی۔ اپنی
ہو گئی۔
سوری۔" نہیں فوراً "ہی احساس بھی ہو گیا۔ "میں جانے کس وقت میں کھو گیا تھا۔ ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا
میرے خدا۔" اسے اپنے بدن پر ننھی ننھی چونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں تب ہی ہوسٹس نے چائے کی
سامنے کی تو وہ دو کپ اٹھا کر ایک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔
لیجیے۔"
نے بہت خاموشی سے کپ تھام لیا اور ایک سپ لے کر شیشے سے باہر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش
کی۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا آسمان نہ زمین، خلا کا بھی بس احساس تھا۔ کتنی دیر وہ محض ان سے بچنے کی خاطر
رخ موڑے بیٹھی رہی۔ صرف شاہ سکندر کو اسے متوجہ کرنے کے لیے پکارنا پڑا۔
ایکسکیوزمی ڈاکٹر آسیہ۔"
سیدھی ہو بیٹھی لیکن ان کی طرف دیکھا نہیں۔
میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ کی بیٹی کیسی ہے؟۔" انہوں نے کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس
شاید یہ بات غیر متوقع نہیں تھی جب ہی بہت سکون سے بولی۔
ٹھیک ہے۔"
بات؟" فطری تجسس کے ساتھ ان کے بے ساختہ سوال شروع ہو گئے۔
ہفتے بعد اس کے تھرڈ ایئر کے امتحان ہیں۔"
کے بعد آئی مین اس کے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے؟"
"
اچھا پروپوزل ہے یا تلاش کرنا پڑے گا۔" وہ اب براہ راست اسے دیکھنے لگے تھے۔
انداز میں ذرا سا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آسیہ کی نظروں میں علی جہانگیر کا وجیہہ سراپا آن سجا اس کے
سے عارفہ بیگم کی باتیں یاد آنے لگیں پھر میمونہ بھابھی کا سمجھانا، تو وہ انہیں دیکھتی ہوئی کچھ شش و پنج میں

"اپنی پرابلم۔" نہیں اس کا ہر انداز زبر تھا۔
"تو۔۔۔ نو پرابلم، آپ پروپوزل کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ تو ہے ایک پروپوزل اگر میں اس کی طرف سے مطمئن ہو گئی تو انشاء اللہ جلد صبا کی شادی کر دوں گی پھر۔" وہ ایکدم ہونٹ بھینچ گئی اچانک خیال آیا تھا کہ انہیں صرف ایک بیٹی کی خبر ہے۔
"کون، کون ہے آئی مین وہ لڑکا کیا آپ کی فیملی میں ہے۔۔؟" شاہ سکندر پورے دھیان سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔
"نہیں غیر لوگ ہیں اس کے والد کا دبئی میں بزنس ہے اور وہ لڑکا یہاں کراچی میں غالباً" اسسٹنٹ کمشنر ہے شاید ڈپٹی، بہرحال اس کے بارے میں مکمل چھان بین کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کر سکوں گی۔" اس نے سہولت سے بتا کر انہیں دیکھا تو وہ فوراً" بولے۔
"میں اس سلسلے میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں یعنی اگر آپ کہیں تو اس لڑکے کے بارے میں معلومات وغیرہ۔۔"
وہ فوراً" جواب نہیں دے سکی۔ حالانکہ صرف جی یا نہیں کہنا تھا لیکن وہ سوچنے میں لگ گئی کہ یہ کام ان سے کروانا چاہیے یا نہیں۔
"اطمینان رکھیں کم از کم بیٹی کے معاملے میں تو میں کوئی کوتاہی نہیں کر سکتا۔ اچھا ہی سوچوں گا، اچھا ہی چاہوں گا۔" اس بار انہوں نے "آپ کی بیٹی" کہنے سے قصداً" گریز کرتے ہوئے ایک طرح سے جتا دیا کہ وہ ان کی بھی بیٹی ہے اور اس نے سمجھ کر ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔
"لڑکے کا نام علی ہے۔ علی جہانگیر۔ کراچی میں کلفٹن روڈ پر رہائش ہے۔ اس کے ساتھ اس کی والدہ اور ایک بہن ہے۔ والد کے بارے میں بتا چکی ہوں، دبئی میں ہوتے ہیں۔ اب اس کے بارے میں جو آپ معلوم کرنا چاہیں، آئی مین خاندان۔ اس لڑکے کا ذاتی کیریکٹر وغیرہ اور اگر آپ کو وہ مناسب لگے تو مجھے بتا دیجیے گا۔ میں اس کے حق میں فیصلہ دے دوں گی۔"
"ہوں۔" انہوں نے گہری سانس کے درمیان ہوں کی آواز نکالی پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے پین اور چھوٹی سی ڈائری نکال کر لڑکے کا نام پتا لکھا پھر اس سے پوچھنے لگے۔
"اور آپ سے میں کہاں کونٹیکٹ کروں۔۔؟"
وہ اپنے کلینک کا نمبر لکھوا کر بولی۔
"شام پانچ سے آٹھ بجے تک مجھ سے اس نمبر پر بات ہو سکتی ہے۔"
"اس کے علاوہ۔؟" انہوں نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا لیکن وہ ایکدم نروٹھی بن گئی۔
"کہیں نہیں۔"
"اوکے، میں بہت جلد علی جہانگیر کے بارے میں ساری معلومات آپ تک پہنچا دوں گا۔" انہوں نے ڈائری اور پین واپس اندرونی جیب میں رکھا پھر اسے دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا کر پوچھنے لگے۔
"آپ یہ بتائیے، اپنی بیٹی کی شادی میں مجھے انوائیٹ کریں گی یا نہیں۔۔؟"
"نہیں۔" اس نے بے مروتی کی حد کر دی اور شاہ سکندر نے پہلے بھی کہیں کیوں کا سوال نہیں اٹھایا تھا، اب بھی خاموش ہو رہے تو ایک محسوس کی جانے والی دیوار درمیان میں حائل ہو گئی تھی۔ کیا سفر تمام ہونے کو تھا لیکن اب منزل کہیں نہیں تھی اور ان دونوں کے اندر کوئی جستجو بھی نہیں تھی کیونکہ المیہ یہ تھا کہ انہیں منزل پہلے ملی تھی اور سفر بعد میں۔ جسے زندگی کی آخری سانسوں تک جاری رہنا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ جانے کون سے وقت میں کھو گئے تھے۔ چونکے اس وقت جب مائیک پر سیٹ بیلٹ باندھنے کی درخواست کی جا رہی تھی۔
شاہ سکندر نے اسے یوں دیکھا جیسے پھر جانے کب ملاقات ہو اور وہ انجان سی بن کر بیلٹ باندھنے۔۔

۔۔ اس کے بعد اپنا پرس کھول کر اس میں جھانکنے لگی۔ یوں ہی ادھر ادھر ہاتھ مار کر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی۔۔ پھر شیشے کے ساتھ پیشانی ٹکا کر دھند میں لپٹے اسلام آباد کی روشنیاں دیکھنے میں لگ گئی۔ ان آخری لمحات میں جانے کیا ہو رہا تھا۔ پہلے کبھی پلین لینڈ ہوتے وقت اس کا دل نہیں ڈوبا تھا۔ یقیناً" کوئی اور بات تھی۔ پلین رن وے پر دوڑتا ہوا رک گیا۔ وہ تب بھی اسی طرح بیٹھی تھی۔
"میرا خیال ہے، یہ پرواز یہیں تک تھی۔" شاہ سکندر نے بغیر اسے مخاطب کیے کہا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی پھر جلدی سے بیلٹ کھول کر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن آگے شاہ سکندر کی ٹانگیں راستہ روکے ہوئی تھیں اور وہ اطمینان سے اپنا بریف کیس بند کرنے میں مصروف تھے۔
"ایکسکیوزمی۔" اس نے متوجہ کیا تو انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور راستہ دینے کے بجائے فوراً" کھڑے ہو کر اس سے آگے چلنے لگے۔ سیڑھیاں اترنے تک وہ ان کے پیچھے پیچھے تھی پھر ایکدم قدم بڑھا کر آگے جانے لگی کہ وہ پکار کر بولے۔
"آسیہ! خدا حافظ نہیں کہیں گی۔۔؟"
"خدا حافظ۔" وہ ایک پل میں خود پر قابو پا کر اعتماد سے مسکرائی تھی۔

۔۔*

وہ بہت ڈرتے ڈرتے نبیل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی لیکن وہ موجود ہی نہیں تھے۔ جس پر وہ اطمینان کا سانس لے کر کمرے کی صفائی میں لگ گئی۔ دو دن ڈسٹنگ نہیں کی تھی تو اتنی گرد جمع ہو گئی تھی۔ بیڈ کی چادر بھی میلی لگ رہی تھی۔ ڈسٹنگ کے بعد اس نے الماری میں سے دھلی ہوئی چادر نکال کر بچھائی پھر تکیے کا غلاف بدل کر جانے کیا بڑبڑاتی ہوئی پلٹی تو دروازے میں نبیل کو کھڑے دیکھ کر گھبرا کر ہکلانے لگی۔
"وہ میں، کمرہ گندہ ہو رہا تھا۔ میں، میں نے سوچا۔"
نبیل کچھ بولے نہیں۔ دروازے سے ہٹ کر اسے نکل جانے کا اشارہ کیا تو وہ ایک دم روہانسی ہو گئی۔
"میرا کیا قصور ہے۔ مجھے تو عمر نے بتایا تھا۔ آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں۔۔؟"
"کوئی خفا نہیں ہوں میں، بس جاؤ یہاں سے۔" وہ آگے آتے ہوئے بولے۔
"کیوں جاؤں، میں کہیں نہیں جا رہی۔" وہ وہیں بیڈ پر ڈھے گئی۔
"صبا! مجھے اس وقت تنگ نہیں کرو۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔"
"پریشان۔" وہ فوراً" کھڑی ہو گئی۔ "آپ پریشان ہیں نبیل بھائی، کس بات سے۔ مما نے کچھ کہا ہے لیکن مما تو یہاں نہیں ہیں پھر، پھر کس نے۔۔"
"اف، ایک تو تم پتا نہیں کیا چیز ہو۔" نبیل نے اپنا سر تھام لیا۔
"آپ کچھ بھی کہیں، میں جب تک آپ کی پریشانی نہیں جان لوں گی یہاں سے ہلوں گی ہی نہیں۔" وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ تو نبیل سر جھٹک کر واش روم میں چلے گئے۔
وہ انتظار کرنے کے ساتھ اپنے آپ قیاس بھی کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ جیسے ہی نکلے فوراً" شروع ہو گئی۔
"آپ میری عادت سے اچھی طرح واقف ہیں نبیل بھائی پھر اس طرح کیوں کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے میں آپ کی پریشانی دور نہیں کر سکتی لیکن۔۔"
"بس۔" نبیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولے۔ "میرا یقین کرو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"
"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے۔"
"زبان کچھ غلط پھسل گئی میری بہن! کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ سمجھیں یا نہیں۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ جما کر زور سے ہلایا تو وہ بسورنے کے انداز میں پوچھنے لگی۔
"اور آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں۔۔؟"

"کس بات سے۔۔؟"
"وہ جو عمر کے کہنے میں آکر میں نے آپ سے لڑکی کا پوچھا تھا۔" وہ ایسی ڈری ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی جیسے اس بات سے ابھی وہ ہتھے سے اکھڑ جائیں گے لیکن اس کے برعکس وہ ہنستے ہوئے بولے۔
"وہ بھی احمق ہے اور تم بھی۔ اور میں احمقوں سے ناراض نہیں ہوتا۔"
"لیکن آپ عمر سے پوچھیے گا ضرور کہ اس نے ایسی بات کیوں کہی۔۔؟" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
"پوچھ لوں گا۔ ابھی تو تم مجھے چائے پلاؤ پھر مجھے جانا بھی ہے۔" انہوں نے کہا تو اس نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔
"کہاں۔۔؟"
"کہاں کا کیا مطلب؟ یعنی اب تم میرے جانے آنے پر پابندی لگاؤ گی۔"
"میں کیوں پابندی لگاؤں گی۔ میں تو اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ......"
"جاؤ، دیکھو کس کا فون ہے۔" نبیل نے فون کی بیل سن کر اسے ٹوک دیا۔
"بہرحال کہیں بھی جائیں۔ جلدی واپس آئیے گا۔ مجھے آج آپ سے پڑھنا ہے۔" وہ کہتی ہوئی بھاگ کر لاؤنج میں آگئی۔
"ہیلو۔"
"صباحت شاہ سے بات ہو سکتی ہے۔" ادھر سے علی جہانگیر نے اس کی آواز پہچان کر دلکش انداز میں کہا تو وہ بھی اترا کر بولی۔
"جی نہیں، وہ تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔"
"کوئی بات نہیں، آپ تو ہیں ناں۔ میں آپ سے بات کر لیتا ہوں۔" ادھر بڑا محظوظ لہجہ تھا۔
"مجھ سے کیا بات کریں گے۔"
"وہی جو صباحت سے کہنی تھی۔"
"یہ تو سراسر فاؤل ہے۔" اس نے بمشکل ہونٹوں تک آئی ہنسی روک کر کہا۔
"کیا کروں، وہ نہیں تو سہی اور تو نہیں تو کچھ نہیں۔" وہ اچانک جذبات کی رو میں بہہ کر گنگنانے لگا۔

تیرے نام سے ہی سجی ہوئی میری زندگی کی کتاب ہے
تجھے دیکھنا ہی یقین ہے تیرے بعد سارا سراب ہے

وہ اس کی دلکش آواز میں کھو گئی تھی۔
"صبا!" علی جہانگیر نے پہلی بار اس کے نام کو مختصر کیا تو وہ چونک کر بولی۔
"جی۔"
"آپ کو دیکھے ہوئے، آپ سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے بلکہ لگتا ہے زمانے بیت گئے۔ کچھ میرے حال پر رحم کریں۔ ابھی آجائیں۔" اس کے لہجے کی بے قراری دل میں ہلچل مچا گئی۔
"بہت مشکل ہے۔"
"ناممکن تو نہیں ہے ناں، کوشش کریں پلیز۔" اس کے عاجزانہ اصرار پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"ہیلو صبا، کیا ہوا؟" کچھ انتظار کے بعد اس نے پکار کر پوچھا۔
"کچھ نہیں، آئی مین میں کوشش کرتی ہوں اگر کامیاب ہو گئی تو گھر سے نکلنے سے پہلے آپ کو فون کروں گی۔"
اس نے جلدی سے کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور وہیں سے کچن کا رخ کیا۔
کچھ دیر بعد جب چائے لے کر نبیل کے کمرے میں آئی تو وہ بڑے آرام سے سو رہے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ہرگز انہیں نہ اٹھاتی لیکن اب مجبوری تھی۔ علی جہانگیر کی خواہش کو رد کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ چائے کا کپ سائیڈ کارنر پر رکھ کر پہلے انہیں پکارا پھر آہستہ سے ان کا کندھا ہلایا تو وہ آنکھیں کھول کر اٹھ

"آپ کو سونا تھا تو چائے کیوں بنوائی۔۔؟"
"نہیں، مجھے سونا نہیں تھا۔ وہ اٹھ بیٹھے۔ لاؤ چائے کہاں ہے۔۔؟"
"لیجیے۔" اس نے کپ اٹھا کر انہیں تھمایا پھر ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔
"آپ کو کہیں جانا ہے۔"
"ہوں۔"
"مجھے بھی لے چلیں۔ میرا مطلب ہے میں لائبریری جاؤں گی۔ آپ مجھے وہاں چھوڑ دیجیے گا۔" اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔
"نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے صاف منع کر دیا۔
"کیوں۔۔؟"
"کیونکہ مجھے واپسی میں دیر ہو سکتی ہے پھر تم کس کے ساتھ آؤ گی۔ ویسے بھی تمہیں ابھی امتحان کی تیاری کرنی ہے لائبریری کی کتابوں کا کیا کرو گی۔"
نبیل کی بات ٹھیک تھی۔ وہ مایوس سی ہو کر ان کے پاس سے چلی آئی اور ان کے کہیں جانے کا انتظار کرنے لگی تاکہ علی جہانگیر کو فون کر کے بتا سکے کہ وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئی ہے۔

------*

تین روزہ سیمینار کے بعد آسیہ کو اب فراغت ملی تھی تو اس نے سب سے پہلے مدحیہ سے واپس چلنے کی بات کی جو اس کی اپنی ضد تھی۔
"مجھے نہیں جانا مما، میں یہیں رہوں گی۔"
"یہاں رہنے کی کیا تک ہے۔ وہاں تمہارے امتحان ہونے والے ہیں۔ صبا تمہارا ایڈمٹ کارڈ بھی لے آئی ہے۔ پچیس تاریخ سے پیپر شروع ہیں۔" آسیہ نے حتی الامکان اپنے لہجے پر کنٹرول رکھ کر کہا۔
"میں کوئی امتحان نہیں دے رہی۔ مجھے یہاں ایڈمیشن لینا ہے اور میں نے صبا کو فون بھی کیا تھا کہ میری مارکس شیٹ بھیج دے، کیوں نہیں بھیجی اس نے۔ یہاں ایڈمیشن ہو رہے ہیں۔ ڈیٹ نکل گئی تو میرا ایک نہیں دو سال ضائع جائیں گے۔" مدحیہ کا انداز حتمی تھا۔
"فضول باتیں مت کرو۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔" آسیہ چڑ گئی۔
"نہیں مما! اگر ماموں جی اور مامی جی بھی یہ کہہ دیں کہ ان کے گھر میں میرے لیے جگہ نہیں ہے تب بھی میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" مدحیہ جانے اپنے دل میں کیا ٹھان چکی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی کی پروا ہو نہ خود اپنی بھی نہیں کہ اس کے ساتھ جو ہونا ہے ہو جائے۔
آسیہ کتنی دیر سناٹے میں آکر اسے دیکھتی رہی پھر بہت سنبھل کر نرمی سے بولی تو اس کے لہجے میں عاجزی در آئی تھی۔
"بیٹا! تم ایسا کیوں کر رہی ہو، کیوں مجھے دکھ دیتی ہو۔"
"میں دکھ نہیں دے رہی مما، آپ سمجھیں۔ میرے وہاں ہونے سے آپ زیادہ پریشان تھیں بلکہ سب پریشان تھے۔"
"تم پریشان کر رہی تھیں۔۔؟" آسیہ نے زور دے کر کہا۔
"ہاں اور میں اب بھی اگر گئی تو پہلے سے زیادہ کروں گی کیونکہ مجھ سے منافقت نہیں ہوتی۔ جو میرے اندر ہے وہی ظاہر کروں گی۔ میرے اندر نفرت ہے سب کے لیے۔ میں محبت ظاہر نہیں کر سکتی۔ آپ اگر اس گھر میں امن چاہتی ہیں تو مجھے یہیں رہنے دیں۔ بے شک یہاں ہاسٹل میں ڈال دیں اگر یہ خدشہ ہے کہ میں مامی جی کو تنگ کروں گی۔"
جس طرح آسیہ کی نرمی میں عاجزی در آئی تھی، اسی طرح اس کی ہٹ دھرمی میں محسوس کی جانے والی آزردگی

تھی اور آسیہ ماں تھی جو بچوں کے احساسات ان سے زیادہ سمجھتی ہے۔ اس کی آزردگی پر تڑپ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میری جان! مجھے تمہاری طرف سے کوئی خدشہ نہیں۔ میں تو صرف تمہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔"

"صبا ہے ناں مما! آپ کے پاس۔ بظاہر تو کوئی فرق نہیں ہے ہم دونوں میں۔"

اس کی بے وقوفی کی حد تک سادگی آسیہ کو حیران کر گئی۔ اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس پر اپنی ٹھوڑی ٹکا ہوئی کہنے لگی۔

"ایک بار میمونہ بھابھی نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بیٹی مدحو بہت بے وقوف ہے۔ تو میں مذاق سمجھ کر ہنس تھی۔ کاش وہ مذاق ہی ہوتا لیکن تم نے تو حد کر دی بیٹا۔ صبا، صبا ہے۔ تم، تم ہو۔ میرے دل میں تم دونوں کے لیے محبت الگ نہیں ایک جیسی ہے۔ تم نے تو وہ بات کی کہ سوئی تمہیں چبھے اور پٹی میں صبا کی انگلی میں باندھ دوں۔"

وہ اسے اپنے سینے میں بھینچ کر ذرا سا ہنسی۔ تبھی سیما بھابھی آ گئیں اور اس منظر سے لطف اندوز ہو کر بولیں۔

"واہ، یہاں تو محبتیں لٹائی جا رہی ہیں۔ کچھ میری جھولی میں بھی ڈال دو۔"

"کچھ کیوں، بہت ہیں آپ کے لیے بھی۔ یہ تو وہ خزانہ ہے جتنا لٹاؤ اتنا بڑھتا ہے۔ کیوں مدحو۔؟" اس نے بھابھی سے کہہ کر مدحیہ کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

"پتا نہیں مما! آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"اپنے دل کو محبتوں سے آباد کرو گی تو سمجھو گی۔ نفرتیں انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہیں اور اکیلا بھی۔"

آسیہ نے اس کی پیشانی چومی پھر سیما بھابھی کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"کیا جادو کر دیا ہے آپ نے میری بیٹی پر۔ یہ میرے ساتھ جانا ہی نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک تو ہے، میرے پاس رہے گی مدحو۔ تم اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرو۔" سیما بھابھی نے اس کی کر دی۔

"زبردستی کی بات نہیں ہے بھابھی! وہاں اس کے امتحان ہونے والے ہیں۔ خوامخواہ سال ضائع فائدہ۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا ایک سال سے۔ اس کی عمر نہیں نکل جائے گی۔ بس تم اس کی مارکس شیٹ وغیرہ یہ یہاں ایڈمیشن لے لے گی۔ ویسے تمہیں اس کے یہاں رہنے پر اعتراض کیوں ہے؟" سیما بھابھی نے اسے ٹوکا۔

"اب میں کیا کہوں۔ جب آپ لوگ پہلے ہی طے کر چکے ہیں۔" وہ سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ا یہاں رہو لیکن دل لگا کر پڑھنا۔ کم از کم گریجویشن تو کر لو۔"

"صرف گریجویشن ہی نہیں مما! میں آپ کو اور بھی بہت کچھ کر کے دکھاؤں گی۔" مدحیہ نے خوش اس کا گال تھپک کر سیما بھابھی کو اشارہ کرتی ہوئی شکیل بھائی کے کمرے میں آ گئی۔ شکیل بھائی کمبل میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اسے دیکھا تو ریموٹ کنٹرول اٹھا کر وہیں سے ہوئے بولے۔

"آؤ بیٹا! تمہارے سیمینارز کا سلسلہ ختم ہوا یا نہیں۔"

"ہو گیا۔" وہ آرام سے صوفے میں دھنس کر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں بھی اوپر سمیٹ لی تھیں۔

"سردی ہے، یہاں کمبل میں آ جاؤ۔" شکیل بھائی نے دوسرے کمبل کی طرف اشارہ کیا۔

"بس ٹھیک ہے، آرام سے ہوں۔ آپ ٹی وی دیکھ رہے تھے۔؟"

"ہاں بس کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ تم سناؤ کوئی نئی تازہ۔"

"جی نئی تازہ بھی ہے۔ بھابھی کو آنے دیں اور آپ مجھے یہ بتائیں، مدحو آپ کے لیے پرابلم تو نہ

حیہ کی طرف سے اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ وہ تو بہت اچھی بچی ہے۔ میرا خیال ہے تم نے اس پر بے جا سختی کی ہے۔ جب ہی وہ تمہارے کرتی ہے۔ یہاں تو بالکل ٹھیک ہے اور اسے یہیں رہنے دو۔ وہ یہاں ایڈمیشن کی بات کر رہی ہے۔ ٹھیک ڑھنے دو۔" شکیل بھائی نے مدحیہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"یکن بھائی! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا اس لڑکی نے تو مجھے۔۔۔"

"ہوں، تم اب اس کی فکر نہیں کرو۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ تم صرف صبا کا سوچو۔"

بھائی نے ٹوک کر کہا تو وہ خاموش ہو کر جانے کیا سوچنے لگی۔ تبھی سیما بھابھی چائے لے کر آ گئیں اور چہرے دیکھ کر میاں سے پوچھنے لگیں۔

"مسئلہ ہے۔؟"

"مسئلہ نہیں۔ ہاں آسیہ! تم کوئی نئی تازہ سنا رہی تھیں۔" شکیل بھائی نے بیوی کو جواب دے کر اسے متوجہ نے پہلے ٹرے میں سے چائے کا کپ اٹھایا پھر سیما بھابھی کے بیٹھنے پر کہنے لگی۔

"صبا کے بارے میں مشورہ کرنا تھا۔ اس کے لیے ایک پرپوزل آیا ہے۔ لڑکا ماشاءاللہ ہر لحاظ سے اچھا ہے لکل غیر لوگ ہیں۔ اس لیے میں کچھ ڈر رہی ہوں۔"

"ب قسمت کی باتیں ہیں۔ قسمت اچھی ہو تو غیر اپنے ہو جاتے ہیں۔ نہیں تو اپنوں کو غیر ہونے میں دیر" سیما بھابھی کا اشارہ احمر کی طرف تھا۔ وہ سمجھ کر ان کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن ادھر وہ لوگ شادی بھی جلدی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا رشتہ ہے تو کر دو۔ منع نہیں کرو۔ لڑکیوں کی عمر ذرا زیادہ ہو جائے تو پھر اچھے رشتوں کا مسئلہ ہو جاتا یسے کیا کرتا ہے لڑکا۔؟"

شکیل بھائی نے فوراً مشورے کے ساتھ پوچھا تو وہ تفصیل سے علی جہانگیر کے بارے میں بتانے لگی۔

*_*_*

دن آسیہ واپس آئی تو اسے اکیلے دیکھ کر صباحت نے پہلا سوال مدحیہ کے بارے میں کیا۔

"حو نہیں آئی مما۔؟"

"نہیں بیٹا! وہ وہاں خوش تھی پھر تمہارے ماموں جی اور مامی جی کا بھی اصرار تھا کہ اسے وہیں رہنے دوں، اس مجبور ہو گئی۔ تم کل ہی اس کی مارکس شیٹ وغیرہ بھجوا دینا۔" آسیہ نے بتا کر آخر میں تاکید کی تو وہ روہانسی

"کیا اب وہ ہمیشہ وہیں رہے گی۔"

"ہمیشہ کیوں، بی اے کر کے آ جائے گی۔" آسیہ نے یوں کہا جیسے یہ دو سال نہیں دو دن کی بات ہو۔

"اتنا عرصہ، اُف نہیں مما! میرا اس کے بغیر دل نہیں لگتا۔ آپ بس اسے فوراً واپس بلا لیں۔"

"میں کیا کروں، جب وہ آنا ہی نہیں چاہتی۔ تم کوشش کر کے دیکھو شاید تمہاری بات مان لے۔" آسیہ نے خود ظاہر کر کے بات اس پر ڈال دی۔

"مجھے تو وہ پہلے ہی جواب دے چکی ہے بلکہ دھمکیاں بھی دے رہی تھی۔"

"بس تو تم بھی کچھ مت کہو۔ وہ اگر خوش ہے تو ٹھیک ہے۔" آسیہ نے بات ختم کر دی پھر قدرے توقف سے لگی۔ "میرا کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔؟"

"آج دوپہر میں ایک خاتون کا فون آیا تھا۔ پوچھ رہی تھیں آپ کب آئیں گی۔؟" وہ روانی میں بتا کر نظریں آسیہ کے ذہن میں پہلا خیال عارفہ بیگم کا آیا اور اس سے تصدیق کرنے کی بجائے اپنے آپ سے بولی۔

"بیگم کا ہو گا، خیر تم بتاؤ امتحان کی تیاری ہو رہی ہے ناں۔"

"شاباش۔" آسیہ اس کا گال تھپک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر اگلے روز اس کے کلینک جانے سے پہلے عارفہ بیگم آن موجود ہوئیں اور مسلسل اس کے پاس اصرار کرتی رہیں۔ بڑی مشکل سے وہ انہیں آئندہ پر ٹال سکی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اب وہ خود ہی انہیں فون کرے گی اور اس کے لیے انہیں صباحت کے امتحان ختم ہونے تک انتظار کرنا پڑے گا جبکہ خود اسے شاہ سکندر کے فون کا انتظار تھا جو کام اس نے عدیل بھائی کے لیے سوچا تھا وہ شاہ سکندر نے اپنے ذمہ لے لیا تھا تو اس کے خیال میں اسے اس سلسلے میں کسی تردد کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ شاہ سکندر نے اس کے ساتھ اچھا کیا یا برا اپنی بیٹی کے لیے تو اچھا ہی سوچیں گے۔

انسان ہمیشہ سے تقدیر کے سامنے بے بس ہے۔ جو بات ہونی ہوتی ہے اس کے لیے پہلے سے تمام واقعات جیسے ترتیب سے لکھ دیے جاتے ہیں۔ اتنے برسوں سے پہلے تو کہیں شاہ سکندر سے اس طرح سامنا ہوا تھا۔ عین اس وقت کیوں جب بیٹی کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ اس نے اس اتفاق کو سوچا بھی تو مثبت انداز اور ان ہی پر بھروسا بھی کرلیا کہ وہ باپ ہیں' انہیں زیادہ حق ہے اور وہ زیادہ بہتر مشورہ دے سکتے ہیں اور مشورے کے لیے اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تیسرے دن جب وہ مریضوں سے فارغ ہو کر آخری وارڈ کے راؤنڈ پر نکل رہی تھی کہ شاہ سکندر کا فون آگیا۔

"یس' ڈاکٹر آسیہ اسپیکنگ۔" اس نے دروازے سے واپس پلٹ کر ریسیور اٹھایا تھا۔

"کیسی ہیں ڈاکٹر صاحبہ آپ۔؟" شاہ سکندر نے بظاہر رسمی انداز میں پوچھا لیکن ان کے لہجے میں وہ بات تھی جو پہلے اندر ہلچل مچاتی تھی اور اب دل ڈوبنے لگتا تھا۔

"جی' میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بہت سنبھل کر بولی تو کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی کیونکہ ادھر وہ انتظار کر رہے تھے کہ وہ بھی ان کا احوال پوچھے گی' رسماً ہی سہی پھر اس کی طرف سے مایوس ہو کر ہی بولے تھے۔

"وہ آپ کا ایک کام تھا میرے ذمہ اور اس سلسلے میں کچھ کہنے سے پہلے مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیں کہ آپ میری فراہم کردہ معلومات پر یقین کرلیں گی۔"

"یقین کرنا میری مجبوری ہے سکندر حیات! کیونکہ دنیا کا کوئی باپ کم از کم اپنی بیٹی کا برا نہیں سوچ سکتا۔" اس نے بہت سہولت سے جتا دیا۔

"آپ ہمیشہ سے بہت ذہین ہیں آسیہ! لیکن افسوس اپنے معاملے میں آپ نے اپنا ذہن استعمال نہیں کیا۔ ذرا سی سمجھ داری سے کام لیتیں تو......"

"پلیز۔" وہ ٹوک کر بولی۔ "آپ مجھے علی جہانگیر کے بارے میں بتائیں۔"

"اچھا لڑکا ہے۔" وہ فوراً" شروع ہوگئے۔ "خاندان بھی اچھا ہے۔ میں دبئی میں اس کے باپ سے مل چکا ہوں۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں گی تو میں یہی کہوں گا کہ اپنی بیٹی کے لیے میں جتنا اچھا سوچ سکتا تھا علی اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہی آزوری اسٹرونگ بوائے۔ آج وہ جس مقام پر ہے اس میں زیادہ اس کی اپنی محنت ہے۔ خدا کے بعد خود پر بھروسا کرنے والے اسی طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ انشاءاللہ مزید ترقی کرے گا۔ آپ کو فورس تو نہیں کرسکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس سے اچھا پرپوزل اور ہو ہی نہیں سکتا۔"

وہ جو پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ ان کے خاموش ہونے پر پرسوچ انداز میں بولی۔

"اس کا مطلب ہے مجھے ہامی بھر لینی چاہیے۔"

"بہتر تو یہی ہے' آگے آپ کی مرضی۔"

"اوکے' بہت بہت شکریہ۔"

"کس بات کا۔؟" شاہ سکندر نے فوراً" پوچھا لیکن اس نے بڑے آرام سے ریسیور رکھ دیا اور وہ کافی حد تک مطمئن ہوگئی تھی۔ بس ایک کھٹک تھی کہ وہ اتنی جلدی صبا کی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی کم از کم وہ بی اے کرلیتی پھر لیکن عارفہ بیگم نے اپنی پہلی آمد پر ہی کہہ دیا تھا کہ انہیں فوراً" شادی کرنی ہے۔

...میاں کے پاس دبئی جانا ہے اور انہوں نے مزید اپنی کچھ مجبوریاں بتائی تھیں۔

...رات آسیہ دیر تک اماں جی' ابا جی' خلیل بھائی اور میمونہ بھابھی کے ساتھ بیٹھی ان سے مشورہ کرتی رہی پھر ...متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ اگر وہ اس رشتے پر مطمئن ہے تو پھر اسے شادی میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں تک ...اے کرنے کی بات ہے تو وہ شادی کے بعد بھی کرسکتی ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یوں اس طرف سے ...ہو کر اس نے صباحت کے امتحانوں تک خاموشی اختیار کرلی اور جس روز وہ آخری پیپر سے فارغ ہوئی' آسیہ نے عارفہ بیگم کو فون کر کے اگلے روز رات کے کھانے کی دعوت دے ڈالی اور علی جہانگیر کو بھی ساتھ ...تھا۔

*_*_*

...جہانگیر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے بہت خاموشی سے وہ سارے لوازمات دیکھ رہا تھا جو عارفہ بیگم کرم دین ...گاڑی میں رکھوا رہی تھیں۔ ایک دو بار اس نے ٹوکا بھی کہ انہوں نے صرف کھانے پر بلایا ہے اور تو پھر یہ سب لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جس پر عارفہ بیگم نے یہ کہہ کر اسے خاموش کرا دیا کہ تمہیں ...نے پر یوں ہی نہیں بلایا۔

...خدا کر کے یہ مرحلہ تمام ہوا تو اس نے شکر کرتے ہوئے جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور رابعہ کو ...کام سے بیٹھنے کو کہا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

...کو بہت جلدی ہے۔"

...دیکھو' آٹھ بج رہے ہیں۔ تم کیا چاہتی ہو۔ عین کھانے کے وقت پر پہنچیں۔" اس نے ناراضگی سے کہہ ...بیگم کو دیکھا اور ان کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کردی۔

...کافی خوش تھی۔ تمام راستہ اس سے مذاق کرتی رہی جبکہ عارفہ بیگم کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ آیا اب وہ ...بے پر خوش ہیں یا باپا جان کی وجہ سے مجبور ہیں اور اگر مجبور تھیں تب بھی آسیہ اور اس کے تمام گھر والوں ...ہوئے انہوں نے کہیں ایسا کوئی تاثر نہیں دیا۔ اس کے برعکس جیسے ان کی دلی مراد بر آئی ہو۔

...رے صبر کا بہت امتحان لے لیا آپ نے۔" کھانے کے بعد عارفہ بیگم نے آسیہ کے سامنے باقاعدہ اپنا ...دیا۔ "اب تو خوشی ہماری جھولی میں ڈال دیں۔"

...سے نہیں۔ اماں جی اور ابا جی سے کہیں۔" آسیہ نے اپنے بوڑھے ماں باپ کو دیکھتے ہوئے کہا تو عارفہ بیگم ...اپنا رخ ان کی طرف موڑ لیا۔

...کی امانت ہے۔"

...اس قدر کہہ کر خاموش ہوگئے کیونکہ انہیں وہ وقت یاد آگیا تھا جب انہوں نے یہی الفاظ آسیہ کے لیے ...اس وقت سامنے شاہ جہانگیر تھے اور اب انہیں کیا خبر تھی کہ اس جگہ ان کا بیٹا براجمان ہے۔

...میں مبارک سلامت کا شور۔ پھر عارفہ بیگم گاڑی میں سے مٹھائی اور دیگر سامان نکلوا کر لے آئیں تو ...ہلچل سی مچ گئی تھی اور جانے وہ کس کونے میں چھپی تھی جسے دیکھنے کو علی جہانگیر کا بے تاب دل بری ...رہا تھا۔

...میں صبا کے پاس جا رہی ہوں' کوئی پیغام۔؟" رابعہ نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھا کر سرگوشی میں اسے اطلاع ...ساتھ پوچھا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا کیونکہ اس کے ساتھ ہی خلیل بھائی بیٹھے تھے۔

...دیا اور توبیہ کے ساتھ اوپر آگئی اور مٹھائی کی پلیٹ صباحت کے آگے کرتی ہوئی شوخی سے بولی۔

...آپ بھی منہ میٹھا کرلیں۔ کیا یاد کریں گی۔"

...سب سے آخر میں مٹھائی ملی۔" توبیہ نے فوراً" ٹکڑا لگایا تو رابعہ کچھ خجل سی ہو کر بولی۔

...کی زیادتی ہے۔ سب سے پہلا حق تو ان کا تھا۔"

...سے پہلے حق کی تلفی ہوگئی۔ اب اس کا ازالہ کون کرے گا۔"

...یل

"علی بھائی۔" رابعہ فوراً" بولی۔ "بلاؤں انہیں۔"
"ارے واہ، آپ تو کچھ زیادہ ہی فری ہو رہی ہیں۔ صرف مٹھائی کھا کر آپ کے علی بھائی سیڑھیاں نہ
سکتے۔" سونیا نے کہا۔
"تو پھر انہیں نیچے لے چلتے ہیں۔"
ادھران کی نوک جھونک جاری تھی اور نیچے عارفہ بیگم جلدی شادی پر اصرار کر رہی تھیں اور آسیہ ا
تھی لیکن تیاری کی مہلت ضرور چاہتی تھی جس کے لیے عارفہ بیگم کو دو تین مہینے بھی بہت لگ رہے تھے
"کیا تیاری کرنی ہے آپ کو؟ زیور، کپڑا، کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس
مجبوریاں ہیں جو میں اتنی جلدی کر رہی ہوں۔ دبئی میں علی کے والد کو کھانے وغیرہ کی پرابلم ہے۔ میں صر
شادی کر کے وہاں جاؤں تو یہاں علی اکیلا ہو جائے گا۔ اس لیے میں چاہتی ہوں اس کا گھر بھی بسا کر جا
سے زیادہ دو مہینے لے لیں آپ۔"
عارفہ بیگم نے نئے سرے سے اپنی مجبوریاں گنوا کر فٹ سے کہا تو آسیہ شش و پنج میں کبھی اماں ج
دیکھتی، کبھی خلیل بھائی اور میمونہ بھابھی کو۔ آخر میں قریب بیٹھے نبیل سے سرگوشی میں پوچھنے لگی۔
"تم کیا کہتے ہو بیٹا۔؟"
"میں کیا کہوں، اباجی سے پوچھیں۔" نبیل یہی کہہ سکتے تھے۔
آسیہ نے اباجی کو دیکھا لیکن وہ متوجہ نہیں تھے جبکہ عارفہ بیگم اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں او
سننے کے لیے بڑی بے تاب نظر آ رہی تھیں۔ تب وہ ہامی بھرتی ہوئی بولی۔
"ٹھیک ہے، دو مہینے بعد لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ صبا نے ابھی تھرڈ ایئر کا امتحان دیا ہے۔
آپ اسے بی اے ضرور کرائیے گا، اگر آپ کے ساتھ مجبوری نہ ہوتی تو میں اس کے بی اے کرنے
کی شادی کر لی۔"
"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ علی اسے بی اے کیا ایم اے بھی کرائے گا۔" عارفہ بیگم خوش ہو
وقت تاریخ طے کر کے ہی اٹھی تھیں۔
پھر گھر آتے ہی علی جہانگیر نے سب سے پہلے شاہ سکندر کے نمبر ڈائل کیے تھے کیونکہ صبح انہ
کی تھی کہ آج آسیہ کے ساتھ جو بھی معاملہ طے ہو، وہ سب سے پہلے انہیں بتائے۔ یہ تاکید بابا
بھی تھی لیکن انہوں نے سب سے پہلے کی شرط نہیں رکھی تھی اور اگر رکھتے تب بھی شاید وہ
سے رابطہ کرتا۔
"لیں، شاہ سکندر حیات۔" ان کے انداز میں بے دھیانی تھی۔
"السلام علیکم چچا جان۔" اس نے سلام کیا تو اس بار جیسے وہ پوری جان سے متوجہ ہوئے
دینا بھول گئے اور بے تابی سے پوچھا۔
"ہاں، کہو بیٹا کیا رہا۔؟"
"سب طے ہو گیا چچا جان۔ آئی مین ڈاکٹر آسیہ نے نہ صرف رشتے پر ہامی بھر لی ہے بلک
شادی کی تاریخ بھی دے دی ہے۔" علی جہانگیر نے خوش خبری سنا کر انہیں حیران کر دیا۔
"واقعی۔ کب ہے شادی۔؟"
"اپریل کے پہلے ہفتے میں۔"
"ویری گڈ، باباجان کو بتا دیا تم نے۔؟"
"جی نہیں، آپ نے کہا تھا سب سے پہلے آپ کو بتاؤں۔ اب باباجان کو آپ بتا ئی
پوچھا تو شاہ سکندر یہ ذمہ داری اس پر ڈال کر کہنے لگے۔
"تم، تم ہی بتانا اور اس سے پہلے میری ایک بات سن لو بیٹا کہ شادی کے بعد تم اپنے گ

دخل انداز مت ہونے دینا ورنہ بہت ڈسٹرب ہو جاؤ گے۔"
بھی د
ہانگیر کے اندر یکلخت سناٹا چھا گیا۔ کوئی ایسی بات تو نہیں کی تھی شاہ سکندر نے بلکہ شاید اسے خبردار کیا تھا۔
ت اسے بری طرح محسوس ہوئی تھی۔ گویا اب تک اس کی حیثیت صرف کٹھ پتلی کی سی تھی۔ وہ اپنی محبت
تے نہیں بلکہ باباجان کی حکمت عملی سے اپنی منزل تک پہنچا تھا۔ یہ بات جب اس لڑکی کو معلوم ہو گی
ہوکے سے حاصل کیا ہے تو وہ اس کی محبت پر کب یقین کرے گی۔ کبھی نہیں۔ ساری زندگی وہ اس کے
ستا رہے گا۔
"وہ ریسیور رکھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ اس کا ذہن بری طرح منتشر ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
معاً فون کی بیل پر اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے لیکن اسے ریسیور اٹھانے کا خیال نہیں آیا۔
جنے کے بعد فون خاموش ہو گیا۔ تب بھی اسے احساس نہیں ہوا۔ عجیب موڑ تھا۔ جب منزل دو گام رہ گئی
وہ طے شدہ راستوں میں الجھ رہا تھا۔
رابعہ نے اس کا دروازہ دھکیل کر اسے پکارا تو وہ ایسی ہی الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
میرا تو خیال تھا آپ خوشی سے جھوم رہے ہوں گے لیکن آپ تو ایسے لگ رہے ہیں جیسے کوئی افسوس
یا ہو۔" رابعہ نے اس کے افسردہ چہرے کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔
ش رہا۔
ے بھائی، کیا ہوا ہے۔؟" رابعہ قدرے متوحش ہو گئی۔
ہیں، فی الحال تم جاؤ یہاں سے۔ میں سو رہا ہوں۔" وہ کوٹ اتارتا ہوا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔
بتا دیں آپ نے فون کیوں نہیں اٹھایا۔ ادھر باباجان بات کر رہے ہیں۔" رابعہ نے قدرے اونچی آواز
ن وہ ان سنی کرتا ہوا ڈریسنگ روم میں بند ہو گیا۔

——*

ثوبیہ اور عمرا بھی اس کے پاس سے اٹھ کر گئے تھے اور اس نے سکون کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ نبیل
وکہ انہوں نے ان تینوں کی طرح اسے تنگ نہیں کرنا تھا پھر بھی ان کی آمد سے وہ اندر ہی اندر پریشان
یہ فطری شرم تھی جو اس کا سر آپ ہی آپ جھک گیا۔
میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ تم نے کھانا کھایا یا نہیں۔" نبیل نے اس کی جھجک سمجھتے ہوئے قصداً" کچھ بے خبری
ا اختیار کیا تاکہ وہ آرام سے بات کر سکے۔
پھوپھو نے زبردستی کھلا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت مجھے بھوک بھی نہیں تھی۔ آپ نے کھا لیا۔؟" اس نے
کے ساتھ پوچھا تو نبیل بیٹھتے ہوئے بولے۔
ہاں اور چائے بھی پی لی۔ تمہاری چھٹی ہو گئی۔ اس وقت چائے نہیں بنانی پڑے گی تمہیں۔"
آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں چائے بنانے سے کتراتی ہوں۔" اس نے شاکی نظروں سے دیکھا تو وہ ہنس

خیر تم کسی کام سے نہیں کتراتیں، وہ تو۔"
اپنے ہوا پنا کام بھی نہیں کرتی۔" وہ فوراً" بول پڑی۔
عجیب لڑکی ہے وہ بھی۔ اب دیکھو وہاں جا کر رہ گئی۔ پھوپھو نے بھی اجازت دے دی اسے۔ اگر مجھے
تو میں کبھی اسے بھیجنے کا مشورہ نہ دیتا۔" نبیل کو اب افسوس ہو رہا تھا۔
اس نے تو کہا تھا وہ زیادہ عرصہ کہیں نہیں رہ سکتی۔" اس نے یاد دلایا۔
نہیں رہ سکتی۔ ابھی بھی وہ خوشی سے وہاں نہیں رکی ہو گی۔" نبیل نے یقین سے کہا۔
ہاں میں اسے بہت مس کرتی ہوں۔"
نہیں تو عادت ڈال لینی چاہیے اس کے بغیر رہنے کی۔ کیونکہ تم خود یہاں کچھ وقت کی مہمان ہو۔" نبیل

کے سیدھے سادے انداز کے باوجود وہ پزل سی ہو گئی اور ان کے پاس سے اٹھنے کا بہانا سوچنے لگی۔ مشکل ...
وہ اس کے کمرے میں بیٹھے تھے' اس لیے فوری طور پر کوئی بہانا سمجھ میں نہیں آیا تو بات بدلتی ہوئی کہنے لگی۔
''آج ثمرہ کا فون آیا تھا۔ نبیل بھائی وہ کہہ رہی تھی۔ کچھ وقت نکال کر اسے پڑھا دیا کریں۔''
''ہاں' عدیل چاچو نے بھی کہا تھا مجھ سے اور میں اب تک اپنے وقت کی سیٹنگ نہیں کر پایا۔ کوشش کر رہا ہوں
کہ۔'' فون کی بیل سے ان کی بات ادھوری رہ گئی۔
''اس وقت مدحو ہو گی۔'' وہ کہتی ہوئی بھاگ کر لاؤنج میں آ گئی اور ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف واقعی مدحیہ تھی۔
اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگی۔
''بہت کمینی ہو تم۔ بتایا ہی نہیں کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔''
''میں کیا بتاتی۔ مجھے خود ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ مما نے میری شادی طے کر دی ہے۔'' اس نے مدحیہ
ناراضگی کے خیال سے خود کو بے خبر ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
''حکومت' یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ابھی رشتہ آیا اور ابھی شادی طے ہو گئی۔ آخر کچھ سلسلہ تو چلا ہو گا۔'' مدحیہ نے
فوراً ٹوک کر جتایا تو وہ اندر ہی اندر خائف ہو کر بولی۔
''یار' سلسلہ تو کافی دنوں سے چل رہا تھا لیکن مجھے یہ کب معلوم تھا کہ مما ہامی بھی بھر لیں گی۔''
''تم سے پوچھے بغیر تو ہامی نہیں بھری ہو گی۔'' مدحیہ شاکی تھی۔
''جی نہیں! مما نے مجھ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ نہ کسی کے ذریعے سے میری رائے پوچھی'
چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ اب تم کب آ رہی ہو۔'' اس نے اپنی صفائی دینے کے بعد پوچھا تو مدحیہ لاپروائی سے
بولی۔
''ظاہر ہے تمہاری شادی پر ہی آؤں گی۔ ماموں جی اور مامی جی کے ساتھ۔''
''ہائے نہیں مدحو! ایسے نہیں کرو۔ ماموں جی اور مامی جی تو عین وقت پر آئیں گے' جبکہ میں اس وقت
شدت سے تمہاری کمی محسوس کر رہی ہوں۔ تم جلدی آجاؤ پلیز۔''
اس کی منت کا مدحیہ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔
''کیسے آجاؤں۔ یہاں میری کلاسز شروع ہو گئی ہیں اور ہاں تمہارے پیپر کیسے ہوئے؟''
''ٹھیک ہوئے ہیں۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولی۔
''چلو تمہیں کون سا آگے پڑھنا ہے۔ آرام سے گھرداری کرنا۔ ویسے کرتے کیا ہیں موصوف بلکہ پہلے یہ بتاؤ
ہیں کیسے؟'' مدحیہ اچانک مشتاق ہو گئی تھی۔
''مجھے نہیں پتا' خود آ کر دیکھ لو۔'' اس کا لہجہ ہنوز تھا۔
''کیا مطلب کیا تم نے دیکھا بھی نہیں۔''
''نہیں۔'' وہ صاف مکر گئی۔
''پاگل تو نہیں ہو گئیں۔ بغیر دیکھے شادی کر رو گی اور یہ مما آنٹی ڈکٹیٹر کب سے ہو گئیں جو تم سے پوچھا
تمہیں دکھایا۔ اپنے آپ فیصلہ کر لیا اور تم نے مان بھی لیا۔ آخر ایسی کیا مجبوری ہے تمہارے ساتھ۔'' مدحیہ
کی سعادت مندی سے چڑ گئی تھی۔
''کوئی مجبوری نہیں۔ مجھے مما پر پورا بھروسا ہے۔''
''پھر تو تمہارا اللہ ہی حافظ ہے۔'' مدحیہ کی استہزائیہ ہنسی اسے سخت گراں گزری۔
''بہت بد تمیز ہو تم۔ میں خواہ مخواہ تمہیں مس کرتی ہوں حالانکہ تمہارے بغیر یہاں بڑا سکون ہے۔ کوئی ...
نہیں۔ سب بہت خوش ہیں۔ پتا ہے ابھی یہاں.....'' اس کی بات جاری تھی کہ ادھر سے مدحیہ نے سلسلہ منقطع
کر دیا۔
وہ ریسیور پٹخ کر بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تو نبیل ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگے۔

...رہی تھی مدحو؟''
...جلانے کے سوا اور آتا ہی کیا ہے' ہونہہ.....!'' اس نے سلگ کر سر جھٹکا۔
...ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وہ دلوں سے کھیلتی ہے۔''
...کہاں کھو گئے تھے۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر چائے بنانے کا کہہ کر وہیں سے واپس پلٹ گئی

*_*_*

...اپنے جذبات چھپانے میں ہمیشہ سے کمال حاصل تھا لیکن اس وقت جانے انہوں نے کوشش نہیں
...ہو گئے تھے جو فون پر عارفہ بیگم سے آسیہ کی رضامندی کے ساتھ شادی کی تاریخ دینے کا سن کر وہ
...بے قابو ہو گئے تھے اور ہال کمرے میں آ کر اتنی اونچی آواز میں شاہ جہانگیر کو پکارا کہ ان کے ساتھ ادھر
...بھی گھبرا کر اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں۔
...مہرانساء تھیں۔ پہلی کے بعد دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہی وہیں ریلنگ تھام کر کھڑی ہو گئی تھیں۔
...ہو جہانگیر! تمہارے بیٹے کی بات پکی ہو گئی۔'' ...آواز میں غیر معمولی گونج تھی۔
...میں مٹھائی تقسیم کراؤ یونس کی ماں۔ علی کی شادی طے ہو گئی۔ ...بڑی شان سے اس کی بارات لے کر
...اور دلہن کو رخصت کرا کر پہلے یہیں اسی حویلی میں لے کر آئیں گے۔ بہت چھپا لیا ڈاکٹرنی نے اسے ہم
...ہماری باری ہے۔''
...'' مہرانساء نے نخوت و تنفر سے سر جھٹکا تھا۔
...جیسے سمجھ کر بھی نہیں سمجھ رہی تھیں۔
...جہانگیر نے آگے آ کر باباجان کا بازو تھام لیا اور دھیرج سے کہنے لگے۔
...تو ٹھیک ہے باباجان! لیکن اس طرح بنی بنائی بات بگڑ سکتی ہے۔ عین وقت پر اگر آسیہ نے انکار کر دیا
...ہم خاموش ہو گئے۔
...نے ان کی بات سمجھ کر چند لمحوں کے لیے خاموشی اختیار کر لی پھر کھنکار کر پہلے گلا صاف کیا اس کے بعد

...کے سارے انتظامات یہیں سے ہوں گے اور بارات بھی یہاں سے جائے گی پھر ہم علی کے گھر رک کر
...گے جب ادھر نکاح ہو جائے گا تب ہم خود جا کر دلہن کو رخصت کرا لائیں گے۔''
...خیال ہے باباجان یہاں سے کسی کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ علی سے کہہ دیتے ہیں وہ دلہن کو
...لے آئے گا۔'' شاہ جہانگیر غالباً کوئی بدمزگی نہیں چاہتے تھے۔
...نہیں جہانگیر! ہمارے علی کی شادی ہو اور ہم شریک نہ ہوں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے پھر ہم نے سکندر سے
...اس کی بیٹی کو ہم شاہ علی جہانگیر کے ساتھ رخصت کرا کر لائیں گے۔'' باباجان کے منہ سے جو پہلی
...وہ اس سے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔
...آپ کی مرضی۔'' شاہ جہانگیر نے ان کی ضد سمجھ کر ہتھیار ڈال دیے۔
...ہاں سے اسے بھی اطلاع کرو۔ اس کی بیٹی کی شادی ہے۔''
...مدم شاہ سکندر کا خیال آیا تھا اور اوپر سیڑھیوں پر کھڑی مہرانساء چیخ کر بولی۔
...صرف ایک بیٹی ہے الماس اور کوئی نہیں۔''

❁ ❁ ❁

...کو مہرالنساء کی بات سے زیادہ اس کا چیخ کر بولنا ناگوار گزرا تھا اور یہ تھی بھی انہونی۔ بھلا ان کے سامنے
...نے اونچی آواز میں بات کی تھی۔

مہرالنساء کی اتنی جرات پر بی بی جان پریشان ہو گئیں۔ شاہ جہانگیر الگ بوکھلا گئے تھے پھر بھی اس سے پہلے بابا جان مہرالنساء کی بدتمیزی پر اسے سخت الفاظ میں کچھ کہتے وہ بول پڑے۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ مہرالنساء! تمہارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کیوں نہیں، میں ہر اس معاملے سے تعلق رکھوں گی جس میں شاہ کا نام آئے گا۔" مہرالنساء بابا جان کے کڑے تیور دیکھنے کے باوجود اپنی جگہ جم کر کھڑی تھی۔

"ہمیں طیش مت دلاؤ مہرالنساء! ورنہ ہم ابھی اسی وقت تمہارا شاہ سے تعلق توڑ دیں گے اور اس کے لیے ہمیں کچھ زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔" بابا جان نے ایک ہی وار میں اس بپھری ہوئی عورت کے پیر اکھاڑ دیے تھے کہ اس بار وہ بولی تو اس کی آواز میں وہ تنفر نہیں تھا۔

"پھر بھی اس طوائف کی بیٹی یہاں نہیں آئے گی۔" اس کے ساتھ ہی وہ دو سیڑھیاں پھلانگ کر تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"پاگل ہے......" شاہ جہانگیر نے اس انداز سے کہا کہ بابا جان اس کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیں۔

"مسئلہ تو نہیں بنے گی؟" بابا جان نے پرسوچ انداز میں شاہ جہانگیر کو دیکھا۔

"نہیں، آپ چھوڑیں اسے اور بی بی جان کو سارا پروگرام سمجھائیں کیونکہ یہاں کے سارے انتظام تو انہی کو کرنے ہیں۔" شاہ جہانگیر نے خوبصورتی سے ان کا دھیان بٹا دیا تھا۔

------*

علی جہانگیر جتنا سوچتا اسی قدر الجھ رہا تھا۔ اسے محبت میں دھاندلی کسی طور مناسب نہیں لگ رہی تھی مسئلہ یہ تھا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ صباحت کو اعتماد میں لے کر اس پر اپنا آپ ظاہر کر دے اور اس نہج پر اس نے سوچا بھی لیکن صباحت کی بزدلی سے خائف تھا کہ وہ کبھی اس کے لیے ... سکے گی۔ اس تمام عرصے میں وہ اسے اتنا تو جان گیا تھا کہ محبت سے دستبرداری میں خواہ اس کی جان کیوں نہ جائے، وہ اپنے بڑوں کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی۔ اس لیے اسے ہم نوا بنانے کا وہ بس سوچ کر رہ گیا اور خود اس کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ وہ کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتا تھا اور اس طرح شادی کر کے اس کی نظروں میں اعتبار ہونا بھی کھل رہا تھا۔ عجیب شش و پنج میں تھا۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی پر اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بس خاموشی سے عارفہ بیگم کو فون پر بابا جان کی ہدایات سنتے اور پھر ان پر عمل کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا جس پر رابعہ نے کئی بار اسے ٹوکا کہ وہ اپنی دلی تمنا پوری ہونے پر بجائے خوش ہونے کے پریشان نظر آ رہا ہے۔ اسے تو آفیشل پرابلمز سے منسوب کر کے ٹال گیا تھا لیکن وہ شاید مطمئن نہیں ہوئی تھی جب ہی اس وقت جھنجلا رہی تھی۔

"غلط کہہ رہے ہیں آپ، آفس کی پرابلمز سے آپ کبھی اس طرح پریشان نہیں ہوئے۔ ضرور کوئی بات ہے اگر آپ انہیں بتائیں گے تو میں صبا سے پوچھوں گی۔"

"اس سے کیا پوچھو گی۔؟" اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"آپ کی پریشانی کا سبب، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور جانتی ہو گی یا پھر دہی ہے۔" رابعہ کے اتنے قیاس پر وہ ایک لحظہ کو ٹھٹک گیا پھر فوراً سر جھٹک کر بولا۔

"پاگل ہو تم، وہ تو خود اس بات سے پریشان ہو گی کہ اتنے دنوں سے میں نے اسے فون نہیں کیا۔"

"کیوں نہیں کیا۔؟"

"اس لیے کہ ذہن آفس کے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ ادھر سے اطمینان ہو گا تب اس سے بات کروں گا ورنہ وہ بھی تمہاری طرح الٹے سیدھے قیاس کرنے بیٹھ جائے گی۔" اس نے خوبصورتی سے بات بنائی۔

"یہ تو ہے۔" رابعہ تائید کرتے ہوئے بولی۔ "ویسے وہ آپ کے فون نہ کرنے پر بھی قیاس کر رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ بدگمان ہو، آپ اسے اپنی مصروفیات کی داستان سنا کر یقین دلائیں کہ آپ اتنے ٹینشن میں بھی ...

... رہتا ہے اور ہاں یہ بھی کہیے گا کہ۔"

"... آپ۔!" وہ اندر ہی اندر جزبز ہو رہا تھا جب ہی ٹوک دیا۔ تو رابعہ چڑ کر بولی۔

"... واقعی پاگل ہوں، خوامخواہ آپ کا خیال کرتی ہوں۔"

"... بہت خیال کرتی ہو، اس وقت بھی احسان کر دو کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ اس کے چڑنے کا نوٹس نہ لیتے ہوئے بولا۔

"... کی مرضی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے رک کر کہنے لگی۔ "ویسے میں آپ کو یہ بتانے آئی تھی کہ ... ڈاکٹر آسیہ سے صباحت کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت لے لی ہے۔"

"... مطلب۔؟" وہ ایکدم متوجہ ہوا تھا۔

"... مطلب یہ کہ...... خیر چھوڑیں اس وقت آپ تنہائی چاہتے ہیں لہٰذا شب بخیر۔" رابعہ اس پر احسان کرتی ہوئی ... کہ وہ ایک ہی جست میں دروازے پر آ کر اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"... سیدھی طرح بتاؤ۔ کیا بات ہے۔ صباحت کو کہاں لے جانے کی اجازت لی ہے تم نے۔"

"... آپ کو کیا، آپ اپنی آفیشل پرابلمز حل کرتے رہیں اور مجھے میرا کام کرنے دیں۔" رابعہ نے کورا جواب ... سامنے سے ہٹتا ہوا بولا۔

"... ٹھیک ہے جاؤ تم۔"

"... ناں۔؟" رابعہ نے دروازہ کھول کر اسے یوں دیکھا جیسے وہ اس کی خوشامد کرے گا لیکن وہ بڑے آرام سے ... پر جا بیٹھا کیونکہ جانتا تھا کہ جو بھی بات ہے کہے بغیر اسے نیند نہیں آئے گی اور واقعی وہ جھنجلاتی ہوئی پلٹ ... کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"... کتنے خراب ہیں بھائی آپ، ذرا سی منتیں نہیں کر سکتے۔ آخر میں نے بھی تو آپ کے لیے ڈاکٹر آسیہ کی اتنی ... ہیں تب کہیں جا کر انہوں نے ہامی بھری تھی۔"

"... بات کی۔؟" اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"... صباحت کو ہمارے ساتھ بھیجنے کی تاکہ ہم شادی کی شاپنگ اس کی پسند سے کر سکیں اور پتا ہے کل کا دن طے ... ہے۔"

... پروگرام بتاتے ہوئے کچھ پرجوش سی ہو گئی تھی۔ "میں چار بجے اسے لیتی ہوئی طارق روڈ پہنچ جاؤں گی پھر ... وہیں آ جائیے گا اور ہاں امی کو اس بات کا بالکل پتا نہیں چلنا چاہیے کیونکہ آپ جانتے ہیں وہ ذرا۔"

"... اور اگر ڈاکٹر آسیہ نے امی سے پوچھ لیا تب۔؟" وہ اس کی بات سمجھ کر بولا۔

"... کی تب دیکھی جائے گی بلکہ آپ ہی سنبھال لیے گا۔ میرا کام آپ کو صباحت سے ملوانا ہے کیونکہ اس روز ... کہہ رہے تھے کہ شادی سے پہلے آپ ایک بار اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ کہا تھا ناں آپ نے۔!" آخر میں ... زور دے کر اس سے تصدیق چاہی۔

"... ہاں۔" اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر رابعہ کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا ... اس کا ذہن ایک بار پھر اس بات میں الجھ گیا تھا کہ اسے اپنا اصل ظاہر کرنا چاہیے یا نہیں۔ ہر دو صورتوں ... کے لیے خسارہ ہی خسارہ تھا اور پھر جس خسارے کی تلافی ممکن ہو سکتی تھی وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا

------*

... نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے رابعہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"... میرا خیال ہے، میں تم دونوں کے ساتھ اچھی نہیں لگوں گی۔"

"... مطلب۔؟" وہ بالکل نہیں سمجھی۔

"... سے پوچھو۔" رابعہ کے اشارے پر اس نے فوراً گردن موڑی اور علی جہانگیر کو دیکھ کر گھبرا کر رابعہ کا ہاتھ

پکڑ لیا۔
"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"
"سرپرائز، چلو جاؤ۔" رابعہ نے ہنستے ہوئے اس کی طرف کا دروازہ دھکیل دیا۔ تو وہ آہستہ سے بولی۔
"تم بھی چلو ناں۔"
"ارے تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے پہلی بار علی بھائی کا سامنا ہوا ہو۔" رابعہ نے اس کے ٹھنڈے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا۔ تب ہی علی جہانگیر قریب آ کر بولا۔
"آیئے صباحت اور ہاں، رابعہ! تم گھر جاؤ۔ انہیں میں۔"
"نہیں پلیز۔" وہ مزید گھبرا کر فوراً بول پڑی۔
"ڈرو مت، تمہاری مما سے میں نے پوچھ لیا تھا۔" رابعہ نے اسے اطمینان دلایا۔ تب وہ اتر کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔
علی جہانگیر، رابعہ سے بات کرنے کے بعد ڈرائیور سے کچھ کہہ رہا تھا پھر سیدھا ہو کر اس کی طرف پلٹ کر بولا۔
"آیئے۔"
وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔ گو کہ پہلی بار اس کے ساتھ نہیں تھی لیکن کچھ عرصے بعد جس بندھن میں بندھنے والی تھی اس کا حجاب تھا جو اس کی نظریں علی جہانگیر کے قدموں سے اوپر نہیں اٹھ رہی تھیں اور آس پاس کا تو بالکل ہوش نہیں تھا۔ پتا نہیں کس طرف جا رہا تھا وہ۔ اس نے جان کر بھی کیا کرنا تھا اور پھر جہاں وہ رکا اس کے قدم بھی وہیں جم گئے۔
"بیٹھیں۔" علی جہانگیر نے کہا تب اس نے چونک کر سر اٹھایا اور چاروں اور نظر ڈالتی ہوئی بیٹھ گئی۔
"کیسی ہیں آپ۔؟" علی جہانگیر نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ بڑا محتاط انداز تھا، ہمیشہ سے مختلف نہ لہجے میں شوخی تھی نہ نظروں میں وارفتگی اور براہ راست اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔
"ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں۔؟" وہ اس کے بدلے انداز محسوس کرتی ہوئی بولی۔
"کیا لیں گی، چائے یا۔؟"
"کچھ نہیں۔" اس کے فوراً منع کرنے پر وہ نہ صرف متوجہ ہوا بلکہ اپنے رویے کا احساس بھی ہو گیا، جب مسکرا کر بولا۔
"کیوں، میرا ساتھ بھی نہیں دیں گی۔ آئی مین میں، چائے پینا چاہتا ہوں۔"
"ضرور پئیں، میں آپ کو تو منع نہیں کر رہی۔" وہ ٹیبل کی چکنی سطح پر انگلی سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی ہوئی بولی۔
"یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں چائے پیوں اور آپ ناراض ناراض سی بیٹھی رہیں۔ اب یہ مت کہہ دیجیے گا آپ ناراض نہیں ہیں۔"
"نہیں ہوں۔"
"میری طرف دیکھ کر کہیں۔" علی جہانگیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ادھر ادھر پھسلتی انگلی کو اپنی دو انگلیوں درمیان جکڑ لیا تو وہ گھبرا کر بولی۔
"کیا کر رہے ہیں، چھوڑیں پلیز۔"
"پہلے میری ایک بات کا جواب دو۔ کتنا پیار کرتی ہو مجھ سے۔؟" وہ ایکدم آپ سے تم پر آ کر اسے جانے امتحان میں ڈال گیا۔
"پتا نہیں۔" وہ پریشان ہو گئی۔
"چلو یہ بتا دو، میری خاطر کیا کر سکتی ہو۔"
"آپ کیا چاہتے ہیں۔؟" وہ الجھ کر بس ایک نظر اسے دیکھ سکی۔

چاہتا تو نہیں ہوں لیکن اگر چاہوں کہ میری خاطر ساری دنیا کو چھوڑ دو تو چھوڑ دو گی۔؟" وہ اسے پرکھ رہا
ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔
ہاں یا ناں۔" اس نے اس کی انگلی کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اصرار کیا تو وہ روہانسی ہو گئی۔
پلیز، آپ ایسی باتیں نہیں کریں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"
!" وہ قصداً ہنس پڑا۔ "بے وقوف لڑکی! تم سے تو مذاق بھی نہیں کیا جا سکتا۔"
مذاق نہیں کر رہے بلکہ شاید مجھے آزمانا چاہتے ہیں۔ ہے ناں، ہے ناں یہی بات۔" اس نے دکھ سے کہا۔
نہیں صبا! ایسی بات نہیں ہے۔" وہ عاجز آ کر بولا۔ "بس چھوڑو اس موضوع کو، چلو کچھ شاپنگ کر لیں
اپنا موڈ ٹھیک کرو۔"
بات بتائیں، کیا آپ جانتے ہیں کہ میرے پیرنٹس میں علیحدگی ہو چکی ہے۔؟" وہ اس کی بات یکسر
کر گئی اور جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔
کیوں۔؟" وہ جواب کے ساتھ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
شاید اس لیے آپ میری طرف سے یہ یقین چاہتے ہیں کہ کبھی زندگی میں ایسا کوئی موڑ آیا تو۔"
صبا! میں ایسا کوئی موڑ نہیں آنے دوں گا۔" وہ سمجھ کر فوراً بول پڑا۔ "جو کسی دوراہے پر کھڑے ہو کر
لیے انتخاب مشکل ہو جائے۔ نہیں، ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔ مجھے تمہارے پیرنٹس کی علیحدگی سے کوئی
نہیں اور نہ میں سبب جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے میرے مذاق کو سنجیدگی سے لیا۔"
جھکا کر آنکھوں میں آئی نمی اپنے اندر اتارنے لگی۔ جانے کیوں دل سہم گیا تھا۔
میری طرف دیکھو۔" اس نے بے چین ہو کر پکارا تو وہ اس کی طرف دیکھنے کے بجائے اٹھ کھڑی ہوئی۔
گھر جاؤں گی۔" وہ روٹھے لہجے میں کہتی ہوئی ریستوران سے نکل آئی اور پرس میں سے رومال نکال کر
احتیاط سے اپنی آنکھیں صاف کیں پھر اس کی گاڑی کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی کہ وہ آ گیا اور آہستہ
کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گاڑی کے پاس لے آیا۔
بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔" گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہی وہ اسے مخاطب کیے بغیر کہنے لگا۔ "پتا نہیں میں
میں غلطی کی یا تم نے سمجھنے میں۔ بہرحال کتنی عجیب بات ہے کہ اس موڑ پر بجائے خوش ہونے کے تم مجھ
ہو رہی ہو۔"
نہیں علی! میں شاکی نہیں ہوں۔"
خفا تو ہو۔؟"
نہیں۔"
گاڑی سائیڈ میں روک کر اسے دیکھنے لگا تو وہ نروس ہو گئی۔
سچ کہہ رہی ہوں۔ میں بالکل خفا نہیں ہوں۔ میرا یقین کریں۔"
کیسے یقین کر لوں۔ میری طرف دیکھ کر کہو گی تب تو یقین آئے گا۔"
اسی بات پر بضد ہوا تو اس بار اس نے بے اختیار اسے دیکھا تھا بس ایک پل پھر اپنا رخ دوسری طرف موڑ
جہانگیر نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے سیدھی سڑک پر ڈال دی اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے متوجہ
پوچھنے لگا۔
تم کبھی اپنے فادر سے ملی ہو۔؟"
نہیں۔" اس نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔
ملنا چاہتی ہو۔؟"

"نہیں۔"
"کیوں۔؟"
وہ خاموش رہی تو قدرے توقف سے اپنے آپ کہنے لگا۔
"ویسے میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہوگی بلکہ اگر تم کہوگی تو میں خود تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا۔"
وہ پھر ان سنی کرکے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ جانے کیوں اسے الجھن ہونے لگی تھی اور کچھ عجیب سا بھی لگ رہا تھا۔ وہ خود اپنے باپ کے بارے میں خواہ کچھ بھی سوچے یا کہے لیکن تیسرے شخص کے منہ سے ہمدردی بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی اور وہ اسے روک بھی نہیں سکتی تھی کہ جانے وہ کیا سمجھے اور وہ اس کے منہ موڑنے سے ہی سمجھ کر خاموش ہوگیا تھا۔

۔۔*

اس کی شادی میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔ تیاریوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا اور آسیہ کو کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی۔ سب ہی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کپڑوں کی تیاری میں میمونہ بھابھی، سونیا اور اماں جی تھیں اور باہر کے کاموں میں نبیل اور عمر بھی پیش پیش تھا اور یہ صرف اس کی محبت تھی جواب سب اس کے لیے اپنے ضروری کام بھی بھول گئے تھے۔ ہر شام عدیل بھائی بھی یاسمین اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ آجاتے تو اور رونق ہوجاتی تھی لیکن اسے جس کا انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ جس سے اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ حالانکہ جانتی تھی کہ ابھی بھی وہ آئے گی تو دل جلانے والی باتیں ہی کرے گی اور شاید وہ اس کی عادی ہوچکی تھی۔ جب ہی صبح شام فون کرکے اس کی منتیں کررہی تھی اور اس وقت تو رونے بھی لگی تھی۔
"مدحو! کیا تمہیں ذرا بھی مجھ سے محبت نہیں ہے۔"
"یہ کیا بات ہوئی، یعنی میں آجاؤں تو محبت اور نہ آؤں تو۔ چہ چہ۔ تم ہمیشہ سے ایسی ہی احمقانہ سوچ رکھتی ہو۔"
مدحیہ نے الٹا اس کا مذاق اڑایا۔
"تو تم نہیں آؤگی۔"
"کیوں نہیں آؤں گی۔ ابھی تو پورا ایک ہفتہ پڑا ہے۔ شکیل ماموں نے دو دن پہلے کی سیٹیں کنفرم کروالی ہیں اور ظاہر ہے میں بھی ان ہی کے ساتھ آؤں گی۔"
"کیا ضرورت ہے تب بھی آنے کی۔" اس نے چیخ کر ریسیور پٹخ دیا اور آنسو پونچھتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تو نبیل پہلے سے موجود تھے، دیکھتے ہی کہنے لگے۔
"اس بار پھوپھو کی ساری آمدنی ٹیلی فون کے بل میں چلی جائے گی۔ اسے تو خیر احساس نہیں ہے، تم ہی کچھ خیال کرلو۔"
"میں خیال کرلوں، ہمیشہ مجھ ہی سے یہ توقع کیوں کی جاتی ہے اور اسے صرف احساس نہیں ہے کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی۔ "اسی لیے تو وہ اتنی شیر ہوگئی ہے اور وہی صحیح ہے۔ ٹھیک ہی مجھے احمق کہتی ہے، میں ہوں احمق۔"
"صبا۔!" نبیل نے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔ "اتنا غصہ۔ میں نے تو یوں ہی ایک بات کی تھی۔"
وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔
نبیل سمجھ گئے۔ اصل میں اسے مدحیہ کا نہ آنا رلا رہا ہے اور وہ کیا کرسکتے تھے۔ ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسے بہت پہلے لے آتے۔ اس کے معاملے میں تو وہ بھی بے بس تھے۔
"مت روؤ، تم جانتی ہو۔ مجھے کتنا دکھ ہوتا ہے۔ جاؤ منہ دھو کر آؤ۔" انہوں نے اس کا رخ واش روم کی طرف موڑ دیا تھا۔
پھر رات میں ڈھولک کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ پہلے نیچے اور جب ابا جی اور خلیل بھائی تنگ آنے لگے تو سب اوپر آگئے تھے۔ وہ، ثمرہ اور روبی کے بہت اصرار پر سب کے ساتھ آکر بیٹھی تھی کہ عمر آہ بھر کر بولا۔

"ہائے صبا! تم چلی جاؤگی تو میرا کیا ہوگا۔ میں بہت روؤں گا ایمان سے۔"
دراس کا تو یوں بھی آج کل ذرا ذرا سی بات پر دل بھر آتا تھا۔ اس روانی سے آنسو چھلکے اور ایسی ہچکی بندھی کہ سب کراتے کراتے تھک گئے، ساتھ ساتھ عمر کو بھی لتاڑ رہے تھے کہ اس نے کیوں ایسی بات کی۔
"تم لوگ خوامخواہ میرے پیچھے پڑ رہے ہو اور اسے بھی چپ کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جی بھر کر رونے دو اچھا ہے سارے آنسو یہیں بہا لے۔ آگے بہت خوش رہے گی۔" عمر سب کی سن سن کر آخر بول پڑا۔
"خوش تو انشاءاللہ رہے گی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ۔" سونیا پھر شروع ہونے لگی تھی کہ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔
"بس خدا کے لیے یہ ڈانٹ پھٹکار کا سلسلہ ختم کریں اور ڈھولک سنبھالیں۔"
"ایک تو مدحو پتا نہیں کب آئے گی۔ سب سے اچھی ڈھولک وہی بجاتی ہے۔" ثوبیہ نے ڈھولک اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا تو وہ رونے کے درمیان جل کر بولی۔
"نہیں آئے گی وہ۔"
"کیا مطلب، مدحو شادی میں نہیں آئے گی۔" ثمرہ نے حیران ہو کر پوچھا۔
وہ سر جھٹک کر رہ گئی تو ثمرہ کے ساتھ روبی بھی نبیل کی طرف گھوم کر ان سے پوچھنے لگی۔
"سچ نبیل بھائی! مدحو نہیں آئے گی۔"
"آئے گی کیوں نہیں۔ اس کے بغیر بھلا شادی ہوسکتی ہے۔" نبیل نے صباحت کو گھورتے ہوئے کہا۔
"ویسے اب تک تو اسے آجانا چاہیے تھا۔ کوئی سالگرہ تو نہیں ہے جواب نہیں تو اگلی بار سہی۔ شادی ہے جو زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے۔ کیوں نبیل بھائی۔" عمر نے کہہ کر نبیل سے تصدیق چاہی تو وہ ان سنی کرکے اٹھتے ہوئے بولے۔
"میرا خیال ہے۔ سونا چاہیے۔ چلو تم لوگ بھی اٹھو، بہت رات ہوگئی ہے۔"
"ہائے نہیں نبیل بھائی! ہم ڈھولک بجائیں گے۔" روبی نے لجاجت سے کہا۔
"کل، کل بجالینا، چلو اٹھو۔" نبیل نے سب کو اٹھا دیا، آخر میں صباحت کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر گئے۔
اگلے دن سے وہ سب کے بلانے پر بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔ رات گئے تک ڈھولک کے ساتھ ہنسی کی آوازیں اسے سونے نہیں دیتی تھیں اور یہ نہیں تھا کہ اسے کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی بلکہ متضاد بات میں گھر کر اس کا دل کچھ سہم سا گیا تھا۔ یعنی کبھی پالینے کی خوشی، کبھی اس گھر سے جانے کا غم، کبھی مدحیہ پر اور زیادہ یہ کہ اس کے جانے کے بعد آسیہ اکیلی ہوجائے گی۔ ان ساری باتوں کی وجہ سے وہ الگ تھلگ پڑی کیا کچھ سوچتی رہتی اور مدحیہ پر تو اسے اتنا غصہ تھا کہ اپنے کہنے کے مطابق جب وہ دو دن پہلے آئی تو اسے دیکھ کر ہی اس نے منہ موڑ لیا جس پر مدحیہ بجائے اسے منانے کے الٹا ناراض ہو کر بولی۔
"کیا اسی لیے بلا رہی تھیں تم مجھے کہ میں تمہارے نخرے اٹھاؤں، خوشامدیں کروں۔ مجھ سے ایسی توقع مت رکھنا۔"
"پاگل ہوں میں جو تم سے کوئی توقع رکھوں گی۔ جانتی نہیں ہوں کیا میں تمہیں؟ اور تم نے کیوں زحمت کی آنا تمہارے بغیر۔"
"وہ نہیں ہوسکتا تھا میرے بغیر" مدحیہ فوراً ٹوک گئی "تم سے تین بار ہاں میں ہی کہلواؤں گی۔"
"ہونہہ!" اس نے سر جھٹک کر منہ موڑا تو مدحیہ نے لپک کر اس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔
"ہاہونہہ، میرے بغیر کرتیں شادی، بتاؤ۔ میں تمہیں بم سے اڑا دوں گی اور کیا نام ہے اس کا علی جہانگیر کو بھی۔"
"ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔" وہ اس کے ہاتھ سے اپنی گردن چھڑاتی ہوئی بولی۔

"مجھ سے منہ موڑو گی تو ایسے ہی کروں گی۔" مدحیہ ہنستی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔
"بہت بری ہو تم۔" اس کا سارا غصہ جھاگ بن کر بیٹھ گیا۔

——*

"شاہ! مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا۔" مہرالنساء بہت تلملائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔
شاہ سکندر نے پہلے الماس کو کمرے سے جانے کا اشارہ کیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
"ہاں کیا برداشت نہیں ہو رہا۔"
"اس لڑکی کے سواگت کے لیے یہاں جو کچھ ہو رہا ہے' آپ دیکھ نہیں رہے۔ باباجان نے سب کو اسی کام پر لگا رکھا ہے۔ یوں جیسے کہیں کی مہارانی آنے والی ہو۔ حویلی میں پہلی شادی تو نہیں ہے یہ' نہ ہی پہلی بہو آ رہی ہے۔ اس سے پہلے یونس بھائی کے بیٹے کی شادی ہوئی تو اس کی دلہن کے لیے تو اتنے اہتمام نہیں کیے گئے تھے۔"
"یہاں معاملہ ذرا دوسرا ہے مہرالنساء! اور دل کا بھی' یعنی باباجان کے سب سے چہیتے پوتے کی شادی ہے۔ آنے والی صرف بہو ہی نہیں' بیٹی بھی ہے جو اب تک محروم رہی۔ شاید باباجان اسی کی تلافی کر رہے ہیں۔" شاہ سکندر نے سمجھتے ہوئے دھیرج سے کہا۔
"ہونہہ تلافی' باباجان تلافی کر رہے ہیں اور آپ کیا کریں گے؟۔" مہرالنساء کے لہجے میں تنفر کے ساتھ طنز بھی سمٹ آیا تھا۔
"دیکھو مہرالنساء! میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم اس بچی کے لیے دل میں بغض مت رکھو۔ اس کے آنے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ وہ زیادہ دن یہاں نہیں رہے گی۔ علی اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔"
"ابھی کیوں نہیں' یہ سارے انتظام وہیں شہر میں ہوتے۔ یہاں لانے کی ضرورت کیا ہے۔"
"بس باباجان کا شوق ہے۔"
"شوق نہیں شاہ! وہ مجھے اذیت دینا چاہتے ہیں۔"
"یہ محض تمہارا خیال ہے۔ باباجان نے ہمیشہ تمہیں اہمیت دی ہے۔ کبھی تمہاری حق تلفی نہیں ہونے دی۔ یہاں تک کہ تمہاری بدتمیزیوں کو بھی برداشت کیا ہے انہوں نے اور تم ان کی اتنی سی خوشی برداشت نہیں کر پا رہیں یاد رکھو باباجان ایک حد تک ہی ڈھیل دیتے ہیں۔" شاہ سکندر حتی الامکان ضبط کر رہے تھے پھر بھی متنبہ کر گئے۔
"کیا کریں گے وہ' نکال باہر کریں گے مجھے حویلی سے' نہیں شاہ! اب یہ ممکن نہیں ہے' میری اولاد جوان ہے اور آپ یہ سن لیں کہ آغا بھی اس لڑکی کے یہاں آنے کے حق میں نہیں ہے۔" مہرالنساء نے جوابی خبردار کیا تو ان کی پیشانی پر بے شمار لکیریں کھینچ گئیں۔
"آغا کیا کہتا ہے وہ؟۔"
"یہی کہ کسی رکھیل کی اولاد ان کی برابری نہیں کر سکتی۔" مہرالنساء نے اس بار کچھ آرام سے کہہ کر دکھائی تو وہ بری طرح سلگ کر بولے تھے۔
"وہ رکھیل کی اولاد ہے اور آغا' آغا کس کی اولاد ہے۔"
"میری۔" مہرالنساء نے گردن اکڑائی تھی۔
"ہاں صرف تمہاری'۔" ان کا وار کاری تھا۔
مہرالنساء چیخ پڑی "کیا مطلب ہے آپ کا؟۔"
"جو چاہے سمجھ لو۔" شاہ سکندر سر جھٹک کر جانے لگے کہ مہرالنساء ان کے سامنے آ گئی۔
"ایک بات بتا دیں شاہ! وہ ڈاکٹرنی اپنا حشر بھول گئی جو بیٹی کو یہاں بھیج رہی ہے۔"
"وہ نہیں بھیج رہی ہم لا رہے ہیں۔" شاہ سکندر بے اختیار کہہ گئے۔

"بات تو ایک ہی ہے۔ وہ بھیجے یا آپ لائیں۔ اس نے اعتبار کیسے کیا یا آپ نے کوئی بھاری ضمانت دی ہے' بہن جائیداد یا اپنا آپ۔" مہرالنساء طنز کے ساتھ مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔
"تم ان باتوں میں کیوں الجھ رہی ہو مہرالنساء! جب میں کہہ چکا ہوں کہ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا تو میرا یقین کر لو۔" شاہ سکندر نے نرمی سے کہہ کر اسے سامنے سے ہٹایا اور کمرے سے نکل گئے۔

♥ ♡ ♡ ♥

ہر طرف ایک افراتفری مچی تھی۔ حالانکہ سارا دن پڑا تھا لیکن ناشتے کے بعد سے ہی سب کو اپنی اپنی تیاری کی فکر ہونے لگی تھی۔ مدحیہ کے لیے آسیہ نے بہت چاہ سے مہندی کلر کا کرتا اور تنگ پاجامہ بنایا تھا۔ جسے اب وہ ریجیکٹ کیے کھڑی تھی۔
"آخر کیا خرابی ہے اس میں۔" صباحت نے اس کے سوٹ کے ساتھ کا جھلملاتا دوپٹہ بیڈ پر پھیلاتے ہوئے پوچھا۔
"بس مجھے نہیں اچھا لگ رہا۔ مما کو اور کوئی کلر نہیں ملا تھا اور یہ تنگ پاجامہ تمہیں پتا ہے مجھے کتنا برا لگتا ہے۔" مدحیہ نے بیڈ پر پھیلا دوپٹہ کھینچ کر اس کا گولہ سا بنا کر اچھال دیا۔
"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ اتنی ایمرجنسی میں تو کوئی تمہیں تمہاری پسند کے کپڑے سی کر نہیں دے گا۔ اسی لیے میں تمہیں جلدی بلا رہی تھی تاکہ سہولت سے اپنی تیاری کر سکو' لیکن تمہیں تو سب کیا کرایا ملنا چاہیے۔ اب پہنو یہی۔"
"ہرگز نہیں' یہ تم اپنے جہیز میں رکھ دو' چار دن بعد تمہاری نند کی مہندی ہو گی تو اس میں پہن لینا۔" مدحیہ نے منہ پھلا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔
"فی الحال تو تم اسے میری مہندی میں پہنو۔ چار دن بعد میں پہن لوں گی۔"
"بس تم ہی پہننا۔ مجھے کوئی اور انتظام کر کے دو' ورنہ میں نہیں جاؤں گی۔" مدحیہ کی ہٹ دھرمی پر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔
"یا اللہ کیا چیز ہو تم' اتنے کم وقت میں میں کہاں سے انتظام کر کے دوں' نیچے سب لوگ تیار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اچھا ایسا کرو۔ ریڈی میڈ لے آؤ لیکن جاؤ گی کس کے ساتھ۔" صباحت مشورہ دے کر خود ہی اچنبھے میں پڑ گئی۔
مدحیہ یوں بیٹھی رہی جیسے یہ سرے سے اس کا مسئلہ ہی نہ ہو۔
"عمر سے کہو لے جائے تمہیں' یہیں حیدری مارکیٹ سے جیسا سوٹ چاہو گی مل جائے گا۔" صباحت مصلحتاً اس کے رویے کو نظرانداز کر رہی تھی۔
"ہاں' پیسے تمہارا باپ دے گا۔"
"باپ کو چھوڑو۔ میں دے رہی ہوں اپنی ساری جمع پونجی۔" صباحت نے ہنستے ہوئے وارڈروب کھول لی تو مدحیہ فوراً بولی۔
"چار پانچ سو کا سوٹ میں نہیں لوں گی۔"
صباحت کچھ نہیں بولی۔ آرام سے کپڑوں کی تہوں میں سے پیسے نکال کر گنے پھر پلٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھتی ہوئی بولی۔
"کو پورے ڈھائی ہزار ہیں۔ زبردست سوٹ آئے گا اور دیکھو عمر نہ مانے تو ثوبیہ کو لے جانا۔"
"اور اگر وہ بھی نہ مانی تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔"
مدحیہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس نے یوں سر ہلایا جیسے وہ اسے کبھی نہیں سمجھا سکتی پھر اس کے وہ کپڑے جو وہ پھینک کر گئی تھی۔ احتیاط سے تہہ کر کے الماری میں رکھے اس کے بعد نیچے کی افراتفری دیکھنے کے خیال سے ذرا سی کھڑکی کھولی تھی کہ ادھر سے شور کی آواز پر فوراً کھڑکی بند کر کے دروازے میں آئی تو مدحیہ کو سویٹا اور عمر کے

سہارے آتے دیکھ کر چیخ پڑی۔
"کیا ہوا مدحو؟"
"کچھ نہیں ہوا، ہٹو سامنے سے۔" عمر نے قدرے تیز ہو کر کہا۔
مدحیہ کے منہ سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے بہت تکلیف میں ہو۔
وہ سینے پر ہاتھ رکھے ایک طرف ہٹ کر دیکھنے لگی جب سونیا نے آرام سے مدحیہ کو بیڈ پر لٹا دیا تب وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی اور قریب بیٹھ کر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔
"کیا ہوا مدحو۔؟"
"سیڑھیوں سے پھسل گئی ہیں محترمہ! پیر میں موچ آگئی ہے۔ پھوپھو کہاں ہیں۔؟" عمر نے بتا کر پوچھا تو سونیا جلدی سے بولی۔
"پھوپھو نیچے ہی ہیں، جاؤ بلا لاؤ۔"
عمر چلا گیا تو وہ اٹھ کر مدحیہ کا پیر دیکھنے لگی پھر آہستہ سے انگلی سے چھوا تو وہ چیخ پڑی۔
"ہاتھ نہیں لگانا۔"
وہ اچھل کر پیچھے ہٹی تو سونیا نے اسے تھام لیا۔
"تم بیٹھو آرام سے، پھوپھو آکر دیکھ لیں گی۔"
"ان کے دیکھنے سے کیا اسے تکلیف نہیں ہوگی اور تمہیں ضرورت کیا تھی سیڑھیاں پھلانگنے کی۔ آرام سے نہیں اتر سکتی تھیں۔" وہ روہانسی ہو کر مدحیہ پر بگڑنے لگی۔
"اوفوہ! میں نے کہا نا، تم ادھر بیٹھو۔" سونیا اسے کھینچ کر دوسری طرف لے آئی۔
کچھ دیر بعد آسیہ آئی تو مدحیہ کی موچ چیک کرنے سے بینڈیج تک اس نے سکون اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد وہ بھی اسے سخت سست کہنے سے باز نہیں رہ سکی تھی۔
مدحیہ آنکھوں پر بازو رکھے چپ چاپ سنتی رہی۔ آخر صباحت کو اس پر رحم آگیا۔
"بس کریں مما! اب بیچاری جان بوجھ کر تو نہیں گری۔"
آسیہ نے ذرا سا سر جھٹکا پھر گھڑی دیکھ کر سونیا کو جلدی تیار ہونے کا کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو مدحیہ آنکھوں سے بازو ہٹا کر روتی آواز میں بولی۔
"سونیا جی! میں کیسے جاؤں گی۔"
"تم کہاں جا سکتی ہو، بس آرام کرو اور دیکھو پیر کو زیادہ ہلانا جلانا نہیں ورنہ شادی کے دن بھی ایسے ہی پڑی رہو گی۔" سونیا نے دھیرج سے تنبیہہ بھی کی تو وہ خفگی سے بولی۔
"اس سے تو اچھا تھا۔ میں آتی ہی نا۔"
"ارے نہیں، زیادہ چوٹ نہیں ہے۔ صبح تک انشاء اللہ سوجن اتر جائے گی پھر تم چل سکو گی۔" سونیا نے تسلی دی پھر صباحت کو اس کا خیال رکھنے کا کہتی ہوئی چلی گئی۔
"چلو میں بور ہونے سے بچ گئی۔" صباحت نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تاکہ اسے ملال نہ ہو پھر مزید اس کا دھیان بٹانے کی خاطر ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں تو کچھ دیر میں واقعی وہ بہل گئی تھی۔
پھر اگلے روز مدحیہ کے پیر کی سوجن تو اتر گئی لیکن چلنے میں اسے کچھ تکلیف ہو رہی تھی جس سے آسیہ نے اسے مزید آرام کرنے کا کہہ دیا تاکہ اگلے دن تک وہ بالکل ٹھیک ہو کر بارات کا استقبال کر سکے اور اسے بھی لنگڑا کر چلنا اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے اس نے بلا چوں و چرا آسیہ کی بات مان لی اور جب صباحت کو مہندی کی رسم کے لیے نیچے لے جایا گیا تب بھی وہ آرام سے لیٹی رہی۔ نیچے سے گانے اور ڈھولک کی آوازیں اوپر تک آ رہی تھیں کسی وقت وہ کان لگا کر سننے لگتی پھر اچانک ذہن کہیں اور بھٹک جاتا۔ صباحت کے جانے کا خیال آیا تو پھر وہ اس سوچنے لگی کہ اب بس وہ یہاں ایک ہی رات کی مہمان ہے اس کے بعد وہ اپنی زندگی کے نئے سفر پر روانہ ہو جائے

… عجیب بات ہے۔ میں نے ابھی تک اس کے ہم سفر کو نہیں دیکھا۔ وہ اپنے آپ پر ذرا سا ہنسی تھی کہ … دروازے پر دستک کی آواز سے چونک کر ادھر دیکھتی ہوئی بولی۔
"آجاؤ۔"
… کھلنے کے ساتھ نبیل اندر آتے ہوئے بولے۔ "کیسی طبیعت ہے تمہاری۔؟"
"… طبیعت خراب کب تھی۔" اس نے یوں ہی لیٹے لیٹے کہا، یعنی ذرا سا سر اونچا کرنے کی زحمت بھی نہیں … قدرے خجل سے ہو کر بولے۔
"… مطلب ہے تمہارا پیر۔"
"… چلنے میں کچھ تکلیف ہو رہی ہے۔"
"… تمہیں نیچے چھوڑ آؤں۔" نبیل نے اس کا خیال کر کے کہا۔
"… نہیں نہیں۔ صبا کے سسرال والے سمجھیں گے اس کے دونوں بہن بھائی لنگ۔" اس نے اپنی زبان … ساتھ چپکالی تو ایک پل میں ضبط کی جانے کن منزلوں سے گزر کر نبیل اس کی تائید کرتے ہوئے

"… نہیں ایسا نہ ہو وہ صبا میں بھی کوئی عیب تلاش کرنے بیٹھ جائیں۔"
… جواب پر کچھ حیران ہوئی لیکن بولی کچھ نہیں۔ تو قدرے توقف سے نبیل پوچھنے لگے۔
"… کیا مستقل اسلام آباد رہنے کا سوچ لیا ہے۔؟"
"… گریجویشن کے بعد دیکھیں کیا کرتی ہوں۔" اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔
"… میں پھوپھو کا خیال کرنا چاہیے۔ صبا کے جانے سے وہ اکیلی ہو جائیں گی۔"
"… بھی تو ہیں، آپ کیوں نہیں خیال کر لیتے۔"
"…" انہوں نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔
"… آپ کا فرض نہیں ہے۔؟"
"… نہیں۔"
"… سمجھتے ہیں تو شادی کر کے مما کو اچھی سی بہو لا دیجیے۔"
"… ہی۔" وہ ذرا سا ہنسے۔ "مجھ سے تو کوئی عام سی بھی شادی پر آمادہ نہیں ہو گی۔"
"…؟" اس نے پہلے بے دھیانی میں کہا پھر خود ہی چور سی بن گئی۔ غالباً اپنی کہی بات یاد آگئی تھی اور نبیل … کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ مسکراتے ہوئے وہیں سے پلٹ گئے۔

----*

… بجے آسیہ خود صباحت اور مدحیہ کو بیوٹی پارلر چھوڑ آئی تھی۔ اس کے بعد انہیں لانے کی ذمہ داری نبیل اور … کو سونپ کر وہ اس طرف سے مطمئن ہو گئی تھی۔
… بجے کے قریب وہ سب کے ساتھ میرج ہال پہنچ گئی۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ کچھ … بھابھی، خلیل بھائی اور شکیل بھائی کے ساتھ گیٹ پر کھڑی ہوئی تھی پھر اندر چلی آئی اور لڑکیوں کو بارات … کے لیے گیٹ پر جانے کا کہہ کر اماں جی کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔
"… گھبراہٹ ہو رہی ہے اماں جی۔"
"… سے، صبح سے دیکھ رہی ہوں ایک ایک کے ساتھ مغز ماری کر رہی ہو اور یہ لڑکیاں نہیں آئیں ابھی"
… اماں جی نے اس کے قدرے ستے ہوئے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"… ہوں گی بلکہ وہ آ رہی ہیں۔" وہ مووی کیمرے کی تیز روشنی میں صباحت کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے … سیما بھابھی اور دوسری طرف مدحیہ تھی جو صباحت سے زیادہ اپنا شرارہ سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔

آسیہ ان کے پیچھے ڈریسنگ روم میں آئی اور دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔
"مدحو بیٹا! تم سونیا وغیرہ کے پاس جاؤ۔ بارات آنے والی ہوگی۔"
"جب آئے گی چلی جاؤں گی۔" مدحیہ لاپروائی سے کہہ کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔
"بھابھی! آپ یہاں بیٹھیں گی یا میمونہ بھابھی کو بھیج دوں۔" اس نے صباحت کی ٹھوڑی چھوتے ہو... بھابھی سے پوچھا۔
"نہیں میں ہوں یہاں، تم البتہ باہر جاؤ۔ میرا خیال ہے بارات آگئی ہے۔ شور ہو رہا ہے۔"
سیما بھابھی نے دروازے کی طرف کان لگاتے ہوئے کہا۔ تو وہ بہت عجلت میں مدحیہ کو ساتھ آنے کا کہہ... ڈریسنگ روم سے نکل کر گیٹ کی طرف آئی تو سب سے پہلے عارفہ بیگم سے سامنا ہو گیا۔ ان سے مل کر... دوسری خواتین کی طرف بڑھنا چاہا لیکن عارفہ بیگم نے بڑی خوبصورتی سے اسے باتوں میں لگا کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا تھا پھر کچھ دیر وہ ان کے ساتھ بیٹھی جب نکاح کے لیے شکیل بھائی اور خلیل بھائی کو ڈر... کی طرف جاتے دیکھا تب عارفہ بیگم سے معذرت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور پہلے میمونہ بھابھی کے پاس... ان سے اس پیکٹ کی بابت پوچھا جس میں دولہا کے لیے گھڑی، قلم اور انگوٹھی وغیرہ تھی اور ان کے بتانے پر... کر گاڑی میں سے وہ پیکٹ نکال لانے کو کہا پھر ڈریسنگ روم کی طرف آئی تو دروازے ہی میں رک گئی کیونکہ اندر جگہ کم تھی دوسرے اچانک دل سہم سا گیا تھا۔ غالباً اس تمام عرصے میں اب یہ خیال آیا تھا کہ وہ دو... زیادہ اس کی اپنی تھی وہ پرائی ہو رہی ہے اور اس خیال نے اس کی آنکھیں نم کر دی تھیں۔ جس سے سا... دھندلا گیا تھا اور ابھی یہ دھند چھٹی نہیں تھی کہ سماعتوں میں اتر کر نکاح خواں کی آواز ذہن کے کسی بند... جا لگی تھی۔
"شاہ علی جہانگیر ولد شاہ جہانگیر حیات کے ساتھ تمہیں یہ رشتہ منظور ہے۔؟"
"نہیں۔" آسیہ نے پورا زور لگا کر چیخنا چاہا تھا لیکن اس سے پہلے اسے بڑی زور کا چکر آیا اور سنبھلنے... اس کا ہاتھ دروازے پر یوں لگا کہ شکیل بھائی نے چونک کر دیکھا اور فوراً بڑھ کر اسے کندھوں سے تھ... ساتھ لگاتے ہوئے آہستہ سے بولے۔
"حوصلہ بیٹا! حوصلہ۔"
وہ ساری توانائیاں صرف کر کے بھی حلق سے کوئی آواز نہیں نکال سکی۔ البتہ آنکھیں لبالب بھر آ... بہت ملتجی انداز میں نفی میں سر ہلایا تو شکیل بھائی اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے ڈریسنگ روم سے باہر... دونوں بازوؤں کے حلقے میں لیا تو اس کا پورا وجود جھٹکے کھا رہا تھا۔
معاً سارے میں مبارک سلامت کی آوازیں گونجنے لگیں پھر قریب سے گزرتے خلیل بھائی کی آ...
"اچھا نہیں ہوا۔"
"اتنا بڑا دھوکا۔" سیما بھابھی، میاں سے کہہ رہی تھیں۔
"بس خاموش رہو۔" شکیل بھائی نے انہیں ڈانٹا تب وہ پورا زور لگا کر ان کے بازوؤں سے نکل کر...
"میں خاموش نہیں رہوں گی، ہرگز نہیں۔ جا کر کہہ دیں سب سے، جس طرح آئے ہیں ا... جائیں ورنہ میں۔"
"آسیہ! آسیہ بیٹا! ہوش سے کام لو۔" شکیل بھائی ٹوک کر بولے۔
"ابھی تو ہوش میں آئی ہوں بھائی۔" وہ رو پڑی۔
"مما! مما کیا ہوا۔؟" مدحیہ بھاگ کر اس کے پاس آئی تھی کہ اسی پل فائرنگ کی آواز سے پوری فض...
"یہ کیا ہو رہا ہے ماموں جی۔؟" مدحیہ نے سہم کر شکیل کو دیکھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولے۔
"خوشی کا اظہار ہو رہا ہے۔"
"او گاڈ! میں دیکھوں۔" مدحیہ بھاگتی ہوئی لان میں اتر گئی۔

"ان کی خوشی کبھی پوری نہیں ہوگی بھابھی۔" آسیہ نے روتے ہوئے کہا تب ہی عارفہ بیگم آگئیں اور فاتحانہ مسکراتی ہوئی بولیں۔
"بہت مبارک ہو، کہاں ہے دلہن؟ باہر لے آئیں اسے۔"
بمشکل خود پر ضبط کرنے کے بعد بولی۔
"مجھے افسوس ہے، آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں، جا کر کہہ دیجیے اپنے خسر نامدار سے کہ وہ آسیہ کے سامنے ناک بھی رگڑیں گے تب بھی وہ اپنی بیٹی نہیں دے گی۔"
"...الدین کی بیٹی تو تمہاری ہو گئی ڈاکٹر صاحبہ! اب نہ دینے کا کیا سوال؟" عارفہ بیگم نے اس کے کندھے سے پیچھے ڈریسنگ روم کے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تو آسیہ نے جلدی سے کھینچ کر دروازہ بند کر دیا اور اس کے ساتھ یوں کھڑی ہو گئی جیسے کوئی اندر جانے کی جرات نہیں کر سکتا۔
"امی... وہ..." رابعہ بھاگی ہوئی آئی تھی۔ اور جانے کیا کہنا چاہتی تھی کہ آسیہ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی پھر انہوں نے عارفہ بیگم کو کچھ اشارہ کیا تو وہ واپس پلٹتی ہوئی بولیں۔
"میں مردوں سے بات کرتی ہوں دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔"
"ہونہہ!" آسیہ نے تنفر سے سر جھٹکا پھر ذرا سا دروازہ کھول کر سر اندر کر کے صباحت سے بولی۔
"صبا بیٹا دروازہ اندر سے بند کر لو اور جب تک میں نہ کہوں، نہیں کھولنا۔"
"کیوں مما!" صباحت کو کسی گڑبڑ کا احساس پریشان کر رہا تھا۔
"بس بیٹا! تم دروازہ بند کر لو۔" اس نے جلدی سے کہہ کر دروازہ اپنی طرف کھینچا پھر کسی سوچ میں کھڑے شکیل بھائی کا بازو تھام کر بولی۔
"چلیں بھائی! مہمانوں کو رخصت کریں۔"
شکیل بھائی نے چونک کر اسے دیکھا پھر گہری سانس کھینچ کر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ وہ بول پڑی۔
"کچھ نہیں کہیے گا بھائی۔ صبا میری دہلیز پر سسک سسک کر مر جائے مجھے یہ گوارا ہے لیکن شاہ پور کے کسی ...م کی گلی نہیں بننے دوں گی اسے۔"
شکیل بھائی نے ہونٹ بھینچ کر ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چل پڑے۔ اور دونوں لان ...جا رہے تھے کہ ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے فضا گونج گئی اس کے ساتھ ہی آگے پیچھے کئی گاڑیاں گیٹ پر آن ...رکیں اور ایک ساتھ سب کے دروازے کھلنے لگے۔
شکیل بھائی اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔
...اندر پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بارات کے ساتھ آئے مہمان اٹھ کر باہر جا رہے تھے۔ جس سے وہ ...لیمان سے ہو کر اباجی کی طرف بڑھی تھی کہ دو لمبے چوڑے جوان رائفلیں لیے ہوئے اس کے سامنے آگئے۔
"دلہن کہاں ہے۔؟"
"شٹ اپ۔" وہ زور سے چیخی تو اس کی آواز سن کر مدحیہ بھاگتی ہوئی آگئی۔ اور اس پر تانتی رائفلیں دیکھ کر سہم ...گئی۔
"ان سے بات نہیں کریں مما! یہ ڈاکو ہیں۔"
"تیمور بھائی یہی ہے دلہن۔" عقب سے رابعہ نے اونچی آواز میں کہا۔ تو ان میں سے ایک نے فوراً بڑھ کر ...کی کلائی تھام لی اور اس سے پہلے کہ آسیہ کچھ سمجھتی اس نے جھٹکے سے مدحیہ کو کھینچ کر اس کے منہ پر رومال ...دیا اور فوراً کندھے پر لاد کر گیٹ پار کر گیا۔
"مدحو!" آسیہ ایک دم حواس باختہ ہو کر چیخی۔ "اباجی! بھائی! روکیں انہیں۔"
"آسیہ! آسیہ ہوش کرو۔" عدیل بھائی نے بھاگ کر اسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑا تو وہ ان کے بازوؤں میں ...گئی تھی۔

اتنی افراتفری میں کوئی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ خلیل بھائی اپنے مہمانوں سے معذرت کرتے ہوئے رخصت کر رہے تھے۔

شکیل بھائی ابھی بھی مصلحت کا دامن تھامے ہوئے تھے اور اس دھوکا دہی پر بجائے علی جہانگیر پر ناراض ہونے کے بہت ضبط سے کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ اب صباحت آپ کی امانت ہے لیکن اس وقت رخصتی ممکن نہیں ہے' اس کے لیے آپ کو مناسب وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔" پھر وہ علی جہانگیر کے ساتھ اس کی گاڑی تک گئے تھے اور جب واپس آئے تو عدیل کے بازوؤں میں جھولتی آسیہ کو دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگے۔

"اسے کیا ہوا ہے؟"

"پتا نہیں بھائی! انہیں تو اس کی چیخ سن کر۔" اباجی کے آنے سے عدیل کی بات ادھوری رہ گئی۔

"چلو بیٹا! اب جو بھی طے کرنا ہے' گھر چل کر کرو۔" اباجی نے کہا۔

"جی اباجی! آپ اماں جی اور بچیوں کو لے کر چلیں۔ ہم بھی آ رہے ہیں۔"

شکیل بھائی کہتے ہوئے غیر محسوس طریقے سے آسیہ کے سامنے آ کھڑے ہوئے تاکہ اباجی کی اس پر نظر نہ پڑے۔

♥ ♡ ♡ ♥

دستک کی آواز پر اس نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا پھر قریب جا کر آہستہ آواز میں پوچھا۔

"کون؟"

"میں ہوں نبیل دروازہ کھولو بیٹا۔" نبیل کی آواز سن کر اس نے کچھ دیر سوچا پھر دروازے کا لاک کھول کر دوسری طرف سے پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ نبیل اندر داخل ہوئے اور اسے اکیلے دیکھ کر پوچھا۔

"اور کوئی نہیں ہے یہاں۔"

وہ ایکدم پلٹ کر ان کے بازو سے لگ گئی۔

"نبیل بھائی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' مما کہاں ہیں اور یہ اتنی گولیاں کیوں چل رہی تھیں کیا کوئی؟"

"کچھ نہیں ہوا چلو میرے ساتھ۔" نبیل نے ٹوک کر کہا۔

"کہاں؟"

"یہ سامان تمہارا ہے' یہ بھی لے لو۔" نبیل اس کا کہاں نظرانداز کر گئے۔

"لیکن مما نے تو کہا تھا۔ میں ان کے علاوہ کسی کی۔"

"اوفوہ! تم چلو تو۔" نبیل قصداً جھنجلائے پھر خود ہی پیکٹ اور بیوٹی بکس اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے بولے۔ "فی الحال کوئی سوال مت کرو کیونکہ میں جواب نہیں دوں گا بس اتنا سن لو کہ ہم گھر جا رہے ہیں۔"

اس کے ہونٹ ذرا سے نیم وا ہوئے لیکن کچھ بول نہیں سکی۔ اس لیے نہیں کہ نبیل نے منع کیا تھا بلکہ جواب نہیں تھی۔ پھر سر جھکا کر ان کے ساتھ چل پڑی۔

ڈریسنگ روم سے باہر اب ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر الجھنے لگی لیکن سر اونچا کر کے نہیں دیکھا اور اسی طرح گاڑی میں بیٹھ گئی جب نبیل اس کے برابر بیٹھے تب اس سے مزید صبر نہیں ہو سکا۔ طرف دیکھ کر عاجزی سے بولی۔

"سچ بتائیں نبیل بھائی! گھر میں سب ٹھیک ہیں ناں۔"

نبیل نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر اسے ایک بازو کے حلقے میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا یوں جیسے جھولتی ہوئی بچی کو سہارا دیا جائے اور وہ پھر بھی مطمئن نہیں ہوئی مزید عروسی جوڑے نے اسے پابند کر دیا تھا جو داخل ہو کر وہ کسی سے فوراً" کوئی سوال نہیں کر سکی اور سیدھی اوپر چلی آئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر بند کرنے لگی تھی کہ بھاگتے قدموں کی آواز سن کر رک کر انتظار کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد سونیا آ گئی۔

"میں نے سوچا تمہاری مدد کر دوں۔" سونیا نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر اپنے پیچھے دروازہ بند

ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"آپی! کیا ہوا ہے؟ اتنی خاموشی کیوں ہے؟ مما اور مدحو کہاں ہے؟"

"بس سب' چلو تم پہلے کپڑے تبدیل کر کے منہ ہاتھ دھولو۔" سونیا نے کہا اور بڑھ کر اس کے دوپٹے میں پن نکالنے لگی اس کے بعد زیور اتار کر الماری میں رکھنے کے ساتھ اس کے لیے ایک سوٹ بھی نکال لیا۔

تھما کر بولی۔

"یہ پہن لو اور ہاں بھوک لگی ہو تو بتاؤ میں کچھ کھانے کو لے آتی ہوں۔"

"بھوک نہیں ہے۔" وہ کہتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔

نکلی تو سونیا کو موجود نہ پا کر وہ روہانسی ہو گئی دل چاہا چیخ چیخ کر سب کو پکارے اور پوچھے کہ اسے اتنا بے خبر رکھا جا رہا ہے ایسی کیا بات ہو گئی ہے۔ جو اس سے چھپائی جا رہی ہے۔

"خدایا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" بہت بے دلی سے اس نے عروسی شرارہ بیڈ پر پھینکا اور خود بھی ڈھے گئی تو اسے علی جہانگیر کا خیال آیا۔

"علی جہانگیر تو ٹھیک ہیں ناں؟" وہ فوراً" اٹھی تھی کہ سونیا ٹرے میں چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ لے کر

"میں نے سوچا' تم جب تک چینج کرو گی میں چائے بنا لوں گی۔" سونیا نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی پھر بیٹھتے لگی۔ "میں جانتی ہوں تم بہت الجھ رہی ہو اور پریشان بھی ہو۔"

"آپی پلیز۔" وہ ٹوک کر بولی "جو بھی کہنا ہے سیدھے صاف لفظوں میں کہہ دیں میں سب سن لوں گی۔"

"اوکے لیکن خیر اصل بات یہ ہے کہ پھوپھو تمہاری شادی علی جہانگیر کے ساتھ نہیں کرنا چاہتیں۔" سونیا ایکدم بتانے کا فیصلہ کر کے یوں کہا جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔

"کیا مطلب ہے۔" اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" سونیا فوراً" بولی۔ "وہ جو علی جہانگیر ہے ناں وہ شاہ سکندر کا بھتیجا ہے اور یہ بات انہوں نے پہلے سے نہیں بتائی تھی ورنہ پھوپھو پہلے ہی انکار کر دیتیں' یعنی اپنی اصلیت چھپا کر وہ تمہیں بیاہ رہا ہے تھے دھوکے سے۔"

"دھوکے سے۔" اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی لگی تھی۔

"ہاں دھوکا نہیں ہے۔" سونیا چائے کا سپ لیتی ہوئی بولی۔

وہ گم صم سی ہو گئی۔

"اگر ابھی ان کی اصلیت نہ کھلتی تو تم تو پہنچ چکی تھیں شاہ پور۔" سونیا اس کی کیفیت سے بے خبر اپنی کہے جا رہی تھی "اللہ جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوتا۔ بہرحال اس وقت تمہیں بہت ہمت سے کام لینا ہے' پھوپھو کے سامنے انہیں یقین دلاؤ کہ تم انہیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔ سمجھیں تمہارے یہاں آ جانے سے ہو گئی کیونکہ نکاح ہو چکا ہے اور اس کے بل پر وہ تمہیں لے جانے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

"نہیں۔" وہ جانے کس خیال سے سہم کر رونے لگی۔

"ارے!" سونیا نے چائے کا کپ رکھ کر اس کے گرد دونوں بازوؤں کا حلقہ بنا لیا۔ "یہ کیا حماقت کر رہی ہو نیچے چلتے ہیں۔ پتا نہیں پھوپھو کو ہوش آیا کہ نہیں۔"

"کیا" ہاتھ نیچے گرا کر چیخی۔ "مما کو کیا ہوا ہے؟"

"پتا نہیں۔ عدیل چاچو ہم میں سے کسی کو کمرے میں جانے ہی نہیں دے رہے تم چلو شاید تمہیں جانے دیں۔" سونیا نے کہا تو اس نے فوراً" اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"مدحو کہاں ہے؟"

"اسے تو میں نے نہیں دیکھا شاید پھوپھو کے پاس ہو گی۔"

”چلیں۔“ اس کے ذہن سے ہر بات نکل گئی صرف آسیہ کا خیال تھا جو سونیا کے ٹوکنے کی پروا کیے بغیر
سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔

ابا جی کے کمرے کے باہر میمونہ بھابھی سیما بھابھی اور اماں جی بیٹھی تھیں جب کہ دروازے کے پاس عدیل اور نبیل کھڑے تھے اور وہ جو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آئی تھی بس ایک لحظہ کو ٹھٹکی — پھر ایکدم آگے بڑھ کر بولی۔

”مجھے مت روکیے گا نبیل بھائی! میں مما کو دیکھوں گی۔“

”دیکھ لینا بیٹا! دیکھ لینا ذرا صبر کرو۔“ نبیل سے پہلے عدیل نے کہا تو وہ مچل کر بولی۔

”نہیں ماموں جی! میں صبر نہیں کر سکتی۔ مجھے اندر جانے دیں۔“

”جانے دو۔ شاید اسے دیکھ کر۔“ میمونہ بھابھی اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئیں تو عدیل کچھ دیر کو ان کی طرف متوجہ ہوئے پھر احتیاط سے دروازہ کھول کر آہستہ آواز میں اس سے بولے۔

”مما کو پریشان نہیں کرنا بیٹا۔“

”نہیں۔“ وہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی لیکن آسیہ کو دیکھتے ہی بے اختیار اسے پکارا۔

”مما!“

آسیہ بالکل سیدھی ساکت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کی آواز پر بھی اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی البتہ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

”مما!“ وہ آسیہ کے قریب جا بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس پر جھک کر دھیرے سے بولی۔

”میں آپ کے پاس ہوں مما۔“

آسیہ نے ذرا سی پلکیں جھپکیں تو آنکھوں کا پانی روانی سے کناروں سے بہنے لگا۔

”مما پلیز، رو میں نہیں، میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔“ اس کے لہجے میں عاجزی کے ساتھ بے پناہ دکھ تھا۔

آسیہ نے آنکھیں بند کر لیں اور بہت کوشش کے بعد اس کے ہونٹوں سے سسکی کی صورت نکلا تھا۔

”مدحو۔“

”تم تو بہت بہادر ہو بیٹا۔“ ابا جی سرہانے بیٹھ کر آسیہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے ”ہمت سے کام لو تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو گا صبا جاؤ بیٹا مدحو کو بلا لاؤ۔“

وہ اٹھنے لگی تھی کہ آسیہ نے ایکدم اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں سے لگا کر بولی۔

”مدحو نہیں ہے ابا جی! مدحو نہیں ہے۔ وہ لے گئے اسے۔“

”کون؟“ ابا جی سے زیادہ خلیل بھائی اور شکیل بھائی چونکے تھے۔

”مدحو کو لے گئے۔ نہیں مما! میں بلاتی ہوں اسے۔“ وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر مدحیہ کو دیکھنے گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

مدحیہ نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولی تھیں۔

بڑا خوابناک ماحول تھا۔ جہازی سائز مسہری چاروں طرف سے گلاب کی لڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور اس کا ذہن کیونکہ ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا اس لیے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ کتنی دیر تک پلکیں جھپک جھپک کر خود پر تنے گلابوں کے سائبان کو دیکھتی رہی پھر تھک کر ذرا دیر کو آنکھیں بند کی تھیں کہ اس کے ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔

شادی، افراتفری، فائرنگ اور پھر — اس کے سینے میں دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ سانسیں بھی تیز تھیں۔ جیسے میلوں بھاگتی آئی ہو۔

خدا۔“ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور اگلے پل چاروں اور جھولتی لڑیوں کو بے دردی سے کھینچنے لگی۔ لڑیاں اس کے وجود سے لپٹ گئی تھیں۔ کچھ بازوؤں میں الجھ گئیں جس سے اس کی جھنجلاہٹ میں ... دیا۔

... آگ لگا دوں گی میں سب کو۔“ وہ بری طرح تلملا کر بڑبڑائی تھی کہ دروازہ کھلنے کے ساتھ علی ... داخل ہو کر بولا۔

... بیگم۔“

... وجود کو لڑیوں سے آزاد کرانے کی سعی بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

... تو کوئی اکھاڑے کا ...“ علی جہانگیر نے سارے میں بکھرے پھولوں کو دیکھتے ہوئے قدرے محظوظ ... قدر کہا تھا کہ وہ تیز ہو کر بولی۔

... آپ؟“

”وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا ہنسا جیسے مجھے نہیں جانتیں۔ وہ لڑیوں سمیت مسہری سے اتر کر اس ... کر بولی۔

... آپ ہی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔“

... بھا میں مانتا ہوں کہ یہ سب ...“

... آپ علی جہانگیر ہیں۔“ وہ ایک دم سمجھ کر خاصے تمسخرانہ انداز میں اس کے گرد چکر کاٹ کر پھر اس کے ... بولی ”چہ چہ مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔“

... طلب ہے تمہارا۔“ وہ کچھ ٹھٹھک کر دیکھنے لگا۔

... یہ کہ میں صباحت نہیں ہوں اور نہ ہی اس کی طرح معصوم، مسکین اور بزدل ہوں، سمجھے آپ۔“

... چبا کر کہا تو علی جہانگیر پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈال کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے اس کی بات سمجھنے کی ... رہا ہو۔

... یوں ہی چھوڑ کر ٹہلنے کے انداز میں دروازے تک آئی اور اسے پورا کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ طویل ... اور اس سے آگے غالباً ٹیرس اور بس یہیں تک روشنی تھی، اس کے بعد گھپ اندھیرا تھا۔

... یہ کون سی جگہ ہے۔“ اس نے پلٹ کر پوچھا۔

... ایکدم پلٹا اور اسے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے دیکھ کر خاصا متعجب سا ہو کر اس کی طرف بڑھتے ...

... حرکت ہے، سب لوگ کیا کہیں گے۔“

... لوگوں کے کہنے کی کبھی پروا نہیں رہی۔“ وہ بے نیازی سے کہہ کر راہداری میں نکلی تھی کہ علی جہانگیر ... میں اس تک پہنچ کر اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

... آؤ۔“

... ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔ میں نے کہا نہیں، میں صبا نہیں ہوں۔“ وہ جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑا کر ...

... کی اپنی قسمت کو رو رہی ہو گی۔ اس بزدل کو رونے کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے، ہونہہ۔“

... نے پہلی بار ٹھٹھک کر اسے سرتاپا دیکھا۔ وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، وہی سراپا، کوئی فرق نہیں تھا پھر ... یقین کر گیا۔

... صبا نہیں ہو۔“ پھر انگوٹھے سے دائیں جانب اشارا کر کے بولا۔ ”ادھر چلی جاؤ۔ بابا جان ابھی لاؤنج ... تمہیں جو بھی کہنا ہے ان سے کہو۔“

... بابا جان، آپ کے فادر۔“ وہ اس کے اشارے کی سمت دیکھ کر پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”گرینڈ فادر‘ شاہ حیات محمد۔“ وہ اس کا ردعمل دیکھنے کی خاطر اس پر نظریں جما کر بولا۔
وہ ایکدم اچھل پڑی۔
”شاہ حیات محمد۔ یہ...... یہ شاہ پور ہے‘ یعنی میں۔“
”جی‘ آپ شاہ پور میں ہیں۔“ وہ کہہ کر واپس کمرے کے اندر چلا گیا۔
تو وہ کچھ دیر اس کے پیچھے دیکھتی رہی پھر جیسے خواب کے عالم میں دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ریلنگ کے پاس نیچے دیکھنے لگی۔ وسیع و عریض لاؤنج تیز روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ درمیان میں ایرانی قالین کے چاروں اطراف صوفوں پر جانے کون کون براجمان تھا۔ کسی شناسا چہرے کی تلاش میں اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی شاہ سکندر پر ٹھہریں تو اس کے دل میں ایک لہر سی اٹھی تھی اور دوسرے پل وہ سیڑھیاں اتر کر ان سب کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔
”ہیں“ باباجان نے تعجب سے اسے یوں دیکھا جیسے یہ کہاں سے آ گئی۔
”میں نے سوچا‘ آپ لوگ اپنی جیت کی خوشی منا رہے ہوں گے۔ میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔“ کہہ کر زور سے ہنسی اور پھر ایک ایک کو دیکھ کر ہنستی چلی گئی۔ اس کی ہنسی میں واضح تمسخر تھا۔
شاہ جہانگیر نے بوکھلا کر شاہ سکندر کو دیکھا لیکن وہ اپنی جگہ پریشان ہو کر باباجان کو دیکھ رہے تھے۔ جن کا چہرہ اور توہین کے احساس سے سرخ ہو گیا تھا پھر وہ ایکدم اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر دھاڑے۔
”خاموش۔“
مدحیہ کی ہنسی وہیں تھم گئی‘ لیکن وہ خائف نہیں ہوئی بلکہ براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔
”تو آپ ہیں شاہ حیات محمد‘ میرے باپ کے باپ۔“
”صبا“ شاہ سکندر نے سرزنش کے انداز میں ٹوکا تھا کہ وہ چیخ کر بولی۔
”صبا نہیں ہوں میں لیکن آپ کیا جانیں گے کبھی دیکھا ہو تب تو......“
”آرام سے بیٹا‘ آرام سے۔“ شاہ جہانگیر نے صورت حال سنبھالنے کی سعی کی۔
”آرام سے۔“ وہ طنز آمیز تلخی سے گویا ہوئی۔ ”باپ‘ دادا‘ بیٹی کو اغوا کر کے لے آئے ہیں اور یہ بھی جانتے کہ وہ کون ہے۔ مدحیہ ہوں میں‘ مدحیہ سکندر۔“
”مدحیہ۔“ شاہ سکندر کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔
”آسی‘ ہماری بیٹی ہوئی تو ہم اس کا نام مدحیہ رکھیں گے۔“
”ہوں‘ اچھا نام ہے۔“ اس نے سوچتے ہوئے انداز میں کہہ کر پھر شوخی سے پوچھا تھا۔ ”ویسے کوا مدحیہ ؟۔“
”کیا مطلب‘ تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔“
”میرے خدا۔“ انہوں نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کو ذرا سا جھٹکا دے کر مدحیہ کو دیکھا تھا۔ وہ اسی زہرخند سے بول رہی تھی۔
”آپ نے مما کو دھوکا دے دیا لیکن اس سے بڑا دھوکا آپ نے خود کھایا ہے۔ صباحت میری بہن ہے‘ بہن۔ بنانے والے نے صرف ہماری شکلیں ایک جیسی بنائی ہیں‘ مقدر ایک جیسے نہیں لکھے۔“ آخر میں کس خیال سے اس کے لہجے میں آزردگی سمٹ آئی تھی۔
”جھوٹ بولتی ہو تم۔“ باباجان اس کا یقین کرنے کو تیار نظر نہیں آ رہے تھے۔
”نہیں باباجان۔“ شاہ سکندر نے آگے بڑھ کر مدحیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”میری بیٹی جھوٹ رہی۔“
مدحیہ نے چونک کر شاہ سکندر کو دیکھا اور اپنے کندھے پر ان کے ہاتھ کے لمس کو یوں محسوس کیا جیسے اسی احساس کو ترس رہی ہو۔

”نہیں کیا پتا‘ تم تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ آسیہ کے پاس تمہاری بیٹی ہے یا بیٹا۔“ باباجان نے کہا تو وہ انہیں نے کی بجائے سہولت سے بولے۔
”اب تو جان گیا ہوں کہ ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں‘ صباحت اور مدحیہ۔ آپ یقین نہ کریں تب بھی یہ حقیقت مگر اٹل ہے۔“
”ہرگز نہیں۔ علی کہاں ہے‘ علی کو بلاؤ۔ وہ زیادہ جانتا ہے‘ اس کے گھر میں ہم نے پہلی بار اس بچی کو دیکھا تھا۔“ غالباً اپنی بے خبری اور ناکامی پر تلملا رہے تھے۔
علی جہانگیر ریلنگ پر دونوں ہاتھ جمائے بظاہر ان سب کو دیکھ رہا تھا‘ لیکن اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ جب انہوں نے اسے بلانے کو کہا تو وہ اپنے نام پر چونک کر متوجہ ہوا اور شاہ جہانگیر کے اشارے پر سیڑھیاں اتر کر نیچے باباجان نے فوراً پوچھا۔
”ہم بتاؤ علی‘ یہ صباحت ہے۔“
”نہیں۔“ اس نے اتنے یقین سے کہہ کر غیر یقینی کی فضا میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔
باباجان نے یوں ہونٹ بھینچے جیسے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا ہو پھر اسی طرح اپنے کمرے میں چلے گئے۔ تو شاہ سکندر مدحیہ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔
”آپ میرے ساتھ آؤ بیٹا۔“
”ایک منٹ‘ پہلے سب سے تعارف تو کرا دیں۔“ وہ کن اکھیوں سے خاموش بیٹھی خواتین کو دیکھتے ہوئے بولی۔
”ہاں۔“ شاہ سکندر نے رک کر سب سے پہلے بی بی جان کی طرف اشارا کیا۔
”یہ بی بی جان ہیں‘ آپ کی دادی۔“
”بس‘ باقی سب کے بارے میں‘ میں دادی سے پوچھ لوں گی اور صبح کیونکہ ابھی مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔“ اس کہتے ہوئے جھک کر بی بی جان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے۔
”اجازت ہے بی بی جان۔“
بی بی جان کے اندر فطری محبت انگڑائیاں لے رہی تھی۔ لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں اس کا اظہار بھی چاہیے یا نہیں۔
”شب بخیر۔“ وہ انہیں شش و پنج میں چھوڑ کر شاہ سکندر کے ساتھ چل پڑی۔

......*

سب کی نیندیں اڑا کر خود بڑی بے خبر سوئی تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے ایسی ہی تھی۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو خود تو محبت کرنا نہیں جانتے لیکن اپنے لیے سب کی محبت چاہتے ہیں اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ توجہ حاصل کرنے کے لیے دوسرے طریقے اختیار کر کے سب کو اپنی ذات میں الجھا دیتے ہیں۔ اس سے جانے ان کے کون سے جذبے کی تسکین ہوتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے اپنی نظروں میں اپنی اہمیت بڑھ جاتی ہو۔
اس رات وہ صرف اپنی ہی نہیں حویلی کے اور بھی کتنے لوگوں کی نیند سوئی تھی کہ اگلے دن دوپہر میں بھی شاہ سکندر کے اٹھانے پر اٹھی تھی۔
”بیٹا‘ اتنی دیر تک پیٹ خالی نہیں رہنا چاہیے۔ کچھ کھا لو پھر بے شک سو جانا۔“ شاہ سکندر نے اس کے آنکھ کھولتے ہی کہا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر نظروں کا زاویہ بدلا تو سامنے وال کلاک پر نظر پڑی۔ جو ایک بجا رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔
”اف دوپہر ہو گئی۔ کیا سب لوگ اسی وقت اٹھتے ہیں۔“
”نہیں‘ یہاں صبح جلدی ہوتی ہے۔ آپ ناشتا کرو گی یا کھانا۔“
”پہلے تو منہ ہاتھ دھوؤں گی‘ اس کے بعد دیکھیں کیا موڈ بنتا ہے۔“ وہ اپنا شرارہ سنبھالتی ہوئی بیڈ سے اتر کر کھڑی ہوئی تو اسے کپڑے بھاری بھاری لگنے لگے۔ جس پر الجھتے ہوئے بولی۔

"اب میں پہنوں گی کیا۔ ان میں تو الجھن ہو رہی ہے۔"

شاہ سکندر فوراً جواب نہیں دے سکے۔ غالباً فوری انہیں سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اس نے کمرے میں ادھر ادھر نظر ڈالی پھر واش روم کا رخ کیا۔ رات وہ صبا کے ساتھ بیوٹی پارلر سے تیار ہوئی تھی۔ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے جانے کیا کچھ یاد آیا۔ پھر ان ہی سوچوں کی گرفت میں رہ کر اس نے میک اپ صاف کیا پھر منہ دھویا' اس کے بعد بالوں میں برش کر کے نکلی تو بیڈ پر تین چار سوٹ رکھے تھے۔ یا تو ہینگ کیے ہوئے۔ جنہیں دیکھ کر بھی اس نے قصداً نظر انداز کر دیا اور اپنا دوپٹہ اٹھا کر شانے پر ڈال رہی تھی کہ الماس مزید دو سوٹ لے کر آ گئی۔

"پاپا دیکھیں یہ کیسے۔" الماس دروازے سے داخل ہونے کے ساتھ بولنے لگی تھی لیکن اسے دیکھتے ہی خاموش ہو گئی۔

اس نے اپنی مصروفیت ترک کر کے بے اختیار سر اونچا کیا اور الماس کے دونوں ہاتھوں میں ہینگر دیکھ کر نخوت سے بولی۔

"میں اترن نہیں پہنتی۔"

"تمہاری مرضی۔" الماس نے جواباً ناگواری کے اظہار کے ساتھ دونوں ہینگر بیڈ پر اچھال دیے اور واپس جانے لگی کہ شاہ سکندر اسے پکار کر بولے۔

"الماس' یہ تمہاری بڑی بہن ہے' مدحیہ۔"

الماس کچھ نہیں بولی لیکن انداز ایسا تھا جیسے میں کیا کروں۔

"اور مدحیہ بیٹا!

یہ میری چھوٹی بہن ہے۔"

وہ فوراً کہہ کر ذرا سا ہنسی پھر شاہ سکندر کو دیکھ کر بولی۔ "مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ہاں چلو' بی بی جان کھانے پر انتظار کر رہی ہیں۔" شاہ سکندر کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے تو وہ ان کے پیچھے چلتی ہوئی الماس کے قریب رک کر بولی۔

"تم بھی چلو۔" اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے آگے بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں باباجان کے علاوہ سب موجود تھے۔ اس نے داخل ہوتے ہی سب پر اچٹتی نظر ڈالی تھی پھر یوں ہی یوں کھانے میں مصروف ہو گئی جیسے ہمیشہ سے یہیں رہتی آ رہی ہو۔ یعنی کوئی تکلف نہیں' نہ غیریت۔ حالانکہ سب کے درمیان وہ خود کو اجنبی محسوس کر رہی تھی حتیٰ کہ قریب بیٹھے شاہ سکندر بھی اپنے نہیں لگ رہے تھے پھر بھی اس نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا' نہ ہی خود کو مہمان پوز کیا تھا اور سب سے پہلے کھانا ختم کر کے فارغ ہو گئی اور کھانا سرو کرتی ملازمہ کو دیکھ کر بولی۔

"مجھے فوراً چائے چاہیے۔"

"فوراً۔" جانے کس نے کہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دبی دبی ہنسی۔ جسے وہ نظر انداز کرتی ہوئی ڈائننگ ہال سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھی اور گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی طویل کوریڈور سے آگے غالباً ڈرائیو وے تھا اس سے آگے لان جس کی آخری حد نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تو یہ ہے میرے باپ' دادا کا گھر۔" وہ اپنے آپ سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹہلنے کے انداز میں چلتی ہوئی راہداری نظر آئی اس میں داخل ہو گئی۔ دائیں ہاتھ پر بند دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ وسیع ڈرائنگ روم جس کی سجاوٹ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ فوراً دروازہ بند کر کے آگے چل پڑی۔ آخر میں بائیں جانب جو دروازہ' وہ بھی بند تھا۔ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو سامنے مسہری پر باباجان نیم دراز تھے۔ جو دروازے کی آواز پر ہی متوجہ ہو گئے تھے اور اسے دیکھ کر ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ جس سے وہ چند ثانیے کو ٹھٹکی پھر آرام سے اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

کھانے پر نہیں آئے۔؟"

ہیں اتنی تمیز نہیں ہے کہ بڑوں کو پہلے سلام کیا جاتا ہے اور اندر آنے سے پہلے بھی اجازت لی جاتی ہے۔ یہ ہے یہاں ہم جسے بلاتے ہیں وہی آتا ہے۔ خود سے آنے کی جرات کوئی نہیں کرتا۔ یہ ہم تمہیں پہلی اور سمجھا رہے ہیں۔ آئندہ خیال رکھنا۔" باباجان نے اس کی بدتہذیبی کو ٹوک کر جتایا۔

"میں نے سلام نہیں کیا' یہ میری غلطی ہے۔ اس کے بعد میں کچھ نہیں جانتی یعنی اس حویلی کے ادب اصول۔ نہ ہی وہ مجھ پر لاگو ہوتے ہیں۔ کیونکہ میں یہاں رہی نہیں اور نہ ہی رہنے کا ارادہ ہے۔" وہ کہتی ہوئی بڑے آرام دہ انداز میں صوفے میں دھنس گئی۔

تمیز ہی نہیں گستاخ بھی ہو۔ تمہاری ماں نے۔"

ماں کا نام نہیں لیجیے گا۔" وہ فوراً بول پڑی۔ "ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔"

دین۔" باباجان کا ضبط جواب دینے لگا تو فضل دین کو پکار کر بولے۔ "سکندر کو بھیجو ہمارے پاس۔"

سکندر کیا کر لیں گے۔" اس نے سوچا اور ٹیبل سے اخبار اٹھا کر گھٹنوں پر پھیلاتی ہوئی انہیں سنا کر بولی۔

ہیں شاید میرے اغوا کی خبر چھپی ہو۔ کہ شادی ہال سے دلہن کا اغوا۔"

ان انتہائی قہر آلود نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

ہوں بعد شاہ سکندر کمرے میں داخل ہوتے ہی بولے۔

سلام علیکم باباجان۔"

نے اس پر سے نظریں ہٹا کر شاہ سکندر کو دیکھا اور سلام کا جواب دیے بغیر اس کی طرف اشارہ کر کے

ے

بیٹی کو سب سے پہلے یہاں کے آداب سکھاؤ۔"

آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی باباجان۔" شاہ سکندر اس کی نشست کا انداز دیکھ کر ہی سمجھے کہ باباجان کو اس کا بیٹھنا ناگوار گزر رہا ہے۔ اس لیے بڑے آرام سے بولے تھے۔

آہستہ آہستہ' یعنی تب تک ہم اس کی بدتمیزیاں اور گستاخیاں برداشت کرتے رہیں' ہرگز نہیں۔ لے جاؤ اسے اور سمجھا دو کہ اس وقت تک ہمارے سامنے نہ آئے جب تک ہمارے سامنے مؤدب کھڑے ہونا نہ سیکھ لے۔" باباجان نے اتنے غصے سے کہا کہ شاہ سکندر خائف سے ہو گئے لیکن وہ ہنوز اسی لاپروا سے انداز میں ہنس کر اٹھتے ہوئے بولی۔

یعنی ہاتھ باندھ کر۔ سوری یہ تو میں قیامت تک نہیں سیکھ سکتی' البتہ صبا۔"

میرے ساتھ آؤ بیٹا۔" شاہ سکندر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑے۔

خدارا حضور۔" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

اور سنو فون کر کے اپنی ماں سے پوچھو کہ ہم دلہن رخصت کرانے کب آئیں۔" باباجان نے خاصے لہٰذا انہیں اجازت دینے کے ساتھ کہا۔

" وہ بے ساختہ ہنسی اور فوراً ہونٹوں پر ہاتھ بھی رکھ لیا لیکن شاہ سکندر اسے کھینچتے ہوئے باہر لے

بدتمیزی ہے۔"

مجھے ان کی معصومیت پر ہنسی آ گئی۔" وہ بمشکل اپنی ہنسی روک کر کہنے لگی۔ "یعنی وہ ابھی بھی یہ سمجھ رہے ہیں مما دلہن رخصت کر دیں گی۔ وہ نہیں جانتے لیکن آپ تو جانتے ہوں گے مما کو اور صبا کو میں جانتی ہوں مرضی کے بغیر تو وہ ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔"

" شاہ سکندر غیر ارادی طور پر پوری جان سے متوجہ ہو گئے تھے۔

اپنی مرضی کی مالک ہوں۔" وہ گردن اکڑا کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔ اب آپ بی بی جان کے پاس جاؤ' میں کسی کو بھیج کر آپ کے لیے کپڑے وغیرہ منگوا تا ہو
ویسے جو الماس لے کر آئی تھی وہ بھی نئے تھے۔" انہوں نے چلتے ہوئے کہا۔
"تھے تو اس کے بعد میں جتاتی کہ میں نے اس کی چیز لے لی۔"
شاہ سکندر کچھ نہیں بولے اور اسے لاؤنج میں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔
وہ یوں ہی ان کے پیچھے دیکھنے لگی تھی کہ گلاس وال سے نظر کوریڈور میں کھڑے علی جہانگیر پر پڑی اور پھر
دھیانی میں اسے ہی دیکھے گئی۔ سفید کاٹن کے کلف لگے شلوار سوٹ میں اس کا دراز قد اور نمایاں ہو گیا تھا
جانے اس کی رنگت تھی ہی ایسی یا سنہری دھوپ کا عکس تھا جو اس کے چہرے کو جاذب نظر بنا رہا تھا۔
"صبا' تم ہمیشہ سے۔" وہ جانے کیا سوچنے جا رہی تھی کہ اسی پل علی جہانگیر نہ صرف متوجہ ہوا بلکہ اس کے
آگیا تھا۔
"ہیلو" خاصا دوستانہ انداز تھا۔
وہ نظریں چرا کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔
"آپ ناراض ہیں؟۔" علی جہانگیر نے پوچھا۔
"پتا نہیں' ابھی تک میں سمجھ نہیں سکی کہ مجھے کس بات کا اظہار کرنا چاہیے۔ ناراضی' خوشی' دکھ' افسو
"بس۔" وہ ٹوک کر بولا۔ "جب سمجھ جائیں تو بتا ضرور دیجیے گا۔"
"اچھی بات ہے۔" اس کے ہونٹوں سے اپنے آپ گہری سانس خارج ہوئی پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے
"اتنی خاموشی کیوں ہے۔ سب لوگ کہاں ہیں؟۔"
"اپنے اپنے کمروں میں۔" علی جہانگیر نے سرسری انداز میں بتایا اور اس کے خاموش رہنے پر قدرے
سے پوچھنے لگا۔
"سنیں' آپ اپنے گھر فون نہیں کریں گی۔"
"اپنے گھر میں تو کھڑی ہوں۔" وہ سمجھ کر بھی انجان بنی۔
"میرا مطلب ہے' اپنی مما کو۔"
"کیوں کروں' یہ بتانے کے لیے کہ میں یہاں خیریت سے ہوں۔ وہ میری فکر نہ کریں اور مزید صبا کو
کرنے کا سوچیں۔ سوری' مما نہ تو میری کسی بات کا یقین کریں گی اور نہ ہی عمل' اس لیے فی الحال میرا
رابطہ کرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔"
"میری بات کرا دیں صبا سے۔" وہ کسی طرح اپنے لہجے کی بے قراری چھپا نہیں سکا۔
"سوری اگین' میں جب تک مما سے یہ معلوم نہ کرلوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں تب تک میں کچھ نہیں کر
مما کو فون بھی جب میرا دل چاہے گا' کروں گی۔ او کے۔" وہ بغیر کسی مروت لحاظ کے صاف منع کر کے آگے
تھی۔

--*

آسیہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی اور ہر ایک کی بات کے جواب میں اس کی بس ایک ہی تکرار تھ
"مجھے مدحو لا دیں۔ وہ ظالم اسے مار ڈالیں گے۔"
"تم یہ کیوں بھولتی ہو بیٹا کہ وہاں اس کا باپ بھی موجود ہے اور وہ خواہ کتنا بھی ظالم کیوں نہ ہو بیٹی
زیادتی نہیں ہونے دے گا۔" شکیل بھائی اس کی تکرار سے عاجز آکر بولے تھے۔
"اور کیا تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔" خلیل بھائی تائید کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "مدحو کو تم جانتی نہیں
سے خائف ہونے والی نہیں ہے۔ زیادتی تو کیا تیز لہجہ برداشت نہیں کر سکتی۔"
"اسی بات سے تو ڈر لگ رہا ہے مجھے۔ جذبات میں جانے کیا کر بیٹھے۔ بس آپ کسی طرح اسے بلا ئیں
"تم کیا چاہتی ہو' ہم ان کے در پر جائیں' نہیں۔" عدیل کو اپنا ایک بار جانا یاد تھا اس لیے تلخی سے

ے کوئی نہیں جائے گا۔ تم انتظار کرو مدحو خود آئے گی یا فون کرے گی تو تم خود اس سے بات کر لینا۔"
ی گزر گئی' دن گزر گیا۔ اب تک اس کا فون آجانا چاہیے تھا اور نہ آنے کا مطلب۔" آسیہ کی تشویش

مطلب نہیں ہے۔" خلیل بھائی نے ٹوک دیا۔
بیٹا' تم حوصلے سے کام لو۔ ابھی تو تمہیں صباحت کا معاملہ نمٹانا ہے۔ یوں ہمت ہار دو گی تو یہ بچی ادھر کی
ادھر کی۔" اباجی نے دھیرج سے اسے صباحت کا احساس دلایا۔
ہاں ہے۔؟"
کمرے میں۔ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے۔ اصل زیادتی اس کے ساتھ ہوئی ہے اور وہی بے چاری
محسوس کر رہی ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سب ہوا جبکہ اس کا کوئی قصور نہیں۔ زیادہ وہ تمہارے لیے
ہے۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو تب تو اسے سمجھا سکو گی۔"
بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے۔ وہ اب تک صرف مدحیہ کے لیے پریشان تھی۔ صباحت کا خیال ہی نہیں آیا
تو اباجی اور شکیل بھائی نے احساس دلایا تو وہ اس کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔
بھائی نے سب کو چلنے کا اشارا کیا تو ایک ایک کر کے سب اٹھ گئے۔
کی فکر نہیں کرنا بیٹا' وہ اپنے باپ کے پاس ہے۔" اباجی نے جاتے جاتے کہا تو اس کا ذہن ایک بار پھر
اٹھا۔
کے باپ پر ہی تو بھروسہ کیا تھا میں نے۔" اس نے بیڈ کی بیک سے سر ٹکاتے ہوئے دکھ سے سوچا۔
کس قدر گرا ہوا شخص ہے شاہ سکندر حیات۔ بیٹی کے معاملے میں بھی فریب دے گیا۔ غلطی میری ہے'
کا یقین کیوں کیا۔ عدیل بھائی سے کہتی تو شاید اسی وقت علی جہانگیر کا اصل سامنے آجاتا۔ یہاں تک
پہنچتی اور اب تو مجھے ایک نہیں دونوں بیٹیوں کے لیے لڑنا ہے۔"
۔" نبیل نے دروازے تک آکر اسے پکارا تو وہ اپنی سوچوں سے نکل کر بولی۔
تے بیٹا۔ آؤ۔"
نے کھانا نہیں کھایا۔" نبیل نے اندر آتے ہوئے کہا۔
لگے گی تو کھا لوں گی۔ تم نے اور صبا نے کھایا۔" آسیہ نے حتی الامکان خود کو نارمل ظاہر کرنے کی سعی

نبیل اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئے تو قدرے توقف سے وہ بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔
ن تو نہیں آیا۔؟"
ا۔؟" نبیل نے بے اختیار کہا تھا۔
سے فون تو کرنا چاہیے تھا۔"
کو پتا تو ہے پھپھو! وہ کسی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیتی اور یہاں تو سمجھیں اس کی ایک آرزو پوری
کہتی تھی۔ شاہ سکندر کے پاس چلی جاؤں گی۔" نبیل جانے کس خیال میں کھو کر بول رہے تھے۔
کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔
آپ فکر نہیں کریں' وہ زیادہ دن وہاں نہیں رہے گی۔ آجائے گی جلدی۔ آپ بس صبا کا سوچیں لیکن
ہے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو جو فیصلہ کرنا ہو' کر لیجیے اس کے بعد ہر کام مجھ پر
جیسا آپ چاہیں گی وہی ہوگا۔" نبیل کے مضبوط لہجے پر وہ کتنی دیر انہیں دیکھتی رہی پھر مبہم سی
کے ساتھ بولی تھی۔
ے ہوتے ہوئے مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"
بات اور۔" نبیل اچانک کسی خیال کے تحت بولے تھے۔ "کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے صبا سے ضرور

پوچھ لیجیے گا۔"

"صبا سے۔" آسیہ نہ صرف چونکی بلکہ کچھ ٹھٹھک بھی گئی تھی۔

"جی پھپھو' کیونکہ وہ آپ کی کسی بات سے اختلاف کرتی ہے' نہ احتجاج۔ ابھی بھی آپ جو سوچیں گی وہ کرے گی۔ وہ کچھ نہیں بولے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ۔" نبیل ایکدم خاموش ہو گئے۔

"تمہارا مطلب ہے۔ وہ علی جہانگیر کے ساتھ۔"

"میرا ایسا کوئی مطلب نہیں ہے پھپھو۔" نبیل فوراً بول پڑے۔ "میں تو اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کہیں وہ خود کو غیر اہم نہ سمجھنے لگے کہ اس کی زندگی کے معاملے یوں طے ہوتے ہیں کہ اسے خبر ہی نہیں ہوتی۔ ویسے اس سے پوچھنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"ہوں۔" آسیہ پر سوچ انداز میں سر ہلانے لگی تھی۔

——*

گزشتہ رات بھی اس کی آنکھوں میں کٹی تھی اور اب بھی وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تھی' لیکن نیند آ کر نہیں دی۔ آخر اس نے بستر چھوڑ دیا اور لائٹ آن کر کے میگزین لے کر بیٹھ گئی۔ لیکن بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ جن باتوں کو وہ گزشتہ دو روز سے مسلسل ذہن سے جھٹک رہی ہے ان سے مزید پہلو تہی ممکن نہیں ہے۔

"میرے خدا' کیا ضروری تھا کہ جو کچھ مما کے ساتھ ہوا وہ میرے ساتھ بھی ہو۔" وہ بہت تھک کر پھر آ کر جگہ پر لیٹی تھی کہ اس کی نظروں کے سامنے فلم سی چل پڑی تھی۔

علی جہانگیر سے پہلی ملاقات سے لے کر آخری ملاقات تک۔ وہ اس کی ایک ایک بات' ایک ایک انداز ... رہی اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ باقاعدہ پلان کے تحت اس کی زندگی میں آیا اور شاہ سکندر کی طرح اس نے بھی محبت کا فریب دے کر اسے حاصل کرنا چاہا اور یہ ایسی تلخ حقیقت تھی یا اس کی سوچ بہرحال بے حد دکھ دینے والی تھی کہ اس سارے قصے میں اس کا بہت نقصان ہوا تھا کیونکہ اس نے اپنے دل کی بستی میں بڑی محبت اور چاہت سے اس کے نام کے بیج بوئے تھے اور بھرپور ایمانداری سے ان کی آبیاری کی تھی اور اب جب کہ بستی پھولوں سے سج گئی تھی تو وہ تاوان مانگ رہا تھا۔

"تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو۔"

"میں چاہتا تو نہیں ہوں لیکن اگر چاہوں کہ میری خاطر ساری دنیا کو چھوڑ دو' تو چھوڑ دو گی۔"

"نہیں۔" اس کی آنکھیں یکبارگی آنسوؤں سے لبریز ہو کر کناروں سے چھلک گئیں۔ "تم چاہو گے تو بھی نہیں کیونکہ تم جانتے ہی نہیں کہ محبت کیا ہے۔ تم نے صرف محبت کا ڈھونگ رچایا' فریب دیا مجھے اور چاہتے ہو تمہاری خاطر ساری دنیا کو چھوڑ دوں۔ میری دنیا ہے ہی کتنی۔ مما' نبیل بھائی اور مدحو' جنہیں اپنی طرف سے دکھ دینے کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا اور کیا ستم ظریفی ہے کہ میری ذات ہی دکھ اور پریشانی کا باعث بن گئی۔ اس کے ذمہ دار تم ہو علی جہانگیر تم۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' کبھی نہیں۔" اس نے سر کے نیچے سے تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

اور اس نے تو اس وقت جب علی جہانگیر اس کی زندگی میں آیا تھا' سوچ لیا تھا کہ اس کے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار صرف آسیہ کو ہے اور ابھی بھی اس نے یہی سوچ کر خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا اور اسے امید نہیں تھی کہ اس سلسلے میں آسیہ اس سے کوئی سوال جواب کرے گی پھر بھی وہ خود کو ایسی کسی صورت حال کے لیے تیار کرنے لگی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے کسی بھی انداز سے علی جہانگیر کے ساتھ اس کو دابستگی ظاہر ہو جسے محسوس کر کے آسیہ کو فیصلہ کرنے میں مشکل ہو۔

پھر صبح جب وہ سو کر اٹھی تو آسیہ موجود نہیں تھی۔ اس نے بوا سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ آج شکیل بھائی اور بھابھی واپس اسلام آباد جا رہے ہیں اور اسی لیے آسیہ اٹھتے ہی نیچے چلی گئی تھی۔ دل تو اس کا بھی چاہا کہ ممانی سے ملنے جائے لیکن سب کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی پریشان ہو گئی۔ گو کہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا نہ کوئی اسے قصوروار سمجھ رہا تھا لیکن جن نظروں سے سب دیکھتے تھے اس سے وہ اپنے آپ میں کٹنے لگتی تھی۔ اسی لیے وہ چاہنے کے باوجود نہیں گئی اور ہلکا سا ناشتا کر کے زبردستی خود کو جھاڑ پونچھ میں مصروف کر لیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بوا کی مدد کے ارادے سے کچن کی طرف جا رہی تھی کہ فون کی بیل پر بہت تیزی سے پلٹ کر اس نے ریسیور اٹھایا تھا کیونکہ اسے پہلے خیال مدحیہ کا آیا تھا اور اس نے بے اختیار اسے ہی پکارا۔

"ہیلو مدحو۔"

"میں ہوں صبا' علی۔" علی جہانگیر کی آواز سنتے ہی اس کے اندر ناگواری کے احساس کے ساتھ بے پناہ تنفر بھر گیا۔

"سوری' رانگ نمبر۔" اس نے فوراً ریسیور پٹخ دیا اور کتنی دیر وہیں کھڑی خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ تب تک اس کا ذہن جھنجھنے لگا تھا کہ اتنا بڑا دھوکا دینے کے بعد علی جہانگیر نے اسے فون کرنے کی جرات کیسے کی۔ کیا چاہتا ہے اب وہ اس پر۔

"صبا۔" آسیہ کی پکار پر وہ نہ صرف چونکی بلکہ فوراً ٹیلی فون کے پاس سے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ البتہ جواب نہیں دے سکی۔

"اٹھ گئیں بیٹا' ناشتا کر لیا۔" آسیہ نے لابی میں آ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا بات ہے' وہاں کیوں کھڑی ہو۔" آسیہ نے اس سے کہتے ہوئے ٹیلی فون کو دیکھا تو وہ بوکھلا گئی۔

"وہ مما' میں صفائی کر رہی تھی۔ نبیل بھائی کا کمرہ اتنا گندہ ہو رہا تھا۔"

"اچھا میرے پاس آؤ۔" آسیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"یا اللہ۔" اس نے ٹیلی فون کو خائف نظروں سے دیکھا پھر آسیہ کے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھنے لگی۔

"شکیل ماموں چلے گئے۔"

"ہاں' ابھی گئے ہیں۔ تم سو رہی تھیں اس لیے میں نے تمہیں بلایا نہیں۔ چلو پھر آئیں گے تو مل لینا۔" آسیہ نے سرسری انداز میں کہا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"ابھی تک مدحو کا فون نہیں آیا۔ بہت غیر ذمہ دار ہے۔"

"مدحو کو کیوں لے گئے مما۔" اس نے پوچھا تو آسیہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر تاسف بھری ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"تمہارے دھوکے میں۔ وہ یہی سمجھے کہ دلہن وہی ہے اور یقیناً شاہ پور پہنچنے تک وہ خود کو فاتح سمجھتے رہے ہوں گے' ہونہہ۔"

"مدحو' دلہن۔" اس کے اندر دور تک سناٹا پھیل گیا۔

"تم پریشان نہیں ہونا بیٹا' مدحو آ جائے گی۔" آسیہ اپنی سمجھ کے مطابق اسے تسلی دینے لگی۔ "میں اپنی غلطی سے تمہیں اور مدحو کو نہیں بھٹکنے دوں گی۔"

"آپ کی کیا غلطی ہے مما۔" اس نے گم سم سے انداز میں پوچھا۔

"میری ہی غلطی ہے بیٹا کہ میں نے عارفہ بیگم کے سارے جھوٹوں کا اعتبار کر لیا تھا اور ان کے کہنے کے مطابق تمہاری شادی پر آمادہ بھی ہو گئی۔ انہوں نے جلدی کی ہی اس لیے تھی کہ کہیں پول نہ کھل جائے۔ خیر ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ ان کی جیت کا نشہ تو ہرن ہو ہی گیا ہو گا مزید۔"

آسیہ اپنے خیال میں بولتی ہوئی ایکدم خاموش ہو گئی پھر قدرے توقف سے اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہنے لگی۔

"مجھے اب یہ احساس ہو رہا ہے کہ تمہاری شادی طے کرتے ہوئے میں نے تم سے پوچھا تک نہیں تھا۔ پتا نہیں تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہو گا۔ مجھے کم از کم تمہیں اتنا حق تو دینا چاہیے تھا کہ تم اپنی سوچوں کا اظہار

کر سکو' بالا ہی بالا فیصلہ کر لیا' جیسے مدحیہ کے وقت میں کیا تھا۔ شاید اسی کی سزا ملی ہے مجھے۔ احمر نے وہاں شادی کر لی اور تمہارے ساتھ یہ سب ہوا۔"

"نہیں مما' آپ ایسا نہیں سوچیں۔" اس نے آسیہ کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ "آپ کے فیصلے غلط نہیں تھے۔ بس میری اور مدحو کی قسمت۔"

"قسمت خراب نہیں ہوتی بیٹا۔" آسیہ کے لہجے میں بے پناہ آزردگی سمٹ آئی تھی اور جانے کس خیال سے آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ اس مقام پر شاید وہ ٹوٹ رہی تھی۔

"مما' آپ رو رہی ہیں۔" وہ تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔

"نہیں بیٹا' میں رو نہیں رہی۔" آسیہ نے بمشکل خود پر قابو پا کر اسے خود سے الگ کیا پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی۔

"بہت زیادتی ہوئی ہے تمہارے ساتھ۔ تم مدحو جیسی کیوں نہیں ہو۔ جیسے وہ ذرا ذرا سی بات پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہے۔ تم کیوں نہیں کرتیں۔ کیوں اتنا ضبط کرتی ہو۔"

وہ حیران اور پریشان بھی ہو گئی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں مما آپ۔ مجھے بہت الجھن ہو رہی ہے۔" وہ آہستگی سے آسیہ کے ہاتھ ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ہمیشہ سے آپ کو یہ شکایت رہی کہ مدحو میرے جیسی کیوں نہیں ہے اور اب۔"

"ہاں اب احساس ہو رہا ہے کہ وہی ٹھیک ہے۔ وہ نہ ملے تو چھیننا جانتی ہے اور چھن جائے تو بزدلوں کی طرح چھپ کر آنسو نہیں بہاتی۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا اور جانے لگی کہ آسیہ روک کر بولی۔

"سنو بیٹا' میں اصل بات کہنا تو بھول گئی۔"

"جی۔" وہ سوالیہ نشان بن گئی۔

"وہ کسی بھی طرح سہی علی جہانگیر کے ساتھ تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔ اب تم بتاؤ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ میرا مطلب ہے تم کیا چاہتی ہو' یہ رشتہ قائم رہے یا۔" آسیہ قصداً بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں کچھ نہیں چاہتی مما' جو آپ کا دل چاہے کریں۔" وہ جلدی سے کہہ کر اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

----*

وہ یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی غرض سے بی بی جان کے کمرے میں آئی تھی۔ لیکن آگے مہرالنساء کو بی بی جان کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر اسے جانے کیا سوجھی جو اس پر جتا کر پوچھنے لگی۔

"بی بی جان' میرے پاپا کہاں ہیں۔؟"

مہرالنساء بری طرح تلملا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی کہ وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"آپ کو پتا ہو گا آنٹی' پاپا کہاں ہیں۔"

مہرالنساء نے کوئی جواب نہیں دیا' اسی طرح تلملائی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

"انہیں کیا ہوا؟" اس نے بہت معصوم بن کر بی بی جان کو دیکھا پھر ان کے قریب بیٹھتی ہوئی ہنوز معصومیت سے بولی۔

"میرا خیال ہے آنٹی مہرالنسا کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا لیکن میں خود سے تو نہیں آئی۔ لائی گئی ہوں' وہ بھی کڈنیپ کر کے۔"

"کیا کر کے۔؟" بی بی جان سمجھی نہیں۔

"کڈنیپ' خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں آپ تو میرے آنے سے خوش ہیں نا۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے۔" بی بی جان نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔

"بہت خوش ہے نا۔" اس نے کھلکھلا کر بی بی جان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور انہیں دائیں … بائیں ہلاتی ہوئی بولی۔

"…بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوئی ہوں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ اماں جی سے بھی زیادہ۔ اماں جی کو جانتی … مما۔"

"…کہہ رہی ہو۔"

"…انہیں ہم سب اماں جی کہتے ہیں۔ جیسے آپ سب کی بی بی جان ہیں۔" وہ ان سے الگ ہوتی ہوئی …

"…تمہاری اماں جی سے زیادہ اچھی ہوں۔" بی بی جان خوش ہو کر بولیں۔

"لیکن بابا جان' ابا جی سے زیادہ اچھے نہیں ہیں۔" اس نے فوراً حساب برابر کر دیا پھر ایک دم خیال آنے پر … ہاتھ مار کر بولی۔

"…میں آپ سے پاپا کا پوچھنے آئی تھی۔ کہاں ہیں پاپا' میں نے صبح سے انہیں نہیں دیکھا۔"

"…اسلام آباد گیا ہے۔" بی بی جان نے اسی قدر کہا تھا کہ اسے یاد آ گیا۔

"ہاں۔ رات بتایا تھا انہوں نے کہ صبح چھ بجے ان کی فلائٹ ہے اور یہاں سے تو وہ دو تین بجے ہی نکل گئے …"

"…؟" علی جہانگیر نے آتے ہوئے اس کا آخری جملہ سن کر کہا۔

"…اسلام آباد گئے ہیں۔" علی جہانگیر نے کچھ بے دھیانی میں کہا تو وہ جتا کر بولی۔

"…مجھے معلوم ہے اور یہ بھی کہ وہ کب آئیں گے۔"

"…" وہ ذرا سا ہنس کر بی بی جان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"…اجازت دیجیے بی بی جان۔"

"…رہے ہو۔؟"

"…" وہ بی بی جان کے گھٹنے چھو کر سیدھا ہوا تو وہ پوچھنے لگی۔

"…جا رہے ہیں۔؟"

"…چلیں گی۔" اس نے بتا کر پوچھا تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔

"…ابھی نہیں۔"

"…؟"

"…مرضی۔"

"…فرق ہے آپ میں اور صبا میں۔" علی جہانگیر اس روز سے مسلسل ہر بات میں دونوں کا موازنہ کر رہا تھا … کہے بغیر رہ نہیں سکا۔

"…کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ آپ صبا سے۔" وہ اچانک کچھ یاد آنے پر ایک لحظہ کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔

"…ہاں اس روز بابا جان کہہ رہے تھے کہ انہوں نے صبا کو پہلی بار آپ کے گھر میں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب … دونوں۔ او مائی گاڈ کتنی کمینی ہے صبا' مجھے بتایا تک نہیں۔"

"…غلط سمجھ رہی ہیں۔" علی جہانگیر نے یوں ہی کہہ دیا۔

"…آپ نے اتنے یقین سے کیسے کہا کہ ہم دونوں میں بہت فرق ہے۔" وہ جانے بی بی جان کی موجودگی فراموش … قصداً" نظر انداز کر رہی تھی جبکہ علی جہانگیر کو ان ہی کا خیال تھا جب ہی ٹالتے ہوئے بولا۔

"…گا کبھی۔" پھر فوراً بی بی جان کو خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

"…منٹ بی بی جان میں ابھی آتی ہوں۔" وہ اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی "علی' علی رکیں۔"

"کیا بات ہے۔" وہ جیسے بادل نخواستہ رکا تھا۔
"وہ آپ کراچی جا رہے ہیں ناں تو صبا سے بھی ملیں گے۔"
"نہیں۔" اس نے فوراً "نہیں" کہہ کر ہونٹ بھینچ لیے۔
"کیوں۔؟"
"اس کا جواب نہیں دے سکتا اور آپ میرے ذریعے سے اس سے کیا کہلوانا چاہتی ہیں۔ جو بھی کہنا ہے کہیں۔ ٹیلی فون موجود ہے۔" علی جہانگیر کو اب تک یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر وہ گھر فون کیوں نہیں کرتی۔
"فون تو میں کر لوں گی لیکن جو چیزیں میں اس سے منگوانا چاہتی ہوں۔ وہ فون کے ذریعے سے تو نہیں آ سکتیں۔ خیر چھوڑیں یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ خدا حافظ۔" وہ یکدم بے نیاز سی بن گئی۔
"خدا حافظ۔" وہ اندر ہی اندر جزبز ہوتا باہر نکل گیا۔
"ٹیلی فون موجود ہے۔" وہ اپنے آپ بڑبڑانے لگی۔ "آخر سب یہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں گھر فون کروں۔ شاید جاننا چاہتے ہیں کہ مما پر کیا بیت رہی ہوگی ہونہہ۔ کوئی فرق نہیں پڑا ہوگا مما کو۔ میں پہلے کون سا ان کے پاس رہتی تھی۔ البتہ صبا ضرور پریشان ہوگی اور وہ بھی اس خیال سے کہ کہیں میں نے اس کی سیج پر قبضہ تو نہیں کر لیا۔"
"کر بھی سکتی ہوں۔" اس نے اپنے آپ شاکی ہو کر سوچا تھا کہ رابعہ اس کے پاس آ کر بولی۔
"سنو، تمہیں بابا جان بلا رہے ہیں۔"
"کیوں۔؟"
"یہ تو تم ان ہی سے پوچھنا۔ ویسے بابا جان کے بلانے پر یہاں کیوں کا سوال کوئی نہیں اٹھاتا، بس فوراً چل دیا جاتا ہے۔ یہ میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ کہیں تم ان سے نہ پوچھ لو۔" رابعہ نے بڑے مخلصانہ انداز میں سمجھایا۔
وہ کندھے اچکا کر چل پڑی اور اس بار بابا جان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی انہیں سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام، آؤ بیٹھو۔" بابا جان نے اپنے برابر اشارا کیا۔
"شکریہ۔" وہ آرام سے بیٹھ گئی۔
"خوش ہو، یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔" بابا جان پتا نہیں اچھے موڈ میں تھے یا اس سے بات کرنے کے لیے انہیں یہ لبادہ اوڑھنا پڑ رہا تھا۔
"مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔" اس نے سیدھا سادا جواب دیا۔
"اور اپنی ماں کو فون کیا تم نے۔" بابا جان نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔
"نہیں۔"
"کیوں۔ وہ پریشان نہیں ہوگی تمہارے لیے۔"
"ہونا تو نہیں چاہیے کیونکہ میں اپنے باپ کے گھر میں ہوں۔ ویسے آپ کو ان کی پریشانی ہے۔"
بابا جان ایکدم کھانسنے لگے۔
وہ سمجھ کر نظرانداز کرتی ہوئی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ جب ان کی کھانسی رک گئی تب انہیں دیکھ کر بولی۔
"معاف کیجیے گا بابا جان، آپ بہت بزدل ہیں۔"
"ہاہاہا۔" بابا جان نے زوردار قہقہہ لگایا۔
"میں مذاق نہیں کر رہی، سچ کہہ رہی ہوں۔ مما سے بیٹی لینے کے لیے آپ نے طویل انتظار کیا اس کے باوجود براہ راست ان سے بات نہیں کر سکے۔ کیوں یہ خدشہ تھا نا کہ مما انکار کر دیں گی۔ تو وہ تو انہیں کرنا ہی تھا اس کے بعد اصل جنگ لڑنی تھی آپ کو۔" وہ انہیں بزدل ثابت کرنے کے لیے بڑی جرأت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
بابا جان کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا تھا۔

"اب تو آپ کبھی نہیں جیت سکتے کیونکہ آپ نے مما کے ساتھ فاؤل کھیلا ہے۔ ویسے مجھے یہ گیم بڑا دلچسپ لگا ہے اور میری دعا میں اپنے باپ، دادا کے ساتھ ہیں۔" آخر میں وہ بڑے محظوظ انداز میں مسکرائی تھی۔
"ہم نے ابھی اپنے باپ، دادا کو صرف دیکھا ہے، جانا نہیں۔ ہم ہارنا نہیں جانتے۔ آسیہ سے بیٹی چھین لانا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا لیکن ہم تمہارے باپ سے کیے وعدے سے مجبور تھے۔ جو نہیں چاہتا تھا کہ آسیہ سے بیٹی چھینی جائے اور ہمیں آسیہ کے سامنے دامن پھیلانا گوارا نہیں تھا۔" بابا جان بڑے ضبط سے چبا چبا کر بول رہے تھے۔
"پاپا کیوں نہیں چاہتے تھے۔" وہ اسی ایک بات میں اٹک گئی تھی۔
"احمق ہے وہ۔" بابا جان نے شاہ سکندر کی حماقت سوچ کر سر جھٹکا۔ اسے بتانا غالباً ضروری نہیں سمجھا۔
"مما بھی احمق ہیں، پاپا بھی احمق۔" اسے سیما بھابھی کا آسیہ کو احمق کہنا یاد آ گیا تھا۔ جب ہی زیر لب بڑبڑاتی ہوئی ہم چونک کر پوچھنے لگی۔
"آپ نے بتایا نہیں، پاپا نے کیا حماقت کی۔"
"کوئی ایک حماقت۔" بابا جان کو فوراً احساس ہو گیا۔ "نہیں تم بچی ہو۔ اپنے باپ کے بارے میں تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ چلو جاؤ۔"
"آپ نے مجھے بلایا کیوں تھا۔" وہ سمجھی شاید وہ اصل کام بھول گئے ہیں۔
"تمہارا حال احوال پوچھنے کے لیے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا اور ہاں آغا سے کہو تمہیں رقبے کی سیر کرا لائے اور اپنے باپ کا فارم بھی دیکھو جا کر۔"
"آغا لے جائے گا، ہونہہ۔" وہ آغا کا رویہ سوچ کر نخوت سے سر جھٹکتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

——*

بڑے بے کیف سے دن تھے۔ زندگی میں جیسے کچھ رہا ہی نہیں تھا، سوائے انتظار کے۔
مدیحہ کے فون کا انتظار۔
مدیحہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتی ہے۔
اور اس انتظار کے اختتام پر کیونکہ اسے کسی اچھی بات کی امید نہیں تھی، اس لیے اس کی طوالت غنیمت لگ رہی تھی۔ البتہ خدشات چین نہیں لینے دیتے تھے۔ مدیحہ کا خیال آتا تو وہ گھنٹوں اس کے بارے میں سوچتی رہتی کہ جانے شاہ پور والے اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ شاید اسے کسی کال کوٹھری میں بند کر دیا ہے جب ہی اس نے فون نہیں کیا۔ ورنہ وہ پہلی فرصت میں اسے فون کرتی اور ایک ایک کے بارے میں بتاتی، خصوصاً سکندر کے بارے میں اور یہ ضرور کہتی کہ وہ اپنے باپ کے پاس پہنچ گئی۔ وہ اس کا یہی جملہ سننے کو بڑی بے چین اور کتنی دیر اس کی سلامتی کی دعائیں مانگتی۔
انہیں میں کتنی بار اسے علی جہانگیر کا خیال بھی آتا تھا۔ لیکن یوں کہ اس کے وجود میں نفرت اور تنفر کی آگ سی سلگتی تھی اور ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ اس کے خیال کو فوراً جھٹک بھی نہیں پاتی تھی۔ اس کی طرح اس کا خیال بھی بڑا زور آور تھا۔ وہ لاکھ خود کو ادھر ادھر مصروف رکھنے کی کوشش کرتی لیکن اس کی گرفت سے نہیں نکل پاتی۔ آخر اپنی بے بسی پر رو پڑتی۔
"میں نے کبھی کسی کا برا چاہا نہ سوچا پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔" کبھی آسیہ بھی ایسا ہی سوچتی تھی۔ اب اس کی سوچیں اس بات پر اٹک جاتی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس وقت وہ ٹیرس پر بیٹھی خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہی تھی اور اپنے دکھ میں وہ تھی بھی تنہا۔ کیونکہ کسی کو بتایا تھا نہ ہم نوا۔ سب اس کے ساتھ ہونے والے صرف ایک المیے کو جانتے تھے۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ستارہ گزر پر وہ اس شخص کی سنگت میں کتنی دور نکل گئی تھی کہ واپسی کا سفر اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

اسے اپنے خوابوں کی کرچیاں سمیٹتے ہوئے آتا تھا۔

"صبا!" نبیل نے دوسری بار پکارا۔ تب اس نے چونک کر دیکھا لیکن ہمیشہ کی طرح اپنی جگہ سے کھڑی نہیں ہوئی۔

"اتنا مت سوچا کرو۔" نبیل اس کے قریب چیئر کھینچتے ہوئے بولے۔ "سوچنے سے مسئلے حل نہیں ہوتے اور تم نے تو سب کچھ پھوپھو پر چھوڑ دیا ہے پھر تمہیں کیا پریشانی ہے۔"

"مدحو! میں مدحو کے لیے پریشان ہوں۔" وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔

"صرف مدحو کے لیے۔" نبیل کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ اس کا دل پوری قوت سے پھیل کر سمٹا تھا۔

"سنو، میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں لیکن جانتا ضرور ہوں۔ اس بات سے تم انکار نہیں کر سکتیں کہ بہت ساری باتیں تمہارے کہے بنا جان لیتا ہوں۔"

اس نے بہت خائف ہو کر سر جھکا لیا کہ جانے وہ کیا کہنے جا رہے ہیں۔

"اور تمہاری زندگی کے نئے باب کو میں نے اس وقت جان لیا تھا جب تم نے اس کا عنوان تجویز کیا تھا۔ پر رازداری برت لی تم نے صبا! اب مت چھپاؤ۔ میں صرف تمہارا بھائی ہی نہیں، دوست بھی ہوں۔ کیا ہر مسئلہ ہم نے دوستوں کی طرح شیئر نہیں کیا۔" نبیل نے بہت دھیرج سے اس کے راز میں شریک ہونے کا دعوا کر ٹوکا تھا۔

اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپک کر گود میں رکھے اس کے ہاتھوں پر گرنے لگے تھے۔ جنہیں دیکھ نبیل ایکدم خاموش ہو گئے پھر قدرے توقف سے اپنے آپ کہنے لگے۔

"میں علی جہانگیر سے چند بار ہی ملا ہوں، اس لیے زیادہ اسے نہیں جانتا اور جتنا جانا، اس کے بارے میں اب یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا پھر بھی میں تمہیں بتاؤں کہ پہلی ملاقات میں وہ مجھے بہت سچا اور کھرا انسان تھا۔ اس کے بعد جب رشتے کی بات چلی تب میں نے محسوس کیا کہ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے جبکہ اس کے ہر انداز میں مجھے بناوٹ نظر آتی تھی۔ جسے میں نے یوں اہمیت نہیں دی کہ ایک تو علی جہانگیر ہر لحاظ سے مضبوط لگ رہا تھا، یعنی ہر مخالفت کو زیر کرنے والا۔ دوسرے تم، تمہاری محبت۔ مجھے یقین تھا کہ تمہاری سادہ محبت بہت جلد عارفہ بیگم کو تمہارا گرویدہ بنا دے گی اور علی جہانگیر تو پہلے ہی۔" وہ خاموش ہو کر جیسے اپنی ہی سوچنے لگے تھے۔

وہ ابھی بھی اس طرح سر جھکائے بیٹھی تھی لیکن پوری جان سے ان کی طرف متوجہ تھی۔

"پتا نہیں میں نے علی جہانگیر کو سمجھنے میں غلطی کی یا تم بتاؤ، تمہیں کیا لگتا ہے؟" انہوں نے سوچتے ہوئے میں کہہ کر اچانک اس سے پوچھا۔

وہ کچھ بول سکی نہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت ہوئی۔

"خاموش مت رہو صبا! مجھے بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو۔ اگر علی جہانگیر تمہارے ساتھ ایماندار رہا، تب بھی تم صرف اس لیے ٹھکرا دو گی کہ وہ شاہ جہانگیر کا بیٹا ہے۔ نہیں، ایسا مت کرنا۔ یہ اس کے ساتھ ہی نہیں تمہارے ساتھ بھی ظلم ہو گا کیونکہ تم کسی سے نفرت کر ہی نہیں سکتیں۔"

"کرتی ہوں، علی جہانگیر سے شدید نفرت کرتی ہوں۔" وہ ایکدم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

"بے وقوف!" نبیل کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ پھیل گئی اور بڑے سکون سے اس کے چپ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

کتنی دیر بعد وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی تو نبیل جیب سے رومال نکال کر اسے تھماتے ہوئے بولے۔

"خود کو دھوکا مت دو۔ تم صرف پھوپھو کا خیال کر رہی ہو۔"

"ہاں، مجھے مما کا خیال ہے۔ مما کے لیے میں جان بھی دے دوں گی۔ علی جہانگیر کی محبت اور ایمانداری سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ میں وہی کروں گی جو مما کہیں گی۔" وہ رومال سے آنکھیں اور چہرہ صاف کرتے ہوئے

...یا بولے جا رہی تھی۔

"تو پھر رو کیوں رہی ہو؟"

"مجھے اپنے آپ پر رونا آتا ہے۔ کیوں دھوکے میں آ گئی میں۔"

"اچھا جاؤ، پہلے منہ دھو کر آؤ اور بوا سے چائے کا بھی کہتی آنا۔" نبیل کو اس کے بے تحاشا بہتے آنسوؤں سے دکھ تھا۔ جب ہی اسے اٹھا دیا۔

❁ ❁ ❁

"اف، نبیل بھائی سب جانتے ہیں۔" اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے سوچا پھر دوبارہ ان کے پاس جانے کے خیال سے ہی پریشان ہو گئی۔

"کیا کروں؟" بوا سے چائے کا کہہ کر وہ شش و پنج میں کھڑی تھی کہ فون کی بیل پر نبیل وہیں سے پکار کر بولے۔

"صبا! دیکھو کس کا فون ہے۔"

اس نے آ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"کیسی ہو صبا اور مما کیسی ہیں؟" دوسری طرف مدحیہ تھی۔

"مدحو، مدحو! تم ٹھیک تو ہو۔" وہ ایکدم بے اختیار ہو گئی۔

"بالکل ٹھیک، فرسٹ کلاس اور بہت خوش۔" مدحیہ کھنکتی ہوئی آواز میں شروع ہو گئی تھی۔ "میں بتا نہیں سکتی صبا! کہ مجھے یہاں آ کر کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ یہ تو سچ مچ کوئی اور ہی دنیا ہے۔ کوئی غم، کوئی فکر نہیں اور وہ علی جہانگیر کتنا ہینڈسم، کتنا اسمارٹ اور اتنا ہی محبت کرنے والا۔ اس پوری حویلی میں سب میں نمایاں ہے۔"

مدحیہ کی آواز سن کر جتنی خوش ہوئی تھی، اب اتنی ہی گم صم اور دل تھا کہ اندر کسی اتھاہ میں ڈوبا جا رہا تھا۔ تب نبیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دبایا تھا۔

اس نے دھندلائی آنکھوں سے نبیل کو دیکھا تو وہ اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر اپنے کان سے لگا کر بولے۔

"ہیلو، کون؟"

"میں ہوں مدحو۔ وہ صبا کہاں گئی۔" ادھر سے مدحیہ نے ہنوز اسی انداز میں پوچھا۔

"کیسی ہو مدحو، کہاں ہو؟" نبیل اس کا سوال نظر انداز کر گئے۔

"شاہ پور، اپنے باپ کے پاس۔ آپ نے تو میری بات نہیں مانی تھی نبیل بھائی پھر بھی دیکھ لیں، میں پہنچ گئی۔" مدحیہ نے کھلکھلا کر کہا۔

"ہاں، تمہاری آرزو پوری ہو گئی۔ کسی بھی طرح سہی۔" نبیل نے بادل نخواستہ کہا تھا، جبکہ نظریں صباحت پر تھیں۔ جس کی آنکھیں روانی سے چھلک رہی تھیں۔

"آپ کو افسوس ہو رہا ہے؟" ادھر سے مدحیہ نے ٹوکا۔

"ہاں، تمہاری آرزو پوری ہونے پر نہیں بلکہ غلط طریقے سے پوری ہونے پر افسوس ہے۔" انہوں نے تاسف سے کہا۔

"صحیح طریقے کے لیے تو میں سر پٹخ کر رہ گئی لیکن کسی نے میری نہیں سنی۔ اس لیے مجھے کوئی افسوس نہیں۔ خیر چھوڑیں، یہ بتائیں مما کہاں ہیں۔؟"

"کیا مطلب، اتنے سے دنوں میں تم یہ بھی بھول گئیں کہ پھوپھو اس وقت کہاں ہوتی ہیں۔" نبیل کے جتانے پر بجائے شرمندہ ہونے کے حیرت سے بولی۔

”کلینک۔۔۔واقعی مما کلینک گئی ہیں؟“

”تم کب آ رہی ہو؟“ نبیل اس کی حیرت اور سوال نظر انداز کر گئے۔

”کبھی نہیں۔“ مدحیہ نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ تو نبیل ریسیور رکھ کر صباحت سے بولے۔

”تم اس کے لیے رو رہی ہو‘ جسے کسی بات کی پرواہی نہیں۔“

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر اور شدت سے رونے لگی۔

”میرے خدا! مجھے ہمیشہ یہ افسوس رہے گا کہ پھوپھو نے تم دونوں کی خاطر خود پر زندگی کے دروازے بند کر دیے۔ کاش وہ اپنے لیے سوچتیں۔“

نبیل کو جانے اس کے رونے پر غصہ آیا تھا یا مدحیہ پر۔ گو کہ بہت ضبط کے بعد بولے تھے پھر بھی ان کا لہجہ سخت تھا۔

”بند کرو رونا‘ ورنہ میں تمہیں بھی اسی وقت شاہ پور چھوڑ آؤں گا۔“

”نہیں۔“ وہ اسی طرح روتی ہوئی بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

*_*_*

علی جہانگیر نے اپنے لیے اس خسارے کو منتخب کیا تھا جس کی تلافی ممکن ہو سکتی تھی۔ یعنی اس نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد وہ صباحت کو یقین دلائے گا کہ ان سارے جھگڑوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی وہ کسی سازش میں شریک رہا ہے۔ بلکہ اس نے تو اس وقت صباحت کو پسند کر کے اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا جب وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور اسے یقین تھا کہ فوراً نہیں تو دھیرے دھیرے وہ اس کا اپنی محبت پر اعتبار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

لیکن یہاں تو سارا معاملہ ہی خراب ہو گیا تھا۔ یعنی حالات عجیب صورت اختیار کر گئے تھے اور بابا جان کی حکمت عملی تو اس کی سمجھ میں آ رہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس تمام عرصے میں مدحیہ کہاں تھی؟ اس کی ماں اور بہن کو بھی نظر نہیں آئی۔ البتہ صباحت کے منہ سے اس نے ایک آدھ بار بہن کا ذکر سنا تھا۔ وہ بھی اس نے خصوصی طور پر نہیں بتایا تھا۔ ایک بار تو اس کے فون کرنے پر ادھر سے مدحیہ نے تڑخ کر کہا تھا کہ میں صباحت نہیں ہوں اور دوسری بار بھی کوئی ایسا ہی معاملہ تھا جو اسے اب سوچنے پر یاد آ رہا تھا اور یہ بھی کہ خود اس نے مدحیہ کے ذکر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی‘ ورنہ اگر وہ دلچسپی ظاہر کر کے پوچھتا تو یقیناً“ صباحت اس کے بارے میں بتاتی۔

بہرحال اب تو اس نے خود ہی دیکھ لیا تھا بلکہ جان بھی گیا تھا کہ وہ صرف ظاہراً“ صباحت سے مشابہ ہے اور اس پر اسے افسوس ہی نہیں‘ دکھ بھی تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوئی تھی جب ہی وہ مایوس ہو کر واپس کراچی آگیا تھا اور چھٹی منسوخ کرا کے آفس بھی جوائن کر لیا تھا‘ ورنہ اگر مدحیہ اس فون پر ہی صباحت سے بات کرانے کی ہامی بھر لیتی تو اتنی جلدی وہ کبھی نہ آتا۔ گویا دونوں بہنوں نے ہی اسے مایوس کیا تھا اور مدحیہ کی تو اسے زیادہ پروا نہیں تھی۔ البتہ صباحت کی طرف سے بہت فکر مند تھا کہ وہ لڑکی جانے اس کے بارے میں کیا سوچتی ہو گی اور کتنا روتی ہو گی۔ اس کے آنسوؤں پر بند باندھنے کے لیے ہی وہ دن میں کتنی بار اس کے نمبر ڈائل کرتا تھا۔ خصوصاً“ ان اوقات میں جب اسے یقین ہوتا کہ وہ اکیلی ہو گی لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ ادھر وہ اس کی آواز سنتے ہی فون رکھ دیتی تھی۔ جس پر وقتی طور پر وہ جھنجلاتا‘ غصہ بھی آتا پھر اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے نئے سرے سے اس تک رسائی حاصل کرنے کی تدبیر سوچنے لگتا۔

اس وقت اچانک اسے نبیل کا خیال آیا تھا اور یہ سوچ کر کہ وہ کم از کم فون تو بند نہیں کریں گے۔ اس نے گھڑی دیکھ کر ان کی موجودگی کا یقین کر کے نمبر ڈائل کیے تھے۔

تیسری بیل پر ریسیور اٹھنے کے ساتھ کسی خاتون (بوا) کی آواز تھی۔ اس نے فوراً“ نبیل کو بلانے کا کہہ دیا

...کوئی سوال نہ ہو۔

...السلام علیکم۔“ نبیل کی آواز سنتے ہی وہ سنبھل کر بولا۔

...میں علی جہانگیر۔ کیا آپ مجھ سے بات کرنا پسند کریں گے؟“

...خیال ہے‘ اخلاقی طور پر ابھی میں اتنا دیوالیہ نہیں ہوا کہ نہیں کہہ کر سلسلہ منقطع کر دوں۔“ نبیل نے کہا ...دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے پوچھا۔

...ہیں آپ؟“

...ٹھیک۔ آپ سنائیں کیسے یاد کیا؟“

...کیجیے گا نبیل صاحب! ہم ان رسمی باتوں سے آگے نکل آئے ہیں۔“ اس نے جز بز ہو کر کہا تو ادھر ...بے ساختہ بولے تھے۔

...آگے۔“ ان کے لہجے میں طنز بھی تھا۔ جسے محسوس کر کے وہ نظر انداز کر گیا۔

...حال میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔“

...کوئی اعتراض نہیں۔“

...کل دن میں جو وقت آپ کو سوٹ کرے بلکہ میریٹ میں لنچ پر میں آپ کا انتظار کروں گا۔“

...خدا حافظ۔“ ادھر سے سلسلہ منقطع ہوتے ہی اس نے گہری سانس کھینچی پھر ریسیور رکھ کر کل کا ...سوچنے لگا تھا۔

...دن اس نے آفس سے ہی میریٹ میں ٹیبل ریزرو کروالی تھی اور مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی پہنچ بھی گیا ...کے بعد اسے کوفت میں مبتلا کرنے والا انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔ یعنی نبیل ٹھیک وقت پر آگئے تھے۔

...آپ نے میری دعوت قبول کی۔“ وہ بیٹھتے ہی بولا۔ پھر مینو پر نشان لگانے کے بعد پوری طرح نبیل کی ...متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

...اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا۔ اس لیے نہیں کہ میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں بلکہ میں بہت عجیب سا ...رہوں گا اپنے دادا کے اس اقدام کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے۔ جس سے میری پوزیشن اتنی آکورڈ ہو گئی ...میری منکوحہ میری آواز تک سننے کی روادار نہیں رہی۔“

...کا رد عمل غلط اور ناجائز تو نہیں ہے۔“ نبیل نے قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

...نہیں۔“ وہ فوراً“ بولا تھا۔ ”میں انہیں حق بجانب سمجھتا ہوں۔“

...تو آپ کو سکون سے اس کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے بلکہ اس کی مما کے فیصلے کا۔ کیونکہ وہ ہر بات کا ...مما کو سونپ کر خود الگ ہو گئی ہے۔“

...نے کہا تو وہ کچھ کہتے کہتے ایکدم ہونٹ بھینچ گیا۔ ساتھ ہی اس کی پیشانی پر لکیریں بھی نمودار ہو گئی تھیں‘ ...ہوئے انداز میں انہیں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

...آپ صباحت کو مجھ سے ملنے پر آمادہ کر سکتے ہیں؟“

...ل ہے۔“

...تو نہیں۔ صرف ایک بار۔“

...اس کی بے قراری اور آنکھوں سے چھلکتے جذبوں کی سچائیاں دیکھ کر آہستہ سے اثبات میں سر ہلا کر

...نہیں کر رہا۔ البتہ کوشش ضرور کروں گا۔“

...یو اینڈ پلیز۔“ اس نے شکریہ کے ساتھ انہیں کھانے کی طرف متوجہ کیا‘ پھر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ صباحت کی کوئی بہن بھی ہے بلکہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ جب مدیحہ نے بتایا تب بھی باباجان تو یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھے۔"

"اور آپ۔" نبیل ایکدم پوری جان سے متوجہ ہوگئے تھے۔ "آپ نے اس کی بات کا یقین کرلیا۔"

"فوراً"۔

"کیوں۔ میرا مطلب ہے بظاہر تو کوئی فرق نہیں ہے دونوں میں۔"

"میں صرف ظاہر نہیں دیکھتا۔" وہ بے اختیار کہہ کر فوراً اپنی پلیٹ پر جھک گیا تو مبہم سی مسکراہٹ کے سا نبیل نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں۔

۔۔*

وہ لاؤنج میں بیٹھی گود میں رکھی مونگ پھلی کھانے کے ساتھ گلاس وال سے الماس کو دیکھ رہی تھی۔ جو ادھر یوں ٹہل رہی تھی جیسے کسی کا انتظار ہو۔ اور خود اسے شاہ سکندر کا انتظار تھا جن کی آج اسلام آباد سے آمد تھ تھی۔ جب ہی الماس کے اس طرح ٹہلنے پر وہ یہی سمجھی کہ وہ اپنے انتظار کو اس پر جتا کر باپ کے ساتھ اس زیادہ اپنی وابستگی ظاہر کرنا چاہتی ہے۔

اور وہ مدیحہ تھی۔ ایسے فطری مظاہروں کو بھی برداشت نہیں کرتی تھی۔ نانا ابا کے گھر میں اس کی کسی کے بنتی ہی اس لیے نہیں تھی کہ صباحت کو اس کے مقابلے میں زیادہ توجہ اور محبت حاصل تھی اور اس کی وجہ صبا کا ہر ایک پر جان چھڑکنا تھا لیکن اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا۔ بس اپنے آپ متنفر اور شاکی ہوجاتی تھی۔ اب یہی حال تھا۔ الماس کے خلاف دل میں خوا مخواہ ابال اٹھنے لگے تھے اور بالکل غیر ارادی طور پر وہ مونگ پھلی دانے منہ میں ڈالتی اور چھلکے الماس کی طرف اچھال رہی تھی۔ جیسے اس کا نشانہ لے رہی ہو۔ حالانکہ درمیان گلاس وال تھی اور اس سے بھی کافی فاصلے پر الماس ٹہل رہی تھی۔

بڑے گیٹ سے جیپ اندر داخل ہوئی تو کچھ دیر کو اس کا دھیان الماس کی طرف سے ہٹ گیا لیکن جب الماس کے قریب رکی اور اس میں سے اتر کر شاہ تیمور نے جس انداز سے مسکرا کر اسے سلام کیا اس سے وہ جگہ اچھل پڑی۔

"او گاڈ! تو یہ معاملہ ہے؟"

شاہ تیمور اسی طرف آرہا تھا۔ وہ فوراً انجان بن کر اپنی مونگ پھلی میں مصروف ہوگئی لیکن جیسے ہی شاہ اس کے قریب سے گزرنے لگا اس نے پکار لیا۔

"ایکسکیوزمی کزن۔"

"جی مجھ سے کچھ کہا۔" شاہ تیمور نے رک کر اسے دیکھا۔

"ہاں، وہ میں یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ وہی ہیں نا جو مجھے میرج ہال سے اٹھا کر لائے تھے۔" اس نے بظا سادگی سے پوچھا۔

شاہ تیمور نے ہنس کر ایک طرح سے اعتراف کیا تو وہ ہتھیلی پر مونگ پھلی رکھ کر اس کی طرف بڑھاتے بولی۔

"لیجیے، مونگ پھلی کھائیے۔"

"شکریہ۔" شاہ تیمور اس کی ہتھیلی سے چند دانے اٹھا کر آگے بڑھ گیا تو اس کے غائب ہونے تک وہ اس پیچھے دیکھتی رہی پھر کسی خیال سے کندھے اچکا کر گردن سیدھی کی تو الماس کو سر پر کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے۔؟"

"مہراں۔" الماس نے اسے جواب دینے کے بجائے ملازمہ کو پکارا اور اس کے آنے پر ادھر ادھر بکھرے

ے چھلکوں کی طرف اشارا کرکے بولی۔ "صاف کردو یہ سب۔ پتا نہیں کہاں سے آجاتے ہیں جاہل، جنگلی۔"

نہیں جاتے 'لائے جاتے ہیں۔" وہ خلاف عادت ایکدم آپے سے باہر ہونے کے بجائے آرام سے کہتی ہ کھڑی ہوئی۔ جس سے اس کی گود میں رکھی مونگ پھلی کارپٹ پر پھیل گئی تھی اور وہ اس کی طرف اشارا الماس سے بولی۔

تم کھالو، تھوڑی آغا کو بھی دے دینا۔"

ونہہ۔" الماس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

ونہہ!" وہ اس کی نقل اتار کر ہنستی ہوئی اوپر آگئی۔

ں کا کمرہ شاہ سکندر کے اسٹڈی روم سے ملحق تھا اور وہ جب دل چاہتا درمیانی دروازہ کھول کر اسٹڈی میں چلی ی۔ حالانکہ اسے مطالعے کا شوق کبھی بھی نہیں تھا اور ابھی بھی وہ ایسے کسی خیال سے نہیں آئی تھی۔ نہ ے اندر کوئی تجسس تھا کہ اپنے باپ کا انتخاب ہی دیکھ لے۔ اس کی جگہ اگر صباحت ہوتی تو ایک ہی دن میں نگال چکی ہوتی لیکن اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ محض مہر النساء پر اپنی اہمیت جتانے کی غرض سے اس نے ے میں آنا اپنا معمول بنالیا تھا۔ اصل میں اس کے یہاں آنے کے دوسرے دن مہر النساء ہی نے اپنے طور یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ یہ شاہ سکندر کا خاص کمرہ ہے۔ جس میں کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں راس کے کچھ دیر بعد ہی وہ شاہ سکندر کے پیچھے اس کمرے میں نہ صرف داخل ہوگئی بلکہ درمیانی دروازے کا ی ان سے کھلوالیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ وہ جب بور ہوگی یا گھبرائے گی تو کتابوں میں اپنا دھیان بٹانے کی کوشش گی اور شاہ سکندر ظاہر ہے منع نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ وہ پہلی بار آئی تھی ورنہ شاید پس و پیش ضرور ۔ بہرحال اس وقت وہ اپنے کمرے میں رکے بغیر سیدھی اسٹڈی میں آکر بیٹھی تو کچھ دیر الماس کے ساتھ الی معمولی سی جھڑپ پر اپنے آپ محظوظ ہوتی رہی پھر ایک دم اس کا دھیان گھر کی طرف چلا گیا تھا۔ آسیہ' باحت وہ سب سے شاکی تھی۔ کیونکہ اس کے خیال میں کوئی بھی اس کے لیے پریشان نہیں تھا۔ اس کے اپنے معمولات میں یوں مصروف ہوگئے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

مجھے کب کسی کی پروا ہے۔ بہت خوش ہوں میں یہاں آکر۔ سب میرے اپنے ہیں۔" وہ جانے کس احساس رکر خود کو باور کرانے لگی تھی کہ اچانک ٹیوب لائٹ آن ہونے سے چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور شاہ سکندر کو نصداً مسکرائی۔

پ کب آئے؟"

و دیر ہوئی۔ نیچے باباجان کے پاس تھا۔" شاہ سکندر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس کے قریب آگئے پھر کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگے۔

پ اداس تو نہیں ہو؟"

یں اداس کیوں ہوں گی۔"

ٹی ماما اور سسٹر کے لیے فون کیا تھا؟"

ماما سے بات نہیں ہوئی۔ صبا اور نبیل بھائی ٹھیک ہیں اور پوچھ رہے تھے کہ میں کب واپس آؤں گی۔"

رسری انداز میں بتایا تو انہوں نے فوراً پوچھا تھا۔

پ نے کیا کہا؟"

ی نہیں۔ ماما پوچھیں گی تو انہیں بھی میں یہی جواب دوں گی۔"

یہ اس کا مطلب ہے آپ یہاں خوش ہو۔ ویری گڈ۔"

ں تو خوش ہوں پاپا! لیکن صبا یہاں آکر کبھی خوش نہیں ہوگی۔ اسے ماما اور نبیل بھائی کے علاوہ اور کوئی نظر منہ وہ ان سے ہٹ کر کچھ سوچ سکتی ہے۔ ڈرتی بھی بہت ہے ماما سے۔ اگر وہ یہاں آجاتی ناں تو رو رو کر

وہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھی۔
جان دے دیتی۔" شاہ سکندر نے کچھ سوچتے ہوئے انداز میں کہا تو وہ
"شاید اس کے ذہن میں یہاں کا تصور خوفناک ہوگا۔"
سُنی کرکے ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی۔
"اس روز بابا جان کہہ رہے تھے کہ ان کے لیے مما سے بیٹی چھین لانا کچھ مشکل نہیں تھا لیکن وہ آپ سے
وعدے سے مجبور تھے کیونکہ آپ ایسا نہیں چاہتے تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟" اس نے ریک کی طرف جاتے جاتے پلٹ
کر شاہ سکندر کو دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگے۔
"پھر تو بابا جان کے اس سارے پلان سے بھی آپ بے خبر رہے ہوں گے۔"
وہ ہنوز سرسری انداز اختیار کیے ہوئی تھی، لیکن اس بار شاہ سکندر کچھ ٹھٹک گئے اور جواب سے بچنے
خاطر سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے بولے۔
"میں بہت تھک گیا ہوں بیٹا! مہراں سے کہو، چائے لے آئے اور دیکھنا میں موبائل کہاں چھوڑ آیا ہوں۔
بیڈ روم میں ہوگا۔"
وہ انہیں دیکھتی ہوئی کمرے سے نکلی تو پہلے مہراں کو پکار کر چائے کا کہا پھر ان کے بیڈ روم سے موبائل۔
واپس آئی تو انہیں تھمانے کے بجائے خود ہی نمبر پش کرنے لگی۔
"مجھے دو۔" شاہ سکندر نے ہاتھ بڑھایا تھا لیکن پھر ایکدم خاموش ہوگئے۔
"ہیلو۔"
"کون، نبیل بھائی؟" وہ غیر محسوس طریقے سے شاہ سکندر کی طرف سے رخ موڑ کر بات کرنے لگی۔
"مما کو بلائیں۔ میں ان سے بات کروں گی۔"
شاہ سکندر اس کی پشت پر نظریں جمائے پوری جان سے متوجہ ہوگئے تھے۔
کچھ دیر بعد وہ چیخ کر بولی تھی۔
"کیا مطلب ہے آپ کا؟"
"کیوں، کیوں نہیں کرنا چاہتیں۔"
"ظاہر ہے۔ جہاں ہوں، وہیں سے بات کر رہی ہوں۔"
"یہ میں آپ کو نہیں مما کو بتاؤں گی۔"
"اچھی بات ہے۔ انتظار کریں۔" اس نے سلسلہ منقطع کردیا اور کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہی پھر پلٹ
موبائل شاہ سکندر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔
"مما، شاہ پور والوں سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔"
شاہ سکندر کچھ نہیں بولے۔ اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر اپنا نمبر پش کرنے لگے تو وہ مزید کچھ کہنے کا
ترک کرکے اس کمرے سے نکل آئی تھی۔

——*

"مجھ سے کس بات پہ ناراض ہو؟" نبیل نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ بہت سپاٹ لہجے میں بولی
"میں ناراض نہیں ہوتی۔ یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔"
"تو پھر تمہاری اس خاموشی کو اور کیا نام دیا جائے، بولو۔" نبیل نے اس کے جھکے ہوئے سر کو ہلایا۔
نہیں تو اپنی پریشانی تو بتاؤ۔"
"آپ سے کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں۔"
"پہلے کون کہتا تھا۔ خیر اس بحث کو چھوڑو اور یہ بتاؤ۔ تم نے کیا سوچا ہے؟" نبیل فوراً "اصل بات
آ گئے۔

"کس سلسلے میں؟" اس نے سر اونچا کر کے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"شاہ علی جہانگیر کے بارے میں۔"
"نبیل بھائی پلیز۔ میں یہ نام سننا نہیں چاہتی۔" وہ عاجزی سے ٹوک کر گویا ہوئی۔ "اور پھر میرا کیا تعلق۔ میں
چھوڑ چکی ہوں۔ آپ ان سے پوچھیں کہ انہوں نے کیا سوچا ہے۔"
"وہ تو تمہاری رخصتی کا سوچ رہی ہیں۔" نبیل نے اس کا ردعمل دیکھنے کے لیے اپنی طرف سے کہہ دیا۔
ہرگز نہیں۔ میں زہر کھالوں گی اگر مما نے ایسا کچھ سوچا تو۔" وہ ایکدم تیز ہوکر بولی تھی۔
ارے رے۔" نبیل نے اسے ایک بازو کے حلقے میں لے لیا۔ "میں نے تو یوں ہی کہہ دیا ہے ورنہ مجھے نہیں
پھوپھو نے کیا سوچا ہے۔ البتہ تمہارا ارادہ معلوم ہوگیا ہے، بہت خطرناک ہے۔ آخر ہو نا مدحیہ کی بہن۔"
وہ صرف دھمکیاں دیتی تھی۔ میں عمل کروں گی۔"
تم آن صبا! تمہارے منہ سے ایسی باتیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ بیٹا! اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے اور تم تو
ایسی نہیں تھیں پھر اب تمہیں کیا ہوا ہے۔ اگر ہر بات پھوپھو پر چھوڑ چکی ہو تب تو تمہیں ہر دو صورتوں کے
تیار رہنا چاہیے۔" نبیل نے دھیرج سے ٹوکتے ہوئے کہا۔
خاموش رہی۔
میری ایک بات مانو گی۔" قدرے توقف سے نبیل نے پوچھا۔
سر اونچا کر کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
میں چاہتا ہوں۔ تم ایک بار علی سے مل لو۔"
کیوں، میں کیوں ملوں۔ اپنی پہچان کرانے کے لیے۔ اسے بتاؤں کہ میں صباحت ہوں اور وہ جو اس کے پاس
ہے وہ مدحیہ ہے۔ نہیں، میں یہ نہیں کرسکتی۔ مدحو وہاں خوش ہے تو بس ٹھیک ہے۔ اسے وہیں رہنے
دیں۔" وہ ایکدم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
نبیل اس کی باتوں میں الجھ گئے تھے۔ اس کے رونے پر بس چپ چاپ دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد وہ ہتھیلیوں سے
ں رگڑتی ہوئی اٹھنے لگی تھی کہ انہوں نے ایکدم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بے اختیار بولے تھے۔
سنو، محبت کرنے والے اپنی محبت کو چہروں سے نہیں، دل سے پہچانتے ہیں۔ کیا کبھی میں نے تم پر مدحیہ کا گمان
کیا؟"
آپ۔!" وہ متحیر سی پوری آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔
ہاں میں۔ مدحیہ سے محبت کرتا ہوں۔
اس کی تمام تر بدتمیزیوں اور ہٹ دھرمیوں کے باوجود۔
اس کے توہین آمیز تلخ رویوں کے باوجود۔
اپنے لیے اس کی نفرتیں جاننے کے باوجود میں نے صرف اسی سے محبت کی ہے۔
یہ محبت ہی ہے، جو مدحیہ کے ساتھ اس جیسی ایک صرف تم ہی نہیں ہزاروں لاکھوں کھڑی ہو جائیں۔ تب
بھی اپنی مدحیہ کو پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گا۔"
نبیل جیسے بے خودی میں بول رہے تھے۔ ان کے لہجے میں جذبوں کی سچائیاں تھیں۔ آنکھوں میں وہ رنگ
تھے جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے اور چہرہ اس وقت دل کا آئینہ بن گیا تھا۔ شفاف آئینہ جس
کے منفی رویوں کی لکیریں واضح نظر آ رہی تھیں۔
نبیل بھائی!" اس نے اس تحیر کے عالم میں آہستگی سے ان کا ہاتھ تھاما تو وہ ایکدم ہوش میں آکر اٹھ کھڑے
نبیل بھائی!" وہ ان کے ساتھ کھڑی ہو کر چیخ پڑی۔ "آپ! مدحو سے محبت کرتے ہیں۔ اس پتھر سے جس پر

کوئی بات اثر نہیں کرتی۔ جذبوں کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں پھر آپ نے اپنے جذبے اس کے نام کیوں لکھ دیے۔ بہت رسوا کرے گی وہ آپ کو۔"

"دھیرج' دھیرج۔" وہ اس کا ہاتھ تھپک کر ذرا سا مسکرائے۔

"نہیں نبیل بھائی! میں' آپ کو رسوا نہیں ہونے دوں گی۔"

"تو اس راز کو اپنے اندر دفن کر دو۔" ان کے لہجے میں اچانک آزردگی سمٹ آئی تھی پھر ایکدم خود پر قابو پا کر کہنے لگے۔ "تم نے مجھے کہاں الجھا دیا۔ اصل بات تو وہیں رہ گئی۔ میں کیا کہہ رہا تھا۔ ہاں' وہ علی جہانگیر۔ کیا تمہیں اس کی محبت پر بھروسا نہیں ہے۔"

"محبت ہوتی تب نا۔ وہ تو باقاعدہ ایک پلان کے تحت آیا تھا۔" وہ تاسف سے کہہ کر ان کی طرف سے رخ موڑ گئی۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔ تو کیا اس کے بعد محبت نہیں ہو سکتی؟"

"نہیں' اور اگر ہو تب بھی میں یقین نہیں کروں گی کیونکہ اس کی بنیاد میں جھوٹ اور فریب شامل ہے اور اگر اسے بھی نظرانداز کر دوں تو بھی میں مما کو تو دکھ نہیں دے سکتی۔ آپ نے دیکھا نہیں مدحو کے جانے سے مما کیسی ہو گئی ہیں۔ کمزور اور خاموش گو کہ ہم پر ظاہر نہیں کرتیں لیکن میں جانتی ہوں وہ اندر سے کتنی دکھی ہیں۔ کاش مدحو میں احساس نام کی کوئی چیز ہوتی۔" آخر میں اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے اس کے حصے کی حساسیت بھی تم میں آ گئی ہے۔" نبیل نے گہری سانس کھینچی۔

"پھر بھی آپ اس سے....."

"چھوڑو یہ سب باتیں۔ جاؤ منہ دھو کر آؤ پھر نیچے چلتے ہیں۔ پتا ہے ایک دو دن میں شکیل چچا آنے والے ہیں سونیا کی شادی کی تاریخ رکھنے۔"

"ہائیں۔ اشعر بھائی آ گئے کیا؟" اس نے فوراً" ان کی طرف گھوم کر پوچھا۔

"نہیں' بیس تاریخ کو آ رہا ہے۔"

"تو کیا ان کے آتے ہی شادی ہو گی۔"

"ہاں' چلو باقی معلومات نیچے سے حاصل کرتے ہیں۔"

"میں منہ دھو لوں۔" وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

نبیل اس کا دھیان بٹ جانے پر شکر کرنے لگے تھے۔

*_*_*

شاہ سکندر' باباجان کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں شاہ جہانگیر کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ باباجان نے انہیں مقصد سے بلایا ہے اور اس بار انہوں نے انجان بننے کی کوشش نہیں کی۔ سلام کر کے بیٹھتے ہی کہنے لگے۔

"باباجان! اگر صباحت کو لانے کا مسئلہ ہے تو اب آپ کو ڈائریکٹ آسیہ سے بات کرنی چاہیے۔ دیکھیں وہ کیا کہتی ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے۔ ہم اس کی مرضی پر چلیں۔" باباجان نے اپنی ناگواری چھپا کر کہا۔

"مجبوری ہے۔ چلنا پڑے گا۔"

"نہیں' نہیں سکندر! مجبوری ہمارے ساتھ نہیں' اس کے ساتھ ہے۔ ایک بیٹی ہم اس کی لے کر بیٹھے ہیں جو اس کے پاس ہے۔ وہ بھی اس کی نہیں۔ کیوں جہانگیر ہم غلط کہہ رہے ہیں؟" باباجان کو شاہ سکندر کا بات ٹالنے والا انداز قطعی پسند نہیں آیا تھا۔

"نہیں باباجان! صباحت' علی کی منکوحہ ہے۔" شاہ جہانگیر نے فوراً" ان کی تائید کی۔

"اس سے پہلے وہ میری بیٹی ہے۔" شاہ سکندر بھی فوراً" بولے تھے۔ "مدحیہ کو جس طرح آپ لے کر

...کی جگہ کوئی اور ایسی جرات کرتا تو میں اسے شوٹ کر دیتا۔ اس حویلی میں بیٹیاں اس طرح نہیں بیاہی گئیں ...نہیں لانے کے لیے کیا آپ سوالی بن کر نہیں گئے پھر میری بیٹی کے لیے سوال کرنا آپ کی شان کے خلاف ...ہے؟"

"...ہرگز نہیں۔ ہم صرف سوال نہیں' تمہارے سامنے پورا دامن پھیلا دیتے ہیں۔" باباجان ان کے بدلے ...سے اندر ہی اندر ٹھٹھک گئے تھے لیکن معاملہ فہم تھے' اس لیے فوراً" دامن پھیلا دیا تھا۔

"...میرے سامنے نہیں باباجان! ان کی ماں کے سامنے۔ کیونکہ میں بہت پہلے بچیوں کے تمام اختیارات ان کی ...سونپ چکا ہوں۔" شاہ سکندر نے ناراض لہجے میں کہا تو باباجان ناگواری سے بولے۔

"...نہیں ہو سکتا۔"

"...پھر صباحت کو لانے کا خیال بھی چھوڑ دیجیے۔"

"...تو اور بھی ناممکن ہے۔ ہم شاہوں کی بیٹیاں غیروں میں نہیں بیاہی جاتیں۔"

"...طریقے سے بیاہی جاتی ہیں اور طریقے سے لائی جاتی ہیں' اس طرح گن پوائنٹ پر اٹھا کر نہیں لائی جاتیں۔ ...تک اس سارے معاملے میں خاموش رہا اور جہاں ضرورت پڑی وہاں آپ کا ساتھ بھی دیا تو صرف اس ...میں نے آپ کی بات کا یقین کر لیا تھا کہ میری بیٹی کو خاندان کا نام دینے کے ساتھ آپ نے اس کے بہتر ...کی ضمانت دی تھی۔"

"...ہم ابھی بھی ضمانت دے رہے ہیں۔" باباجان فوراً" بولے تھے۔

"...لیکن اس کے ساتھ آپ میری غیرت سے بھی کھیل رہے ہیں اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مدحیہ اور ...میری بیٹیاں ہیں۔ خواہ یہاں رہیں یا آسیہ کے پاس' آپ کو ان کے لیے اسی طرح سوچنا ہو گا جیسے الماس' ...اور دوسری بچیوں کے لیے سوچتے ہیں۔ صباحت کو بیاہ کر لانا ہے تو خود چل کر جائیں۔ اگر اس میں آپ اپنی ...محسوس کرتے ہیں تو جہانگیر بھائی کو بھیج دیں۔ میرے وقت میں بھی تو آپ نے انہیں ہی بھیجا تھا لیکن اب ...سازش نہیں ہو گی۔" شاہ سکندر نے جانے بیٹیوں کی محبت میں یا اپنی غیرت پر چوٹ پڑنے سے سارے لحاظ ...لیے تھے۔

"...سکندر!" باباجان کا ضبط جواب دے گیا۔ "تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ سن رہے ہو جہانگیر! یہ ہمیں اس دو کوڑی ...لڑکی کے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔"

"...محض آپ کی سوچ ہے باباجان! اور آسیہ سے بغض۔ ورنہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کچھ لینے کے لیے ...پھیلانا پڑتا ہے۔ صباحت کی جگہ اگر الماس ہو تو کیا آپ مہرالنساء سے بات نہیں کریں گے۔" شاہ سکندر زچ ...ہو لے تھے۔

"...نہیں۔" باباجان ہٹ دھرمی سے گویا ہوئے۔ "مہرالنساء سے کیوں بات کریں گے۔ ہم اپنے طور پر جو فیصلہ ...کریں اس میں کسی دوسرے فرد کو شامل نہیں کرتے' پوچھ لو جہانگیر سے۔ علی کے معاملے میں' میں نے اس ...سے کہا نہ اس کی بیوی سے اور جو کہا انہوں نے وہی کیا۔"

"...میں نہیں کر سکتا۔" شاہ سکندر کے صاف انکار پر باباجان کچھ دیر تک خشمگیں نظروں سے انہیں گھورتے ...رہے پھر جب بولے تو لہجہ نارمل تھا۔

"...اسے کچھ کہہ بھی نہیں رہے سکندر!"

...سکندر اٹھ کھڑے ہوئے پھر جاتے جاتے رک کر شاہ جہانگیر سے مخاطب ہوئے۔

"...جہانگیر بھائی! آپ صباحت کے لیے آسیہ سے بات کر لیجیے۔ وہ اگر اسے رخصت کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو ...ورنہ آپ علی کے لیے کوئی اور لڑکی دیکھیں۔"

...بات ختم کرتے ہی وہ کمرے سے نکل آئے۔ کیونکہ باباجان کا رد عمل جانتے تھے اور یہ نہیں تھا کہ انہیں

پروا نہیں تھی بلکہ وہ مزید بحث نہیں کرنا چاہتے تھے پھر باباجان کی ضد سے بھی واقف تھے اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا' وہ بھولے نہیں تھے لیکن وہی بات کہ انسان اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو نظرانداز کر دیتا ہے لیکن جب اولاد کی بات آتی ہے تو مصلحتاً" بھی کوئی زیادتی برداشت نہیں ہوتی۔

اور شاہ سکندر اس سارے معاملے میں اگر خاموش رہے تھے تو اس کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک تو باباجان کی ضمانت' دوسرے علی جہانگیر کی ہر لحاظ سے اٹریکٹو پرسنالٹی' تیسری بڑی وجہ یہ بھی کہ انہوں نے صباحت کو دیکھا نہیں تھا تو اس کے لیے ان کے اندر وہ محبت نہیں تھی جو ساتھ رہنے والی اولاد سے ہوتی ہے۔ اس لیے انہوں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ آیا وہ لڑکی شاہ پور آنا بھی چاہے گی یا نہیں۔ گویا اس کے احساسات کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور اگر مدحیہ کی جگہ صباحت ہی آجاتی تب بھی شاید وہ اسے اہمیت نہ دیتے' خواہ وہ کتنا واویلا مچاتی۔ وہ یہ سوچ کر اطمینان سے رہتے کہ باباجان نے اس کے ساتھ اچھا کیا۔ خاندان کا نام اور علی جیسا رفیق سفر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا لیکن اب یہ نہیں سوچ سکتے تھے۔ کیونکہ درمیان میں مدحیہ آگئی تھی' جس کے وجود سے ہی وہ لاعلم تھے۔ اس نے اچانک ان کے اندر سوئی محبت کو یوں بیدار کیا تھا کہ اس کے ساتھ ان کی غیرت بھی جوش میں آگئی تھی اور اب وہ صرف باپ بن کر سوچ رہے تھے تو انہیں باباجان کا طرز عمل انتہائی نامناسب اور گھٹیا لگ رہا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ صباحت کو لانے کے لیے باباجان پھر کوئی ایسا پلان بنائیں جس سے بیٹیوں کی نظروں میں وہ بھی بے وقعت ہو کر رہ جائیں۔

گوکہ مدحیہ نے ابھی تک ان پر کچھ جتایا نہیں تھا لیکن وہ اس خیال سے بھی پریشان ہو جاتے تھے کہ کسی دن وہ ان کے مقابل کھڑی ہوگئی تو وہ اسے کیا جواب دیں گے۔

ان کی زندگی میں یہ دوسرا یا شاید تیسرا مشکل ترین مرحلہ تھا۔ جہاں اگلے لمحے کے تصور سے ان کا دل بیٹھنے لگتا تھا اور ذہن بری طرح منتشر ہو جاتا۔

پہلا مرحلہ وہ تھا جب حجلہ عروسی میں مہو' مہو پکارتے ہوئے وہ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آگئے تھے۔

دوسری بار جب آسیہ کے ہاتھ میں لفافہ تھمایا تھا۔

اور اب اولاد کے لیے بھی باباجان ان سے یہ توقع کر رہے تھے کہ وہ ان کے اشاروں پر چلتے رہیں گے۔

"ہرگز نہیں۔ مدحیہ اور صباحت لاوارث نہیں ہیں۔ میں ان کا باپ ہیلتھ منسٹر شاہ سکندر حیات' میری اپنی ذاتی حیثیت ہے' شناخت ہے اور میں اپنی شناخت کے ساتھ اپنی بیٹیاں رخصت کروں گا۔" وہ بہت مضبوط ارادے کے ساتھ سوچ رہے تھے۔ تب ہی دروازہ کھلنے کے ساتھ مدحیہ اندر آتے ہوئے بولی۔

"آپ یہاں ہیں بابا! میں آپ کو نیچے ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔"

"خیریت؟" انہوں نے اسے اپنے برابر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں بہت بور ہوگئی ہوں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ سب اپنے اپنے کمروں میں بند۔ کھانے کے وقت نکلتے ہیں پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ مجھ سے کتراتے ہیں یا۔۔۔"

"نہیں بیٹا! آپ سے کیوں کترائیں گے۔ بس سب کا اپنا اپنا مزاج ہے' اپنی اپنی دلچسپیاں ہیں۔ آپ کی وہاں کیا ایکٹیویٹیز تھیں؟" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں پھر بھی زندگی متحرک تھی۔ صبح ناشتے کے ساتھ ساتھ مما کا لیکچر پھر کالج جانے کی تیاری میں صبا جلدی جلدی کا شور مچاتی رہتی۔ مجھے اسے تنگ کرنے میں بہت مزہ آتا ہے اور نبیل بھائی کو بھی۔ اور عمر کے ساتھ تو میری بنتی ہی نہیں ہے۔ بہت لڑائی ہوتی ہے ہماری لیکن ہم ناراض نہیں ہوتے۔ بس لڑتے ہیں اور اب لڑتے بھی نہیں ہیں کیونکہ میں وہاں نہیں رہتی۔ آپ کو پتا ہے' میں اسلام آباد میں ہوتی ہوں۔ اپنے شکیل ماموں کے پاس۔" اسے شاید سب یاد آرہے تھے جو وہ شوق سے بتانے بیٹھ گئی تھی۔

"کیوں' ان کے پاس کیوں؟" شاہ سکندر نے پوچھا تو وہ اصل بات گول کر گئی۔

مجھے اسلام آباد جانے کا شوق تھا۔ وہاں گئی تو پھر آنے کو دل ہی نہیں چاہا۔ مما سے ضد کر کے وہیں رہ گئی ...ں ... میں ایڈمیشن بھی لے لیا۔ اف میرا تو بہت نقصان ہو گیا۔ ایک ہفتے کی چھٹی تھی اور یہاں ایک مہینہ ... "اسے ایکدم اپنا کالج یاد آگیا۔

"...ر کون کون ہے آپ کے شکیل ماموں کے گھر میں؟" انہوں نے ایک خیال کے تحت پوچھا تھا۔

"...ں ماموں جی اور مامی جی ہیں۔ سمعیہ جی کی شادی ہوگئی اور اشعر بھائی لندن میں ہیں۔ شاید آنے والے ...کیا ہو سکتا ہے وہیں شادی کر لیں جیسے۔" وہ روانی میں بتاتی ہوئی ایکدم خاموش ہوگئی۔

"...ر صباحت' وہ بھی آپ کی طرح ہے؟" شاہ سکندر چاہتے تھے وہ یوں ہی بولتی رہے' جب ہی اس کے خاموش ...ہی فوراً" سوال کر رہے تھے۔

"...نہیں' وہ بہت ڈرپوک ہے۔ شادی والے روز اگر میری جگہ وہ مما پر بندوقیں تنی ہوئی دیکھ لیتی تو اس کا تو وہیں ...ل ہو جاتا۔"

...صباحت کی تعریف میں ہمیشہ سب سے پہلے اس کی بزدلی کا ذکر کرتی تھی۔

...ہ سکندر اندر ہی اندر جزبز ہوئے اور صباحت کے بارے میں مزید جاننے کا خیال چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"...ے بیٹا! آپ اپنے کمرے میں جاؤ' مجھے کچھ کام کرنا ہے۔"

"پہلے میرا مسئلہ تو حل کریں۔"

"...یا کیا مسئلہ ہے؟" انہوں نے فوراً" پوچھا۔

"...بوریت۔" اس نے بور سی شکل بنا کر کہا۔

"...آپ بتاؤ۔ آپ کا کیا دل چاہتا ہے۔ پڑھنا چاہتی ہو تو اسلام آباد لے چلوں یا نئے سرے سے کہیں اور۔"

"...نہیں' مجھے نہیں پڑھنا۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"...کیوں بیٹا! کم از کم گریجویشن تو کر لینا چاہیے آپ کو۔"

"...کوئی فائدہ نہیں۔ جتنی نالج میری اب ہے گریجویشن کے بعد بھی اتنی ہی رہے گی۔ کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ ...ڈگری ہاتھ آئے گی۔ کیا کروں گی ڈگری لے کر۔ نوکری تو نہیں کرنی مجھے۔"

...جو منہ میں آیا بولے جا رہی تھی اور اسے دیکھتے ہوئے شاہ سکندر کا ذہن کہیں پیچھے بھٹک گیا۔ اس نے کہا تھا۔

"میرے خواب ایک خوبصورت گھر تک محدود نہیں ہیں۔ جس مقصد کے تحت میں نے تعلیم حاصل کی' اسے ...میں نہیں چھوڑ سکتی۔"

*_*_*

...گھر میں سونیا کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے لیکن خوشیوں میں بے ساختگی نہیں تھی بلکہ جیسے ہر بات ...سوچ کر اور سنبھل کر ہو رہی تھی۔ لڑکیاں ڈھولک لے کر بیٹھتیں تو ایک لائن سے رٹے رٹائے گانے شروع ...تے۔ درمیان میں نہ کوئی چھینا جھپٹی' نہ ہنسی مذاق۔ شاید اس لیے کہ اس سے پہلے کی شادی نے جو مسائل ...کیے تھے گوکہ اس کی لپیٹ میں سب نہیں آئے تھے لیکن اپنے اپنے طور پر سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ یوں ...آسیہ پر اس کے تمام بھتیجے بھتیجیاں جان چھڑکتے تھے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی پریشانی کو وہ محسوس نہ کریں۔ ...آسیہ ظاہر نہیں کرتی تھی اور بھرپور طریقے سے ہر کام میں حصہ لے رہی تھی اور اسی کی طرح صباحت بھی ...ش کر رہی تھی کہ وہ اس خوشی پر اپنے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کا سایا بھی نہ پڑنے دے۔ جب ہی کچھ زیادہ ہی ...دلی کا مظاہرہ کر رہی تھی پھر بھی سب بہت محتاط تھے۔

...سونیا رخصت ہو کر اسلام آباد چلی گئی تو اگلے دن باقی سب گھر والے ولیمے میں شرکت کے لیے روانہ ہوگئے۔ ...سے گھر ایکدم خالی ہو گیا۔ صرف اماں جی' آسیہ اور وہ تھی۔ اماں جی کی طبیعت خراب تھی۔ اس لیے آسیہ ...ے اپنا جانا ملتوی کرنا پڑا' ورنہ پروگرام تو ان کا بھی تھا اور آسیہ نے اس سے تو بہت کہا کہ وہ بھی چلی جائے لیکن

اس کا دل کچھ اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ اماں جی کا بہانا کر کے رک گئی کیونکہ آسیہ سارا دن تو گھر میں نہیں ہوتی تھی۔

اس وقت بھی آسیہ کلینک جا رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے گیٹ بند کر کے واپس اماں جی کے پاس آ کر بیٹھی اور ان کی ٹانگیں دباتے ہوئے کہنے لگی۔

"احمر بھائی آخر نہیں آئے۔ کتنا انتظار کیا مامی جی نے' اور سونیا آپی تو بہت رو رہی تھیں۔ انہیں اگر نہیں آنا تھا تو صاف منع کر دیتے۔ خوامخواہ آس دلائی۔"

"ہاں!" اماں جی نے ہاں کی صورت لمبی سانس کھینچی۔ "پتا نہیں پردیس کی مٹی کیسی ہے۔ سارے رشتے بھلا دیتی ہے۔"

"احمر بھائی ایسے تو نہیں تھے اماں جی! وہ تو سب سے بہت محبت کرتے تھے اور ذمہ دار بھی بہت تھے۔" وہ ان دنوں میں کھو کر بولی جب احمر یہاں تھا۔

اماں جی پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی بات پر بس ہوں کر کے رہ گئیں تو ان کا چہرہ دیکھ کر اس نے خاموشی اختیار کر لی پھر آہستگی سے ان کے پاس سے اٹھ کر برآمدے میں آ بیٹھی اور احمر ہی کو یاد کرتے ہوئے وہ جانے کیا کیا سوچنے لگی تھی۔

"اگر احمر بھائی وہاں شادی نہ کرتے تو شاید یہ حالات نہ ہوتے۔ اس کے برعکس جیسے اشعر بھائی اور ان کی ایک ساتھ منگنی ہوئی تھی تو اب شادی بھی دونوں کی ساتھ ہی ہوتی۔ سونیا جی رخصت ہوتیں اور مدحو یہاں بیٹھی ہوتی دلہن بنی ہوئی۔ بہت غلط کیا احمر بھائی نے۔ انہیں شاید مدحو سے محبت تھی ہی نہیں۔ محض دل لگی بال۔۔۔" فون بیل سے اس کی سوچیں منتشر ہو گئیں اور اماں جی کی نیند خراب ہونے کے خیال سے اس نے بھاگ کر ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔"

"کون مدحو! کیسی ہو؟" دوسری طرف وہی تھا جسے ابھی وہ یاد کر رہی تھی اور اس کے منہ سے مدحو سن کر وہ جتا کر بولی۔

"جی نہیں' میں صبا ہوں اور اتفاق سے ابھی آپ ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"اچھا!" احمر وہ خوش دلی سے ہنسا۔ "پھر یہ نہیں کہو گی۔ بڑی عمر ہے تمہاری۔"

"کیوں نہیں۔ اللہ آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔"

"نہشت بے وقوف۔ چلو ذرا امی کو بلاؤ۔" احمر نے پیار بھری سرزنش کے ساتھ کہا۔

"مامی جی نہیں ہیں بلکہ کوئی بھی نہیں ہے۔ سب اسلام آباد گئے ہیں ولیمے میں۔ آپ کیوں نہیں آئے؟" اس نے بتا کر پوچھا۔

"بس یار! چھٹی نہیں ملی اور سنو تم کیوں نہیں گئیں؟"

"اماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اس لیے مما اور میں نہیں گئے۔"

"اور مدحو! اچھا ہاں وہ تو وہیں ہوتی ہے نا۔" احمر نے ایکدم یاد آنے پر کہا تھا۔

"نہیں' مدحو شاہ پور میں ہے۔ شاہ سکندر کے پاس۔"

"کیوں' میرا مطلب ہے وہاں کیوں چلی گئی۔ پھوپھو نے جانے دیا۔"

"جی!" اس نے اختصار سے کام لیا۔

"یقیناً" بہت ضد کی ہو گی اس نے۔ ضدی تو وہ شروع سے ہے۔ آئے گی کب؟" احمر نے مدحیہ کے اس انداز پر تاسف کا اظہار کر کے پوچھا تو اس نے لاعلمی ظاہر کر دی۔

"پتا نہیں۔"

"اچھا میں پھر فون کروں گا۔ کب تک آئیں گے سب لوگ؟"

...کل میں آنے والے ہیں۔"

...خدا حافظ۔"

...حافظ۔" وہ ریسیور رکھ کر پلٹی تھی کہ پھر بیل بج اٹھی۔

...اس بار اس نے کچھ بیزاری سے ریسیور اٹھایا تھا۔

...شاہ پور جا رہا ہوں۔ مدحیہ کے لیے کوئی پیغام ہو تو بتا دیں۔" دوسری طرف علی تھا۔۔۔ بغیر سلام دعا کے ...بولا اور اس کا دماغ جھنجھنا گیا۔ حسب سابق ریسیور پٹخنے لگی تھی کہ اچانک کسی خیال کے تحت رک گئی ...کچھ نہیں اور اس کے مزید کچھ کہنے کا انتظار کرنے لگی۔

...صباحت!" قدرے توقف سے ادھر سے وہ پکار کر کہنے لگا۔ "خفگی ناراضگی بجا ہے لیکن پلیز میری بھی تو ...کیا تم مجھ سے مل سکتی ہو۔"

...نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا۔

...اگر تم پر اس سلسلے میں کوئی پابندی لگائی گئی ہے تو میں آ جاتا ہوں۔ اب تو آ سکتا ہوں' اپنی منکوحہ سے ملنے ...کسی کو اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا۔" آخر میں اس نے اس کی خاموشی ...سعی کی۔

...میں اس نے ریسیور پٹخ دیا اور اس کی دیدہ دلیری پر تلملاتی ہوئی دوبارہ اماں جی کے پاس جا بیٹھی تھی اور کچھ ...انداز سے احمر کے بارے میں سوچ رہی تھی' اب اس کی جگہ شاہ علی جہانگیر آ گیا تھا۔

...دوسرے روز سب لوگ اسلام آباد سے واپس آ گئے' کیونکہ سب کام کاج والے تھے۔ بس ایک وہ اور ثوبیہ ...تھی۔ ثوبیہ کو رزلٹ کا انتظار تھا۔ اس کے بعد اس کا ارادہ میڈیکل میں جانے کا تھا اور رزلٹ تو اس کا بھی ...آیا تھا لیکن فورتھ ایئر میں ایڈمیشن شروع ہو چکے تھے اور اسے ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ آسیہ نے ...بارے میں کیا سوچا ہے۔ یعنی اس کی پڑھائی کے متعلق اور وہ خود چاہتی تھی کہ دوبارہ سے کالج جانا شروع ...لیکن آسیہ سے کہتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کیونکہ ان دنوں آسیہ کا مزاج کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں ...بھی بہت مہربان اور کبھی ذرا سی بات پر بھتے سے اکھڑ جاتی۔ اس لیے وہ ضرورت کے علاوہ ضروری بات بھی ...کرنے لگی تھی اور گو کہ ایڈمیشن بہت ضروری تھا پھر بھی وہ ڈر رہی تھی اور بہت ہمت کرنے پر بھی آسیہ ...کہہ سکی اور نبیل کے پاس چلی آئی۔

...بھائی! بے کار وقت ضائع کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں بی اے کر لوں۔" اس نے نبیل کے ...ئے کا کپ رکھتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ فوراً" تائید کرتے ہوئے بولے۔

...تمہیں پڑھنا چاہیے۔"

...آپ مما سے کہیں نا۔"

...وہ منع کر رہی ہیں کیا؟"

...تو۔ وہ میرا مطلب ہے' میں نے ان سے بات نہیں کی۔ مجھے ڈر لگتا ہے نبیل بھائی! شاید وہ منع کر دیں ...نے کچھ الجھ کر اپنا خدشہ ظاہر کیا تو نبیل سمجھ کر بولے۔

...خیال ہے وہ پڑھنے سے نہیں روکیں گی۔ خیر میں بات کروں گا۔ ایڈمیشن تو ہو رہے ہیں۔ تم لیٹ نہیں ...پہلے خیال کیوں نہیں آیا تمہیں۔"

...تھا لیکن مما سے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے انہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ دیتی ...بسور کر بولی۔

...وقوف! تمہیں ان سے شاکی نہیں ہونا چاہیے۔ جانتی تو ہو وہ کتنی پریشان ہیں۔ تم سے زیادہ انہیں مدحو ...ہے۔" نبیل نے دھیرج سے اسے ٹوک کر کہا تو وہ صوفے سے اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھی۔

"آپ تو کہتے تھے نبیل بھائی کہ مدحہ اس گھر کے علاوہ اور کہیں بھی زیادہ دن نہیں رہ سکتی۔"
"میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔" نبیل فوراً بولے۔
"بس کریں بھائی! اتنے دن تو ہو گئے ہیں۔ کل بھی اس کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی۔ کبھی نہیں آؤں گی۔"
"سنتی رہو اس کی باتیں۔ وہ نارمل نہیں ہے۔ ہمیشہ سے یہی سب کرتی رہی ہے کہ کسی نہ کسی سبب سب ا[س] کے لیے پریشان رہیں۔ جس دن اسے اس کے حال پر چھوڑ کر سب اس سے بے پروا ہو گئے وہ ٹھیک ہو جا[ئے] گی۔" نبیل نے کہا تو اسے ان کی بات بالکل پسند نہیں آئی۔
"ہائے نہیں نبیل بھائی! اس سے تو وہ اور چڑ جاتی ہے۔"
"کب تک چڑے گی۔"
"بس جانے دیں۔ یہ بتائیں۔ آپ مما سے کب بات کریں گے میرے کالج جانے کے سلسلے میں۔" وہ پھر ا[سی] بات پر آ گئی۔
"صبح ہی اور تم بس تیار رہو۔ مجھے یقین ہے پھوپھو منع نہیں کریں گی۔ بلکہ وہ اس بات پر ناراض ہوں گی کہ [تم] نے پہلے کیوں نہیں یاد دلایا۔"
نبیل نے بات کے اختتام پر خالی کپ اٹھا کر اسے یوں تھمایا جیسے اب تم جاؤ یہاں سے اور وہ بھی اٹھ کھڑی [ہوئی] تھی پھر دروازے کے قریب رک کر پوچھنے لگی۔
"نبیل بھائی! آپ مدحہ کے لیے سنجیدہ ہیں نا؟"
نبیل نے بہت بری طرح اسے گھورا تھا۔
وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

۔۔۔۔*

وہ بی بی جان کو ڈھونڈتی ہوئی پہلے ان کے کمرے میں' پھر ہال میں دیکھنے کے بعد باباجان کے خاص کمرے [کی] طرف آئی تھی لیکن دروازے کے پاس ہی رک گئی کیونکہ اندر سے باباجان کے تیز بولنے کی آواز آرہی تھی۔ ا[س] نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر کچھ دیر سوچا پھر اندر جانے کا ارادہ ترک کر کے واپسی پلٹی تھی کہ باباجان کی آواز پر پھر [رک] گئی اور بہت آہستہ سے دروازے کے قریب ہو کر سننے لگی۔
"سکندر کا دماغ خراب ہے۔ کہتا ہے' ہم اس ڈاکٹرنی کے پاس جائیں اور اس پر بھی اس کی مرضی کہ وہ بیٹی [دے] یا نہ دے۔ ہونہہ۔"
"بہت خیال کر لیا ہم نے سکندر کا۔ اب نہیں کریں گے۔" باباجان کی آواز وقفے وقفے سے آرہی تھی۔ [وہ] غصے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے اور جانے اندر اور کون کون تھا۔
"تم پہلی فرصت میں اس عورت کو پیغام بھیجو کہ مدحیہ کی سلامتی چاہتی ہے تو فوراً" علی کی منکوحہ اس کے [پاس] پہنچا دے۔"
"میرے خدا!" اس نے بہت دہل کر بند دروازے کو دیکھا تھا۔
"اور سنو' مدحیہ پر کڑی نظر رکھو۔ وہ ضرور اپنی ماں کو فون کرتی ہو گی۔ ہم علی کا مسئلہ حل کر لیں پھر ا[س کے] بارے میں بھی سوچتے ہیں۔"
وہ اسی طرح سہمی ہوئی الٹے قدموں دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگی تھی پھر راہداری کے موڑ پر تیزی [سے مڑتے] ہوئے علی جہانگیر سے ٹکرا گئی اور اس سے پہلے کہ اس کے حلق سے چیخ بلند ہوتی جلدی سے اپنا ہاتھ ہونٹوں [پر رکھ] لیا۔
"کیا بات ہے؟" علی جہانگیر نے اس کی سہمی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر قدرے تشویش سے پوچھا۔ "[اتنی ڈری] ہو؟"

[بو]لنے سے قاصر تھی۔ نفی میں سر ہلایا پھر بے اختیار علی جہانگیر کا بازو مضبوطی سے تھام کر کھینچتی ہوئی لاؤنج [میں لا]ئی اور اسے صوفے پر دھکیل کر یوں دیکھنے لگی جیسے آیا وہ قابل اعتبار ہے کہ نہیں۔
"[کسی] نے کچھ کہا ہے۔ باباجان نے۔" علی جہانگیر نے پوچھا پھر خود ہی قیاس کیا۔
"نہیں۔ وہ میں بارہ دری کی طرف نکل گئی تھی۔ ڈر سی گئی۔" اسے فوری طور پر جو سمجھ میں آیا کہہ دیا۔
"[کیوں ڈر گئی]ں۔ کون تھا وہاں؟"
"[پتا نہیں] اوہ جو گھنا سا پیڑ ہے نا اس میں جھانک رہا تھا۔" وہ اب اپنی بات پر قائم رہنے کے لیے پوری کہانی [بھی] تیار ہو گئی تھی۔
"کچھ کہا تو نہیں اس نے تمہیں؟" علی جہانگیر نے بے ساختہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر پوچھا۔
"[نہیں]" وہ نظریں چرا کر سیدھی ہو گئی پھر ایکدم خیال آنے پر پوچھنے لگی۔ "آپ کراچی سے آرہے ہیں؟"
"[ہاں] اور صبح واپس بھی جانا ہے۔ سکندر چچا یہیں ہیں یا کہیں ٹور پر نکلے ہوئے ہیں۔"
"یہیں ہیں۔ کچھ دیر پہلے میں نے انہیں اپنے اسٹڈی روم میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ وہیں چلے [جائیں۔]"
"[پہلے] باباجان سے مل لوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے جاتے رک کر بولا۔ "میں نے صباحت سے پوچھا تھا کہ [تمہارے] لیے کوئی پیغام ہو تو۔"
"[آپ] کی ملاقات ہوئی اس سے؟" اس نے فوراً" پوچھا۔
"[نہیں]۔ میں نے فون کیا تھا۔ البتہ نبیل بھائی سے باقاعدہ ملاقات ہوئی۔ میں اپنی زندگی میں بہت کم لوگوں [سے متاث]ر ہوا ہوں اور ان کم لوگوں میں ایک فرد کا اضافہ نبیل بھائی۔ ہی از ویری جینئس۔" اس نے کہا تو وہ بے [اختیار] کندھے اچکا کر بولی۔
"[اس] کی جگہ اگر صبا ہوتی تو نبیل بھائی کی تعریف پر خوشی سے پاگل ہو جاتی۔ اوکے' اب جائیں ملیں اپنے [باباجان س]ے اور دیکھیں انہوں نے آپ کی شادی کی دوسری اور آخری قسط کا پلاٹ تیار کیا کہ نہیں۔"
[وہ اس] کی دوسری بات پر جز بز ہو کر آگے بڑھ گیا۔
"[یہ لوگ] کتنے خطرناک لوگ ہیں۔ اپنی ہار کو جیت کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" اس کی نیند اڑ چکی تھی۔ [باباجان کی] باتوں کو سوچتے ہوئے اسے اپنی زندگی کا اختتام نظر آنے لگا تھا۔
"[اور] اب تو میں مما کو فون کر کے خبردار بھی نہیں کر سکتی۔ کتنی مجبور ہوں گی مما۔ اگر انہوں نے میری وجہ سے [... مان لیا] تو پھر وہ کبھی ہم دونوں کو نہیں دیکھ سکیں گی۔ ان لوگوں کو مجھ سے اور صبا سے کوئی محبت نہیں ہے بلکہ یہ [لوگ تو] ہمارا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے ہمیں مٹانا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔"
[وہ ر]ات بھر سوچتے سوچتے رات کے آخری پہر جا کر سوئی تھی پھر بھی صبح بہت جلدی اٹھ گئی اور یہ یقیناً" اس [ک]ا خوف تھا جس نے اسے گہری نیند سونے نہیں دیا تھا۔ دل و دماغ دونوں بوجھل ہو رہے تھے۔ منہ پر پانی [کے چھی]نٹے مار کر وہ ہاتھوں ہی سے چہرہ تھپتھپاتی ہوئی دوبارہ کمرے میں آئی اور تازہ ہوا کے لیے کھڑکی سے پردے [ہٹائے تو] نیچے لان میں شاہ سکندر اور علی جہانگیر ایک ساتھ چہل قدمی کرتے نظر آئے۔ اسے لگا جیسے وہ دونوں [اس] کے اگلے پلان پر بات کر رہے ہوں۔ اس نے کچھ دیر سوچا پھر دوپٹہ اٹھا کر کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں [اترتی] بھاگتی ہوئی ان کے پاس چلی آئی۔
"[گڈ] مارننگ پاپا!"
"[گڈ مارن]نگ' آج آپ جلدی اٹھ گئیں۔؟" شاہ سکندر رک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔
"[جی] مجھے یہ خیال تھا کہ میرے اٹھنے سے پہلے کہیں آپ نکل نہ جائیں۔ رات آپ کوئٹہ جانے کی بات [کر رہے] تھے نا۔" اس نے حاضر دماغی سے کام لیا۔

"ہاں لیکن آج تو میرا جانا کنفرم نہیں تھا۔ دوپہر میں البتہ کراچی جاؤں گا۔ علی تم بھی میرے ساتھ ہی نکلنا۔"
اسے بتا کر وہ علی سے مخاطب ہوئے۔
"جیسے آپ کہیں۔ انہیں بھی لے چلتے ہیں۔ یہ یہاں ڈرتی ہیں۔ کل شاید کوئی بھوت وغیرہ دیکھ لیا تھا۔"
جہانگیر نے شرارت سے اسے دیکھا تو وہ بے ساختہ بولی۔
"وہ تو میں ابھی بھی دیکھ رہی ہوں۔"
شاہ سکندر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر اسے اپنے ساتھ لگا کر چلتے ہوئے بولے۔
"میری بیٹی بہت بہادر ہے۔"
"وہ پاپا! آپ کراچی جا رہے ہیں۔ میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔" وہ فوراً اصل بات کی طرف آگئی۔
"آج نہیں بیٹا! پھر کسی دن۔" شاہ سکندر نے بہت نرمی سے آئندہ پر ٹالا۔
"نہیں پاپا! میں آج ہی جاؤں گی۔ مجھے۔" وہ ایکدم خاموش ہو گئی۔ ورنہ کہنے جا رہی تھی کہ مما بہت یاد آر ہیں۔
"علی! تمہاری پروموشن کا کیا ہوا؟"
شاہ سکندر ان سنی کر کے علی کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے تو وہ سمجھ گئی ک اسے لے جانا نہیں چاہتے اور وجہ تو وہ جان ہی گئی تھی۔ البتہ شاہ سکندر سے کچھ امید تھی کہ وہ اگر بابا جان ۔ اگلے پلان سے آگاہ ہو گئے تو شاید وہ خود ہی اسے یہاں سے نکال لے جائیں گے لیکن انہوں نے منع کر کے صرف اس کی امید توڑ دی بلکہ اسے شاکی بھی کر دیا تھا۔
اس نے بہت غیر محسوس طریقے سے اپنے کندھے سے شاہ سکندر کا ہاتھ ہٹا دیا اور اسی طرح پہلے ان سے قدم پیچھے ہٹی پھر رک کر انہیں علی جہانگیر کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔
کافی آگے جا کر شاہ سکندر واپس پلٹے تو انہیں دوبارہ اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ حرکت میں آگئی۔ کیاری کے پا جا کر کچھ پھول توڑے اور ان کا گلدستہ بنانے لگی۔ بظاہر وہ بڑے انہماک سے اس کام میں مصروف تھی لیکن ا ذہن کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا تھا جو شاہ سکندر اسے اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور ہو جائیں۔

----*

اس نے کالج جوائن کر لیا تو اب آنے جانے کا مسئلہ ہو گیا تھا۔ پہلے مدحیہ اور ثوبیہ ساتھ ہوتی تھیں۔ اب دونوں نہیں تھیں۔ مدحیہ تو خیر پہلے ہی اسلام آباد چلی گئی تھی اور ثوبیہ رزلٹ کے بعد میڈیکل میں جانے والی یوں اس کا راستہ الگ ہو گیا تھا اور وہ کیونکہ کبھی اکیلی نہیں نکلی تھی اس لیے بہت پریشان ہو رہی تھی۔ جر آسیہ نے اسے باقاعدہ لیکچر دینے کے ساتھ ڈانٹا بھی تھا کہ وہ اب بچی نہیں ہے جو ابھی بھی انگلی پکڑ کر چلے گی یہیں سے عادت ڈالنی چاہیے ورنہ زندگی میں کچھ نہیں کر سکے گی اور وہ آسیہ کے سامنے تو خاموش ہو گئی لیکن نبیل کو راضی کر لیا کہ وہ صبح ان کے ساتھ جایا کرے گی۔ البتہ واپسی کا کوئی زیادہ مسئلہ نہیں تھا۔ کیونکہ کا کافی لڑکیاں نکلتی تھیں۔
یوں کچھ دنوں میں وہ سیٹ ہو گئی تھی کہ کسی دن نبیل دیر کرتے تو وہ صبح بھی خود ہی نکل جاتی۔ ان دنوں ا پڑھنے کے علاوہ مزید کچھ کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بالکل آسیہ کی طرز پر سوچنے عمر اس کی زندگی بھی ایسی ہی ہو گی، جیسی اس کی ماں نے گزاری ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ا جائے۔ اپنی اس خواہش کا اظہار اس نے نبیل کے سامنے کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹالا تھا کہ پہلے بی اے ک سوچنا۔
"وہ تو میں کر رہی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی کورس کر لوں تو کیا برا ہے۔"
"برا تو کوئی نہیں ہے لیکن تمہیں جلدی کیا ہے۔ بہت وقت ہے تمہارے پاس۔ بی اے کے بعد ایم

ہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ایم اے میں پوزیشن لا کر لیکچرر شپ کے لیے اپلائی کرو۔"
بیل نے بہت اچھا مشورہ دیا تھا۔ جو کہ اس وقت تو اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا لیکن اب میڈم **عاصمہ** کو دیکھ نہ صرف نبیل سے اتفاق کر رہی تھی بلکہ اندر سے اتنی پرجوش ہو گئی تھی کہ دل چاہ رہا تھا جلدی جلدی یں پھلانگتی ہوئی میڈم **عاصمہ** جیسی بن جائے۔
تنی پیاری ہیں میڈم **عاصمہ**! اللہ اگر نبیل بھائی مان جائیں تو میں کہوں گی ان سے بلکہ مما سے بات کروں آج ہی۔"
ایک خوش کن تصور لیے جانے کیا کچھ سوچتی آ رہی تھی کہ قریب گاڑی رکنے کے ساتھ یوں دروازہ کھلا کہ راستہ رک گیا اور اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹ کر کنارے سے نکلتی دوسری طرف سے نکل کر علی جہانگیر سامنے آ گیا۔
السلام علیکم۔"
پ" وہ نہ صرف گھبرائی بلکہ خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔
مت۔ بیٹھ جاؤ۔" علی جہانگیر نے نرمی سے کہا۔
میں سرہلاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی تھی کہ علی جہانگیر نے ایکدم اس کی کلائی تھام لی اور اس بار تحکم سے
نا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو بیٹھو۔" اس کے ساتھ ہی اسے گاڑی کے اندر دھکیل کر دروازہ بند دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو وہ بہت ضبط سے دانتوں پر دانت جما کر بولی۔
میرے گھر ڈراپ کر دیں۔"
ٹھم" اس نے اسپیڈ سے گاڑی بھگا دی۔
بقا" اندر سے کانپ رہی تھی لیکن اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اس کی طرف سے رخ موڑ سہارا دینے میں لگی رہی۔ جب کافی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تب راستوں کو دیکھ کر پھر گئی۔
آپ کہاں جا رہے ہیں؟"
ہ" وہ اطمینان سے بولا۔ "تم ہی نے گھر چلنے کو کہا ہے ورنہ میرا ارادہ تو کہیں اور جانے کا تھا۔"
ہ اپنے گھر جاؤں گی۔" وہ چیخ کر بولی۔
تمہارا گھر ہے۔" اس نے اپنے گیٹ پر گاڑی روک کر ہارن بجایا اور گیٹ کھلنے پر اسے دیکھ کر بولا۔ "مجھے ہے اس وقت تمہارے استقبال کو یہاں کوئی نہیں ہے لیکن میں تو تمہارے ساتھ ہوں ناں اور جب مضبوط ہو تو باقی ساری باتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔"
کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔
" وہ گاڑی اندر لے آیا تھا اور اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چاہنے اور کوشش کے احمت نہیں کر پائی۔ کیونکہ ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا اور ہاتھ پاؤں الگ سن ہو گئے تھے۔
رام سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے جوس لے کر آتا ہوں۔" وہ سیدھا اسے اپنے بیڈروم میں لے آیا تھا اور چہرے پر کھنڈی زردی دیکھ کر فوراً جوس لینے نکل گیا۔ تو چند لمحوں بعد جانے کس خیال سے اس نے زور جھری لی پھر ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے تک گئی تھی کہ قدموں کی آواز سن کر جلدی سے بیڈ کے طرف آئی اور اپنے دفاع کے لیے اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچنے لگا تھا۔
بتو یہ کھانے کا وقت لیکن۔" وہ دروازے سے داخل ہوتے ہی بولنے لگا تھا لیکن اسے کھڑے دیکھ کر پہلے ہوا پھر شوخ و معنی خیز انداز میں مسکرایا تو اس کی پیشانی پر ہلکی ہلکی لکیریں نمودار ہو گئیں۔ جن سے اس کی

ناگواری اور غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔
"کم آن یار! یہ ضروری تو نہیں ہے کہ جیسا ہم سوچیں' چاہیں ویسا ہی ہو۔ کبھی کبھی۔" وہ بڑے میں بڑے دلکش انداز میں کہتا ہوا اس کی طرف آنے لگا تھا کہ وہ ایکدم حرکت میں آئی اور کارنر سے کانچ کا نازک گلدان اٹھا کر اسے کارنر کے کنارے پر دے مارا اور اس تیزی سے ٹوٹے کانچ اپنی مٹھی میں بھر کر بولی تھی۔
"شاہ علی جہانگیر! اگر آپ نے مزید ایک قدم بھی میری طرف بڑھایا تو میں یہ سارے کانچ اپنے حلق سے اتار لوں گی۔"
علی جہانگیر کے قدم وہیں رک گئے تھے۔

اس کی بند مٹھی سے قطرہ قطرہ لہو ٹپکنے لگا تھا۔ ہتھیلی میں کانچ چبھ رہے تھے۔ تکلیف بھی ہو رہی تھی پر وہ اس طرح کھڑی تھی۔ بہت چوکنا۔
علی جہانگیر اس کے خطرناک تیوروں کے ساتھ ارادے کی مضبوطی سے خائف ہو گیا تھا۔ یہ ہرگز وہ لڑکی نہ تھی جو ذرا سا تیز بولنے سے سہم جاتی تھی اور اس کی اس تبدیلی کا سبب خواہ کچھ بھی ہو وہ اس وقت یہ سب سو سے قاصر تھا۔ اس کا ذہن صرف اس صورت حال پر قابو پانے کی سوچنے لگا تھا۔
"دیکھو' تمہارا ہاتھ زخمی ہو رہا ہے۔ پھینکو یہ سب۔" وہ اس کی لہو ٹپکاتی مٹھی کی طرف اشارا کر کے بولا۔
"نہیں آپ ہٹ جائیں سامنے سے اور جب تک میں باہر نہ نکل جاؤں آپ اس کمرے سے نہیں گے۔" وہ دھیرے دھیرے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔
"رکو صباحت! میں وعدہ کرتا ہوں۔ جب تک تم نہیں چاہو گی میں تم پر کوئی حق نہیں جتاؤں گا۔ میرا اعتبا اور اس طرح مت جاؤ۔"
"اعتبار!" وہ تلخی سے کہہ کر ہونٹ بھینچ گئی۔
"او گاڈ! میں کیسے سمجھاؤں تمہیں۔ سنو تمہیں خود اپنے آپ پر تو بھروسا ہے نا۔ پھر کیوں ڈرتی ہو؟"
علی جہانگیر نے زچ ہو کر کہا پھر ایک دم جھپٹ کر اس کی کلائی تھام لی تو اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل اور دوسرے پل پورا زور لگا کر اس کی گرفت سے کلائی چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔
"پاگل مت بنو صبا! اپنا ہاتھ دیکھو۔"
علی جہانگیر نے مجبور ہو کر اسے بیڈ پر دھکیل دیا اور اس کا بازو گھٹنے کے نیچے دبا کر بہت احتیاط سے اس کی بند مٹھی کھولی تو ایک لحظہ کو وہ خود بھی چکرا گیا تھا۔ کتنے کانچ اس کی ہتھیلی میں اندر تک چلے گئے تھے۔
"خبردار' ہلنا نہیں۔" وہ اسے دیکھ کر تیز لہجے میں بولا تو اس نے دوسرا بازو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا کیونکہ سمجھ تھی کہ اب اس کی کوئی بھی کوشش نہ صرف بے کار ہو گی بلکہ اسے مجبور اور بے بس بھی ظاہر کر دے گی جو نہیں چاہتی تھی۔
وہ دوبارہ اس کے ہاتھ کی طرف متوجہ ہوا اور بہت آرام و احتیاط سے ایک ایک کانچ نکالنے لگا۔ گاہے بگاہے اس پر بھی نظر ڈال لیتا جو نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے بہت ضبط کر رہی تھی۔ پھر بھی کسی وقت اس کے منہ سے "سی" کی آواز نکل جاتی۔
"چلو آج یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم کتنی بہادر ہو۔" وہ آخری کانچ نکال کر اٹھتے ہوئے بولا۔ پھر دوسرے کمرے سے فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر لایا اور دوبارہ اسی جگہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔
"جو کانچ مجھے نظر آئے وہ میں نے نکال دیے ہیں اور اب خون صاف کر کے ٹیوب بھی لگا دوں گا لیکن تم اکتفا مت کر لینا آئی مین ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔ کہو تو ابھی لے چلوں۔"

ہیں۔" وہ بس ایک لفظ کہہ کر پھر ہونٹ بھینچ گئی۔ جبکہ آنکھوں سے بازو بھی نہیں ہٹایا تھا۔
ہو اپنی مما کو دکھا دینا۔ ویسے کیا کہو گی ان سے؟" دوسری بات پر وہ خود ہی محظوظ ہو کر مسکرایا تھا۔
روئی میں اسپرٹ لگا کر آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ صاف کیا اس کے بعد ٹیوب پھیلا کر ہاتھ دھونے کے لیے م میں چلا گیا تو اس نے پہلے آنکھوں سے ذرا سا بازو ہٹا کر دیکھا اور اسے موجود نہ پا کر فوراً" اٹھ کر بیٹھی تھی لیے سے ہاتھ صاف کرتا ہوا آ گیا اور بہت انجان بن کر بولا۔
ا ہوا!؟"
ں گھر جاؤں گی۔" وہ کہتی ہوئی بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔
ں تمہیں روکوں گا نہیں۔ لیکن اس طرح جانے بھی نہیں دوں گا۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔
ا مطلب؟" وہ تڑخ کر بولی۔
ٹھ جاؤ آرام سے یا چلو پہلے کھانا کھا لیں۔ اس کے بعد بات کریں گے۔"
ھے نہیں کھانا اور نہ میں آپ کی کوئی بات سنوں گی۔" اس کے لہجے میں ضد اور خفگی تھی۔
تو یہ طے ہے کہ میں اپنی بات کہے بغیر تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ آگے تمہاری مرضی۔ آج جانا چاہو یا چار ۔" وہ ہنوز اسی سنجیدگی سے کہتا ہوا آرام سے صوفے پر جا بیٹھا اور ٹیبل سے سگریٹ اٹھا کر سلگانے لگا تو وہ طلب سمجھ کر بری طرح سلگ کر بولی۔
ا کیا بات کہنی ہے آپ کو؟"
ں طرح نہیں۔ یہاں آ کر بیٹھو۔" اس نے اطمینان سے اپنے برابر اشارا کیا تو وہ کچھ دیر تک خشمگیں ے اسے دیکھتی رہی پھر اس صوفے کے دوسرے کنارے پر خاصے تکلف سے بیٹھتے ہوئے استہزائیہ انداز ۔
پ کیا سمجھتے ہیں۔ جو آپ کہیں گے میں یقین کر لوں گی۔"
ں کے لیے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ تم صرف سچائی سن لو اس کے بعد جو تمہارا دل چاہے کرنا۔" وہ بط سے بولا تھا۔
ب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ آپ شاہ جہانگیر حیات کے بیٹے ہیں اور آپ نے مجھ سے اس حقیقت کو "
رف اس خوف سے کہ کہیں میں تمہیں کھو نہ دوں۔" جس طرح وہ فوراً" بولی تھی۔ اس طرف سے بھی اب آیا تھا۔ پھر قدرے رک کر کہنے لگا۔
بہت بعد کی بات ہے۔ اس سے پہلے میں نے تمہیں دیکھا۔ پسند کیا اور اپنانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا اور اس ک مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ڈاکٹر آسیہ کی بیٹی ہو جس روز تم گلدان کے پیسے دینے یہاں آئی تھیں اگر یاد ہو تو یہاں بابا جان موجود تھے۔ ان کے ساتھ باتوں میں تم نے انہیں بتایا تھا کہ تم شاہ سکندر حیات کی بیٹی ن سارا کھیل وہیں سے شروع ہوا۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ میں اس کھیل میں شامل ہی نہیں تھا لیکن میں تا نہیں تھا۔ اس لیے اس تمام عرصے میں بارہا میں نے سوچا کہ تمہیں ساری حقیقت بتا دوں لیکن تمہاری یکھتے ہوئے میں نے مجبوراً" خود کو باز رکھا کیونکہ تم میں اپنے بارے میں سوچنے اور فیصلے کرنے کی جرات ہی ادر نہ میں اسی بہانے تمہاری محبت آزما سکتا تھا۔ تم پہلے مرحلے پر ہتھیار ڈالنے والوں میں سے ہو صباحت اپنی اس خوبی یا خامی سے تم خود بھی اچھی طرح آگاہ ہو۔ پھر بتاؤ میں خاموش نہ رہتا تو کیا کرتا۔" وہ کچھ دیر خاموش ہو گیا کہ شاید وہ بولے گی لیکن وہ کچھ گم صم سی بیٹھی تھی۔
ید تمہارے لیے محبت سے دستبردار ہونا آسان ہے اس لیے اپنے اختیارات تم نے اپنے بڑوں کو سونپ ہے۔" اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر وہ مزید گویا ہوا تھا۔ "یہ کوئی قابل فخر بات نہیں ہے صبا! اس لیے کہ ہمارے

بڑوں کے پیش نظر ہماری بہتری نہیں ہے بلکہ انا پرستی میں وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم دونوں تو ان کی بساط پر محض مہرے بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے جذبات، ہمارے احساسات، ہماری محبت ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ وہ صرف اپنا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جس میں ایک جیتے گا دوسرا ہارے گا تو جیتنے والا اپنی جیت کی خوشی میں اور ہارنے والا اپنی ہار کے غم میں یہ کبھی نہیں سوچے گا کہ اس میں ہم دونوں کا کتنا نقصان ہوا۔

ان باتوں سے میرا مقصد تمہیں تمہارے بڑوں کے خلاف اکسانا نہیں ہے صبا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش تماشائی مت بنو۔ تمہاری مما کو یہ خدشہ ہے نا کہ کہیں ان کی کہانی نہ دہرائی جائے تو اس کے لیے وہ مجھ سے اپنی مرضی کی شرائط طے کر سکتی ہیں۔ تم انہیں بتاؤ تو کہ تم مجھ سے۔"

وہ ایک دم خاموش ہو گیا پھر گہری سانس کے ساتھ اپنے آپ سے بولا تھا۔

"پتا نہیں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے بھی کہ نہیں۔"

"محبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز ناجائز کا فرق ہی بھلا دیا جائے۔" وہ جن سوچوں میں تھی، ان ہی میں گم ہو کر بولی تھی۔

"میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن خدا کے لیے تم میرے بارے میں ایسا مت سوچو۔ میں اس دھاندلی میں شریک نہیں ہوں۔ اگر ہوتا تو اس وقت تم یہاں نہیں شاہ پور میں ہوتیں۔" وہ اس کے ایک جملے پر زچ ہو گیا تھا اور وہ شاہ پور کے نام سے اچھل پڑی۔

"آپ نے جو کہنا تھا کہہ لیا اب مجھے جانے دیں۔"

"مائی گاڈ! اتنی دیر سے میں کیا صرف بکواس کر رہا تھا۔ کم از کم اس پر کچھ تبصرہ تو کر دو یا سوچنے کا ہی کہہ دو۔" جہانگیر نے بڑی آس سے اسے دیکھا تو وہ یہاں سے نکلنے کی جلدی میں اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"ہوں، سوچوں گی ضرور۔"

"گڈ، پھر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم نے کیا سوچا ہے۔"

"میں فون کروں گی۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔ میں انتظار کروں گا اور یہاں سے جاؤ گی کیسے۔ میں چھوڑ آؤں؟" اس نے بڑے سادہ سے انداز میں آفر کی تھی۔

"نہیں، میں چلی جاؤں گی۔ میرا بیگ شاید آپ کی گاڑی میں ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"چلو۔" اس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔ پھر اس سے بیگ لیتے ہوئے بالکل سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"مدیحہ کیسی ہے؟"

"بالکل ٹھیک اور بہت خوش۔" وہ جانے کس خیال کے تحت مسکرایا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔" وہ اس کی مسکراہٹ پر عجیب سا محسوس کرتی ہوئی فوراً گیٹ پار کر آئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

جب وہ گھر میں داخل ہوئی آسیہ اور نبیل پریشانی سے ٹہل رہے تھے کیونکہ اسے کبھی اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔ اسے خود بھی احساس تھا اور اپنے طور پر انہیں مطمئن کرنے کے لیے اس نے تمام راستہ بہت کچھ سوچ لیا تھا لیکن پھر بھی آسیہ کو دیکھتے ہی وہ سٹپٹا گئی۔ اس پر آسیہ کا پوچھنا۔

"کہاں رہ گئی تھیں؟"

"وہ مما! میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ یہ میرا ہاتھ دیکھیں۔" اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا جسے دیکھ کر آسیہ نرم پڑ گئی اور فوراً اس کی کلائی تھام لی۔

"کیسے ہوا اور کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟"

"نہیں۔ اس میں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ کانچ چبھ گئے تھے۔"

"نبیل بیٹا! میرا باکس لاؤ۔" آسیہ اس کی ہتھیلی کو انگلی سے چھو کر دیکھ رہی تھی ایک دو جگہ کانچ کی چبھن محسوس ہوئی تو نبیل کو مخاطب کر کے بولی۔

نبیل باکس لے آئے پھر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"کم از کم فون تو کر دیتیں۔"

"مجھے ہوش نہیں تھا اور جب ہوش آیا تو فوراً چل پڑی۔" وہ نبیل کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ کیونکہ جانتی تھی وہ اس کا جھوٹ فوراً پکڑ لیتے ہیں۔

"کہاں ہوا تھا ایکسیڈنٹ؟" آسیہ نے باکس میں سے کاٹن اور بینڈیج نکالتے ہوئے پوچھا تو وہ اندر ہی اندر پریشان ہو کر کہنے لگی۔

"کالج کے پاس اور اچھا ہوا کچھ کالج فیلوز ساتھ تھیں اور ان کا گھر بھی قریب تھا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئیں۔" مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر دوسرا ہاتھ پیٹ پر رکھ کر بولی۔ "مجھے بھوک بہت لگ رہی ہے۔ آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"ہاں! نبیل، بوا سے کہو اس کے لیے کھانا گرم کر دیں۔"

آسیہ نے اسے جواب دے کر نبیل سے کہا پھر جلدی جلدی اس کے ہاتھ پر بینڈیج کرنے لگی جب تک یہ کام مکمل ہوا تب تک ادھر کھانا بھی گرم ہو گیا تھا اور اس بہانے اسے اٹھنے کا موقع مل گیا۔ دایاں ہاتھ زخمی ہوا تھا اس لیے بائیں ہاتھ سے کھانے میں اسے کچھ دیر لگی اور کچھ اس نے جان بوجھ کر دیر لگائی تاکہ آسیہ کلینک کے لیے چلی جائے۔ پانچ تو بج رہے تھے۔ نبیل بھی اس وقت ٹیوشن کے لیے جاتے تھے۔ یوں ان دونوں کے جانے سے ایک طرح سے اس کی جان چھوٹ گئی تھی۔ جس پر وہ شکر کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور ان چند گھنٹوں میں جو کچھ پیش آیا اسے پہلے مرحلے سے سوچنے لگی تو کہیں اس کا دل خوشگوار انداز میں دھڑکا اور کہیں سہم سا گیا۔ گویا ملی جلی کیفیات تھیں۔ جنہیں سوچتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی۔ شاید تھکن کے باعث، ورنہ یہ کوئی سونے کا وقت نہیں تھا۔ کچھ دیر میں مغرب کی اذان ہونے والی تھی اور پتا نہیں بوا نے اسے نماز کے لیے اٹھایا کہ نہیں وہ آٹھ بجے نبیل کے اٹھانے پر اٹھی تھی۔

"اس وقت سونے کی کیا تک ہے۔ بقیہ رات کیا جاگنے کا پروگرام ہے۔" نبیل نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ ہاتھوں سے بال ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں کیسے سو گئی۔ مما آ گئیں کیا؟"

"نہیں ابھی آٹھ بجے ہیں۔ جاؤ منہ دھو کر آؤ لیکن تمہارا تو ہاتھ۔"

"شکر ہے دوسرا ہاتھ سلامت ہے۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی تو نبیل کو بیڈ پر نیم دراز دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"اب آپ سو رہے ہیں؟"

"نہیں۔" نبیل اپنے پیچھے تکیہ کھینچ کر سیدھے ہو بیٹھے۔ "تمہارے ہاتھ میں تکلیف تو نہیں ہے؟"

"ہے تو لیکن زیادہ نہیں ہے۔" اس نے کہا اور پھر یہ سوچ کر کہ جب وہ سب جانتے ہیں تو انہیں یہ واقعہ بھی بتا دینا چاہیے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میرا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا نبیل بھائی! وہ علی جہانگیر ہیں نا وہ راستے میں سے مجھے اپنے گھر لے گئے تھے۔"

نبیل اس کی پہلی بات پر متوجہ ہوئے تھے اور دوسری بات پر ان کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ نہ صرف خائف ہو گئی بلکہ اپنی حماقت کا بھی شدت سے احساس ہونے لگا کہ اب اپنے ہاتھ زخمی ہونے کا کیا جواز پیش کرے۔

بات آگے بڑھائی۔
"پھر کیا کہا اس نے؟" نبیل نے اس کی مشکل سمجھ کر
"اپنی صفائی پیش کر رہے تھے اور یہ کہ مجھے ان کا اعتبار کرنا چاہیے وہ میرے ساتھ فیئر ہیں۔" وہ سر جھکائے
رک رک کر بول رہی تھی۔
"تم نے کر لیا اس کا اعتبار؟" نبیل کا لہجہ سادہ تھا لیکن نظریں بے حد چبھتی ہوئیں۔ جو اسے اپنا وجود چھیدتی
محسوس ہو رہی تھیں۔
"نہیں۔ جب میرا اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں تو پھر میرے اعتبار کرنے نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا
ہے؟"
"ہاں تمہارا کیا تعلق، تم نے تو صرف نکاح نامے پر دستخط کیے ہیں۔ باقی کام دوسرے کریں گے۔" نبیل اس کی
بات پر تپ کر بولے تو وہ گھبرا کر انہیں دیکھنے لگی۔
"کیا مطلب ہے آپ کا۔"
"کوئی مطلب نہیں۔ چلو جاؤ بوا کے ساتھ کھانا لگواؤ۔ پھوپھو آنے والی ہوں گی۔" نبیل اس وقت اس کے
ساتھ مزید مغزماری نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے ڈانٹ کر اٹھا دیا۔
"ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔ ایک تو میں نے آپ کو سچ بات بتا دی۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔
"بہت احسان کیا مجھ پر ہونہہ!" نبیل سر جھٹک کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ ان سے پہلے کمرے سے نکل آئی۔
پھر کھانا لگنے تک آسیہ بھی آ نکلی تھی اور نبیل پر بیٹھتے ہوئے پہلے اس کے ہاتھ کی بابت پوچھا ساتھ احتیاط کی
تاکید بھی کی۔ اس کے بعد نبیل کو دیکھ کر کہنے لگی۔
"خاصے گہرے زخم آئے ہیں اور یہ شکر ہے کہ کوئی نس نہیں کٹی ورنہ بہت خون جاتا۔"
نبیل بس ہوں کر کے رہ گئے جبکہ نظریں اس کے ہاتھ کی طرف اٹھ گئی تھیں۔
"مما! کھانا کھائیں نا؟" اس نے اپنی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے آسیہ کو مخاطب کر کے سالن کا ڈونگا
کے سامنے کھسکا دیا اور یوں اپنی پلیٹ پر جھک گئی جیسے بہت بھوک لگی ہو۔ اصل میں نبیل کی نظروں سے خائف
ہو رہی تھی اور یہ دھڑکا بھی لگ گیا تھا کہ کہیں بے خیالی میں ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکل جائے اور بے خیا
میں تو نہیں بہت سوچ کر وہ آسیہ کو متوجہ کر کے کہنے لگے۔
"پھوپھو! کل سے صبا کالج نہیں جائے گی۔"
"ہاں بیٹا! جب تک اس کا ہاتھ۔" آسیہ جو سمجھی اس کے مطابق اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑے۔
"میں ہاتھ کی وجہ سے نہیں کہہ رہا پھوپھو! ہاتھ تو ان شاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔"
"پھر؟" آسیہ کھانے سے ہاتھ روک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔
"پھر یہ کہ جب تک شاہ پور والوں کے ساتھ کوئی معاملہ طے نہیں ہو جاتا یا کوئی فیصلہ تب تک صبا کا باہر
ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا کوئی بھروسا نہیں کسی دن راستے میں سے اسے بھی لے گئے تو ہم۔"
نبیل قصداً بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ جانے آسیہ کیا جو
دیتی ہے۔
"ہوں۔ ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" آسیہ خاصی تاخیر سے پرسوچ انداز میں بولی تھی۔ "شاہ پور والے بہت ا
ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں اور میں اب تک خاموش اس لیے ہوں کہ مدحو کو اپنے باپ کے پاس جانے کا بہت
تھا۔ اس کا شوق پورا ہو جائے پھر میں دیکھتی ہوں وہ کیسے وہاں رہتی ہے اور صبا کو بھیجنے کا تو سوال ہی پیدا
ہوتا۔"
اس نے بے اختیار سر اٹھا کر آسیہ کو دیکھا تھا پھر فوراً وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ تو کچھ دیر تو
اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس بات کو محسوس کر رہی ہے۔ آسیہ نے کوئی نئی بات نہیں کی تھی اور اب

یہی سوچتی رہی تھی۔ بلکہ نبیل سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر آسیہ نے اس کی رخصتی کا سوچا تو وہ زہر
لے گی پھر اب اچانک اس بات سے اس کا دل کیوں بے چین ہو گیا تھا۔
نی دیر تک وہ ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی۔ لیکن دل کی بے چینی کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔ پھر اسے نبیل پر
نے لگا کہ انہوں نے اس کے کالج نہ جانے کی بات کیوں کی، علی جہانگیر کو اگر اسے لے جانا ہوتا تو آج ہی شاہ پور
۔ وہ تو محض مجھے۔
ف! یہ میں کیا سوچنے لگی۔" ایک دم سے احساس ہونے پر وہ خود کو سرزنش کرنے لگی۔
علی جہانگیر کا اعتبار کر کے کیا میں مما سے لڑ سکتی ہوں۔ ہرگز نہیں اور وہ شاید یہی چاہتا ہے اور میں کیا کروں،
اعتبار کر بھی لوں تب بھی مما کو تو دکھ نہیں دے سکتی۔" وہ بہت دکھ سے سوچ رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

کمرے سے نکل کر بالکونی میں آ کھڑی ہوئی تھی اور باؤنڈری وال سے آگے دور تک پھیلے کھیتوں کے درمیان
زرتی تنگ سی سڑک کو دیکھنے لگی جو جانے کہاں تک جاتی تھی۔ کھیتوں کی حد ختم ہونے کے بعد یقیناً" کسی
مڑتی ہو گی۔ وہ اس سمت کے بارے میں غور کرنے لگی، کیونکہ رات اس نے سوچ لیا تھا کہ کسی دن موقع پا کر
خاموشی سے یہاں سے نکل جائے گی، اور اس کے لیے اسے راستوں سے آگاہ ہونا ضروری تھا۔
ں کسی طرح میں کراچی پہنچ جاؤں۔" وہ الجھتی ہوئی سوچ رہی تھی، تب ہی کمرے میں آہٹ ہونے سے وہ
ٹھ کو ٹھٹکی ۔۔۔ پھر کھڑکی سے اندر جھانکا اور مہراں کو دیکھ کر مطمئن سی ہو کر کمرے میں آتے ہوئے پوچھا۔
یا بات ہے؟"
صفائی کرنی ہے جی۔" میراں ہاتھ میں بڑا سا کپڑا لیے اس کی اجازت کی منتظر تھی۔
اچھا تو کرو۔" وہ بے نیازی سے صوفے پر جا بیٹھی اور اسے ایک ایک چیز کو رگڑتے ہوئے دیکھنے لگی۔ کچھ دیر
ایک خیال کے تحت اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔
مہراں تم کہاں رہتی ہو؟"
ای" (ادھر ہی) مہراں کے جواب سے وہ جھنجلا گئی۔
امطلب ہے تمہارا گھر کہاں ہے؟"
پیچھے جو نوکروں کے گھر ہیں ادر۔" مہراں نے سیدھا سادا جواب دیا۔
سے ہو یہاں۔ اس سے پہلے کہاں تھیں؟"
نہیں میں تو جی پیدا ہی ادر ہوئی۔ میری ماں بھی۔"
تمہاری نانی بھی اور تمہاری دادی بھی سب ادھر ہی پیدا ہوئیں۔" وہ سخت مایوس ہو کر بولنے لگی تھی۔
خائف سی ہو گئی۔
سنو، تم کبھی شاہ پور سے باہر بھی گئی ہو۔ میرا مطلب ہے اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں۔" اس بار اس نے
کے عالم میں پوچھا تھا جیسے ابھی بھی جواب نفی میں آئے گا۔
نہیں بی بی جی۔ ایک بار ابا مجھے چاچا کے گھر لے گیا تھا۔" مہراں نے اس کی توقع کے خلاف جواب دے کر
کر دیا۔
تمہارا چاچا کہاں رہتا ہے؟"
"
"اس نے سوچتے ہوئے انداز میں دہرایا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "کیسے گئی تھیں۔ ٹرین میں؟"
جی۔ بس میں، بہت مزہ آیا تھا۔"
آیا ہو گا یہ بتاؤ بس کہاں سے جاتی ہے؟" وہ فوراً اپنے مطلب پر آ گئی۔

"پتا نہیں جی۔ مجھے تو ابا لے گیا تھا۔" مہراں نے اس بار لاعلمی کا اظہار بہت مسکین سی شکل بنا کر کیا۔ تو وہ دانت پیس کر بولی۔

"الو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"وہ جی صفائی۔"

"کوئی صفائی وفائی نہیں کرنی۔" وہ غصے سے کھڑی ہوئی تو مہراں نے بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔

"بڑی آئی صفائی کرنے والی ہونہہ اور یہ میں کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہوں۔ جب جانا ہو گا چلی جاؤں گی۔ کوئی روک سکتا ہے مجھے روک کر تو دکھائے کوئی۔ میں صبا نہیں ہوں جو رعب میں آجاؤں گی۔ میں تو چیخ چیخ کر ساری حویلی سر پر اٹھالوں گی۔ ڈرتی نہیں ہوں میں کسی سے۔"

وہ غصے سے تلملاتی ہوئی ادھر سے ادھر ٹہلنے کے ساتھ اپنے آپ بولے جا رہی تھی۔

"پاپا آجائیں۔ لیکن نہیں وہ تو بابا جان کے سامنے کچھ بول ہی نہیں سکتے' میں خود بات کرتی ہوں۔ ابھی' اسی وقت۔ صاف کہہ دوں گی کہ اب میرا یہاں دل نہیں لگتا۔ مجھے واپس جانا ہے۔" وہ ایک دم سے فیصلہ کر کے اسی وقت دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلاتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔

لاؤنج میں بی بی جان بڑی بہو کے ساتھ جانے کس مسئلے پر بات کر رہی تھیں اسے دیکھ کر انہوں نے اپنی بات روک دی اور اسے پاس بلایا لیکن اس نے فاصلے پر ہی رک کر عجلت میں پوچھا۔

"بابا جان کے پاس کوئی مہمان تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔ لیکن شاید وہ کہیں جا رہے ہیں۔" بی بی جان نے کہا۔

"ابھی گئے تو نہیں نا۔" وہ اسی عجلت میں کہتی ہوئی تیز قدموں سے چل پڑی اور بابا جان کے کمرے کے پاس رک کر پہلے دستک دی۔ اور ان کا جواب آنے پر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"السلام علیکم بابا جان!"

"جیتی رہو۔" بابا جان نے اونچا شملہ اپنے سر پر جماتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ خاصی بے نیازی سے آگے بڑھ کر ہوئے پوچھنے لگی۔

"کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہوں۔" جواب میں انہوں نے ہنکارا بھرا وہ بھی بادل نخواستہ کیونکہ انہیں اپنے معمولات سے متعلق بالکل پسند نہیں تھے نہ کسی کو اجازت تھی اور وہ اُن کی ناگواری محسوس کرنے کے باوجود بے ساختہ بولی۔

"میں بھی جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟" بابا جان کا اپنی اسٹک کی طرف بڑھتا ہاتھ رک گیا۔

"کراچی' ایک دو دن مما کے پاس رہوں گی پھر اسلام آباد چلی جاؤں گی کیونکہ میرے کالج کا بہت حرج ہو رہا۔ آپ کسی سے کہیں مجھے چھوڑ آئے۔" وہ بظاہر بڑے آرام سے کہتی ہوئی صوفے میں دھنس گئی۔

"یہ اچانک تم نے جانے کا پروگرام کیسے بنالیا۔" وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"میرے پروگرام ایسے اچانک ہی بنتے ہیں۔" وہ بول کر خود ہی ہنسی۔ "حالانکہ اس روز پاپا نے بہت اصرار کہ میں ان کے ساتھ چلوں لیکن اس وقت میرا موڈ نہیں بنا اور اب میں فوراً جانا چاہتی ہوں۔"

"سکندر سے ملے بغیر؟"

"تو میں کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔ پھر آجاؤں گی۔" وہ بھی ان ہی کی اولاد تھی۔ کسی طرح ظاہر ہونے دے رہی تھی کہ وہ اندر سے کتنی خائف ہے۔

"وہ تو ٹھیک ہے پھر بھی تم اس طرح نہیں جاسکتیں۔ جب تک سکندر نہ آجائے اور ہم اس کی اجازت تمہیں کسی کے ساتھ نہیں بھیج سکتے۔" بابا جان نے اسے ٹالنے کی سعی کی تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"آپ کو پاپا سے اجازت لینے کی ضرورت ہے؟"

"کیوں نہیں وہ تمہارا باپ ہے۔ ہم سے کہہ سکتا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر ہم نے تمہیں کیوں جانے دیا نہیں جلدی کیا ہے۔ کل شام تک سکندر آجائے گا تب۔"

ف نہیں۔ کل شام تو بہت دور ہے۔ میں ابھی جاؤں گی' آپ پاپا سے فون پر بات کرلیں وہ منع نہیں کریں "وہ فوراً" بولی تھی۔

جان کچھ دیر تک پرسوچ انداز میں اسے دیکھتے رہے۔ پھر فون کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

ٹھیک ہے ہم سکندر سے بات کرتے ہیں۔ تم جب تک تیار ہو کر آؤ۔ ہم خود تمہیں لے کر جائیں گے اور سنو سے کہو' تیمور کو ہمارے پاس بھیج دے۔"

جی بہتر۔" وہ بمشکل اپنی حیرت اور خوشی چھپا سکی اور فوراً" ان کے کمرے سے نکل آئی۔ اتفاق سے شاہ تیمور طرف آ رہا تھا۔ وہ بڑی عجلت میں اسے بابا جان کا پیغام دے کر اوپر چلی آئی۔ کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں وہ اپنے ساتھ کچھ لے جانا چاہتی تھی۔ بس کپڑے بدل لیے۔ پھر کمرے سے نکلی تو جانے کیا خیال آیا کہ پہلے ء کے پاس چلی آئی اور اسے مخاطب کر کے بولی۔

ئی! میں جا رہی ہوں۔"

کہاں؟" مہر النساء نے یونہی پوچھ لیا ورنہ اسے کوئی غرض نہیں تھی۔

کراچی' اپنی مما کے پاس۔ پاپا آئیں تو ان سے کہیے گا میں انہیں فون کرتی رہوں گی۔"

النساء نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ خدا حافظ کہہ کر وہیں سے پلٹ آئی اور نیچے آ کر بی بی جان کو اپنے جانے کا تھی کہ شاہ تیمور آگیا۔

ہو کزن! بابا جان انتظار کر رہے ہیں۔"

چھا بی بی جان! میں پھر آؤں گی۔" وہ کہتی ہوئی بی بی جان کے گلے لگ گئی۔

ہمارا اپنا گھر ہے۔" بی بی جان نے اس کی پیشانی چومی۔ تو وہ ان کے گال پر پیار کر کے شاہ تیمور کے پیچھے باہر

جان گاڑی میں بیٹھ چکے تھے اور اس کے لیے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ان کے برابر بیٹھ گئی تو شاہ تیمور نے بند کیا پھر دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

دیر تک کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ پھر بابا جان اور شاہ تیمور آپس میں کسی زمینی جھگڑے کے بارے میں کرنے لگے' تو اس نے آرام سے سیٹ کی پشت سے سر ٹکالیا اور اس خیال میں کھو گئی کہ جب وہ گھر پہنچے گی تو اس سے کس طرح ملیں گے اور کیسے کیسے سوال کریں گے' اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ طویل مدت کے جا رہی ہو۔ دل چاہ رہا تھا بس فوراً" پہنچ جائے۔ پتا نہیں کتنی دیر کا سفر تھا۔

با" ایک گھنٹے بعد گاڑی ایک ریسٹ ہاؤس کے سامنے رکی تو اپنے خیال سے چونک کر وہ ناسمجھی کے عالم میں دیکھتے ہوئے بولی۔

ان کی جگہ ہے؟"

وہ جواب دیئے بغیر اتر گئے اور شاہ تیمور آ کر اس کی طرف دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

جان کو یہاں کچھ لوگوں سے ملنا ہے۔ تب تک چلو' میں تمہیں یہاں کی سیر کرادوں۔ بہت خوب صورت ہے تمہیں ہمیشہ یاد رہے گا۔"

نا دیر لگے گی؟" اس نے اترتے ہوئے پوچھا۔

زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے۔" شاہ تیمور نے بے نیازی سے جواب دے کر چوکیدار کو پکارا تو ایک لحیم شحیم تا ہوا آگیا۔

"جی سائیں سلام بڑے سائیں۔"
"اپنی گھر والی سے کہو ہماری پوتی کے لیے کھانے کا عمدہ انتظام کرے اور ذرا جلدی کیونکہ ہمیں آئے شہر ہے۔" باباجان نے چوکیدار سے کہا پھر اسے دیکھ کر بولے۔
"بس تھوڑی دیر میں چلتے ہیں۔"
"جی!" وہ یہی کہہ سکی۔
"تیمور! تم پہلے اسے ریسٹ ہاؤس کی سیر کراؤ۔" باباجان کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تو وہ ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"باباجان کہاں جارہے ہیں؟"
"وہ ادھر جہاں لوگ جمع ہیں۔ وہ سب باباجان کا انتظار کر رہے ہیں چلو ہم اندر چلتے ہیں۔"
اس نے باباجان کی طرف سے دھیان ہٹا کر شاہ تیمور کو دیکھا پھر اس کے ساتھ اندر آتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"یہاں کوئی رہتا بھی ہے؟"
"چوکیدار اس کی بیوی اور بچے' ہم لوگ اکثر پکنک وغیرہ کے لیے یہیں آتے ہیں۔ ویسے یہ سارا علاقہ سکندر کی ملکیت ہے۔ یہ ریسٹ ہاؤس بھی انہوں نے ہی بنوایا تھا۔"
وہ اپنے تئیں اسے بڑی مفید معلومات فراہم کر رہا تھا اور اس انداز سے جیسے وہ بڑی مشتاق ہوگی اور وہ ضرور اگر جو اس روز باباجان کی باتیں نہ سن چکی ہوتی جو وہ کہہ رہے تھے۔
"اس سے کہو اگر مدحیہ کی سلامتی چاہتی ہے تو صباحت کو ہمارے حوالے کرے۔"
اس کے بعد اسے کسی بات سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ابھی بھی بہت بے دلی سے سن رہی تھی۔
"تم شاید تھک گئی ہو۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے آخر وہ ٹوک گیا۔
"باباجان کب تک فارغ ہو جائیں گے؟" وہ اس کی بات ان سنی کر گئی۔
"یا اللہ! تم تو بہت ہی بور لڑکی ہو۔ میں مزید تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ تم بیٹھو یہاں میں باباجان کو آتا ہوں اور کھانے کا بھی پتا کرتا ہوں۔ اگر تیار ہوا تو ٹھیک ورنہ کراچی جا کر کھائیں گے۔" وہ اس کی بیزاری جھنجھلا گیا تھا۔
"میں بھی چلتی ہوں۔"
"کوئی ضرورت نہیں۔ باباجان یہیں آئیں گے۔" وہ قدرے غصے سے کہہ کر زینہ اتر گیا۔ وہ کچھ دیر اسے پیچھے دیکھتی رہی پھر ٹیرس پر نکل آئی دور تک سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اسے پہلی بار اس منظر میں کشش نظر آئی تو اس کا دھیان بٹ گیا۔
"یہ سب میرے باپ کی جاگیر ہے۔ کتنے بڑے آدمی ہیں پاپا۔ کتنے امیر' کوئی کمی نہیں۔ چار کیا دس بیویاں کر سکتے ہیں پھر انہوں نے مما کو کیوں چھوڑ دیا۔ بے شک انہیں شاہ پور لے کر نہ آتے۔ کہیں اور رکھ سکتے ان کے بارے میں باباجان کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ مما کو ساتھ لے کر یہ ملک ہی چھوڑ جاتے کیا بگاڑ سکتا تھا ان کا لیکن شاید۔"
اس کی سوچیں جانے کس سمت بہہ نکلی تھیں کہ عقب سے چوکیدار کی بیوی اسے پکار کر بولی۔
"بی بی! کھانا کھالیں۔"
"ہیں!" وہ چونک کر پوری اس کی طرف گھوم گئی اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"کھانا تیار ہے۔ نیچے آجائیں۔"
"چلو۔" وہ ایک طرح سے انتظار ختم ہونے پر شکر کرتی ہوئی نیچے آئی تو سٹنگ روم میں ہی ٹیبل پر کھانا... اس نے ہاتھ دھونے کے لیے ادھر ادھر دیکھا تو ایک دم سے باباجان اور شاہ تیمور کا خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

"باباجان کہاں ہیں؟"
"بڑے سائیں! وہ تو جی چلے گئے۔" عورت کے جواب سے وہ قدرے ٹھٹک گئی۔
"کہاں۔ کہاں چلے گئے اور وہ تیمور؟"
"پتا نہیں جی! بڑے سائیں اور تیمور سائیں دونوں چلے گئے۔ میرے آدمی سے کہہ گئے ہیں' آپ کا خیال رکھے۔ آپ ادھر ہی رہیں گی۔" عورت اپنے سادہ سے انداز میں بتا رہی تھی۔
"نہیں۔" اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچنے لگا تھا اور پھر اس نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن آگے گیٹ پر موجود چوکیدار نے اسے روک لیا تھا۔
"بڑے سائیں کا حکم ہے جب تک وہ نہ کہیں آپ ادھر سے نہیں جا سکتا۔"

♥ ♡ ♡ ♥

"وہ مدحو کا فون تو نہیں آیا؟" آسیہ نے جاتے جاتے رک کر بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تو صباحت اور نبیل ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگے۔
"نہیں مما!" نبیل کے اشارے پر صباحت نے جواب دیا تھا۔ "کئی دنوں سے اس نے فون نہیں کیا۔ غالباً ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔"
"بہت دل لگ گیا ہے اس کا وہاں۔ نالائق لڑکی کو اپنی پڑھائی کی بھی فکر نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا کرے گی۔" آسیہ نے تاسف بھرے انداز میں جیسے اپنے آپ سے کہا تھا۔
"پھوپھو! اگر آپ اجازت دیں تو میں فون کروں مدحو کو۔ اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے۔" نبیل نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولی۔
"نہیں' یہاں سے کوئی فون نہیں کرے گا۔"
"کیوں پھوپھو! آپ مدحو سے کیوں بدگمان ہو رہی ہیں۔ وہ خود سے تو نہیں گئی۔"
"میں اس سے بدگمان نہیں ہوں۔" اسے نبیل کا ٹوکنا اچھا نہیں لگا' ناگواری چھپا کر بولی تھی۔
"پھر آپ نے اسے اس کے حال پر کیوں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کی مرضی پر۔ کیا وہ اس قابل ہو گئی ہے کہ اچھے برے میں تمیز کر سکے۔ نہیں پھوپھو! ابھی وہ ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والی عمر سے نہیں نکلی۔ ابھی قدم قدم پر اسے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ شاہ پور والے اسے اپنے رنگ میں ڈھال لیں آپ کو اسے وہاں سے لانے کی تگ و دو کرنی چاہیے۔" نبیل نے دھیرج سے اسے مدحیہ کا احساس دلانے کی سعی کی تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔
"میں کیا کروں جب وہ آنا ہی نہیں چاہتی۔ ایسے میں ہماری کوشش کس کام کی' الٹا ہمیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ وہ یہ کہہ دے گی کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں اپنے باپ کے پاس رہنا چاہتی ہے۔"
"وہ ایسا نہیں کہے گی۔" نبیل نے جیسے اپنے آپ کو تسلی دی تھی۔
آسیہ دکھ سے مسکرائی اور گہری سانس لے کے' اندر روک کر کہنے لگی۔
"بہرحال۔ اب مدحو کا فون آئے تو تم اس سے پوچھ لینا کہ وہ کیا چاہتی ہے اگر یہاں آنے پر آمادہ ہے تو پھر۔"
"نبیل بھائی جا کر اسے لے آئیں گے۔" صباحت درمیان میں بول پڑی۔ پھر کچھ خائف بھی ہو گئی تو وہ اسے کا خیال چھوڑ کر گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔
"مجھے دیر ہو رہی ہے اور ہاں آج شام واپسی میں بھی دیر ہو جائے گی' تم دونوں کھانا کھا لینا۔"
"نہیں مما! ہم آپ کا انتظار کریں گے' آپ خواہ گیارہ بجے آئیں۔ کھانا ہم ساتھ کھائیں گے کیوں نبیل بھائی؟" صباحت نے کہہ کر نبیل کا بازو تھام لیا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلانے لگے۔
"اگر ایسی بات ہے تو پھر ابھی چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ کھا لینا۔" وہ انہیں تاکید کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"میں اتنی کمزور کبھی نہیں تھی۔ مجھے مدحت نے کمزور کر دیا ہے۔"

گاڑی گیٹ سے نکالتے ہی اسے پھر مدیحہ کا خیال آگیا تھا اور حقیقتاً وہ اس کے لیے بہت پریشان تھی اور بے بس بھی اس لیے اسٹینڈ نہیں لے رہی تھی ورنہ اگر مدیحہ اس کے پاس آنے پر آمادگی ظاہر کرتی تو وہ یوں خاموش نہیں بیٹھ سکتی تھی اور صباحت کے معاملے میں بھی وہ محض مدیحہ کی وجہ سے چپ تھی اور چاہتی تھی کہ پہل شاہ پور والوں کی طرف سے ہو۔ جنہوں نے اب تک صباحت کے حصول کے لیے جانے کیوں پیش رفت نہیں کی تھی اور اسے کیونکہ رتی برابر بھی کوئی اچھی امید نہیں تھی اس لیے جیسے جیسے دن گزر رہے تھے اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا اور ابھی یہ جان کر کہ مدیحہ نے ایک ہفتے سے فون نہیں کیا وہ متوحش بھی ہو گئی تھی گو کہ خود اس نے ایک بار بھی مدیحہ کا فون نہیں سنا تھا پھر بھی اطمینان تھا جو کہ اب اچانک رخصت ہو گیا تھا۔ سارا دن مریضوں کو اٹینڈ کرنے کے دوران بھی بار بار وہ ہمیشہ کی طرح اسے غیر ذمہ دار اور موڈی کہہ کر خود کو بہلا بھی نہیں رہی تھی۔

تقریباً دس بجے وہ ایک ڈیلیوری کیس سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئی تو بہت تھک گئی تھی۔ زیادہ ذہنی انتشار نے تھکا دیا تھا۔ جو وہ فوراً گھر جانے کی بجائے اپنے اعصاب پرسکون کرنے کی خاطر منہ ہاتھ دھو کر وہیں بیٹھ گئی اور ماسی کو بلا کر چائے لانے کا کہا تو وہ اس کے سامنے ٹیبل سے ایک کارڈ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"بی بی! یہ آدمی بہت دیر سے بیٹھا ہے۔"

"کون ہے؟" اس نے کارڈ لے کر اپنی آنکھوں کے سامنے کیا تو اس کے اعصاب مزید تن گئے۔ پیشانی پر ایک ساتھ کئی لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"کیا کہوں جی اس سے؟" ماسی پوچھ رہی تھی۔

اس نے چونک کر ماسی کو دیکھا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد بولی تھی۔

"بھیج دو اور سنو چائے ابھی مت لانا۔"

"جی اچھا!" ماسی چلی گئی تو وہ ایک نظر اپنا جائزہ لے کر سیدھی ہو بیٹھی اور خود کو مصروف ظاہر کرنے کی خاطر اٹھا کر پیڈ پر چلانے لگی۔

اگلے پل شاہ جہانگیر حیات دروازے میں نمودار ہو کر بولے۔

"السلام علیکم۔"

وہ سر اونچا کر کے براہ راست انہیں دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں۔

"اندر آسکتا ہوں۔" شاہ جہانگیر نے ہلکے سے دروازہ بجا کر اپنے تئیں اسے چونکانا چاہا لیکن وہ بڑے آرام سے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"تشریف لائیے۔"

"شکریہ۔" شاہ جہانگیر آ کر بیٹھ گئے۔ تو اس نے پہلے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر ایک طرح سے جتایا کہ کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے پھر انہیں دیکھ کر بولی۔

"فرمائیے۔ کیسے زحمت کی؟"

"میں صباحت کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں کیا سوچا ہے آپ نے۔" شاہ جہانگیر نے اس کا نروٹھا انداز ہوئے تمہید کا ارادہ ترک کر دیا۔

وہ اندر تک سلگ گئی تھی۔ دل چاہا اس شخص کو بری طرح بے عزت کر کے نکال باہر کرے۔ لیکن مدیحہ تھا جو اسے بہت ضبط کرنا پڑا پھر بھی جب بولی تو لہجے میں غصہ تھا۔

"آپ کو صباحت کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس بات سے سروکار کہ میں اس کے

"
اید بھول رہی ہیں کہ وہ میرے بیٹے علی کی منکوحہ ہے۔" انہوں نے فاتحانہ انداز میں جتایا تو وہ بھی تنفر

ں میں کچھ نہیں بھولی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ایک بار پہلے بھی آپ میرے باپ کے دروازے پر آئے

ری باتیں دہرانے نہیں آیا۔" وہ فوراً بولے تھے۔ "مجھے صرف صباحت کی رخصتی طے کرنی ہے۔"

یں شاہ جہانگیر حیات! اتنے نادان نہیں ہیں آپ۔ جو میرا جواب نہ جانتے ہوں۔ انسان ایک بار دھوکا
ر وہ بھی انجانے میں، سمجھے آپ اور اب آپ جا سکتے ہیں۔" وہ اب مزید ضبط نہیں کر سکتی تھی۔ انہیں
کر خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی تو شاہ جہانگیر اس کی تقلید کرتے ہوئے بولے۔

لطی کر رہی ہیں ڈاکٹر آسیہ۔"

، کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اپنی چیزیں سمیٹنے میں لگ گئی اور گو کہ شاہ جہانگیر بھی اس کی طرف
افزائی کی امید لے کر نہیں آئے تھے پھر بھی اس کا رویہ انتہائی ہتک آمیز لگا، بمشکل خود پر ضبط کرنے
لے تھے۔

یال ہے اس وقت آپ تھکی ہوئی ہیں۔ اس لیے میری بات سمجھ نہیں پا رہیں۔ گھر جا کر آرام سے
ر کوئی بھی فیصلہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ مدیحہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

لب ہے آپ کا۔" وہ ایک دم چیخی تھی۔

ی سلامتی کے لیے۔"

اپ جہانگیر حیات!" وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں پا سکی۔ "آپ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ ناؤ گیٹ

نگیر نے چند لمحے رک کر اس کے تپے ہوئے سرخ چہرے کو دیکھا پھر ذرا سے کندھے اچکا کر باہر نکل گئے
ا پر دونوں ہاتھ جما کر خود کو سہارا دیے کھڑی تھی ان کے جاتے ہی کرسی پر ڈھے گئی اور دونوں ہاتھوں میں
ذہن کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ مزید جسم سے جان بھی نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
بعد سسٹر کسی کام سے اس کے کمرے میں آئی تو اسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

امیڈم؟"

ے آواز سن کر بھی کوئی حرکت نہیں کی تو سسٹر جلدی سے جا کر گلوکوز بنا کر لے آئی اور اپنے ہاتھ سے گلاس
نٹوں سے لگا دیا۔

نٹ لے کر اس نے اپنا سر چیئر کی بیک پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔
ے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ پھر اس سے بولی۔

ہ آپ کے گھر سے فون ہے۔"

نقاہت محسوس کر رہی تھی۔ ذرا سی آنکھیں کھول کر سسٹر کو دیکھا اور آہستہ آواز میں بولی۔

میں فارغ نہیں ہوں۔"

ے اس کی بات دہرا کر فون بند کر دیا تو اس نے اسے جانے کا اشارہ کر کے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تنہائی
لیکن تنہائی کہاں تھی۔ بند پلکوں کے اندر ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔ جس میں تسلسل نہیں تھا۔ ماضی
واقعات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ایسے ہی چہرے اور آوازیں تھیں۔

ان رکھیں۔ کم از کم بیٹی کے معاملے میں تو میں کوئی کوتاہی نہیں کر سکتا۔ اچھا ہی سوچوں گا' اچھا ہی
"

شاہ سکندر نے کہا تھا اور ان کا اعتبار کر کے ہی اسے یہ دن دیکھنا پڑا تھا کہ دونوں بیٹیوں میں سے ایک کو اـ
اپنے ہاتھوں سے سولی چڑھانا تھا اور وہ کس کی طرف سے دل پر پتھر رکھے۔
”مدحو صبا۔“
”صبا مدحو۔“
بالکل غیر ارادی طور پر وہ انتخاب کرنے لگی تھی کہ ایک دم گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ جیسے بھیانک خ
سے جاگی ہو۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور پیشانی کے ساتھ ہتھیلیاں بھی پسینے سے تر ہو گئی تھیں۔
”میرے خدا!“ اس نے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا کر رگڑا پھر انگلیاں بالوں میں پھنسا کر سر کو زور زو
جھٹکے دے کر ایک طرح سے ساری سوچوں سے نجات حاصل کرنے کی سعی کی اور کسی حد تک کامیاب ہوئی ت
گھر کا خیال آیا۔ بارہ بج چکے تھے۔ گھڑی دیکھتے ہی وہ گاڑی کی چابی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ کبھی اس طرح اور اتنا نہیں روئی تھی۔ نہ کبھی کہیں شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈالے تھے۔ اس کے
ذرا سی زیادتی پر سارا گھر سر پر اٹھا لیتی تھی اور جب تک اپنی منوا نہیں لیتی چین سے نہیں ہوتی تھی۔ لیکن
کون تھا اس کی سننے والا۔ اتنے بڑے ریسٹ ہاؤس میں چوکیدار اس کی بیوی اور دو بچے جن پر چیخ چلا کر ا
حاصل نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ بابا جان کے حکم کے غلام تھے اور ان بے بسوں سے بھی بڑھ کر اس پر بے بس
ہوئی تھی جس نے اسے اتنا رلایا تھا۔ دوپہر سے شام ہو گئی اور پھر تاریکی کے ساتھ ساتھ خوفناک سناٹا پھیلنے
وہ جس کمرے میں بیٹھی تھی اس کی کھلی کھڑکیوں سے دور تک کہیں زندگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے،
پھیلا سبزہ دن کے اجالے میں جتنا دلکش تھا اب اتنا ہی خوفناک، اس نے چاہا کہ اٹھ کر کھڑکیاں بند کر د
ہمت ہی نہیں ہوئی تو سر گھٹنوں میں چھپا لیا۔
کچھ دیر بعد بٹن آن ہونے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ روشنی محسوس ہوئی تب ہی اس نے ڈرتے ڈر
کیا اور چوکیدار کی بیوی کو دیکھ کر کچھ ڈھارس بندھی تو پوچھنے لگی۔
”کوئی آیا ہے؟“
”نہیں بی بی! اس وقت کون آئے گا۔ آپ یہ کھانا کھا لو۔ دوپہر میں بھی نہیں کھایا۔“ چوکیدارنی نے
کے سامنے رکھی پھر نیچے بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔
”آپ روتی کیوں ہو۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔“
”یہ کون سی جگہ ہے؟“ اس نے ان سنی کر کے پوچھا۔
”یہ سکندر سائیں کی جاگیر ہے۔ آپ پہلے کبھی ادھر نہیں آئیں؟“ اس نے بتا کر پوچھا۔
”نہیں، پاپا آتے ہیں یہاں؟“
”کون؟“ وہ سمجھی نہیں۔
”پاپا! شاہ سکندر جن کی یہ جاگیر ہے۔ وہ یہاں آتے ہیں؟“ اس نے اپنی بات پر زور دے کر پوچھا۔
”میں تو جب سے یہاں ہوں نہیں آئے اس سے پہلے کا پتا نہیں۔ آپ بی بی کھانا بھی کھاؤ نا۔“ چو
ٹرے کو مزید اس کے سامنے کھسکایا تو اس نے پانی کا گلاس اٹھا لیا اور ایک گھونٹ لے کر پوچھنے لگی۔
”تم کب سے یہاں ہو اب یہ مت کہہ دینا کہ پیدا ہی یہیں ہوئی تھیں۔“
”نہیں جی۔ شادی ہو کر اور آئی۔ اس سے پہلے تو بڑے سائیں کی حویلی میں تھی۔ بڑی چوہ
خدمت کی ہے میں نے اور میری ماں وہ تو ابھی بھی ادھر ہی ہے۔“
”اچھا کون ہے تمہاری ماں؟“ اس نے گلاس رکھ کر کھانا شروع کرتے ہوئے پوچھا۔ اصل میں وا
جانے سے خائف تھی، اس لیے بات کو طول دے رہی تھی۔

”نیراں۔“
پھر تو مہراں تمہاری بہن ہوئی۔“
ہاں جی۔ آپ کو کیسے پتا؟“ چوکیدارنی اسے یوں دیکھنے لگی۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔
میں وہیں سے آ رہی ہوں۔“
ہیں جی۔ میں نے تو آپ کو ادھر نہیں دیکھا۔“
ہائی گاڈ!“ وہ اکتا گئی۔ ”تم کوئی اور بات نہیں کر سکتیں۔“
اور کیا بات کروں۔“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔
اچھا یہ بتاؤ، بابا جان دوبارہ کب آنے کو کہہ گئے ہیں۔“ اس نے فوراً اسے مشکل سے نکالا۔
پتا نہیں جی۔ میرے آدمی کو پتا ہو گا، پوچھ کر آؤں؟“ وہ اٹھنے لگی کہ اس نے روک دیا۔
نہیں، صبح میں خود معلوم کروں گی اور سنو۔ تم یہیں میرے پاس سونا۔ بے شک اپنے دونوں بچوں کو لے
“
اپنے آدمی سے پوچھتی ہوں۔ وہ کہے گا تو آ جاؤں گی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے سامنے سے ٹرے اٹھا کر
تو اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے سوچا۔
کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں کوئی حکمرانی کے نشے میں چور ہو کر بھی خوش نہیں اور کوئی غلامی میں بھی خوش۔“
کھانے کے بعد بدن میں کچھ توانائی آ گئی تھی اور ذہن بھی سوچنے کے قابل ہو گیا تھا البتہ اندر خوف جوں کا توں
تھا۔ جب ہی چوکیدارنی کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی اور وہ کوئی پندرہ منٹ کے بعد آئی تھی۔ اپنے
بچے کو سینے سے لگائے ہوئے۔ اس کے بیڈ کے برابر نیچے گدا بچھا کر بچے کو سلایا اور خود بھی اس کے ساتھ لیٹ
۔ تو وہ جو یہ ساری کارروائی خاموشی سے دیکھ رہی تھی فوراً پوچھنے لگی۔
تم سو رہی ہو؟“
نہیں جی۔ مجھے پتا ہے آپ کو ڈر لگ رہا ہے۔ جب تک آپ سو نہیں جاؤ گی میں نہیں سوتی۔“ اس نے لمبی
لے کر کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔
مجھے کوئی ڈر نہیں لگ رہا۔ تم سو جاؤ آرام سے۔“
ہاں جی۔“
ہاں جی۔“ اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔ چیخ کر بولی پھر سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ادھر سے ادھر
گئی۔
چوکیدارنی نے چپ سادھ لی اور کچھ دیر میں سو بھی گئی تھی۔ اور سونا تو وہ بھی چاہتی تھی، لیکن نیند کا کہیں پتا
تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی تو لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ کر لیٹی اور کھڑکی سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں آسمان
سینے پر جگمگاتے ستاروں میں بھٹکنے لگیں۔ جبکہ ذہن کے دریچوں پر ایسی ہی ننھی ننھی قندیلیں جلنے بجھنے لگی
۔
ان جو لوٹ کر نہیں آنے تھے۔ سب کی محبتوں کے ساتھ اسے اس کے منفی رویوں کی چھب دکھلا رہے
۔
کا قصداً“ الماری زور سے بند کرنا کہ ادھر نبیل بھائی اپنے کمرے میں اچھل پڑتے۔
بہر خواہ مخواہ کا رعب جمانا۔
جو کبھی مما ڈانٹ دیتیں تو وہ فوراً“ شاکی ہو کر دھمکی دیتی۔
اپنے باپ کے پاس چلی جاؤں گی۔
قدر خائف کر دیتی تھی وہ اپنے ایک جملے سے سب کو خصوصاً“ صبا تو اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رو پڑتی

تھی۔

"خدا کے لیے مدحو! تم شاہ سکندر کا خیال چھوڑ دو۔"

"کیوں، کیوں چھوڑ دوں۔ میرا باپ ہے وہ" کتنا زعم تھا اسے۔ جونیل کے سمجھانے کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔ جو وہ جب بھی انہیں موقع ملتا اسے اور صبا کو احساس دلاتے تھے کہ ان دونوں کو صرف اپنی مما کا خیال چاہیے جنہوں نے ان کی خاطر اپنی زندگی تیاگ دی اور یہی سچ تھا لیکن اس کے اندر تو جیسے احساس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ الٹا ضد باندھ لیتی۔

پھر احمر نے باہر شادی کیا کی اس کے دل میں ہر ایک کے خلاف نفرت بھر گئی تھی۔

اف ایک شخص کا بدلہ میں نے کس کس سے نہیں لیا۔ مامی جی، سونیا آپی بھلا ان کا کیا قصور تھا اور مما کو تنگ کیا میں نے۔ اس کی آنکھیں یکبارگی پانیوں سے بھر گئیں اور پھر ہر شخص کے ساتھ اپنا رویہ سوچ کر وہ رو رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

صبح جب سورج کی کرنیں براہ راست اس کے چہرے پر پڑیں تب وہ اٹھی تھی اور منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ شاہ تیمور کی آواز سن کر رک گئی۔

"بی بی کہاں ہے؟" وہ چوکیدارنی سے اس کا پوچھ رہا تھا۔

"سو رہی ہیں۔"

"شور تو نہیں مچایا تھا اس نے؟"

"نہیں جی، شور تو نہیں مچایا پر روئی بہت تھیں۔" چوکیدارنی کے جواب پر وہ جزبز ہونے لگی۔

"کھانا کھایا تھا؟"

"دوپہر میں تو نہیں رات میں کھایا تھا۔"

"اچھا، جاؤ اٹھاؤ اسے۔" وہ تحکم سے کہہ رہا تھا۔

وہ جلدی سے دروازے کے پاس سے ہٹ کر دوبارہ واش روم میں بند ہو گئی اور خود کو اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے لگی۔ رات اس نے اس نہج پر نہیں سوچا تھا کہ بابا جان کے اس اقدام پر اسے کیا ردعمل ظاہر کرنا چاہیے ابھی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بس یہ خیال تھا کہ اسے کمزور نہیں پڑنا اور نہ ہی لڑنا ہے۔ کیونکہ جانتی تھی کہ وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

چوکیدارنی اس کے دروازے پر دستک دے کر جا چکی تھی۔ اس کے بعد بھی وہ کتنی دیر سوچتی رہی۔ پھر باہر آئی تو شاہ تیمور کو دیکھتے ہی کھلتی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"ہیلو کزن، کیسے ہو؟"

شاہ تیمور غالباً کچھ اور سوچے بیٹھا تھا جب ہی حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

"بابا جان نہیں آئے؟" وہ اس کی حیرت سے نظریں چرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" شاہ تیمور نے اس کی بات ان سنی کر کے پوچھا تو وہ بے اختیار اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"میری طبیعت کو کیا ہوا؟"

"شریفاں بتا رہی تھی، کل تم روتی رہی ہو۔" وہ اس کے چہرے پر جانے کیا کھوجنے لگا تھا۔

"ہاں، میں بہت روئی۔" وہ سادگی سے اعتراف کرتے ہوئے بولی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر جو چلے گئے تھے۔ اگر کراچی نہیں لے جانا تھا تو صاف منع کر دیتے۔ میں نے وہاں

کوئی اتنی ضد تو نہیں کی تھی خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں اب کیا پروگرام ہے؟"

"فی الحال تمہیں یہیں رہنا ہے۔" وہ فوراً کہہ گیا پھر فوراً ہی وضاحت بھی کرنے لگا۔ "میرا مطلب ہے تم بور ہو گئی تھیں، اس لیے بابا جان نے پروگرام بنایا کہ تمہیں تمام رقبوں کی سیر کرائی جائے تاکہ تم فریش ہو (جاؤ)۔"

"اوہ مائی گاڈ! اس کے علاوہ اور کتنے رقبے ہیں۔" وہ متاثر نظر آنے لگی۔

"بہت ہیں۔ تم پہلے ناشتا کر لو پھر چلتے ہیں۔" اس نے کہہ کر شریفاں کو پکارا اور اس کے آنے پر مدحیہ کے لیے ناشتا لانے کو کہا تو وہ بول پڑی۔

"چائے ضرور لانا۔ میں نے کل سے چائے نہیں پی۔" پھر آرام سے بیٹھتے ہوئے شاہ تیمور سے بولی "اور کزن کو بھی لے آتے۔"

"لے آؤں گا، کل لے آؤں گا۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو اندر کے خوف کے باعث اس نے فوراً پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟"

اسے دیکھ کر مسکرایا یوں جیسے سمجھ گیا ہو۔

"میرا مطلب ہے، آپ ناشتا نہیں کریں گے؟" اس نے جزبز ہو کر بات بنائی۔

"نہیں، البتہ چائے پی لوں گا۔" وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد شریفاں ناشتا لے آئی تو اس نے پہلے چائے بنا کر ایک کپ اسے تھمایا پھر خود ناشتے میں مصروف ہو گئی۔

"سنو، تم کراچی کیوں جانا چاہتی ہو؟" قدرے توقف سے شاہ تیمور نے اسے مخاطب کر کے پوچھا تو وہ سوچ کر بولی۔

"اصل میں تو مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ وہاں میرا کالج ہے۔ کراچی تو بس ایک دو دن رہوں گی۔ کچھ اپنی چیزیں لینی ہیں اور مما سے یہ پوچھنا ہے کہ وہ صبا کی رخصتی کب کر رہی ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، وہ اسے رخصت کر دیں گی؟"

"کرنا تو چاہیے۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر رومال سے ہاتھ صاف کرنے لگی پھر چائے کا آخری گھونٹ لے کر بولی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا اس بات کو اتنا مسئلہ کیوں بنا لیا گیا ہے۔ کیا یہ معاملہ آرام سے بیٹھ کر طے نہیں ہو سکتا؟"

"بابا جان کی مرضی وہ جیسے بھی طے کریں۔ یہ ہمارے سوچنے اور سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں۔ چلو۔" وہ موضوع بدلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہونہہ بابا جان کی مرضی۔" وہ تنفر سے سوچتی اس کے پیچھے باہر نکلی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اسے شاہ پور والوں سے کوئی اچھی امید تو نہیں تھی لیکن یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ صباحت کے حصول کے لیے وہ اس کو باقاعدہ یرغمال بنا لیں گے، اور پھر بیٹی کے بدلے بیٹی کی شرط رکھ کر اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کریں گے۔ وہ اس کی طرف سے مطمئن تو پہلے بھی نہیں تھی بس یہ خیال تھا کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں ہے جہاں اگر وہ آرام سے نہیں تو تکلیف میں بھی نہیں ہوگی، اس لیے اس نے ابھی تک مدحیہ کی واپسی کے لیے کوئی پیش رفت نہیں کی۔ دوسرے اسے یہ بھی یقین تھا کہ جس روز مدحیہ کا وہاں سے دل اچاٹ ہو گیا۔ وہ اسی روز واپس آ جائے گی۔ مدحیہ تو اسے اب معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنی خوشی سے وہاں نہیں رہ رہی بلکہ اس کے باپ دادا نے زبردستی اسے روکا ہے تاکہ اسے چارے کے طور پر استعمال کر سکیں۔ یعنی ان کے نزدیک مدحیہ کی کوئی اہمیت نہیں تھی تو ایسی

صورت میں وہ صباحت کو وہاں بھیجنے کا کیسے سوچ سکتی تھی۔ وہ بھی اس کی بیٹی تھی۔

شاہ جہانگیر کو تو رات اس نے صاف جواب دے دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد سے اب تک اسے ایک پل چین نہیں آیا تھا سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح مدحیہ کو ان کے چنگل سے نکال لائے۔ اس کی سلامتی کے لیے اپنی انا، خودداری، وقار سب داؤ پر لگا سکتی ہے جیسے برسوں پہلے شاہ سکندر کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ اسی دم شاہ سکندر کا خیال آیا تو اس کے اندر دبتے لاوے میں شدت آگئی تھی۔ کاش وہ بھرے مجمعے میں اس شخص کا گریبان پکڑ سکتی۔

"لیکن میں اسے آئینہ تو دکھا سکتی ہوں۔" اس نے کھولتے ہوئے دماغ سے سوچا اور اسی وقت کارڈلیس اٹھایا لیکن ان کا کوئی نمبر اس کے پاس نہیں تھا۔ برسوں پہلے جب شاہ پور فون کیا تھا۔ تب بھی ڈائریکٹری میں نمبر دیکھا اور ابھی پتا نہیں وہ کہاں تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صباحت نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور غالباً کچھ کہنے کو اندر آئی تھی لیکن اسے ابھی تک بستر میں دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"مما! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ہاں کیوں؟" اسے اس وقت صباحت کی مداخلت سخت ناگوار گزری تھی۔

"صبح سے کمرے میں جو بند ہیں، اس لیے پوچھ رہی ہوں۔ گیارہ بج رہے ہیں۔ کلینک نہیں جانا آپ نے؟" صباحت اس کے کیوں سے قدرے سٹپٹا کر بولی تھی۔

"نہیں، اس وقت نہیں جاؤں گی، سسٹر کا فون آئے تو منع کر دینا۔ کہنا شام میں آؤں گی۔"

"اچھا! میں یہ بتانے آئی تھی کہ میں نیچے اماں جی کے پاس جا رہی ہوں۔ کوئی کام ہو تو بلا لیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے، جاؤ اور یہ دروازہ بند کر دو۔" وہ سرسری انداز میں کہہ کر اپنے لیے تکیہ ٹھیک کرنے میں لگ گئی۔ پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر سیدھی ہوئی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کارڈلیس پر علی جہانگیر کے نمبر ملانے لگی۔

"یس، شاہ علی جہانگیر!" تیسری بیل کے بعد اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں ڈاکٹر آسیہ بات کر رہی ہوں۔" اس نے خاصے روکھے انداز میں کہا تو ادھر سے وہ فوراً بولا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام کیا تم بتا سکتے ہو کہ شاہ سکندر حیات اس وقت کہاں ہوں گے؟" اس نے مختصر جواب کے بعد پوچھا۔

"جی اس وقت کوئٹہ میں ہیں اور شام چھ بجے وہاں سے اسلام آباد کے لیے روانہ ہوں گے۔" اس نے شاہ سکندر کا اگلا پروگرام بھی بتا ڈالا۔

"کوئٹہ کا کوئی نمبر یا موبائل نمبر؟" اس نے سائیڈ کارنر سے پین اور ڈائری اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی موبائل نمبر ہے۔" علی جہانگیر نمبر بتا کر کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اس نے فوراً "شکریہ" کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور پھر خود کو شاہ سکندر سے بات کرنے کے لیے تیار کرنے کے بعد ان کے نمبر ملائے تھے۔

"یس، شاہ سکندر حیات!" بالکل وہی انداز تھا جو اس سے پہلے علی جہانگیر کا تھا۔

"جی، میں ڈاکٹر آسیہ۔" اس بار وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"کیسی ہیں آپ؟" ان کے لہجے میں یک لخت اشتیاق در آیا تھا اور وہ جو پھٹ پڑنے کو تیار تھی، بمشکل ضبط کر سکی۔

"میرے جواب سے آپ کو مایوسی ہوگی۔ یعنی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ یکسر ان سنی کر کے پوچھنے لگی۔

"میری بیٹی مدحیہ کہاں ہے؟"

...ر میں، خیریت۔"

...دحیہ کی خیریت مطلوب ہے۔" وہ ایک دم تیز ہو کر بولی تھی۔

...ل ٹھیک ہے۔ کیا کسی نے اس کے بارے میں کچھ کہا آپ سے؟" شاہ سکندر اس بار کچھ ٹھٹکے تھے۔

...کے بھائی شاہ جہانگیر آئے تھے میرے پاس۔ موصوف یہ کہہ گئے ہیں کہ اگر میں مدحیہ کی سلامتی چاہتی ...ت کو ان کے بیٹے کے ساتھ رخصت کر دوں۔" اس نے چبا چبا کر کہا تو دوسری طرف ایک دم خاموشی ...

"شاہ سکندر حیات! آپ سن لیں۔ اگر میری بیٹی مدحیہ کو کچھ ہوا تو۔"

"نہیں ڈاکٹر آسیہ! آپ اطمینان رکھیں، اسے کچھ نہیں ہو گا۔" وہ فوراً بولے تھے۔ "کسی میں اتنی ...ں ہے کہ میری بیٹی کو ہاتھ بھی لگا سکے۔ جہانگیر بھائی نے جو کچھ کہا، اس کے لیے میں آپ سے معافی ... وہ شاید اس صورت حال سے بوکھلا گئے ہیں۔"

"یہ سب نہیں جانتی۔ آپ مدحیہ سے کہیں فوراً واپس آجائے۔ مجھے اس کی طرف سے بہت تشویش ...ہے۔"

"تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ صرف آپ کی ہی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔" شاہ سکندر گو کہ شاہ ...ے اس اقدام پر اندر ہی اندر تلملا رہے تھے، لیکن اسے مسلسل اطمینان دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ... اور آپ اس کے لیے اچھا سوچیں گے، اچھا کریں گے۔ جیسے صباحت کے لیے۔" اس نے ان کی بات پر ...ز کیا۔

"... اس بات پر بحث نہیں کروں گا۔ کیونکہ آپ صرف ایک پہلو سے سوچ رہی ہیں اور ہاں آپ کو مدحیہ کی ...ی ضرورت نہیں ہے وہ اب میری ذمہ داری ہے اور صباحت پر بھی آپ مکمل اختیار نہیں رکھتیں۔ اس ...ے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیجیے گا۔"

... لہجہ اچانک بدل گیا تھا۔ جانے اس کا طنز کرنا برا لگا تھا یا کوئی اور بات یاد آئی تھی۔ وہ بہرحال چند لحظہ کو ...ں آگئی پھر ایک دم جیسے ہوش میں آکر انہیں پکارا لیکن ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

"...نٹ!" اس کا دماغ کھولنے لگا تھا۔ دل چاہا ہر شے تہس نہس کر دے۔

"...سمجھتے ہیں شاہ پور والے، میں ان کی دھمکیوں سے مرعوب ہو جاؤں گی۔ ہرگز نہیں۔ وہ میرا معاملہ تھا جو ... خاموشی اختیار کر لی تھی۔ مدحو اور صبا کے لیے تو میں زمین آسمان ایک کر دوں گی۔ بڑے آئے حق جتانے ...ے پوچھ کر فیصلہ کروں ہونہہ۔"

...ر تند سے سوچ رہی تھی اور پھر اسی وقت ایک فیصلہ کر کے ہی اٹھی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

...اور نبیل کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر ادھر سے ادھر چکراتی رہی، پھر اپنی الماری ٹھیک کرنے کھڑی ہو گئی۔ ...ا کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن کرنے کو اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔ جب سے نبیل نے اس کا کالج جانا بند ...ا اس کا خود سے بھی کچھ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا تھا اور کام بھی کوئی اتنے نہیں ہوتے تھے۔ سارا وقت بیکار ...ے اس کا ذہن بھی متاثر ہو رہا تھا۔ کوئی اچھا خیال تو آتا ہی نہیں تھا اور وقت بھی جیسے ٹھہر سا گیا تھا یا اسے ... صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے اور بس، کہیں کوئی ہلچل نہیں تھی کسی کسی وقت اس کا دل چاہتا وہ مدحیہ کی ... اچھلا کر سب کو اپنی طرف متوجہ کرے اور پھر خوب ہنسے یا خوب روئے۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہونے ... وہ سب کچھ آسیہ پر چھوڑ کر بھی چین سے نہیں تھی۔ کیونکہ اسے اب علی جہانگیر کا خیال آتا تھا۔ جس کا ...تا کہ وہ شاہ جہانگیر کا بیٹا تھا اور یہ قصور کم از کم آسیہ تو معاف نہیں کر سکتی تھی۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی ... اس لیے بہت چاہنے کے باوجود وہ علی جہانگیر کو فون نہیں کر رہی تھی کہ کہیں اس کی محبت میں ہار کر وہ اپنی ماں

کو غلط نہ سمجھنے لگے۔ وہ حقیقتاً "اب دوراہے پہ آکھڑی ہوئی تھی۔

"صبا بٹیا! فون آیا ہے۔" بوا نے اس کے کمرے کے دروازے میں آکر پکار کر کہا تو وہ الماری کا پٹ بند کر پوچھنے لگی۔

"کس کا ہے؟"

"پتا نہیں کون ہے، پہلے نبیل میاں کا پوچھا میں نے کہا نہیں ہیں تو بولا گھر میں جو بھی ہے بلا دیں۔" بوا تفـ بتانے کھڑی ہوگئی تھیں۔ وہ درمیان ہی میں نکل کر لابی میں آگئی اور ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف علی تھا۔ چھوٹتے ہی بولا۔

"یار! تمہیں ذرا احساس نہیں۔ میں کتنی شدت سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"کیوں؟" وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

"کیوں کا کیا مطلب؟ کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ میری باتوں کو سوچنے کے بعد مجھے فون کرو گی۔" علی جہانگیر۔ دلایا تو وہ آزردگی میں گھر کر بولی۔

"مجھے یاد ہے۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ میں نے کچھ نہیں سوچا اور نہ سوچوں گی۔ اس لیے نہیں کہ مجھے آپ کی باتوں سے اختلاف ہے، مجھے مما کا خیال ہے اور میں کسی مقام پر بھی ان سے نظریں نہیں چرا سکتی۔" وہ ہنوز آزردہ سی صاف گوئی سے کہہ رہی تھی۔

"اب میں تم سے کیا کہوں۔" وہ جیسے عاجز آگیا تھا۔

"کچھ نہ کہیں، کیونکہ میں کچھ نہیں کرسکتی۔"

"اچھا سنو، تمہیں معلوم ہے۔ آج تمہاری مما نے مجھے فون کیا تھا۔" علی جہانگیر نے اصل میں یہی جانـ لیے اس وقت فون کیا تھا۔

"نہیں، کیا کہا انہوں نے آپ سے؟" اس نے لاعلمی کے اظہار کے ساتھ فوراً" پوچھا۔

"تمہارے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ سکندر چچا کا پوچھا اور ان کا موبائل نمبر لیا تھا۔ اس کے بعد مجھے معلوم انہوں نے سکندر چچا سے بات کی یا نہیں میں صبح سے ٹرائی کر رہا ہوں لیکن سکندر چچا کا موبائل بند پڑا۔ اب پتا نہیں تمہاری مما سے بات کرنے کے بعد انہوں نے بند کیا ہے یا۔"

وہ اس انداز سے بول رہا تھا جیسے اس کا دھیان اس بات کی طرف ہو کہ شاہ سکندر اور آسیہ کے درمیان کیا ہوئی ہوگی۔

اور اس کا دھیان آسیہ کی طرف چلا گیا کہ صبح وہ کلینک نہیں گئی تھی اور اپنے کمرے میں بند رہی تھی۔

"ہیلو صبا!" قدرے توقف سے علی جہانگیر نے پکارا تو وہ چونک کر بولی۔

"جی۔"

"تم آج کل کالج نہیں جا رہیں؟"

"نہیں۔"

"کہیں میری وجہ سے تو نہیں چھوڑ دیا۔ دیکھو سچ بتانا۔"

وہ خاموش رہی جبکہ اس کے قیاس پر دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"بیوقوف لڑکی! تم کیا سمجھتی ہو، میں تمہیں اس گھر سے اٹھا کر نہیں لے جا سکتا۔ سب کی موجودگی میں جانے کی جرات رکھتا ہوں۔ سمجھیں تم۔"

"میرے خدا!" اس نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا اور بھاگ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ یوں جیسے وہ ابھی آرہا ہو۔

بعد پھر فون کی بیل بجنے لگی تھی۔ لیکن وہ نہیں گئی اور جب بوا کو جاتے دیکھا تو انہیں بھی روک دیا۔ کیونکہ یقین تھا کہ وہی ہوگا جو اسے اس مقام پر لے آیا تھا کہ وہ کسی معجزے کے رونما ہونے کی دعا کرنے لگی تھی۔ کا خوشی سے مان جانا معجزہ ہی ہوسکتا تھا۔

تنی دیر وہ وقفے وقفے سے فون کی بیل سنتی رہی پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوگیا تب اس کی باتوں کو سوچتے ہوئے کا ذہن اس بات پر اٹک گیا کہ آسیہ نے شاہ سکندر کو فون کیوں کیا اور کیا بات ہوئی۔ کبھی اسے اپنا خیال آتا دیہ کا اور دونوں میں سے کسی کے متعلق بھی بات کی ہو، اسے بہرحال حیرت ہو رہی تھی کہ اس کی ماں جو کا فون صرف اس لیے نہیں سنتی تھی کہ وہ شاہ پور سے آتا تھا اس نے خود سے شاہ سکندر کو فون کیسے کرلیا۔ کیا نی مجبور ہوگئی ہے یا بہت جرات مند ہر دو صورتوں میں اسے بہرحال ایک دھڑکا سا لگ گیا تھا اور وہ شدت سے کا انتظار کرنے لگی، کیونکہ وہی اسے خدشات سے نکالتے تھے اور روزانہ تو نبیل آٹھ بجے تک آجاتے تھے روز جانے کہاں رہ گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے سے ٹیرس اور ٹیرس سے کمرے تک کے چکر لگا کر تھک گئی اور ی آمد ہوئی بھی تو نو بجے وہ بھی آسیہ کے ساتھ جس سے وہ فوراً" کچھ کہنے سے رہ گئی۔ البتہ ٹوکنے سے باز نہیں

"آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"میں پھوپھو کے ساتھ تھا۔" نبیل نے بے دھیانی میں جواب دیا اور اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتے، آسیہ اس بولی۔

"بیٹا! جاؤ پہلے کھانا لگاؤ۔"

نبیل کو دیکھتی ہوئی وہیں سے کچن میں چلی گئی۔

پھر کھانے کے بعد وہ معمول کے مطابق نبیل کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں آئی تو خلاف معمول وہ ے ادھر ٹہل رہے تھے۔ اسے دیکھا تو رک گئے اور اسٹک سے چائے کا مگ کارنر ٹیبل پر رکھنے کا اشارا کیا تو رتی ہوئی آواز میں بولی۔

مجھے جانے کا اشارہ نہیں کیجیے گا۔ میں نہیں جاؤں گی۔"

کیوں؟"

بس۔" وہ مگ کارنر پر رکھ کر آرام سے صوفے میں دھنس گئی۔ تو نبیل کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر اس ں آکر بیٹھتے ہی پوچھنے لگے۔

ہاں، کیا بات پریشان کر رہی ہے تمہیں؟"

"شام میں علی جہانگیر کا فون آیا تھا۔" اس نے رک رک کر بتایا اور نبیل نے ایک دم گردن موڑ کر اسے دیکھا جھکا کر بولی۔

"میں نے نہیں انہوں نے کیا تھا۔"

تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

پریشانی کی بات وہ ہے جو انہوں نے بتائی۔" اس نے فوراً" کہا تو نبیل ایک بار پھر چونکے تھے۔

کیا، کیا بتایا ہے اس نے؟"

بتا رہے تھے۔ آج مما نے شاہ سکندر کو فون کیا تھا۔" اپنے تئیں اس نے بڑے راز کا انکشاف کیا لیکن نبیل ہلا سر جھٹکا جیسے یہ کوئی اہم بات نہ ہو اور چائے کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

آپ کو حیرت نہیں ہوئی نبیل بھائی۔"

اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟" نبیل نے اطمینان سے کہا تو وہ الجھ کر بولی۔

ہے کیوں نہیں۔ مما تو شاہ سکندر کا نام بھی نہیں سننا چاہتی تھیں پھر انہیں فون کرنے کا مطلب۔"

"مدحیہ، مدحیہ کے لیے فون کیا تھا۔ اسے واپس بلانا چاہتی ہیں لیکن۔" نبیل ایک دم خاموش ہو گئے۔
"لیکن کیا، وہ نہیں آنا چاہتی؟" اس نے فوراً پوچھا تو نبیل گہری سانس کھینچ کر کہنے لگے۔
"پتا نہیں وہ کیا چاہتی ہے۔ شاید آنا چاہتی ہے لیکن شاہ پور والے اسے نہیں آنے دے رہے۔ ان کا کہنا ہے پہلے تمہیں رخصت کریں پھر وہ مدحیہ کو یہاں بھیجیں گے۔ یہ انتہائی واہیات کوشش ہے ان کی پھوپھو کو بلیک میل کر رہے ہیں۔"
وہ سناٹے میں آ کر انہیں دیکھے جا رہی تھی۔
"اب تک ہم یہ سمجھتے رہے کہ مدحو وہاں اپنی مرضی سے رہ رہی ہے اور خوش ہے لیکن وہ خوش نہیں ہے۔ یہ جانتا ہوں۔ وہ اس گھر کے علاوہ کہیں نہیں رہ سکتی۔ اس پر جبر کیا گیا تو وہ مر جائے گی۔"
"اف نہیں۔" وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تو نبیل ایک نظر اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔
کچھ دیر بعد وہ ہاتھ نیچے گرا کر پوچھنے لگی۔
"پھر آپ اسے کیسے لائیں گے؟"
"لے آئیں گے پہلے تمہارا معاملہ نمٹا لیں۔" نبیل نے ہاتھ بڑھا کر تکیے کے نیچے سے ایک لفافہ کھینچا۔ اسے دیکھ کر بولے۔ "پھوپھو نے تمہارے بارے میں فیصلہ کر لیا ہے۔"
وہ کچھ بولی نہیں لیکن اس کی نظریں ان کے ہاتھوں میں پکڑے لفافے پر جا پڑی تھیں جبکہ اندر دل یکلخت خاموش ہو گیا تھا۔
"مدحیہ کو بھیجنے کے لیے جو شرط انہوں نے رکھی ہے۔ پھوپھو پہلے اس کا خاتمہ کر رہی ہیں۔ اس کے بعد وہ دعوا نہیں کر سکیں گے۔"
نبیل نے کہتے ہوئے لفافے میں سے پیپرز نکال کر اس کے سامنے کر دیے جن پر ایک نظر ڈال کر اس نے ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھا تو وہ قدرے رک کر بولے۔
"خلع کے کاغذات ہیں، سائن کر دو۔"
اس کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کورٹ پیپر دیکھنے لگی، جس پر اس کی طرف تحریر لکھی گئی تھی۔ کیا ستم ظریفی تھی کہ اپنے دل کی بستی اسے اپنے ہاتھوں سے اجاڑنی تھی اور کوئی احتجاج نہیں کرنا تھا۔ کیونکہ پہلے مرحلے پر ہی اس نے فیصلے کا اختیار آسیہ کو سونپ دیا تھا۔
نبیل نے پین اس کے ہاتھ میں تھما کر پیپر پر اس جگہ اپنی انگلی رکھ دی جہاں اسے سائن کرنا تھا۔
اس کی آنکھیں یکبارگی پانیوں سے بھر گئیں اور اس سے پہلے کہ کوئی قطرہ پلکوں سے گرتا۔ وہ سائن کر کے کھڑی ہوئی اور تیزی سے جانے لگی کہ نبیل پکار کر بولے۔
"سنو، میں جانتا ہوں تم پھوپھو کے اس فیصلے سے خوش نہیں ہو۔ اگر کہو تو میں انہیں مزید اقدام سے روکنے کی کوشش کروں۔"
"نہیں نبیل بھائی! مما نے اپنی ساری زندگی ہمارے لیے وقف کر دی۔ میں کیا ان کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتی کہ ان کے فیصلے کو قبول کر لوں۔"
وہ بہت ضبط سے کہہ کر ان کے کمرے سے نکل آئی لیکن اپنے کمرے میں پہنچنے سے پہلے ہی اس کی آنکھوں سے پانی چھلک گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

شاہ سکندر کے تین دن اسلام آباد میں بے انتہا مصروف گزرے تھے۔ لیکن اس مصروفیت میں بھی انہیں مدحیہ کا خیال آ رہا تھا اور انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے شاہ پور نہیں رہنے دیں گے۔ جیسا کہ اس نے بتایا تھا کہ وہ اسلام آباد میں پڑھتی ہے تو وہ اس بہانے اسے اسلام آباد لے آئیں گے اور ہاسٹل میں اس کی رہائش کا انتظام کر دیں گے، اور جب تک آسیہ کا ان کی طرف سے دل صاف نہیں ہو جاتا اور بخوشی انہیں دونوں بیٹیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دے دیتی وہ مدحیہ کو اعتماد میں لے کر آسیہ سے دور ہی رکھیں گے، کیونکہ اس عرصے میں ان کے دل میں الماس اور آغا کے برابر جگہ بنا چکی تھی۔ اس لیے اب ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ آسیہ کی خوشی کی خاطر ہمیشہ کے لیے مدحیہ اور صبا سے دستبردار ہو جاتے۔ ایک بار پہلے وہ آسیہ کی خاطر ایسا کر چکے تھے لیکن انہیں صرف اس کا خیال تھا اور اب اس کے خیال کے ساتھ بیٹیوں کا احساس بھی تھا جنہیں وہ سمجھتے تھے اب ان کی ضرورت ہے۔ ان کی ماں لاکھ پڑھی لکھی ذہین عورت سہی پھر بھی تنہا ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔
بہرحال تین روز بعد جب وہ اسلام آباد کی مصروفیات سے نکل کر شاہ پور پہنچے تو سیدھے مدحیہ کے کمرے میں گئے تھے اور اسے موجود نہ پا کر یہی سمجھے کہ کہیں ادھر ادھر یا بی بی جان کے پاس ہو گی، اس لیے اپنے کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے مہرالنساء سے اس کے بارے میں فوراً نہیں پوچھا تھا۔ یوں بھی مہرالنساء کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی ان کی ساری توجہ اس کی اولاد پر مرکوز رہے۔
"آغا کہاں ہے؟" وہ جب ایزی ہو کر بیٹھے تو پہلے مہرالنساء سے آغا کا پوچھا تھا۔
"ہارون لالہ کی طرف گیا ہے۔" مہرالنساء نے بتایا۔
"خیریت۔ تم نے کسی کام سے بھیجا ہے یا۔"
"شہربانو نے بلوایا تھا۔" مہرالنساء فوراً بولی تھی۔ "ہو گا اسے کوئی کام۔ آغا آئے گا تو خود ہی اس سے پوچھ لیں۔"
"تم نے نہیں پوچھا تھا؟" انہیں مہرالنساء کی غیر ذمہ داری بہت کھٹکتی تھی جب ہی ٹوکے بغیر رہ نہیں سکے۔
"مجھے کہاں بتاتا ہے۔" وہ صاف دامن بچا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چائے کا کہوں جیراں سے؟"
"ہاں اور ذرا مدحیہ کو میرے پاس بھیج دو۔" انہوں نے کہا تو وہ جاتے جاتے رک کر بولی۔
"وہ تو چلی گئی۔"
"کہاں؟" وہ ایک دم سیدھے ہو بیٹھے۔
"کراچی، اپنی ماں کے پاس۔" مہرالنساء کا انداز بے حد سرسری تھا۔
"کب کس کے ساتھ گئی ہے؟" ان کی پیشانی پر ایک ساتھ کئی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔
"پتا نہیں شاید بابا جان لے گئے تھے۔"
"بابا جان!" وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"کہاں جا رہے ہیں۔ میں چائے کا۔"
اسے بولتا چھوڑ کر کمرے سے نکل آئے تھے۔
کچھ دیر بعد وہ بابا جان کے کمرے میں داخل ہوئے اور انہیں سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ کیونکہ بابا جان کسی سے بات کر رہے تھے اور جب اسے فارغ کر کے ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے دوبارہ سلام کیا۔
"السلام علیکم!"
"خوش رہو۔ کب آئے؟" بابا جان نے خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔
"کچھ دیر ہوئی۔ ابھی مہرالنساء نے بتایا ہے کہ آپ مدحیہ کو کراچی چھوڑ آئے ہیں۔" انہوں نے جواب کے بعد بغیر کسی تمہید کے اپنی بات کہہ دی۔
"ہاں، بہت ضد کر رہی تھی شاید گھبرا گئی تھی یہاں۔ شہر والوں کا بھلا کہاں دل لگتا ہے گاؤں میں۔" بابا جان تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر جانے کیا تلاش کرتے ہوئے بول رہے تھے۔
"لیکن بابا جان! آپ کو میرا انتظار تو کرنا چاہیے تھا۔" وہ مدحیہ کے جانے کی تصدیق ہونے پر الجھ گئے تھے۔
"کہا تھا ہم نے اس سے کہ اپنے باپ سے مل کر جانا لیکن وہ نہیں مانی کہنے لگی۔ میں کوئی ہمیشہ کے لیے تو نہیں جا رہی، پھر آؤں گی تو بابا سے مل لوں گی۔" بابا جان نے مدحیہ کے الفاظ دہرا کر انہیں دیکھا تھا۔

"پتا نہیں پھر آئے گی بھی کہ نہیں۔" انہوں نے خود کلامی کے انداز میں کہا تھا۔ لیکن بابا جان سن کر بولے۔

"ضرور آئے گی۔ وعدہ کیا ہے اس نے ہم سے۔"

"آپ خود چھوڑ کر آئے ہیں اسے یا کسی کے ساتھ بھیجا ہے۔" انہوں نے اچانک کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"کسی کے ساتھ کیوں بھیجتے' ہم خود لے کر گئے تھے اور اس کے گھر کے سامنے اتار کر آئے ہیں۔"

بابا جان نے اس انداز سے کہا جیسے انہیں کسی کے ساتھ بھیجنے والی بات بری لگی ہو۔

"اچھا!" شاہ سکندر یقین کر بھی رہے تھے اور نہیں بھی اور اندر ہی اندر الجھ بھی رہے تھے کہ پانچ روز پہلے آسیہ نے فون پر ان سے جو کچھ کہا تھا۔ اس میں کتنی صداقت تھی۔

"ابھی رہو گے یہاں یا پھر کہیں جانا ہے؟" بابا جان نے انہیں سوچتے دیکھ کر فوراً" ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"بس دو دن ہوں پھر کینیڈا جانا ہے۔" انہوں نے سرسری اپنا پروگرام بتایا پھر پوچھنے لگے۔ "آپ کو معلوم ہے جہانگیر بھائی ڈاکٹر آسیہ کے پاس گئے تھے۔"

"اچھا کب؟" بابا جان یکسر انجان بن گئے۔

"غالباً" ایک ہفتے پہلے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ڈاکٹر آسیہ کا فون آیا تھا۔ بتا رہی تھیں' جہانگیر بھائی نے صباحت کی رخصتی پر زور دیا اور جب وہ نہیں مانیں تو دھمکی کے طور پر یہ کہہ آئے کہ مدحیہ ان کے قبضے میں ہے۔" شاہ سکندر صاف گوئی سے بتا کر کہنے لگے۔

"جہانگیر بھائی بہت غلط کر رہے ہیں۔ میں اپنی بیٹیوں کے بارے میں کوئی ایسی بات برداشت نہیں کروں گا برسوں پہلے آپ نے آسیہ اور اس کے گھر والوں کو مار دینے کی دھمکی دی تھی۔ لیکن اب آپ سن لیں کہ اس گھر میں میری بیٹیاں رہتی ہیں۔ دھمکی تو دور کی بات اگر انہیں کوئی نقصان پہنچانے کا سوچا بھی گیا تو۔"

وہ قصداً" بات ادھوری چھوڑ کر ہونٹ بھینچ گئے۔

"تم ناحق بدگمان ہو رہے ہو سکندر۔ تمہاری بیٹیاں کیا ہماری کچھ نہیں لگتیں۔ خون ہیں ہمارا اور تم سے پہلے ہم جہانگیر سے پوچھیں گے کہ اس نے ڈاکٹرنی سے ایسی بات کیوں کی۔"

بابا جان گو کہ اندر ہی اندر اس صورت حال سے بوکھلا گئے تھے۔ لیکن ظاہر نہیں کیا اور ان کی طرف داری کرتے ہوئے شاہ جہانگیر پر غصہ کرنے لگے تھے۔

"بہر حال جہانگیر بھائی کو دوبارہ وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کینیڈا سے واپسی پر صباحت کا معاملہ میں خود طے کروں گا۔" وہ خفگی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں اور کوشش کرنا' مدحیہ کی بات بھی یہیں طے ہو جائے۔ تیمور کے ساتھ۔" بابا جان نے کہا تو وہ انہیں دیکھ کر رہ گئے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

"کتنی خوب صورت جگہ ہے اور کتنا سکون ہے یہاں۔ میرا بس چلے تو میں ساری زندگی کے لیے یہیں رہ جاؤں۔" وہ چاروں اور دیکھتی ہوئی ایک جذب کے عالم میں بولی تھی۔

چند قدم آگے چلتا شاہ تیمور اس کی بات سن کر رک گیا اور پلٹ کر پوچھنے لگا۔

"رہ سکو گی؟"

"کیوں نہیں' یہ تو میرے خوابوں سے بھی زیادہ حسین جگہ ہے۔ لیکن میرے اور کون سے خواب پورے ہوئے جو یہ ہو گا۔" وہ اچانک آزردہ نظر آنے لگی۔ لہجے میں بھی دکھ سمٹ آیا تھا جسے محسوس کر کے شاہ تیمور اس کے قریب آ گیا۔

"تم خواب بھی دیکھتی ہو؟"

"جنہیں حقیقت میں کچھ میسر نہ ہو' وہ خواب ہی دیکھتے ہیں۔"

وہ کالج کی طرف جاتی سرخ بجری کی روش پر قدم رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں اور صبا کس ماحول میں پروان چڑھے ہیں۔ کاش پاپا شروع ہی میں ہمیں اپنے پاس لے آتے تو ہمارے اندر اتنی محرومیاں نہ ہوتیں۔ ہر بات' ہر چیز کو ترسے ہیں ہم۔ مما کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں تھا لیکن انہوں نے اور ان کے سب گھر والوں نے ہمیں ہی قصوروار سمجھ لیا اور ہمیشہ ہم سے بدلہ لیتے رہے۔ بہت زیادتیاں ہوتی ہیں ہمارے ساتھ۔"

"پھر بھی تم وہاں جانا چاہتی ہو؟" شاہ تیمور نے فوراً" ٹوکا تو وہ ایک دم تیز ہو کر بولی۔

"کس نے کہا' میں جانا چاہتی ہوں۔ سچ پوچھیں تو میں کبھی نہیں جانا چاہتی میرے تو دوبارہ وہاں جانے کا سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے بھی زیادہ برا سلوک ہو گا میرے ساتھ۔ لیکن میں کیا کروں۔ ادھر بابا جان کی حویلی میں بھی میرے لیے جگہ نہیں ہے شاید۔"

"ارے یہ تم سے کس نے کہا۔"

"میں محسوس کر سکتی ہوں شاہ تیمور! کوئی نہ کہے تب بھی میں جانتی ہوں کہ مجھے کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ پاپا کو بھی میری پروا نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میری اصل شناخت یہیں سے ہے۔ اگر مما نے اتنی پابندیاں نہ لگائی ہوتیں تو میں بہت پہلے یہاں آ چکی ہوتی اور اپنے ساتھ صبا کو بھی لے آتی۔"

"خیر وہ تو اب آ ہی جائے گی اور تم بھی نہیں جاؤ گی۔" شاہ تیمور نے کہا تو وہ قدم روک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں کہہ رہا ہوں ناں تم نہیں جاؤ گی۔" اسے یقین دلانے کی خاطر اس نے زور دے کر اپنی بات دہرائی پھر کہنے لگا۔ "تمہیں یہ کاٹیج پسند ہے تو ہم یہیں رہیں گے۔"

"ہم۔" اس کے ہونٹ ذرا سے نیم وا ہو کر پھر ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔

"تم اور میں' یا تمہیں میرے ساتھ رہنے پر کوئی اعتراض ہے۔" شاہ تیمور نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نروس سی ہو کر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ارے!" وہ ذرا سا ہنسا۔ پھر قدم بڑھا کر اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں تمہارے خوابوں کو تعبیر دینے کی بات کر رہا ہوں۔ سچ بتاؤ اپنے خوابوں کی حسین راہ گزر پر تم کس کا ہاتھ تھام کر چلتی رہی ہو' کوئی ماورائی مخلوق یا مجھ جیسا عام سا انسان۔"

"عام سا' میرے خدا۔" وہ بھاگ کر کاٹیج کا گیٹ پار کر گئی۔

شاہ تیمور خوشگوار سے احساس میں گھر کر اس کے پیچھے دیکھتا رہا۔ کوریڈور سے آگے جب وہ دروازے کے اندر غائب ہو گئی تب جیب سے موبائل نکال کر بابا جان کے نمبر پنش کرنے لگا۔

"السلام علیکم بابا جان! میں تیمور بات کر رہا ہوں۔"

"جی سب ٹھیک ہے۔"

"نہیں بابا جان! کوئی مسئلہ نہیں بلکہ وہ تو بہت خوش ہے یہاں۔"

"آپ شاید اسے سمجھے نہیں۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔"

"جی جی۔"

"اگر آپ کہیں تو اسے شاہ پور لے آؤں۔"

"اچھی بات ہے۔ ویسے آپ سکندر چچا کو ابھی بتا دیں کہ ان کی بیٹیاں اپنی ماں کے پاس خوش نہیں ہیں۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

"خدا حافظ!" اس نے موبائل بند کر کے واپس جیب میں رکھا پھر اس کے پیچھے اندر آیا تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔
"اے!" شاہ تیمور نے قریب جا کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونک کر دو قدم پیچھے ہٹی پھر جانے کیا ہوا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔
"ارے' مدحیہ!" شاہ تیمور نے آہستگی سے اس کی دونوں کلائیاں تھام کر ہاتھ نیچے کیے۔ "کیا ہوا ہے؟"
"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"
"کس سے مجھ سے؟" وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا اس کی طرف جھکا۔
"نہیں۔" وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔
"پھر!"
"اپنی قسمت سے' اپنے خوابوں سے' کہیں مجھے رسوا نہ کر دیں۔"
"بیوقوف! میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ اپنے دل سے سارے ڈر' سارے خوف مٹا ڈالو اور بھول جاؤ اب تک جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا۔ بہت جلد ہم نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔"
وہ بہت مضبوط لہجے میں اسے اپنے ذات کا مان دے رہا تھا۔
وہ پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھنے لگی۔
"کیا تم میرا یقین نہیں کر رہیں؟"
وہ ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر اس کی طرف سے رخ موڑ گئی۔ تب ہی باہر گاڑیاں رکنے کی آواز پر وہ چونک کر بولا۔
"لو آ گئے سب لوگ۔"
"کون؟" اس نے بے دھیانی میں پلٹ کر پوچھا۔
"کزنز...... جاؤ تم منہ دھو لو ورنہ سب سمجھیں گے۔ میں تم پر ظلم و ستم توڑتا رہا ہوں۔" اس نے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھاگ کر واش روم میں بند ہو گئی۔
چند لمحوں بعد سارے میں ایک شور مچ گیا' علی جہانگیر بھی آیا تھا جسے دیکھ کر شاہ تیمور حیرت بھری آواز میں چلایا۔
"ارے ڈی سی صاحب بھی آئے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے۔"
مدحیہ واش روم سے نکل کر آ رہی تھی۔ بے ساختہ بولی۔
"کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔"
"ہائیں! تم ہمارے قافلے میں تو نہیں تھیں۔" علی جہانگیر نے حیران ہو کر مدحیہ کو دیکھا تو اس سے پہلے شاہ تیمور بول پڑا۔
"ہم قافلے کا استقبال کرنے کے لیے پہلے سے آ گئے تھے۔"
"اچھا!" علی جہانگیر ایک نظر شاہ تیمور پر ڈال کر پھر سوچتے ہوئے انداز میں مدحیہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ قدرے مسکرا کر بولی۔
"کیسے ہیں آپ؟"
"ٹھیک ہوں' تم کیسی ہو؟"
"بالکل ٹھیک اور اس کاٹیج میں آ کر تو بہت خوش۔"
"تیمور بھائی! کھانے پینے کا کیا انتظام ہے۔" ایک طرف سے رابعہ نے پکار کر پوچھا تو شاہ تیمور ادھر متوجہ ہو گیا۔

دست' سب کی فیورٹ ڈشز تیار کروائی ہیں۔"
دیر کس بات کی ہے۔ بس فوراً' دستر خوان بچھواؤ پھر مجھے جانا ہے۔" علی جہانگیر نے کہا۔
مطلب؟ آتے ہی جانے کی بات کرنے لگے۔"
یار! میں بہت ضروری کام چھوڑ کر آیا ہوں۔ سکندر چچا سے ملنا تھا لیکن وہ میرے شاہ پور پہنچنے سے پہلے ہی
تھے۔ اب پتا نہیں کراچی میں بھی ان سے ملاقات ہوتی ہے کہ نہیں۔ پانچ بجے ان کی کینیڈا کی فلائیٹ
جہانگیر نے کہا تو مدحیہ بے ساختہ پوچھنے لگی۔
کینیڈا جا رہے ہیں؟ واپس کب آئیں گے؟"
ہ دس دن تو لگیں گے' تم چلنا چاہو کراچی تو میرے ساتھ چلو۔" علی جہانگیر نے جواب کے ساتھ کہا تو تیمور
ل پڑا۔
یں' یہ میرے ساتھ جائے گی کیوں مدحیہ؟"
!" اس کے جواب پر علی جہانگیر ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔
ے تمہاری مرضی' اب پلیز کھانا۔"
' چلو مدحیہ! میزبانی کے فرائض نبھا دیں۔" شاہ تیمور نے چلتے ہوئے مدحیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔
ے سب حیران ہو کر دیکھنے لگے تھے۔
کھانا کھاتے ہی علی جہانگیر بہت عجلت میں سب کو خدا حافظ کہتا ہوا نکل گیا تو کتنی دیر تک سب اسی کے
میں باتیں کرتے رہے۔ خصوصاً' اس کی شادی پر جو بدمزگی ہوئی تھی اس کا سب کو افسوس تھا۔ اور یہ کہ
ے اس کا معاملہ طے کیوں نہیں ہوا۔
با جان ڈھیل دے رہے ہیں ورنہ ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔" شاہ عازم نے کہا تو آغا اس کی تائید
را بولا۔
ں جیسے میرے باپ کو ڈھیل دی تھی۔ فرق اتنا ہے کہ انہیں اس چنگل سے نکالنا تھا اور علی کو پھنسانا ہے۔ ہا
آخر میں اس کے ساتھ دو چار قہقہے اور بھی شامل ہو گئے تھے۔
یہ کچھ پریشان سی ہو کر ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھی۔ معاً' شاہ تیمور کی اس پر نظر پڑی تو سب کو خاموش
تے ہوئے بولا۔
کیا فضول باتیں شروع کر دی ہیں تم لوگوں نے۔ چلو مدحیہ! ہم باہر چلتے ہیں۔"
تا ہے علی کی طرح یہ بھی۔" عازم کے تمسخرانہ انداز پر وہ اسے گھورتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور سب کے درمیان
حیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھا دیا۔
ہاں لے جاؤ گے اسے؟" آغا نے پوچھا لیکن وہ ان سنی کرتا ہوا مدحیہ کو لے کر چل پڑا تو عقب سے الماس کی
تھی۔
ہاں کا انجام بھول گئی ہے یہ۔"
ب تو آپ کو یقین آ گیا کہ مجھے کوئی پسند نہیں کرتا۔" گیٹ سے نکلتے ہی مدحیہ نے دکھ سے کہا۔
میں جو کرتا ہوں' کیا تمہارے لیے صرف میری محبت کافی نہیں ہے اور کسی کی پروا مت کرو۔"
کیے نہیں کروں۔ آپ نے سنا نہیں۔ الماس کیا کہہ رہی تھی۔ اگر پاپا کی طرح آپ نے بھی مجھے۔" اس کی
آئی تھی۔
وف! سکندر چچا نے تمہاری ماں کو اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا تھا۔ بابا جان نے مجبور کیا تھا انہیں۔" وہ
تھ تھام کر روش پر دھیرے دھیرے چلتا ہوا ساری کہانی دہرانے لگا تھا۔

وہ سراسیمہ سی سن رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

علی جہانگیر ائیرپورٹ پر بس تھوڑی دیر کے لیے شاہ سکندر سے مل سکا تھا اور اصل بات جو وہ ان سے پوچھنا چاہتا تھا وہ بھی نہیں پوچھ سکا کیونکہ وہ اپنے وفد کے ساتھ تھے۔ اس لیے بس سلام دعا ہی ہوئی۔ البتہ اس بات پر اس نے بہت زور دیا کہ کینڈا اسے واپسی پر وہ شاہ پور جانے سے پہلے اس کے پاس آئیں، اسے ان سے بہت ضروری کام ہے اور انہوں نے ہامی تو بھر لی تھی پھر بھی وہ ان کی واپسی کی تاریخ کنفرم کر کے آیا تھا تاکہ خود انہیں ریسیو کرنے جا سکے۔ اصل میں وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ آسیہ نے ان سے صباحت اور اس کے متعلق کیا بات کی۔ فطری سی بات تھی وہ یہی سوچ سکتا تھا، مدیحہ کی طرف اس کا بالکل دھیان نہیں گیا تھا۔ بہرحال شاہ سکندر کو سی آف کر کے جب وہ گھر پہنچا تو کرم دین چائے کے ساتھ ہی اسے ایک لفافہ تھما کر بولا۔

"ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔ میرا انگوٹھا بھی لگوایا تھا اس نے۔"

"اچھا جاؤ۔" وہ لفافے پر نام دیکھ رہا تھا۔ فوراً "کرم دین کو بھیج کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا اور لفافہ کھول کر پیپر نکالتے ہی ٹھنک گیا۔ پھر جب تحریر پر نظریں دوڑائیں تو بری طرح چکرا گیا۔ دل کسی طرح یقین نہیں کر رہا تھا صباحت خلع کا دعوا کر سکتی ہے۔

"میرے خدا۔" اس نے صوفے کی بیک پر سر رکھا تو اس کا ذہن بری طرح چیخ رہا تھا جو بات گمان میں نہیں تھی وہ ہو گئی تھی۔

گزشتہ تین چار روز سے وہ کتنا متجسس ہونے کے ساتھ پر امید بھی تھا کہ آسیہ اور شاہ سکندر کے درمیان رابطہ ہونے سے اس کا معاملہ اب خوش اسلوبی سے طے پا جائے گا اور اس خیال کے ساتھ اس نے اس بزدل سی لڑکی کے حوالے سے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اسے اپنے گھر میں چلتی پھرتی نظر آنے لگی تھی۔ کبھی لاؤنج میں تو کبھی کچن میں اور بیڈ روم میں جانے کیوں وہ دبے پاؤں داخل ہوتی تھی۔ وہ بند آنکھوں سے اسے دیکھ محسوس کرتا تھا اور کبھی بے اختیار اسے چھونے کے لیے اس کا ہاتھ ہوا میں اٹھ کر رہ جاتا۔ تو اسے لگتا جیسے وہ کونے میں کھڑی ہنس رہی ہے۔ کیسی مدھر ہنسی ہوتی تھی جو اس کے اندر خوشگوار سی ہلچل مچا دیتی تھی۔

"نہیں، صباحت شاہ! تم ایسا نہیں کر سکتیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو زور سے دبایا پھر ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا اور ٹیلی فون سیٹ قریب کھینچ کر اس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

تیسری بیل کے بعد اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"ہیلو!"

"مجھے ابھی تمہاری طرف سے نوٹس موصول ہوا ہے۔ تم نے اپنی مرضی سے بھیجا ہے یا۔" وہ چھوٹتے ہی لہجے میں بولا۔

"اپنی مرضی سے بھیجا ہو یا کسی اور کی کیا فرق پڑتا ہے۔" ادھر وہ ہاری ہوئی لگ رہی تھی۔

"فرق پڑتا ہے صباحت شاہ! فرق پڑتا ہے۔" وہ زور دے کر بولا۔ "تم مجھ پر ہی نہیں اپنے آپ پر بھی ظلم کر رہی ہو۔"

"میں فون بند کر رہی ہوں۔"

"یہی کر سکتی ہو تم۔" اس نے خود ہی ریسیور پٹخ دیا۔

اس لڑکی کو وہ نہیں سمجھا سکتا تھا اور خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کبھی سوچتا خود ڈاکٹر آسیہ کے پاس جائے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے ساتھ صباحت کے ساتھ وابستگی بھی بتا ڈالے۔ لیکن زیادہ دیر تک اس سوچ پر قائم نہیں رہ سکا کیونکہ اس کے خیال میں وہ ڈاکٹر آسیہ سے زیادہ بحث نہیں کر سکتا تھا البتہ شاہ سکندر صباحت پر اپنا حق جتا کر کچھ بھی کہہ سن سکتے تھے۔ لیکن وہ بھی آج ہی باہر گئے تھے اور ایک ہفتے سے پہلے

ن نہیں تھی۔ کوئی اور معاملہ ہوتا تو وہ ہفتہ کیا مہینہ انتظار کر سکتا تھا اور اب تو جیسے ایک ایک پل اتنا اہم
اس کا بس چلتا تو وہ وقت کو یہیں روک دیتا جو اس کی زندگی چھیننے کے درپے ہو گیا تھا۔
ت سوچنے کے بعد اس نے بابا جان کو فون کیا اور جب انہیں نوٹس کا بتایا تو وہ چیخ پڑے تھے۔
ہو گئی ہے وہ عورت، اپنی زندگی سے سبق نہیں سیکھا اس نے جواب بیٹی کو طلاق دلوا کر گھر بٹھانا چاہتی
ے سمجھا دو کورٹ کچہری کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم اس کے پورے خاندان کو گھسیٹ لیں

کریں بابا جان! غصے اور جوش سے میرا مسئلہ حل نہیں ہو گا نہ ہی میں کوئی دھاندلی چاہتا ہوں آپ میری
کو بھیجیں ڈاکٹر آسیہ کے پاس۔" اس نے ناراض لہجے میں ٹوک کر کہا۔
فا تمہارا باپ، اسی پر تو ڈاکٹرنی نے یہ قدم اٹھایا ہے۔" بابا جان سخت تلملائے ہوئے لگ رہے تھے۔
؟ کب گئے تھے ابا؟" اس نے فوراً "پوچھا۔
ڈیڑھ ہفتہ ہوا ہے۔ بہت بے عزتی کی اس عورت نے تمہارے باپ کی اس کے بعد بھی اگر تم چاہتے ہو
بارہ اسے وہاں جانے کو کہیں تو۔"
ں۔" وہ ایک دم بول پڑا۔
بتاؤ ہم کیا کریں۔"
الحال تو میری اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس سارے قصے میں صباحت کا کوئی
ں ہے۔ اس لیے اس کی ماں کے کیے کی سزا اسے نہیں ملنی چاہیے۔" اس نے کہا۔
ں کا خیال کر کے تو ہم خاموش ہیں ورنہ۔" بابا جان فوراً "بولے اور خاموش بھی ہو گئے۔
ھا بابا جان! میں پھر بات کروں گا۔" اس نے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔
پھر بہت سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اب شاہ سکندر ہی کو ڈاکٹر آسیہ کے پاس جانا چاہیے اور اس
ہاسے بہت تحمل سے شاہ سکندر کا انتظار کرنا تھا۔
ن کی بیل بج رہی تھی۔
ں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ صباحت فون اٹھائے گی، لیکن وہ پتا نہیں کہاں تھی آخر انہیں خود ہی کمرے سے
اکیونکہ دوسری طرف کوئی مستقل مزاجی سے منتظر تھا۔
ہیلو!" نبیل نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی آواز سنتے ہی بے اختیار ہو گئے تھے۔
رحو، کیسی ہو؟ کہاں ہو؟"
اتنے دنوں سے فون کیوں نہیں کیا۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔؟"
یا، کیا کہا تم نے؟"
کی سماعتوں نے جانے کیا سنا تھا کہ پورا وجود سن ہو گیا۔ بڑی مشکل سے انہوں نے ہاتھ نیچے گرا کر ریسیور
تھا اس کے بعد بھی وہیں کھڑے رہے اتفاق سے اسٹک بھی ہاتھ میں نہیں تھی ورنہ اس کے سہارے خود کو
ٹ لیتے۔ انتہائی بے بسی سے اپنے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے بے اختیار صباحت کو پکارا تھا۔
صبا!"
باحت اپنے کمرے سے نکل کر آئی اور انہیں دیکھتے ہی ٹھٹھک گئی تھی۔
کیا بات ہے نبیل بھائی؟"
چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ بولے کچھ نہیں تو قریب آ کر صباحت نے ان کا بازو تھام لیا۔
کیا ہوا بھائی۔ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" پھر فون پر نظر پڑی تو اندر ہی اندر پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔ "کس کا
ن تھا۔؟"

"کسی کا نہیں، وہ میں نے اسٹک پتا نہیں کہاں چھوڑ دی۔" انہوں نے بات بناتے ہوئے خود کو سہارا دینے
خاطر صباحت کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
"بس نبیل بھائی! اب اسٹک کا پیچھا چھوڑ بھی دیجیے۔ اس کے بغیر چل تو سکتے ہیں۔" وہ ان کی اسٹک سے چڑ
بولی تھی۔
"کیا کروں، عادت ہو گئی ہے۔ اس کے بغیر خود کو خالی خالی سا محسوس کرتا ہوں ابھی دیکھو ہاتھ میں نہیں تو
میں۔" وہ جانے کیا کہتے جا رہے تھے کہ ایک دم خاموش ہو گئے۔
"یہ یہاں رکھی تو ہے۔" صباحت ان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے اسٹک دیکھ کر بولی۔
"ارے، میں سمجھا شاید راستے میں کہیں گر گئی۔" انہوں نے قصداً "حیرت کا مظاہرہ کیا۔
"گر ہی جاتی تو اچھا تھا" وہ یونہی کہہ گئی۔
"کیوں کیا تمہیں بھی مدحو کی طرح اس کی آواز بری لگنے لگی ہے۔" انہوں نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ر
پوچھا تو وہ اپنی یونہی کہی گئی بات پر جز بز سی ہو کر بولی۔
"نہیں تو۔"
"اچھا جاؤ اپنا کام کرو۔ میں نے خوامخواہ تمہیں ڈسٹرب کیا۔" وہ اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے بولے۔
"میں کوئی کام نہیں کر رہی تھی۔" اس نے ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو نبیل نے ذرا سی گردن موڑ کرا
دیکھا پھر اپنے سامنے فائل کھول دی اور بظاہر اس پر نظریں دوڑانے لگے جبکہ ذہن مدحیہ کو سوچنے لگا تھا۔ اس
آواز ہمیشہ کی طرح کھنکتی ہوئی تھی۔ کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کسی دباؤ میں ہے۔ بلکہ یہاں سے بھی
آزاد جب ہی تو اپنے بارے میں فیصلہ کر کے خوش ہو کر انہیں بتا رہی تھی۔ ان کی سماعتوں میں ابھی بھی اس
الفاظ گونج رہے تھے۔ جو ان کی روح پر کسی تازیانے سے کم نہیں تھے اور جب آسیہ پھوپھی سنیں گی تو۔
اس سے آگے سوچ کر ہی وہ پریشان ہو گئے اور بے حد مضطرب۔ تب ہی صباحت انہیں پکار کر پوچھنے لگی۔
"نبیل بھائی! کس کا فون تھا؟"
"کب؟" انہوں نے بہت سنبھل کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ لابی میں کھڑے تھے۔ مجھ سے مت چھپایئے میں نے خود بیل سنی تھی اور
اٹینڈ کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ صباحت کے ذہن میں علی جہانگیر کا خیال تھا جب ہی وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس
کیا کہا۔
"پھر اس میں اچھنبے کی کیا بات ہے۔ کیا میرا فون نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے تنبیہی انداز میں کہا۔
"ہو کیوں نہیں سکتا۔" وہ الجھ گئی۔
"پھر؟"
"پھر یہ کہ آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔"
"ہاں چھپا رہا ہوں، ضروری نہیں ہے کہ ہر بات تمہیں بتائی جائے۔" انہیں ایک دم غصہ آ گیا۔ شا
ضبط کرنے کی وجہ سے۔
"اور تم اب کیا جاننا چاہتی ہو۔ تمہارے بارے میں پھوپھو نے جو فیصلہ کرنا تھا، کر لیا اور اس پر تم سے د
کروا لیے اور شاید علی جہانگیر کو بھجوا بھی چکی ہیں۔"
"میں جانتی ہوں۔" وہ ان کے غصے سے خائف ہو کر بولی۔
"پھر اور کیا جاننا چاہتی ہو۔ اس نوٹس پر علی جہانگیر کا رد عمل تو مجھے نہیں معلوم اور نہ ہی میں قیا
ہوں۔" ان کا لہجہ ہنوز تھا۔ جس پر وہ چڑ کر کہنے لگی۔
"آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بالکل میری طرح ہیں آپ۔ بزدل اور کم ہمت، اپنے آپ پر ذرہ برابر بھر

"
ہ اچانک جیسے ٹوٹ گئے۔ "اپنے آپ پر بھروسا ہوتا تو یوں جانے دیتا اسے، کبھی نہیں اور وہ بھی کیسی
یوں کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔
وہ ان کے ٹوٹتے لہجے پر کچھ گم صم سی ہو گئی تھی۔
تی ہو، اب وہ کیا کرنے جا رہی ہے؟" انہوں نے اپنے خیال سے نکل کر اسے دیکھا اور اس کے نفی
پر گہری سانس کھینچ کر بولے۔
"
احت کے صرف ہونٹ کھلے تھے، حلق سے آواز نہیں نکلی تھی اور نبیل بھی جیسے کسی پاتال میں سے
۔
اس کا فون آیا تھا۔ خود بتا رہی تھی کہ وہ شادی کر رہی ہے۔ شاہ تیمور کے ساتھ۔"
صباحت کا سر نفی میں ہلتا چلا گیا اور نبیل نے جیسے تھک کر چیئر کی بیک پر سر ٹکایا تھا۔

❁ ❁ ❁

ر بعد صباحت اپنی جگہ سے اٹھ کر نبیل کے پاس آئی اور آہستہ سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی

ائی! یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے ہمیں۔"
کا ہاتھ تھام کر اپنے سامنے کرتے ہوئے کہنے لگے۔
ر انہیں، ہمارے ماں باپ کا ہے۔ جنہوں نے اپنی اپنی انا میں اولاد کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔ اگر ہماری
میں کمپرومائز کر لیتے تو ہم ادھورے ہوتے نہ ہمیں ایسے حادثات پیش آتے۔ میں، مدحو، تم۔ ہم
بھی مکمل نہیں ہے۔ ہمارے اندر ہمیشہ ایک محرومی کا احساس رہا جس نے ہماری شخصیت کی تکمیل
دی۔
درجہ حساس۔ اس کے ساتھ تمہارے لاشعور میں ہمیشہ یہ خوف رہا کہ کہیں کوئی تمہیں تمہاری ماں یا
نہ دے مارے۔ ہر مقام پر جھکتی اور ٹوٹتی چلی گئیں۔ یہ نہیں تھا کہ تمہارے اندر لڑنے اور احتجاج
اقت ہی نہیں تھی۔ تھی، لیکن اس خوف نے تمہیں اپنا دفاع تک نہیں کرنے دیا۔
جو پر اس خوف نے الٹا اثر ڈالا۔ یعنی تمہارے بالکل برعکس وہ بے حس، خود سر اور باغی ہو گئی اور اپنی
ہ ہر ایک سے لینے لگی اور وہی ٹھیک ہے۔ جو نہ جھکتی ہے، نہ ٹوٹتی ہے۔ اور جو چاہتی ہے، چھین لیتی
پروا نہیں کرتی۔ میں اب سے نہیں، شروع سے اسے پسند کرتا ہوں۔ مجھے وہ چیخ چلا کر اپنی بات منوالی
بھی لگی۔ لیکن وہی بات جو ابھی تم نے کہی کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے اپنے آپ پر بھروسا

سے اور اعتماد کی کمی نے ہی مجھے بزدل بنا دیا، جو میں اس کے سامنے اظہار نہیں کر سکا اور تمہاری طرح
مقام پر جھکتا اور ٹوٹتا چلا گیا۔ حالانکہ سب لوگ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں، لیکن یہ ساری محبتیں بھی
ر محرومی کے احساس کو کم نہیں کر سکیں۔ اس لیے کبھی صحیح وقت پر صحیح فیصلہ نہیں کر سکے۔ ہم ڈرتے
ڈرتے رہیں گے۔"
ے لہجے میں دکھ تھا ہی، تلخی بھی سمٹ آئی تھی۔
چاپ کھڑی انہیں سن رہی تھی۔ جب آخر میں انہوں نے ہونٹ بھینچ کر جانے بقیہ تلخی اپنے اندر
ر کی تلخی کو باہر آنے سے روکا، تب وہ سہمی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔

"اور نبیل بھائی! مدحو؟"

"اس نے فرار کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اپنے آپ سے بھی بھاگ رہی ہے۔ پتا نہیں کہاں تک جائے گی، کرے کسی راستے میں سچ مچ اس کی منزل آجائے۔ وہ یا لے اپنی منزل۔ ہم میں سے کوئی ایک تو۔" وہ بولتے بولتے خود ہی چونکے اور جیسے اپنی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

"مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے۔ نبیل بھائی! اور جب مما سنیں گی تو کتنی پریشان ہوں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"دکھ اور پریشانی کی بات تو ہے، لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بہرحال ابھی پھپھو کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری ٹینشن انہیں کیا کم ہے۔"

"اور... اور کیا کہہ رہی تھی مدحو؟"

"کچھ نہیں' بس یہی بتایا کہ وہ شادی کر رہی ہے۔"

"مجھے لگتا ہے۔ وہ پاگل ہو گئی ہے یا پھر اسے معلوم ہی نہیں ہوگا کہ میرا معاملہ کورٹ میں چلا گیا ہے۔" نے پر سوچ انداز میں کہا تو نبیل کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر اٹھتے ہوئے بولے۔

"بس ختم کرو یہ موضوع۔ کہیں پھپھو سنتی ہوئی نہ آجائیں۔ اور ہاں دیکھو' میں تمہارے لیے ایک کتا تھا۔ وہ تکیے کے پاس رکھی ہے' لے لو۔"

اس نے وہیں کھڑے کھڑے کتاب کی طرف دیکھا پھر منہ بنا کر بولی۔

"میرا کچھ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"دل چاہے یا نہ چاہے پھر بھی پڑھنی ہے۔ اٹھاؤ اسے۔" انہوں نے رعب سے کہا تو اس نے بڑھ اٹھائی اور وہیں صفحے الٹنے لگی تھی کہ وہ ٹوک کر بولے۔

"یہاں نہیں' اپنے کمرے میں جاؤ۔ مجھے لیکچر تیار کرنا ہے۔"

"تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ایسے ہی لیکچر دینے میں ماسٹر ہیں۔"

وہ کہتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل گئی تو انہوں نے آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پھر آکر لیٹ گئے۔ لیکچر تیار کرنے کا تو بہانا تھا۔ اصل میں تنہائی چاہتے تھے۔ حالانکہ جانتے بھی تھے کہ تنہائی کتنی عذاب ہوگی لیکن اذیت پسند ہو رہے تھے۔ اپنے جرم پر خود اپنے آپ کو سزا دینا چاہتے تھے۔ مدحیہ سے محبت کر کے انہوں ہی کیا تھا۔ وہ تو ایسا ہی سمجھ رہے تھے۔ بلکہ شروع سے خود کو سرزنش کرتے آرہے تھے۔ جانے کیوں اسے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ کوئی بہت اعلا و ارفع اور ناقابل حصول نہیں تھی' لیکن انہیں ا تھی۔ سب سے الگ' سب سے جدا۔ شاید اس لیے کہ نظروں میں سما کر ان کے دل میں اتر گئی تھی اور اتر جائیں وہ یوں ہی سب سے الگ' سب سے جدا لگتے ہیں۔ بہرحال اس میں ان کا شعوری عمل دخل یوں بھی دل کے معاملے میں کبھی کبھی انسان بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ وہ بھی بے اختیار تھے۔ اس انہوں نے کبھی اس کے حصول کی تمنا نہیں کی تھی۔ اپنی محبت کو اس غرض سے پاک ہی رکھا تھا اور سوچا کہ وہ ان کی نہیں' تو کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس اس کے لیے اچھا ہی سوچتے تھے۔ جب ا کے ساتھ منگنی ہوئی تھی' تب بھی وہ خوش تھے تو اس خیال سے کہ وہ احمر کے ساتھ خوش رہے گی۔ ک تہی دامنی کا خیال آتا تو وہ فوراً" سر جھٹک دیتے تھے۔

پھر انہیں احمر کے باہر شادی کر لینے کا دکھ بھی اس کی وجہ سے تھا۔ ایک بار بھی اپنی محبت میں خود نہیں سوچا۔ بس اس کے دکھ کا احساس تھا جو وہ اب تک احمر سے ناراض تھے۔

اور اب گو کہ اس نے بہت خوش ہو کر بتایا تھا کہ وہ شاہ تیمور کے ساتھ شادی کر رہی ہے' لیکن انہیں لگا تھا۔ اس لیے نہیں کہ ان کے اندر اسے پانے کی کوئی تمنا جاگ اٹھی تھی' بلکہ انہیں یقین تھا کہ ا دیرپا نہیں ہو سکتی۔ وہ یقیناً" دھوکا کھانے جا رہی ہے اور یہ سراسر اس کا اپنا عمل' اپنا فعل تھا۔ اس ک

اپنے آپ کو قصوروار سمجھ رہے تھے۔ شاید ان کے لاشعور میں کہیں یہ خیال تھا کہ وہ اگر صحیح وقت پر اپنے اظہار کرنے کے ساتھ اسے خوبصورت زندگی دینے کا وعدہ کرتے تو وہ کبھی فرار کا راستہ اختیار نہ کرتی اور ہ اس کے ہر عمل کے ذمہ دار ہی ہوں گے۔

یں تمہیں سمجھا سکتا' روک سکتا مدحو!" انہوں نے بے بسی اور دکھ سے سوچا تھا۔

ھر رات کے تیسرے پہر جب وہ ہر طرح سونے کی کوشش میں ناکام ہو گئے تو اٹھ کر ٹیرس پر آگئے۔ خاموش ہوا کی سرسراہٹ' بہت ہلکا سا ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ جبکہ روشنی کہیں نہیں تھی۔ ان کا دل چاہا' ساری جھٹک کر یہیں ننگے فرش پر سو جائیں۔ کتنی دیر ادھر سے ادھر ٹہل کر وہ اپنے ذہن کو پرسکون کرنے کی کرتے رہے اور جب کسی حد تک کامیاب ہو گئے' تب لائی میں آکر امریکا کی کال ملانے لگے' کیونکہ خود کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ انہیں بار بار احمر کا خیال بھی آرہا تھا کہ وہ اگر مدحیہ کے ساتھ وفاداری نبھاتا تو وہ کبھی ے نہ جاتی۔ بہرحال چند لمحوں بعد جب ادھر احمر لائن پر آیا تو وہ چھوٹتے ہی بولے تھے۔

ہارے ایک غلط قدم نے یہاں کس کس کی زندگی خراب کی۔ کبھی سوچا تم نے۔"

ون؟ نبیل بھائی! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" احمر ان کی آواز سن کر جہاں خوش ہوا' وہاں الجھ بھی گیا تھا۔

م اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے چیخ کر کہا تو احمر جیسے سمجھ کر گہری سانس کھینچ

یں نے کوئی غلط کام نہیں کیا' جس پر شرمندہ ہوں۔"

اں تم کیوں شرمندہ ہو گے۔ شرمندہ تو میں ہوں' میں نے پھپھو کو یقین دلایا تھا کہ مدحو کے لیے تم سے بہتر اور یں ہو سکتا۔" ان کا لہجہ ہنوز تھا۔

پ کو شرمندہ ہونا بھی چاہیے' کیونکہ آپ نے پھپھو سے غلط بیانی کی تھی۔ ورنہ آپ اچھی طرح جانتے مدحو کے لیے بہتر کون تھا۔" احمر ان کی بات سے خائف ہونے کے بجائے آرام سے بولا تو انہوں نے ت کر پوچھا۔

ون؟"

آپ۔" احمر نے ان پر چڑھے آہنی خول پر کاری ضرب لگائی تھی کہ ان کا پورا وجود جھنجھنا گیا۔ بند ہونٹ کھلے مزور آواز نکلی تھی۔

یں؟"

اں آپ۔ کیوں خود کو چھپائے رکھا آپ نے۔ محبت گناہ تو نہیں ہے۔ جس کے اعتراف پر آپ کو دار پر لٹکا دیا

یہ تم کیا کہہ رہے ہو احمر!" وہ ملتجی لہجے میں بولے۔ جیسے خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔

یک کہہ رہا ہوں۔ غلط کام میں نے نہیں' آپ نے کیا تھا۔ میں تو شکر ہے بچ گیا' ورنہ اگر مدحو سے شادی کے آپ کے جذبوں کی خبر ہوتی تو میں ساری زندگی انگاروں پر چلتا۔ اب آپ پوچھیں گے مجھے کیسے خبر ہوئی تو وقت رخصت جب میں نے آپ سے کہا تھا مدحو کا خیال رکھیے گا تو آپ نے مسکرا کر اثبات میں سر یا۔ اس وقت آپ کے دھیان میں یقیناً" مدحو تھی جو آپ نے بہت دھیمی آواز میں خود کلامی کی تھی۔ "کوئی اپنے سے بھی غافل ہوتا ہے۔" احمر بہت روانی میں بول رہا تھا۔ ایک لحظہ کو رکا پھر شروع ہو گیا۔

نبیل بھائی! وہ ایک لمحہ تھا جس نے آپ کو مجھ پر عیاں کر دیا تھا۔ اس کے بعد مجھے اپنا آپ کہیں نظر نہیں رے منظروں میں آپ ہی آپ تھے' پھر میں کیوں زبردستی اپنا آپ منواتا اور اگر منوا بھی لیتا تو کیا ملتا مجھے۔"

وہ جو گم صم کھڑے تھے چونک کر بولے۔ "وہ تو تم سے محبت کرتی ہے۔"

نا کہ صرف اپنا آپ منوانا چاہتی تھی اور آپ تو اسے شروع سے مانتے ہیں۔ اس لیے وہ صرف آپ کے

ساتھ ہی خوش رہ سکتی ہے۔ بس اب دیر نہیں کریں نبیل بھائی! ں سے پہلے کہ۔۔۔۔“ احمر کی بات جاری
لائن کٹ گئی۔
”میرے خدا!“ ان کا ریسیور والا ہاتھ یوں نیچے گرا جیسے اس میں جان ہی نہ ہو‘ پھر اپنے کمرے میں بھ
گھسیٹتے ہوئے آئے تو مدحیہ کے ساتھ احمر کا دکھ بھی ان کے ساتھ تھا۔

----*

شاہ تیمور اسے پھپھو شہربانو کے پاس چھوڑ کر خود شاہ پور چلا گیا تھا۔
اور گو کہ ریسٹ ہاؤس اور کاٹیج کی نسبت وہ پھوپھی کے گھر میں خود کو محفوظ محسوس کر رہی تھی‘ اس۔
سکون سے سو نہیں سکی۔ رات بھر وقفے وقفے سے اس کی آنکھ کھلتی رہی تھی پھر بھی صبح اس نے جلدی
دیا اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد کمرے سے نکل کر پھپھو شہربانو کو ڈھونڈتی ہوئی گول برآمدے میں آئی تو
بیٹی سحر رنگین پایوں والی چارپائی پر بیٹھی روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے مرغیوں کے آگے ڈال
اسے دیکھا تو قدرے حیرت سے پوچھنے لگی۔
”تم اتنی جلدی اٹھ گئیں؟“
”بس اچانک آنکھ کھل گئی پھر میں نے دوبارہ سونے کی کوشش نہیں کی۔“ وہ کہتی ہوئی چارپائی کے کنا
گئی۔
”آرام سے بیٹھو۔ لسی پیو گی۔“
”نہیں۔ لسی نہ چائے۔ سب کے ساتھ ناشتا کروں گی۔“ وہ اس کے سامنے سے روٹی کے ٹکڑ
مرغیوں کو ڈالتے ہوئے بولی۔
سحر خاموش رہی تو قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔
”پھپھو کب اٹھیں گی؟“
”امی تو اذان کے وقت ہی اٹھ جاتی ہیں۔ ابھی قرآن شریف پڑھ رہی ہیں۔ پھر پہلے احمد اور حسن کو
گی‘ اس کے بعد ہماری باری آئے گی۔“ سحر یہی سمجھی کہ وہ ناشتے کی وجہ سے پھپھو کا پوچھ رہی ہے
پورا پروگرام بتا ڈالا۔ تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔
”ہماری باری نہ بھی آئے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“
”کیوں‘ تم ناشتا نہیں کرتیں؟“
”کبھی کرتی ہوں‘ کبھی نہیں۔ ویسے جب سے یہاں آئی ہوں۔ میرا مطلب ہے شاہ پور‘ تو بی بی
کراتی ہیں۔“ اس نے کہا اور شہربانو کو آتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
”السلام علیکم پھپھو!“
”جیتی رہو۔ بیٹھو‘ کھڑی کیوں ہو گئیں۔ یا اگر ناشتا کرنا چاہو تو احمد حسن۔“
”نہیں پھپھو! میں آپ کے ساتھ کروں گی۔“ وہ ”فوراً“ کہہ کر بیٹھ گئی۔
”اچھی بات ہے۔“ شہربانو آگے بڑھ گئیں تو سحر اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔
”سنو‘ رات شاہ تیمور بتا رہے تھے کہ بابا جان تم دونوں کی شادی کر رہے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟“
اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
”لیکن تمہاری امی اس شادی کو تو مان نہیں رہیں۔ وہ جو تمہاری بہن کی ہوئی ہے۔ ر
کر رہیں۔“
”میرا خیال ہے‘ میری شادی کے بعد مما صبا کی رخصتی پر آمادہ ہو جائیں گی۔“ اس نے یقین
سے پوچھنے لگی۔

ہاری شادی پر آمادہ ہو گئیں؟“
ں مانہ ہوں نہیں تو آمادہ ہوں۔“ وہ اپنی بات پر خود ہی ہنسی۔
ہں دیکھ رہی تھی جیسے اسے سمجھ نہ پا رہی ہو۔
ہیں یہ بات عجیب کیوں لگ رہی ہے۔ میری شادی کا فیصلہ میرے دادا نے کیا ہے اور میں ان کے فیصلے سے
ہں۔ جس پر مما کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور اگر اعتراض کریں تب بھی بابا جان کے نزدیک میری خوشی
م ہے۔ میں شاہ پور میں رہنا چاہتی ہوں اور مجھے شاہ تیمور پسند ہیں۔“
کی نا سمجھی پر تعجب کا اظہار کرنے کے بعد وضاحت کر رہی تھی کہ اپنے پیچھے آہٹ محسوس کر کے خاموش
ر ذرا سی گردن موڑی تھی کہ شاہ تیمور سامنے آگیا۔ اس کے ہونٹوں میں دبی دلکش مسکراہٹ دیکھ کر وہ سمجھ
وہ اس کی آخری بات سن چکا ہے۔ پھر بھی انجان سی بننے کی کوشش کرنے لگی۔ تو وہ براہ راست اس کی
ں میں دیکھ کر بولا۔
یا کہہ رہی تھیں‘ ذرا پھر سے کہو۔“
یں اپنی بات دہرایا نہیں کرتی۔“ وہ ایک ادا سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
ہ جا کہاں رہی ہو؟“ شاہ تیمور نے ”فوراً“ آگے آکر اس کا راستہ روکا تو وہ مسکرا کر بولی۔
س یہیں ڈائننگ ہال تک۔“ پھر پلٹ کر سحر سے مخاطب ہوئی۔ ”چلو سحر! ناشتا کر لیں۔“
چھا سنو‘ ناشتے کے بعد کیا پروگرام ہے۔ میرا مطلب ہے‘ میں رقبے پر جا رہا ہوں۔ اگر چلنا چاہو تو۔“
ہیں‘ میں آج پھپھو کے پاس رہوں گی۔ رات تو وہ جلدی سو گئی تھیں۔ میری ان سے زیادہ بات ہی نہیں
“ اس نے سہولت سے منع کرتے ہوئے کہا تو شاہ تیمور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔
ٹھیک ہے۔ تم ابھی ایک دو دن یہیں رہو‘ بلکہ جب تک تمہارا دل چاہے۔“
دل کی بات نہ کریں۔ دل تو پتا نہیں کیا کیا چاہتا ہے۔“ وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو اس کے پیچھے دیکھتے
اہ تیمور ذرا سے کندھے اچکا کر مسکرایا پھر سحر کو اپنے جانے کا بتا کر وہیں سے باہر نکل گیا تھا۔
کہ شہربانو کا رویہ اس کے ساتھ لیا دیا سا تھا۔ اس کے باوجود ناشتے سے فارغ ہوتے ہی وہ اسے گھیر کر بیٹھ گئی
ر تک یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی‘ ساتھ لگاوٹ کا مظاہرہ بھی کیا۔ جس سے شہربانو کی سرد مہری
ی تھی۔ وقفے وقفے سے بے اختیار ہو کر کبھی اس کا گال چھوتی‘ کبھی پیار سے ہاتھ ہاتھوں میں لے لیتی اور
نا سے بھی اظہار کر دیا۔
ہت پیاری بیٹی ہو۔ اگر بابا جان تمہیں تیمور کے ساتھ منسوب نہ کر چکے ہوتے تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے
ں لے آتی۔“
پھو!“ وہ ان کا مطلب سمجھ کر شرما گئی تو شہربانو نے اسے گلے لگا کر پیار کیا پھر پوچھنے لگی۔
خوش ہو نا؟“
لیکن مجھے ڈر بھی لگ رہا ہے۔“ اس نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔
ہاں ڈر کیوں لگ رہا ہے۔ تیمور ماشاء اللہ بہت اچھا‘ بہت محبت کرنے والا لڑکا ہے۔“
لیکن۔“ وہ ہچکچا گئی۔
ن کیا؟ کہو بیٹی! جو بھی بات ہے کہہ ڈالو۔ کیوں ڈرتی ہو۔“ شہربانو نے بہت اپنائیت سے کہا۔
بتاؤں پھپھو! اصل میں امی کے ساتھ جو کچھ ہوا۔ وہ کہتی تھیں‘ اگر ہم شاہ پور گئے تو ہمارے ساتھ بھی۔
یہی سوچ کر ڈرتی ہوں۔“ اس نے رک رک کر اپنے ڈرنے کا سبب بتایا تو شہربانو ”فوراً“ بولی تھیں۔
ے نہیں بیٹا! تمہارے ساتھ ایسا کیوں ہو گا۔ تم اور صبا تو اس گھر کی بیٹیاں ہو اور اپنی بیٹیوں کے لیے
اں کے بڑے سخت اصول ہیں۔“

"جی، میں نے سنا ہے کہ وہ اپنی بیٹیاں غیروں میں نہیں بیاہتے۔"

"یہ حقیقت ہے اور جو کچھ تمہاری ماں نے تم سے کہا۔ اس پر میں یہی کہوں گی کہ وہ عورت اپنی جگہ صحیح ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس کے بعد وہ تمہارے سامنے شاہ پور والوں کی کوئی اچھی تصویر تو پیش نہیں کر سکتی تھی۔ یقیناً" اس نے تمہیں ڈرایا ہوگا۔ اس لیے تمہارے اندر خوف ہے۔" شہربانو نے کچھ غیر جانب دارانہ مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ تائید کرتے ہوئے بولی۔

"جی' اور بے بنیاد تو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے۔ پاپا بھی تو بہت اچھے' بہت محبت کرنے والے انسان ہیں' بھی انہوں نے مما کو طلاق دے دی تھی۔"

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر بابا جان تمہاری ماں کو طلاق نہ دلواتے تو یہاں دو گھر برباد ہو جاتے۔" شہربانو کے ایک ہی جملے سے ان ساری باتوں کی تصدیق ہو گئی تھی جو اسے شاہ تیمور نے بتائی تھیں۔

"ہاں۔" اس نے ہاں کی صورت گہری سانس کھینچی۔

"میری بات سمجھ گئی ہو نا۔ علی اور تیمور کے ساتھ وہ مسئلہ نہیں ہے جو تمہارے باپ کے ساتھ تھا۔ بابا جان جتنی محنت تمہارے باپ کو واپس لانے میں کرنی پڑی تھی' اس سے زیادہ تمہارے اور صبا کے حصول کے لیے پڑ رہی ہے۔ صرف اس لیے کہ کہیں شاہوں کی بیٹیاں غیروں میں نہ چلی جائیں۔ تم اپنے دل سے سارے سارے خوف نکال دو۔ تمہارے اور صبا کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ بہت خوش رہو گی تم یہاں۔"

"میں ابھی بھی بہت خوش ہوں۔" اس نے خوشی کا اظہار شہربانو کے گلے میں بازو ڈال کر کیا تھا۔

----*

ٹھیک دسویں دن شاہ سکندر کی واپسی ہوئی تھی اور اپنے استقبال کے لیے آنے والوں میں علی جہانگیر کو دیکھ کر کچھ ٹھٹکے تھے۔ حالانکہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی' البتہ اس کے چہرے پر سنجیدگی غیر معمولی تھی' انہوں نے پہلی نظر میں ہی محسوس کی اور اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے پوچھا۔

"سب خیریت ہے نا؟"

"جی!" اس وقت وہ یہی جواب دے سکتا تھا' پھر فوراً" پوچھنے لگا۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"دو تین روز کے لیے شاہ پور جاؤں گا' اس کے بعد۔"

"نہیں چچا جان!" وہ فوراً" بول پڑا۔ "آج آپ میرے مہمان ہوں گے۔ میں اسپیشلی۔ آپ کو لینے آیا ہوں۔"

"کوئی خاص بات؟" انہوں نے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"جی!" علی جہانگیر نے جی کہہ کر ہونٹ بھینچ لیے تو انہوں نے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ اسے ساتھ آنے کا کہہ کر باہر نکلے اور پھر پہلے اپنے ساتھیوں کو رخصت کیا' اس کے بعد اس کی گاڑی میں بیٹھے تھے۔

تمام راستہ انہوں نے قصداً" کچھ پوچھنے سے گریز کیا تھا اور گھر آ کر علی جہانگیر یہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ دیر آرام کر لیں' اس کے بعد بات کرے گا۔ اس لیے انہیں خاص ان کے لیے مخصوص کیے گئے بیڈ روم میں چھوڑ کر چائے کا کہنے کے بہانے نکل گیا تھا۔

شاہ سکندر ایک سگار پینے تک بیٹھے پھر شاور لینے کے ارادے سے واش روم کا رخ کیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ شاور لے کر نکلے تو کرم دین چائے کے ساتھ موجود تھا۔ انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"علی کہاں ہے؟"

"جی اپنے کمرے میں۔"

"وہاں کیا کر رہا ہے۔ بھیجو اسے میرے پاس۔" وہ اب مزید صبر نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے قدرے درشتی

تو کرم دین فوراً" چلا گیا اور چند لمحوں بعد ہی علی جہانگیر آ گیا تھا۔

ں غائب ہو گئے تھے تم؟" انہوں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

ں تھا چچا جان!" علی جہانگیر ان کے پاس آ بیٹھا اور ہاتھ میں پکڑا لفافہ ان کے سامنے کر دیا۔

یا ہے؟" انہوں نے لفافہ لیتے ہوئے پوچھا۔

پ خود دیکھ لیں۔"

ں نے چائے کا کپ رکھ کر لفافے میں سے پیپرز نکالے اور پھر تحریر پر نظریں دوڑاتے ہوئے ان کی پیشانی پر کا جال بنتا گیا تھا۔

ہانگیر بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔ آخر میں ان کے ہونٹ بھینچتے پر کہنے لگا۔

ایسا نہیں چاہتا چچا جان! اور صباحت بھی نہیں چاہتی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس اقدام کے مجبور کیا گیا ہے۔"

ثبوت ہے تمہارے پاس؟" انہوں نے سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔

ی محبت۔" وہ کہہ کر ہونٹ بھینچ گیا۔

سکندر چونک کر دیکھنے لگے تو قدرے توقف سے مزید گویا ہوا۔

پ چاہیں تو صباحت سے تصدیق کروا سکتے ہیں۔ میں کسی پلاننگ کے تحت اس کی زندگی میں داخل نہیں ہوا نے اس وقت ایک دوسرے کو پسند کیا جب ہم ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اور تب تھا' مجھے بھی آپ کی طرح سب کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا' لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ بابا جان نے ات میں ہی جان لیا تھا کہ وہ آپ کی بیٹی ہے۔"

جان نے۔" وہ کسی طرح اپنی حیرت نہیں چھپا سکے۔ "وہ کب' کہاں ملے تھے صباحت سے؟"

ں اسی گھر میں۔ اتفاق سے جس روز وہ آئی تھی بابا جان یہیں موجود تھے اور یہ جاننے کے بعد کہ وہ آپ کی انہوں نے مجھے منع کیا تھا کہ میں اسے اپنے بارے میں کچھ نہ بتاؤں۔"

ی تفصیل بتا رہا تھا اور شاہ سکندر کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا۔ جب بابا جان نے ایک دن اچانک انہیں بلا کر کہ ڈاکٹر آسیہ کے پاس ان کی کوئی اولاد ہے اور اگر ہے تو اسے اس کا حق ملنا چاہیے۔ اس وقت وہ کتنے ن گئے تھے کہ پتا نہیں آسیہ کے پاس کا بیٹا ہے یا بیٹی۔ جبکہ بابا جان جانتے تھے اور باقاعدہ اسے لانے کا پلان چکے تھے۔

پ کیا سوچنے لگے چچا جان؟ میرا یقین کریں' میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں صباحت کے ساتھ اتنا ہی سنسیئر ہوں' آپ کے ساتھ۔" علی جہانگیر نے عاجزی سے ٹوکتے ہوئے کہا۔

ں۔" انہوں نے اسی سوچتے ہوئے انداز میں ہوں کی آواز نکالی پھر سگار اٹھا لیا اور اسے سلگانے کے بعد علی جہانگیر کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

چاہتا ہوں' آپ ایک بار ڈاکٹر آسیہ سے ملیں۔ انہیں بتائیں کہ صباحت اور میں۔۔۔" وہ روانی سے بولتا خاموش ہو گیا۔

سے پہلے میں صباحت سے بات کرنا چاہوں گا۔ تمہارے پاس اس کا نمبر تو ہوگا؟" انہوں نے جیب سے تے ہوئے پوچھا اور جو لفافہ وہ لایا تھا اس پر نمبر لکھنے کے بعد اسے جانے کا کہا تو وہ کچھ جز بز سا ہو کر کمرے گیا تھا۔

کندر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے موبائل پر نمبر پش کیے تھے۔

ف ریسیور اٹھنے کے ساتھ ہیلو کی آواز آئی تھی۔

"مجھے صباحت سے بات کرنی ہے۔" انہوں نے اپنا سارا دھیان دوسری طرف رکھ کر کہا۔

"جی آپ کون؟" ادھر سے پوچھا گیا۔ آواز بالکل مدیحہ جیسی تھی۔ وہ سمجھ گئے صباحت ہی ہے۔ کیونکہ مدیحہ آپ کون کا سوال نہیں اٹھا سکتی تھی۔

"بیٹا صبا! میں ہوں شاہ سکندر حیات۔" انہوں نے بڑی محبت سے اس کا نام لے کر کہا۔

دوسری طرف ایکدم خاموشی چھا گئی۔ پتا نہیں وہ کس کیفیت میں گھر گئی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکے اور چند لمحے رک رک کر پکار کر کہنے لگے۔

"بیٹا! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ آپ سن رہی ہو نا؟"

کوئی جواب نہیں آیا۔

"صبا! خاموش مت رہو بیٹا۔ میں بہت جلد آپ کے پاس آؤں گا۔ اس وقت مجھے صرف ایک بات کا جواز دے دو۔ یہ جو خلع کا نوٹس آپ نے بھجوایا ہے۔ کیا اس میں آپ کی مرضی شامل ہے؟"

بہت ہلکی سی آواز آئی تھی۔ جیسے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر سسکی کو دبا دیا گیا ہو۔

"آپ رو رہی ہو؟" انہوں نے بہت بے چین ہو کر فوراً پوچھا تھا۔

ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"مائی گاڈ!" انہوں نے موبائل آف کر دیا اور اس کے رونے کا سبب سوچنے لگے، لیکن کچھ دیر بعد ہی ان کا ذ
اس سے آگے کی سوچنے لگا تھا اور پھر وہ اسی وقت آسیہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

شام کے سات بج رہے تھے، جب انہوں نے ڈاکٹر آسیہ کے روم کے کھلے دروازے پر ہلکے سے دستک دی تھی۔

آسیہ ایک خاتون کا بلڈ پریشر چیک کر رہی تھی۔ دستک کی آواز پر ادھر متوجہ ہوئی اور انہیں دیکھ کر ٹھٹھک کے ساتھ پیشانی پر بل ڈال کر قدرے ناگواری سے بولی۔

"آپ پلیز باہر انتظار کریں۔"

وہ ان سنی کر کے آگے بڑھ آئے اور بڑے آرام سے اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ بھی گئے تو آسیہ نے تماشا بننے کے خیال سے جلدی جلدی خاتون کو چیک کر کے میڈیسن لکھ کر اسے تھما کر جانے کا اشارہ کر دیا۔

"سسٹر! باقی مریضوں سے کہہ دیں کہ ڈاکٹر صاحبہ ایک ایمرجنسی کے سلسلے میں باہر جا رہی ہیں۔ اس لیے ا کل دیکھیں گی۔" خاتون کے جاتے ہی شاہ سکندر نے سسٹر کو مخاطب کر کے کہا تو وہ آسیہ کو دیکھنے لگی۔

آسیہ نے ناچار سسٹر کو جانے کا اشارہ کیا پھر چیئر کی بیک سے کمر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"میں کہیں نہیں جا رہی۔"

"اچھی بات ہے۔" شاہ سکندر اٹھ کر دروازے کے پاس گئے اور ایک نظر باہر دیکھنے کے بعد دروازہ بند
آسیہ کی طرف پلٹے تو وہ بہت ضبط کرتے کرتے بھی چیخ پڑی۔

"شاہ سکندر حیات! آپ بہت غلط کر رہے ہیں۔"

"اب تک جو کچھ میرے ساتھ ہوتا رہا وہ بہت ٹھیک تھا؟" وہ کہتے ہوئے دوبارہ اسی جگہ آ بیٹھے۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کے ساتھ کیا ہوا اور نہ میں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز صاف لفظوں میں ا مقصد بیان کریں اور۔۔۔"

وہ روانی میں بولتی ہوئی ہونٹ بھینچ گئی تو وہ کچھ دیر تک اس پر نظریں جمائے خاموش بیٹھے رہے، پھر ا لفافہ نکال کر اس کے سامنے پھینکتے ہوئے بولے۔

"جب میں نے آپ سے کہا تھا کہ صباحت کے بارے میں آپ خود سے کوئی فیصلہ نہیں کریں گی پھر آ نوٹس کیوں بھجوایا؟"

ں لیے کہ مجھے یہ رشتہ قائم نہیں رکھنا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی۔

ر صباحت، وہ کیا چاہتی ہے؟" انہوں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

اہر ہے اس کی مرضی سے۔۔۔"

ں نہیں۔" وہ فوراً ٹوک گئے۔ "اس کی مرضی آپ کو معلوم ہی نہیں ہے ڈاکٹر آسیہ! آپ خود جو کچھ کرنا یں اس پر زبردستی، محبت سے یا کسی بھی طرح اسے راضی کر لیتی ہیں۔ یہ جاننے کی آپ نے کبھی ضرورت ہی مجھی کہ اصل میں وہ کیا چاہتی ہے۔"

معاف کیجیے گا شاہ سکندر! میں اپنی بیٹی کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ بہت نیک، سعادت مند اور محبت والی بچی ہے۔ اس نے کبھی میری کسی بات سے اختلاف نہیں کیا اور اس معاملے میں تو اس نے شروع ہی را اختیار مجھے سونپ دیا تھا کہ میں جو چاہوں فیصلہ کروں۔" آسیہ نے صباحت کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

ت خوب، اس محبت کرنے والی بچی کی سعادت مندی کا یہ صلہ دیا آپ نے اسے کہ اس کے دل کی بستی نے کا سامان کر دیا۔" وہ طنز آمیز لہجے میں بولے تھے۔

یا مطلب ہے آپ کا؟" آسیہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

ھے آپ کی بے خبری پر افسوس ہے ڈاکٹر آسیہ! میرا تو خیال تھا۔ ماں ہونے کے ناتے آپ بیٹیوں سے بہت دران کی ہر بات سے آگاہ ہوں گی اور یہ بھی جانتی ہوں گی کہ صباحت اور علی جہانگیر ایک دوسرے کو پسند ہیں۔" انہوں نے تاسف کے اظہار کے ساتھ کہا تو آسیہ کی پیشانی کی شکنوں میں مزید اضافہ ہو گیا لیکن نہیں۔

رحال، میں آپ کو آگاہ کر رہا ہوں۔ اس کے بعد یہ کہوں گا کہ جو ظلم آپ نے اپنے ساتھ کیا وہ صباحت پر دنا چاہیے۔" ان کے انداز میں وارننگ تھی۔

آپ سے کس نے کہا کہ میں نے اپنے ساتھ ظلم کیا تھا۔ نہیں شاہ سکندر حیات! میں زندگی میں کبھی نہیں اور میری بیٹی بھی نہیں پچھتائے گی۔ ابھی ہو سکتا ہے اسے دکھ ہو اور میرے اس فیصلے کو ظلم سمجھ رہی ہو ہو وقت گزرنے کے بعد وہ سمجھ جائے گی کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم نہیں کیا تھا، بلکہ آنے والے مظالم ایا تھا۔" وہ ان کی وارننگ پر تیز ہو کر بول رہی تھی۔

در شاہ سکندر حیات! آپ کیوں اپنی بیٹی کے دشمن ہو رہے ہیں۔ بھتیجے کی محبت میں بیٹی کو نظرانداز کر رہے مرف اس لیے کہ اس نے میری کوکھ سے جنم لیا۔"

ں، خاموش ہو جائیں آسیہ!" انہوں نے غصے سے ٹوکا تو وہ ہنوز اسی لہجے میں بولی۔

یوں، سچ نہیں سن سکتے۔"

ئی سننا چاہتا ہوں، سچ ہی کہنا چاہتا ہوں اور سچ یہ ہے کہ میں آج بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔" جانے ماجذبہ اچانک غالب آ کر انہیں بے اختیار کر گیا تھا پھر فوراً ہونٹ بھینچ گئے۔

یہ ایکدم سناٹے میں آ گئی تھی۔

اش دوران یہ کس موڑ پر لے آئی تھی۔

ضبط کا عہد بھی ہے، شوق کا پیماں بھی ہے
عہد و پیماں سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

کتے لمحے بہت حیران ہو کر ان ساکت وجودوں کو دیکھ رہے تھے۔ جن کے دل ایک ہی لے پر دھڑک رہے لیکن کتنے بے بس تھے دونوں کہ درمیان میں حائل خلیج عبور کرنے کا حوصلہ کر بھی لیتے تب بھی ایک

دوسرے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

"آئی ایم سوری۔ میں نے آپ کا بہت وقت خراب کیا۔" کتنی دیر بعد شاہ سکندر بولنے کے قابل ہوئے تو معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"اگر کر سکیں تو ایک بار اور میرا اعتبار کرلیں۔ میرے پیش نظر پہلے بھی صباحت کی بہتری تھی اور ابھی بھی میں اس کا خیال کرکے آیا ہوں۔ آپ کی خاطر وہ علی سے ناتا توڑنے پر آمادہ تو ہوگئی ہے' لیکن اس کے بعد وہ خوش رہنا تو دور کی بات' زندہ بھی نہیں رہ سکے گی۔ کیونکہ وہ آپ کی طرح بہادر نہیں ہے۔ مجھے مدحیہ نے بتایا تھا کہ وہ بہت بزدل ہے۔ ایسی صورت میں تو آپ کو اس کا اور خیال کرنا چاہیے۔ میں ابھی بھی آپ کو فورس نہیں کررہا' بلکہ درخواست کررہا ہوں کہ اگلا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میری باتوں پر غور ضرور کیجیے گا اور بالکل غیر جانبداری سے۔ اوکے۔"

وہ اپنی بات ختم کرکے اٹھ کھڑے ہوئے تو آسیہ کے سینے سے بے اختیار گہری سانس خارج ہوئی' پھر کچھ ناراض لہجے میں بولی تھی۔

"میں کچھ نہیں سوچ سکتی جب تک مدحیہ میرے پاس نہیں آجاتی۔"

"مدحیہ!" وہ بری طرح چونکے لیکن خود کو مزید کچھ کہنے سے روک بھی لیا۔ جبکہ ان کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا تھا۔

"جی' شاہ جہانگیر کی دھمکی کے بعد میں اس کی طرف سے بہت فکرمند ہوں اور صباحت کا فیصلہ بھی اس دھمکی کا مرہون منت ہے۔ میں کیسے اس گھر میں اپنی بیٹی دے سکتی ہوں جہاں اس کی سلامتی کی کوئی ضمانت نہیں۔" وہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔

"میں ہوں نا ان کا باپ۔ آپ فکر نہیں کریں۔ میں ابھی شاہ پور جارہا ہوں اور کل انشاءاللہ مدحیہ کو لے آؤں گا۔"

انہوں نے بہت سنبھل کر اسے اطمینان دلایا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکلے تو ان کا اپنا اطمینان رخصت ہو چکا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ علی جہانگیر کس شدت سے ان کا انتظار کررہا ہوگا۔ صرف مدحیہ کا خیال تھا جو ہیر گاڑی شاہ پور کے راستے پر ڈال دی تھی۔

------*

اس کے اندر بھی شاہ سکندر کو دیکھنے اور ان سے ملنے کی آرزو تھی۔ لیکن اس نے کبھی مدحیہ کی طرح اظہار نہیں کیا تھا۔ بلکہ اسے بھی اظہار سے روکتی تھی۔ کیونکہ اسے آسیہ کا خیال تھا اور اسے دکھ دینے کا تو وہ سوچ نہیں سکتی تھی۔ اس لیے باپ سے فطری محبت کو اس نے ہمیشہ دبایا تھا اور اس کے لیے اسے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بس ایک سوچ ہی کافی تھی کہ اس شخص نے اس کی ماں کو دکھ دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے اندر نفرت بھر جاتا اور محبت جانے کن کونے کھدروں میں جا چھپتی' جو اگر کبھی سر ابھارتی بھی تو اس کی بزدلی اسے تھپک کر سلا دیتی تھی۔ لیکن ابھی شام میں شاہ سکندر نے فون کرکے جس محبت سے اسے مخاطب کیا تھا اس سے وہ بری طرح بکھری تھی کہ اس کے بعد سے اب تک خود کو سنبھالنے میں ناکام ہوگئی تھی۔ آنسو جو ان کی آواز سن کر چھلکے تھے' اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی ان کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا۔ شاید اس لیے کہ بند باندھنے کی اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ چیخوں کو روکنے کے لیے اس نے منہ پر تکیہ رکھ لیا تھا۔ آٹھ بجے کے قریب نبیل آئے اور حسب عادت پہلے اس کے کمرے میں جھانکا تو اسے بے وقت بستر میں منہ چھپائے دیکھ کر کچھ ٹھٹکے' پھر پکارتے ہوئے اس کے سر پر آکھڑے ہوئے۔

"صبا! کیا ہوا بیٹا؟"

اسے زندگی میں پہلی بار نبیل کی آمد بہت بری لگی تھی۔ دل چاہا سارے لحاظ بھلا کر انہیں چلے جانے کو کہے۔ بڑی مشکل سے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا۔

"تم رو رہی ہو؟" نبیل نے آہستہ سے اس کے منہ پر سے تکیہ ہٹایا اور جل تھل کا سماں دیکھ کر پریشان ہوگئے۔

"صبا! کیا ہوگیا ہے۔ کیوں اس طرح رو رہی ہو؟" انہوں نے پہلے نرمی سے پوچھا پھر اسے جھنجھوڑ ڈالا تو وہ چیخ کر بولی۔

"میری مرضی' میرا دل چاہ رہا ہے رونے کو۔ اور اس سے آپ کا کیا بگڑ رہا ہے۔ خواہ مخواہ پریشان ہورہے ہیں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ میں ایسا نہیں کرسکتا۔" وہ اس کے چیخنے پر حیران ہوتے ہوئے بولے تھے۔

"کوئی مشکل نہیں ہے۔ اپنے کمرے میں جاکر آرام سے بیٹھ جائیں۔" وہ دوپٹے سے آنکھیں اور ناک صاف کرتے ہوئے بولی۔

"آرام سے۔" ان کی ذرا سی ہنسی میں دکھ تھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولے۔ "چلو منہ دھو کر آؤ۔ … ہو آنے والی ہوں گی۔"

"تو آجائیں' ان کے سامنے کیا میں نہیں رو سکتی۔"

"کوئی وجہ بھی ہو رونے کی۔"

"ضروری نہیں ہے۔ بس میرا دل چاہ رہا ہے اور آپ پلیز مجھے منع نہیں کریں۔" اس نے پھر لیٹ کر تکیہ منہ پر … لیا تو نبیل الجھ گئے کہ آخر ایسی کیا بات ہوگئی ہے جو وہ ان سے چھپا رہی ہے۔ گو انہیں یقین تھا کہ کوئی بات ہوئی … رہی ہے۔ کچھ دیر تک قیاس کرتے رہے۔ زیادہ گمان یہی تھا کہ علی جہانگیر کا فون آیا ہوگا اور اسی نے کوئی ایسی … کہی ہے جس سے وہ ہرٹ ہوئی ہے یا پریشان ہوکر رو رہی ہے۔ اور یہ طے تھا کہ اس وقت وہ کچھ نہیں بتائے … اس لیے انہوں نے مزید اصرار کا ارادہ ترک کردیا اور اسے مخاطب کرکے بولے۔

"سنو' میں اپنے کمرے میں جارہا ہوں لیکن آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ اس لیے … رونے سے دل بھر جائے تو میرے آرام سے سونے کا خیال کرلینا۔" اپنی بات ختم کرتے ہی وہ اس کے کمرے … نکل گئے۔

"ہرگز نہیں۔ اب میں کسی کا خیال نہیں کروں گی۔ مما کا بھی نہیں۔"

… جو کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوئی تھی' سب سے ناراض ہوکر سوچنے لگی تھی۔ بے سروپا سوچیں تھیں جو … ہر احساس سے عاری کررہی تھیں۔ اور اس سے پہلے کہ کوئی ایک احساس بیدار ہوتا' نیند نے اسے اپنے … سے بھی غافل کردیا تھا۔

… جبکہ ادھر نبیل اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ہمیشہ کی طرح کچھ دیر میں ہی وہ ان کے پیچھے … آئے گی اور کھڑے کھڑے ایک ہی سانس میں اپنے رونے کا سبب بتا کر کہے گی۔ آپ بہت خراب ہیں نبیل … لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کچھ دیر نہیں' بہت دیر ہوگئی۔ تب نبیل تشویش میں مبتلا ہوگئے اور کسی طرح رہا نہیں … تو پھر اس کے کمرے میں آگئے۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ انہوں نے آہستہ آواز میں ایک دوبار پکارا کہ شاید بچی … سے بیدار ہوجائے' لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ تب اس کے پاس بیٹھتے ہوئے انہوں نے بغور اس کا چہرہ … اس کی پلکوں پر موتی چمک رہے تھے اور گالوں پر لکیریں سی بن گئی تھیں۔

"یہ رونا بے سبب تو نہیں ہوسکتا۔"

… انہیں حقیقتاً بہت دکھ ہورہا تھا۔ بہت احتیاط سے اس کے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کیا پھر اٹھتے ہوئے بے … اس کی پیشانی چوم لی۔ اس سارے جہاں میں ایک وہی تو تھی جس کے ساتھ وہ دکھ سکھ شیئر کرتے تھے اور … ذرا سی تکلیف انہیں اپنے دل پر محسوس ہوتی تھی۔ وہ کچھ دیر اس کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑے رہے … میں آکر علی جہانگیر کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔

ادھر سے پہلی بیل کے ساتھ ہی جس طرح ریسیور اٹھایا گیا اس سے یہی لگا جیسے وہ فون کے انتظار میں بیٹھا تھا۔
"میں ہوں نبیل۔" انہوں نے اس کی ہیلو کے جواب میں کہا تو اس بار اس کا انداز مایوسی لیے ہوئے تھا۔
"جی فرمایئے۔"
"مجھے یہ پوچھنا ہے کہ شام میں آپ کی صباحت سے کیا بات ہوئی تھی؟" انہوں نے بغیر کسی تمہید کے اور بڑے یقین سے پوچھا۔
"میری۔" علی جہانگیر کی حیرت بھری آواز پر وہ زرودے کر بولے۔
"جی آپ کی۔"
"جی نہیں' میری صباحت سے بات نہیں ہوئی۔ البتہ چچا جان نے فون کیا تھا۔"
"چچا جان؟"
"شاہ سکندر حیات' کیوں خیریت؟" علی جہانگیر نے نام بتا کر فوراً پوچھا۔ لیکن وہ شاہ سکندر کا نام سنتے ہی ایکدم خاموش ہو گئے اور فون بھی رکھ دیا۔ کیونکہ مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صباحت کا رونا ان کی سمجھ میں آ گیا تھا اور اس کا سبب نہ بتانا بھی حیرت انگیز نہیں رہا تھا۔ کیونکہ دو سال پہلے طویل مدت بعد جب وہ اپنی ماں سے ملے تھے تو ان کی بھی یہی کیفیت تھی اور انہوں نے تو ابھی تک کسی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ شام میں ٹیوشنز کے بعد اپنی ماں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ جہاں ان کے دو بہن بھائی اور بھی ہیں۔ جو ان سے اسی طرح ملتے ہیں۔ جیسے پاپا کی اولادیں۔ سمیر' رجا اور مریم۔
"کتنے چاہنے والے ہیں ہمارے پھر بھی ہم اکیلے ہیں۔" انہوں نے صباحت کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا پھر اپنے کمرے میں آ کر آرام سے بیٹھ گئے تھے۔

*_*_*

شاہ سکندر رات بارہ بجے کے بعد شاہ پور پہنچے تھے اور بابا جان کے آرام کا خیال کیے بغیر اسی وقت سیدھے ان کے کمرے میں چلے آئے۔ زیرو پاور کی مدھم روشنی میں بابا جان پتا نہیں سو رہے تھے یا یوں ہی آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔
"بابا جان!" سکندر نے انہیں پکارنے کے ساتھ ٹیوب لائٹ کا بٹن آن کر دیا۔
بابا جان نے ذرا سی آنکھیں کھولیں اور انہیں دیکھ کر تکیے سے سر اونچا کرتے ہوئے بولے۔
"تم سکندر! ابھی آ رہے ہو؟"
"مدحیہ کہاں ہے؟" شاہ سکندر نے ان کی بات یکسر ان سنی کر کے پوچھا۔ ٹھہرے ہوئے سرد لہجے میں جیسے کوئی طوفان چھپا تھا۔
بابا جان ایک لحظہ کو ٹھٹکے پھر فوراً "انجان بن گئے۔
"کون؟"
"مدحیہ' میری بیٹی۔ کہاں چھپا دیا ہے آپ نے اسے اور کیوں؟" شاہ سکندر کسی طرح ضبط نہیں کر پا رہے تھے
"آرام سے' آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔" بابا جان نے انہیں پرسکون کرنے کی سعی کی۔
"میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتا بابا جان! جب تک مجھے مدحیہ نہیں مل جاتی۔ آپ بتائیں' کہاں ہے وہ؟"
"ہم کیا بتائیں۔ ہم تو اسے کراچی چھوڑ کر آئے تھے۔ تم کراچی والوں سے معلوم کرو۔ وہ یقیناً" پھر تمہیں دم دے رہے ہیں۔ جیسے پہلے انہوں نے تم سے تمہاری بیٹی کو چھپایا تھا۔"
بابا جان نے اتنے ٹھوس لہجے میں کہا کہ کچھ دیر کو وہ خاموش ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس بات میں واقعی صداقت تھی۔ آسیہ نے انہیں ایک بیٹی کا بتایا تھا۔
"میں کراچی ہی سے آ رہا ہوں بابا جان! اور مجھے وہیں سے معلوم ہوا ہے کہ مدحیہ وہاں نہیں پہنچی۔" اس بار شاہ سکندر کا لہجہ کمزور تھا۔

"کیسے نہیں پہنچی۔ ہم خود اسے اس کے دروازے پر چھوڑ کر آئے تھے۔"
بابا جان اپنی بات پر قائم رہ کر تیز لہجے میں بولے۔ "معلوم کرو اس ڈاکٹرنی سے کہ اب وہ ہم سے اور کیا چاہتی ہے۔ ہم اپنی پوتیوں کے صدقے میں اسے بہت کچھ دے سکتے ہیں۔"
شاہ سکندر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس کا یقین کریں۔ آسیہ کا یا بابا جان کا۔ ان دونوں کے درمیان وہ خود کو ایسے احمق لگنے لگے تھے۔
"بیٹا! تم ناحق پریشان ہو رہے ہو۔ مدحیہ اپنی ماں کے پاس ہے اور اس کی ماں بہت شاطر عورت ہے۔ اس کی چالیں تم نہیں سمجھ سکتے۔ جانتے ہو' صباحت کی طرف سے وہ خلع کا دعوا دائر کر چکی ہے۔"
بابا جان ان سے ہمدردی جتا کر آسیہ کے خلاف بولنا شروع ہو گئے تھے۔
"جی' مجھے علی نے بتایا ہے اور میں اس سلسلے میں آسیہ کے پاس گیا تھا۔ تاکہ اسے نوٹس واپس لینے پر مجبور کر سکوں۔" ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے شاہ سکندر نے رک کر بتایا تو بابا جان نے فوراً" پوچھا۔
"پھر کیا کہا اس نے؟"
"اس کا کہنا ہے جب تک مدحیہ اس کے پاس نہیں پہنچ جاتی' وہ کچھ نہیں سوچ سکتی۔"
"دیکھ لو اس کی چالاکی۔"
اگر جو یہ اس کی چالاکی ہے تو بہت مہنگی پڑے گی اسے۔" شاہ سکندر نے انتہائی تنفر سے کہا اور ایک نظر بابا جان پر دیکھ کر ان کے کمرے سے نکل آئے تھے۔
پھر مہرالنساء کی نیند خراب ہونے کے خیال سے وہ بیڈ روم میں جانے کی بجائے اپنے اسٹڈی روم میں آ گئے۔ پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کیا۔ گلے سے ٹائی کھینچ کر ایک طرف ڈالی پھر سگار سلگا کر صوفے پر دراز ہو گئے۔ ان کا دماغ بری طرح چیخ رہا تھا۔ کیونکہ بابا جان اور آسیہ دونوں کی باتیں ایک ساتھ ان کے ذہن پر حملہ آور ہو رہی تھیں اور اس میں وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ ان دونوں میں سے کون سچا ہے۔ اور کوئی بھی ہو انہیں مدحیہ کا پتا چلنا ہے۔
"کس سے معلوم کروں؟" انہوں نے سلگتے ذہن کے ساتھ سوچتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ یہاں سب سو رہے تھے لیکن کراچی میں تو اس وقت رات شروع ہوئی تھی۔ اس خیال کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھے اور اپنا موبائل اٹھا کر آن کیا تھا کہ بزر بجنے لگی۔ غالباً" کوئی مسلسل ٹرائی کر رہا تھا۔
"ہیلو!" انہوں نے بہت بے دلی سے ہیلو کہا تھا۔
"چچا جان! کہاں ہیں آپ؟" دوسری طرف علی جہانگیر تھا۔ ان کی آواز سن کر جیسے اس کی جان میں جان آئی۔
"سوری بیٹا! میں بالکل بھول گیا کہ مجھے تمہارے پاس آنا تھا۔ ویری سوری۔" انہیں ایکدم احساس ہوا کہ وہ اسے کس انتظار میں چھوڑ آئے تھے۔ بہت معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے۔
"اصل میں بات ہی ایسی ہو گئی تھی کہ میں وہاں رک نہیں سکا اور سیدھا شاہ پور چلا آیا۔"
"کیا۔۔۔ کیا بات؟" وہ غالباً" اپنے متعلق سوچ کر پریشان ہوا تھا۔
"وہ بیٹا! مدحیہ کا معلوم کرنا تھا کہ کہاں ہے وہ؟" انہوں نے قصداً" سرسری انداز اختیار کرتے ہوئے اسی قدر کہا تو وہ بول پڑا۔
"رتبے پر۔"
"کہاں؟" وہ ایکدم پوری جان سے متوجہ ہوئے تھے۔
"رتبے پر چچا جان! جہاں تایا جی کا کاٹیج ہے۔ جس روز آپ کینیڈا جا رہے تھے اس روز میں نے اسے وہیں دیکھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ اسے وہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔ [illegible] رہے گی۔ میرا خیال ہے اس کی خواہش کو دیکھتے

ہوئے باباجان نے اسے وہاں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ آپ باباجان سے معلوم کرلیں۔"
علی جہانگیر نے تفصیل بتانے کے ساتھ مشورہ بھی دیا تو وہ چونک کر بولے۔
"ہاں ' ابھی تو باباجان سو رہے ہیں۔ صبح معلوم کروں گا اور سنو تم صبح جتنی جلدی ممکن ہو سکے رتبے پر پہنچ جانا، میں باقی باتیں تم سے وہیں کروں گا۔"
"جی بہتر۔"
"خدا حافظ۔" انہوں نے موبائل بند کر دیا اور دل تو چاہا اس وقت جا کر باباجان کو جھنجوڑ ڈالیں، لیکن ان کی شاطرانہ چالوں کا سوچ کر انہیں ضبط کرنا پڑا۔ اور یہ بھی سوچ لیا کہ جب تک مدحیہ کو حاصل نہیں کر لیتے باباجان پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیں گے۔ کیونکہ ان سے کچھ بعید نہیں تھا۔ اپنی بات سچ ثابت کرنے کے لیے وہ مدحیہ کی جان بھی لے سکتے تھے۔ بہرحال انہیں مدحیہ کا پتا چل گیا تھا' اس کے بعد اپنا اگلا اقدام کا سوچ کر وہ کافی حد تک مطمئن بھی ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود تمام رات سو نہیں سکے اور فجر کی اذان کے ساتھ ہی حویلی سے نکل آئے تھے۔
مسلسل ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد جب وہ کاٹیج پہنچے۔ سورج نکل آیا تھا۔ سرخ بجری کی روش پر گاڑی روک کر وہ نیچے اترے تو چوکیدار دور سے بھاگا آیا۔
"سلام صاحب!"
وہ سر کے اشارے سے جواب دیتے تیز قدموں سے آگے چل پڑے۔ کاٹیج کا گیٹ کھلا تھا۔ وہ رکے بغیر اندر چلے آئے۔ کوریڈور اور پھر ہال میں کوئی نہیں تھا' نہ کسی کی موجودگی کے آثار نظر آ رہے تھے پھر بھی انہوں نے قدرے اونچی آواز میں پکارا۔
"مدحیہ!" خاموشی میں ان کی آواز گونج کر رہ گئی۔
"بی بی یہاں نہیں ہیں صاحب!" عقب سے چوکیدار نے کہا تو وہ فوراً اس کی طرف پلٹے۔
"پھر کہاں ہے؟"
"پتا نہیں صاحب! مجھے بتا کر تو نہیں گئیں۔" چوکیدار ان کے جارحانہ انداز سے خائف ہو کر بولا۔
"بتا کر نہیں گئی۔ اس کا مطلب ہے یہاں آئی تھی۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں خود کلامی کی پھر چوکیدار کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔
"یہاں سے کب گئی ہیں؟"
"چار پانچ روز ہو گئے ہیں۔"
"کون لے گیا تھا اسے؟"
"شاہ تیمور۔"
"یہاں کتنے دن رہی تھی؟"
"پہلے تو جی دو دن رہیں پھر چلی گئیں پھر آئیں تو چار دن رہیں اور جاتے ہوئے پھر آنے کا بھی کہہ گئی ہیں۔" چوکیدار نے باقاعدہ انگلیوں پر حساب لگاتے ہوئے بتایا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔
"کب؟"
"یہ تو نہیں بتایا تھا۔ کیا پتا آج آجائیں یا کل۔ آپ شاہ تیمور سے معلوم کرلیں۔"
"اچھا ٹھیک ہے' تم جاؤ اور کوئی ناشتے وغیرہ کا انتظام کرو۔"
وہ چوکیدار کو بھیج کر گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھے اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ اب اس مقام پر ان کا ذہن مزید کچھ نہیں سوچ پا رہا تھا۔ رات بھر جاگنے نے انہیں اتنا نہیں تھکایا تھا' جتنا ناکامی نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔
کچھ دیر بعد چوکیدار نے ناشتا لا کر ان کے سامنے رکھا تو اسی وقت علی جہانگیر بھی آگیا۔
"السلام علیکم چچا جان!"

ں نے علی جہانگیر کی آواز پر ہاتھوں سے سر اونچا کیا تھا اور اسے دیکھ کر انہیں کافی حوصلہ ہوا۔
بھو بیٹا! وقت پر آگئے۔"
یا بات ہے چچا جان! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" علی جہانگیر نے ان کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر سے پوچھا۔
ں ٹھیک ہوں۔ بیٹا! دعا کرو' آگے سب ٹھیک ہو جائے۔" انہوں نے چوکیدار کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔
یہ کہاں ہے؟" علی جہانگیر کی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔
ی کی تلاش میں تو آیا ہوں۔ پتا نہیں تیمور اسے کہاں لے گیا ہے۔ ادھر میں آسیہ سے وعدہ کر آیا ہوں کہ صورت مدحیہ کو اس کے پاس لے کر آؤں گا۔ اب بتاؤ میں کیا کروں۔ کہاں تلاش کروں اسے۔"
پ باباجان سے۔"
م مت لو ان کا۔ سب کیا دھرا ان ہی کا ہے۔" ان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔
جہانگیر حیران اور قدرے خائف بھی ہو گیا تھا۔
دیر بعد خود پر قابو پا کر شاہ سکندر نے ساری باتیں تفصیل سے بتا ڈالیں۔ جنہیں سن کر وہ واقعی چکرا گیا تھا۔
ن کی خاطر خود کو سنبھال کر بولا۔
پ فکر نہیں کریں چچا جان! مدحیہ کو کچھ نہیں ہوگا۔"
ہا! جب تک وہ باباجان کے قبضے میں ہے۔ میں اس کی فکر سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرو تم ابھی شاہ پور جاؤ طور پر باباجان سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ مدحیہ کے بارے میں انہوں نے کیا سوچا ہے اور ہاں' ے پہلے انہیں یہ بتا دینا کہ رتبے پر تمہاری مدحیہ سے ملاقات ہو چکی ہے۔ جبکہ مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ے ہو ناں؟"
ی!" علی جہانگیر سمجھ کر اثبات میں سر ہلانے لگا۔
ڈ۔ اب تم جاؤ۔" انہوں نے اس کا کندھا تھپک کر اٹھا دیا تھا۔

——*

کون سی جگہ ہے؟" مدحیہ نے سڑکوں پر اچھی خاصی رونق دیکھ کر پوچھا تو شاہ تیمور نے کچھ بے دھیانی میں یا تھا۔
یدر آباد۔"
حیدر آباد ہے۔" وہ اشتیاق سے بولی تو اس بار وہ متوجہ ہو کر پوچھنے لگا۔
ہاں' تمہیں حیدر آباد دیکھنے کا شوق تھا؟"
یں'
ا نے سوچا آج تمہیں شاپنگ کرادوں۔" شاہ تیمور نے شاہانہ انداز سے کہا تو وہ ہنس پڑی۔
ہاں سے۔"
ے کیا سمجھتی ہو۔ جو ورائٹی اور کوالٹی یہاں ہے کہیں نہیں ملے گی۔" وہ گاڑی بند کرتے ہوئے بولا۔
یں دیکھ لیتے ہیں۔" وہ احسان کرتی ہوئی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتری تو سامنے کھڑی بس کے پاس کھڑا ر رہا تھا۔
ہی' کراچی' کراچی۔"
شاہ تیمور چکر کاٹ کر اس کے پاس آکر بولا تو وہ چونک کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ لیکن اس کا دھیان پیچھے کی طرف تھا۔

اس کے قدموں کی رفتار بہت سست تھی۔ شاہ تیمور نے ٹوکا تب وہ سر جھٹک کر تیز تیز چل پڑی۔
پھر کتنی دکانوں پر رک کر شاہ تیمور نے اپنی پسند سے اس کے لیے سوٹ خریدے۔ وہ کہیں دلچسپی ظاہ
کہیں چپ چاپ دیکھتی رہی۔ آخر اسے اکتاہٹ ہونے لگی تو مزید آگے چلنے سے انکار کر دیا۔

"بس تیمور! میں تھک گئی ہوں۔"

"ارے اتنی جلدی ان کے ساتھ میچنگ شوز اور جیولری نہیں لوگی؟" شاہ تیمور نے دوسری چیزوں کے
کر اسے مزید چلنے کے لیے اکسانا چاہا لیکن وہ منہ بنا کر بولی۔

"پھر سہی۔"

"شوز لے لو جیولری پھر سہی۔ چلو مجھے بھی جوگرز لینے ہیں۔" شاہ تیمور نے کہا اور اسے کچھ کہنے کا مو
بغیر چل پڑا۔ تو اسے ناچار اس کی تقلید کرنی پڑی۔

پھر شوز اور سینڈل وغیرہ دیکھنے کے لیے وہ شوکیس کے پاس ہی رک گئی تھی۔
شاہ تیمور دکان کے اندر داخل ہو گیا اور سیلز مین سے جوگرز دکھانے کا کہہ کر بینچ پر بیٹھ گیا۔
سیلز مین فوراً حرکت میں آگیا اور ایک کے بعد ایک ڈبہ کھول کر اس کے سامنے رکھنے لگا۔
اس نے باری باری سب میں پیر ڈال کر دیکھا پھر جو پسند آیا اسے پیک کرنے کا کہہ کر مدحیہ کی طرف
وہ شوکیس کے پاس موجود نہیں تھی اس نے اپنے اطراف ——— نظر ڈالی پھر دکان سے باہر نکل کر ادھ
کے بعد کاؤنٹر پر آکر منیجر کو مخاطب کیا۔

"ایکسکیوزمی۔ یہاں ایک لڑکی شوز دیکھ رہی تھی۔ کچھ بتا سکیں گے کس طرف گئی ہے؟"

منیجر نے پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
"کہاں چلی گئی؟" اس نے سوچتے ہوئے انداز میں سامنے دیکھا جہاں کچھ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ پھر
دکان میں جھانکتا ہوا مارکیٹ سے نکلا تو ایک دم سے احساس ہوا کہ وہ اسے کھو چکا ہے اور اس خیال
پریشان کر دیا تھا۔ بابا جان کے سامنے جواب دہی سے زیادہ اسے اپنا خیال تھا کہ وہ سچ مچ اسے چاہنے لگا تھ

"نہیں، وہ کہیں نہیں جا سکتی اور جائے گی کہاں، کسی دکان میں کھڑی ہوگی۔"
وہ خود کو تسلی دیتا ہوا دوبارہ مارکیٹ کے اندر گیا اور پھر ایک ایک دوکان دیکھ ڈالی۔ لیکن وہ کہیں نہیں
واپس آتے ہوئے اس کی پریشانی میں غصہ بھی شامل ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی اسے چکر دے گئی تھی اور م
دے کر۔

"فریب، نہیں، نہیں۔" اس کا دل ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ یقیناً
کے لیے کہیں چھپ گئی ہے۔ وہ ٹریفک میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا اپنی گاڑی کے پاس آیا اور جو شاپرز ہا
رکھنے کے لیے پچھلا دروازہ کھولا تو کھٹک گیا، وہاں وہ سارے شاپرز رکھے تھے جو مدحیہ کے ہاتھ میں
مطلب تھا کہ وہ یا تو یہیں کہیں موجود ہے یا اس کی چیزیں واپس کر کے گئی ہے۔ ایک مبہم سی امید
کتنی دیر گاڑی کے پاس کھڑا رہا۔ شاید ایک گھنٹے سے بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ تب بہت مایوس ہو کر وہ گاڑ
وہیں سے شاہ پور چل پڑا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ حویلی پہنچا تو سیدھا بابا جان کے کمرے کا رخ کیا۔
"السلام علیکم بابا جان!" اس نے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے سلام کیا۔ تو بابا جان یوں چو
آمد غیر متوقع ہو۔ پھر فوراً سامنے صوفے کی طرف اشارا کرتے ہوئے بولے۔

"آؤ تیمور! ابھی علی تمہارا ہی پوچھ رہا تھا۔"

"علی۔" وہ ادھر متوجہ ہوا تو علی جہانگیر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ
بولا۔

ہوتے ہو یار! کیا کاٹیج میں مستقل ڈیرہ جما لیا ہے؟"

"میں بابا جان کے کام سے حیدر آباد گیا تھا۔ ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔" اس نے علی جہانگیر کا بڑھا ہوا
ر کہا۔ پھر اس کے ساتھ بیٹھا تو پوچھنے لگا۔ "تم کب آئے؟"

"آدھا گھنٹہ ہوا ہے اور بس ابھی جانے ہی والا تھا۔"

یار! ابھی آنا ابھی جانا میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

ری ملازم ہوں۔ اپنا کام بس ایسے ہی چلتا ہے۔" علی جہانگیر کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا بابا جان! میں
بی بی جان سے مل لوں۔"

جاؤ۔ تمہاری ماں انتظار کر رہی ہوگی۔" بابا جان نے کہا۔
انگیر نے جاتے جاتے شاہ تیمور کو اشارہ کیا کہ وہ بابا جان سے فارغ ہو کر اس کے پاس آئے۔
ور نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے جانے کے بعد بابا جان کو دیکھ کر کہنے لگا۔

جان! وہ مدحیہ پتا نہیں کہاں چلی گئی۔"

؟" بابا جان تکیے کا سہارا چھوڑ کر یکدم سیدھے ہوئے "کیا کہا تم نے 'کہاں چلی گئی؟'"

نہیں معلوم کہاں چلی گئی۔ بس کچھ دیر کو میری توجہ اس کی طرف سے ہٹی تھی اور اتنی ہی دیر میں وہ
شاہ تیمور کے انداز میں حد درجہ پچھتاوا تھا۔

شہربانو کے گھر سے؟" بابا جان نے پوچھا تو وہ کتنی دیر نفی میں سر ہلانے کے بعد بولا تھا۔
میں آج اسے حیدر آباد لے گیا تھا۔ کچھ اپنی چیزیں لینی تھیں کچھ اس کے لیے، بس وہیں سے لگتا ہے
قعے کی تلاش میں تھی پھر میں نے بہت ڈھونڈا اسے۔ کہیں نہیں ملی۔"

تم آگئے۔" بابا جان کے لہجے میں ایسی چبھن تھی کہ وہ تلملا گیا۔
ر تا ساری زندگی وہیں کھڑا رہتا۔ میں یہ بھی کر سکتا تھا اگر جو وہ خود سے نہ گئی ہوتی۔ اور مجھے اس کے جانے
نہیں ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ اس نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا۔"

نہ!" بابا جان نے اس کا مطلب سمجھ کر نخوت سے سر جھٹکا پھر اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے بولے۔
کی ہماری توقع سے زیادہ چالاک نکلی۔ ادھر سکندر الگ ہمیں پریشان کر رہا ہے۔ خیر یہ بھی اچھا ہے کہ ہم
سے کہہ چکے ہیں کہ وہ کراچی چلی گئی اور سنو۔"
ان ایکدم رک کر اس سے مخاطب ہوئے۔
تم سے مدحیہ کے بارے میں ضرور پوچھے گا اسے یہی بتانا کہ وہ آٹھ دس دن پہلے ہی چلی گئی تھی۔ ہم چھوڑ
تھے اسے سمجھے۔"
نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نہ ہی اثبات میں سر ہلایا تو بابا جان غصے میں بولے۔
تم نے، ہم نے کیا کہا۔"
"اس نے با دل نخواستہ جی کی آواز نکالی تھی پھر اٹھ کھڑا ہوا تو بابا جان نے سخت لہجے میں تنبیہہ کی۔
ار علی کے سامنے کچھ اگل مت دینا۔ ہمیں اس وقت اس کی آمد خاصی مشکوک لگ رہی ہے۔"
رصے بعد میری آمد بھی مشکوک لگے گی۔" وہ سوچتا ہوا ان کے کمرے سے نکل آیا۔
جہانگیر پتا نہیں کہاں تھا۔ اس نے لاؤنج میں رک کر جیراں سے پوچھا اور اس کے لاعلمی ظاہر کرنے پر اپنے
مرے میں چلا آیا۔ خود اس کا اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ علی
خود اس کے پاس آئے گا اس لیے اس سے ہر قسم کی بات کرنے کے لیے وہ خود کو تیار کرنے لگا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

نکہ بے حد خوفزدہ تھی، اس لیے مٹھی میں جتنے پیسے تھے رکشہ والے کو تھما دیے اور بھاگ کر گیٹ پار کر

آئی۔ آنگن اور برآمدے میں کوئی نظر نہیں آیا تو اس نے کسی کو پکارا بھی نہیں اور اسی طرح بھاگتی ہوئی سیڑ
پھلانگ کر اوپر آئی تو لالی سے نکلتے نبیل کو دیکھ کر بالکل بے اختیار ہو کر ان کے سینے سے جا لگی اور ایسے
اختیار اس کے آنسو چھلکے تھے۔ جبکہ پورا وجود پتے کی طرح لرز رہا تھا۔
"مدحو!" نبیل کو اس اچانک اور غیر متوقع صورت حال نے گنگ کر دیا تھا۔ بہت آہستہ سے اس کے گرد
حمائل کر کے اسے اپنی پناہوں میں تو لے لیا پھر بھی غیر یقین سے تھے۔
"نبیل بھائی! مجھے چھپا لیں، مجھے چھپا لیں نبیل بھائی۔ وہ میرے پیچھے آ رہا ہو گا۔" وہ روتی ہوئی کہہ رہی
"کون؟ کوئی نہیں آئے گا۔" نبیل مکمل طور پر ان لمحوں کی گرفت میں تھے۔ جانے کیسے یہ چند لفظ کہہ
"آپ نہیں جانتے انہیں۔ بس آپ سارے دروازے بند کر دیں۔" وہ ان کے بازوؤں میں مچل کر چیخ
کی آواز سن کر صباحت اپنے کمرے سے نکلتی ہوئی پوچھنے لگی۔
"کون ہے نبیل بھائی؟" پھر ایک دم ٹھٹھک کر دیکھنے لگی تو نبیل جیسے ہوش میں آ گئے۔ فوراً اسے
سے تھام کر خود سے الگ کرتے ہوئے بولے۔
"مدحو ہے۔"
"مدحو!" صباحت بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ "کیا ہوا مدحو! تم رو کیوں رہی ہو؟"
"یہ سوال جواب بعد میں کرنا، پہلے اسے کمرے میں لے جاؤ۔" نبیل نے صباحت کو ٹوکتے ہوئے کہا۔
"آپ، آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے صباحت کو چھوڑ کر نبیل کا بازو تھام لیا۔
"کہیں نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ آؤ؟" نبیل اس کا ہاتھ تھام کر صباحت کے کمرے میں لے
اس کے ساتھ خود بھی بیٹھتے ہوئے بولے۔
"صبا! جاؤ پانی بلکہ گلوکوز ملا کر لے آؤ۔"
صباحت الٹے قدموں واپس پلٹ گئی اور کچھ ہی دیر میں گلوکوز لے کر آ گئی تو نبیل نے گلاس لے کر
ہونٹوں سے لگا دیا۔
وہ ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گئی۔ پھر باری باری ان دونوں کو دیکھ کر بولی۔
"میں سچ مچ گھر آ گئی ہوں۔ صبا! نبیل بھائی، میں خواب تو نہیں دیکھ رہی ناں۔"
"اف مدحو! تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ تم کیسی باتیں کر رہی ہو اور تم آئی کس کے ساتھ ہو؟
حسب عادت پریشان بھی تھی اور فوراً ساری باتیں جان بھی لینا چاہتی تھی اور جاننا تو نبیل بھی چاہ
اس کی حالت کے پیش نظر بہت تحمل کا مظاہرہ کر رہے تھے اور صباحت کو بھی ایک بار پھر ٹوک دیا۔
"تم صبر نہیں کر سکتیں۔ ذرا آرام کرنے دو اسے۔"
"ہاں، میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے کہا تو نبیل اٹھ کھڑے ہو۔
"لیٹ جاؤ لیکن سونا نہیں۔ میرا مطلب ہے کھانا کھا کر سونا۔"
"مما کب آئیں گی تین تو بج رہے ہیں۔" اس نے سامنے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"مما آج دیر سے آنے کا کہہ گئی ہیں۔ کہو تو فون کر دوں۔"
"نہیں، انہیں پریشان مت کرو۔" اس نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن پھر فوراً
گئی اور بے حد خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔
"میں مما کو فون کرتی ہوں۔" صباحت نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی تو نبیل اس
ہوئے بولے۔
"سنو، تم تو بہت بہادر ہو۔ تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے اور پھر اب تو تم اپنے گھر میں ہو۔"
وہ بہت خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔ اس کی سرخی مائل آنکھوں میں ابھی بھی نمی تیر رہی تھی

میں تمہارے لیے بہت محبتیں، بہت چاہتیں ہیں۔ بہت پیار کرتے ہیں سب تم سے۔ تمہارے
گھر بہت سونا ہو گیا تھا اور ہم سب بہت اداس۔"
ں تو سب کو بہت تنگ کرتی تھی۔" وہ گم صم سے انداز میں بولی تھی۔ تب ہی صباحت نے کمرے میں
ما۔
ہی ہیں۔"
نے گردن موڑ کر دیکھا تو صباحت جز بز سی ہو کر واپس پلٹنے لگی کہ وہ پکار کر بولی۔
نے مما کو کیوں پریشان کیا۔"
نہیں تو۔ مما تو بہت خوش ہوئیں تمہارا سن کر، اور ہاں تم نیچے سب سے مل کر آ رہی ہو!" صباحت
ا ارادہ ترک کر کے اس کے پاس آ بیٹھی۔
وئی نظر ہی نہیں آیا۔ میں سیدھی اوپر چلی آئی۔" اس نے جواب دیتے ہوئے بیڈ کی بیک پر سر رکھا تو
اس مسافت کو سوچنے لگا جو وہ طے کر کے آئی تھی۔
ور اسے دیکھ رہے تھے اور صباحت کی نظریں نبیل پر تھیں۔
بہت خاموشی سے سرکتے جا رہے تھے۔ تینوں میں سے کسی کو پتا نہیں چلا کب آسیہ کمرے میں داخل
اس کی پکار نے ایک دم ہلچل مچا دی تھی۔
"
ر صباحت چونک کر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ جبکہ وہ چونکنے کے ساتھ ہی چھلانگ لگا کر آسیہ کے
جا لگی اور یوں مچل مچل کر روئی کہ اسے چپ کراتے کراتے آسیہ نڈھال ہو گئی تھی۔ آخر سکون کا
کر اسے سلا دیا اور کچھ دیر اس کے پاس رکنے کے بعد نبیل اور صباحت کو لے کر کمرے سے نکل کر آئی
ری انداز میں پوچھنے لگی۔
چھوڑ گیا ہے مدحو کو۔"
یں پھپھو! اس نے کچھ بتایا ہی نہیں اور مجھے اس وقت خیال ہی نہیں آیا کہ میں باہر نکل کر دیکھتا۔ اصل
آئی تو اتنی خوفزدہ تھی اور اتنا رو رہی تھی کہ میں۔"
تاتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئے تو آسیہ نے مزید نہیں کریدا اور ان دونوں کو کھانا کھانے کی تاکید کرتی
کمرے میں آ گئی کل شاہ سکندر اس سے کہہ کر گئے تھے کہ وہ آج مدحیہ کو لے آئیں گے۔ اس کے خیال
ے چھوڑ گئے ہوں گے۔ لیکن مدحیہ کا خوفزدہ ہونا اور رونا اس کے خیال کی نفی کر رہا تھا۔ کتنی دیر وہ اسی
بھتی رہی۔ پھر سر جھٹک کر لیٹ گئی کہ اصل بات مدحیہ سے معلوم ہو جائے گی۔ جسے اس نے انجکشن
یا تھا اور شام سے پہلے اس کا اٹھنا متوقع نہیں تھا۔ اس لیے اس کی طرف سے کچھ بے فکر ہو کر آسیہ خود
تھی۔ یوں بھی دوپہر کی نیند اس کے معمول میں تھی اور معمول کے مطابق ہی وہ ساڑھے چار بجے اٹھ
پہلے مدحیہ کے پاس جا کر اسے چیک کیا پھر اس کے قریب پریشان بیٹھی صباحت کو دیکھ کر قصداً مسکرا کر

فکر کی بات نہیں ہے بیٹا! یہ ابھی تھوڑی دیر میں بہت فریش اٹھے گی۔ جب تک تم چائے کے ساتھ کچھ
نتظام کر لو۔ کیونکہ اس نے دوپہر میں کچھ نہیں کھایا تھا۔"
نے بھی تو کھانا نہیں کھایا تھا؟" صباحت نے اٹھتے ہوئے کہا۔
مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔ لیکن پہلے میں شاور لوں گی۔"
ہے مما! میں اتنے میں بسکٹ اور کیک منگوا لیتی ہوں، اور ہاں مائی جی دو بار مدحو کو دیکھ کر جا چکی ہیں کہہ
ا کہ جب یہ اٹھے تو مجھے بلا لینا۔" صباحت نے دراز میں سے پیسے نکال کر اسے دیکھا۔

"ہاں بلا لو۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی اور وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم کا رخ لیا۔
کچھ دیر بعد جب وہ دوبارہ مدحیہ کے پاس آئی تو وہ چھت پر نظریں جمائے ساکت لیٹی تھی۔
"مدحو! کیسی ہو بیٹا؟" آسیہ نے اس پر جھک کر پوچھا تو اس نے ذرا سی پلکیں جھپکیں پھر گہری سانس کے ساتھ بولی تھی۔
"ٹھیک ہوں مما۔"
"گڈ!" آسیہ نے اس کی پیشانی چومی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔ "چلو منہ ہاتھ دھو لو' پھر چائے نہیں گے۔"
"مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے لیکن ابھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔" وہ واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولی۔
"صبا نے انتظام کر دیا ہے تم آؤ تو۔"
وہ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آسیہ کے ساتھ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئی جہاں صباحت نے چائے کے ساتھ اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ اور خود جانے کہاں تھی۔
"صبا کہاں چلی گئی اور نبیل بھائی؟" اس نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"نبیل!" آسیہ نے وہیں سے نبیل کو پکارا۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "صبا آ رہی ہے تمہاری مامی جی کو لے کر۔"
"اماں جی اور ابا جی کیسے ہیں؟"
"سب ٹھیک ہیں بیٹا! چائے پی لو پھر نیچے چلتے ہیں۔" آسیہ نے پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ تب نبیل آ گئے اور ادھر سے صباحت بھی میمونہ بھابھی کے ساتھ آ رہی تھی۔
السلام علیکم مامی جی! ان کے قریب آنے پر اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سلام کیا اور میمونہ بھابھی کے گلے لگ گئی۔
"جیتی رہو۔ خوش رہو۔" میمونہ بھابھی نے اس کے گال پر پیار کیا پھر بیٹھتے ہی پوچھنے لگیں۔ کس کے سا[تھ] آئی ہو؟"
آسیہ اس کا جواب سننے کے لیے بے اختیار اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
"کسی کے ساتھ نہیں۔ اکیلی آئی ہوں۔" اس کے جواب پر آسیہ کی پیشانی پر ہلکی ہلکی لکیریں ابھر آئی تھیں جبکہ میمونہ بھابھی اچھل پڑیں۔
"اکیلی' شاہ پور والوں نے تمہیں اکیلا بھیج دیا؟"
"انہوں نے نہیں بھیجا بلکہ وہ تو بھیجنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ میں خود آئی ہوں کسی کو بتائے بغیر۔" وہ ابھی [کسی] کے خلاف کچھ نہیں بولنا چاہتی تھی۔ اس لیے سارا الزام اپنے سر لے لیا اور پھر خود بھی حیران سی ہوئی۔ شاید اس لیے کہ یہ پہلا موقع تھا جو اس نے کسی مصلحت کا دامن تھاما تھا۔
"کسی کو بتائے بغیر۔" آسیہ نے کچھ دیر سوچا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں کلینک فون کر دوں۔"
"آپ کلینک جا رہی ہیں مما؟" مدحیہ نے فوراً پوچھا۔
"نہیں بیٹا! اس لیے تو فون کر رہی ہوں۔" آسیہ اس کا گال تھپک کر آگے بڑھ گئی تو اس کے پیچھے دیکھتے ہو[ئے] جانے کیا سوچنے لگی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ دیکھ رہی تھی کہ صباحت اس سے شاہ پور والوں خصوصاً "شاہ سکندر" کے بارے میں جاننے کے لیے کتنی بے چین ہے اور وہ خود بھی اب تک کی ساری روداد اسی کو سنانا چاہتی تھی اور اس کے لیے دونوں انتظار کر رہی [تھیں] کہ نبیل اور آسیہ سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جائیں لیکن جب سونے کا وقت آیا تو آسیہ نے اسے [اپنے] پاس بلا لیا۔ جس پر اسے حیرت تو نہیں ہوئی البتہ جز بز ضرور ہوئی۔ اور جاتے جاتے مڑ کر صباحت سے کہنے لگی۔

[تو] میں مما کے پاس سوؤں گی نہیں۔ میرا مطلب ہے جب وہ سو جائیں گی تو تمہارے پاس آجاؤں گی ہم سونا [نہیں ہے]۔"
"[پھر ت]مہیں نیند کہاں آئے گی؟" صباحت نے کہا۔
"[ٹھی]ک ہے پھر میں آتی ہوں۔" وہ کہہ کر آسیہ کے کمرے میں آئی تو زیرو پاور کی مدھم روشنی میں نیم دراز آسیہ [ان]تظار کر رہی تھی۔
"[آؤ] بیٹا! میرے پاس لیٹو۔"
"[آ]پ میرے لیے پریشان تھیں مما؟" وہ اوندھی لیٹی اور دونوں ہاتھ ملا کر ان پر ٹھوڑی ٹکا کر پوچھنے لگی۔
"[ہا]ں۔" آسیہ نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے کہنے لگی "پریشان تو میں [تھی لیکن] یہ خیال بھی تھا کہ تم اپنے باپ کے پاس ہو۔ اس لیے اتنا وقت میں نے خاموشی میں گزار دیا۔"
"[بابا] تو بہت کم شاہ پور میں رہتے ہیں۔ بس یوں سمجھیں آرام کی غرض سے ایک دو دن کے لیے جاتے ہیں ورنہ [و]ہاں کبھی کہاں۔ ابھی بھی شاید کینیڈا میں ہیں۔"
"[ہا]ں تو ابھی کل۔" آسیہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ پھر سنبھل کر اصل بات کی طرف آتے ہوئے کہنے لگی۔
"[بیٹ]ا! مجھے صباحت کی فکر ہے۔ انجانے میں جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن اب جان بوجھ کر تو میں اسے کسی مشکل میں [نہیں ڈ]ال سکتی۔ پتا نہیں سب لوگ کیسے ہیں۔ اگر اچھے ہوں تب بھی میرا دل نہیں مانتا۔ مجھے لگتا ہے ان کا مقصد [م]جھ سے بیٹیاں چھیننا ہے۔ تم تو وہاں رہ کر آئی ہو۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟"
"[ا]یسا ہی ہے مما! میں نے خود سنا تھا۔ بابا جان۔ جہانگیر چاچا سے کہہ رہے تھے کہ وہ آپ سے کہہ دیں کہ اگر [آپ اس کی] سلامتی چاہتے ہیں تو صباحت کو رخصت کر دیں اس کے بعد سے مما! مجھے لگا میں آپ کو کبھی نہیں دیکھ [سکوں گی۔]" وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
"[ار]ے نہیں بیٹا! رو نہیں' رو نہیں میری جان۔" آسیہ نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ "تم تو بہت [بہادر ہو۔ مگ]ر تم نے یہ بات اپنے باپ سے کیوں نہیں کہی۔"
"[ا]س وقت پاپا کو بالکل سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پھر بھی میں نے ان سے کہا تھا کہ مجھے کراچی لے چلیں [لیکن انہو]ں نے آئندہ پر ٹال دیا جس سے میں یہی سمجھی کہ وہ بھی بابا جان کے ساتھ شریک ہیں۔ اس لیے دوبارہ [میں نے ا]ن سے یہاں آنے کی بات نہیں کی بلکہ شاید موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ہاں وہ اسلام آباد چلے گئے تھے۔ پھر میں [نے ہ]مت کر کے بابا جان سے کہا تو وہ مجھے یہاں لانے کا کہہ کر اپنے رقیبوں پر چھوڑ آئے تھے۔" وہ بولتی جا رہی [تھی اور سات]ھ ساتھ اس کی ناک سے شوں شوں کی آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔
"[پ]ر کس کے پاس؟" آسیہ کے وجود میں انگارے سلگنے لگے تھے۔
"[کسی] کے پاس نہیں۔ اتنے بڑے ریسٹ ہاؤس میں چوکیدار اور اس کی بیوی تھی۔ اس رات مجھے بہت ڈر لگا [اور میں ساری را]ت روئی تھی۔" اس نے اس رات کے تصور سے جھرجھری لی پھر آسیہ کا ہاتھ اپنے گال پر رکھتے ہوئے [بولی۔ "میں آ]پ کو بہت تنگ کرتی تھی نا مما! اس لیے میرے ساتھ ایسا ہوا۔"
"[نہیں] بیٹا' ایسا مت سوچو۔" آسیہ نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔ پھر پوچھنے لگی۔ "تم وہیں ریسٹ ہاؤس [سے آ رہی] ہو؟"
"[نہیں] مما! وہاں سے شاہ تیمور مجھے کہیں اور لے گئے تھے پھر پھوپھو شہر بانو کے پاس تین دن چھوڑا اور آج دن [میں اسلام آب]اد لے کر آئے تھے۔ شاپنگ کے لیے وہیں مجھے موقع ملا اور میں انہیں چھوڑ کر بس میں سوار ہو گئی۔"
[اس نے بتا]یا تو آسیہ پر سوچ انداز میں اسے دیکھے گئی۔
"[مجھے ا]بھی بھی ڈر لگ رہا ہے مما! وہ لوگ یہاں تو نہیں آ جائیں گے۔" اس نے آسیہ کا ہاتھ ہلا کر کہا۔

"کون؟" آسیہ نے چونک کر پوچھا۔
"شاہ پور سے کوئی بھی۔ آپ کسی کو نہیں بتایئے گا کہ میں آپ کے پاس ہوں۔ میں اب کہیں نہیں جاؤں گی اور شاہ پور تو کبھی بھی نہیں پاپا کو اگر ملنا ہو گا تو وہ یہیں۔" اس نے ایک دم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا اور وہ خائف بھی ہو گئی تھی۔
"یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ تم ڈرو مت۔ کسی میں اتنی جرات نہیں ہے کہ میرے پاس سے تمہیں یا صبا کو لے جائے۔" آسیہ نے اس کا گال تھپک کر تسلی دی پھر اپنے پیچھے سے ایک تکیہ نکال کر برابر میں رکھتے ہوئے بولی۔
"چلو اب تم سو جاؤ۔"
"یہاں نہیں مما! میں اپنے کمرے میں سوؤں گی۔" وہ صباحت کا خیال کر کے اٹھ گئی۔
"ڈرو گی تو نہیں؟"
"اگر ڈر لگا تو آپ کے پاس آجاؤں گی۔" وہ آسیہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ پھر شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔
دو بج رہے تھے لیکن صباحت جاگ رہی تھی۔ وہ اس کے برابر لیٹتے ہوئے بولی۔
"میں آتو گئی ہوں لیکن تمہاری کس بات کا جواب نہیں دے سکوں گی کیونکہ مجھے نیند آرہی ہے۔"
صباحت خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ بولی کچھ نہیں۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔"
"تم ذرا بھی نہیں بدلیں۔" صباحت نے کہا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔"
"کوئی مطلب نہیں چلو سو جاؤ۔" صباحت کروٹ بدلنے لگی تھی کہ وہ اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
"سونا ہوتا تو میں مما کے پاس نہ سو جاتی۔ تمہارے لیے آئی ہوں میں یہاں مجھے پتا ہے تم اندر سے کتنی بے چین ہو اور کس کے بارے میں جاننا چاہتی ہو۔"
"کس کے؟"
علی جہانگیر کے اور کس کے۔" اس نے شرارت سے اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر کہا۔
"جی نہیں، میں اس کے بارے میں جان کر کیا کروں گی۔ بلکہ مجھے کسی سے کوئی غرض ہے نہ دلچسپی۔ تم صرف اپنی بات کرو۔ تم نے ہم سب کو اتنا پریشان کیوں کیا؟" صباحت نے اپنے اندر کے سارے تجسس کو دبا کر بات کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔ تو وہ حیران ہو کر بولی۔
"میں نے، میں نے کیا پریشان کیا۔"
"کیوں شاہ پور پہنچنے کے کتنے عرصے بعد تم نے یہاں اپنی خیریت کی اطلاع دی تھی اور میں نے جب تم سے آنے کا کہا تم نے یہی جواب دیا کہ تم کبھی نہیں آؤ گی اور ابھی کچھ دن پہلے تم نے اپنی شادی کی اطلاع دے کر ہم پر بڑا احسان کیا تھا۔" صباحت خاصی ناراضی سے اسے لتاڑنے لگی تھی۔ وہ سن کر بھی کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ پھر گہری سانس کھینچ کر کہنے لگی۔
"یہ صحیح ہے، ابتدا میں، میں نے قصداً سب کو پریشان کیا۔ یہاں اور وہاں بھی، کیونکہ میں سب سے متنفر تھی اور اس تنفر کی وجہ سب کی تمہارے ساتھ محبت جبکہ میرے لیے کسی کے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ اب پتا نہیں واقعی ایسا تھا یا محض میری سوچ نے مجھے سب سے شاکی کر دیا تھا۔ بہرحال شاہ پور جا کر میں نے یہی سوچا تھا کہ جب کسی کو میری پروا نہیں تو پھر میں کیوں اپنی خیریت کی اطلاع دوں جبکہ وہاں بھی سب خصوصاً "بابا جان" علی جہانگیر اور پاپا اس بات سے پریشان تھے کہ میں مما کو فون کیوں نہیں کر رہی۔ وہ تو خیر یہ جاننا چاہتے تھے کہ یہاں مما پر کیا بیت رہی ہے اور میں انہیں کوئی اطمینان نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے ان کے بار بار ٹوکنے پر ہی میں نے فون

...ں کیا اور جب کیا تو تم پر ہی ظاہر کیا کہ میں وہاں بہت خوش ہوں اور کبھی واپس نہیں آؤں گی اور میں سچ کہوں تو ...وقت میرے اندر عجیب سی رقابت تھی کہ یہاں وہاں ہر جگہ صبا صبا کی پکار ہے اور میں کہیں نہیں۔ مقدر لکھنے ...لے نے آخر سب کچھ تمہارے کھاتے میں کیوں ڈال دیا۔ میرے لیے کیوں کچھ نہیں۔ یہ تو مجھے بہت بعد میں ...لوم ہوا کہ کائنات کے سارے نظام دو اور لو کے اصول پر چل رہے ہیں اور میں تو دینا جانتی ہی نہیں صرف لینا ...تی ہوں ہونہہ۔"
اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔
صبا گم صم سے انداز میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔
"وہاں بھی میں شاید صرف لینا چاہتی تھی۔" اس نے پھر بولنا شروع کیا۔ "خود سے کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ ...ں بڑھایا اور یہ توقع کرنے لگی کہ سب میری طرف آئیں گے، جیسے میں کوئی بہت اہم ہستی ہوں۔ اہم تو کیا میری ...ن کے نزدیک رتی برابر حیثیت نہیں تھی، یہ مجھے اس وقت معلوم ہوا جب میں نے بابا جان کی باتیں سنیں۔ تب ...سلامتی تو خطرے میں نظر آئی ہی ساتھ تمہاری فکر نے بھی گھیر لیا تھا۔ میں سوچتی تھی اگر مما نے بابا جان کی ...رمان کر تمہیں رخصت کر دیا تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے دونوں بیٹیوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی اور میں چاہتی تھی کہ ...کو خبردار کروں لیکن جب بھی فون کرتی کوئی نہ کوئی آس پاس آن موجود ہوتا تب اسے سنانے کے لیے مجھے یہ کہنا ...کہ میں بہت خوش ہوں اور کبھی نہیں آؤں گی کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ بابا جان کو میری طرف سے ذرا سا ...شبہ ہو، جس طرح وہ بظاہر مجھ سے اچھے طریقے سے ملتے تھے تو میں بھی ان پر ایسا ہی ظاہر کرتی تھی۔
پھر ایک بار میری وہی پہلے والی خود سری عود کر آئی اور میں نے سوچا کہ میں کیوں ان لوگوں سے ڈر رہی ہوں مجھے ...لفظوں میں کہہ دینا چاہیے کہ میں واپس جانا چاہتی ہوں اور جب میں نے بابا جان سے ضد کی تو وہ مجھے رتبے ...ڑ آئے۔ اس رات مجھے تم سب بہت یاد آئے۔ تم سب کی محبتیں اپنی زیادتیاں کیا کیا نہ یاد آیا اور مجھے لگا ان ...اور چاہتوں سے منہ موڑنے کی سزا مل رہی ہے مجھے اور ملنی بھی چاہیے تھی۔ ہے نا۔"
...ں نے صباحت کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر تائید چاہی۔ لیکن ادھر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ تو قدرے ...سے وہ مزید گویا ہوئی۔
اس کے بعد مجھے بابا جان کی مرضی کا کھیل کھیلنا پڑا۔ شاہ تیمور پر میں نے یہ ظاہر کیا جیسے مما کے گھر میں ہمیں یسر نہیں ہے، مزید سب کے رویے بھی ناقابل برداشت ہیں اور یہ کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں ہاہاہا۔"
...نی آخری بات پر وہ خود ہی ہنسی۔ پھر کہنے لگی۔
بہرحال میں اس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور اس کے موبائل پر میں نے یہاں فون کر کے ...فا کہ میں اس سے شادی کر رہی ہوں۔ اس کے بعد میرا خیال تھا میں کسی دن اس سے کراچی چلنے پر اصرار ...گی تو وہ منع نہیں کرے گا، لیکن اتفاق سے مجھے اس سے پہلے ہی موقع مل گیا اور میں اسے چکر دینے میں ...ب ہو گئی اور دیکھ لو تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔ زندہ سلامت۔ حالانکہ خود مجھے یقین نہیں آرہا۔ یوں لگ ...ہے جیسے ابھی آنکھ کھلے گی اور اف نہیں۔"
...ں نے جھرجھری لی پھر صباحت کا بازو ہلا کر بولی۔
...تم کچھ بولو گی نہیں۔ اچھا ہاں تمہارے علی جہانگیر کا تو میں نے بتایا نہیں وہ بے چارہ۔"
...مد حو پلیز۔" صباحت نے عاجزی سے ٹوکا۔ "مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں جاننا۔"
"کیوں؟"
"اسی لیے کہ مما نے اسے خلع کا نوٹس بھجوا دیا ہے۔" صباحت نے بتایا تو وہ اچھل پڑی۔
"کب؟ کیوں؟"
"کیوں کا کیا مطلب تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے بعد کیا یہ رشتہ قائم رہ سکتا ہے۔"

مدحیہ فوراً کوئی جواب نہیں دے سکی۔ تو وہ بیزاری سے ٹوک کر بولی۔
”چھوڑو اس بات کو۔ تم مجھے پاپا کا بتاؤ۔ وہ کیسے ہیں اور تمہارے ساتھ اتنا کچھ ہوا انہوں نے کچھ نہیں کیا کوئی اسٹینڈ نہیں لیا۔“
”وہ کیا اسٹینڈ لیتے انہیں تو شاید کسی بات کا پتا ہی نہیں اور مجھے موقع ہی نہیں ملا۔ بلکہ پہلے تو میں یہ سمجھتی رہی کہ باباجان کے منصوبوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ اس لیے میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی اور بعد میں میری ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ کینیڈا چلے گئے تھے ابھی بھی شاید وہیں ہیں۔“
مدحیہ نے بتایا تو وہ کچھ دیر تک پرسوچ انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر اسی انداز میں کہنے لگی۔
”میرا خیال ہے وہ یہیں کراچی میں ہیں۔ کل انہوں نے یہیں سے فون کیا تھا مجھے۔“
”پاپا نے؟“ مدحیہ نے فوراً پوچھا۔
”ہاں۔“
”کیا کہہ رہے تھے؟“
”کہہ رہے تھے میں جلد تم سے ملنے آؤں گا۔“ وہ بتا کر خائف سی ہو گئی پھر اس کا ہاتھ تھام کر منت سے بولی
”سنو مما کو نہیں بتانا۔“
”کیوں؟ جب وہ ملنے آئیں گے، تب مما کو پتا نہیں چلے گا یا وہ کوئی سلیمانی ٹوپی پہن کر آئیں گے۔“ مدحیہ تنک کر کہا۔
”جب آئیں گے تب دیکھا جائے گا۔ تم بہرحال مما کو نہیں بتاؤ گی، سمجھیں۔“ صباحت بھی تیز ہو کر بولی تھی
”سمجھ گئی۔“ خلاف عادت وہ بڑی جلدی مان کر لیٹ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

شاہ سکندر اس امید پر دو دن کاٹیج میں رکے تھے کہ شاید مدحیہ آجائے حالانکہ علی جہانگیر نے شاہ تیمور معلوم کرنے کے بعد انہیں بتا دیا تھا کہ وہ کراچی جا چکی ہے اور پھر اس نے انہیں اپنے ساتھ چلنے پر اصرار بھی کیا لیکن وہ نہیں مانے۔ انہیں اب کسی کی بات کا اعتبار نہیں تھا۔ اس لیے بھی کہ اگر مدحیہ کراچی پہنچ چکی ہوتی آسیہ اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کرتی اور اب تو خود انہیں بھی اس کی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ باباجان بات سچ ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے اور اس بار اپنے اشاروں پر چلانے کے لیے انہوں نے شاہ تیمور انتخاب کیا تھا۔
ان دو دنوں میں شاہ سکندر نے بہت ساری باتیں سوچی تھیں تو انہیں باباجان کی وہ بات بھی یاد آئی جو انہوں نے کہا تھا کہ آسیہ سے صباحت کی رخصتی کی بات کرو تو مدحیہ کی بات بھی کر لینا۔ شاہ تیمور کے ساتھ۔ گویا وہ ان دوسری بیٹی کے لیے بھی باقاعدہ پلان بنا چکے تھے اور وہ اتنے بے خبر تھے انہیں اپنی بے خبری پر بھی غصہ آیا بہرحال تیسرے دن صبح وہ شاہ پور پہنچے تو باباجان سے بس سلام دعا کی حد تک ہی ملاقات کی۔ مدحیہ کے بارے کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ جانتے تھے ادھر سے ایک ہی جواب آئے گا۔ جس کا انہیں یقین نہیں تھا اور بابا سے مزید نہ الجھنے کا وہ پہلے ہی طے کر چکے تھے۔ اس لیے ان پر ظاہر بھی نہیں کیا کہ وہ مدحیہ کی تلاش میں گئے نہ اس کی طرف سے فکرمندی کا اظہار کیا تھا البتہ دوپہر کے کھانے کے بعد بی بی جان کے پاس آکر بیٹھے اور ان کا حال احوال پوچھا پھر ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے مدحیہ کا ذکر لے آئے۔
”مدحیہ کے جانے سے آپ کو بھی کوئی فرق پڑا ہے بی بی جان کہ نہیں؟“
”کیوں نہیں۔ بچی صبح شام میرے پاس آکر بیٹھتی تھی اور دوسری لڑکیوں کو بلاؤ تو سو بہانے ہوتے ہیں آتی تھی۔ بہت محبت کرنے والی بچی ہے۔ شہربانو بھی تعریف کر رہی تھی کہ دو دن میں اس کے ساتھ ایسے گئی جیسے پتا نہیں کب سے اس کے پاس رہ رہی ہو۔“ بی بی جان مدحیہ کی تعریف کرتے ہوئے بتا رہی تھیں۔

وہ ان کی آخری بات پر بری طرح چونکے تھے۔
”وہ شہربانو کے ہاں کب گئی تھی؟“
”پتا نہیں، مجھے تو آج صبح شہربانو کا فون آیا تو اس نے بتایا کہ مدحیہ دو تین دن اس کے پاس رہ کر گئی ہے۔ کیوں کیا آپ اس کے شہربانو کے گھر جانے پر اعتراض ہے۔؟“ بی بی جان نے جواب دینے کے ساتھ پوچھا۔
”نہیں، اعتراض کیوں ہو گا۔ بلکہ میں تو خود چاہتا تھا کہ وہ سب سے ملے اور اور کیا کہہ رہی تھی شہربانو۔“ وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط کر رہے تھے۔ ورنہ دل یہ چاہ رہا تھا ایک دم سے ہر بات اگلوا لیں۔
”بس اسی کی باتیں تھیں اور ہاں یہ تم باپ بیٹے نے اتنی خاموشی سے کیسے مدحیہ کی بات طے کر دی۔“ بی بی جان کو اچانک یاد آیا تھا۔
”نہیں تو میرا مطلب ہے آپ سے کس نے کہا؟“ وہ مزید ٹھٹھکے تھے۔
”وہی شہربانو بتا رہی تھی بلکہ گلہ کر رہی تھی کہ باباجان نے مدحیہ اور تیمور کی نسبت طے کر دی اور اسے بلایا نہیں۔ میں نے لاکھ کہا یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن وہ مانی نہیں۔ کہنے لگی مدحیہ نے خود سحر کو بتایا ہے کہ اس کی تیمور کے ساتھ شادی ہونے والی ہے۔“
”پتا نہیں بی بی جان! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہا۔“ ان کا ذہن چٹخنے لگا تھا۔ بالوں میں ہاتھ پھنسا کر سر کو جھٹکا دیتے ہوئے بولے تھے۔
”تو کیا تمہیں بھی معلوم نہیں ہے۔“ بی بی جان نے تعجب سے پوچھا۔
”مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ میری بیٹی کہاں ہے۔ زندہ بھی ہے یا نہیں۔“ ان کی بے بسی اور ٹوٹے ہوئے لہجے پر بی بی جان دہل گئیں۔
”کیا کہہ رہے ہو؟“
”باباجان سے پوچھیں جا کر کہ وہ میری بیٹیوں کو کس جرم کی سزا دے رہے ہیں۔ میں اگر ان کے مقابل کھڑا ہوا تو“ وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاصے جارحانہ انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے تو بی بی جان حواس باختہ ہو گئیں۔
”کہاں جا رہے ہو سکندر؟“
انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور تیزی سے کمرے سے نکل آئے۔ پیچھے بی بی جان پکار رہی تھیں۔ لیکن وہ رکے نہیں پہلے شاہ یونس حیات کے پورشن میں جا کر ان سے شاہ تیمور کا پوچھا پھر وہیں سے باہر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیور سے شاہ ہارون کے ہاں چلنے کو کہا تھا۔
تقریباً دو گھنٹے بعد وہ شہربانو کے پاس موجود تھے۔
شہربانو نے انہیں دیکھ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن ان کے ذہن پر مدحیہ سوار تھی۔ اس کے اتنے والہانہ استقبال کے جواب میں بس اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور فوراً پوچھا۔
”مدحیہ آئی تھی؟“
”جی بھائی، ماشاءاللہ بہت۔“
”کس کے ساتھ آئی تھی؟۔“ انہوں نے فوراً دوسرا سوال کیا تو خوشی کا اظہار کرتی ہوئی شہربانو ایکدم خاموش ہو گئی پھر ان کے تیور دیکھ کر کچھ خائف سی ہو کر بولی۔
”تیمور کے ساتھ۔“
”کتنے دن رہی تمہارے پاس؟“
”تین دن۔“
”تیمور بھی ساتھ تھا؟“
”نہیں وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا“

"پھر اسے لینے بھی وہی آیا تھا؟"
"جی۔۔۔ خیر تو ہے ناں بھائی! کیا ہوا ہے؟۔" شہربانو نے تشویش سے پوچھا۔ لیکن انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔
"کہاں لے گیا ہے؟۔"
شہربانو نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"بتاؤ شہربانو' تم سے کچھ تو کہا ہوگا تیمور نے۔"
"یہاں سے کہاں جانے کا پروگرام تھا اس کا؟" وہ اس کی چند لمحوں کی خاموشی سے جھنجھلا گئے تھے۔
"پتا نہیں بھائی! مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔ خدا کے لیے آپ یہ تو بتائیں کیا ماجرا ہے؟۔" شہربانو ان کے سوا ور سے پریشان ہو کر عاجزی سے بولی۔
"ماجرا۔۔۔ ہونہہ۔" وہ بہت مضطرب سے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگے۔
شہربانو اندیشوں کی زد میں آکر اندر ہی اندر ہولنے لگی تھی۔ انہیں مخاطب کرنا چاہتی تھی' لیکن ہمت نہیں ہو رہی تھی۔
کچھ دیر بعد وہ رک کر اس سے مخاطب ہوئے۔
"سنو شہربانو! اب اگر تیمور مدحیہ کو لے کر یہاں آئے تو فوراً مجھے اطلاع کرنا اور میرے آنے تک مدحیہ کو اپنے پاس روکے رکھنا' سمجھیں۔"
شہربانو سمجھی یا نہیں' لیکن فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔
"میں چلتا ہوں۔" وہ جانے کا کہہ کر چل بھی پڑے تو شہربانو حیران پریشان سی ان کے پیچھے لپکی۔
"بھائی! اتنے عرصے بعد آئے ہیں' کچھ دیر بیٹھیں تو' کوئی چائے پانی۔"
"ابھی بہت کام ہیں شہربانو' پھر آؤں گا۔" انہوں نے پلٹ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر تیز قدموں سے باہر نکل گئے تھے۔
"یہاں سے مایوس ہو کر اب انہیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا مزید آسیہ کے سامنے جوابدہی کا خیال پریشان کرنے لگا۔ وہاں سے اگلے دن ہی مدحیہ کو لانے کا کہہ کر آئے تھے' اور یہاں چار دن ہو گئے تھے۔
"یا اللہ کہیں تو اس عورت کے سامنے مجھے سرخرو کر دے۔" انہوں نے پہلے آسمان پر نظریں جماتے ہوئے سیٹ کی بیک پر رکھ لیا۔
گاڑی اونچی نیچی راستوں سے نکل کر شفاف سڑک پر دوڑنے لگی تھی۔ دور سے چوراہا دیکھ کر انہوں نے اسی دم کراچی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ڈرائیور سے گاڑی شہر جانے والی سڑک پر موڑنے کا کہہ کر پھر آسیہ کو سوچنے لگے۔ جس کے سامنے چند دن پہلے وہ اعتراف کر کے آئے تھے کہ وہ ابھی بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور اب اسے بتائیں گے کہ ان کی زندگی میں آنے والے سارے امتحان' ساری آزمائشیں اور ساری تکلیفیں اسی محبت کی مرہون منت ہیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے' جب وہ علی جہانگیر کے بنگلے پر پہنچے مسلسل سفر اور مسلسل ٹینشن نے انہیں بری طرح تھکا دیا تھا پھر بھی ان کا آرام کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ خیال تھا شاور لیں گے۔ اور ایک کپ چائے کے ساتھ علی جہانگیر سے شاید کوئی نئی بات معلوم ہو جائے' بس اسی لیے اس کے بنگلے پر آ گئے تھے۔
علی جہانگیر کچھ دیر پہلے ہی آفس سے آیا تھا۔ ان کی آمد پر تو حیران نہیں ہوا لیکن ان کا حلیہ پریشان کن تھا۔
"خیریت چچا جان؟" ان کے گلے لگتے ہوئے اس نے فوراً پوچھا۔
"مدحیہ کا کچھ پتا چلا؟" ان کے سوال میں جواب موجود تھا۔
"مدحیہ!۔" وہ ان کی پریشانی سمجھ کر خاموش ہو گیا۔

"میں سارے میں معلوم کر آیا ہوں بابا جان نے پتا نہیں اسے کہاں چھپا دیا ہے اور اس بار یہ کھیل انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ خیر تم جلدی سے چائے بنواؤ مجھے آسیہ کے پاس جانا ہے۔" انہوں نے اچانک عود کر آنے والے غصے کو دبا کر کہا۔
وہ پوچھنا چاہتا تھا۔ آسیہ کے پاس کس سلسلے میں لیکن ان کی پریشانی سمجھتے ہوئے خاموش رہا پھر کرم دین کو پکار کر انہیں چائے کا کہا۔ اس کے بعد انہیں دیکھ کر بولا۔
"چائے سے پہلے آپ باتھ لے لیں۔"
"ہاں!" وہ اپنے کسی خیال سے چونک کر اٹھے تھے۔
پھر کچھ دیر میں وہ باتھ لے کر آئے تو غالباً وہی کپڑے دوبارہ پہننے کی وجہ سے خاصے جھنجھلائے ہوئے تھے۔ چائے پیتے ہوئے بھی ان کے چہرے پر مسلسل ناگواری کا تاثر رہا۔
علی جہانگیر کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ وہ کچھ کہیں گے لیکن جب وہ متوجہ ہی نہیں ہوئے تب اسے خود مخاطب کرنا پڑا۔
"چچا جان! وہ میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا آپ کو یقین ہے مدحیہ کو بابا جان نے کہیں ادھر ادھر۔"
"ہاں' حالات یہی ظاہر کرتے ہیں۔ مجھ سے انہوں نے اس وقت جب میں کینیڈا جا رہا تھا۔ کہا تھا کہ وہ مدحیہ کو وہاں چھوڑ آئے ہیں۔ جبکہ وہ ربیعے پر تھی۔ خود تم نے اسے کالج میں دیکھا۔ اس کے بعد وہ تین چار دن شہربانو کے پاس رہی۔ وہاں سے پتا نہیں چل رہا کہ تیمور اسے کہاں لے گیا ہے۔ بہرحال کہیں بھی ہو میں اسے۔" وہ بولتے بولتے ایک دم ہونٹ بھینچ گئے پھر چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ ان کی تقلید کرتے ہوئے اٹھنے لگا۔
"آپ ڈاکٹر آسیہ کے پاس کیوں جا رہے ہیں؟ میرا مطلب ان سے مدحیہ کے بارے میں کیا کہیں گے؟"
"یہی کہ میں اس کی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا۔" وہ بے اختیار کہہ گئے۔ پھر کچھ یوں وضاحت کرنے لگے۔
"کہاں تک میں ان سے غلط بیانی کروں غلط بیانی کی وجہ سے ہی سارے کام خراب ہو رہے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آسیہ کو حقیقت معلوم ہو جانی چاہیے۔"
علی جہانگیر اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لیے بس سر ہلا کر رہ گیا۔
"اوکے' میں چلتا ہوں۔"
"آپ واپس یہیں آئیں گے نا؟۔" وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ تم انتظار نہیں کرنا۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔
انہوں نے علی جہانگیر سے تو بڑے آرام سے کہہ دیا تھا کہ آسیہ کو حقیقت معلوم ہو جانی چاہیے۔ لیکن جیسے جیسے کلینک قریب آ رہا تھا ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی اور اس بار وہ سیدھے آسیہ کے کمرے میں داخل نہیں ہوئے۔ پہلے چوکیدار سے کہلوایا اور اس کا جواب سن کر باہر ہی اسٹول پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے' اس وقت انہیں اپنی حیثیت یاد نہیں تھی۔ بلکہ ایسا باپ جو گمشدہ بیٹی کی تلاش میں ناکامی کے بعد اب اس کی ماں کے سامنے جانے سے خوفزدہ ہو کہ اسے کیا کہے گا۔
تقریباً" آدھے گھنٹے بعد غالباً" آسیہ نے اپنے مریضوں سے فارغ ہو کر انہیں بلوایا تھا۔ اور اتنی دیر میں وہ بجائے ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار کرنے کے منفی سوچوں میں گھرے رہے تھے۔ جب ہی آسیہ کے کمرے میں کسی مجرم کی طرح داخل ہوئے تھے اور ان کے برعکس وہ بڑی پراعتماد تھی۔
"تشریف رکھیں۔"
وہ کسی معمول کی طرح بیٹھ گئے' تو آسیہ نے یوں دروازے کی سمت دیکھا جیسے کسی اور کی آمد متوقع ہو پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

”مدحو نہیں آئی؟؟“

انہوں نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔ جبکہ اندر اچانک ایک جنگ شروع ہو گئی تھی کہ وہ کیوں اس سے خائف ہو رہے ہیں۔ مدحیہ صرف اس کی بیٹی تو نہیں ہے۔

”آپ کچھ پریشان ہیں؟“ آسیہ ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”ہاں نہیں۔“ وہ الجھ گئے۔ پھر بالوں میں انگلیاں پھنسا کر وہ جیسے بے اختیار ہو گئے تھے۔

”میں تھک گیا ہوں آسیہ! اتنا لمبا سفر جانے کیسے طے ہو گیا۔ مزید ایک قدم نہیں چل سکتا۔ کوئی سہارا دینے و نہیں۔ کیا کروں کس سے کہوں کہ کس جرم کی سزا پائی ہے میں نے جو ختم ہونے میں نہیں آتی، تم ہاں تم سے کہو گا۔ کیونکہ ابتدا تم سے ہوئی تھی۔“

آسیہ سراسیمہ سی انہیں ٹوٹتا بکھرتا دیکھ رہی تھی۔

اور انہیں جیسے کسی بہت اپنے کا کاندھا میسر آگیا تھا جس پر سر رکھ کر رو لینے سے دل کا سارا غبار دھل جاتا ہے وہ بھی اپنی کتاب زندگی کے تمام اوراق اس کے سامنے الٹ کر شانت ہو گئے تھے۔ کرسی کی بیک پر سر رکھ آنکھیں بند کر لیں۔

آسیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ اس بے قصور شخص کو معاف کر دے یا اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال پوچھے کہ یہ ساری باتیں اس نے اس وقت اسے کیوں نہیں بتائیں جب اس کے دل کی بستی اس کے دم سے تھی۔ اب کیوں بتا رہا ہے جب اندر سب کھنڈر ہو چکا۔

اس کی زندگی کی خاطر بابا جان کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے یہ کیوں نہ سوچا کہ اس کے بنا وہ کیسے جیے گی۔

اف سکندر حیات تم نے تو حد کر دی۔ اب اس مقام پر یہ کہہ رہے ہو کہ یہ زندگی بھی بابا جان کی بخشی ہے۔

میرے خدا! اشرف المخلوقات بنایا تو ایک ذرا سا اختیار وقت پر بھی دیا ہوتا۔ میں ایسا کیا کروں جو گزرے سال سمٹ کر میری مٹھی میں آجائیں پھر یا تو میں اپنا ہر دن اس شخص کو دان کرتی جاؤں یا خود اپنے ہاتھوں سے زندگی کا خاتمہ کروں۔

تم ایسے بزدل سکندر حیات، اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے۔

کاش یہ اعتبار پہلے کرتے مجھ پر تو شاہ پور کا رئیس تو کیا دنیا کی کوئی طاقت میرے دل کی بستی نہیں اجاڑ سکتی کتنا کٹھن مرحلہ آیا تھا جو گزر کے نہیں دے رہا تھا۔ اس کے اندر صف ماتم بچھ گئی تھی۔ سارے دکھ ساتھ سسکنے لگے تھے وہ بھی جو ابھی ابھی شاہ سکندر نے اس کی جھولی میں ڈالے تھے اور سدا کا بے رحم وقت نظریں چرائے گزر رہا تھا کیونکہ ان دکھوں کا مداوا نہیں کر سکتا تھا۔

کتنی دیر بعد شاہ سکندر نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ وہ پیپر ویٹ پر نظریں جمائے جانے کس کرب رہی تھی۔ جو اس کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ وہ قصداً ذرا سا کھانسے تو وہ چونکنے کے ساتھ سیدھی ہو کچھ دیر خود پر قابو پانے کے بعد کہنے لگی۔

”حالات و واقعات مقدر کے تابع ہوتے ہیں، شاہ سکندر حیات! جو کچھ ہمارے لیے لکھا گیا ہوتا ہے وہ ہوتا ہے۔ خواہ کسی بھی طرح سہی۔ میرے لیے اب ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی کہ کسی نے کیا کہا نصیب تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اندھے کنویں میں میں یہ سوچ کر چھلانگ لگا دوں کہ مقدر اگر ڈوبنا مرنا نہیں لکھا تو میں زندہ سلامت نکل آؤں گی۔ نہیں اللہ نے ذہن دیا ہے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے پھر حالات و واقعات ہمیں اور بہت کچھ سکھاتے ہیں اور سیکھنے کے بعد بھی اگر دوبارہ وہی غلطی دہرائی اس کے نتائج پہلے سے بھی زیادہ خوفناک نکلتے ہیں۔ آپ میری اس بات سے تو اتفاق کریں گے ناں۔“

شاہ سکندر بہت آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلانے لگے تھے۔

پھر آپ بتائیں میں کیا کروں۔ جس راستے پر کانٹے ہی کانٹے بچھے ہوں میں جانتے بوجھتے اپنی بیٹیوں کے لیے وہ کا انتخاب کیسے کروں۔ گزشتہ بار آپ نے کہا تھا کہ میں ایک بار اور آپ کا اعتبار کر لوں، کیسے کر لوں آپ کو معلوم نہیں ہے کہ مدحیہ کہاں ہے جبکہ صباحت کے بارے میں آپ جانتے تھے۔ میرا مطلب ہے۔ اس کی کے سلسلے میں آپ کے بابا جان نے جو پلاننگ کی اس سے آپ بے خبر نہیں تھے بلکہ آپ ان کے ساتھ تھے کیوں؟؟“ وہ ان کا محاسبہ کرتے ہوئے سوالیہ نشان بن گئی تھی۔

میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی یہی کہوں گا کہ میرے پیش نظر صباحت کی بہتری تھی اور ہے۔“ انہوں نے ہے پر زور دے کر گویا اس رشتے کو قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

ہے۔“ وہ کتنی دیر ان پر تاسف سے نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

میں شاہ سکندر حیات! آپ پتا نہیں کس پہلو سے صبا کی بہتری سوچ رہے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کے نے ایک بار پھر۔“

میں۔“ وہ فوراً بول پڑے۔ ”یہ صحیح ہے کہ بابا جان نے صباحت کے حصول کے لیے غلط طریقہ اختیار کیا تھا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

یہ نہیں پہنچا سکتے۔ مدحیہ کے ساتھ انہوں نے کیا کیا۔“ وہ زچ ہو کر بولی تھی۔

سکندر ابھی خود ہر بات کا اعتراف کر چکے تھے اس لیے لاجواب ہو کر رہ گئے پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے

مدحیہ کو انہوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کی دونوں پوتیاں شاہ پور میں بیاہی اور اسی مقصد سے انہوں نے مدحیہ کو اپنے پاس روک رکھا ہے۔ شادی کے بعد اس پر کوئی پابندی نہیں ہو وہ جب چاہے گی آپ کے پاس آئے گی۔ اس طرح صباحت بھی۔“

لیکن مجھے اپنی بیٹیاں شاہ پور میں نہیں بیاہنی اور یہ صرف میری ضد نہیں ہے میری بیٹیاں بھی ایسا نہیں ہے۔ آئی ایم سوری شاہ سکندر حیات!“ وہ حتمی انداز میں کہہ کر گھڑی دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

شاہ سکندر اسے جانے پر آمادہ دیکھ کر بھی خاموش بیٹھے رہے۔

اپنی چیزیں سمیٹ کر انہیں دیکھنے لگی۔ لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئے۔ پتا نہیں قصداً انجان بن رہے تھے یا سوچ میں تھے۔

بارہ بج رہے ہیں، بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔“ وہ انہیں مخاطب کیے بغیر خود کلامی کے انداز میں بولنے

بچے۔“ انہوں نے سوچا اور کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ کہیں سے بھی پریشان نہیں لگ رہی نہ ہی مدحیہ کا سن کر اس تمام عرصے میں اس نے کوئی واویلا مچایا تھا کہ اسے ہر صورت اپنی بیٹی چاہیے۔

آپ۔“ وہ ان کی نظروں سے الجھ کر بس اسی قدر کہہ سکی۔

ہاں چلنا چاہیے۔“ وہ ہاں کی صورت گہری سانس کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے پھر دروازے کے پاس جا کر دم پلٹ کر اسے مخاطب کیا۔

ڈاکٹر آسیہ! میں صباحت اور مدحیہ سے ملنا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے اس پر آپ کو اعتراض نہیں ہو گا۔ کل بجے سہ پہر گاڑی بھیج دوں گا۔ او کے۔“

ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ یقین سے بولے۔

میں جانتا ہوں، مدحیہ آپ کے پاس ہے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آئے تھے۔

❁ ❁ ❁

شاہ سکندر واپس علی جہانگیر کے پاس آئے تھے اور اسے اپنے انتظار میں بیٹھے دیکھ کر انہیں تعجب تو نہیں ہوا
پھر بھی ٹوک گئے۔
"تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟"
"میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" علی جہانگیر نے صاف گوئی سے کہا۔
"لیکن میں نے یقین سے تو واپس یہاں آنے کو نہیں کہا تھا۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔
"کھانا گرم کروں آپ کے لئے؟" علی جہانگیر ان کی بات ان سنی کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔
"ہاں یار! بھوک تو لگ رہی ہے اور بس کھانے کے بعد کافی بھی ضرور پیوں گا۔ کرم دین سے کہنا....."
"کرم دین نہیں ہے۔ میں بنادوں گا کافی بھی۔" علی جہانگیر کہتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا تو انہوں نے آرام سے سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرلیں اور اگلے دن کا پروگرام سوچنے لگے جو وہ آتے ہوئے آسیہ سے کہہ آئے تھے کہ کل مدحیہ اور صباحت کے لئے گاڑی بھیج دیں گے۔
"آیئے چچا جان۔" کچھ دیر بعد علی جہانگیر نے آکر کہا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا پھر فوراً اٹھ کر اس کے ساتھ ڈائننگ روم میں آگئے اور کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔
"تم نے کھانا کھایا یا میرے انتظار میں.....؟"
"کھالیا تھا۔" وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔
"گڈ!" شاہ سکندر کھانے میں مصروف ہوگئے۔
علی جہانگیر بہت توجہ سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا تھا، جس پر اب کسی تردد، کسی پریشانی کی لکیر نہیں تھی۔ اس کے برعکس اطمینان جھلک رہا تھا جس سے وہ سمجھ گیا کہ انہیں مدحیہ کا سراغ مل گیا ہے۔
"مدحیہ یہیں کراچی میں ہے نا؟" قدرے توقف سے اس نے تصدیق کی خاطر پوچھا۔
"ہاں!" انہوں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے دیکھا۔
"کب سے..... آئی مین کون چھوڑ گیا ہے اسے؟"
"پتا نہیں۔ یہ ساری تفصیل نہیں پوچھی میں نے۔ مدحیہ سے معلوم کروں گا۔ ہاں، تم کافی بنانے والے تھے۔" شاہ سکندر اٹھ کھڑے ہوئے۔
"جی۔ آپ چلیں میں لے کر آتا ہوں۔" وہ فوراً کچن کی طرف بڑھ گیا۔
شاہ سکندر لاؤنج سے ہوتے ہوئے اپنے رہائشی کمرے میں آگئے اور کپڑے نکالنے کی غرض سے الماری کھولا لیکن پھر خیال آیا کہ وہ تو بغیر کسی پروگرام کے یونہی چلے آئے تھے۔ یعنی اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لائے تھے۔
"چچا جان!" علی جہانگیر نے غالباً" کمرے میں داخل ہونے سے پہلے پکارا تھا۔
"ہاں۔ آجاؤ۔" انہوں نے الماری بند کر کے کہا۔
علی جہانگیر اندر آیا تو چھوٹی سی ٹرے میں کافی کے دو مگ تھے۔
"تمہیں صبح آفس نہیں جانا؟" انہوں نے ایک مگ اٹھاتے ہوئے پوچھا تو وہ سمجھ کر بولا۔
"جانا ہے' بس یہ ہے کہ کچھ لیٹ ہو جاؤں گا۔"
"اور اس کا ذمے دار مجھے ٹھہراؤ گے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو علی جہانگیر قدرے جھینپ گیا۔
"نو سر! آپ نے تو نہ مجھے انتظار کرنے کو کہا تھا اور نہ اپنے ساتھ کافی پینے کی آفر کی۔"
"گویا اپنے ہر عمل کے تم خود ذمے دار ہو۔"
شاہ سکندر نے کافی کے ایک دو سپ لینے کے بعد سگریٹ سلگائی تھی اور ایک ساتھ دونوں سے شغل کر رہے تھے ہوئے' پتا نہیں علی جہانگیر کی موجودگی بھول گئے یا قصداً" نظر انداز کر رہے تھے۔ کچھ بھی تھا بہرحال علی جہانگیر کے لئے ان کی لاتعلقی خاصی تکلیف دہ تھی۔ کچھ دیر ہی وہ خود پر جبر کر سکا' پھر پہلے ذرا سا کھانس کر انہیں اپنی موجو

دلایا اس کے بعد مخاطب کر کے کہنے لگا۔
چچا جان! وہ میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ڈاکٹر آسیہ نے ہمارے بارے میں کیا سوچا ہے۔ آئی مین میرے اور
ی کے.....؟"
ائی ڈونٹ نو بیٹا! میری ان سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔" انہوں نے پہلے سرسری انداز میں کہا پھر
احساس ہونے پر اسے تسلی دیتے ہوئے بولے۔
تم فکر نہیں کرو میں انشاء اللہ جلد ڈاکٹر آسیہ سے بات کروں گا۔ اصل میں وہ سب سے زیادہ تمہارے باپ
نفر ہیں۔ اگر تم غیر جانبداری سے دیکھو تو وہ حق بجانب ہیں اس لئے میں انہیں زیادہ فورس نہیں کر سکتا۔
وشش کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ صباحت کی خاطر مان جائیں گی۔"
آپ صباحت سے ملے؟" علی جہانگیر نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا۔
نہیں کل....." شاہ سکندر اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئے تھے۔

♥ ▽ ▽ ♥

ی مما!" دونوں ایک ساتھ کمرے سے نکلیں تو آسیہ ایک نظر ان پر ڈال کر ڈائننگ کی طرف بڑھتے ہوئے

ؤ بیٹا! کھانا کھالیں۔"
" مما! نبیل بھائی تو ابھی آئے نہیں۔" صباحت الجھنے میں گھر کر بولی۔
نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتی ہوئی اس کے پیچھے ڈائننگ روم میں آگئیں۔
رات تمہیں بتانا بھول گئی۔" آسیہ ڈونگا اٹھا کر ان دونوں کی پلیٹوں میں سالن نکالتے ہوئے بظاہر
نداز میں بولنے لگی۔ "اور صبح بھی یاد نہیں آیا ورنہ اسی وقت تم سے کہہ جاتی۔ خیر ابھی کافی وقت ہے۔ تم
، تیاری کر سکتی ہو۔ تین بجے تمہارے پاپا کی گاڑی آئے گی۔ تم دونوں چلی جانا۔"
ا؟" دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔
میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ کہاں ملیں گے۔ بہرحال وہ تم دونوں سے ملنا چاہتے ہیں اور مجھے اس پر کوئی اعتراض
، کیونکہ تم دونوں اب سمجھ دار ہو۔" آسیہ ہنوز سرسری انداز میں کہہ کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔
اگر وہ ہمیں شاہ پور لے گئے؟" مدحیہ نے فوراً خدشہ ظاہر کیا تو آسیہ ایک دم سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی
وخود بھی اس خدشے سے پریشان تھی لیکن ان پر ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ اب جو مدحیہ نے کہا تو وہ سوچ میں
کتنی دیر بعد اس نے ان دونوں سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دی تھی۔
ہ۔ میرا خیال ہے' وہ ایسا نہیں کریں گے۔"
بھی مما۔" مدحیہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے ٹوک دیا۔
ی کوئی بات نہیں ہے بیٹا! پھر تم تو پہلے بھی ان سے مل چکی ہو کئی [illegible] نے دیکھا صباحت گم
تھی۔
ٹھیک ہے مما! لیکن انہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔" مدحیہ نے ایک دم خیال آنے پر پوچھا تو
تے ہوئے بولی۔
ہو گیا معلوم۔ اب تم جلدی سے کھانا کھا کر تیار ہو جاؤ۔ شاہ سکندر کی گاڑی زیادہ دیر تک اس دروازے پر
ں چاہئے۔ اوکے۔" آسیہ اپنی بات ختم کرتے ہی کمرے سے نکل گئی
بھئی' جلدی کرو۔"
نہیں جاؤں گی۔" صباحت نے اسی گم صم انداز میں کہا۔
ا کیوں نہیں جاؤ گی؟ اب تو مما خود بھیج رہی ہیں ہمیں۔ چلو اٹھو۔ کھانا وانا بھی وہیں کھالیں گے پاپا کے

ساتھ۔" وہ زبردستی اسے وہاں سے اٹھا کر کمرے میں لے آئی اور الماری کھول کر کپڑوں کا انتخاب کرتے ہو
کہنے لگی۔
"تو یہ تھی مما کی پریشانی۔ عجیب ہیں مما بھی۔ اگر انہیں پاپا پر اعتبار نہیں ہے تو صاف منع کر دیتیں۔ خیر چھو
دیکھو یہ سوٹ تم پہن لو۔ یہ میں۔"
"پاگل ہو گئی ہو۔" صباحت اچھل پڑی۔ "ہم کسی شادی میں نہیں جا رہے۔"
"تمہیں کیا پتا شاہ پور کی خواتین گھر میں بھی ایسے ہی بلکہ اس سے اچھے اور جھلملاتے ہوئے کپڑے
ہیں۔" وہ بڑے آرام سے صباحت کے اعتراض کو نظر انداز کرتے ہوئے وہی کپڑے استری کرنے کھڑی ہو گئی
"تمہاری مرضی لیکن میں یہ نہیں پہنوں گی۔" صباحت نے اپنے لئے دوسرا سوٹ نکال لیا تھا۔
پھر ٹھیک تین بجے وہ دونوں آسیہ سے کہہ کر نیچے اتریں تو اسی وقت گاڑی بھی آ گئی تھی۔
"مدحو! اس سے پوچھو، پاپا کہاں ہیں؟" صباحت نے اسے کہنی مار کر ڈرائیور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ
"یا اللہ! یہ تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔ تمہاری زرد رنگت دیکھ کر تو پاپا، لیکن نہیں، انہیں پتا ہے تم بہت ڈر
ہو۔" مدحیہ اس سے کہہ کر فوراً ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"سنو! پاپا اس وقت کہاں ہیں؟"
"جی گھر پر۔" ڈرائیور نے بڑے ادب سے جواب دیا۔
"گھر پر۔" مدحیہ کو پہلا خیال شاہ پور کا آیا جب ہی فوراً پوچھنے لگی۔ "تمہارا مطلب ہے شاہ پور میں۔"
"نہیں جی۔ یہاں کلفٹن روڈ پر۔"
"اچھا۔" مدحیہ نے "اچھا" کو یوں لمبا کھینچا جیسے بہت اچھی طرح واقف ہو پھر صباحت کی طرف جھ
سرگوشی میں کہنے لگی۔
"سن لیا۔ ہم منسٹر ہاؤس جا رہے ہیں۔ اب اپنی شکل ٹھیک کرو اور ذرا گردن بھی اکڑا لو۔"
"بکو مت۔" صباحت نے دانت پیسے۔ "میری جان پر بنی ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"
"مذاق! میں ہرگز مذاق نہیں کر رہی۔"
"اچھا بس چپ رہو۔"
"انتہائی فضول ہو تم۔" وہ سر جھٹک کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔
کچھ دیر بعد گاڑی بڑے سے سیاہ گیٹ میں داخل ہو کر رک گئی۔ تب وہ صباحت کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے
"چلو، تمہیں پاپا سے ملواؤں۔"
"سنو، یہاں صرف پاپا ہی ہیں یا...؟" صباحت نے اس کے پیچھے اترتے ہوئے پوچھا تو وہ کندھے اچکا کر
"مجھے کیا پتا۔ یہ تو اندر جا کر معلوم ہو گا کہ اور کون کون ہے اور کوئی ہو بھی تو ہمیں کیا۔"
"آیئے بی بی! صاحب انتظار کر رہے ہیں۔" ایک باوردی ملازم نے قریب آ کر کہا تو وہ صباحت کا ہاتھ تھ
کے پیچھے چل پڑی۔
طویل گیلری کے بعد گول کمرہ تھا۔ وہیں شاہ سکندر موجود تھے۔
"پاپا!" مدحیہ انہیں دیکھتے ہی بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔
"کیسے ہو بیٹا!" شاہ سکندر نے اس کی پیشانی چوم لی پھر صباحت کی طرف دیکھا جو کچھ فاصلے پر ہی رک گئ
"صبا، آؤ بیٹا!" انہوں نے اپنا دوسرا بازو اس کی طرف پھیلایا تو وہ بہت دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ان
آئی تھی اور پھر اگلے پل بے اختیار ان کے سینے میں منہ چھپایا تو اس کے آنسو بھی بے اختیار چھلک گئے
"نہیں نہیں بیٹا! روتے نہیں۔" شاہ سکندر نے فرط محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا تو ا
جیسے طویل مسافتوں کے بعد شجر سایہ دار میسر آ گیا ہو، جس کی گھنی ٹھنڈی چھاؤں میں وہ جی بھر کر روئی تھی

نے غلط تو نہیں کہا تھا پاپا! یہ روتی بہت ہے۔" مدحیہ نے بڑی مشکل سے اسے الگ کر کے بٹھاتے ہوئے
سکندر قصداً ذرا سا مسکرائے پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولے۔
نہیں روئے گی۔"
کو نہیں پتا۔ اس کی آنکھوں میں سمندروں جتنا پانی ہے۔"
روں جتنا۔" شاہ سکندر خاصے محظوظ ہوئے۔ "کیوں بیٹا صبا! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔"
ت نے نفی میں سر ہلا کر دوپٹے سے اپنی آنکھیں اور چہرہ صاف کرنے لگی تو شاہ سکندر نے آہستہ سے اس
پایا پھر ان دونوں کے درمیان سے اٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔
نے کھانا کھا لیا یا...؟"
نے تو تھوڑا بہت کھا لیا تھا، البتہ صبا نے بالکل بھی نہیں کھایا۔" مدحیہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے

پہلے کھانا کھاؤ۔" شاہ سکندر نے کہہ کر ملازم کو پکارا اور اس کے آنے پر ان دونوں کو ڈائننگ ہال میں لے
ا۔ پھر مدحیہ کو مخاطب کر کے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔
کمرہ ہے بیٹا! آپ دونوں کھانے کے بعد ادھر ہی آ جانا۔"
کھانا نہیں کھائیں گے؟" مدحیہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
لنچ ٹائم دو بجے ہے۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے

♥ ♡ ♡ ♥

نے کے بعد وہ دونوں شاہ سکندر کے کمرے میں آئیں تو کچھ دیر تک وہ ہلکے پھلکے انداز میں ان کی تعلیم، ان کی
ند کے بارے میں پوچھتے رہے اور یہ کہ جڑواں ہونے کے ناتے کون سی باتیں اور عادات دونوں میں
ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مدحیہ سے پوچھا تھا کہ وہ شاہ تیمور کے ساتھ رہنے پر اپنی مرضی سے گئی تھی یا
نے زبردستی اسے بھیجا تھا اور یہ کہ وہ کراچی کس کے ساتھ آئی ہے۔
ب میں مدحیہ نے انہیں تمام حالات کہہ سنائے۔ وہ بہت متنفر ہو رہی تھی اور برملا اظہار بھی کر رہی تھی۔
میں کتنی بار صباحت نے اسے خاموش ہونے کا اشارہ کر کے احساس دلانا چاہا کہ اسے شاہ سکندر کا خیال
ئے یعنی ان کے سامنے ان کے خاندان کو برا نہیں کہنا چاہئے لیکن وہ اس کا اشارہ سمجھ کر بھی خاموش
ی تھی۔
کندر بظاہر بڑے سکون سے سن رہے تھے اور اس کے خاموش ہونے پر اسی سکون سے بولے تھے۔
پ ناحق پریشان ہوئیں اور مجھے بھی پریشان کیا۔ حویلی میں تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں تھی۔ وہیں رہ کر آپ
نتظار کرنا چاہئے تھا۔ میں کینیڈا گیا تھا یا امریکہ۔ مجھے واپس تو وہیں آنا تھا۔ اس طرح آنے کا مطلب تو یہ
پ کو مجھ پر بھی بھروسا نہیں تھا؟" ان کے ٹھہرے ہوئے پرسکون لہجے میں تنبیہہ تھی یا چبھن، مدحیہ کو
نے بہت ڈر لگا، سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔
پ کے اس اقدام سے میری پوزیشن کتنی آکورڈ ہو گئی ہے۔ خود اپنے آپ میں گلٹی فیل کر رہا ہوں میں کہ
ں کو تحفظ نہیں دے سکا، یہ حیثیت ہے میری...."
پاپا!" مدحیہ رو پڑی تو وہ ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگے۔
ت کا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا کہ جانے اب وہ کیا کہیں اور اگر اس کے معاملے پر بات کرنے لگے تو وہ کیا
ے
ن بیٹا!" شاہ سکندر نے یکدم لہجہ بدل لیا اور مدحیہ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔ "میں تو آپ کو
نہ خیر چھوڑو، ان باتوں کو اور یہ بتاؤ آئس کریم کیسی تھی؟"
ا تھی۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"صرف اچھی۔" انہوں نے صباحت کو دیکھا تو وہ فوراً بولی۔
"بہت اچھی۔"
"گڈ! اور اب آپ دونوں میں سے مجھے بہت اچھی چائے کون پلائے گا؟" انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا
تو صباحت نے اپنی طرف اشارہ کیا اور مدحیہ بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔
"صبا! صبا بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"
"اور آپ!"
"میں صرف اچھی۔" اس نے یوں برا سامنہ بنا کر کہا کہ وہ صاف منع کر دیں لیکن وہ موڈ میں تھے۔
"چلو تو آج ہم صرف اچھی چائے پی لیتے ہیں، بہت اچھی پھر سہی۔"
"مجھے پتا تھا آپ یہیں کہیں گے۔" وہ سدا کی کام چور بہت بے دلی سے اٹھی تھی، مزید صباحت کی مسکراہٹ
سے تپ گئی تو جاتے جاتے اس کے بازو میں چٹکی کاٹتی گئی تھی۔
"اف!" صباحت اپنا بازو سہلانے لگی۔
شاہ سکندر نے قصداً اس کی طرف سے دھیان ہٹا لیا اور اٹھ کر دیوار گیر ریک کا شیشہ کھولا تھا کہ فون کی بیل
واپس پلٹ کر اسی جگہ آبیٹھے اور ریسیور اٹھا لیا۔
"یس شاہ سکندر۔"
"او علی! کیسے ہو بیٹا؟"
صباحت کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
شاہ سکندر نے پہلے ناسمجھی کے عالم میں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر ایک دم سمجھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے
پاس بٹھا لیا جبکہ ادھر کی بات بھی توجہ سے سن کر کہہ رہے تھے۔
"نہیں، میرا ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ البتہ کل میں شاہ پور جانے کا سوچ رہا ہوں۔ وہ بھی کنفرم نہیں ہے۔"
"ابھی، نہیں ابھی نہیں۔ کل آجانا۔"
"او کے۔ خدا حافظ۔" انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور کچھ دیر جانے کیا سوچنے کے بعد بہت آہستہ سے صباحت کا
کندھا تھپک کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، نبیل کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ کبھی لابی میں آکر فون کے پاس کھڑے ہو جاتے
کبھی ٹیرس پر جا کر دور تک دیکھتے۔ اس پریڈ میں آٹھ بج گئے تو ان کے اضطراب میں خدشات بھی شامل ہو گئے
جنہیں وہ کسی طرح دبا نہیں سکے تو آسیہ کو فون کر ڈالا۔
"پھوپو! مدحو اور صبا ابھی تک نہیں آئیں۔؟"
"آجائیں گی بیٹا!" آسیہ کے لہجے کے اطمینان نے انہیں مزید منتشر کر دیا۔
"کب۔ میرا مطلب ہے کب تک آنے کا کہہ گئی تھیں۔ آٹھ تو بج گئے ہیں۔"
"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ جب ان کا باپ بھیجے گا تب ہی آئیں گی ناں۔"
"کیا ہو گیا ہے پھوپھو آپ کو۔ آپ نے انہیں جانے کیوں دیا تھا۔ پتا نہیں شاہ سکندر انہیں کہاں لے گئے
نبیل نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے بھی مصلحتاً "شاہ پور" کا نام نہیں لیا۔
"کہیں نہیں لے گئے۔ یہیں اسی شہر میں ہیں۔ تم فکر نہیں کرو آجائیں گی۔" آسیہ نے پھر خود کو تسلی دے کر
سلسلہ منقطع کر دیا۔
"میرے خدا!" نبیل ریسیور رکھ کر پھر ٹیرس میں نکل آئے اور ریلنگ کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھے تو ان
تک مسلسل ٹہلنے کے باعث ان کی اکڑی ہوئی کمر میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

ۂ غلط فیصلے کرتی ہیں پھوپھو۔" چیئر کی بیک سے کمر ٹکاتے ہوئے انہوں نے سوچا۔ اور اس بار تو انہوں نے
اہی نہیں کہ شاہ سکندر بیٹیوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ شاید تھک گئی ہیں پھوپھو یا پھر....."
"ہنسی کی آواز سے وہ بری طرح چونکے اور ابھی اٹھنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ صباحت نے لابی سے پکارا۔
بل بھائی!"
ہینکس گاڈ۔" انہوں نے گہری سانس کھینچی اور اٹھنے کا ارادہ ترک کر کے چیئر کی بیک پر سر رکھ لیا۔
بل بھائی۔" دوسری پکار کے ساتھ ہی صباحت سامنے آتی ہوئی بولی۔
پ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ سو گئے کیا؟"
ں نے آنکھیں کھول دیں لیکن بولے کچھ نہیں۔
اہوا نبیل بھائی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" صباحت متوحش سی ہو کر آگے آئی اور ان کی پیشانی پر
ا تو وہ آہستہ سے اس کی کلائی تھام کر بولے۔
ں ٹھیک ہوں بالکل! بس ذرا پریشان ہو گیا تھا۔"
ں بات سے؟" وہ سمجھی نہیں۔
ں جانے دو۔ تم اپنی سناؤ۔ مل آئیں اپنے پاپا سے؟"
ں نبیل بھائی!" اس کی آنکھوں میں ایسی ہی چمک تھی جیسے برسوں کی آرزو پوری ہوئی ہو اور ایک جذب
میں کرسی کے بازو پر دونوں ہاتھ جما کر فرش پر گھٹنے ٹیک گئی تھی۔
بے لگے!"
ت اچھے۔ بہت محبت کرنے والے، مجھے لگا جیسے....." مدحیہ کی آمد سے اس کی بات ہونٹوں میں رہ گئی۔
مدحیہ کی آمد خاموشی سے نہیں ہوئی تھی خاصی اونچی آواز میں بول رہی تھی۔
یں۔ تم یہاں ہو۔ یقیناً" نبیل بھائی کو پوری ہسٹری سنا رہی ہو گی۔ بس کرو صبا! سسرال جاؤ گی تو بڑا مسئلہ
روزانہ بھاگ کر آنا پڑے گا تمہیں۔ نبیل بھائی کو دن بھر کی روداد سنانے کے لئے۔"
رمت۔" اسے غصہ آگیا۔
ں بک نہیں رہی۔ عرض کر رہی ہوں کہ خدا کی بندی رحم کرو نبیل بھائی پر۔ بے چارے عاجز آگئے ہوں
یوں نبیل بھائی؟"
ں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ جھنجھلا کر بولی۔
ب آپ کبھی سچ نہیں بولیں گے۔"
ں لئے کہ تم میں سچ سننے کا حوصلہ ہی نہیں ہے۔" صباحت نے کہا تو نبیل فوراً مداخلت کرتے ہوئے
.
ا ہو جاتا ہے تم دونوں کو۔ فضول میں لڑنے لگتی ہو۔ چلو جاؤ چینج کر کے کھانا لگاؤ۔"
انا تو ہم کھا کر آئے ہیں۔" مدحیہ نے کہا۔
کھا کر آئے ہیں۔ مما اور نبیل بھائی تو ہیں۔ آپ چلیں نبیل بھائی میں بس ابھی چینج کر کے آتی ہوں۔"
کہتی ہوئی اندر چلی گئی تو نبیل مدحیہ کو دیکھ کر بولے۔
تمہیں روکا نہیں انہوں نے۔" نبیل جانے کیا معلوم کرنا چاہ رہے تھے۔
یں۔ وہ زیادہ یہاں رہتے کب ہیں۔ آج یہاں ہیں، کل شاہ پور میں ہوں گے۔" وہ انتہائی لاپروائی سے
ے رہی تھی۔
ور تم سے پوچھا نہیں انہوں نے کہ تم شاہ پور سے کیسے آئیں؟"
پوچھا تھا اور الٹا مجھ پر ناراض ہو رہے تھے کہ میں اس طرح کیوں آئی۔ مجھے وہیں شاہ پور میں رہ کر ان کا

انتظار کرنا چاہئے تھا۔" مدحیہ کو اب اس بات پر غصہ آنے لگا تھا۔
"یعنی سارے حالات سننے کے بعد بھی کہہ رہے تھے کہ میں وہیں رہتی۔ آپ بتائیں میں رہ سکتی تھی۔"
نبیل ذرا سا نفی میں سر ہلا کر پوچھنے لگے۔
"اور صبا کے بارے میں کیا کہا انہوں نے؟ میرا مطلب ہے اس کی رخصتی شادی کی کوئی بات کی۔"
"بالکل بھی نہیں۔ حالانکہ اب انہیں اس مسئلے کو سلجھانا چاہئے۔ ہے ناں۔" اس نے پھر تائید چاہی تو نبیل بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ بے ساختہ بولے تھے۔
"ہاں ناں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

رات کے گیارہ بج رہے تھے جب علی جہانگیر شاہ پور پہنچا تھا۔ بھوک اور سفر کی تھکان دونوں ہی غالب تھیں۔ پہلے اس نے سوچا چپ چاپ جا کر سو جائے لیکن خالی پیٹ نیند آنی بھی مشکل تھی۔ اس نے کچن میں جھانک کر دیکھا تو جیراں نظر آ گئی۔
"جیراں! جو بھی کھانا ہو گرم کر کے نکالو میں ابھی آتا ہوں۔" وہ دروازے میں سے کہہ کر واپس پلٹا اور قدموں سے اپنے پورشن میں آیا تو شاہ جہانگیر کے کمرے سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی جس کا مطلب تھا وہ ابھی سوئے نہیں ہیں۔ اس نے رک کر ان کے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ کہا۔
"ابا جی! میں ہوں علی۔"
"علی۔ ہاں اندر آ جاؤ۔" شاہ جہانگیر کے لہجے میں تعجب غالباً اس کی بے وقت آمد پر تھا۔
اس نے ہینڈل گھما کر ذرا سا دروازہ کھولا اور سر اندر کر کے بولا۔ "السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔ خیریت سے تو ہو نا بیٹا۔"
"جی۔ دعائیں ہیں آپ کی۔"
"آؤ۔ اندر آؤ۔"
"وہ ابا میں نے کھانا نہیں کھایا۔ اگر آپ......"
"ہاں ہاں جاؤ پہلے کھانا کھاؤ۔ کوئی ہے کچن میں یا سو گئے سب۔" شاہ جہانگیر یوں کھڑے ہو گئے جیسے خود اس کے لئے کھانا گرم کرنے کو تیار ہوں۔
"جیراں ہے ابا اور میں اس سے کھانا نکالنے کا کہہ آیا ہوں۔ آپ بیٹھیں آرام سے میں کھانا کھا کر آپ کے پاس ہی آؤں گا۔ آپ ابھی سو تو نہیں رہے نا؟"
"نہیں۔" شاہ جہانگیر دوبارہ بیٹھ گئے تو وہ آہستہ سے ان کا دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا صرف منہ ہاتھ دھونے کا تھا لیکن جب آئینے میں خود کو دیکھا تو پھر شاور لے کر ہی نکلا اور ڈائننگ میں جا کر کھانا اس کے بعد دوبارہ شاہ جہانگیر کے کمرے میں آیا تو اب وہ باقاعدہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔
"سوری! میں نے بے وقت آپ کو تنگ کیا۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
"نہیں نہیں بیٹا! میں تو جاگ ہی رہا تھا اور کہو تو تمہاری ماں کو بھی اٹھا دوں۔" شاہ جہانگیر نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولا۔
"نہیں امی کو نہیں اٹھائیں۔ مجھے بس آپ سے بات کرنی ہے۔"
"کیا بات؟" ان کے استفسار پر وہ اپنے آپ میں الجھ کر اور جیسے اکتا کر بولا تھا۔
"کوئی نئی بات نہیں ہے ابا! وہی پرانا قصہ ہے میری شادی کا۔ کیا سوچا ہے آپ نے۔ اگر آپ صباحت کو بہو نہیں بنانا چاہتے تو صاف کہہ دیں میں خود اسے طلاق دے کر سارا قصہ ہی ختم کر دیتا ہوں۔"
"ہائیں۔" شاہ جہانگیر اچھل پڑے۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو منگ چھوڑ دو گے۔"
"ہاں چھوڑ دوں گا۔ صرف اسے ہی نہیں آپ سب کو بھی۔ زندگی بھر میری صورت نہیں دیکھ پائیں گے۔

بس ابھی فیصلہ کر لیجئے۔ صباحت کو بہو بنانا ہے کہ نہیں۔" اس نے ٹھوس حتمی لہجے میں کہا تو شاہ جہانگیر گئے۔
نا تو چکے ہیں۔ میرا مطلب ہے نکاح ہوا ہے تمہارا اس سے۔ باقی رخصتی کے لئے اس کی ماں نہیں مان رہی
یوں نہیں مان رہی۔" وہ فوراً بول پڑا۔ "آپ گئے تھے اس کی ماں کے پاس؟"
ن...... نہیں۔" شاہ جہانگیر نظریں چرا گئے۔
نب گئے ہی نہیں تو پھر کیسے کہہ رہے ہیں کہ وہ نہیں مان رہی۔ آپ ایک بار جائیں تو اور بابا جان کے ے بن کر نہیں بلکہ میرے باپ بن کر جائیں۔ اگر آپ کو میری خوشیاں، میری زندگی مطلوب ہے تو اس کے پ کو دامن پھیلانے میں ہچکچانا نہیں چاہیے اور یہ کام تو آپ کو بہت پہلے کرنا چاہئے تھا لیکن آپ منظر سے ے۔"
ن جاتا تو بات وہیں پہلے مرحلے پر ہی ختم ہو جاتی۔"
ہاں۔ اس لئے کہ آپ لوگ فیئر نہیں تھے۔ اگر فیئر ہوتے تو آپ کے اندر پہلے مرحلے پر ہی بات ختم ہونے شہ بلکہ یقین نہ ہوتا۔"
کیا مطلب ہے تمہارا؟" شاہ جہانگیر نے ناگواری سے دیکھا تھا۔
آپ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں ابا۔ پھر بھی اگر میرے منہ سے سننا چاہتے ہیں تو سنیں کہ بابا جان کے دل میں کے خلاف جو نفرت، بغض اور دشمنی تھی وہ انہیں طلاق دلوانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ جب ہی تو انہیں صباحت کا پتا چلا تو وہ ایک بار پھر ڈاکٹر آسیہ کو زیر کرنے کا سوچنے لگے۔ انہیں میری شادی سے کوئی نہیں تھا۔ ان کا مقصد صرف ڈاکٹر آسیہ سے بیٹی چھیننا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو بھی چکے تھے۔ یہ نے درمیان میں آ کر سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ جس سے وہ اور تلملا گئے اور صباحت کے کے لئے مدحیہ کو استعمال کرنے لگے۔ کہیں کسی مقام پر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ وہ دونوں لڑکیاں ان کا اپنا ہے۔ ان کے ذہن پر صرف آسیہ سوار رہی اور وہ بس اس کے خلاف سوچتے اور پلان بناتے رہے۔ اگر پوتیوں میں اور واقعی ان کی بہتری سوچ کر وہ آسیہ سے بیٹی مانگتے تو میں یقین سے کہوں گا کہ وہ بھی انکار نہ ۔"
نہیں جانتے بیٹا! وہ عورت......"
رت ہی ہے نا۔" وہ فوراً بول پڑا۔ "جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اسی کی ک اور ٹیڑھی اگر آرام سے محبت سے سیدھا کرو گے تو سیدھی ہو جائے گی ورنہ ٹوٹ جائے گی اور ٹوٹی رت کو رام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ ٹوٹ کر صرف بکھرتی ہی نہیں بپھر بھی جاتی ہے۔ آپ خدا کے بابا جان کے اشاروں پر چلنا بند کریں اپنے ذہن سے سوچیں کیا صباحت اور مدحیہ سکندر چچا کی بیٹیاں نہیں میں...... میں کیا آپ کی اولاد نہیں ہوں۔"
ں نہیں۔" شاہ جہانگیر مکمل طور پر اس کی گرفت میں آ چکے تھے۔
کیوں آپ میری خوشی کا خیال نہیں کر رہے۔ مجھے تو اس سارے فتنے میں آپ نے ایک طرف ڈال دیا ہے میری کوئی اہمیت، کوئی حقیقت ہی نہیں۔"
نہ نہیں بیٹا۔"
نہیں۔ اس تمام عرصے میں ایک بار بھی آپ نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں یا میرا خیال کر کے نہیں، آپ صرف بابا جان کے اشاروں پر چلتے رہے۔ ان ہی کی زبان بولتے رہے اور ابھی تک وہی کرتے بابا جان کہتے ہیں۔"
نف کیجئے گا ابا! میں کاٹھ کا الو نہیں ہوں جو خاموش تماشائی بنا دیکھتا رہوں اور نہ ہی میں مزید انتظار کر سکتا

ہوں۔ صباحت میری منکوحہ ہے اور یہ طے ہے کہ ڈاکٹر آسیہ خود اسے لا کر میرے گھر نہیں چھوڑ جائیں گی۔ آپ کو جانا پڑے گا۔ امی اور آپ۔ اور یہ سمجھ لیجئے کہ میری زندگی کی ڈور اسی رشتے کے ساتھ بندھی ہے۔"

اس کے آخری جملے پر شاہ جہانگیر منہ کھولے اسے دیکھتے رہ گئے کیونکہ اس نے ان کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی اور وہ ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن گھڑی دیکھ کر پھر کسی وقت پر چھوڑتا ہوا اٹھ ہوا۔

"اچھا ابا۔ اب آپ آرام کریں بہت رات ہو گئی۔"

"تت۔ تم کہاں جا رہے ہو؟" شاہ جہانگیر نے چونک کر پوچھا۔

"اپنے کمرے میں۔ جاؤں؟" وہ بتا کر مسکرایا۔

"ہاں' اور یہ لائٹ آف کرتے جاؤ۔"

"او کے۔ شب بخیر۔" وہ لائٹ آف کر کے ان کے کمرے سے نکل آیا۔

دو بج رہے تھے جب اس نے تکیے پر سر رکھا اور اپنی باتوں کو سوچتے ہوئے کچھ ہی دیر میں سو بھی گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کافی دن چڑھ آیا تھا جب عارفہ بیگم نے آ کر اسے اٹھایا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو پہلے حیران ہوا پھر ایک دم یاد آیا کہ وہ رات ہی یہاں آیا تھا۔ فوراً اٹھتے ہوئے

"السلام علیکم امی!"

"جیتے رہو۔ رات کس وقت آئے تھے؟" عارفہ بیگم نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے پوچھا۔

"گیارہ بج رہے تھے شاید۔"

"گیارہ! تمہارے ابا تو بتا رہے تھے دو بجے سوئے ہو تم۔ جب ہی میں نے صبح تمہیں اٹھایا نہیں۔"

"جی! آیا تو میں گیارہ بجے تھا پھر ابا کے ساتھ باتوں میں دو بج گئے تھے۔ ابا اٹھ گئے یا سو رہے ہیں ابھی۔"

"وہ تو صبح ہی اٹھ گئے تھے۔ چلو تم منہ ہاتھ دھو لو۔ میں تمہارے لئے ناشتہ بھجواتی ہوں۔" عارفہ کھڑکیوں سے پردے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یہاں بھجوائیں گی۔ نہیں میں ادھر ہی آ رہا ہوں۔ جیراں سے کہئے گا چائے میں دودھ کم ڈالے۔"

کچھ دیر بعد نیچے اتر کر آیا تو بس برائے نام ناشتا کیا۔ اس کے بعد بابا جان کے کمرے کی طرف جا رہا تھا سے شاہ تیمور نے اسے پکار لیا۔

"علی' سنو!"

اس نے پلٹ کر دیکھا پھر قصداً" مسکرا کر بولا۔

"ہیلو' کیسے ہو۔"

"ٹھیک ہوں۔ تم کہاں جا رہے ہو۔" شاہ تیمور نے بہت عجلت سے جواب دے کر پوچھا۔

"یہیں' بابا جان کے پاس' آؤ چلو۔" اس نے بہت سادہ سے انداز میں کہا۔

"نہیں تم جاؤ بلکہ بعد میں چلے جانا پہلے میرے ساتھ آؤ۔" شاہ تیمور نے اسی عجلت میں آگے آ کر پکڑا تو وہ حیرت سے بولا۔

"ارے میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا اور جانا کہاں ہے؟"

"تم آؤ تو۔" شاہ تیمور نے اس کا ہاتھ کھینچا تو وہ ناچار اس کے ساتھ چل پڑا۔

برآمدے میں آ کر شاہ تیمور رک گیا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر رازداری سے پوچھنے لگا۔

"سنو' تم نے مدحیہ کو دیکھا ہے؟"

"ہاں.....!" اس نے بڑے آرام سے اثبات میں گردن ہلائی تو شاہ تیمور یک دم پرجوش ہو گیا۔

"کہاں..... کہاں دیکھا ہے؟"

"یہیں اسی گھر میں۔"

"اسی گھر میں! میں یہاں کی بات نہیں کر رہا۔" شاہ تیمور کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

"پھر کالج میں۔ ہاں آخری بار میں نے اسے تمہارے ساتھ کالج میں دیکھا تھا۔ کیوں کیا ہوا اسے؟" وہ سارا معاملہ سمجھ کر انتہائی معصوم اور انجان بن گیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" شاہ تیمور مایوسی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

"نہیں۔ تم کچھ چھپا رہے ہو۔ بتاؤ کیا بات ہے؟" اس نے اصرار سے پوچھا تو شاہ تیمور کچھ دیر پرسوچ انداز میں دیکھنے کے بعد کہنے لگا۔

"مدحیہ چلی گئی یہاں سے۔ کسی کو بتائے بغیر۔ کیا تم اس کے گھر سے معلوم کر سکتے ہو کہ وہ خیریت سے پہنچ گئی۔"

"نہیں! میرا تو وہاں آنا جانا نہیں ہے۔" اس نے ایک طرح سے معذوری ظاہر کی۔

"آنا جانا نہیں ہے فون تو کرتے ہو گے۔" شاہ تیمور نے بے قراری سے کہا۔

"وہ بھی نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔" اس کے آرام سے کہنے پر شاہ تیمور جھنجھلا گیا۔

"عجیب آدمی ہو تم۔ اپنی منکوحہ کو فون بھی نہیں کرتے۔ نمبر بھی ہے تمہارے پاس یا وہ بھی نہیں ہے۔"

"ہے' نمبر ہے۔" وہ اندر ہی اندر اس کی حالت سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"تو بھائی میرے' میری خاطر ہی فون کر کے مدحیہ کا معلوم کر دو۔" شاہ تیمور نے خوشامد سے کہا۔

"کر تو دوں لیکن فرض کرو اگر مدحیہ وہاں نہیں پہنچی تو میں تو پھنس جاؤں گا۔ سوری یار ایسا کرو مجھ سے نمبر لے لو معلوم کرنا ہے خود کرو۔" اس نے پین کے لئے جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا پھر اسے دیکھا۔ "پین ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں۔" شاہ تیمور نے جیب سے پین نکال کر اسے دیا تو وہ اس کے ہاتھ پر نمبر لکھ کر بولا۔

"اگر تمہاری بات ہو مدحیہ سے تو میری منکوحہ کو میرا سلام کہلوا دینا۔"

"صرف سلام۔" شاہ تیمور نے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"صرف سلام۔" وہ کھل کر مسکرایا اور اسے ہاتھ ہلاتا ہوا اندر آیا تو کچھ دیر بی بی جان کے پاس بیٹھا پھر بابا جان کے کمرے میں آ گیا۔

"السلام علیکم بابا جان!" اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا تھا۔

"آؤ صاحبزادے! ہم کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" بابا جان نے کہا تو وہ بڑھ کر پوچھنے لگا۔

"آپ کو میری آمد کی اطلاع کس نے دی؟"

"صبح تمہارے باپ نے بتایا تھا کہ رات گیارہ بجے تم آئے۔ بغیر کسی اطلاع کے۔"

"کوئی اتنی دور سے تو نہیں آنا ہوتا بابا جان جو پہلے سے پروگرام بنایا جائے اور یہاں اطلاع کی جائے۔ بس جب چاہتا ہے چل پڑتا ہوں۔ آپ سنائیں کیا مصروفیات ہیں آج کل؟" اس نے اپنی بات سرسری انداز میں کہہ کر ان کی مصروفیات جاننے میں دلچسپی ظاہر کی۔

"ہماری مصروفیات وہی ہیں جو ہمیشہ سے چلی آ رہی ہیں۔ زمینوں کے بکھیڑے پھر تم لوگوں کے مسائل۔ کیا ہوا تمہاری شادی کا۔ کچھ بات بنی؟" بابا جان نے یوں کہا جیسے اس مسئلے کو سلجھاتے سلجھاتے تھک گئے ہوں۔

"بات بنانے سے بنتی ہے بابا جان! جبکہ ادھر سے ایسی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی۔" اس کی صاف گوئی پر بابا

جان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔
[illegible]

"میرا یہ مطلب نہیں تھا بابا جان۔" وہ خاصا جز بز ہوا۔
"پھر کیا مطلب ہے تمہارا، کیا چاہتے ہو تم؟" بابا جان کے لہجے میں طنز تھا جیسے تم مجھے مشورہ دو گے۔
اس نے مصلحتاً" خاموشی اختیار کر لی اور پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر جانے لگا کہ اسی پل دروازہ ہلکی سی دستک ساتھ کھلا اور شاہ سکندر اندر داخل ہوئے تھے۔
"السلام علیکم چچا جان۔" اس نے سلام میں پہل کی۔
"شاہ سکندر سر کے اشارے سے جواب دے کر بابا جان کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔" بابا جان نے انہیں جواب دے کر فوراً علی جہانگیر کو دیکھ کر پوچھا۔ "تم دونوں ساتھ آ تھے؟"
"جی نہیں۔ میں رات کو آیا تھا اور چچا جان شاید ابھی آ رہے ہیں۔" اس نے کہا تو شاہ سکندر آگے آتے ہو بولے۔
"شاید نہیں یقیناً"۔"
"ہوں۔" بابا جان نے یوں ہنکارا بھرا جیسے ان دونوں کی آمد کو کوئی معنی پہنا رہے ہوں۔
"آپ کس سوچ میں پڑ گئے بابا جان۔" شاہ سکندر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بابا جان کو ٹوکا تو وہ چو کر بولے۔
"ہاں بیٹھو۔"
"شکریہ۔" شاہ سکندر نے بیٹھتے ہوئے علی جہانگیر کے کندھے پر دباؤ ڈال کر اسے بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا تھ قصداً" بابا جان کو سنا کر اس سے کہنے لگے۔
"کل میں نے تمہیں اپنے ہاں آنے سے روک دیا تھا تم نے ضرور مائنڈ کیا ہو گا۔ آئی ایم سوری۔ اصل اس وقت صباحت اور مدحیہ میرے پاس آئی ہوئی تھیں۔"
"مدحیہ۔" بابا جان بے اختیار بول کر خاموش ہو گئے تو شاہ سکندر انہیں دیکھتے ہوئے بولے۔
"جی مدحیہ۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ کراچی میں ہے۔ اپنی ماں کے پاس لیکن آپ اسے چھوڑ کر نہیں تھے۔"
"کوئی بھی چھوڑ آیا ہو۔" بابا جان نے اس بات کو قطعی غیر اہم قرار دے کر اپنی طرف سے موضوع ختم کر د
"کوئی بھی نہیں بابا جان! کوئی بھی نہیں۔" شاہ سکندر ایک دم آپے سے باہر ہو گئے۔ "دکھ تو اس بات کا۔ میری بیٹی کو یہاں سے اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ کیوں..... کیوں کیا آپ نے اس کے ساتھ ایسا۔ رقبے پر چھوڑ دیا۔"
"شکر کرو رقبے پر چھوڑا، کہیں اور نہیں پہنچا دیا۔" بابا جان کا کھیل ختم ہو چکا تھا لیکن وہ ہار ماننے والوں میں نہیں تھے۔
"ارادہ تو آپ کا ایسا ہی تھا، لیکن....."
"غلط الزام مت لگاؤ سکندر....." بابا جان زور سے دھاڑے۔ "اگر ہمارا ایسا کوئی ارادہ ہوتا تو تم کبھی اس دیکھ نہیں سکتے تھے کیونکہ ہم کبھی اپنے ارادے میں ناکام نہیں ہوئے۔"
"ناکامی ہی نے آپ کو بوکھلا دیا ہے بابا جان! جو آپ خونی رشتوں کی پہچان بھی بھول گئے ہیں۔" شاہ سکندر کے دھاڑنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

بکواس بند کرو سکندر! اور چلے جاؤ ہمارے سامنے سے ورنہ....." بابا جان کا اشتعال انتہا کو چھو رہا تھا۔
ورنہ کیا۔ شوٹ کریں گے مجھے، کر دیں۔" شاہ سکندر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ جو خاموشی سے دیکھ اور سن رہا
دم حرکت میں آ گیا۔
چچا جان! پلیز چلیں۔"
نہیں۔ آج دیکھ لینے دو کہ کتنا دم خم ہے ان میں۔" شاہ سکندر کی طرف سے کھلا چیلنج تھا۔
م خم دیکھنا چاہتے ہو؟" بابا جان دیوار پر لٹکی بندوق کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھے تھے۔
گاڈ!" وہ واقعی پریشان ہو گیا اور بھاگ کر بابا جان کے سامنے آ کر بولا۔ "خدا کے لئے بابا جان! یہ کوئی مذاق ہے۔"
ہٹ جاؤ علی۔" بابا جان نے اسے دھکیلنے کے لئے ہاتھ اٹھائے تو اس نے ان کی دونوں کلائیاں تھام لیں۔
اتنی مضبوط تھی کہ بابا جان کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں اور اس سے پہلے کہ ان کی کمزوری ظاہر ہوتی وہ اور شاہ سکندر کی طرف سے منہ موڑتے ہوئے بولے۔
لے جاؤ اسے یہاں سے۔"
سکندر نے اونہہ کے انداز میں سر جھٹکا اور کین کی چیئر کو پیر سے ٹھوکر مارتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تو مطمئن سے ہو کر بابا جان کے پیروں کے پاس گھٹنے ٹیکتا ہوا بولا۔
یکس بابا جان، ریلیکس۔" پھر ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہیں ریلیکس کر کے ہی ان کے کمرے سے نکلا

♥ ♡ ♡ ♥

"اس نے صباحت کو پکارتے ہوئے نبیل کے کمرے میں جھانکا تو وہ کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بولے۔
نہیں ہے۔"
ہاں ہے؟" اس نے پورا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔
ئی ہو گی۔" اس بار نبیل نے کتاب بند کر کے اسے دیکھا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔
کا کوئی نام ضرور ہونا چاہئے۔ کتنا عجیب لگتا ہے۔ نیچے۔ نیچے، اوپر، اوپر، نیچے۔"
بے ساختہ مسکرائے لیکن بولے کچھ نہیں۔
آپ کو عجیب نہیں لگتا؟" وہ نیچے اوپر کی گردان سے جھنجھلا کر ان سے پوچھنے لگی۔
"
لئے کہ آپ خود عجیب ہیں۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔
نے ٹھیک کہا۔" نبیل نے خاصے محظوظ انداز میں تائید کی تو وہ جاتے جاتے پلٹ آئی۔
کہا؟"
بں عجیب ہوں۔" نبیل نے کہا تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھنے کے بعد بولی۔
ر اتنے عجیب بھی نہیں ہیں۔"
واہ تھوڑا سا۔" نبیل کبھی کبھی ہی اس موڈ میں آتے تھے۔
ے بھی صبا کی وجہ سے ہیں۔" اس نے کہا تو نبیل حیران ہوئے۔
صبا کی وجہ سے کیوں؟"
پوری عجیب، بلکہ عجوبہ ہے اور آپ پر تھوڑا بہت اس کا اثر آیا ہے۔"
تم نے نئی بات بتائی۔" نبیل نے بمشکل ہنسی ضبط کر کے کہا تب ہی فون کی بیل پر وہ انہیں ابھی آئی کر فون کے پاس آئی تھی۔

"مدیحہ ہیں۔" دوسری طرف شاہ تیمور تھا۔ جانے آواز بدل کر بولا تھا یا وہ نہیں پہچانی تھی۔
"جی آپ کون۔"
"مدیحہ، میں ہوں تیمور۔" شاہ تیمور نے اس بار اسے پہچان کر کہا تو وہ لہک کر بولی۔
"او شاہ تیمور، کیسے ہیں آپ؟"
"کیسا دیکھنا چاہتی ہو تم؟" شاہ تیمور کے جذباتی لہجے پر وہ ایک لحظہ کو ٹھٹکی پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگی۔
"جیسے آپ ہیں۔ ویسے یہ امید کم ہے کہ میں دوبارہ آپ کو دیکھ سکوں گی۔"
"کیوں؟"
"پتا نہیں۔" وہ ٹال کر موضوع بدل گئی۔ "اور سب لوگ کیسے ہیں؟"
"ٹھیک ہیں۔ یہ بتاؤ تم اس طرح کیوں چلی گئیں بغیر بتائے۔" شاہ تیمور کے لہجے میں چور تھا۔ وہ زور سے ہنس
"ہاہاہا۔ آپ کا مطلب ہے مجھے بتا کر آنا چاہئے تھا۔ کسے آپ کو یا بابا جان کو؟"
"کسی کو بھی۔" وہ اس کی ہنسی سے مزید جز بز ہوا تھا۔
"اچھا" آئندہ خیال رکھوں گی اور کوئی بات۔" اس نے بے نیازی سے کہہ کر پوچھا تو وہ فوراً بولا۔
"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"کیوں؟"
"مدیحہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تم سے کیوں ملنا چاہتا ہوں؟" شاہ تیمور نے ٹوک کیا۔
"کیوں ملنا چاہتے ہیں؟" وہ یکدم اجنبی بن گئی۔
"تم جانتی ہو۔ اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" شاہ تیمور نے زور دے کر کہا تو وہ چیخ
"شٹ اپ شاہ تیمور! مجھے اس جال میں پھانسنے کی کوشش مت کرو۔ میں تم سے، تمہارے پورے سے نفرت کرتی ہوں۔ شدید نفرت۔ سمجھے تم اور آئندہ کبھی مجھے فون مت کرنا۔"
اس نے انتہائی غصے سے ریسیور پٹخ دیا اور جیسے ہی پلٹی سامنے نبیل اور صباحت کھڑے نا سمجھنے والے ا ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

"اونہہ محبت، ایسی ہی پاگل احمق ہوں نا میں جو ان کے فریب میں آجاؤں گی۔ سو بار لعنت بھیج اسے جرات کیسے ہوئی یہاں فون کرنے کی۔" وہ بقیہ غصہ اپنے آپ بول کر نکالنے لگی تھی۔
"اُفوہ! کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ، کون تھا؟" نبیل کے اشارے پر صباحت نے اس کے قریب آکر پوچھا۔
"وہ شاہ۔۔۔ شاہ تیمور جسے میں چکر دے کر بھاگ گئی تھی۔" اس نے یوں بتایا جیسے اگر وہ سامنے ہوتا تو ا لیتی۔
"کیا کہہ رہا تھا؟" صباحت نے اس کے غصے سے خائف ہو کر کچھ ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"کہہ رہا تھا کہ اسے مجھ سے محبت ہے اور ملنا چاہتا ہے۔ ہونہہ۔"
اس نے استہزائیہ انداز میں کہہ کر سر جھٹکا تو صباحت نے بے اختیار نبیل کی طرف دیکھا۔ جن ایک سایہ سا لہرایا تھا۔ پھر بھی بڑے ضبط سے بولے تھے۔
"تو اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟"
"کیا!" وہ مزید سلگ کر چیخی۔ "آپ کے خیال میں مجھے خوش ہونا چاہیے؟"
"ہے تو خوشی کی بات کہ تمہارے لیے بھی شاہ پور سے۔۔۔"
"بس نبیل بھائی! خاموش ہو جائیں۔" وہ چیخ کر بولی اور پھر ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

رے۔۔۔!" نبیل نے پریشان ہو کر صباحت کو دیکھا تو اس نے اشارے سے اسے چھیڑنے سے منع کیا لیکن
ہ نہیں سکے اور قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ وہ ایک جھٹکے سے ان کا ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹتے
بولی۔
ت بات کریں مجھ سے۔ میں جانتی ہوں، آپ سب مجھ سے تنگ ہیں۔ میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔"
گل ہو تم بالکل۔ ایسا کیا کہہ دیا ہے نبیل بھائی نے جو تم ان پر ناراض ہو رہی ہو۔" صباحت نے ٹوکتے ہوئے

یوں یہ شاہ پور والوں کی فیور نہیں کر رہے۔" وہ روتے ہوئے اسی طرح بولی۔
نہیں۔ میں نے کب کسی کی فیور کی ہے۔ میں تو یونہی ایک بات کہہ رہا تھا۔" نبیل نے کہا تو وہ چیخ کر بولی۔
ئی ضرورت نہیں ہے آپ کو یونہی ایک بات کہنے کی۔ بہت برے لگتے ہیں مجھے شاہ پور والے، بدتمیز، ظالم
"
ں!" نبیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ پھر تنبیہی انداز میں کہنے لگے۔ "سوچ سمجھ کر
۔ غصے میں بالکل ہی آؤٹ ہو جاتی ہو۔ شاہ پور میں تھیں تو وہیں کے گن گا رہی تھیں۔ یہاں آنا ہی نہیں
نہیں۔"
ں نہیں آنا چاہتی تھی۔ بہت بڑی غلطی کی آکر۔" وہ ہنوز اسی لہجے میں کہتی ہوئی بھاگ کر اپنے کمرے میں
ئی۔
ہ تیمور کے بعد اب اسے نبیل پر غصہ آرہا تھا جس کا اظہار اس نے یوں کیا کہ بار بار الماری کھول کر اس کا
ر سے بند کرنے لگی۔
ہ حو! کیا کر رہی ہو؟" صباحت نے کمرے کا دروازہ پیٹ کر کہا۔
ہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔
بیل بھائی نہیں ہیں اپنے کمرے میں۔ خوامخواہ کیوں الماری توڑ رہی ہو۔" صباحت نے پھر اونچی آواز میں کہا
نے رک کر اس کی بات پر غور کیا پھر الماری کا کھلا پٹ بہت بے دلی سے بند کرتی ہوئی آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔

!" کچھ دیر بعد پھر صباحت نے پکارا تھا۔ "دروازہ کھولو میرے ہاتھ میں چائے ہے۔"
دیر سوچنے کے بعد اٹھی اور دروازہ کھولتے ہی کہنے لگی۔
ت سمجھنا کہ میں نے چائے کے لالچ میں دروازہ کھولا ہے۔ تمہارا بار بار چلانا مجھے برا لگ رہا تھا۔ آخر
کلیف کیا ہے؟"
تکلیف نہیں، لو چائے پکڑو۔" صباحت اسے ایک مگ تھما کر الماری کی طرف بڑھ گئی تو وہ برا سا منہ بنا کر

نہیں ہے۔"
اسے توڑ کر ہی چھوڑو گی اور ٹوٹ جائے تو اچھا ہے۔ نبیل بھائی آرام سے ہو جائیں گے۔"
ں! جب میں یہاں نہیں تھی تو وہ آرام سے تھے؟" اس نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا کہ
ایک دم پلٹ کر اسے دیکھنے لگی پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی۔
بس، کوئی بھی آرام سے نہیں تھا۔"
ھا۔" وہ بے یقینی کے انداز میں ذرا سا ہنسی۔ "پھر نبیل بھائی یہ کیوں کہہ رہے تھے کہ اچھا ہے میرے لیے
پور سے۔۔۔"
ق کر رہے تھے۔" صباحت فوراً بول پڑی۔
نہیں، وہ چاہتے ہی نہیں ہیں۔"

"وہ کیا چاہتے ہیں‘ کاش تم جان سکو۔" صباحت کی دھیمی آواز اس نے سن لی تھی پھر بھی پوچھنے لگی۔

"کیا کہا تم نے؟"

"کچھ نہیں۔ چلو آؤ نیچے چلتے ہیں۔ میں نے عمر سے کچھ کتابیں منگوائی تھیں‘ پتا نہیں لایا ہے کہ نہیں۔" صباحت بات بدل گئی۔

"تم جاؤ۔" وہ اس کے بات بدلنے پر چڑ کر بولی اور اس کے جانے کے بعد دھیمی آواز میں ٹیپ آن کرکے بیٹھ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

شاہ سکندر آج تیسرے دن بھی حویلی ہی میں تھے۔ لیکن بابا جان سے دوبارہ ان کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ قصداً گریز کررہے تھے کیونکہ ان کے اندر ابھی بھی غصہ بھرا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ بابا جان سے پھران سے کلامی ہو۔ اتنا تو وہ جان گئے تھے کہ بابا جان کو صباحت اور مدیحہ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ انہوں نے صرف آغا اپنی ضد بنا رکھا ہے جبکہ خود ان کے پیش نظر ان کی دونوں بیٹیاں تھیں اور وہ صرف باپ بن کر ان کے لیے رہے تھے تو ان کی خواہش تھی کہ بابا جان نے جس طرح اپنی دوسری اولادوں اور ان کی اولادوں کی شادیاں کی اسی طرح اور اسی شان سے ان کی بیٹی صباحت کو بھی رخصت کرالائیں۔ اور وہ اس سلسلے میں بابا جان سے سہولت سے بات کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مدیحہ کے معاملے میں جو ان کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی تھی اس کی وجہ سے خود ان کا موڈ ابھی تک خراب تھا۔ کتنی بار مہرالنساء نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی‘ لیکن ہر بار انہوں نے جھڑک کر اسے خاموش کرادیا تھا اور اس بار تو کمرے سے ہی نکل جانے کو کہا تو وہ بری طرح تپ کر ان کے مقابل آگئی تھیں۔

"شاہ! یہ گھر تو یوں بھی آپ کے لیے سرائے ہے۔ دو ایک دن کے لیے آتے ہیں ان میں بھی اپنے مسائل میں الجھے رہتے ہیں۔ میرے لیے‘ بچوں کے لیے آپ کے پاس کوئی وقت نہیں۔"

"میرے مسائل الگ نہیں ہیں۔ بچوں ہی کے لئے پریشان ہوں۔" وہ اس کا تپا ہوا سرخ چہرہ دیکھ کر قدرے نرم پڑ گئے لیکن انداز میں ناگواری تھی جیسے بات نہ کرنا چاہتے ہوں۔

"میں بھی بچوں کی بات کرنا چاہتی ہوں۔" مہرالنساء نے کہا تو اس بار وہ کچھ سنبھل کر بولے۔

"کیا بات؟"

"آغا‘ ماشاء اللہ شادی کے قابل ہوگیا ہے۔ اس کے لئے میں شہربانو کی بیٹی لانے کا سوچ رہی ہوں۔ بابا جان بھی یہی چاہتی ہیں اور الماس کے لیے....."

"الماس ابھی چھوٹی ہے۔" وہ فوراً بول پڑے۔ "اس کے لیے تمہیں ابھی سے فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ میں اسے بہت پڑھانا چاہتا ہوں۔ انٹر میں اچھے مارکس لے آئی تو میڈیکل میں ایڈمیشن کرادوں گا۔"

مہرالنساء نے فوراً کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر ان کی بات سے متفق ہوکر کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے الماس پڑھے گی لیکن آغا تو زمین جائیداد دیکھنے والا ہوگیا ہے اس کی شادی میں دیر کیوں کریں۔"

"دیر صرف صباحت کی شادی میں ہے۔ وہ بھی بابا جان کررہے ہیں۔ آج اگر وہ اسے رخصت کرالائیں میں....."

"اس کی شادی سے ہمارا کیا تعلق؟" مہرالنساء نے چڑ کر ان کی بات کاٹ دی۔

"تمہارا ہو یا نہ ہو میرا تعلق ہے۔ اور گو کہ وہ آغا سے چھوٹی ہے‘ لیکن خود بابا جان نے پہلے اس کی شادی کی بات چھیڑی تھی اور یہ طے ہے کہ جب تک اس کا معاملہ سلجھ نہیں جاتا میں اور کسی بچے کی شادی کا سوچوں گا بھی نہیں۔" شاہ سکندر نے حتمی انداز میں کہہ کر بات ختم کردی۔

"اس کا معاملہ تو ساری زندگی نہیں سلجھے گا۔ اپنی ماں کی طرح وہ بھی بیٹھی رہے گی اس گھر میں۔" مہرالنساء نے جل کر کہا تو وہ چیخ پڑے۔

"شٹ اپ مہرالنساء۔"

"نہیں خاموش ہوسکتی میں۔ آپ میری اولاد کا حق مار رہے ہیں۔ آپ کا بس چلے تو ساری زمین جائیداد ان ہی ڑکیوں کے نام لکھ دیں اور لکھ بھی دیتے اگر میری جگہ کوئی عام سی عورت ہوتی۔ میں نے اپنا حق چھوڑا نہ اولاد کا ڑوں گی اور سن لیں اس لڑکی کا معاملہ سلجھے نہ سلجھے مجھے آغا کی شادی کرنی ہے۔"

شاہ سکندر بند مٹھی ہونٹوں پر جمائے شعلہ بار نظروں سے اسے چلاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ خاموش ں تو بہت ضبط سے بولے تھے۔

"سنو مہرالنساء! میں اگر چاہوں تو ابھی بھی اپنا سب کچھ مدیحہ اور صباحت کے نام لکھ سکتا ہوں‘ کوئی نہیں روک ا مجھے لیکن میری صرف وہی دو بیٹیاں نہیں ہیں‘ تین بچے یہاں بھی ہیں اور میں سب کے لیے ایک جیسا سوچتا ہے۔"

"ایک جیسا سوچتے ہیں تو پھر آغا کی شادی پر اعتراض کیوں کررہے ہیں؟"

ہمیں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کی شادی وہیں ہوگی جہاں تم چاہتی ہو‘ لیکن صباحت کی شادی کے بعد س کے لیے تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ میں ابھی بابا جان سے بات کرتا ہوں۔" وہ ایک دم بابا جان بات کرنے پر آمادہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ور جب بابا جان کے کمرے میں داخل ہوکر انہیں سلام کیا تو وہ یہی سمجھے کہ اپنے اس روز کے رویے پر نادم آئے ہیں جب ہی چھوٹتے ہی کہنے لگے۔

تم کبھی کبھی حد سے بڑھ جاتے ہو سکندر! اور یہ جرات تم اس لیے کرتے ہو کہ جانتے ہو ہم اپنی اولادوں میں ے زیادہ تمہیں چاہتے ہیں۔"

اہ سکندر نے صرف اس لئے انہیں نہیں جھٹلایا کہ اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے تھے۔

کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھو۔" بابا جان نے ان کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا بابا جان۔" وہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "مجھے صباحت کے سلسلے میں یہ پوچھنا ر اس کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔ کب تک وہ ماں کے گھر بیٹھی رہے گی؟"

تب تک اس کی ماں چاہے گی۔" بابا جان نے فوراً کہا تو وہ زور دے کر بولے۔

س کی ماں کو چھوڑیں۔ میں اس کا باپ اسے رخصت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے آگے اور بھی اولاد ہے اور باحت کے فرض سے سبکدوش ہوکر ہی اوروں کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔"

یہ تو اچھی بات ہے۔ جہانگیر کے ساتھ بیٹھ کر کوئی قریبی تاریخ طے کرلو۔"

ہلے سارے معاملات میں نے اور جہانگیر بھائی نے طے نہیں کیے تھے۔"

ی نے بھی کیے ہوں‘ تمہیں اب بیٹی رخصت کرنی ہے۔"

ں‘ لیکن اس طرح جس طرح آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ آسیہ سے بیٹی چھینیں گے نہیں بلکہ اس کے ے رخصت کراکے لائیں گے۔" شاہ سکندر نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا۔

لیا ہم گئے نہیں تھے۔" بابا جان کے اطمینان سے کہنے پر وہ بری طرح سلگ گئے۔

ے گئے تھے۔"

لندر! کیا چاہتے ہو تم؟"

پ اچھی طرح جانتے ہیں اور میں آپ کو فورس اس لئے کررہا ہوں کہ یہ سارا کھیل آپ نے شروع کیا تھا ر کی طرف سے پہل ہوتی تو میں خود اس سے بیٹیاں چھین لاتا۔ خیر چھوڑیں ان باتوں کو جو ہوگیا سو ہوگیا۔ زدیک اب سب سے اہم صباحت کی رخصتی ہے اور وہ اسی وقت عمل میں آئے گی جب آپ خود جاکر آسیہ ن کریں گے۔" شاہ سکندر حتی الامکان اپنے لہجے پر قابو پاکر بول رہے تھے۔ پھر بھی ان کی آواز قدرے تیز

ہو گئی تھی۔

باباجان ان کی آخری بات پر یوں بن گئے جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

"یہ آسیہ کی ضد نہیں ہے باباجان!" وہ ان کے انجان بننے پر زچ ہو کر کہنے لگے۔ "وہ تو سرے سے صباحت یہاں بیاہنا ہی نہیں چاہتیں۔ آپ جانتے ہیں وہ خلع کا دعویٰ دائر کر چکی تھیں۔ اگر میں درمیان میں نہ آتا تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر بتائیں آپ کیا کرتے۔ اتنی پلاننگ کے بعد کیا حاصل ہوتا آپ کو۔ الٹا آپ کا وقار مجروح ہوتا اور میں زیادہ عرصہ تک آسیہ کو مزید اقدام سے نہیں روک سکوں گا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کے اگلے نوٹس سے پہلے ہی آپ صباحت کو رخصت کرا لائیں۔"

"جب وہ ڈاکٹرنی اسے یہاں بیاہنے کو تیار ہی نہیں ہے تو پھر تم کس حساب سے ہمیں اس کے پاس جانے پر مجبور کر رہے ہو؟" ان کی پوری بات سننے کے بعد بڑے سکون سے کہا تھا۔

"وہ آپ کی بات نہیں ٹالے گی۔ مجھے یقین ہے۔" انہوں نے بڑی امید سے کہا۔

"یہ یقین تمہیں اس ڈاکٹرنی نے دیا ہے؟" باباجان کے مشکوک لہجے نے انہیں بری طرح ہرٹ کیا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی برداشت کی حد ختم ہو چکی ہے مزید اگر باباجان نے ایک لفظ بھی کہا تو وہ پھٹ پڑیں گے۔

"بس باباجان!" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں نے جان لیا کہ آپ کسی قیمت پر صباحت کو رخصت کرانے نہیں جائیں گے۔"

ان کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جانے کیا تھا۔ باباجان ایک لحظہ کو ٹھٹکے پھر فوراً بولے تھے۔

"ہم یہاں اس کا استقبال......"

"نہیں۔" انہوں نے بھی فوراً ٹوک دیا۔ "صباحت یہاں نہیں آئے گی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" باباجان نے کوشش سے اپنے لہجے کو مضبوط بنایا تھا۔

"اس کی ماں نے جو فیصلہ کیا ہے وہی ٹھیک ہے۔ میں ناحق اسے روکتا رہا۔" وہ باباجان کی طرف دیکھے بغیر اپنے آپ سے کہتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

"مہرالنساء! میرا سارا سامان پیک کر دو۔" شاہ سکندر نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی مہرالنساء کو مخاطب کر کے کہا تو وہ تعجب سے پوچھنے لگی۔

"سارا سامان کیوں؟"

"میں یہ حویلی بلکہ شاہ پور چھوڑ رہا ہوں، ہمیشہ کے لئے۔ تم اور بچے بھی اگر میرے ساتھ چلو تو مجھے خوشی ہو گی۔" انہوں نے بہت سپاٹ لہجے میں کہہ کر سگریٹ کیس اٹھا لیا اور اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا۔ پھر لائٹر کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے انہیں خیال آیا کہ مہرالنساء نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈالے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"مہرالنساء! سنا نہیں تم نے، میں نے کیا کہا ہے۔" انہوں نے قدرے اونچی آواز میں اسے پکارا تو وہ چونک کر بولی۔

"ہاں، حویلی چھوڑ رہے ہیں، لیکن کیوں؟"

"میری مرضی۔ تم یہ بتاؤ میرے ساتھ چلو گی کہ نہیں۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز میں پوچھا۔

"کیا ہو گیا ہے شاہ آپ کو۔ اگر باباجان نے کچھ کہہ دیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ حویلی چھوڑ دیں۔ ایسا کریں آپ دو چار دنوں کے لئے شہر چلے جائیں۔ واپس آئیں گے تو باباجان کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہو گا۔" مہرالنساء انہیں سمجھانے کھڑی ہو گئی۔

"تو تم نہیں جاؤ گی۔" وہ اس کے سمجھانے پر تپ کر بولے اور اونچی آواز میں الماس کو پکار لیا۔

"جی بابا!" الماس فوراً ہی آ گئی تھی۔

"بیٹا میری الماری میں جتنا سامان ہے، سوٹ کیس میں پیک کر دو۔" انہوں نے الماس سے بات کرتے ہوئے لہجہ نرم کر لیا تھا۔

"سارا سامان۔" الماس کو حیرت اس بات پر تھی کہ سارا سامان ایک سوٹ کیس میں کیسے آئے گا اور وہ سمجھ کر بولی۔

"دو سوٹ کیس لے لو، دو میں تو آ جائے گا ناں......"

"شاید۔" الماس ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تو انہوں نے قصداً مہرالنساء کو نظر انداز کر دیا اور اپنا بریف کیس اٹھا کر بیڈ پر رکھا پھر دراز کھول کر اس میں سے تمام کاغذات اور دوسری چیزیں نکال کر بریف کیس میں رکھنے لگے۔

"شاہ! آپ نے باباجان سے کہہ دیا ہے کہ آپ یہاں سے جا رہے ہیں۔"

"کیوں؟" وہ سر اونچا کئے بغیر اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔ "ان سے کہنا ضروری ہے کیا یا تم یہ سمجھتی ہو کہ وہ مجھے روک لیں گے۔ نہیں مہرالنساء! روک تو وہ مجھے پہلے بھی نہیں سکے تھے۔"

"آپ گئے ہی ایسے تھے کہ......"

"اب اس طرح رات کے اندھیرے میں نہیں جاؤں گا۔" وہ فوراً بول پڑے۔

"جاؤ کر دو سارے میں اعلان کہ میں ہمیشہ کے لئے یہاں سے جا رہا ہوں۔ جاؤ مہرالنساء۔"

مہرالنساء ان کے غضب ناک ہونے پر خائف سی ہو کر کمرے سے نکل گئی۔

"نان سینس۔" انہوں نے سر جھٹکا تب ہی الماس ڈریسنگ سے نکل کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا بابا؟"

"کچھ نہیں بیٹا! تم اپنا کام کرو۔ اور ہاں سنو، اسٹڈی میں رائٹنگ ٹیبل کی دراز میں جتنی ڈائریاں ہیں وہ سب سوٹ کیس میں رکھ دو۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں بابا! میرا مطلب ہے کیا بہت زیادہ دنوں کے لئے جا رہے ہیں؟" الماس نے قدرے الجھ کر پوچھا تو وہ یوں اسے دیکھنے لگے جیسے سمجھ نہ پا رہے ہوں کہ کیا جواب دیں۔ پھر اسے قریب بلا کر پوچھنے لگے۔

"تم چلو گی میرے ساتھ!"

"کہاں؟"

"کراچی۔ میں نے مستقل وہیں سکونت کا فیصلہ کر لیا ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

"امی بھی جا رہی ہیں؟"

"میں نے تو ان سے چلنے کو کہا ہے آگے ان کی مرضی۔" وہ کہہ کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے تو الماس کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔

"بابا! اگر امی نے انکار کر دیا تب بھی آپ جائیں گے؟"

"ہوں۔" انہوں نے پہلے مصروف انداز میں جواب دیا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگے۔ "بیٹا! جیسے تم میری بیٹی ہو اسی طرح صباحت اور مدیحہ بھی ہیں۔"

"تو آپ ان کے لئے جا رہے ہیں۔" ان کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ الماس بول پڑی تھی۔

"ہاں! لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تم سے غافل ہو جاؤں گا۔ ہرگز نہیں۔" وہ بریف کیس بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "چلو بیٹا! جلدی سے پیکنگ کر دو مجھے ابھی جانا ہے۔"

الماس بڑی بے دلی سے اٹھ کر دوبارہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی تو وہ بی بی جان سے ملنے کے ارادے سے نیچے آئے لاؤنج ہی میں بی بی جان کے ساتھ باباجان اور مہرالنساء کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ ان کے خلاف نیا محاذ کھل چکا ہے اور وہ اس کے لئے تیار بھی تھے لیکن لڑنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

"مجھے اجازت دیجئے بی بی جان۔"

بی بی جان کچھ گھبرا کر بابا جان کو دیکھنے لگیں تو وہ آگے آتے ہوئے بولے۔

"تو مہرالنساء ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس ڈاکٹرنی کے لئے تم ہمیں، اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔"

شاہ سکندر ان کے ڈاکٹرنی کہنے پر بری طرح تلملا گئے تھے۔

"بابا جان۔ اگر آپ ہار جیت کا کھیل کھیل رہے تھے تو مان لیں کہ آپ ہار گئے کیونکہ اس عورت کو میری زندگی سے بے شک آپ نے نکال دیا لیکن اپنے ذہن سے کبھی نہیں نکال سکے۔ وہ ہمیشہ آپ کے لئے چیلنج بنی رہی حالانکہ اس نے کبھی آپ کو چیلنج نہیں کیا۔ بہرحال آپ سن لیں کہ میں اس کے لئے جا رہا ہوں یا کسی اور کے لئے۔ اپنے بال بچوں کو نہیں چھوڑ رہا۔ مہرالنساء سے میں پہلے ہی ساتھ چلنے کو کہہ چکا ہوں۔ لیکن اسے جانے کس بات کا زعم ہے۔ شاید سمجھتی ہے کہ پہلے کی طرح......"

وہ گزشتہ باتیں دہرانا نہیں چاہتے تھے اس لئے سر جھٹک کر خاموش ہو گئے۔

بابا جان کو ان کی پہلی ہی بات نے گویا آسمان سے زمین پر لا کھڑا کیا تھا۔ اس کے بعد اتنی دیر انہیں اپنے حسیات پر قابو پانے اور خود کو سہارا دینے میں لگی تھی۔ پھر بھی جب بولے تو آواز میں وہ دبدبہ تھا نہ گرج۔

"ہماری اولاد ہی ہمارے خلاف ہو گئی سکندر! تو ہم کسی اور کو کیا کہیں۔ تم جانا چاہتے ہو تو شوق سے جاؤ لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ ہم کبھی جھک سکتے ہیں نہ ٹوٹ سکتے ہیں اور ہارنا تو ہماری لغت ہی میں نہیں ہے اور یہ بھی کہ ہم ہار جیت کا کھیل نہیں کھیل رہے تھے۔ ایسے کھیل ہم اپنے برابر والوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ ہمیں صرف تمہاری بیٹیوں کا خیال تھا اور ابھی بھی ہے۔"

"بہت شکریہ بابا جان! آپ جتنا ان کا خیال کر سکتے تھے کر لیا۔ اب وہ میری ذمے داریاں ہیں۔" وہ بات کرتے ہوئے بی بی جان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس تو ہوا۔" بابا جان نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ بھی ان ہی کے انداز میں بولے۔

"دیر آید درست آید۔ اب یقیناً میں ان کے بارے میں بہتر فیصلے کر سکوں گا۔"

"یقیناً لیکن یہ کبھی مت بھولنا کہ ہم شاہ ہیں اور شاہوں کی بیٹیاں شاہوں میں ہی بیاہی جاتی ہیں۔" بابا نے انہیں باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ بھی کر دمدیحہ اور صباحت کو ہر حال میں یہیں آنا ہے اور وہ کہنے لگے۔

"یہ اصول آپ کے ہیں بابا جان! آپ کے۔ وہ جو شاہوں کے شاہ ہیں جنہیں کل عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا انہوں نے انسانوں کے درمیان فرق پیدا کرنے والے سارے تفرقے مٹا ڈالے تھے۔ ذات پات، حسب نسب، گورا کالا، یہاں تک کہ عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ماسوائے تقویٰ کے۔ اور مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے بابا جان! کہ آپ اپنی نسبت تو ان ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جوڑ رہے ہیں لیکن ان کی تعلیمات پر عمل نہیں کر رہے۔"

"جاؤ سکندر! ہمیں تم سے کوئی غرض ہے نہ تمہارے کسی معاملے سے۔ جو تمہارا دل چاہے کرو۔" بابا لاجواب ہو کر دہاڑے تھے اور رکے بھی نہیں۔ فوراً اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔

شاہ سکندر کچھ دیر ان کے پیچھے دیکھتے رہے۔ پھر دوبارہ بی بی جان کے پاس بیٹھتے ہوئے مہرالنساء کو مخاطب کر کے بولے تھے۔

"مہرالنساء! دیکھو الماس نے میرا سامان پیک کر دیا۔ اس سے کہو جلدی کرے میں شام اترنے سے پہلے یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

"شام تو ہو جائے گی شاہ! مجھے اپنا سامان اکٹھا کرتے کرتے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

وہ جب سے شاہ جہانگیر کو اپنے حق میں ہموار کر کے کراچی آیا تھا تب سے صباحت سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ادھر کا شاید فون خراب تھا جو مسلسل بیل بجتی تھی اور کوئی اٹھاتا نہیں تھا۔ وہ صبح شام اور آفس میں بھی جب اسے موقع ملتا اس کے نمبر ڈائل کرتا اور پھر مایوس ہو کر اپنی قسمت کو کوسنے لگتا کیونکہ اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس کی قسمت اس کا ساتھ نہیں دے رہی۔ جب ہی ایک طرف کچھ حالات بہتر ہوتے ہیں تو دوسری طرف پہلے سے زیادہ خراب، بہرحال اسے شاہ پور سے آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور شاہ جہانگیر نے اس سے کہا کیا تھا کہ وہ زمینوں کے کچھ کام نمٹا کر ہفتہ دس دن کے بعد اس کی ماں کو لے کر اس کے پاس آئیں گے۔ پھر جیسا وہ کہے گا ویسا کریں گے اور اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ انہیں آسیہ کے پاس بھیجے گا اور یہ اس کی طرف سے آخری کوشش ہو گی۔ آسیہ مان گئی تو ٹھیک دوسری صورت میں وہ خود صباحت کو طلاق دے کر یہ سارا قصہ ختم کر دے گا کیونکہ اس سے زیادہ وہ اپنی تذلیل برداشت نہیں کر سکتا تھا اور یہی بات وہ صباحت سے کہنا چاہتا تھا۔

اس وقت اس نے بہت بے دلی سے ٹیلی فون سیٹ قریب کھینچ کر نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف کی بیل سننے لگا۔ خلاف توقع دوسری بیل پر ہی ریسیور اٹھنے کے ساتھ تیز آواز آئی تھی۔

"ہیلو!"

"کون! مدیحہ؟" وہ فوراً سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"جی آپ کون؟" مدیحہ کا وہی لٹھ مارنے والا انداز تھا۔ وہ گہری سانس کھینچنے کے بعد بولا۔

"علی!"

"علی کیسے ہیں آپ؟"

"تم سناؤ، خیریت سے پہنچ گئیں اپنی بہن کے پاس۔" وہ فوراً ہی صباحت کا ذکر لے آیا تو ادھر وہ بڑی زور سے ہنسی تھی۔

"سیدھے سیدھے کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو صبا کی خیریت مطلوب ہے تو جناب وہ بالکل ٹھیک ہے اور میں آپ کی خیریت بھی اس تک پہنچا دوں گی۔"

"نہیں۔ تم بس اتنی زحمت کرو کہ اسے بلا دو۔" اس نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

"کیوں، کیوں بلا دوں؟"

"مدیحہ پلیز۔" وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا لیکن اس کی عادت سے بھی واقف تھا اس لئے بہت لجاجت کا مظاہرہ کیا۔

"بس بس۔ زیادہ خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے فوراً ٹوک کر وہیں سے صباحت کو پکار کر کہا تھا۔ "صبا! تمہارا فون ہے۔"

وہ دوسری طرف کی تمام حرکات و سکنات یوں محسوس کر رہا تھا گویا دیکھ رہا ہو۔

"ہیلو!" چند لمحوں بعد صباحت کی آواز سن کر وہ مطمئن سا ہو کر بولا تھا۔

"صبا! میں ہوں علی۔"

"جی....." وہ غالباً گھبرا گئی تھی۔

"سنو، مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔ کیا تم مجھ سے مل سکتی ہو؟" وہ اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے بھی نظر انداز کر گیا۔

"مشکل ہے۔" صباحت نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا تو وہ دبے لہجے میں چیخ پڑا۔

"ناممکن تو نہیں ہے ناں۔"

"نہیں، ناممکن تو شاید کچھ بھی نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔" اس کے لہجے میں آزردگی سمٹ آئی تھی جسے محسوس کر کے وہ نرم پڑ گیا۔

"چلو جانے دو، میں تمہیں مجبور نہیں کرتا لیکن خدا کے لئے اب ڈرنا چھوڑ دو۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہے۔ میں

بہت جلد اپنے امی ابا کو تمہارے گھر بھیج رہا ہوں۔ انہیں وہاں سے مایوس نہیں لوٹنا چاہئے' سمجھیں تم۔"

"نہیں' میرا مطلب ہے میں کیا کر سکتی ہوں۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"بس صبا! میں اب یہ نہیں سننا چاہتا کہ تم نے سارا اختیار اپنی مما کو دے رکھا ہے اور وہ جو چاہیں فیصلہ کریں ان کا فیصلہ اب بھی وہی ہو گا۔ وہ اور بابا جان ہمارے لئے نہیں سوچتے۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ پھر ان کے فیصلے پر سر جھکانے کا مطلب۔ یہ سراسر اپنی ذات کے ساتھ ظلم ہے صبا! میری بات سمجھ رہی ہو ناں اور یہ بھی سن لو کہ یہ میری آخری کوشش ہے' اگر میرے امی ابا تمہارے گھر سے مایوس لوٹے تو پھر واقعی ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے اور اس کا ذمہ دار میں سب سے زیادہ تمہیں ٹھہراؤں گا اور کبھی معاف بھی نہیں کروں گا۔ خدا حافظ۔"

اس نے اپنی بات ختم کرتے ہی ریسیور رکھ دیا کیونکہ اس کا رونا محسوس کر رہا تھا۔ اس لئے کمزور پڑنے سے پہلے ہی سلسلہ منقطع کر دیا اور کچھ دیر اس کی بزدلی پر کڑھتا رہا پھر اپنا دھیان بٹانے کے لئے باہر نکلا تو رات گئے تک سڑکوں پر ہی گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔ حقیقتاً" وہ بے حد ڈسٹرب تھا اور بے حد مایوس۔ شاید اس مقام سے بھی آگے نکل آیا تھا جہاں انسان کے اندر کسی معجزے کے رونما ہونے کی ایک آخری امید زندہ رہتی ہے۔ اس کے اندر وہ بھی نہیں تھی جب ہی وہ اتنا شاکی ہو رہا تھا۔ اور جب گھر لوٹا تو مزید خاموشی اور تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ حالانکہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پھر بھی وہ شدت سے محسوس کرتا ہوا وہیں لاؤنج میں صوفے پر دراز ہو گیا تھا۔

صبح نہ تو معمول کے مطابق خود سے اس کی آنکھ کھلی اور نہ کرم دین کے اٹھانے پر اٹھا تھا۔ بس ذرا سی آنکھیں کھولیں اور اسے جانے کا اشارہ کر کے دوبارہ سو گیا تھا۔ اس کے بعد کرم دین نے اسے اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گیارہ بجے کے قریب اسے اپنے سر پر شاہ جہانگیر کی آواز سنائی دی تو نیند میں ہونے کے باعث پہلے وہ یہی سمجھا کہ خواب دیکھ رہا ہے لیکن دوسرے پل عارفہ بیگم اس کا بازو ہلا کر پکارنے لگیں۔

"علی' علی! خیر تو ہے۔ ابھی تک سو رہے ہو اور یہاں۔"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں ملنے کے بعد سلام کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"آپ کب آئے؟"

"ابھی آ رہے ہیں۔" شاہ جہانگیر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ "تمہیں کرم دین نے نہیں بتایا۔ رات میں نے فون کیا تھا۔"

"وہ.... میں اصل میں دیر سے آیا تھا۔ آپ بیٹھیں امی میں منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" وہ ان کے مزید دیر سے آنے اور اتنی دیر تک سونے سے متعلق سوالوں سے بچنے کی خاطر منہ دھونے کے بہانے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا اور پہلے آفس فون کر کے اپنے نہ آنے کا بتایا پھر وارڈروب سے کپڑے نکال کر واش روم کا رخ کیا۔

نہانے سے وہ کافی ہلکا پھلکا تو ہو گیا تھا لیکن مایوسی کا ابھی بھی وہی عالم تھا۔ شاہ جہانگیر اور عارفہ بیگم کی آمد نے بھی کوئی امید نہیں جگائی تھی پھر بھی وہ آخری کوشش ضرور کرنا چاہتا تھا تاکہ بعد میں کوئی ملال نہ رہے۔

"ہاں تو کیا کہتے ہو تم۔ ہم آسیہ کے پاس جائیں۔" وہ ناشتے سے فارغ ہوا تو شاہ جہانگیر نے اصل بات چھیڑ دی۔

"جی.... !"

"جانے کو تو ہم تیار ہیں لیکن بابا جان کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ تم جانتے ہو وہ.... خیر چھوڑو یہ بتاؤ سکندر یہاں آنے کے بعد کیا کہتا ہے۔" شاہ جہانگیر نے بات ادھوری چھوڑ کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟" وہ سمجھا نہیں۔

"تمہارے چچا سکندر' وہ ادھر ہی آ گئے ہیں ناں' اپنے بال بچوں کو لے کر۔ تمہیں پتا نہیں ہے؟" عارفہ بیگم نے بتا کر اس کی لاعلمی پر تعجب کا اظہار کیا۔

"چچا جان فیملی کے ساتھ یہاں آ گئے ہیں۔ کب؟" اس کی حیرت میں الجھن بھی تھی اور سوچ بھی۔

"ایک ہفتہ تو ہو گیا ہے اور میرا خیال ہے ہمیں آسیہ سے پہلے اس کے پاس جانا چاہئے کیونکہ بیٹی تو اس کی بھی

ہے۔ پھر اگر وہ کہے گا تو ہم ادھر بھی چلے جائیں گے۔" شاہ جہانگیر اسے یوں دیکھنے لگے جیسے وہ فوراً تائید کرے گا لیکن اس کا ذہن شاہ سکندر میں الجھ گیا تھا۔ اس لئے ان کی بات کا جواب نہیں دے سکا۔

"آپ چھوڑیں نا سکندر کو۔ بس جہاں علی کہتا ہے وہیں چلتے ہیں۔ ہمیں اپنی اولاد کی خوشی دیکھنی ہے۔" عارفہ بیگم اس کی خاموشی سے جانے کیا سمجھی تھیں۔

"اسی کی خوشی کی خاطر تو یہاں آیا ہوں۔ بتاؤ ناں علی۔ کیا کہتے ہو تم؟" شاہ جہانگیر نے اسے مخاطب کیا تو وہ ذرا سا چونکا پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ابا! جو آپ کا دل چاہے کریں۔"

"کیا.... کیا سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔ بابا جان نے کچھ کہا ہے' تم سے یا سکندر نے۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہوئی ہے۔"

"میرے ساتھ کوئی بات نہیں ہوئی۔ آپ بتائیں چچا جان فیملی کے ساتھ یہاں کیوں آئے ہیں۔ میرے سامنے انہوں نے بابا جان سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"مجھے خود نہیں پتا بیٹا! میں زمینوں پر تھا واپس آیا تو معلوم ہوا سکندر حویلی چھوڑ گیا ہے اور میرا خیال ہے اسی کی شادی کے لئے چھوڑی ہوگی اس لئے میں کہہ رہا ہوں پہلے اس کے پاس چلتے ہیں' ہو سکتا ہے اس کی آسیہ کے ساتھ اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہو۔"

شاہ جہانگیر نے اس کے الجھنے پر دھیرج سے کہا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتا رہا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ہوں! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پہلے آپ چچا جان کے پاس جائیں۔"

"ہم جائیں! تم نہیں چلو گے؟" شاہ جہانگیر نے قدرے تعجب کا اظہار کیا۔

"نہیں۔ میں کیوں جاؤں' اپنا رشتہ لے کر کیا میں گیا تھا؟" اس نے روٹھے لہجے میں کہا تو عارفہ بیگم فوراً اس کی تائید کرتی ہوئی بولیں۔

"ہاں ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔ یہ کیوں جائے گا۔ اسے تو بس اب سہرا باندھ کر ہی لے جائیں گے۔"

"انشاءاللہ۔ اچھا بیٹا پھر ہم چلتے ہیں۔" شاہ جہانگیر نے کہا تو وہ گھڑی دیکھ کر بولا۔

"اس وقت کہاں جائیں گے۔ کھانے کے بعد......"

"کھانا ہم سکندر کے ساتھ کھائیں گے۔ چلو عارفہ! اب دیر نہیں ہونی چاہئے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

شاہ جہانگیر اور عارفہ بیگم کو دیکھ کر شاہ سکندر کا چونکنا فطری بات تھی اور انہیں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ بابا جان نے ایک بار پھر ان کے خلاف سازش کر کے انہیں بھیجا ہے۔ اس لئے انہوں نے مروتاً بھی ان کی آمد پر خوشی کا اظہار نہیں کیا اس کے برعکس خاصا لیا دیا انداز تھا۔

"کیسے آئے آپ لوگ؟"

"برا لگا ہمارا آنا؟" شاہ جہانگیر فوراً ہی ان کی بے اعتنائی محسوس کر گئے تھے۔

شاہ سکندر نے کوئی جواب نہیں دیا اور کچھ بیگانے پن کا بھی مظاہرہ کر گئے تو شاہ جہانگیر نے آگے بڑھ کر انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

"میں جانتا ہوں سکندر! تم کیا سوچ رہے ہو۔ بخدا مجھے بابا جان نے نہیں بھیجا۔ میں خود آیا ہوں تمہارے پاس۔ اپنے بیٹے کی خوشیاں مانگنے اور میں تو بہت پہلے تم سے مانگنا چاہتا تھا لیکن تمہارا اصرار تھا کہ بابا جان آسیہ کے پاس جائیں۔ مجھے تو کسی نے کچھ سمجھا ہی نہیں۔ بابا جان نے نہ تم نے۔ حالانکہ علی کا باپ میں ہوں۔ بہرحال تمام ساری باتوں سے قطع نظر میں یہ کہوں گا کہ ہمیں اپنی اولاد کی خوشیاں دیکھنی چاہئیں۔ آخر ان کا کیا قصور ہے؟"

شاہ سکندر آہستہ سے اپنے کندھوں سے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولے۔
"یہی تو میں پوچھتا رہا کہ میری بیٹی کا کیا قصور ہے۔ اس کے لئے بابا جان اس طرح کیوں نہیں سوچتے جیسے دوسری اولادوں کے لئے سوچتے ہیں۔"
"دوسری اولادوں کے لئے سوچتے ہوئے بھی وہ ان کی خوشی کا خیال کب کرتے ہیں۔ وہ تو زبردستی اپنے فیصلے مسلط کرنے کے عادی ہیں اور جو ذرا سا ان کے فیصلے سے اختلاف کرتا ہے اسے وہ اپنی ضد بنا لیتے ہیں لیکن خدا کے لئے سکندر تم اس بات کو ضد مت بناؤ کہ بابا جان ہی صباحت کو رخصت کرانے جائیں گے۔"
"نہیں، میرا اب بابا جان سے کوئی تعلق نہیں اور جہاں تک صباحت کی رخصتی کا سوال ہے تو اس کا فیصلہ اس کی ماں کرے گی اور مجھے نہیں معلوم اس کی ماں نے کیا سوچا ہے؟" شاہ سکندر صاف دامن بچا گئے۔
"ہم اسی لئے تمہارے پاس آئے ہیں کہ تمہاری اجازت سے ہم آسیہ کے پاس جانا چاہتے ہیں۔" شاہ جہانگیر ان کے پہلو تہی کرنے پر اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولے تھے۔
"مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ جب آپ کا دل چاہے جائیں۔
پھر کھانے کے بعد شاہ سکندر معذرت کر کے اپنے کسی کام سے چلے گئے تھے۔
عارفہ بیگم، مہرالنساء کے ساتھ باتوں میں لگ گئیں تو شاہ جہانگیر کچھ دیر آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ انہیں شاہ سکندر کے رویے نے خاصا مایوس کیا تھا اگر علی کا خیال نہ ہوتا تو وہ یہیں سے واپس شاہ پور لوٹ جاتے لیکن انہیں علی کی بات یاد تھی جو اس نے کہا تھا۔ "میری زندگی کی ڈور اسی رشتے سے بندھی ہے۔" جسے مضبوط کرنے کے لئے وہ اب اپنا سب کچھ داؤ پر لگا سکتے تھے۔ جب ہی شاہ سکندر کے رویے سے دلبرداشتہ ہونے کے باوجود ٹھیک چار بجے عارفہ بیگم کے ساتھ آسیہ کے دروازے پر موجود تھے۔
بیل کے جواب میں گیٹ ثوبیہ نے کھولا تھا اور وہ عارفہ بیگم کو پہچانتی تھی اس کے باوجود فوری طور پر انہیں اندر آنے کو نہیں کہا بلکہ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔
"ڈاکٹر صاحبہ ہیں یا ان کے والد صاحب۔ ہمیں ان سے ملنا ہے۔" شاہ جہانگیر نے اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے کہا تو وہ گیٹ اسی طرح کھلا چھوڑ کر اندر بھاگ گئی۔
عارفہ بیگم یوں شاہ جہانگیر کو دیکھنے لگیں جیسے بڑی بے عزتی ہو گئی۔
"اولاد کی خاطر عارفہ بیگم! بہت کچھ سہنا پڑتا ہے اور پھر شروعات تو ہماری طرف سے ہوئی تھیں۔ اب جو کہیں چپ چاپ سننا ہے۔" شاہ جہانگیر ان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر آواز دبا کر بول رہے تھے تب ہی ابا جی نے آ کر پورا گیٹ کھول دیا۔
"السلام علیکم۔" شاہ جہانگیر بس ایک نظر اس بوڑھے شخص کو دیکھ سکے پھر سر جھک گیا تھا۔
"وعلیکم السلام۔ آیئے۔" ابا جی اگر خندہ پیشانی سے نہیں ملے تو پیشانی پر بڑھاپے کی عطا کردہ شکنوں میں کسی ناگوار شکن کا اضافہ بھی نہیں ہوا تھا۔
"شکریہ!" شاہ جہانگیر نے عارفہ بیگم کو آگے چلنے کا اشارہ کیا اور ان کے پیچھے ابا جی کے ساتھ ان کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو انہیں اچانک وقت بہت پیچھے لے گیا تھا۔ پہلی بار جب وہ یہاں آئے تھے تو انہیں دیکھ کر سب لوگوں کے چہرے کھل گئے تھے اور وہ سب کے درمیان راجہ اندر بنے سب کو حیران کر رہے تھے۔ اب خود حیران تھے کہ زندگی کیسے کیسے مذاق کرتی ہے۔
"آپ بیٹھیں میں آسیہ کو بلاتا ہوں۔" ابا جی کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تو عارفہ بیگم ان کا ہاتھ ہلا کر پوچھنے لگیں۔
"شاہ جی! آپ کو کیا ہوا؟"
"ہیں۔" وہ چونک کر دیکھنے لگے۔

بیٹھ جائیں۔ وہ آسیہ کو بلانے گئے ہیں۔"
ں۔" انہوں نے ہاں کی صورت گہری سانس کھینچی پھر بیٹھنے کے لئے اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں برسوں پہلے تھے لیکن کتنا فرق تھا تب اور اب میں۔ جو گردن غرور سے تنی تھی اسے وقت نے جرم کا احساس دے کر تھا۔
ں دیر ہو گئی۔ ابا جی آئے نہ آسیہ نہ کسی اور نے جھانک کر دیکھا تھا۔
رفہ بیگم پہلو پر پہلو بدلنے لگی تھیں۔ کسی وقت بڑبڑانے بھی لگتیں۔ لیکن شاہ جہانگیر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ مسلسل اپنا محاسبہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔
یبا آدھے گھنٹے بعد ابا جی آسیہ کو ساتھ لے کر آئے تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ بہت مجبور کرنے پر آئی ہے۔ ہ جہانگیر اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور عارفہ بیگم بھی اٹھنے لگی تھیں کہ آسیہ نے ہاتھ اٹھا کر دیا۔
لیز! تشریف رکھیں۔"
ہ جہانگیر بیٹھ گئے تو پوچھنے لگی۔
یسے زحمت کی آپ نے؟"
اری آمد کا مقصد آپ جانتی ہیں۔" شاہ جہانگیر کو حقیقتاً "بولنے میں دقت ہوئی تھی۔
ں نہیں، میں بالکل نہیں جانتی۔" وہ رکھائی سے بولی تو ابا جی فوراً" کہنے لگے۔
ں جانتا ہوں۔ آپ یقیناً" صباحت کے لئے آئے ہیں۔"
ں، جی صباحت بیٹی کے لئے۔ ہمیں آنا تو بہت پہلے چاہئے تھا لیکن۔" شاہ جہانگیر کوئی بات نہیں بنا سکے تھے۔
اف کیوں نہیں کہتے کہ اپنی ساری چالوں میں ناکام ہونے کے بعد۔۔۔" وہ زہر خند سے بول رہی تھی کہ ابا جی دیا۔
سیہ! تمہیں گھر آئے مہمانوں کا خیال کرنا چاہئے۔" پھر ان دونوں کو دیکھ کر بولے تھے۔ "آپ اس کی باتوں کا مانیے گا۔"
ی نہیں، انہیں حق ہے۔ چاہیں تو ہمیں گھر سے ہی نکال دیں۔ لیکن اس طرح یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔"
یہ نے ہونٹ بھینچ لئے کیونکہ ابا جی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔
س سے پہلے جو کچھ ہوا، اس کے لئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔" شاہ جہانگیر نے اپنا رخ ابا جی کی طرف ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو آسیہ ہونہہ کے انداز میں سر جھٹکتی ہوئی فوراً اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔
ں کے پیچھے پردہ ہل رہا تھا۔ باقی سب ساکت ہو گئے تھے۔
ہمیں اجازت۔" کتنی دیر بعد شاہ جہانگیر غالباً" کہنا کچھ اور چاہتے تھے اور کہہ کچھ گئے تو بوکھلا کر وضاحت لگے۔ "ابھی ڈاکٹر صاحبہ کا موڈ ٹھیک نہیں ہے، ہم پھر آجائیں گے۔"
ں! لیکن چائے۔ چائے آ رہی ہے۔" ابا جی کو فوراً ہی بات سمجھ میں آئی اور وہاں سے اٹھنے کا بہانہ بھی مل گیا
ب کیا کریں شاہ جی! ڈاکٹرنی تو بات سننے کو بھی تیار نہیں ہے۔" ابا جی کے کمرے سے نکلتے ہی عارفہ بیگم سے بولیں۔
بر کرو۔ اس کے ابا جی سے بات کرتا ہوں، وہ اسے سمجھا لیں گے۔" شاہ جہانگیر خود بھی فکر مند تھے لیکن بیگم نہیں کر رہے تھے۔

♥ ♥

یسہ جلے پیر کی بلی کی طرح سارے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شاہ جہانگیر اور عارفہ دھکے دے کر نکال باہر کرے۔

''ابا جی نے انہیں اندر کیوں آنے دیا۔ کیا وہ بھول گئے کہ مجھے تباہ کرنے والا یہی شخص ہے۔ وہ بھول سکتے ہیں لیکن میں نہیں بھول سکتی۔ کیسے بھول جاؤں اتنے برسوں میں کوئی ایک دن ایسا نہیں جب میرے دل کی بستی نے اپنے اجڑنے کا ماتم نہ کیا ہو۔

کس نے دیکھا وہ لہو جو قطرہ قطرہ میرے دل سے ٹپکتا رہا۔
کس نے دیکھے وہ آنسو جو شب تنہائی میں میری آنکھوں سے تکیئے میں جذب ہوتے رہے۔
کسی نے نہیں دیکھے جب ہی میری بیٹی کو اسی راستے پر دھکیلنا چاہتے ہیں۔

وہ سلگتے ذہن کے ساتھ جانے کیا کچھ سوچتی ہوئی ریلنگ کے قریب رک کر نیچے دیکھنے لگی۔ شاہ جہانگیر کی گاڑی موجود تھی جس سے وہ مزید سلگ کر واپس پلٹی اور مدیحہ کو نیچے بھیجنے کے خیال سے اس کے کمرے تک آکر اسے پکارنا چاہتی تھی کہ اندر سے آتی اس کی تیز آواز سن کر رک گئی۔ وہ صباحت پر ناراض ہو رہی تھی۔

''تم انتہائی احمق پاگل ہو' اپنے آپ میں گھٹ کر مرنے سے بہتر ہے مما سے کہہ دو کہ تم علی کو پسند کرتی ہو یا پھر میں کہہ دوں گی۔''

''نہیں مدحو! تمہیں میری قسم۔ تم مما سے کچھ مت کہنا۔'' صباحت کی منت بھری آواز آئی تھی۔

''کیوں۔ کیوں اتنا ڈرتی ہو۔ مما تمہیں جان سے تو نہیں مار دیں گی۔''

''میں مرنے سے نہیں ڈرتی۔ مجھے بس مما کو دکھ نہیں دینا۔ کرنے دو انہیں جو فیصلہ کرتی ہیں۔ میں بھول جاؤں گی علی جہانگیر کو۔ میرا یقین کرو میں نے اپنے دل کی بستی میں اس کے نام کے جتنے پھول کھلائے تھے سب اپنے ہاتھوں سے نوچ ڈالوں گی۔ پھر تم دیکھنا میں کبھی نہیں روؤں گی۔'' آنسوؤں کے درمیان صباحت رک رک کر کہہ رہی تھی۔

''نہیں۔'' آسیہ نے دروازہ دھکیلنے کے لئے جو ہاتھ اوپر اٹھا رکھا تھا وہ بے اختیار اپنے سینے پر رکھ لیا تھا آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بہت دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگی۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور بستر پر ڈھے گئی۔ اس کی سانسیں تیز تیز چلنے لگی تھیں جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ عجیب سی بے بسی طاری ہو رہی تھی اس پر۔ آنکھیں الگ جلنے لگی تھیں۔ تکیے پر سر رکھ کر اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے تو ذہن کے دریچوں پر اس کے اپنے الفاظ دستک دینے لگے تھے۔

''میرا دل پھولوں کی بستی ہے۔ اسے اجاڑنے کی سعی وہی کر سکتا ہے جسے مجھ سے' میری زندگی سے پیار نہ ہو۔'' اس نے شاہ سکندر سے کہا تھا۔

اور اسے لگا جیسے اس کی جگہ صباحت آن کھڑی ہوئی ہو۔

''نہیں۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ ''دل کی بستی اجڑ جائے تو پھر کیا رہ جاتا ہے۔ ایک درد مسلسل جو جینے دیتا ہے نہ مرنے۔ ایسی کڑی سزا میں اپنی بیٹی کو نہیں دوں گی۔''

''صبا!'' اس نے یوں پکارا جیسے وہ سامنے کھڑی ہو۔ پھر کمرے سے نکلی تو پہلے ریلنگ کے پاس جا کر نیچے جھانک کر دیکھا۔ شاہ جہانگیر کی گاڑی موجود نہیں تھی۔ ایک لحظہ کو اسے لگا جیسے دیر ہو گئی لیکن فوراً ہی اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ پھر کلینک جانے کے لیے تیار ہو کر نیچے آئی تو قصداً انجان بن کر اور بہت سرسری انداز میں اماں جی سے پوچھنے لگی۔

''چلے گئے مہمان؟''

''ہاں۔'' اماں جی نے ناراض لہجے میں مختصر سا جواب دیا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر ان کے پاس آتے ہوئے عاجزی سے بولی۔

''اماں جی! میں کیا کروں۔ ان لوگوں کو دیکھ کر میں خود پر قابو نہیں رکھ سکتی۔ کم از کم آپ کو تو میری کیفیت سمجھنا چاہئے۔''

''میں سمجھتی ہوں۔'' عقب سے میمونہ بھابھی نے کہا تو اس نے پہلے گردن موڑ کر انہیں دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

''اماں جی کو بھی سمجھائیں۔''

''ان کو میں سمجھالوں گی' پہلے تم سمجھ لو کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرنا۔''

''آئندہ۔'' اس کی سوالیہ نظروں میں بے تابی تھی۔

''ہاں آئندہ۔ وہ پھر آنے کا کہہ گئے ہیں۔'' میمونہ بھابھی نے کہا تو اس نے بمشکل خود کو ''کب؟'' کہنے سے روکا اور ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

''اچھا! ابھی تو مجھے کلینک سے دیر ہو رہی ہے۔ واپس آ کر آپ سے بات کروں گی تب تک آپ اماں جی کو سمجھا دیجئے کہ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔''

''ارے تم سے کون ناراض ہوتا ہے۔ نہ کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ پتا نہیں کون سے جہاں میں رہتی ہو۔'' میمونہ بھابھی کو اس سے یہی شکوہ تھا جس پر وہ ہمیشہ کی طرح ہنستی ہوئی باہر نکل آئی۔

گو کہ اس وقت اس کا کلینک آنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اب وہ دیر نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے چند مریضوں کو اٹینڈ کر کے باقی کو ڈاکٹر صائمہ کے پاس بھیج دیا اور سسٹر کو دروازہ بند کر کے جانے کا کہہ کر ٹیلی فون سیٹ اپنی جانب کھینچ لیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد شاہ سکندر کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

تیسری بیل کے بعد ان کی آواز آئی تھی۔

''لیس! شاہ سکندر حیات!''

''السلام علیکم!'' اس نے اپنا نام بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ یہ مان اسے حاصل ہو گیا تھا کہ وہ ہار کر بھی جیت گئی ہے۔

''وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں آپ؟'' شاہ سکندر کو جیسے خوشگوار احساس ملا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ مصروف نہیں ہیں تو یہاں میرے کلینک آ جائیں۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔

''ظاہر ہے' ضروری بات ہی کرنی ہو گی لیکن کیا یہ بھی ضروری ہے کہ ہم کلینک ہی میں بیٹھ کر بات کریں۔'' شاہ سکندر نے قدرے جتا کر کہا تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔

''نہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔''

''تھینک یو۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد میں آپ کو وہاں سے پک کروں گا' اوکے۔''

''اوکے۔'' اس نے ریسیور رکھ کر گھڑی دیکھی اور پھر یونہی بیٹھنے کے بجائے راؤنڈ پر نکل گئی۔ پندرہ منٹ میں وہ صرف جنرل وارڈ ہی کا راؤنڈ لگا سکی تھی۔ وہ بھی بڑی عجلت میں۔ پھر سسٹر سے کہہ کر وہیں سے باہر نکل آئی۔ شاہ سکندر گاڑی سے اتر رہے تھے۔ اسے دیکھا تو وہیں رک گئے اور دروازہ اس کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ وہ جس اعتماد سے چل رہی تھی اسی اعتماد سے ان کے ساتھ بیٹھی تھی اور پندرہ منٹ بعد ایک فائیو اسٹار میں آمنے سامنے تھے۔

''مجھے صباحت کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔'' اس نے بیٹھتے ہی کہا تھا۔

''ہوں' کیا بات؟'' شاہ سکندر نے سگار سلگانے کے بعد پوچھا تھا۔

''وہی اس کی شادی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔ آج آپ کے بھائی شاہ جہانگیر حیات اپنی بیگم کے ساتھ آئے تھے۔''

''آپ نے کیا کہا ان سے؟'' آسیہ نے بات ختم نہیں کی تھی کہ وہ بول پڑے۔

''میری ان سے بات نہیں ہوئی۔ میں اصل میں پہلے خود کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد ان سے

بات کروں گی۔ شاید آپ کو یاد ہو ایک بار آپ نے کہا تھا کہ میں صرف ایک پہلو سے سوچ رہی ہوں اس سے مجھے صباحت کی بہتری نظر نہیں آتی۔ کیا آپ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے دوسرے پہلوؤں کو اجاگر کریں گے یا ان سب باتوں کو چھوڑ دیں۔ مجھے صرف آپ کی ضمانت چاہئے۔"

اس نے بات مختصر کرنے کی خاطر آخر میں ایک جملہ کہا تھا اور فوری طور پر خود اسے احساس نہیں ہوا کہ وہاں پر بھرپور اعتماد کا مظاہرہ کر گئی ہے۔

"صرف میری!" شاہ سکندر گویا پھر سے زندہ ہو گئے تھے جو تھوڑی توجہ سگار نے کھینچ لی تھی' انہوں نے وہ بھی اس کی طرف مبذول کرنے کی خاطر۔ سگار ایش ٹرے میں ڈال دیا پھر براہ راست اسے دیکھ کر کہنے لگے۔

"یہ سچ ہے کہ میرے پیش نظر صباحت کی بہتری بھی اور ہے کیونکہ مجھے علی جہانگیر پر اور اس کی محبت پر پورا بھروسا ہے۔ وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ میں اس کی ضمانت لے سکتا ہوں۔ وہ کبھی اپنی محبت کے ساتھ فریب نہیں کرے گا اور میں اس بات کا بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شاہ پور کا کوئی شخص علی اور صبا کی زندگی میں مداخلت نہیں کرے گا' نہ کوئی سازش ہو سکتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ صباحت میری بیٹی ہے اس لئے کہ وہ علی کی بیوی ہو گی۔ آپ اپنے دل سے تمام خدشات نکال دیں۔ آپ کی بیٹی انشاءاللہ بہت خوش رہے گی اور جب تک آپ نہیں چاہیں گی علی اسے شاہ پور نہیں لے جائے گا۔ یہ ساری باتیں میں خود علی سے طے کروں گا۔ اس کے علاوہ اگر آپ کی کوئی شرط ہو تو وہ بھی کہہ دیں۔"

"نہیں کوئی شرط نہیں۔" وہ جو ان کی باتوں کے دوران کچھ گم صم سی ہو گئی تھی اسی انداز میں بولی تھی۔

"پھر بھی آپ سوچ لیں اور جب تک آپ کا دل اس رشتے پر مکمل طور پر مطمئن نہ ہو جائے شادی کی ہامی نہ بھریں۔" شاہ سکندر ہر طرح سے اسے اہمیت دے رہے تھے۔

اسے لگا جیسے ساری دنیا کا اختیار اس کے ہاتھ میں آ گیا ہو اور اس انوکھے سے خیال سے اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

شاہ سکندر کو اس کی مسکراہٹ بڑی بھلی لگی لیکن وہ اسے کوئی نام نہیں دے سکے۔

"چلیں!" کچھ دیر بعد وہ اپنے خیال سے نکل کر انہیں دیکھنے لگی۔

"نہیں' آئی مین کھانا' اس کے بعد کافی اور اس دوران ہم اچھے دوستوں کی طرح بہت ساری باتیں کریں گے۔ بے مقصد باتیں۔" انہوں نے کہا تو وہ قدرے حیران ہو کر بولی۔

"بے مقصد!"

"ہاں' کبھی کبھی بے مقصد گفتگو بھی کر لینی چاہئے۔ ذہن فریش ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی گفتگو میں مسائل کا ذکر نہیں ہوتا۔" انہوں نے ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"گویا فرار......!"

"رائٹ۔" ان کے ہر انداز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "ویسے ہم موسموں کی' رنگوں اور خوشبوؤں کی باتیں بھی کر سکتے ہیں۔ ابتدا آپ کریں گی یا میں۔"

"آپ..." وہ بالکل غیر ارادی طور پر ان کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تمام راستہ آسیہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہوئی تھی اور یہ سارا کمال اس بے مقصد گفتگو کا تھا۔

"واقعی' کبھی کبھی بے مقصد گفتگو بھی کر لینی چاہیے۔" اس نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سوچا اور کچھ مگن سی زینے کی طرف جا رہی تھی کہ میمونہ بھابھی نے پکار لیا۔

"آسیہ!"

جی!" وہ چونک کر رکی اور برآمدے میں سب کو بیٹھے دیکھ کر اپنی بے دھیانی پر نادم سی ہو کر اس طرف آتی ہوئی

السلام علیکم!"

وعلیکم السلام کیا بہت تھک گئی ہو یا بھوک زیادہ لگ رہی ہے؟" میمونہ بھابھی نے سلام کا جواب دینے کے پوچھا۔

ہاں پہلے اسے کھانا کھلاؤ۔" اس کے جواب دینے سے پہلے ابا جی نے کہا تو وہ ان کے سامنے خالی کرسی پر بیٹھتے ے بولی۔

کھانا میں کھا چکی ہوں۔"

کہاں ہاسپٹل میں؟"

قصداً" ان سنی کر کے بات بدل گئی۔

لگتا ہے یہاں کوئی اہم مسئلہ زیر بحث تھا۔"

ہاں' ہم صباحت کی شادی کی بات کر رہے تھے۔ تمہیں تو شاید احساس نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے پاس ت ہے کہ تم اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچ سکو۔" ابا جی نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے سخت سست شروع کیا تھا۔

تمہیں صرف بیٹیاں اپنے پاس رکھنے کا شوق تھا۔ ان کی تعلیم اور تربیت پر تم نے کوئی توجہ نہیں دی نہ تمہیں لھر بسانے سے دلچسپی ہے۔ آخر کیا سوچا ہے تم نے ان کے بارے میں اگر ان کی شادی نہیں کرنا چاہتیں تو کم تنی تعلیم تو دلا دو کہ وہ تمہاری طرح......"

نہیں ابا جی! میری طرح نہیں۔" وہ جو سر جھکائے سن رہی تھی ایک دم بول پڑی۔ "وہ دونوں میری طرح ہو ہیں سکتیں کیونکہ ان کے اندر شروع سے میری جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ پڑھائی میں دونوں بس نارمل مزید کتنا بھی پڑھا لوں ڈاکٹر بن سکتی ہیں نہ لیکچرار پھر بہتر یہی ہے کہ ان کی شادی ہو جائے۔"

ہاں یہی میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔" ابا جی فوراً" بول پڑے تھے۔ "میں نے شاہ جہانگیر کو جمعہ کے دن بلایا اس دن ہم شادی کی تاریخ رکھ دیں گے' تمہیں اگر اعتراض ہو تو ابھی بتا دو۔"

نہیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے کہا تو سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ غالباً" کسی کو بھی کے اتنی جلدی مان جانے کی امید نہیں تھی۔

یجیے ابا جی! اسے تو کوئی اعتراض نہیں۔ آپ کس بات سے پریشان ہیں۔" خلیل بھائی نے ابا جی کو مخاطب ہ قدرے سٹپٹا گئے۔

نہیں پریشانی تو کوئی نہیں۔"

س تو کوئی قریبی تاریخ طے کر لیجیے کیونکہ تیاری تو ہو گی' کیوں آسیہ؟" خلیل بھائی نے اس سے پوچھا۔

ی تیاری تو ہے۔"

سی خوشی میں میں چائے لاتی ہوں۔" میمونہ بھابھی اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔

یرے لیے نہیں لائیے گا بھابھی! اوپر بچوں نے میرے انتظار میں کھانا نہیں کھایا ہو گا۔"

م نے تو کھا لیا ہے نا؟"

ی میں تو کھا چکی ہوں۔"

س تو بیٹھو آرام سے۔ میں ثوبیہ سے کہلوا دیتی ہوں کہ وہ کھانا کھا لیں۔" میمونہ بھابھی کہتے ہوئے اندر چلی ۔

ھ دیر بعد اس نے جس تیزی سے ثوبیہ کو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا اس سے سمجھ گئی کہ میمونہ بھابھی نے نے کا کہلوانے کے ساتھ صباحت کو نئے موسموں کا سندیسہ بھی بھیج دیا ہے۔

♥ ♡ ♡ ♥

مدیحہ ٹیبل پر کھانا لگا کر دوبارہ آنگن میں نبیل اور صباحت کے پاس آ کر بیٹھی تھی کہ سیڑھیوں پر قدموں کی آ
سن کر نبیل کہنے لگے۔

"میرا خیال ہے پھوپھو آ رہی ہیں۔"

"تھینک گاڈ، چلیں اب آپ دونوں بھی اٹھیں مجھے بہت بھوک۔" ثوبیہ کو دیکھ کر مدیحہ نے بات وہیں چھوڑ
برا سامنہ بنایا تھا۔

"آؤ ثوبیہ! کیا خبر لائی ہو؟" نبیل نے اس کے بھاگ کر آنے پر یونہی کہہ دیا تھا جس پر وہ حیران ہو کر بولی۔

"آپ کو کیسے پتا کہ میں کوئی خبر لائی ہوں؟"

"اس کا مطلب ہے واقعی کوئی خبر ہے۔" نبیل نے داد طلب نظروں سے صباحت کو دیکھا لیکن وہ متوجہ نہ
تھی۔ البتہ مدیحہ نے ان کی بات میں ٹکڑا لگایا تھا۔

"وہ بھی اچھی۔"

"ہاں اچھی، بہت دنوں سے کوئی اچھی خبر نہیں سنی۔ جلدی بتاؤ ثوبیہ کیا بات ہے۔" نبیل نے مدیحہ کی
کرتے ہوئے کہا تو ثوبیہ نے باری باری تینوں کو دیکھا پھر بڑے آرام سے بولی تھی۔

"وہ پھوپھو کہہ رہی ہیں۔ آپ تینوں کھانا کھالیں۔"

"اور مما خود کہاں ہیں؟"

"نیچے سب کے ساتھ بیٹھی ہیں اور وہ کھانا کھا کر آئی ہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا ہے کہ تم لوگ ان کا ا
نہیں کرو۔" ثوبیہ نے مدیحہ کو جواب دے کر نبیل کو یوں دیکھا جیسے یہ تھی اچھی خبر۔

"یہاں آؤ۔" نبیل نے تحکم سے اسے اپنے پاس بلایا تو اس کی ساری شوخی ہوا ہو گئی۔

"کیوں نبیل بھائی؟"

"میں کہہ رہا ہوں یہاں آؤ۔"

"میں یہیں سے بتا دیتی ہوں۔ پھوپھو صبا کی شادی کرنے پر آمادہ ہو گئی ہیں۔"

ثوبیہ نے نبیل کے غصے سے ڈر کر جس تیزی سے کہا اسی طرح صباحت نے جھکا ہوا سر اونچا کیا تھا جبکہ نبیل
مدیحہ خوشگوار حیرت میں گھر گئے تھے اور اسی انداز میں دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو پھر صباحت کو دیکھا تو
کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک منٹ رکو صبا!" مدیحہ اپنی جگہ سے اچھل کر اس سے لپٹ گئی اور اس کے کان میں دھیرے سے
کی۔ "مبارک ہو۔"

صباحت کے چہرے پر بڑے خوب صورت رنگ اتر آئے تھے۔ دھڑکنیں الگ بے ترتیب ہو گئی تھیں۔

"یہ بے ایمانی ہے نبیل بھائی! ان سے بھی تو پوچھیں کہ یہ چپکے چپکے کیا باتیں کر رہی ہیں۔" ثوبیہ نے نبیل
دونوں کی طرف متوجہ کر کے احتجاج کیا تو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے صباحت خود کو چھڑا کر اندر بھاگ گئی۔

"ہاں کیا کہہ رہی ہو تم؟" مدیحہ نے ثوبیہ کی طرف گھوم کر پوچھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"کچھ نہیں۔"

"ارے تم تو ناراض ہو گئیں۔ چلو آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس کے بعد میں تمہیں بہت اچھی چا
گی۔" مدیحہ نے اسے مناتے ہوئے کہا۔

"تم چائے پلاؤ گی؟" ثوبیہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں تو وہ چیخ پڑی۔

"کیوں کیا پہلے کبھی نہیں پلائی۔"

"ہائیں یہ تم دونوں کس خوشی میں لڑنے لگیں۔ چلو مدحو! تمہیں بہت بھوک لگ رہی تھی اور اسے بھ

"نبیل نے انہیں ٹوک کر کہا۔

"صبا کو میں بلاتی ہوں، آپ چلیں۔" مدیحہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔

صباحت الماری کے اندر سر گھسائے جانے کیا کر رہی تھی۔

"یہاں نہیں ملے گا۔" مدیحہ نے اس کے قریب آ کر زور سے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"کیا؟"

"علی۔"

"اف مدحو! تم بہت بدتمیز ہو۔"

"وہ تو میں ہوں اور خالی پیٹ میں اور بھی بہت کچھ ہو جاتی ہوں۔" مدیحہ نے بڑے آرام سے اعتراف کے
بھوک کا احساس دلایا۔

"تو جاؤ، کھانا کھاؤ۔"

"کھانے ہی کے لیے بلانے آئی ہوں تمہیں، چلو۔"

مدیحہ نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑلی اور اس کی ایک نہیں سنی۔ کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔
پھر کھانے کے دوران نبیل یوں بنے رہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو اور انہوں نے مدیحہ اور ثوبیہ کو بھی اشارا
کیا تھا لیکن وہ کہاں باز آنے والی تھیں۔ مسلسل اسے چھیڑتی رہیں جس سے وہ کھانا چھوڑ کر اٹھنے لگی تھی کہ
آسیہ کو آتے دیکھ کر ٹیبل کے نیچے مدیحہ کو پیر مارتے ہوئے بولی۔

"مما آ رہی ہیں۔"

"مما! آپ نے بہت اچھا کیا۔" مدیحہ نے بے اختیار ہو کر نعرہ لگایا پھر ایک دم سٹپٹا بھی گئی کیونکہ آسیہ تنبیہی
نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔

"آئیے پھوپھو!"

"بس بیٹا! تم لوگ آرام سے کھاؤ میں ذرا چینج کرلوں۔" آسیہ ایک نظر صباحت پر ڈال کر وہیں سے واپس پلٹ
گئیں تو نبیل مدیحہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"تمہیں کیا ہوا تھا؟"

"چھوڑیں نبیل بھائی! مما بھی بس ایسی ہی ہیں انضمام الحق جیسی۔"

مدیحہ نے برا سامنہ بنا کر کہا تو وہ تینوں بے ساختہ ہنسنے کے ساتھ بولے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

"انضمام الحق چھکا لگائے یا بولڈ ہو جائے اس کی شکل پر کوئی تاثر نہیں ابھرتا۔" مدیحہ ہنوز اسی انداز میں کہہ کر
کھڑی ہوئی تو ثوبیہ بمشکل اپنی ہنسی روک کر کہنے لگی۔

"جی نہیں، پھوپھو کا چہرہ سپاٹ نہیں ہے۔ پھر ان کی آنکھیں بھی بولتی ہیں۔ ہے نا نبیل بھائی۔"

نبیل نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا پھر مدیحہ کو جاتے دیکھ کر فوراً پکار کر بولے۔

"مدحو! تم نے کھانے کے بعد چائے پلانے کا کہا تھا۔"

"میں لاتی ہوں چائے۔ ثوبیہ! تم جانا نہیں۔" صباحت کو وہاں سے اٹھنے کا بہانہ مل گیا تھا۔

کچن میں آ کر اس نے چولہے پر چائے کا پانی رکھا پھر اسٹول کھینچ کر بیٹھی تو اس کا دل چاہا اب کوئی اس کے پاس نہ
آئے اور نہ اسے بلائے۔ اس کے گرد جو ایک خوب صورت سا حصار کھنچ گیا تھا وہ اس سے نکلنا نہیں چاہتی تھی،
لیکن چند لمحوں بعد ہی مدیحہ کی آواز نے سارا طلسم توڑ دیا تھا۔ وہ پتا نہیں کس سے کیا کہہ رہی تھی اور شاید اسی
طرف آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر ٹی پاٹ میں چائے دم کرنے لگی تب ہی مدیحہ کچن میں آ کر بولی۔

"ارے چائے تم بنا رہی ہو؟"

"اچھا سنو ابھی میں مما سے تمہاری شادی کا پوچھ کر آ رہی ہوں' ان کا ارادہ ایک مہینے میں تمہیں رخصت دینے کا ہے اور میں نے سوچا ہے اب جتنے دن تم یہاں ہو میں تمہیں کوئی کام نہیں کرنے دوں گی۔ البتہ شادی کے بعد جب تم علی کے ساتھ آؤ گی تب میں سارے کام تم سے کراؤں گی چاہے علی کو برا لگے یا بھلا۔ ویسے تمہارا خیال ہے اسے برا لگے گا۔" مدیحہ بظاہر بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی لیکن وہ اس کی شرارت سمجھ رہی تھی جب ہی کوئی جواب نہیں دیا اور ٹرے اٹھا کر اسے تھما دی۔

♥ ♡ ♡ ♥

شاہ جہانگیر جمعہ کے دن پھر عارفہ بیگم کو ساتھ لے کر آ گئے تھے۔ گو کہ گزشتہ بار آسیہ کا رویہ انتہائی مایوس کن تھا۔ لیکن اس کے بعد اباجی اور میمونہ بھابھی نے اپنے طور پر آسیہ کے رویے کی تلافی کرنے کی کوشش کی تھی یہ بھی کہا تھا کہ وہ اسے سمجھائیں گے۔ لیکن اس کے مان جانے کا یقین نہیں دلایا تھا اس لیے شاہ جہانگیر کچھ زیادہ پرامید نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا وہ ابھی بھی ٹال دیے جائیں گے۔ البتہ گھر سے چلتے ہوئے علی کو تسلی دے آئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اسے آسیہ کے رویے کے بارے میں نہیں بتایا تھا صرف اس لیے کہ انہیں خدشہ تھا کہ علی دوبارہ انہیں آسیہ کے پاس نہیں جانے دے گا اور خود فیصلہ کر کے نہ صرف اس رشتے کو ختم کر دے گا سب سے بھی ناتا توڑ لے گا۔ وہ یقیناً" ان دنوں ہر ایک سے اس قدر متنفر ہو رہا تھا کہ اس سے ہر قسم کے اقدام کی توقع کی جا سکتی تھی اور جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے ہی کھیل جاتا۔ اسی لیے شاہ جہانگیر اور عارفہ بیگم جہاں بوکھلائے ہوئے تھے وہاں اس کے سامنے محتاط بھی اتنے ہی تھے۔ جانتے تھے کہ وہ کتنا اصول پسند ہے۔ اس کے دل میں ہر رشتے کی اپنی جگہ اور مقام ہے۔ وہ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دے سکتا۔ نہ صباحت کی خاطر ماں باپ کو چھوڑے گا اور نہ ماں باپ کی خاطر صباحت کو اگر انتخاب کا مرحلہ آیا تو وہ خود کو درمیان سے ہٹا لے گا۔

اس میں اور شاہ سکندر میں یہی فرق تھا اور یہ شاہ سکندر بھی جان گئے تھے جب ہی اس کی ضمانت لیتے ہوئے انہوں نے آسیہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ شاہ پور چھوڑ دے گا بلکہ صباحت کے جانے کا بھی مبہم سا اشارا دے دیا کہ جب آسیہ چاہے گی تب وہ بھی جائے گی۔

بہرحال شاہ جہانگیر اور عارفہ بیگم اس وقت کوئی اچھی امید لے کر نہیں آئے تھے' البتہ یہ اطمینان ضرور تھا کہ گھر کے دوسرے افراد ان سے اچھی طرح سے ملیں گے' حسب سابق اباجی ہی انہیں ڈرائنگ روم تک لائے تھے اور انہیں بٹھا کر اندر چلے گئے تھے۔

"سوری' آپ کو انتظار کی زحمت ہوئی میں اصل میں ابھی آفس سے آیا تھا۔"

"پھر تو ہم نے آپ کو زحمت دی۔" شاہ جہانگیر نے کہا۔

"بالکل نہیں' پلیز تشریف رکھیں۔"

شاہ جہانگیر نے اباجی کو دیکھا اور ان کے بیٹھنے کے بعد بیٹھے تھے کہ دوبارہ کھڑے ہو گئے کیونکہ میمونہ بھابھی اماں جی کے ساتھ داخل ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے آسیہ تھی۔

پھر ابتدائی رسمی جملوں کے بعد کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

شاہ جہانگیر کو اندازہ نہیں تھا کہ ادھر سب لوگ کیا طے کیے بیٹھے ہیں اس لیے اپنا مدعا دہرانے کے لیے انہیں سوچنا پڑ رہا تھا جبکہ ادھر سب منتظر تھے کہ بات وہ شروع کریں۔

عارفہ بیگم کو پہلے ہی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس طویل ہوتی خاموشی سے مزید گھبرا کر وہ بول پڑیں۔

"پھر کیا سوچا آپ نے؟"

شاہ جہانگیر نے چونک کر اپنی بیگم کو دیکھا پھر ان کی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔

"ہم اچھی امید لے کر آئے ہیں۔ آپ بڑے ظرف کے لوگ ہیں۔ یقیناً" اچھا سوچا ہو گا جس میں بچوں کی بہتری ہو گی۔"

"ماں باپ تو بہتری ہی سوچتے ہیں۔ دعا کریں۔ آگے لکھنے والے نے بہتری لکھی ہو۔" خلیل بھائی نے کہا تو باجی ان کی بات کی تصحیح کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"لکھنے والا بہتری ہی لکھتا ہے بس ہم انسان اس کی مصلحتیں نہیں سمجھتے۔ ٹوٹے رشتے پھر سے استوار ہونے میں بھی یقیناً" اس کی کوئی مصلحت ہو گی اور ہمیں چاہیے ہم گزشتہ ساری باتوں ساری رنجشوں اور کدورتوں کو مٹا کر ایک دوسرے کو معاف کر دیں ہمارے دل صاف ہوں گے تو آگے راستہ خود بخود صاف ہو جائے گا۔" اباجی نے خاموش ہو کر باری باری سب کے جھکے ہوئے سروں کو دیکھا پھر کہنے لگے۔

"بہرحال آپ اچھی امید لے کر آئے ہیں اور ہم اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے آپ کو مایوس نہیں کریں گے' شاہ جہانگیر اور عارفہ بیگم کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سراسیمہ سے اباجی کو دیکھے جا رہے تھے۔

"کچھ چائے وغیرہ۔" خلیل بھائی نے ان دونوں کو اس کیفیت سے نکالنے کی خاطر قدرے اونچی آواز میں کہا تو واقعی وہ بری طرح چونکے' پھر ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر اباجی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے حد ممنون لہجے میں بولے تھے۔

"آپ نے تو ہمیں خرید لیا۔ میرے پاس الفاظ نہیں جو میں آپ کا اور ڈاکٹر صاحبہ کا شکریہ ادا کر سکوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اباجی نے ان کا کندھا تھپک کر انہیں بیٹھنے کے لیے کہا پھر عارفہ بیگم کو کھڑے دیکھ کر آسیہ کو اشارا کیا تو وہ اٹھ کر ان کے گلے لگتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔"

شاہ جہانگیر اور عارفہ بیگم کو ان کی توقع کے بالکل برعکس اور اچانک جو خوشی ملی تھی' وہ ان سے چھپائی نہیں جا رہی تھی۔ عارفہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً" علی کو اطلاع دے کر اس خوشی میں شریک کریں۔ بڑی مشکل سے انہوں نے صبر کیا تھا۔ تاریخ رکھنے کے بعد چائے پینے تک رکیں پھر سب نے کھانے کے لیے بہت اصرار کیا لیکن وہ معذرت کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں البتہ شاہ جہانگیر نے بہت تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ فرداً" فرداً" سب سے ملے اور اپنے ہاں آنے کی دعوت دے کر آئے تھے۔

"کمال ہو گیا شاہ جی! اس روز تو ڈاکٹرنی۔" عارفہ بیگم شروع ہوئی تھیں کہ انہوں نے ٹوک دیا۔

"بس عارفہ بیگم! اس روز کیا ہوا کیا نہیں پچھلی ساری باتیں بھول جاؤ۔ بس آج کو یاد رکھو اور آج کے بعد آنے والا ہر دن ایسا ہی خوشیوں بھرا ہونا چاہیے۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" عارفہ بیگم فوراً" بولی تھیں۔

اور جب وہ گھر پہنچے تو آگے علی ان کا انتظار تو کر رہا تھا' لیکن کھانے کے لیے جب ہی دیکھتے ہی کہنے لگا۔

"بس ای جلدی سے آ جائیں۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" اس کے ساتھ ہی ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گیا تو شاہ جہانگیر نے عارفہ بیگم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا' پھر علی کے پیچھے ڈائننگ روم میں آتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"کوئی خاص ڈش بنوائی ہے کیا؟"

"پتا نہیں ابا! اکرم دین نے کیا کیا بنایا ہے' آیئے بیٹھیں۔"

"بھوک تو نہیں ہے پھر بھی تمہارے ساتھ کھا لیتے ہیں۔ بیٹھو عارفہ!" شاہ جہانگیر نے عارفہ بیگم کے لیے کرسی کھینچی پھر اپنے لیے کھینچ کر بیٹھے تو بظاہر سرسری انداز میں کہنے لگے۔

"کھانے کے لیے وہ لوگ بھی بہت روک رہے تھے لیکن تمہاری ماں کو بہت جلدی تھی۔"

"کس بات کی؟" اس نے سالن کا ڈونگا ان کے سامنے کرتے ہوئے یوں ہی پوچھ لیا۔

"تمہیں خوشخبری سنانے کی ہم تمہاری شادی کی تاریخ طے کر آئے ہیں۔" عارفہ بیگم نے ابھی بھی بہت جلدی کھائی تھی۔

اور علی جہانگیر کی بھی وہی حالت ہو گئی جو ان دونوں کی ہوئی تھی۔ سراسیمہ باری باری دونوں کو دیکھے گیا۔

"تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا! اگلے مہینے کی بارہ تاریخ طے ہوئی ہے۔" شاہ جہانگیر پوری تفصیل کے ساتھ آئندہ کا پروگرام بھی بتانے لگے اور وہ بظاہر سب سن رہا تھا لیکن اس کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔ وہ بزدل سی لڑکی جو اس کی ہر بات کے جواب میں رونے لگتی تھی۔ یا پھر ایک بات کہتی۔

"میں کیا کروں۔ میں مما کو دکھ نہیں دے سکتی۔"

ادھر شاہ جہانگیر سارا پروگرام بتانے کے بعد پتا نہیں کیا پوچھ رہے تھے، اس نے سنا ہی نہیں تو جواب کیا دیتا۔ تب عارفہ بیگم اونچی آواز میں اسے پکار کر بولی تھیں۔

"علی ہم سے پوچھ رہے ہیں۔"

"جی!" وہ چونکنے کے ساتھ سٹپٹا بھی گیا۔ "جی ابا کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میں کہہ رہا ہوں ادھر کا مسئلہ تو حل ہو گیا، اب بابا جان سے کیا کہوں؟" شاہ جہانگیر نے اس بار زور دے کر اپنی بات دہرائی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ سمجھا نہیں۔

"مطلب یہ کہ میں بابا جان سے کہہ کر نہیں آیا تھا کہ یہاں میں تمہاری شادی کے معاملات طے کرنے آر ہوں اور اس بات پر وہ ناراض ہوں گے کہ ان کے علم میں لائے بغیر اور ان سے مشورہ کیے بغیر میں نے شادی طے کر دی۔"

"ابا! آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں۔ کیا بابا جان یہ نہیں چاہتے تھے کہ ڈاکٹر آسیہ بغیر کسی شرط کے صباحت کی رخصتی پر آمادہ ہو جائیں اور اسے وہ اپنی کامیابی سمجھ کر خوش ہوں گے نا کہ ناراض۔"

اس نے زچ ہو کر کہا تو عارفہ بیگم نے اس کی تائید کی۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔"

"ہاں، آں ٹھیک کہہ رہا ہے۔" شاہ جہانگیر نے یوں سر جھٹکا جیسے ان دونوں سے بات کرنا فضول ہے۔ پھر علی کو جانے کا اشارہ کر کے اٹھ گئے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

جس روز سے شاہ سکندر حویلی چھوڑ کر گئے تھے بابا جان اپنے سب کام بھول گئے تھے۔ ملنے ملانے کا سلسلہ بھی ترک کر رکھا تھا سارا وقت اپنے کمرے میں بند۔ بس یہی سوچتے کہ سکندر نے ڈاکٹرنی اور اس کی بیٹیوں کو ان پر ترجیح دے کر اچھا نہیں کیا۔ اس کے بعد ان کا ذہن مسلسل ان کے خلاف سوچتا رہتا تھا۔ شاہ سکندر سے تو انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ ہار جیت کا کھیل نہیں کھیل رہے تھے اور لاکھ وہ خود کو بھی یہی کہہ کر فریب دیتے لیکن ان کی کیفیت اس جواری کی سی تھی جو ہارنے کے بعد انتقام پر اتر آتا ہے اور ان کے اندر انتقام کی آگ تو شروع سے دہک رہی تھی، اب مزید شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ لیکن وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔

اس وقت بھی جب شاہ جہانگیر نے ان کے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو وہ سر کے اشارے سے جواب دے کر بہت ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگے۔

"کہاں چلے گئے تھے تم؟"

"کراچی گیا تھا بابا جان!" شاہ جہانگیر ان کے موڈ کا اندازہ کرتے ہوئے بولے۔

"علی کے پاس، کیسا ہے علی، آیا نہیں بہت دنوں سے؟"

"ملازم آدمی ہے بابا جان! چھٹی مل جاتی ہے تو آ جاتا ہے۔"

"ہوں۔" وہ ہوں کے انداز میں لمبی سانس باہر نکال کر خاموش ہو گئے۔

شاہ جہانگیر گو کہ خود کو بہت تیار کر کے آئے تھے، پھر بھی انہیں اپنی بات کہنے میں بہت دقت ہو رہی تھی۔ اصل میں انہیں اندازہ نہیں تھا کہ بابا جان کا رد عمل کیا ہو گا اور یہی دیکھنے کے لیے وہ بہت سوچ کر بولے۔

"وہ بابا جان میں علی کی سسرال گیا تھا۔"

"علی کی سسرال؟" بابا جان نے یوں دیکھا جیسے ہم سے پوچھے بغیر۔

"جی وہ علی کی شادی طے کرنے۔" شاہ جہانگیر نظریں چرا کر بولے۔ جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہے ہوں۔

"ہو گئی طے؟" بابا جان نے طنز سے پوچھا۔

"جی، اگلے مہینے کی بارہ تاریخ۔" شاہ جہانگیر اسی قدر کہہ سکے۔

"ہوں۔" بابا جان کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگے۔ "کیا شرائط رکھی ہیں اس ڈاکٹرنی نے؟"

"شرائط! نہیں بابا جان! انہوں نے کوئی شرط نہیں رکھی۔"

ان جواب سے بابا جان کو اپنی اہمیت کم ہونے کے احساس سے شدید دھچکا لگا تھا۔ کتنی دیر انہیں خود پر قابو پانے میں لگی پھر بھی طنز سے بولے تھے۔

"اس کا مطلب ہے بیٹی بہت بھاری ہو گئی ہے اس پر۔"

شاہ جہانگیر مصلحتاً خاموش رہے۔

"خیر مبارک ہو تمہیں۔ اپنی بی بی جان کو بتایا؟" بابا جان اب انہیں ٹالنا چاہتے تھے۔

"جی نہیں، میں سیدھا آپ کے پاس آ رہا ہوں۔"

"تو اب جا کر بتاؤ انہیں تاکہ وہ تیاری کر سکیں۔"

"آپ، آپ چلیں گے بابا جان؟" شاہ جہانگیر نے ایک دم خوش ہو کر پوچھا تو وہ سمجھ کر بھی انجان بن گئے۔

"کہاں؟"

"کراچی، میرا مطلب ہے، شادی میں شریک ہوں گے نا؟"

"ہم کیا چاہتے ہو؟" بابا جان بڑی کھوجتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگے تھے۔

"میں تو یہی چاہوں گا کہ علی کے سر پر سہرا آپ سجائیں۔" شاہ جہانگیر ہر طرح سے ان کا مان ان کی بڑائی رکھنا چاہتے تھے۔

"ہاہاہا!" بابا جان نے طویل قہقہہ لگایا پھر کہنے لگے۔

"ہم اپنی اولاد کی خواہش رد نہیں کرتے جہانگیر! یہ تم جانتے ہی ہو۔ سکندر نے شہر میں شادی کرنی چاہی تھی تو ہم نے خود تمہیں بھیج کر اس کی شادی کرا دی تھی۔ علی نے جو چاہا اس کے لیے ہمیں کیا کچھ نہیں کرنا پڑا۔ ہم اس وقت تک چین سے نہیں رہے جب تک اس لڑکی کو علی کی منکوحہ نہیں بنا دیا اور اب تم چاہتے ہو کہ علی کے سہرا ہم سجائیں تو تمہاری یہ خواہش ہم علی کی دوسری شادی میں پوری کر دیں گے۔"

"جی......!" شاہ جہانگیر حقیقتاً چکرا گئے تھے۔ دیواریں گھومتی ہوئی لگ رہی تھیں اور سماعتوں میں بابا جان کی آواز تھی کہ پگھلا ہوا سیسہ۔ کس قدر سفاکی سے بول رہے تھے۔

"اپنی اولاد کی خواہش ہم ضرور پوری کرتے ہیں جہانگیر! اس کے لیے ہمیں خواہ بستیوں کی بستیاں اجاڑنی پڑیں، دریغ نہیں کرتے چھوٹے سے گھر کی کیا اہمیت ہے۔ بس تھوڑا سا انتظار کرو۔ محبت کا نشہ اتر جائے پھر علی بھی اسی طرح ہمارے پاس آئے گا جیسے سکندر آیا تھا۔"

"نہیں، نہیں بابا جان نہیں۔" شاہ جہانگیر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "آپ گھر اجاڑ سکتے ہیں، بستیاں اجاڑ سکتے ہیں لیکن دل کی بستیاں اجاڑنے پر آپ قادر نہیں ہیں۔ سکندر کو دیکھ لیں اس کے دل میں آج بھی وہی عورت بستی ہے۔"

"ہاہاہا!" بابا جان پھر قہقہہ لگا کر بولے تھے۔ "اور علی کے دل میں اس کی بیٹی۔"

"ہاں اور اب آپ وہ کہانی دوبارہ نہیں دہرائیں گے۔ اس سے نقصان ہمارا ہی ہو گا بابا جان! آپ خدا کے لیے اپنے بچوں پر رحم کریں ہم نے ہمارے اولاد نے کوئی ایسے جرم نہیں کیے جن کی پاداش میں آپ ہم سے زندہ رہنے

کا حق بھی چھین رہے ہیں۔" شاہ جہانگیر ان کے عزائم سوچ کر پریشان ہو گئے تھے۔

"ہم چھین رہے ہیں۔ ہم یا تم لوگوں کو ان شہر والیوں نے پاگل کر دیا ہے۔ جو ایک کے بعد ایک ہمارے مقا کھڑا ہوتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں آخر ایسی کیا بات ہے ان ماں بیٹیوں میں جن کے لیے پہلے سکندر ہمیں چھوڑ گیا تم ہمیں نفع نقصان سمجھا رہے ہو۔"

بابا جان غصے سے بول رہے تھے، لیکن آخر میں آپ ہی آپ ان کے لہجے میں بے بسی سمٹ آئی تھی۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے بابا جان! کیونکہ آپ کے نزدیک جذبوں کی کبھی اہمیت نہیں رہی۔ محبت پر آپ کا نہیں تھا۔ ورنہ آسیہ کو طلاق دلوانے سے پہلے ایک بار تو ضرور سوچتے اور اس وقت نہیں تو اب سوچ لیں ک عورت کے لیے کوئی کمی نہیں تھی، پھر بھی اس نے خود پر سارے دروازے بند کر دیے کیوں اس لیے کہ جو عو ایک بار دل سے جس کو اپنا مان لے پھر ہمیشہ کے لیے اسی کی ہو جاتی ہے۔ خواہ اس کا محبوب اسے مٹی میں دے، ٹھوکر مار کر کہیں چلا جائے یا بیوگی کی چادر اوڑھا کر۔ اس کے دل سے نہیں نکلتا اور ایسی عورت کے چھوڑنے والے تخت و تاج چھوڑ دیتے ہیں۔ سکندر تو پھر ڈنڈی مار گیا ہے۔ اپنی زندگی بڑے آرام سے گزار ابھی بھی وہ اس کی خاطر یہاں سب چھوڑ کر نہیں گیا۔ اپنی بیٹیوں کے لیے جنہیں آپ ان کا اصل مقام د تیار نہیں اور چاہتے ہیں کہ باپ بھی ان کے بارے میں نہ سوچے، وہ اپنی بیٹی کے لیے گیا ہے بابا جان اور میں بیٹے کی محبت سے مجبور ہوں۔"

شاہ جہانگیر بولنے پر آئے تو بولتے چلے گئے تھے۔

"اب ہمیں اپنی مجبوریوں کی داستان مت سناؤ جہانگیر! جاؤ جو تمہارا دل چاہے کرو۔"

بابا جان بہت دیر سے ضبط کر رہے تھے بالآخر چیخ پڑے اور انہیں کمرے سے نکل جانے کا اشارا بھی کیا جہانگیر نے یوں ہونٹ بھینچے جیسے مزید پتھر سے سر ٹکرانے کا کوئی فائدہ نہیں پھر کمرے سے نکل گئے تھے۔

"مجبور، ہونہہ ہم تو کبھی مجبور نہیں ہوئے یہ ہماری اولاد پتا نہیں۔"

بابا جان نخوت سے سر جھٹک کر اپنے آپ بول رہے تھے کہ شاہ تیمور کے آنے پر ہونٹ بھینچ کر اسے لگے۔ ان کی آنکھوں سے ابھی بھی غصہ جھلک رہا تھا۔ جس سے شاہ تیمور خائف سا ہو کر دروازے کے پا رک گیا۔

"کیا بات ہے؟" بابا جان نے پوچھا تب وہ آگے آتے ہوئے بولا۔

"میں ایک ضروری بات کہنے آیا ہوں بابا جان!"

"ضروری بات۔" بابا جان کی پیشانی سکڑ گئی۔

شاہ تیمور کو اگر معلوم ہوتا کہ اس کے آنے سے پہلے یہاں شاہ جہانگیر اور بابا جان کے درمیان کیا بات تھی تو وہ ہرگز اس وقت نہ آتا لیکن اسے کیونکہ معلوم نہیں تھا اس لیے سہولت سے کہہ گیا۔

"جی، میں مدحیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور یہ شادی آپ ہی کرا سکتے ہیں۔"

"مدحیہ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" بابا جان پرسوچ انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگے دم رک کر بولے تھے۔

"کیوں خاندان میں اور لڑکیاں بھی تو ہیں، مدحیہ سے زیادہ خوب صورت پڑھی لکھی اور جائیداد والی نظر نہیں آتیں۔"

شاہ تیمور خاموش رہا لیکن اس کے ہر انداز سے بغاوت جھلک رہی تھی۔ بابا جان کچھ دیر تک اسے د پھر دھیمے پڑ کر رازداری سے پوچھنے لگے۔

"کیوں کرنا چاہتے ہو مدحیہ سے شادی؟"

"اس نے میری توہین کی ہے بابا جان! میرا مذاق اڑایا ہے۔ مجھے دھوکا دیا ہے اور میں اسے بتاؤں گا

وتا ہے۔" شاہ تیمور کا سلگتا ہوا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس کے اندر کیسی آگ دہک رہی ہے۔

"ہوں!" بابا جان کے سینے سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی تھی۔ پھر بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارا کیا ور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے۔

"یہ سبق تو اسے ضرور ملنا چاہیے۔ وہ اتنی سی لڑکی ہم سب کو دھوکا دے گئی۔ خیر تم فکر نہیں کرو۔ ہم تمہارے اپ سے کہتے ہیں کہ وہ پہلی فرصت میں سکندر کے پاس جائے اور مدحیہ سے تمہاری شادی کی بات کرے۔"

"سکندر چچا نہیں مانیں گے۔" شاہ تیمور نے مایوسی سے کہا۔

"کیوں کیوں نہیں مانے گا۔ علی کی شادی ہو رہی ہے کہ نہیں۔ تمہاری بھی ہو جائے گی اور پھر تمہارے باپ کا وہ بہت لحاظ کرتا ہے۔ اس کی بات خود ٹالے گا، نہ ڈاکٹرنی کو ٹالنے دے گا سمجھے۔ تم فکر مت کرو۔"

♥ ♡ ♡ ♥

"آج اتوار تو نہیں ہے پھر نبیل بھائی گھر پر۔" وہ سوچتے ہوئے نبیل کے کمرے میں آئی اور انہیں بیڈ پر دیکھ کر بت کے مطابق پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا نبیل بھائی! آپ کی طبیعت خراب ہے۔"

"نہیں، بس ذرا سر میں درد تھا، وہ بھی اب نہیں ہے۔" نبیل نے بوا کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے سے اطمینان دلایا۔

"لیکن آپ کی تو آنکھیں بھی لال ہو رہی ہیں۔" وہ کہاں مطمئن ہونے والی تھی۔

"سو کر اٹھا ہوں اس لیے ہو رہی ہوں گی۔ اب تم زبردستی مجھے کوئی بیماری لگا دو۔" نبیل نے چڑ کر کہا۔

"بیماری لگے آپ کے دشمنوں کو۔ آپ کو تو میری عمر لگ جائے۔"

"صبا!" نبیل نے فوراً ٹوکا۔ "فضول باتیں مت کیا کرو۔"

"ڈانٹ کیوں رہے ہیں۔ ایک تو میں پہلے ہی بور ہو رہی ہوں۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"کیوں مدحو کہاں ہے؟"

"بازار گئی ہے۔ میں بھی چلی جاتی تو اچھا تھا۔"

"ہاں ذرا سکون ہو جاتا۔" نبیل نے اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر مزید چھیڑا تو وہ چیخ کر بولی۔

"فکر نہیں کریں، میں آج جا رہی ہوں پھر آپ سکون سے رہیے گا۔"

"کہاں؟ تم کہاں جا رہی ہو؟" نبیل نے چائے کا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"پاپا کے پاس، ابھی ان کی گاڑی آئے گی اور اب بس میں وہیں رہوں گی۔ یہاں نہیں آؤں گی آپ کو سکون ہے نا اور ہاں مدحو بھی میرے ساتھ جائے گی۔"

وہ ناراض سی ہو کر بولتی چلی گئی اور جب خاموش ہوئی تب بھی نبیل کچھ نہیں بولے جانے کیا سوچنے لگے تھے۔

"نبیل بھائی!" اس نے پہلے پکارا پھر ان کے پاس آ بیٹھی اور آہستہ سے ان کا ہاتھ ہلا کر پوچھنے لگی۔ "آپ کیا چنے لگے؟"

"ہاں!" نبیل نے چونک کر اسے دیکھا پھر افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ "کچھ نہیں۔"

"اچھا بتایئے میں کیا کہہ رہی تھی؟"

"تم اپنے جانے کی بات کر رہی تھیں۔ خیر تمہارا جانا تو یوں بھی طے ہو گیا ہے لیکن مدحو کو تو ابھی یہیں رہنا ہے جب تک اس کی کہیں بات طے نہیں ہوتی۔"

نبیل نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر بہت سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"آپ چاہتے ہیں مدحو کی کہیں بات طے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ ساری زندگی وہ یونہی تو نہیں بیٹھی رہے گی اس گھر میں۔" نبیل نظریں چرا کر بولے تھے۔

"آپ چاہیں تو وہ اس گھر میں رہ سکتی ہے اور یونہی نہیں۔" اس نے زور دے کر کہا تو نبیل اس کا مطلب ... کر خاموش ہو گئے۔

"مسئلہ یہ ہے کہ آپ چاہتے ہی نہیں ہیں۔" وہ ان کے خاموش رہنے پر اپنے آپ بولنے لگی تھی۔ "پتا نہ کیا سوچ رکھا ہے آپ نے یا آپ کو کسی خاص وقت کا انتظار ہے' یہی بات ہے نا۔"

"میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔ تمہاری فضول باتیں سننے سے بہتر ہے میں۔" وہ بولتے ہوئے بیڈ ... دوسری طرف اتر گئے۔

"فضول باتیں! آپ مدحو سے محبت کرتے ہیں یہ فضول بات ہے۔"

"بس خاموش ہو جاؤ صبا!" انہیں جانے کیوں غصہ آگیا تھا۔

"آپ واقعی بزدل ہیں نبیل بھائی اور آپ کو اپنی محبت پر بھروسا بھی نہیں ہے' ورنہ مدحو کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہے جس کے سامنے اعتراف نہ کیا جا سکے۔ میں بتاؤں گی اسے کہ آپ۔"

"ہاں بتا دینا اور اس کے بعد بھول جانا کہ یہاں کوئی نبیل بھی تھا۔" انہوں نے اسی غصے سے کہا تو وہ اچھل کھڑی ہو گئی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

نبیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم میں چلے گئے۔ تو وہ پہلے جھنجلائی پھر دل ہی دل میں افسوس کرتی ہوئی وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی اور آگے مدحیہ کو کھڑے دیکھ کر تعجب سے بولی۔

"ہائیں۔ تم لوگ اتنی جلدی آگئے۔"

مدحیہ نے کوئی جواب نہیں دیا نا ہی اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ چند قدم آگے آ کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا بات ہے مدحو؟"

"وہ میں یہ بیگ دیکھ رہی تھی۔ کہیں جا رہی ہو کیا؟" مدحیہ نے ابھی بھی اس کی طرف نہیں دیکھا اور بیگ کے اندر ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگی تھی۔

"صرف میں نہیں ہم دونوں جا رہے ہیں' پاپا کے پاس۔ وہ چاہتے ہیں میں کچھ دن ان کے ساتھ رہوں۔"

"ہاں پھر تو تمہاری شادی ہو جائے گی۔" مدحیہ نے یہ بات بھی کچھ کھوئے ہوئے انداز میں کہی تھی۔

"اچھا دیکھو' میں نے تمہارے یہ سوٹ رکھے ہیں۔" اس نے بیگ اپنی طرف کھینچ کر مدحیہ کے سوٹ نکال کر اس کے سامنے کیے تو وہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولی۔

"میرے کیوں؟ میں تو نہیں جا رہی۔"

"کیوں؟"

"کیوں کا کیا مطلب۔ یہاں اتنے کام ہیں وہ کون کرے گا پھر مما بھی اکیلی ہو جائیں گی۔ نہیں میں نہیں جاؤں گی۔" مدحیہ قدرے ترشی سے کہتی ہوئی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"ٹھیک ہے پھر میں بھی نہیں جاتی۔"

"بکو مت' پاپا نے بلایا ہے تمہیں ضرور جانا ہے۔ چلو اور جو کچھ رکھنا ہے رکھو بیگ میں ورنہ میں ابھی مما کو فون کرتی ہوں' پھر ان کی ڈانٹ سن کر روتی ہوئی جاؤ گی۔" مدحیہ پتا نہیں کیوں ناراض ہو رہی تھی۔

"صبا! منسٹر صاحب کی گاڑی آگئی ہے۔"

"آ رہی ہوں بلکہ جا رہی ہوں۔" اس نے بیگ بند کر کے مدحیہ کو دیکھا تو وہ بے اختیار رو لی تھی۔

"زیادہ دن مت رکنا۔"

"جانا اپنے اختیار میں ہے' آنا نہیں۔ خدا حافظ۔" وہ بیگ اٹھا کر جس تیزی سے کمرے سے نکلی اس سے مدحیہ ... گئی کہ اس سے خفا ہو کر گئی ہے اور اسے منانا کون سا مشکل تھا جو وہ اس کے پیچھے بھاگتی بس گہری سانس کھینچ کر ... ئی پھر عمر کو کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا بات ہے' کچھ چاہیے؟"

"ہاں تمہارے در سے میں ہمیشہ کچھ لینے ہی تو آتا ہوں۔" عمر نے کہا تو وہ اکتا کر بولی۔

"میں اس وقت تم سے کوئی بحث نہیں کروں گی۔"

"بحث کون کر رہا ہے۔ یہ بتاؤ' صبا ناراض ہو کر کیوں گئی ہے؟"

"میں اس کے ساتھ نہیں گئی' اس لیے' اب یہ مت پوچھنا کہ میں کیوں نہیں گئی۔"

"توبہ کرو مجھے کیا باؤلے کتے نے کاٹا ہے جو میں تم سے کچھ پوچھوں گا۔" عمر کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا وہیں سے ... پلٹا تو اس نے ایک دم پکار لیا۔

"سنو عمر!"

عمر رک گیا لیکن اس کی طرف رخ نہیں موڑا تھا۔

"وہ مما اکیلی ہو جاتیں نا میں اس لیے نہیں گئی۔" اس نے کہا تو عمر جھٹکے سے اس کی طرف پلٹا اور حیرت سے ... میں پھاڑ کر بولا۔

"یہ تمہیں دوسروں کا احساس کب سے ہونے لگا۔ تمہاری بلا سے کوئی اکیلا ہو یا۔" عمر اس کے گھورنے پر ... ادھوری چھوڑ کر ہاتھ ہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا۔

"ایک میری ہی ہر بات پر گرفت کیوں ہوتی ہے۔" وہ سوچتی ہوئی دروازے تک آئی۔ پھر اسے بند کر کے اس ... ساتھ کمر ٹیک کر کھڑی ہو گئی اور یونہی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اچانک اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں شاید کوئی ... ساس ملا تھا۔ کچھ کھونے کا کچھ پانے کا لیکن وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"یہ صبا کیا کہہ رہی تھی نبیل بھائی سے؟"

... س نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے سوچا اور ست روی سے آ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کے اندر دل ... کسی شکنجے میں آگیا تھا اور ذہن کے پردوں پر کہیں دھندلے عکس لہرا رہے تھے' کہیں بہت واضح اور ہر جگہ ایک ... ست نمایاں تھا جسے اس نے ہمیشہ نظر انداز کیا تھا اور آپ ہی آپ اس سے دشمنی بھی باندھ لی تھی کہ وہ کیوں ... ی ماں کی محبت میں حصہ دار بن کر آگیا تھا۔

... ب وہ چھوٹی تھی تب بھی آسیہ کی نبیل پر ذرا سی توجہ پر چیخ چلا کر احتجاج کرتی تھی اور اس پر بس نہیں تھا اس ... د نبیل سے بھی لڑتی تھی' لیکن انہوں نے کبھی اس کی کسی بات کا برا نہیں مانا تھا۔ الٹا اس کی طرف داری ... تے تھے اور اب تک ایسا ہی تھا۔

... س کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کی اسی عادت کو صباحت نے محبت سمجھ لیا تھا یا واقعی وہ اس سے محبت ... تے تھے۔ کتنی دیر تک وہ اس بات میں الجھتی رہی لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی اور نہ ہی مجھے کیا کہہ کر اس ... و ذہن سے جھٹک سکی۔ شاید یہ نبیل کے جذبے تھے جو اپنا آپ منوا رہے تھے۔

... صبا! ہاں صبا سے پوچھتی ہوں۔" اسے ایک دم صباحت کا خیال آیا تو فوراً" اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اسے فون ... نے کے ارادے سے لابی میں آئی تو اسی وقت فون کی بیل بجنے لگی تھی۔

"ہیلو صبا!" وہ کیونکہ صباحت اسے ہی بات کرنے کا سوچ رہی تھی اس لیے ریسیور اٹھاتے ہی اسے پکارا تھا۔

"میں صبا نہیں احمر ہوں۔" دوسری طرف سے احمر کی آواز سنتے ہی وہ سنبھل گئی۔

"جی کیسے ہیں آپ؟"

"تم کیسی ہو۔" احمر نے جواب نہیں دیا تو وہ بھی گول کر گئی۔

”صبا اور نبیل بھائی دونوں نہیں ہیں اس وقت اور مما بھی کلینک گئی ہوئی ہیں۔“
”اور مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ احمر نے فوراً کہا۔
”جی!“ اس نے سننے کا اشارا دیا تو وہ جلدی سے بولا۔
”مجھے ابھی ثوبیہ کے خط سے صبا کی شادی کا پتا چلا ہے میں نے سوچا مبارکباد دے دوں۔“
”شادی اگلے مہینے کی بارہ تاریخ کو ہے۔ بہرحال پیشگی مبارکباد کا پیشگی شکریہ اور کوئی بات؟“
”ہاں ایک بات اور ہے تم برا تو نہیں مانو گی۔“ احمر نے رک کر پوچھا تھا۔
”میرے برا ماننے نہ ماننے کو چھوڑیں۔ آپ اپنی بات کہیں۔“ وہ خاصی بے مروّتی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
”میں تمہیں اس شخص کا بتانا چاہتا ہوں جو تمہارے ساتھ سب سے زیادہ مخلص ہے۔ بہت محبت کرتا ہے وہ تم سے۔“

”کون؟“ اس کی دھڑکنیں رکنے لگی تھیں۔
”نبیل بھائی!“ احمر بتا کر خاموش ہو گیا تھا۔
اسے لگا وہ اس سچائی کو کبھی نہیں جھٹلا سکے گی۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک خیال آیا تھا۔ فوراً احمر کو پکار کر پوچھنے لگی۔
”احمر! آپ کو کس نے بتایا۔“
”تمہارا کیا خیال ہے نبیل بھائی نے بتایا ہو گا۔ نہیں وہ بہت گہرے ہیں، کبھی ظاہر نہیں کریں گے۔“ احمر نے کہا تو وہ اندر ہی اندر الجھ کر بولی۔
”پھر آپ کو کیسے پتا چلا؟“
”اس بات کو چھوڑو نادان لڑکی اور اصل بات سوچو۔ دنیا میں بے غرض و بے لوث محبت نایاب ہے، تم خوش قسمت ہو کہ۔“
شاید لائن کٹ گئی تھی۔ اس نے چونک کر دو تین بار کریڈل پر ہاتھ مارا پھر ریسیور رکھ کر پلٹی تو سامنے سے نبیل کو آتے دیکھ کر وہ ان ہی کے انتظار میں وہیں رک گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

اور جب نبیل قریب آئے تو وہ کچھ سٹپٹا کر نظروں کا زاویہ بدل گئی۔
”کیا بات ہے؟“ نبیل نے رک کر پوچھا تو وہ آہستہ سے بولی۔
”کچھ نہیں۔“
”پھر یہاں کیوں کھڑی ہو۔ میرا مطلب ہے کسی کے فون کا انتظار ہے۔“ نبیل کا انداز ہمیشہ کی طرح سادہ تھا۔ کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اپنے اندر اس کے لیے سب سے الگ جذبے چھپائے کھڑے ہیں۔
”وہ میں صبا کو فون کر رہی تھی لیکن نمبر ہی نہیں مل رہا۔“ اس نے بات بنائی۔
”صبا کو۔ اچھا ہاں، شام میں اس نے بتایا تھا کہ وہ اپنے پاپا کے ہاں جا رہی ہے۔ تم نہیں گئیں؟“ نبیل نے ایک دم یاد آنے پر پوچھا۔
”نہیں۔“
”کیوں؟“
”بس دل نہیں چاہا۔“
”دل نہیں چاہا۔“ نبیل ذرا سا مسکرائے پھر آگے بڑھتے ہوئے بولے۔ ”ٹھیک ہے، تم نمبر ٹرائی کرو۔“
اس نے خاموشی سے انہیں کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا پھر ٹیرس پر نکل آئی اور بہت چاہا کہ صباحت اور پھر

ں باتوں کو ذہن سے جھٹک دے، لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ جتنا اپنا دھیان ادھر ادھر کرتی کوئی نہ کوئی بات جاتی۔
”نبیل بھائی کیا چاہتے ہیں۔ کاش تم جان سکو۔“ ایک بار صباحت نے کہا تھا۔
”وہ بہت گہرے ہیں کبھی ظاہر نہیں کریں گے۔ پتا نہیں احمر پر کیسے ظاہر ہو گئے تھے جو وہ کہہ رہا تھا۔“
”نادان لڑکی! اصل بات سوچو دنیا میں بے غرض و بے لوث محبت نایاب ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ۔“
بے غرض و بے لوث محبت۔ ناممکن۔ وہ جھٹلانے کی سعی کرنے لگی۔ کائنات کا سارا نظام دو اور لو کے اصول پر رہا ہے۔ سودے بازی ہر جگہ سودے بازی۔
نقد یا ادھار۔
ب سود سوچتے ہیں۔
زندگی کے کاروبار میں گھاٹے کا سودا کوئی نہیں کرتا۔
محبت بھی کاروبار ہے۔ سراسر دکانداری۔
ں کے عوض دل۔
یوں ہی اوٹ پٹانگ سوچے جا رہی تھی کہ آسیہ کی آواز پر چونک گئی۔
سیہ نبیل کو پکار رہی تھی۔ وہ سامنے گئی تو کچھ حیرت سے پوچھنے لگی۔
”تم گئیں نہیں بیٹا۔“ پھر خود ہی کہنے لگی۔ ”اچھا کیا یہاں اتنے کام ہیں۔“
”جی مما! میں اسی لیے نہیں گئی اور میں یہ بھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ صبا چلی جائے گی تو کیسا لگے گا۔“ اس نے صورتی سے بات بنائی۔ تب ہی نبیل کمرے سے نکل کر آئے تو آسیہ جو اس سے کچھ کہنے جا رہی تھی، نبیل رف متوجہ ہو کر بولی۔
”چلو بیٹا! بوا نے کھانا لگا دیا ہے۔ آؤ مدحو۔“
”جی مما چلیں۔“ اس نے آسیہ کے بعد نبیل کو اندر جانے دیا پھر ان کے پیچھے ڈائننگ میں داخل ہوئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

باحت کے ساتھ مہرالنساء اور الماس کا رویہ خاصا نروٹھا اور ناگواری لیے ہوئے تھا۔ بس شاہ سکندر کے نے الماس نے اس سے رسمی جملے بولے تھے جبکہ مہرالنساء نے اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور وہ مدحیہ تھی جو جواباً اپنے ہر عمل سے ان پر یہ جتاتی کہ اسے بھی ان کی پروا نہیں ہے۔ اسے پروا تھی جب ہی تو اسے رف بری طرح محسوس ہو رہا تھا بلکہ بہت دکھ بھی ہو رہا تھا اور رات جب تک اسے نیند نہیں آئی، وہ کڑھتی تھی۔
ج معمول سے بہت پہلے اس کی آنکھ کھل گئی۔ شاید نئی جگہ کی وجہ سے۔ بہرحال اس نے دوبارہ سونے کی ش نہیں کی اور اٹھ کر نماز پڑھ لی۔ اس کے بعد کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ کراچی کے موسم کا کچھ پتا نہیں دسمبر شروع ہو چکا، لیکن سردی بس برائے نام ہی تھی۔ صبح کے وقت کچھ ٹھنڈک محسوس ہوتی یا پھر شام

ں وقت فضا میں قدرے خنکی تھی جو کہ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اترتے اجالے میں لے منظر واضح ہونے لگے تھے۔ اس نے کھڑکی میں آگے کی طرف جھک کر بائیں سمت دیکھا تو لان کا کچھ حصہ آیا۔ اتنے سے حصے میں ہی خوش رنگ پھولوں کی بہتات تھی اور وہ پھولوں کی دیوانی وہیں سے کود کر لان میں آئی ہتا“ اس کی روح تک سرشار ہو گئی۔ ایک کونے سے دوسرے کونے تک اس نے کتنے چکر لگا ڈالے اور ابھی کا یہ شغل جاری تھا کہ شاہ سکندر آ گئے۔

"اسلام علیکم پاپا۔" وہ انہیں دیکھتے ہی تیز قدموں سے ان کے قریب چلی آئی تھی۔

"وعلیکم سلام آج کی صبح ہمیشہ سے زیادہ خوب صورت لگ رہی ہے۔" شاہ سکندر خوش دلی سے بولے۔

"مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔" اس نے کہا تو شاہ سکندر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر اس کے ساتھ لان چیئر پر بیٹھے اور کچھ دیر ایسی ہی ہلکی پھلکی گفتگو کرنے کے بعد کہنے لگے۔

"بیٹا! مجھے افسوس ہے کہ الماس اور اس کی ممی نے آپ کے ساتھ کچھ اچھا بی ہیو نہیں کیا۔ آپ نے ضرور مائنڈ کیا ہو گا۔"

"نہیں پاپا۔" وہ فوراً بول پڑی۔ "مجھے دکھ ضرور ہوا لیکن ان سے کوئی شکایت نہیں ہے اور میں کوشش کروں گی کہ انہیں بھی مجھ سے شکایت نہ ہو۔"

"گڈ یو آر آ لولی ڈاٹر۔" شاہ سکندر کو اس کے جواب سے خوشی ہوئی۔

"تھینک یو۔"

"اور بیٹا! آپ کے ساتھ مدیحہ نہیں آئی۔"

"پتا نہیں پاپا! اس کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا۔"

"ہوں۔ موڈی لڑکی ہے۔" انہوں نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔ غالباً ان کا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی۔ پھر پکار کر پوچھنے لگی۔

"پاپا! آپ کے لیے چائے لاؤں۔"

"چائے۔" انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ابھی تک چائے نہیں آئی۔"

"میں لاتی ہوں۔" وہ فوراً اٹھ کر اندر آئی تو آگے خانساماں چائے لیے کچن سے نکل رہا تھا۔ اس نے ٹرے میں ایک کپ دیکھا تو وہیں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ کیونکہ اس کا چائے پینے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔

پھر ناشتے کے بعد شاہ سکندر چلے گئے تو وہ کتنی دیر اجنبیوں کی طرح لاؤنج میں بیٹھی رہ گئی۔ حالانکہ دو تین بار الماس وہاں سے گزری تھی لیکن مروتاً بھی اس سے بات نہیں کی اور مہرالنساء تو اپنے کمرے ہی سے نہیں نکلی تھی۔ اس لیے الماس سے بڑی ہونے کے باوجود اس نے پہل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور خود اس کے کمرے میں چلی آئی۔

الماس ایک کونے میں نیچے کارپٹ پر بیٹھی اپنے سامنے اخبار پھیلائے اس پر جھکی ہوئی تھی۔ جبکہ اس کے اطراف کچھ سادہ پیپرز بکھرے ہوئے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے فوراً سر اونچا کیا تھا اور اسے دیکھ کر اسی تیزی سے ادھر ادھر بکھرے پیپرز سمیٹنے میں لگ گئی۔ تو وہ اس کی اس حرکت کو قصداً نظرانداز کرتی ہوئی دوستانہ انداز میں بولی۔

"کیا ہو رہا ہے۔" الماس نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ یوں جیسے سنا ہی نہیں۔

"میں بہت بور ہو رہی ہوں۔ حالانکہ یہاں میرے شوق اور دلچسپی کے لیے بہت کچھ ہے لیکن پتا نہیں کیوں نہ میرا پاپا کی لائبریری میں دل لگا نہ۔"

وہ اپنے آپ بولتی ہوئی ایک دم خاموش ہو گئی تو الماس بلاارادہ اسے دیکھنے لگی اور اس کا مقصد اسی طرح اسے متوجہ کرنا تھا۔

"تم کوئی کام کر رہی تھیں۔ میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی۔ تم آرام سے اپنا کام کرو۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر نیچے ہی بیٹھ گئی۔ پھر ادھر ادھر دیکھتی ہوئی بولی۔

"تمہارے کمرے کی سیٹنگ بہت خوب صورت ہے۔ اگر تم نے خود کی ہے تو یقیناً تم آرٹسٹک مائنڈ ہو۔ تمہارے سبجیکٹ کیا ہیں؟"

الماس خاموشی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ بالکل مدیحہ جیسی لگ رہی تھی، لیکن اس کا ہر انداز اس سے مختلف تھا نہ لہجے میں تنفر نہ آنکھوں میں خشونت اس کے برعکس اپنائیت کا احساس دیتی لگ رہی تھی۔

"فائن آرٹس۔" اس نے جواب نہ پا کر خود ہی قیاس کر کے کہا تو اس بار الماس بے اختیار بولی تھی۔

"نہیں سائنس۔"

"ارے تم سائنس کی اسٹوڈنٹ ہو۔ کون سی کلاس میں ہو۔" اس نے حیرت کے اظہار کے ساتھ دلچسپی بھی ظاہر کی۔

"انٹر کا امتحان دیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ آگے کیا ارادہ ہے؟"

"پاپا کا ارادہ میڈیکل میں میرا ایڈمیشن کرانے کا ہے۔" الماس قدرے جھجک کر جواب دے رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس سے پہلے کبھی کسی نے اس کی ذات میں اس طرح دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" اس نے فوراً کہا پھر اس کی بات پر غور کر کے پوچھنے لگی "کیا کہا تم نے پاپا کا ارادہ تو کیا تمہیں شوق نہیں ہے ڈاکٹر بننے کا۔"

"مجھے بھی ہے لیکن امی نہیں چاہتیں۔" الماس نے کہا۔

"کیوں؟" وہ پوچھ کر خود ہی جز بز سی ہو گئی کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی امی کیوں نہیں چاہتیں۔

"آپ نے کہاں تک پڑھا ہے؟" الماس خوب صورتی سے بات بدل گئی۔

"میں تھرڈ ایئر کے پیپر دے چکی تھی اس کے بعد کالج چھوڑ دیا۔"

"کیوں؟" الماس نے بھی اس کی طرح فوراً پوچھا لیکن پھر خود ہی سمجھ کر کہنے لگی۔

"اچھا ہاں، پھر آپ کی شادی ہو گئی تھی۔"

"شادی۔" وہ ہنسی تو الماس قدرے جھینپ کر بولی۔

"شادی ہی تھی۔"

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ۔" وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ مہرالنساء کی آواز پر خاموش ہو گئی۔

مہرالنساء نے الماس کو پکارنے کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ لیکن جب اسے دیکھا تو اندر نہیں آئی اور وہیں دروازے ہی میں رک کر بولی تھی۔

"الماس، میں عمیر کے ساتھ بازار جا رہی ہوں۔ تم بھی چلو۔"

"میں چلوں۔" الماس نے چند لمحے رک کر سوچا پھر کہنے لگی۔ "میں نہیں جا رہی۔ صاجی اکیلی ہو جائیں گی۔"

مہرالنساء کو اس جواب سے خاصی مایوسی ہوئی جبکہ وہ بے انتہا خوش لیکن بہت سنبھل کر بولی۔

"ارے نہیں۔ میری وجہ سے تم اپنا جانا ملتوی نہیں کرو۔"

"نہیں۔ بس میں نہیں جا رہی۔" الماس نے اس سے کہتے ہوئے مہرالنساء کو دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم لوگ کھانا کھا لینا۔"

پھر دو دن میں الماس اس کے ساتھ بہت گھل مل گئی تھی اور مہرالنساء گو کہ خود سے اس سے بات نہیں کر رہی تھی، لیکن اس کی بات کا جواب دینے لگی تھی۔ اس کے انداز میں وہ تنفر اور ناگواری بھی نہیں رہی تھی اور اس کے لیے فی الحال یہی بہت تھا۔ یوں بھی ابھی وہ بہت زیادہ دنوں کے لیے نہیں آئی تھی۔ اس کا خیال تھا مزید دو دن رک کر وہ چلی جائے گی۔ اس وقت الماس کے ساتھ لان میں ٹہلتے ہوئے وہ اس سے بھی یہی کہہ رہی تھی کہ کل یا پرسوں وہ چلی جائے گی۔

"کیوں، میرا مطلب ہے، اتنی جلدی کیوں جائیں گی۔ ابھی تو آپ کی شادی میں بہت دن ہیں۔" الماس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا تو وہ رک کر بولی۔

"وہ تو ہیں لیکن مجھے مدحو کا خیال آرہا ہے۔ جب میں آ رہی تھی تو وہ کچھ خفا سی لگ رہی تھی اور دیکھو اس نے فون بھی نہیں کیا۔"

"آپ فون کریں۔ میں امی کے پاس سے ہو کر آتی ہوں۔" الماس اسے لابی میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ نمبر ڈائل کر کے انتظار کرنے لگی۔ مما اور نبیل بھائی کا تو اسے پتا تھا کہ اس وقت دونوں گھر پر نہیں ہوں گے اور مدحیہ نے کتنی دیر بعد ریسور اٹھایا تھا۔

"کیا کر رہی تھیں؟" اس نے چھوٹتے ہی ٹوکا۔

"ریسرچ۔" ادھر مدحیہ جانے کس موڈ میں تھی وہ سمجھ نہیں سکی۔

"کا ہے پر؟"

"یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ بلکہ میں اب کوئی بات تمہیں نہیں بتاؤں گی۔" مدحیہ نے زور دے کر کہا۔

"کیوں مجھے کیوں نہیں بتاؤ گی۔" اس نے حیران ہو کر ٹوکا۔

"اس لیے کہ تم ہر بات مجھ سے چھپاتی رہی ہو۔"

"کیا میں نے کیا بات چھپائی ہے؟"

"اپنے آپ سے پوچھو۔"

"میں بالکل نہیں جان پاؤں گی۔ تم بتا دو پلیز۔" اس نے لجاجت سے کہا۔

"بکو مت۔ یہ بتاؤ واپس کب آ رہی ہو۔"

"اگلے ہفتے۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"اگلے ہفتے کیوں' اگلے مہینے آنا۔" مدحیہ پر اس کی لجاجت کا اثر ہوا تھا نہ روٹھنے کا' فوراً فون بند کر دیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

علی جہانگیر کو اس وقت صباحت کے نمبر ڈائل کرتے ہوئے ادھر سے کسی اور کے ریسور اٹھانے کا خدشہ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ اس کی آواز سننے کو ملے۔ لیکن دوسری طرف مدحیہ تھی جس کی آواز سنتے ہی وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تمہیں کیا پہرے پر بٹھایا ہوا ہے۔"

"جناب! آپ کو کوئی اعتراض ہے۔" وہ ہنسی کے درمیان بولی تھی۔

"اعتراض ہو بھی تو تم کون سا ماننے والی ہو۔ چلو بلاؤ اسے۔" اس نے رعب سے حق جتایا تو ادھر سے کورا جواب آیا۔

"وہ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب وہ یہاں نہیں ہے۔ پاپا کے ہاں گئی ہوئی ہے۔" مدحیہ روانی سے بتا کر پوچھنے لگی "اور بتائیں کس کو بلاؤں۔"

"کسی کو نہیں۔ بس سب کو سلام کہہ دینا۔" وہ عجلت میں فون بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور وہیں سے عارفہ بیگم کو پکار کر بولا تھا۔

"امی! میں چچا جان کی طرف جا رہا ہوں۔"

اور پھر آدھے گھنٹے کا فاصلہ اس نے بیس منٹ میں طے کر لیا تھا۔ طویل راہداری سے گزر کر جب وہ گول کمرے میں داخل ہوا تو سامنے ہی وہ الماس کے ساتھ بیٹھی نظر آئی' جس پر اسے حیرت ہوئی کیونکہ مدحیہ کو اس نے شاہ پور میں کسی کے ساتھ اس طرح باتیں کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے اپنی حیرت چھپا کر قدرے اونچی آواز میں سلام کیا تو جہاں وہ چونک کر بلا ارادہ کھڑی ہو گئی وہاں الماس نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"ارے۔ علی بھائی آپ۔"

"ہاں مجھے ابھی پتا چلا تھا کہ جسے میں سارے شہر میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں وہ تمہارے پاس ہے۔" وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

"جی نہیں۔ ابھی آپ ان سے نہیں مل سکتے۔" الماس فوراً صباحت کے سامنے کھڑی ہو گئی اور دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا دیے۔

"پھر کب مل سکتا ہوں۔ ان سے پوچھ کر بتاؤ۔" اس نے شرارت سے اسے دیکھنے کی سعی کرتے ہوئے کہا تو وہ بھاگ کر کمرے میں چلی گئی۔

"مل گیا جواب' وہ ملنا ہی نہیں چاہتیں۔" الماس نے کہا تو وہ مایوس سی شکل بنا کر بولا۔

"اب کیا کروں؟"

"صبر۔" الماس ہنسی۔

"شٹ اپ' یہ بتاؤ چچا جان اور چچی جان کہاں ہیں؟"

"وہ کسی تقریب میں گئے ہیں۔"

"اور تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ جاؤ چائے کے ساتھ کچھ کھانے پینے کا انتظام کرو' میں اتنے دنوں بعد آیا ہوں۔" وہ اسے سامنے سے ہٹاتا ہوا اسی کمرے کی طرف چل پڑا۔ پیچھے الماس نے اسے روکنے کی کوشش میں یہاں تک کہا کہ دیکھیں پاپا آ رہے ہیں لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور کمرے میں داخل ہو کر ہی رکا تھا۔

وہ کھڑکی کا پردہ تھامے اس میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی' گھبراہٹ میں کبھی پردہ ادھر کھینچتی کبھی ادھر۔

"لاؤ میں تمہاری مدد کر دوں۔" وہ اس کے قریب جا کر بولا اور پردے کے بجائے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچا تو وہ بمشکل اپنا توازن قائم رکھ کر بولی۔

"آپ کیوں آئے ہیں۔"

"یہ دیکھنے کہ اپنے دل کی بستی میں تم نے میرے نام کے جو گل کھلائے تھے' ان میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔" وہ پرشوق نظروں سے اس کے چہرے پر اترتے رنگ دیکھ رہا تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑیں۔" وہ بہت نروس ہو رہی تھی۔

علی جہانگیر نے ایک بار اس کے ہاتھ کو زور سے دبایا پھر ہونٹوں سے لگا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"مجھے یقین کر لینے دو صبا کہ ہم ساری آزمائشوں سے گزر کر اس مقام پر آ گئے ہیں جہاں سے ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ سنو' تمہارے دل میں اگر کوئی خدشہ باقی رہ گیا ہو تو اسے بھی نکال پھینکو۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ ہمارے راستے میں اب صرف پھول ہی پھول کھلیں گے کوئی کانٹا نہیں ہو گا۔ بہت کانٹے ہوں گے۔ جتنے پھول ان سے زیادہ کانٹے۔ لیکن میں تمہیں ان سے نہیں الجھنے دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

وہ اس کے دلنشیں لہجے میں کھو کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"اور ہاں۔ مجھے تمہاری ثابت قدمی نے بہت امپریس کیا ہے۔ اول روز تم نے جو بات کہی' آخر تک اس پر قائم رہیں کہ تمہاری مما جو فیصلہ کریں گی۔ تمہیں وہی قبول کرنا ہے اور اب جبکہ ہمارے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے تو کیا میں امید رکھوں کہ تم میری محبت میں بھی ایسی ہی شدت پسندی کا مظاہرہ کرو گی۔" وہ اپنی نظریں اس کی پوری کھلی آنکھوں میں اتار کر سوالیہ نشان بن گیا تھا۔

صباحت نے پلکیں جھکا کر ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکال کر غیر محسوس طریقے سے پیچھے ہٹتے ہوئے بولی تھی۔

"اگر کبھی آپ کو میری آزمائش مطلوب ہو تو جان مانگیے گا۔"
"اوں ہوں۔" اس نے اپنی شہادت کی انگلی سے بہت نرمی سے اس کے ہونٹوں کو چھوا تھا۔
"مانگوں گا' نہیں' جان دوں گا۔"
وہ اس کی مزید کسی جسارت سے بچنے کی خاطر دو قدم اور پیچھے ہٹ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"الماس آرہی ہے شاید۔"
"اتنی بیوقوف نہیں ہے وہ۔" وہ مسکراتا ہوا پھر اس کے قریب آنے لگا تھا کہ دروازے پر دستک کے ساتھ [الم]اس پکار کر بولی۔
"علی بھائی! پاپا آگئے ہیں۔"
"اف یہ تو واقعی بے وقوف ہے۔" وہ گہری سانس کے ساتھ بڑبڑایا تو وہ بے ساختہ ہنسی کے ساتھ پردہ کھینچ کر پھر [ا]س کی اوٹ میں ہو گئی۔
"او کے' جلدی ملیں گے۔" وہ اس کے پردے کو مضبوطی سے تھامے ہاتھ کو ہلاتا ہوا کمرے سے نکل آیا اور [الم]اس کے اشارے پر جلدی سے اس جگہ آبیٹھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ بیٹھی تھی۔
چند لمحوں بعد ہی شاہ سکندر اور مہرالنساء اس کمرے میں داخل ہوئے تھے۔
"اسلام علیکم۔" اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سلام کیا تو شاہ سکندر خوش دلی سے بولے۔
"او علی! کیسے ہو۔ بڑے دنوں بعد آئے؟"
"بس چچا جان! سوچتا تو روز تھا آنے کا لیکن۔" وہ اس قدر کہہ کر خاموش ہو گیا۔
"ابا کہاں ہیں تمہارے؟" شاہ سکندر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے پوچھا۔
"شاہ پور۔ امی البتہ یہیں ہیں۔"
"انہیں بھی لے آتے۔" مہرالنساء نے کہا۔
"لے آؤں گا چچی جان! ابھی میں گھر سے نہیں آرہا۔" اس نے مبالغے سے کام لیا۔
"اور کھانا وغیرہ کھایا۔"
"نہیں۔ چائے کا کہا تھا الماس سے۔" اس نے الماس کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔
"چائے آپ کو ضرور ملے گی لیکن کھانے کے بعد۔"

♥ ♡ ♡ ♥

شادی کی تیاریوں میں دن بڑی تیزی سے گزر رہے تھے اور اس بار مدحیہ ہر کام میں پیش پیش تھی۔ اسلام آباد [سے] سیما بھابی' سمینہ اور سونیا بھی آگئی تھیں۔ سمینہ کی گود میں چند ماہ کا بیٹا تھا اور سب کی زیادہ توجہ اس بچے نے کھینچ لی تھی۔ سمینہ سارا وقت اسے ڈھونڈتی پھرتی۔
"ابھی عمر کے پاس تھا۔"
"مدحو سے پوچھو' وہ اس کے کپڑے بدل رہی تھی۔" سارا دن ایسی آوازیں گونجتی رہتیں اور رات میں ڈھولک کے ساتھ ہنسی مذاق میں محفل کتنے رنگ بدلتی تھی۔ کبھی سب سنجیدہ ہو جاتے کبھی بہت شوخ' ایسے میں جب [مد]حیہ چائے لے کر آتی تو وہ ہر روز نئے سرے سے باقاعدہ حیرت کا اظہار کرتے اور اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ [تھ]ی کہ وہ برا نہیں مان رہی تھی اور پلٹ کر جواب دینا تو جیسے بھول ہی گئی تھی۔
اس وقت وہ چائے لے کر آئی تو سب سے پہلے عمر شروع ہوا تھا۔
"واؤ' مدحو چائے لے آئی۔ آج ضرور سورج مشرق سے طلوع ہوا ہو گا۔"
"مشرق ہی سے ہوتا ہے۔" ثمرہ نے کہا تو وہ روانی میں بولا تھا۔

"میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔" سب کے بے ساختہ قہقہوں سے وہ بوکھلا گیا تھا۔
"بس عمر! اب اور کچھ مت کہنا۔ کیونکہ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔" نبیل نے دھیرج سے عمر کو ٹوکا تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔
"کیا کروں نبیل بھائی! مجھے اب تک یقین نہیں آرہا۔ اس لڑکی سے پانی مانگو تو کورا جواب ملتا ہے۔ خود پی لو کہاں چائے آخر اس میں یہ انقلاب آیا کیسے۔"
"کیسے آیا۔" نبیل خود حیران تھے۔ اسے کیا جواب دیتے۔ بس ذرا سے کندھے اچکا کر مدحیہ کو دیکھنے لگے
پھر رات دو بجے تک یہ محفل جمی رہی اور آسیہ کے کہنے پر ہی سب اٹھے تھے۔ مدحیہ ڈرائنگ روم اور لابی کی لائٹس آف کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تو آگے صباحت کو بیٹھے دیکھ کر تعجب سے بولی۔
"ہائیں! تم جاگ رہی ہو؟"
"اتنے شور میں بھلا میں سو سکتی تھی۔" صباحت اپنی نیند خراب ہونے کی وجہ سے ناراض تھی۔
"تو کیا چاہتی ہو تم۔ خاموشی سے ہم تمہیں رخصت کر دیں۔" وہ اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے بولی۔
"نہیں' خوب دھوم دھڑکے سے کرنا۔ لیکن یہ پندرہ دن پہلے سے ڈھولک پیٹنے کی کیا تک ہے۔"
"ناراض کیوں ہوتی ہو۔ یہ تو میری خوشی ہے۔ تمہیں اگر اچھا نہیں لگ رہا تو کل سے نہیں بجے گی ڈھولک وولک۔" وہ کہتی ہوئی دوسری طرف کروٹ بدل گئی۔ جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ صباحت پہلے ایک دم خاموش سی ہو کر اسے دیکھے گئی۔ پھر آہستہ سے اٹھ کر اس کے بیڈ پر آبیٹھی اور اس کا کندھا ہلا کر بولی۔
"مدحو! ادھر میری طرف دیکھو۔" اس نے دیکھا نہ کچھ بولی۔
"مدحو! کیا ہوا ہے تمہیں۔ تم رو رہی ہو ناں۔" صباحت کو اس کا رونا محسوس ہو رہا تھا۔ جب ہی بے چین ہو کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔
"تم رو رہی ہو ناں مدحو' تم رو رہی ہو ناں۔"
"ہاں۔" وہ ایک دم اٹھ بیٹھی اور گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر سسکنے لگی تو صباحت نے اس کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا لیا اور اس کے سر پر اپنی پیشانی ٹکاتی ہوئی بولی۔
"مت رو مدحو! مجھے بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے۔ میری بات بری لگی ہے تمہیں یا کسی اور نے کچھ کہا ہے۔"
اس نے آہستہ سے سر اونچا کیا اور ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔
"کسی نے کچھ نہیں کہا۔"
"پھر؟"
"بس میرا دل چاہ رہا تھا رونے کو۔" اس نے کہا تو صباحت کچھ دیر تک اس کے بھیگے چہرے کو دیکھتی رہی پھر اس کی ٹھوڑی چھو کر بولی۔
"پتا ہے بنا کسی بات کے رونے کو دل کب چاہتا ہے۔ جب اندر کوئی احساس جاگتا ہے یا کوئی درد۔"
اس کی بھیگی آنکھوں میں کچھ تحیر سمٹ آیا تھا۔
"میں غلط تو نہیں کہہ رہی۔ اس احساس' اس درد کا نام ہے محبت۔" صباحت نے معنی خیز شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ نظریں چراتی ہوئی بولی۔
"مجھے پتا ہے۔"
"واقعی پھر جلدی سے بتاؤ کون ہے؟" صباحت نے خوش ہو کر پوچھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔"
"انجان مت بنو مدحو! میں بہت دنوں سے تمہیں نوٹ کر رہی ہوں۔ باتیں کرتے کرتے کھو جاتی ہو۔ آہٹوں پر چونکتی ہو اور صبح تو میں نے تمہیں اپنے آپ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ جبکہ ابھی رو رہی تھیں بنا کسی بات کے۔

یہ ساری علامات ظاہر کرتی ہیں کہ کسی مسافر نے تمہارے دل کی کشتی میں ٹھکانا کرلیا ہے۔" صباحت کچھ ہلکے پھلکے انداز میں اس پر گرفت کررہی تھی۔

"لیکن مدحو! اب تم کوئی دھوکا مت کھانا۔ پہلے دیکھ لینا کہ اس کی محبت میں کتنی سچائی! کتنی ایمانداری ہے۔"

"سچائی ہی سچائی' ایمانداری ہی ایمانداری۔" وہ اپنے آپ بولنے لگی تھی۔

"میں حیران ہوں کہ میری تمام تر خامیوں' میری نفرتوں اور عداوتوں کے باوجود وہ مجھ سے محبت کرتا رہا' کرتا ہے۔ میں اس کی نفی کرتے کرتے ہار گئی صبا! وہ محبت کا آسمان ہے۔ جانے کب سے اس نے میرے لیے اپنی باہنیں وا کر رکھی ہیں۔ میں سر اٹھا کر اسے دیکھ سکتی ہوں لیکن چھو نہیں سکتی کیونکہ اس کے سامنے مجھے اپنا آپ بہت کمتر بہت حقیر لگنے لگا ہے۔ میں اس کے قابل نہیں ہوں صبا! پھر تم کیوں' اسے مجبور کرتی ہو کہ وہ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

شاہ سکندر کے لیے شاہ یونس کا آنا اور مدحیہ کے لیے شاہ تیمور کا پرپوزل دینا دونوں باتیں ہی غیر متوقع تھیں لیکن انہوں نے ظاہر نہیں کیا کیونکہ شاہ یونس سب سے بڑے تھے اور وہ ہمیشہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس لیے انہیں صاف جواب بھی نہیں دے سکے اور یہی کہا کہ وہ مدحیہ کی ماں سے مشورہ کرکے بتائیں گے۔ پھر ان کا ارادہ تو نہیں تھا اس سلسلے میں آسیہ سے بات کرنے کا لیکن یہ سوچ کر کہ شاہ پور میں قیام کے دوران ہو سکتا ہے مدحیہ اور شاہ تیمور کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہو' انہوں نے آسیہ سے بات کرلینا ضروری سمجھا۔ ان کے خیال میں اگر آسیہ اس رشتے پر راضی ہوئی تو پھر صباحت کے ساتھ ہی مدحیہ کی شادی بھی کردیں گے' اسی لیے انہوں نے جلدی کی تھی اور اس شام آسیہ کے کلینک پہنچ گئے تھے۔

اس بار آسیہ نے ان کے ساتھ جانے کے بجائے وہیں اپنے کمرے میں انہیں بلا لیا تھا اور ابتدائی رسمی جملوں کے بعد ان کی آمد کا مقصد پوچھا تو وہ کہنے لگے۔

"میں مدحیہ کی بات کرنے آیا ہوں۔ آئی مین اس کی شادی کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔"

"صبا کے بعد۔" آسیہ نے بہت مختصراً جواب دیا۔ تو وہ قدرے رک کر پوچھنے لگے۔

"کوئی ہے آپ کی نظر میں اس کے لیے کیا ؟"

"ہے میرا بھتیجا نبیل۔" وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔

"نبیل۔" انہوں نے کچھ دیر سوچا پھر کہنے لگے "اوکے ایز یو لائک' ویسے میں بھی ایک پرپوزل لایا تھا لیکن میرا خیال ہے۔ اب اس کے بارے میں کچھ کہنا فضول ہے یا آپ جاننا چاہیں گی۔"

"بالکل نہیں۔ آئی ایم سوری۔"

"تو سوری' بھول جائیں کہ میں نے آپ سے ایسی کوئی بات کی ہے۔" وہ کہہ کر فوراً موضوع بدل گئے۔

"پھر کیا خیال ہے۔" انہوں نے کہا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولے۔ "لیکن یہاں رنگ ہیں نہ خوشبو اور موسم کا بھی پتا نہیں چل رہا۔ کیا خیال ہے کہیں باہر چلیں' کھلی فضا میں کھلے آسمان تلے۔"

آسیہ فوراً جواب نہیں دے سکی اور سوچنے کے بعد بھی شش و پنج میں تھی۔ انہوں نے اپنا لائٹر جو بے خیالی میں اس کی ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ وہ اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے گویا چلنے کا اشارا دیا تھا پھر ٹھہر کر گویا ہوئے۔

ہمارے بعد ہیں کچھ لوگ کیسے' دیکھ تو آئیں
چلو اس شہر کو اک بار پھر سے دیکھ تو آئیں

آسیہ کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر اٹھتی ہوئی بے ساختہ گویا ہوئی تھی۔

بہت دن سے سمندر کی ہوا گم صم سی آتی ہے
نہ ہوں طوفانوں کے رخ پر سفینے دیکھ تو آئیں

"تھینکس۔" شاہ سکندر کی نظروں میں تشکر تھا اور ممنونیت کہ اس نے ان کا مان رکھ لیا تھا۔

گو کہ رات اتر آئی تھی پھر بھی انہوں نے گاڑی ساحل کے قریب جا کر روکی تھی۔ اندھیرے میں سمندر نظر نہیں آرہا تھا لیکن لہروں کا شور اس کے ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔

وہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی بالکل انجانے میں اس جگہ آ بیٹھی جہاں برسوں پہلے انہوں نے لفافے میں بند آزادی کا پروانہ اسے تھمایا تھا۔

شاہ سکندر جتنے سرشار آئے تھے۔ اس جگہ کو دیکھ کر انہیں شدید دھچکا لگا تھا اور بیٹھتے ہوئے بے اختیار کہہ گئے۔

"یہاں سے ہم جدا ہوئے تھے۔"

آسیہ نے چونک کر پہلے انہیں دیکھا پھر اپنے اطراف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں یکلخت دھندلا گئی تھیں۔

"بہت مشکل ہے فرار' کم از کم اس شہر میں تو ناممکن۔ قدم قدم پر یادیں بکھری پڑی ہیں۔" شاہ سکندر نے کہہ کر گہری سانس کھینچی تھی۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان خاموشی کی ایک دیوار حائل ہوگئی۔

خاموشی کا تو نام ہوتا ہے
ورنہ یوں بھی کلام ہوتا ہے
آنکھ سے آنکھ نہیں ملتی
دل سے دل ہم کلام ہوتا ہے

اور یہاں دل بول رہے تھے۔

جذبے بول رہے تھے جو وقت اور عمر کے محتاج نہیں ہوتے۔

بیس برسوں میں کس پر کیا بیتی؟ ہوائیں پوچھ رہی تھیں۔

آسیہ کی نظریں تاریک آسمان پر دور تک بھٹکنے لگیں۔ کہیں کوئی ستارہ نہیں تھا۔

پتا نہیں کہاں چھپ گئے تھے وہ سب تارے جو اس کے رت جگوں کے امین تھے۔ وہ چاند جو اس کے آنسوؤں پر کبھی مسکراتا اور کبھی بادلوں میں چھپ جاتا تھا۔

وہ کہکشاؤں کی راہ گزر جہاں ہر قدم پر اس سے ایک ہی سوال ہوتا۔ تیرا ہم سفر کہاں ہے۔

کیسی دھند تھی کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"آسیہ۔" شاہ سکندر نے دھیرے سے پکارا تھا۔

وہ ذرا سا چونکی پھر ان کی طرف متوجہ تو ہوگئی لیکن انہیں دیکھا نہیں۔

"ایک بات پوچھوں؟" شاہ سکندر براہ راست اسے دیکھتے ہوئے کترا رہے تھے۔

اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا تو وہ قدرے رک کر بولے تھے۔

"تم نے پھر شادی کیوں نہیں کی؟"

"کیا سننا چاہیں گے۔ سچ یا جھوٹ؟" وہ اپنی انگلی میں وائٹ گولڈ کے رنگ کو بہت دھیرے دھیرے گھما رہی تھی۔ اس کی نظریں بھی اس پر جمی تھیں۔

"جو تم آسانی سے بول سکو۔" شاہ سکندر نے کہا تو اس نے ایک دم سر اونچا کرکے انہیں دیکھا پھر دکھ سے گویا ہوئی۔

"آسانی سے تو ایک ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ بچیوں کی خاطر۔ ہر وہ عورت جو ایسے کسی المیے سے دوچار ہوتی ہے' وہ یہی کہتی ہے اور شروع میں تو یہی سچ ہوتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے عورت اپنے لیے سوچنے لگتی

ہے لیکن اس کے ساتھ بڑا المیہ یہ ہوتا ہے کہ اسے بچوں کے ساتھ کوئی قبول نہیں کرتا اور وہ بچوں کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتی' یوں بقیہ ساری زندگی ایک ایسے شخص کو ڈھونڈنے میں گزر جاتی ہے جو اس کے ساتھ اس کے بچوں کو بھی تحفظ دے سکے اور ایسا شخص ہزاروں نہیں لاکھوں میں کوئی ایک ہوتا ہے۔"

شاہ سکندر بغور اسے دیکھ اور سن رہے تھے۔ اس کی بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ غالباً" سانس لینے کو رکی تھی کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کر گئے۔

"تم"

"نہیں۔" وہ فوراً" بول پڑی۔ "میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ حالانکہ میرے ماں باپ' بھائیوں اور بھاوجوں نے بہت چاہا اور وہ جو لاکھوں میں کوئی ایک ہوتا ہے وہ بھی خود چل کر میرے پاس آیا۔ وہ بہت نائس' بہت نیئر تھا لیکن۔"

وہ بولتے ہوئے کچھ کھو سی گئی تھی۔

لیکن' شاہ سکندر کی دھڑکنیں رکنے لگی تھیں۔

"میرا دل نہیں مانا کہ میں اس کے ساتھ منافقت کروں۔ اس کے سچے جذبوں کے ساتھ بے ایمانی کروں۔ گو کہ اپنے دل کی بستی سے میں نے وہ سارے پھول خود اپنے ہاتھوں سے نوچ ڈالے تھے جن کی آبیاری میں میری ساری محبتیں شامل تھیں' اور محبتیں تو فنا نہیں ہوتیں شاہ سکندر!

انسان فانی ہے' روح کو فنا نہیں اور جو روح میں بس جائے' اس کے لیے کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا پھر میں ایسی کوشش کیوں کرتی۔

کیا ہوا جو دل کی بستی اجڑ گئی۔

کیا ہوا جو قربتیں فاصلوں میں بدل گئیں۔

یہ سب تو وقت کی ادائیں ہیں۔

کبھی دے جاتا ہے۔

کبھی لے جاتا ہے۔

یہی زندگی ہے۔

اور زندگی کے ساتھ وقت خواہ کتنی آنکھ مچولی کھیل لے' روح کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔

اور میری روح میں جو محبت رچ بس گئی اسے نکال پھینکنے پر میں قادر ہی نہیں تھی۔ پھر کیسے میں کسی اور کا ہاتھ تھام لیتی۔ یہ تو سراسر بے ایمانی ہوتی۔ اس کے ساتھ خود اپنے ساتھ اور اس بے ایمانی پر میری محبت روتی' تڑپتی سسکتی۔ نہیں یہ مجھے منظور نہیں تھا۔"

شاہ سکندر اپنی جگہ' بالکل ساکت ہو گئے تھے۔ نظریں اس محبت و وفا کی دیوی پر جم کر رہ گئی تھیں اور سماعتوں میں صرف اس کی آواز تھی۔ جیسے کائنات میں بس ایک وہی سچ ہے' وہی حقیقت' باقی سب فریب۔

جانے ایک طویل خواب کے بعد اب بیداری کا وقت آیا تھا۔

یا۔

ساری عمر جاگتے جاگتے تھکی ہوئی آنکھوں میں اب نیند اتری تھی۔ کچھ بھی ہو' یہ لمحے خواب یا حقیقت' زندگی کا حاصل تھے ان کے سینے میں ہلکا ہلکا درد کروٹیں لینے لگا تھا۔

"اے وقت بس اب ٹھہر جا۔ اس سے آگے اب کچھ نہیں ہے۔

نہ کوئی آرزو نہ کوئی خواہش۔

نہ امنگ نہ ترنگ۔

نہ کوئی آرزو نہ کوئی خواہش

نہ رنگ نہ ترنگ

تو اب کس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلے گا

زندگی تو بس یہیں تک تھی

اس کے بعد روح کا سفر ہے اور تو روح کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔

کہہ دے اس بے درد دنیا سے کہ

روح سے روح کا ناتا جڑ گیا ہے اب اسے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ تو بھی نہیں' تو بھی نہیں۔

ان کے سینے میں درد بڑھتے بڑھتے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

"آس!" ساری توانائیاں صرف کر کے بھی ان کے ہونٹوں سے بہت مدھم آواز نکلی تھی۔ پھر بھی آسیہ نے فوراً سر اونچا کیا اور انہیں سینے پر ہاتھ رکھے جھکتے دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"سکندر! سکندر!" بے حد پریشان ہو کر وہ انہیں پکارنے لگی۔ اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ پھر بھی اس نے بہت ہمت کر کے انہیں گھسیٹ کر وہیں پتھریلی زمین پر لٹا دیا اور ان کے سینے پر دونوں ہاتھ جما کر زور زور سے دبانے کے ساتھ مدد کے لیے لوگوں کو پکارنے لگی۔

ادھر ادھر سے کافی لوگ جمع ہو گئے' کسی نے موبائل پر ایمبولینس بلا لی۔

اور ایمبولینس کے آنے تک وہ مسلسل اپنی کوشش میں مصروف رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

ایک ایک پل قیامت تھا۔ اس کی نظریں بند دروازے پر جمی ہوئی تھیں' جبکہ ذہن اور دل دونوں ہی کسی نامعلوم شکنجے میں جکڑ گئے تھے۔ جب ہی ہونٹوں پر کوئی دعا نہیں تھی۔ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ جب ڈاکٹر نے آکر اسے متوجہ کیا تب بھی وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا تو اس کا سر آپ ہی آپ نفی میں ہل گیا۔

"کسی کو بلا لیں۔" ڈاکٹر نے پھر کہا تو اس کا سہما ہوا دل مزید سہم گیا۔ بہت کوشش کر کے بولنا چاہا تو بس ایک ہی لفظ کہہ سکی۔

"ک..... کیوں؟"

"اس لیے کہ آپ پریشان ہو رہی ہیں۔ پلیز بیٹھ جائیں۔"

"م..... میں ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں وہ....." اس نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

"دعا کریں۔" ڈاکٹر اسی قدر کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"دعا۔" اس کے احساسات پر جیسے کوئی جھنجھوڑنے والی ضرب پڑی تھی' اور دل یکبارگی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"میرے اللہ۔ میرے اللہ۔" اس سے آگے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ یونہی اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اس نے پی سی او کا رخ کیا۔ پھر گھر کے نمبر ڈائل کرتے ہوئے سامنے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

دوسری طرف مسلسل بیل جا رہی تھی۔ کتنی دیر بعد ریسیور اٹھنے کے ساتھ ہی ڈھولک کی آواز نے اس کے اندر کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔ اس کے بعد غالباً" مدحیہ تھی۔

"ہیلو..... ہیلو....."

"میرے خدا۔" اس نے آہستہ سے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد علی جہانگیر کے نمبر ڈائل کیے تو ادھر زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند لمحوں بعد ہی اس کی آواز آئی تھی۔

"یس..... علی جہانگیر۔"

”علی!۔یہ میں ہوں‘ آسیہ۔“ وہ کسی طرح اپنی آواز کی لرزش پر قابو نہیں پاسکی تھی۔
”جی آنٹی! خیریت؟“ علی جہانگیر نے اس کی بدلی ہوئی آواز سے ٹھٹھک کر پوچھا۔
”خیریت نہیں ہے بیٹا! میں یہاں کارڈیو سے بول رہی ہوں۔ تم اگر آسکتے ہو تو فوراً آجاؤ۔“
”میں آرہا ہوں آنٹی! آپ پریشان نہیں ہوں اور پلیز یہ تو بتائیں کہ کون....“
”بس تم آجاؤ۔“ اس نے علی جہانگیر کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا اور فون رکھ دیا۔ پھر کوریڈور تک آتے آتے اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔
”میرے اللہ۔ میری بچیوں کو اب ان کا باپ ملا ہے۔ ان کے سروں پر یہ سائبان سلامت رکھنا۔“ اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے پھر ان ہی ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا کیونکہ آنسو روانی سے چھلک گئے تھے اور اس تیزی سے اس کے ہونٹ حرکت کرنے لگے تھے۔ ساری دعائیں اس شخص کے لیے تھیں جو اس کا کچھ نہیں تھا اور بہت کچھ تھا۔
تقریباً پندرہ منٹ بعد علی جہانگیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پکارا تھا۔
”آنٹی!“
اس نے چونک کر ہاتھ نیچے گرائے تو اس کی آنسوؤں سے بھری ہتھیلیاں دیکھ کر علی جہانگیر مزید پریشان ہو گیا۔
”آنٹی پلیز! بتائیں کیا ہوا ہے۔ صباحت اور مدحیہ۔“
وہ زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔
”پھر کون ہے یہاں؟“ وہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور اس کی آنسوؤں سے بھری ہتھیلیوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ رک کر بولی۔
”شاہ سکندر۔“
”سکندر چچا۔ کیا ہوا ہے انہیں؟“ علی جہانگیر ضبط کرنے کی کوشش میں اس کے ہاتھوں کو زور سے دبا گیا تھا۔
”ہارٹ۔“ وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی۔
”اوہ گاڈ!“ علی جہانگیر کے ذہن میں کتنے سوال ابھرے۔ کب‘ کہاں‘ کیسے لیکن اس کی حالت کے پیش نظر اس نے مزید کچھ نہیں پوچھا اور تسلی دیتے ہوئے بولا۔
”سب ٹھیک ہو گا آنٹی! آپ پلیز خود پر قابو رکھیں‘ میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔“
”سنو! میرے گھر فون کر کے نبیل سے کہنا یہاں آجائے۔ خیال رکھنا مدحو اور صبا کو ابھی معلوم نہیں ہونا چاہیے۔“
”جی بہتر۔“ وہ تسلی کے انداز میں اس کے ہاتھ تھپک کر پہلے کاؤنٹر پر آیا اور وہاں موجود نرس سے ڈاکٹر کا معلوم کر کے فوراً اس طرف چل پڑا۔
راہداری میں تیسرے دروازے پر ڈاکٹر اکرام اللہ کے نام کی تختی دیکھ کر اس نے اس دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور کم ان کی آواز پر اندر داخل ہو کر بولا۔
”السلام علیکم سر!“
”وعلیکم السلام۔“ جواب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تو وہ جیب سے اپنا کارڈ نکال کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔
”مسٹر شاہ سکندر حیات میرے چچا ہیں۔“
”اوہ۔“ ڈاکٹر نے ہونٹ سکیڑ کر اس کے کارڈ پر نظر ڈالی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگے۔
”بہت سیریس کنڈیشن ہے ان کی۔ اگلے چوبیس گھنٹوں تک میں کچھ نہیں کہہ سکتا سوائے اس کے کہ دعا کریں۔“ اس بات کے جواب میں وہ کیا کہتا۔ چپ چاپ انہیں دیکھے گیا۔

”ہم اپنی سی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ آگے زندگی موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ دعا کریں ان کی زندگی کی۔“
”آمین!“ اس نے چیئر پر ہاتھ جما کر گویا خود کو سہارا دیا پھر ٹیلی فون کی طرف دیکھا تو ڈاکٹر اکرام اللہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرنے کے ساتھ ٹیلی فون سیٹ اس کی طرف کھسکا دیا۔
”تھینک یو۔“ اس نے بیٹھتے ہی آسیہ کے گھر کے نمبر ڈائل کیے اور اس کے ساتھ ہی وہی ہوا۔ ریسیور اٹھتے ہی ڈھولک کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو ایک لحظہ کو وہ چکرا گیا کہ جہاں خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں وہاں وہ یہ خبر کیسے دے۔
”ہیلو‘ ہیلو۔“ اس بار ادھر سے نبیل بول رہے تھے۔
”السلام علیکم نبیل بھائی! میں علی جہانگیر۔“ وہ بہت سنبھل کر بولا۔
”خیریت‘ علی! اس وقت کیسے فون کیا؟“ رات کے دو بجے نبیل کی تشویش فطری تھی۔
”بس نبیل بھائی خیریت ہے بھی اور نہیں بھی۔ آپ ابھی کسی سے نہیں کہیں اور فوراً کارڈیو آجائیں۔ سکندر چچا کو سیریس اٹیک ہوا ہے۔ آنٹی آسیہ بھی یہیں ہیں۔“
اس نے ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ کر ان کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ پھر شاہ پور کے نمبر ڈائل کرنے لگا‘ کیونکہ ڈاکٹر اکرام اللہ نے اسے کوئی امید نہیں دلائی تھی اس لیے اس نے بابا جان کو اطلاع کرنا ضروری سمجھا تھا۔
”ہیلو!“ کتنی دیر بعد بابا جان کی نیند میں ڈوبی آواز آئی تھی۔
”السلام علیکم بابا جان! میں علی بات کر رہا ہوں۔“
”علی!“ بابا جان کو غالباً بیدار ہونے میں کچھ وقت لگا۔ ”ہاں علی! کیا بات ہے؟“
”وہ بابا جان....“ وہ اسی قدر کہہ سکا۔
”ہاں کہو‘ ہم سن رہے ہیں۔ کیا پھر تمہاری شادی میں کوئی....“
”میری شادی کو گولی ماریں بابا جان! بس آپ فوراً یہاں آجائیں‘ سکندر چچا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ ان کی بات کاٹ کر بولا۔
”سک.... کیا ہوا ہے اسے؟“ بابا جان اب ٹھٹھکے تھے۔
”آپ آکر دیکھ لیں۔“ وہ ہارٹ اٹیک کا بتانا نہیں چاہتا تھا۔
”پہلے ڈاکٹر کو تو دکھاؤ۔“ بابا جان دھاڑے تھے۔
”ڈاکٹر ہی کے پاس ہیں‘ کارڈیو میں۔ آپ کو آنے میں تین گھنٹے لگیں گے بابا جان۔“ اس نے وقت کی نزاکت کا احساس دلایا۔
”ہاں‘ ہاں ہمیں معلوم ہے۔ ہم بس ابھی آرہے ہیں۔ تم سکندر کے پاس رہو۔“
”ان ہی کے پاس ہوں۔“ اس نے کہہ کر فون رکھ دیا پھر ڈاکٹر کا شکریہ ادا کر کے ان کے کمرے سے نکلا تو راہداری ہی میں نبیل مل گئے۔
”کیسے ہیں انکل سکندر؟“ نبیل نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تو وہ بس ذرا سے کندھے اچکا کر رہ گیا۔
”ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں؟“
”دعا کریں‘ چوبیس گھنٹے خیریت سے گزر جائیں۔“
”اتنی سیریس کنڈیشن ہے؟“
”ہوں۔“ اس نے ہوں کی صورت گہری سانس خارج کی پھر انہیں لے کر آسیہ کے پاس آگیا۔
آسیہ نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھ کر دوبارہ سر جھکا لیا تھا۔

”پھوپھو!“ نبیل نے اس کے پاس بیٹھ کر اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔ ”آپ بہت بہادر ہیں پھو
آپ کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔ اللہ چاہے گا انکل بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔“

آسیہ کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو پھر قطرہ قطرہ اس کے ہاتھوں پر ٹپکنے لگے۔

”رو میں نہیں پھوپھو پلیز۔“ نبیل نے اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کیے۔

”مدحہ اور صبا اپنے باپ سے مل کر کتنی خوش تھیں۔“ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”ان کی یہ خوشی قائم رہے گی انشاءاللہ۔“ نبیل نے فوراً کہا تو وہ دل میں آمین کہہ کر پوچھنے لگی۔

”تم نے انہیں بتایا تو نہیں؟“

”نہیں البتہ خلیل چچا سے کہہ آیا ہوں۔“ نبیل اسے جواب دے کر علی جہانگیر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”علی! بیٹھ جاؤ یار‘ تھک جاؤ گے۔“

”آنٹی تھک گئی ہیں۔ میرا خیال ہے آپ انہیں گھر لے جائیں۔“ علی جہانگیر نے رک کر کہا تو نبیل نے آ
کو یوں دیکھا جیسے چل رہی ہیں۔

”نہیں بیٹا! جب تک ڈاکٹر اطمینان نہیں دلاتے میں نہیں جا سکتی۔“ آسیہ کا جواب سن کر علی جہانگیر نے م
کچھ نہیں کہا اور اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر ٹہلتا ہوا آگے چلا گیا۔

پھر جس طرح وہ بار بار گھڑی دیکھنے کے ساتھ ریلنگ سے نیچے جھانک رہا تھا اس سے نبیل سمجھ گئے کہ اسے ک
کا انتظار ہے اور ان کا ذہن شاہ جہانگیر کی طرف گیا تھا۔ اس لیے وہ بھی لاشعوری طور پر ان ہی کا انتظار کرنے لگے
آسیہ جتنی قرآنی آیات یاد تھیں ان کا ورد کرنے میں لگ گئی تھی۔

پھر فجر کی اذانوں کے ساتھ ہی بابا جان کی آمد ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ شاہ جہانگیر تھے۔

نبیل نے دور ہی سے شاہ جہانگیر کو دیکھ لیا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھنا چاہتے تھے کہ ان ک
ساتھ بابا جان کو دیکھ کر وہ قدرے خائف سے ہو گئے اور دوبارہ بیٹھ کر آسیہ کو متوجہ کرتے ہوئے بولے۔

”پھوپھو! شاہ پور سے لوگ آ رہے ہیں۔“

آسیہ نے چونک کر سر اونچا کیا تو اس کی پہلی نظر ہی بابا جان پر پڑی تھی۔ گو کہ اس سے پہلے اس نے انہیں نہیں
دیکھا تھا پھر بھی وہ انہیں پہچان سکتی تھی۔ اونچا شملہ سر پر سجائے اس وقت وہ بہت کمزور لگ رہے تھے۔ ان
چال بھی بہت دھیمی تھی۔ اس نے بہت خاموشی سے انہیں اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا پھر سرگوشی میں
نبیل سے بولی۔

”گھر چلو نبیل! اذان ہو رہی ہے۔ نماز گھر میں پڑھوں گی۔“

♥ ♡ ♡ ♥

بابا جان نے بہت چاہا کہ وہ ایک نظر ہی شاہ سکندر کو دیکھ لیں لیکن ڈاکٹر نے اجازت نہیں دی۔ تب وہ بہت
مایوس ہو کر اس جگہ آ بیٹھے تھے جہاں کچھ دیر پہلے آسیہ بیٹھی تھی اور وہ تو نہیں البتہ شاہ جہانگیر آسیہ کو دیکھ چکے تھے
اس لیے بابا جان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے انہوں نے اشارے سے علی سے پوچھا کہ آسیہ کہاں گئی۔ جواب میں اس
نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

”کون لایا تھا سکندر کو یہاں؟“ بابا جان نے علی کو دیکھ کر پوچھا تو وہ بہت سنبھل کر بولا۔

”پتا نہیں بابا جان۔“

”تمہیں کیسے خبر ہوئی تھی؟“

”میرے پاس فون آیا تھا۔ رات ایک بجے کے قریب کہ شاہ سکندر کو اٹیک ہوا ہے اور وہ کارڈیو میں ہیں۔ بس
اتنا سن کر ہی میں بھاگا چلا آیا۔ پھر ڈاکٹر سے ان کی کنڈیشن معلوم کرنے کے بعد میں نے آپ کو فون کیا تھا۔“ و
پورے دھیان سے بابا جان کی طرف متوجہ تھا تاکہ ان کی ہر بات کا جواب دے سکے۔

اس کے گھر میں خبر ہے‘ مہرالنساء اور بچوں کو؟“ بابا جان نے سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا۔
میرا خیال ہے کہ نہیں۔ اگر ہوتی تو مہرالنساء چچی یہاں موجود ہوتیں۔“
ہوں۔“ بابا جان ہنکارا بھر کر خاموش ہو گئے پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگے۔
ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟“
ی جہانگیر نے کوئی جھوٹی آس دلانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔
جاؤ معلوم کرو ڈاکٹر سے۔ اگر اس کے بس میں نہیں ہے تو ہم باہر لے جاتے ہیں سکندر کو۔ جاؤ جہانگیر تم بات
“ بابا جان کو علی کی خاموشی بری طرح کھٹکی تھی۔
صبر سے بابا جان! صبر سے۔ ایسی حالت میں ہم سکندر کو کہیں نہیں لے جا سکتے۔ ویسے اس طرف سے آپ
ن رکھیں۔ یہاں بہت قابل ڈاکٹر موجود ہیں۔“ شاہ جہانگیر نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔
یہ قابل ڈاکٹر ہمیں دیکھنے کیوں نہیں دے رہے۔“ بابا جان ٹوٹ رہے تھے۔ ”ایک نظر ہمیں ہمارے بچے کو
‘ بہت ناراض ہو کر آیا تھا وہ ہم سے۔ ہمیں اسے منا لینے دو۔“
ابا جان! بابا جان پلیز۔“ علی جہانگیر نے انہیں کندھوں سے تھام لیا۔ ”حوصلے سے کام لیں‘ چچا جان ٹھیک
یں گے۔“
ٹھیک ہونا ہے اسے۔ اس کی بیٹی کی شادی سر پر کھڑی ہے۔ جاؤ‘ بتاؤ اسے ہم آئے ہیں۔ اس کی بیٹی کو
ت کرانے۔“ بابا جان یکدم لاچار بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔
ی جہانگیر کے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا تو آہستہ سے ان کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا کر دھیرے دھیرے کھسکتا
ہداری میں نکل آیا۔ لیکن اس کا دھیان ابھی بھی بابا جان کی طرف تھا۔ بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے
اب تقدیر کے سامنے کس قدر بے بس ہو گئے تھے۔ سب آن بان شان دھری رہ گئی تھی۔
ر انسان سمجھتا کیوں نہیں
تقدیر کے آگے کوئی تدبیر نہیں چلتی
ر کو خدا سمجھنے والے بھول جاتے ہیں کہ ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے۔
ر خدا تو بڑا بے نیاز ہے اور اسی قدر باخبر۔
ں سے کچھ پوشیدہ نہیں
سب دیکھتا ہے سب جانتا ہے۔
انسان کس زعم میں ہے۔ سمجھتا ہی نہیں لیکن کب تک وہ ایک حد تک ہی رسی دراز کرتا ہے۔
۔ اس کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ چاہے تو اولین لمحوں میں ہی گرفت کرے‘ لیکن وہ بندوں کو موقع دیتا
ر

ی کی شان ہے
ں شان والے سے کون لڑ سکا ہے
ہیں
کے سامنے سب بے بس ہیں۔
ان لیتا ہے اور کوئی نہیں مانتا اور جو نہیں مانتا اس سے وہ یوں منواتا ہے۔
ں ہی سوچتا ہوا باہر نکل کر آیا تو اس کا دل چاہا یہاں سے کہیں بہت دور چلا جائے جہاں نہ کوئی بے بس ہو نہ
بااختیار۔ سب کے دکھ سکھ ایک جیسے ہوں۔ شاید بابا جان کی بے بسی پر اسے رحم آنے لگا تھا۔ اس لیے وہ
ے نہیں سکا اور گھر چلا آیا۔
ر بیگم اس کے بارے میں کرم دین سے سوال جواب کر رہی تھیں۔ اسے دیکھا تو اس پر ناراض ہونے
۔

''یہ رات میں کون سی ڈیوٹی ہوتی ہے تمہاری اور مجھے بتا کر نہیں جا سکتے تھے۔''

''آپ سو رہی تھیں۔'' وہ تھکا تھکا سا صوفے پر ڈھے گیا۔

''اب تو جاگ رہی ہوں۔ اب بتاؤ' کہاں سے آ رہے ہو؟'' عارفہ بیگم اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔

''کرم دین! ایک تھرماس چائے اور ناشتے کا ٹفن تیار کرو' جلدی۔'' اس نے پہلے کرم دین کو مخاطب کر کے کہا پھر عارفہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولا۔

''میں رات ہاسپٹل میں تھا' سکندر چچا کے پاس۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ہائیں۔ اسے کیا ہوا؟'' عارفہ بیگم پریشان ہو گئیں۔ ''بتاؤ ناں کیا زیادہ طبیعت خراب ہے؟''

''بس امی' دعا کریں۔ شاہ پور سے بابا جان بھی آ گئے ہیں۔ وہیں ہاسپٹل میں ہیں ابا کے ساتھ۔ میں نے رات انہیں فون کر کے بلایا تھا۔ البتہ سکندر چچا کے گھر میں ابھی کسی کو پتا نہیں ہے۔ آپ ایسا کریں ڈرائیور کے ساتھ مہرالنساء چچی کے پاس چلی جائیں لیکن انہیں کچھ بتائیے گا نہیں' جب تک میں فون کر کے آپ کو چچا جان کی خیریت سے آگاہ نہ کر دوں۔'' وہ جیسے سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو علی!'' عارفہ بیگم کا دل ہولنے لگا تھا۔

''افوہ آپ تو..... بس آپ کہیں نہیں جا رہیں' یہیں بیٹھی رہیں۔'' وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کرم دین سے کہیں جلدی کرے میں دو منٹ میں شاور لے کر آتا ہوں۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' عارفہ بیگم نے کہا' لیکن وہ ان سنی کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا کیونکہ یہ بحث کا وقت نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے سے ہی کرم دین کو پکارتا ہوا نکلا تو آگے عارفہ بیگم تھرماس اور ٹفن لیے کھڑی تھیں۔ اس نے بڑی مشکل سے انہیں اپنے ساتھ جانے سے روکا اور ان کے ہاتھ سے دونوں چیزیں لے کر جلدی سے باہر نکل آیا۔

شاہ جہانگیر راہداری میں ٹہل رہے تھے اور بابا جان پتا نہیں کہاں تھے۔ وہ ان کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہوا شاہ جہانگیر کو پکار کر پوچھنے لگا۔

''ابا! بابا جان کہاں ہیں؟''

''ڈاکٹر کے کمرے میں۔ تم نے ناحق انہیں بلا لیا۔ بہت پریشان ہو رہے ہیں۔'' شاہ جہانگیر نے جواب دینے کے ساتھ کہا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

''پریشانی کی بات تو ہے۔ چلیں آپ بھی ادھر ہی چلیں' میں آپ کے لیے ناشتا لایا ہوں۔ کسی طرح بابا جان کو بھی کچھ کھلا پلا دیں۔''

''تم کوشش کر دیکھو' مجھے تو منع کر چکے ہیں۔'' شاہ جہانگیر نے کہا اور اس کے ساتھ ڈاکٹر کے کمرے میں آئے تو آگے بابا جان بڑی عاجزی سے شاہ سکندر کو ایک نظر دیکھنے پر اصرار کر رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب ان کے مسلسل اصرار سے تنگ ہو رہے تھے جب ہی شاہ جہانگیر کو دیکھتے ہی کہنے لگے۔

''پلیز! آپ انہیں گھر لے جائیں۔ جب مریض کو ہوش آئے گا تب میں خود انہیں کال کر لوں گا۔''

شاہ جہانگیر نے یوں سر ہلایا جیسے یہ نہیں جائیں گے پھر آگے بڑھ کر بابا جان کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''بابا جان! دیکھیں علی آپ کے لیے گھر سے ناشتا لایا ہے۔''

''پہلے ہم سکندر کو دیکھیں گے۔'' بابا جان کی اپنی ضد تھی۔

''اوکے! میں ڈاکٹر صدیقی سے پوچھتا ہوں۔ اگر وہ اجازت دیں گے تو۔'' ڈاکٹر اکرام اللہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔ ''چلو' ہمیں لے چلو ڈاکٹر صدیقی کے پاس۔'' بابا جان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

♥ ♡ ♡ ♥

آسیہ کی رات تو کارڈیو ہی میں آنکھوں میں کٹی تھی پھر گھر آ کر فجر کی نماز کے بعد وہیں جانماز پر کچھ دیر کو اس کی لہ لگ گئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک وہ جلے پیر کی بلی کی مانند سارے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ کبھی اپنے رے میں بند ہو کر جانماز بچھا کر بیٹھ جاتی اور کبھی بھاگ کر فون کا ریسیور اٹھاتی۔

نبیل کے کہنے پر میمونہ بھابھی نے مدحیہ اور صباحت کو نیچے بلا کر کسی کام میں مصروف کر دیا تھا۔ اس لیے وہ ں بالکل بے خبر تھیں ورنہ آسیہ کی حالت سے اگر وہ اصل بات تک نہ پہنچتیں تب بھی متوحش ضرور ہوتیں۔ پھر جاننے کی کوشش بھی کرتیں اور نبیل کے لیے ان کے بے تکے سوالوں کے جواب دینا بہت مشکل تھا کیونکہ کا اپنا ذہن بری طرح متاثر ہوا تھا۔ خاص کر آسیہ کی پریشانی ان سے دیکھی نہیں جا رہی تھی اور مشکل یہ تھی کہ سے تسلی بھی نہیں دے پا رہے تھے نہ کچھ کھانے پر مجبور کر سکے۔

دوپہر میں میمونہ بھابھی اوپر آئیں تو انہوں نے زبردستی آسیہ کو تھوڑا کھانا کھلایا

''کوئی فون نہیں آیا۔ پتا نہیں سکندر کیسے ہیں؟ انہیں ہوش آیا کہ نہیں۔''

''آ جائے گا ہوش اور وہ ٹھیک بھی ہو جائیں گے۔'' میمونہ بھابھی اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگیں۔ ''تم پہلے ے آپ کو تو سنبھالو اگر مدحو اور صبا نے تمہیں اس حالت میں دیکھ لیا تو۔''

''آپ نے انہیں بتایا تو نہیں؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''ابھی تک تو نہیں بتایا لیکن اب بتانے جا رہی ہوں' کیونکہ کسی بھی وقت ان کا ہاسپٹل سے بلاوا آ سکتا ہے۔'' نہ بھابھی نے کہا تو اس نے چونک کر پوچھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ان کے دادا کہہ سکتے ہیں کہ بچیوں کو باپ کے پاس ہونا چاہئے اور ایسی حالت میں ہم منع بھی کر سکتے' یا تم منع کرو گی؟'' میمونہ بھابھی نے وضاحت کر کے پوچھا تو وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم پہلے سے انہیں تیار کر لیں۔ میں ابھی انہیں بلا کر بتاتی ہوں کہ.....'' دروازہ کھلنے واز سے میمونہ بھابھی بات ادھوری چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو گئیں تب ہی نبیل اندر آئے اور کارڈلیس آسیہ کی ف بڑھاتے ہوئے بولے۔

''پھوپھو! شاہ جہانگیر آپ سے بات کریں گے۔''

آسیہ نے جھپٹنے کے انداز میں کارڈلیس لے کر کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو!''

''السلام علیکم ڈاکٹر صاحبہ! کیسی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ سکندر کا بتائیں انہیں ہوش آیا؟'' وہ کسی طرح اپنی بے تابی چھپا نہیں سکی۔

''آپ کو بلانے کے لیے اس کا ہوش میں آنا شرط تو نہیں ہے۔ آئی مین وہ بے ہوشی میں بھی آپ ہی کو پکار رہا ہے۔'' شاہ جہانگیر نے کہا تو وہ کچھ بوکھلا کر میمونہ بھابھی کو دیکھنے لگی تھی۔

''ہیلو ڈاکٹر صاحبہ!'' ادھر سے شاہ جہانگیر نے پکارا تب وہ سنبھل کر بولی۔

''جی فرمائیے!''

''آپ آ جائیں پلیز' اپنے مریض کے پاس۔'' شاہ جہانگیر نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''میں.....!'' وہ کہنے جا رہی تھی کہ میں آ رہی ہوں' لیکن اچانک بابا جان کا خیال آنے پر ہونٹ بھینچ گئی جبکہ بن منتظر تھیں اور اس بار اس کی سماعتوں سے جو آواز ٹکرائی وہ شاہ جہانگیر کی نہیں تھی۔

''ہمارے سکندر کی ہر سانس تمہیں پکار رہی ہے۔ آس تم ہی ہو ناں۔''

''کون؟'' وہ بوڑھی کمزور آواز اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں الجھ گئی۔

"ہم شاہ حیات محمد۔" بابا جان جو ہمیشہ اپنا نام بتاتے ہوئے فخر سے گردن اکڑایا کرتے تھے اس وقت ان کا مجرمانہ سا انداز تھا۔

آسیہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہے، کیا کرے۔ خود کو بے بس ہی محسوس کر رہی تھی، بڑی مشکل سے خود کو سہارا دے کر بولی۔

"جی شاہ صاحب! کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"

"ہم کیا چاہیں گے، وہ جو چاہنے والا ہے وہ تمہیں پکار رہا ہے۔ اس کی پکار پر آؤ گی یا ہم فریاد کریں؟"

"جی نہیں آپ کو فریاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آ رہی ہوں۔" اس نے جلدی سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور کارڈلیس ایک طرف رکھ کر آنکھوں میں اتر آنے والی نمی انگلیوں سے صاف کرنے لگی۔

"کیا کہہ رہے تھے جہانگیر۔ ہوش آ گیا سکندر کو؟" میمونہ بھابھی نے اس کی کلائی تھام کر پوچھا۔

"پتا نہیں بھابھی! کچھ بتایا نہیں انہوں نے۔ میں..... میں جا رہی ہوں، نبیل، مدحو اور صبا کو بلاؤ انہیں بھی لے چلیں گے۔" وہ میمونہ بھابھی سے نظریں چرا کر بولتی ہوئی بیڈ سے اتر گئی۔

"انہیں کیوں لے جاؤ گی؟" میمونہ بھابھی نے ٹوکا۔

آسیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نبیل کو اشارہ کر کے ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جب وہ نبیل کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو صباحت اور مدحیہ نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"کیا ہوا ہے پاپا کو؟"

"کہاں ہیں وہ اس وقت؟"

"آپ کو کس نے بتایا؟"

"تم دونوں اگر اس طرح کرو گی تو یہیں اتار دوں گا۔" نبیل کی تنبیہہ پر دونوں ایک دم خاموش ہو گئیں تو قدرے توقف سے آسیہ گردن پیچھے موڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"بیٹا! صبر اور حوصلے سے کام لو۔ تمہارے پاپا کارڈیو میں ہیں اور وہاں ان کے پاس تمہارے دادا اور چچا بھی آئے ہوئے ہیں، انہوں نے ہی ہمیں بلایا ہے۔"

"دادا! یعنی بابا جان؟" صباحت نے خفیف نظروں سے مدحیہ کو دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر آسیہ سے پوچھنے لگی۔

"مما، پاپا کو اٹیک ہوا ہے؟"

"ہاں۔" آسیہ نے اختصار سے کام لے کر اپنا رخ سیدھا کر لیا اور کچھ دیر آگے بھاگتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھتی رہی پھر بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن کے پردوں پر کچھ جانے، کچھ انجانے نقوش ابھرنے لگے۔

"بیٹا! اس وقت تمہیں صرف اپنے پاپا کا خیال کرنا ہے، انڈر اسٹینڈ۔"

"جی مما!" مدحیہ اثبات میں سر ہلا کر سامنے دیکھنے لگی۔

بابا جان شاہ جہانگیر کے کندھے پر ہاتھ رکھے بہت سست روی سے اسی طرف آ رہے تھے۔

"مما وہ..... بابا جان آ رہے ہیں۔" مدحیہ نے دھیمی آواز میں آسیہ کو متوجہ کر کے کہا۔

"ہاں، جاؤ ملو ان سے۔ صبا کو بھی لے جاؤ۔" وہ ان دونوں کو بھیج کر نبیل کو بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی دیر سے پلٹ کر ڈاکٹر اکرام اللہ کے کمرے میں آ گئی۔

"اسلام علیکم ڈاکٹر صاحب! میں ڈاکٹر آسیہ صلاح الدین۔"

"جی، جی۔ میں نے کل رات ہی آپ کو پہچان لیا تھا۔ آپ ڈاکٹر عبدالوہاب کے ہاسپٹل میں ہوتی ہیں۔"

"آپ کی یادداشت کی داد دینی پڑے گی ڈاکٹر صاحب! کیونکہ یہ بہت پرانی بات ہے تقریباً پندرہ سال پرانی۔" اس نے کہا تو ڈاکٹر اکرام اللہ حیرت سے بولے۔

"واقعی۔"

"جی۔"

"اور اب آپ کہاں ہوتی ہیں؟"

"اپنے کلینک میں اور اس وقت میں اپنے عزیز شاہ سکندر حیات کو دیکھنے آئی ہوں۔" اس نے رسمی گفتگو مختصر کر کے اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیا۔

"ہاں۔ رات آپ شاہ سکندر کے ساتھ آئی تھیں۔ وہ آپ کے عزیز ہیں؟"

"جی۔ اب کیسے ہیں وہ؟"

"بہتر تو نہیں کہہ سکتا بہرحال خطرے سے باہر ہیں۔" ڈاکٹر اکرام اللہ اٹھتے ہوئے بولے۔

"تھینک گاڈ۔" وہ ان کے ساتھ باہر آئی اور پھر آئی سی یو کی طرف جاتے ہوئے اس نے قصداً اس طرف نہیں دیکھا جہاں بابا جان اس کی بیٹیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، جبکہ ان کی نظریں اسی پر تھیں اور وہ محسوس بھی کر رہی تھی پھر بھی انہیں دیکھے بغیر نکل آئی۔

شاہ سکندر کے چہرے پر آکسیجن ماسک فٹ تھا۔ سانسوں کے ساتھ ان کی بند پلکیں بہت دھیرے دھیرے حرکت کر رہی تھیں۔

وہ ان کے پیروں کے پاس رک گئی اور ایک ٹک انہیں دیکھتے ہوئے بالکل غیر ارادی طور پر اس نے اپنا ہاتھ ان کے پاؤں پر رکھ کر ہلکے سے دبایا تھا کہ ان کی سانسوں میں بسی اس کے نام کی مہک نے سارے میں ہلچل مچا دی۔

"آس۔ آس۔"

اس کے احساسات پر نرم نرم پھوار پڑنے لگی تھی۔

انسان فانی ہے روح کو فنا نہیں اور جو روح میں بس جائے اس کے لیے کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا۔

زندگی کے ساتھ وقت خواہ کتنی آنکھ مچولی کھیل لے، روح کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔

یہی کہا تھا ناں میں نے۔ یہی سچ ہے اب وقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم اس کی آنکھ مچولی سے بہت آگے نکل آئے ہیں جہاں دنیاوی بندھن کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

اے میری روح کے امین۔ اس نے ایک بار پھر ان کا پاؤں دبایا تھا۔

شاہ سکندر کی آنکھیں ذرا سی کھلیں اور پھر نظریں اس وفا کی دیوی پر جم گئیں۔

کتنے لمحے سرک گئے۔ درمیان میں کوئی پردہ حائل نہیں تھا۔ جانے کون سی دنیا کے در وا ہو رہے تھے۔

"آس!" اس بار شاہ سکندر کی آواز واضح تھی۔

وہ چونکنے کے ساتھ جیسے ہوش میں آ گئی۔ تب ہی اپنے سر پر ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔

"کون؟" اس نے ذرا سی گردن موڑی اور اپنے ساتھ بابا جان کو کھڑے دیکھ کر سن سی ہو گئی۔

بابا جان نے آہستہ سے اس کا سر تھپکا پھر شاہ سکندر کو آنکھیں بند کرتے دیکھ کر عاجزی سے بولے تھے۔

"ہم سے روٹھو مت سکندر! ہم تمہاری خوشی پوری کرنے آئے ہیں۔ تمہاری بیٹی کو بہت شان سے رخصت کرا کے لے جائیں گے۔ سن رہے ہو ناں۔" شاہ سکندر سب سن رہے تھے لیکن انہوں نے آنکھیں نہیں کھولیں، کیونکہ بند پلکوں کے اندر آنے والے دنوں کا بڑا حسین تصور تھا جس کی دلکشی ان کے چہرے کا احاطہ کر رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"نبیل بھائی! آپ کو مما بلا رہی ہیں۔" صباحت نے نبیل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"کہاں ہیں پھپھو۔" نبیل اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اپنے کمرے میں۔"

"چلو۔"

"مجھے نہیں آپ کو بلایا ہے' آپ جائیں۔" وہ کتابوں کے ریک کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"اچھا دیکھو ابھی یہاں سے کوئی کتاب مت اٹھانا۔" نبیل اسے تنبیہہ کرتے ہوئے اپنے کمرے سے نکل کر آسیہ کے کمرے میں آ گئے۔

"جی پھپھو۔"

آسیہ جانے کس خیال میں تھی چونک کر انہیں دیکھا پھر اپنے برابر اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"آؤ بیٹا بیٹھو۔ کوئی ضروری کام تو نہیں کر رہے تھے؟"

"نہیں پھوپھو۔" نبیل بیٹھ گئے۔ "آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں۔"

"کام تو نہیں ہے البتہ ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی۔" نبیل پوری طرح متوجہ ہو گئے تو کچھ دیر رک کر وہ کہنے لگی۔

"یہ اس روز کی بات ہے جس دن شاہ سکندر کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اس وقت وہ میرے پاس آئے تھے۔ مدحیہ کا پرپوزل لے کر' شاہ تیمور غالباً" ان کا بھتیجا ہے لیکن میں نے انہیں منع کر دیا تھا کیونکہ میں جانتی تھی کہ تم مدحیہ کو پسند کرتے ہو۔"

نبیل کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ نے چھب دکھلائی تھی جس سے آسیہ مطمئن ہو کر بولی۔

"تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے بیٹا اور نہ ہی تم اسے میری خواہش سمجھ کر پوری کرنے کی سوچنا۔ تم صرف اپنا سوچو۔"

"آپ نے مدحیہ سے پوچھا ہے' وہ کیا چاہتی ہے۔" نبیل نے اس کی یہ بات اَن سنی کرتے ہوئے پوچھا تو وہ بے اختیار بولی تھی۔

"وہ تمہیں چاہتی ہے۔" پھر فوراً ہی احساس بھی ہو گیا تو بات بناتے ہوئے بولی۔ "میرا مطلب ہے میں نے اس سے نہیں پوچھا اور نہ پوچھوں گی کیونکہ وہ اپنے بارے میں بہتر فیصلہ نہیں کر سکتی ہے' مجھے یقین ہے کہ وہ میرے فیصلے سے اختلاف کبھی نہیں کرے گی۔"

"پھر بھی پھوپھو! آپ اس سے پوچھ لیں۔" نبیل نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"یہ کام تم خود کر لو۔ اس کے بعد خود تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔" آسیہ نے بڑے آرام سے خود کو بری

"فیصلہ تو ہو چکا۔" نبیل نے سوچا پھر آسیہ کی اجازت لے کر اپنے کمرے میں آئے تو صباحت کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگے۔

"کیا ہوا ہے نبیل بھائی؟" صباحت واقعی ڈر گئی۔

"پھوپھو کو تم نے بتایا ہے؟" انہوں نے ایسے ہی خونخوار لہجے میں پوچھا۔

"ک۔۔۔ کیا؟"

"کہ میں مدحو کو پسند کرتا ہوں۔"

"نہیں' ایمان سے میں نے نہیں۔" وہ اپنی صفائی میں بولتی ہوئی ایک دم خاموش ہو کر ان کی بات پر غور کرنے لگی پھر چیخ پڑی۔

"ہائے نبیل بھائی! مما کو پتا چل گیا۔ سچ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ اب آپ اور وہ مدحو بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ بہت ایک دوسرے سے چھپا لیا آپ دونوں نے لیکن مما دی گریٹ۔"

"شٹ اپ!" نبیل نے اسے خاموش کرانے کی کوشش کی۔

"کوئی شٹ اپ وٹ اپ نہیں۔" وہ انہیں چڑاتی ہوئی بھاگ گئی۔

"نبیل بھائی۔" صباحت پھر دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

"مما کہہ رہی ہیں مجھے ہاسپٹل لے جائیں بابا کے پاس۔"

"کیوں' وہاں مدحو ہے تو۔"

"مدحو ہے تو کیا مطلب۔ مجھے نہیں جانا چاہئے اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے' مجھے بابا جان نے بلایا ہے ابھی مما کے پاس ان کا فون آیا تھا۔" وہ تفصیل بتانے کھڑی ہو گئی۔

"اچھا چلو تم' میں آ رہا ہوں۔" وہ اسے ٹوک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

کچھ دیر بعد جب وہ صباحت کے ساتھ شاہ سکندر کے پاس پہنچے تو انہیں کمرے میں مدحیہ نظر نہیں آئی جبکہ تمام راستے وہ اس کے بارے میں سوچتے آئے تھے۔ تب ہی کچھ بے چین سے ہو گئے اور شاہ سکندر سے مصافحہ کرتے ہوئے بے اختیار ان سے پوچھ لیا۔

"مدحیہ کہاں ہے؟"

"مدحیہ ابھی تو یہیں تھی۔" شاہ سکندر نے بابا جان کو دیکھا۔

"کون مدحیہ' وہ مہرالنساء کے ساتھ نیچے اسٹور تک گئی ہے ابھی آتی ہو گی' تم بیٹھو برخوردار۔" بابا جان نے ان کے لیے اپنے برابر جگہ بنائی تو بیٹھتے ہوئے ان کی نظر صباحت پر پڑی جو انہیں دیکھ کر شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"نان سینس" وہ اسے گھور کر فوراً" شاہ سکندر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے انکل آپ کی؟"

"پہلے سے بہتر ہے۔" شاہ سکندر نے مسکرا کر کہا تب ہی مدحیہ آ گئی اس کے پیچھے مہرالنساء تھی جسے دیکھ کر نبیل اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر بولے۔

"اسلام علیکم۔"

مہرالنساء جواب دینے کے بجائے شاہ سکندر کو دیکھنے لگی تو ان سے پہلے صباحت بول پڑی۔

"یہ نبیل بھائی ہیں آنٹی! ہمارے سب سے بڑے ماموں کے سب سے بڑے بیٹے۔"

"اچھا اچھا وعلیکم السلام۔" مہرالنساء نے اب جواب دیا تو مدحیہ بے ساختہ ہنسی پھر فوراً" ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"بس چلتا ہوں' صبا کو چھوڑنے آیا تھا اور ہاں مدحو تم چلو میرے ساتھ۔" انہوں نے آخر میں ایک دم مدحیہ کو مخاطب کر کے کہا تو صباحت نے بھی فوراً" ان کی تائید کی۔

"ہاں مدحو! تم جاؤ نبیل بھائی کے ساتھ' پاپا کے پاس اب میں رہوں گی۔"

"نہیں نہیں۔" مدحیہ نے اسی قدر کہا تھا کہ بابا جان ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"باری باری ادھر الماس آنے کو تیار ہے۔ ویسے اب تین چار دنوں کی بات ہے پھر انشاء اللہ سکندر گھر جائے گا تو سب مل کر اس کی سیوا کر لینا۔ کیوں سکندر؟"

"جی!" شاہ سکندر اثبات میں سر ہلا کر مدحیہ اور نبیل کو دیکھنے لگے۔ اچانک انہیں آسیہ کی بات یاد آئی تھی' جب ہی کچھ کھوسے گئے تھے۔

"او کے انکل!" نبیل مصافحے کے لیے شاہ سکندر کی طرف ہاتھ بڑھا کر پوچھنے لگے۔

"آپ کی اجازت ہے مدحیہ کو لے جاؤں۔"

"ہاں ضرور۔۔۔" شاہ سکندر نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"تھینک یو۔۔۔" نبیل نے ان کا شکریہ ادا کر کے بابا جان سے مصافحہ کیا پھر مدحیہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے۔

راہداری میں انہوں نے اپنے قدموں کی رفتار آہستہ کر لی تھی پھر بھی اختتام تک پہنچ گئے تھے تب مدحیہ آتی ہوئی نظر آئی تو انہوں نے رک کر اس کا انتظار کیا پھر اسے ساتھ لے کر باہر آئے تھے۔

"تین چار دن کی تو بات تھی' میں رہ جاتی پاپا کے پاس۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی مدحیہ نے انہیں سنا کر کہا۔

انہوں نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی تو وہ سامنے سے کیسٹ اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی پھر اسے رکھ کر دوسرا کیسٹ اٹھایا پھر تیسرا آخر میں مایوس سی ہو کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

نبیل وقفے وقفے سے مڑ میں اس پر نظر ڈال رہے تھے اس کے رخ موڑنے پر انہوں نے ایک کیسٹ لگا کر آن کر دیا۔

دل نے یہ کہا ہے دل سے
محبت ہو گئی ہے تم سے
میری جان میرے دلبر میرا اعتبار کرلو
جتنا بے قرار ہوں میں خود کو بے قرار کرلو

نبیل نے تو یونہی ایک کیسٹ اٹھا کر لگا دیا تھا اب یہ اتفاق تھا کہ گانے کے بول ان کے جذبوں سے ہم آہنگ بلکہ ترجمانی بھی کر رہے تھے۔ اور یہ حسین اتفاق انہیں بڑا بھلا لگ رہا تھا' جب ہی ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس موڈ میں نہیں تھے بلکہ کچھ اور ہی سوچے بیٹھے تھے۔

اف یہ نبیل بھائی کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی شور مچاتی دھڑکنوں سے پریشان ہو کر سوچا۔ پھر بہت ہمت کرکے اپنا رخ سیدھا کیا اور کیسٹ آف کر دیا تو ایکدم خاموشی چھا جانے پر نبیل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا لیکن بولے کچھ نہیں۔

اور دوبارہ ونڈ اسکرین پر نظریں جما دیں۔

کچھ راستہ خاموشی میں کٹ گیا پھر باہر دیکھتے ہوئے وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"یہ آپ کس طرف جا رہے ہیں؟"

نبیل پتا نہیں کیوں خاموش تھے۔

"نبیل بھائی!" وہ ان کا بازو ہلانے لگی "کہاں جا رہے ہیں؟"

"گھر..... گھر..... پر..... گھر....." عجیب جواب تھا وہ الجھ گئی۔

"کیا مطلب؟"

"کتنے حصوں میں بٹا ہوا ہوں میں' پتا نہیں میری جڑیں کہاں ہیں' کہیں بھی مضبوطی سے قدم جما کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔" نبیل بولنا شروع ہوئے تھے کہ خاموش ہونے کے ساتھ ہی گاڑی بھی روک دی۔ تو وہ گھر دیکھ کر بولی۔

"ارے یہ تو بڑے ماموں کا گھر ہے۔"

"ہاں میرے باپ کا گھر' اسے میں اپنا گھر نہیں کہتا' جیسے تم اپنے باپ کے گھر کو اپنا گھر نہیں کہتیں' یہ ایک قدر مشترک ہے ہم میں۔" نبیل نے کہہ کر ایک نظر اسے دیکھا پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ ان کی بات میں الجھ گئی تھی جب ہی ٹوکا نہیں کہ وہ باہر ہی سے کیوں جا رہے ہیں اور ابھی وہ ٹھیک سے سمجھ نہیں پائی تھی کہ پھر گاڑی رک گئی۔ اس بار سامنے عالیشان گھر تھا۔

"یہ.....؟" اس کی الجھن مزید بڑھ گئی۔

"یہ میری ماں کا گھر ہے' چلو تمہیں ان سے ملواؤں۔" نبیل کہتے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئے۔ پھر بیل کا بٹن پش کرتے ہوئے انہوں نے اسے دیکھا وہ خاصی حیران اور پریشان سی آ رہی تھی۔

"ارے تم تو یوں حیران پریشان ہو جیسے۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ فوراً بولی۔

"بے وقوف....." وہ مسکرائے اور گیٹ کھلنے پر اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے آئے۔

"سنی.....!" لاؤنج میں رک کر انہوں نے پکارنا شروع کر دیا۔ "روما، ممی! کہاں ہیں آپ۔"

"نبیل بھائی' ممی! نبیل بھائی آئے ہیں۔" سامنے کے دروازے سے ایک لڑکی بھاگتی چلاتی ہوئی آ کر نبیل سے ٹ گئی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"یہ کون ہے نبیل بھائی؟"

"مدحیہ میری پھوپھو کی بیٹی اور مدحو یہ میری بہن روما ہے۔" انہوں نے تعارف کرایا۔

"ہاؤ سوئیٹ' گلیڈ ٹو میٹ یو۔" روما کا حلیہ ہی نہیں لہجہ بھی انگریزی تھا۔

"تھینک یو۔" وہ کچھ خائف سی ہو گئی تھی جب ہی تو ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گئی تب ہی نبیلہ ایک کمرے سے نکلتی ں بولیں۔

"نبیل! کیسے ہو بیٹا' اتنے دنوں بعد آئے کہیں باہر چلے گئے تھے کیا؟"

"نہیں ممی! یہیں تھا' آپ کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک یہ لڑکی؟" نبیلہ اسے دیکھ کر بولیں۔

"مدحو ہے ممی' پھوپھو کی بیٹی۔"

"آسیہ کی' ارے یہاں آؤ بیٹی میرے پاس۔" نبیلہ نے اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگایا پھر اپنے ساتھ لے کر یں تو پوچھنے لگیں۔

"تمہاری ماں کیسی ہے؟"

"جی ٹھیک ہیں۔"

"ارے.....!" نبیلہ اس کی منمناتی آواز پر زور سے ہنسیں۔ "تم تو بالکل اپنی ماں جیسی ہو۔ ڈرپوک' بزدل۔"

"کیا؟" نبیل اچھل پڑے۔ "پھوپھو ڈرپوک بزدل نہیں ہیں ممی۔"

"تمہیں کیا پتا' اس عمر میں ایسی ہی ہوتی تھی۔ اپنے بھائیوں کے سامنے جائز بات بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ ت ڈرتی تھی۔"

"لیکن یہ تو کسی سے نہیں ڈرتی ممی! بلکہ سب اس سے ڈرتے ہیں۔" نبیل نے شرارت سے اسے دیکھا۔ وہ روہانسی ہو کر اپنے ناخنوں سے کھیلنے لگی تھی۔ تب نبیل کو اس پر رحم آگیا' موضوع بدل گئے۔

"سنی نظر نہیں آ رہا ممی۔"

"وہ اپنے پاپا کے ساتھ انکلی گیا ہے۔"

"تم نہیں گئیں۔" نبیل نے روما سے پوچھا تو وہ ترخ کر بولی۔

"جہاں سنی جائے گا وہاں میں کبھی نہیں جاؤں گی۔"

"اوں ہوں' تمہیں سنی کے ساتھ ضد نہیں لگانی چاہیے' چھوٹا ہے وہ تم سے۔" نبیل نے نرمی سے ٹوکا۔

"یہ بات آپ اسے سمجھائیں۔"

"اوکے بابا اوکے' اسے بھی بتا دوں گا۔" نبیل کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا ممی اجازت دیجئے۔"

"ارے ابھی تو آئے ہو' بیٹھو میں کھانا لگواتی ہوں۔"

"کھانا پھر سہی ابھی ہمیں آگے جانا ہے۔ چلو مدحو۔" نبیل نے سہولت سے کھانے کو منع کر دیا اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہتے تھے کہ وہ خود ہی کھڑی ہو گئی۔

"اچھا بیٹی! اپنی ماں کو میرا سلام کہنا اور تم پھر ضرور آنا۔" نبیلہ نے اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"جی....." وہ روما سے ہاتھ ملا کر جلدی سے باہر نکل گئی۔ تو اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے نبیل کہنے لگے۔

"ممی آپ پوچھتی تھیں نا کہ میں کس سے شادی کروں گا تو آج آپ نے اسے دیکھ لیا۔ اچھی ہے ناں۔"

"بہت اچھی۔" نبیلہ سے پہلے روما بول پڑی۔ "میں بھی آؤں گی آپ کی شادی میں۔"

"ظاہر ہے تم آؤ گی تو شادی ہوگی ایسے جیسے ہوتی ہے۔"

"ہوں... "نبیلہ جانے کس سوچ میں تھیں اپنے آپ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"اور منیب...!" نبیل نے متوجہ پا کر وہ چونک گئیں۔

"اچھا بیٹا! میں تمہاری پھوپھو کو فون کروں گی، مجھے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کی بیٹی بہت اچھی لگی۔"

"ٹھیک ہے..." نبیل مسکرائے تو وہ خدا حافظ کہہ کر باہر آئے تو وہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

"یہ تھیں میری ماں۔" نبیل گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے مخاطب کیے بغیر کہنے لگے۔

"یہاں میں اعتراف کروں گا کہ مجھے اپنی ماں سے اتنی ہی محبت ہے جتنی باپ سے۔ اور اسے میں اپنی بدقسمتی نہیں کہتا کہ مجھے باپ نے اپنے پاس رکھا نہ ماں نے کیونکہ مجھے ان دونوں سے بڑھ کر چاہنے والی ہستی ملی۔ پھوپھو ان کی عظمتوں کو میں ہمیشہ سلام کرتا رہوں گا جنہوں نے تم دونوں کے ساتھ مجھے بھی اپنی آغوش میں جگہ دی۔ بلکہ تم دونوں سے ہی پہلے جب میرے ماں باپ ساتھ تھے اس وقت بھی میں زیادہ پھوپھو ہی کے پاس ہوتا تھا اگر کبھی وقت نے میری آزمائش کی کہ مجھے ماں، باپ اور پھوپھو میں سے انتخاب کرنا پڑا تو میں پھوپھو کا انتخاب کروں گا۔

بہرحال ایسا وقت خدا کرے کبھی نہ آئے کہ مجھے انتخاب کرنا پڑے۔ زندگی جس ڈگر پر چل رہی ہے یہی ٹھیک ہے۔ میں ہمیشہ پھوپھو کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں ایک سعادت مند بیٹے کی طرح، لیکن اس گھر میں نہیں۔ وہ اباجی کا گھر ہے اور میری ماں جیسی پھوپھو نے ہماری خاطر اپنی زندگی اپنے اباجی کے گھر گزار دی لیکن ابھی بہت زندگی باقی ہے۔ ان کا بیٹا اس قابل ہو گیا ہے کہ انہیں اپنا گھر دے سکے۔ ہے ناں؟" انہوں نے اسے گم سم حالت سے نکالنے کی خاطر تائید چاہی تو گہری سانس کے ساتھ اس نے سر جھکا دیا۔

"جانتی ہو آج پھوپھو نے مجھ سے کیا کہا...؟" وہ آہستہ سے اس کے کندھے سے اپنا کندھا ٹکرا کر بولے۔ "وہ اپنی سرپھری بیٹی کی شادی مجھ سے کرنا چاہتی ہیں۔"

"میرے خدا...!" اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"اور میں ان کی بات تو نہیں ٹال سکتا۔" انہوں نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

"کیوں، کیوں نہیں ٹال سکتے؟" وہ ایک دم چیخ گئی۔

"مجبوری ہے۔"

"کوئی مجبوری نہیں، آپ چاہیں تو صاف منع کر دیں۔" وہ ساری محبتیں بھول کر ان کا بازو جھنجوڑ کر بولی تھی۔

"اور اگر میں نہ چاہوں تو...؟" وہ ایک جھٹکے سے گاڑی روک کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائے تو وہ بری طرح سٹپٹا گئی۔

"آ... آپ... بہت..."

نبیل نے آہستہ سے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

"برا نہیں ہوں میں۔"

"اچھے بھی نہیں ہیں۔" وہ کہہ کر رخ موڑ گئی۔

تو نبیل نے شاید زندگی میں پہلی بار قہقہہ لگایا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

شاہ سکندر ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے تھے اور اگلے ماہ انہیں بائی پاس کے لیے امریکہ جانا تھا اس لیے اس سے پہلے ہی مدحیہ اور صباحت کی شادی طے کرنے کے لیے شاہ سکندر اور شاہ جہانگیر بابا جان کو بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے جنہیں دیکھ کر اباجی بے اختیار بولے تھے۔

"بہت دیر کر دی۔"

"ہاں! رات ڈھل گئی۔" بابا جان نے اباجی کو گئے وقت سے نکال کر آنے والے روشن دنوں کی نوید دے کر بٹھایا پھر کہنے لگے۔

"ہم کبھی گئے وقت کا ملال نہیں کرتے۔ ہماری نظریں ہمیشہ آنے والے وقت پر رہتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ جو دسترس سے نکل گیا اس کا ملال کیسا۔" اباجی کی تائید دکھ بھری تھی۔

آسیہ نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر اباجی کو دیکھا تھا پھر بابا جان کی طرف متوجہ ہو گئی، جو پوچھ رہے تھے۔

"پھر آپ نے کیا طے کیا۔ دونوں بچیوں کی شادی ایک ساتھ کریں گے؟"

"جی ہاں میں یہی چاہتی ہوں، آگے آپ کی مرضی۔"

"ہماری کیا مرضی، ہم تو ایک عرض لے کر آئے ہیں۔" بابا جان نے کہا تو اباجی فوراً بولے۔

"جی فرمائیے۔"

"دونوں بچیوں کی شادی ایک ساتھ ٹھیک ہے لیکن ہماری خواہش ہے کہ مدحیہ ہمارے گھر سے رخصت ہو۔ یعنی شاہ پور سے، ہم وہاں سے علی کی بارات لے کر آئیں گے اور صباحت رخصت ہو کر ہیں شاہ پور جائے گی پھر اگلے روز ولیمے کی تقریب کے ساتھ ہم مدحیہ کی رخصتی رکھیں گے۔" بابا جان اپنا پروگرام بتا کر سب کو دیکھنے لگے۔

فوراً کسی نے جواب نہیں دیا۔ یوں بھی گفتگو صرف بابا جان اور اباجی کے درمیان ہو رہی تھی۔ اس لیے سب اباجی کو دیکھنے لگے کہ وہ کیا کہتے ہیں اور وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے تھے۔

"ہوں اچھی بات ہے ایک بیٹی ماں کے گھر سے رخصت ہو گی تو ایک باپ کے گھر سے۔"

"واہ کیا پروگرام طے کیا ہے۔" میمونہ بھابھی نے آسیہ کو کہنی مار کر سرگوشی میں کہا پھر اٹھ کر مٹھائی لینے چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد میمونہ بھابھی واپس آئیں تو مٹھائی کے ساتھ مبارک سلامت کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ پھر بابا جان نے اسی وقت مدحیہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی بات کی تو آسیہ کے اشارے پر میمونہ بھابھی اسے تیار کرنے کے لیے اوپر آ گئیں۔

"صبا بیٹا! جلدی سے ایک بیگ میں مدحو کے کچھ کپڑے رکھ دو۔" میمونہ بھابھی نے ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا تو وہ حیران ہو کر بولیں۔

"کیوں مامی! مدحو کہاں جا رہی ہے؟"

"شاہ پور اپنے بابا جان کے ساتھ۔"

"کیوں مامی! میں نہیں جا رہی۔" اس نے احتجاج کیا تو میمونہ بھابھی آگے جا کر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولیں۔

"بیٹا! کچھ دنوں کی بات ہے پھر ہم تمہیں رخصت کرا کے یہیں لے آئیں گے۔"

"دلہن..." صباحت سمجھ کر خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔

"کیا کہہ رہی ہیں مامی؟" مدحیہ کچھ سمجھی، کچھ نہیں۔

"صبا بتائے گی تمہیں، صبا بیٹا! جلدی کرو وہ لوگ جانے کو تیار ہیں۔" میمونہ بھابھی اس کا گال تھپک کر صباحت سے کہتی ہوئی چلی گئیں۔

"بے وقوف تمہاری شادی طے ہو گئی ہے نبیل بھائی کے ساتھ۔" عمر جانے کب سے دروازے میں کھڑا تھا۔ مدحو کی ہونق شکل دیکھ کر چلایا، پھر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"ہائے بے چارے نبیل بھائی، ان کی ساری زندگی تمہیں ذرا ذرا سی بات کا مطلب سمجھاتے گزر جائے گی۔"

"خبردار جو آگے ایک لفظ کہا، تو ورنہ میں ابھی نبیل بھا..."

"ارے ارے۔۔۔۔!" عمر نے فوراً ٹوکا "بھائی مت کہہ دینا نکاح ٹوٹ جائے گا۔"
"کہوں گی ایک بار نہیں سو بار کہوں گی۔ نبیل۔۔۔!" بے ساختہ بولتے ہوئے اس کی زبان تالو سے چپک گئی۔

"ہاں ہاں، بولو آگے بولو۔" عمر اکسانے لگا۔
"تمہارا سر۔" اس نے تکیہ اٹھا کر عمر کے سر پر دے مارا تو وہ زور زور سے ہنسنے لگا، تب ہی ثوبیہ بھاگتی آگئی۔

"چلو بھئی، مدحوصبا نیچے سب بلا رہے ہیں۔"

"مجھے بھی۔۔۔" صباحت نے اپنی طرف اشارہ کیا۔
"کیوں تمہارا پردہ ہے سب سے؟" عمر نے کہا تو وہ اسے دھکیل کر سب سے آگے چل پڑی لیکن ڈرائنگ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی، وہیں رک کر انتظار کیا پھر مدحیہ اور عمر کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔
"آؤ بیٹا!" آسیہ اور شاہ سکندر بیٹیوں کو دیکھ کر ایک ساتھ اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے تھے اور دونوں ہی ہاتھ ان کی طرف بڑھائے تھے۔ بالکل بے اختیاری حرکات تھیں جس نے سب کو اپنی اپنی جگہ جیسے ساکت کر دیا تھا۔

مدحیہ اور صباحت نے بہت خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئیں صباحت آسیہ اور مدحیہ شاہ سکندر کے پہلو میں رکی تو ساکت وجود یکدم متحرک ہو گئے تھے۔
"چلو بیٹا۔"
"اجازت دیجئے۔"
"انشاء اللہ جلد ملیں گے۔" مختلف آوازیں گونج رہی تھیں ساتھ گلے مل رہے تھے اور ان گلے ملتے لوگوں کے درمیان وہ ندی کے دو کنارے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ان کے اندر اب گئے وقتوں کا ملال نہیں تھا، بلکہ آنے والے دنوں کا حسین تصور جہاں ان کی اولاد کی خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔ جن کی دھمک انہیں ابھی سے اپنے دل پر محسوس ہو رہی تھی۔
اور وہ دل جس میں محبت گھر کرے، وہ پھولوں کی بستی اجاڑنے والے اسے خواہ کتنا ہی اجاڑ لیں وہ سدا مہکتی رہتی ہے۔
"کیونکہ۔۔۔۔
"محبت کبھی فنا نہیں ہوتی۔"